مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۴ ★ یکم جنوری سنہ ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۱

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفٰے

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے
نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :
بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
۶ء کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱ء
رائٹرس بلڈنگس کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext 710

صدرِ ہند کا دو روزہ دورۂ کلکتہ :

جدید ٹکنالوجی نے چمڑے کی صنعت کو بڑھاوا دیا ہے : ڈاکٹر شنکر دیال شرما

صدر ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما گزشتہ ۱۷ر دسمبر کی صبح کو کلکتہ کے دو روزہ دورے پر تشریف لائے۔ اسی دن انہوں نے نیتاجی انڈور اسٹیڈیم میں انڈین انجینئرنگ کانگریس کی پلاٹینم جبلی تقریبات کا افتتاح کیا۔ دوسرے دن صدر موصوف نے کلکتہ کے کالج آف لیدر ٹکنالوجی کی ۵۰ ویں سالگرہ تقریبات کا افتتاح کیا۔

تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں :

صدر موصوف نے مزید کہا کہ ہندستانی صنعت آج اہم مقام پر قائم ہے۔ یہ اس قدر پختہ ہو گئی ہے کہ آج اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتی ہے۔ اور دیگر اقوام کی صنعتوں کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہے۔ عالمی معاشی میدان میں ہمارا کلی طور پر داخلہ ایک نیک فال عمل ہے۔ آج ہماری معیشت
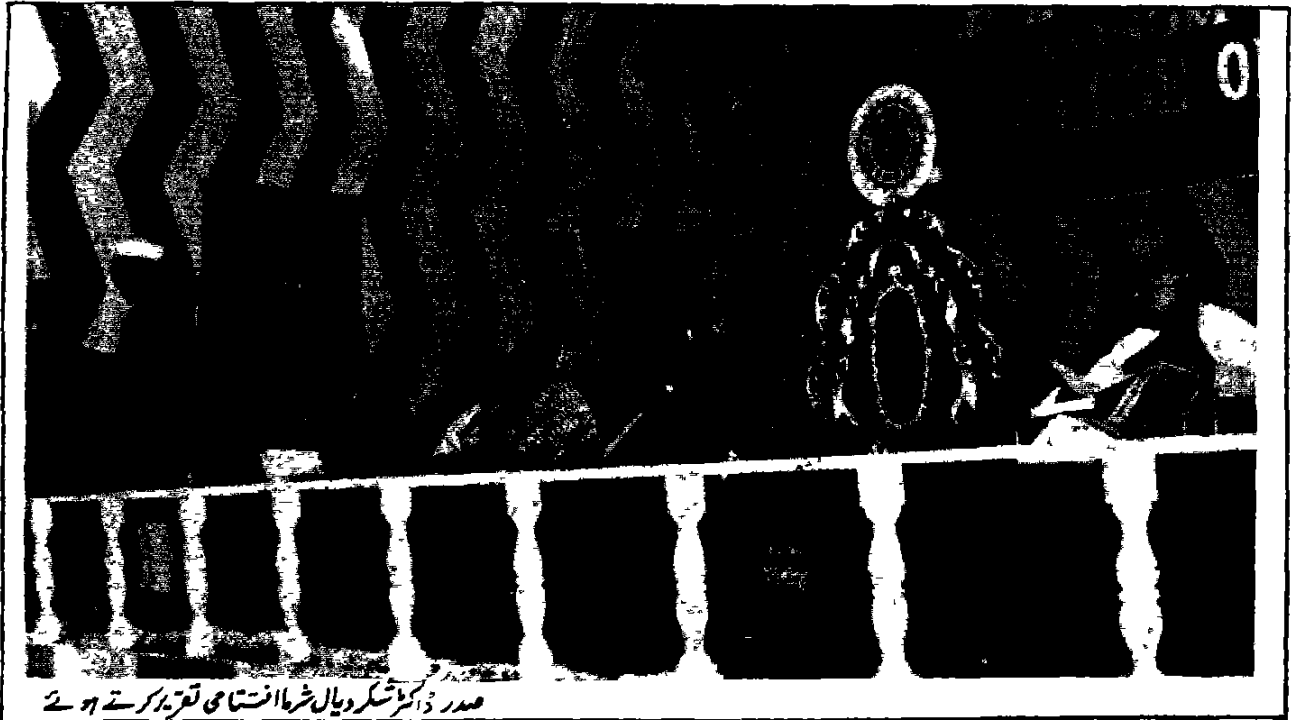
صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما افتتاحی تقریر کرتے ہوئے

جدید ٹکنالوجی نے چمڑے کی صنعت کی گنجائش و وسعت کو بڑھاوا دیا ہے۔ لیدر کیمسٹری، لیدر ٹکنالوجی اور ڈیزائننگ ایڈس وغیرہ نے نئی قسم کے چمڑے اور چمڑے کی پیداواروں کو چالو کرنے میں قیادت کی ہے۔ ہندستان میں کالج آف لیدر ٹکنالوجی اس میدان میں تعلیم و تحقیق کے لئے ہمیشہ رہنمائی کی ہے۔ ٹکنالوجی اور ٹریننگ کارکنوں کے پھیلاؤ کے ذریعہ اس نے روایتی پیشہ کی جدت کاری میں ایک گراں قدر کردار ادا کیا ہے۔

مذکورہ باتیں صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے گزشتہ ۱۸ر دسمبر کو سالٹ لیک میں نئے کمپلکس، کالج آف لیدر ٹکنالوجی کی ۵۰ ویں سالگرہ

مسابقت کی منزل کی طرف گامزن ہے۔ اس صنعت کو کوالیٹی اور معیار پر خصوصی زور دینا چاہئے۔ بنیادی طور پر باہنر انسانی قوت ہمارے عظیم ترین اثاثوں میں سے ایک ہے اور اسی لئے ہمارے انسانی وسائل کی ترقی کے لئے بھاری سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ٹکنیکل اداروں کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ یہی ٹکنالوجی کے ماہرین، محققین اور اہم شخصیتوں کو جنم دیتے ہیں۔

صدر شری شرما نے مزید کہا کہ چمڑے کی صنعت ایک ایسی صنعت ہے جو دیہی و شہری دونوں علاقوں میں روزگار کے کافی مواقع فراہم کرتے

ہیں یہ ہمارے سماج کے پس ماندہ طبقوں کی معاشی بہبود کا ذریعہ بھی رہا ہے ۔ اس صنعت کے روزگار کا پہلو قابلِ ذکر ہے اور آنے والے برسوں میں اس کی توسیع کے امکانات کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ روزگار کے اس پہلو کو مزید اہمیت حاصل ہوگی ۔

کالج آف لیدر ٹکنالوجی کی سراہنا کرتے ہوئے صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے بتایا کہ یہ کالج اپنے ۷۵ ویں سالہ وجودیت کے دوران چمڑے کے میدان میں ٹکنیکی شخصیتوں کا اہم وسیلہ بنا رہا ہے ۔ کالج آف لیدر ٹکنالوجی نے مغربی بنگال میں ایک اہم صنعت کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے ۔ صدر موصوف نے امید ظاہر کی کہ یہ کالج عالمی مسابقت کے چیلنج کے مقابلہ کرنے کے لئے آنے والے برسوں میں اس صنعت کے لئے اپنی خدمات جاری رکھیگا

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے اپنی تقریر میں آنجہانی بل رتن سنہا کو جنہوں نے لیدر ٹکنالوجی کے کالج کے قیام کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے چمڑے پکانے کے دوران پیدا ہونے والی ماحولیاتی آلودگی کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کے حکم کے مانتے ہوئے ٹینریوں کو کلکتہ سے دوسرے مقاموں پر منتقل کردینا ضروری ہوگیا ہے ۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے صنعت کے میدان میں تحقیقی کاموں کی کمی کو دور کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ۶۲۶ بیلین کا لیدر کمپلکس جو کہ ۱۰۰۰ ایکڑ قطعاتِ آراضی پر قائم کیا جارہا ہے تقریباً ۸۰ ہزار لوگوں کے لئے روزگار مہیا کریگا۔

وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی نے بھی اپنی تقریر میں صنعت کاری کے طریقہ کار کو ثمر آور بنانے کے لیے تحقیقی کاموں کی ضرورت پر زور دیا۔ اس موقع پر صدرِ ہند شری شنکر دیال شرما نے ۷۵ ویں سالگرہ تقریبات کے سووینئر کا اجراء کیا ٭٭

صدر ۷۵ ویں سالگرہ تقریبات کے سووینئر کا اجراء کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ نے سالٹ لیک میں ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کا افتتاح کیا

ثقافتی تبادلہ ایک دوسرے کو جاننے کا بہترین وسیلہ ہے اور ہندستان کی ایکتا اور قومی یک جہتی کو مختلف ریاستوں کے درمیان مستقل ثقافتی تال میل کے ذریعہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۱۹ دسمبر کو سالٹ لیک میں ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کے نئے تعمیر شدہ ثقافتی کمپلکس کا افتتاح کرتے ہوئے کہیں۔

وزیراعلیٰ نے کہا کہ ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر مختلف ریاستوں میں عوام کے درمیان آپسی متعلق سمجھ بوجھ کے اصولوں کو فروغ دینے کے لئے دیگر ثقافتی مراکز کے ساتھ قریبی رابطہ رکھے گا۔

شری باسو نے ہندستان بھر میں مرکز کی طرف سے ایسے دیگر سات مراکز قائم کرنے کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان سے جذباتی یک

شری باسو پر دیپ جلا کر کمپلکس کا افتتاح کرتے ہوئے۔ ریاستی گورنر شری رگھوناتھ ریڈی بھی بغل میں موجود ہیں

وزیراعلیٰ موصوف نے بتایا کہ ہندستان کثرت میں وحدت کا ملک ہے لیکن حال ہی میں کچھ علیحدگی پسند قوتیں مذہب، زبان اور ثقافت کے نام پر ملک کو تقسیم کرنے میں مشغول ہیں۔ ہمیں ایسے ناپاک ارادوں کے خلاف ہر قیمت پر مقابلہ کرنا ہوگا۔ انہوں نے ایسی خطرناک سرگرمیوں کو شکست دینے کے لئے نوجوانوں کو آگے آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی جماعتوں، عام لوگوں اور ثقافتی سرگرمیوں سے متعلق افراد کو چاہئے کہ وہ ملک کو ایسی آفت سے بچانے کے لئے سامنے آئیں۔

جہتی کو بڑھاوا دینے میں مدد ملے گی۔ انہوں نے کہا کہ ایسے مراکز کو نہ صرف تفریحی فرائض انجام دینے چاہئیں بلکہ انہیں ملک کے مختلف حصوں کے عوام کے درمیان ثقافتی بندھن کو مضبوط کرنا بھی ہے۔

وزیراعلیٰ نے اس انتہائی ضروری ثقافتی مرکز کی ابتدائی تشکیل میں ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کے چیئرمین اور سابق گورنر پروفیسر سید نورالحسن کے اہم کردار کا بطور خاص ذکر کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت نے اس سنٹر کے لئے کلکتہ اور شانتی نکیتن دونوں جگہوں میں حسب ضرورت

ثقافت آراضی مہیا کئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مرکز وریاست کے محکمۂ سیاحت نے ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کے قریب ایک "کرافٹ گاؤں" کے قیام کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا ہے

ریاستی گورنر شری رگھوناتھ ریڈی نے اپنی تقریر میں بتایا کہ مرکز ہمارے ہمہ جہت سماج کی اعلیٰ ثقافتی مرتبت وکثرت کو اجاگر کر رہا ہے اور یہی رواداری، اتحاد اور بھائی چارگی کے پیغام کی تشہیر میں مصروف عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرکز کو چاہئے کہ پس ماندہ علاقوں زوال پذیر لوک آرٹ کے احیاءِ نو کے لئے تمام تر ممکنہ اقدامات کرے۔ گورنر موصوف نے کہا کہ ایک ایسے مرکز جلد ہی شانتی نکیتن میں چالو ہو جائیگا۔ انہوں نے بلا قیمت میں مہیا کرنے کیلئے ریاستی حکومت کو مبارکباد دی۔ گورنر موصوف نے جو بذات خود ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کے چیرمین ہیں اس تقریب کی صدارت کی۔

اس موقع پر وزیر اطلاعات وثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ثقافت زندگی کا اہم وسیلہ ہے اور اسے کسی بھی شکل میں کسی مصنوعی پابندی عائد کرکے جاری رکھا نہیں جا سکتا ہے۔ بائیں محاذ حکومت بذات خود کوئی پالیسی تشکیل کرنے کی حمایت میں نہیں ہے۔ یہ آرٹسٹوں کی آزادی پر زیادہ اعتماد کرتی ہے۔ وزیر موصوف نے ان قوتوں کی سخت نکتہ چینی کی جو مذہب، زبان، علاقائیت اور اس طرح کے دیگر محدود خیالات کی بنیاد پر ملک کو توڑنا چاہتی ہیں۔ ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر دلی اتحاد اور قومی یک جہتی کے لئے اپنی سرگرمیوں کو وقف کردے گا پھر تفریح وغیرہ کے لئے پروگرام منعقد کرے گا۔

حکومت تریپورہ کے وزیر برائے تعلیم وثقافتی امور شری انیل سرکار نے اپنی تقریر میں کہا کہ ۳۰۰ سالہ کلکتہ ہمیشہ سے ادب وثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ مشرقی اور شمال مشرقی ریاستوں کا صدر دروازہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ علیحدگی پسندی کو چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو ملک میں عبرتناک انجام دیکھنا پڑے گا۔

وزیر کھیل کود اور سیاحت شری سبھاش چکرورتی نے کہا کہ اگرچہ اس مرکز کو دس سال قبل شروع کیا گیا تھا تاہم اس نے دیہی علاقے میں اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ اس مرکز کی طرف سے مختلف علاقائی ثقافت کی خصوصیات کو اجاگر کرنا واقعی مشکل کام ہے۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ ایسے مراکز کو پروگراموں کو منتخب کرنے میں انتہائی ہوشمندی اور سنجیدگی سے کام لینا چاہئے تاکہ ریاستوں کی ثقافتی انفرادیت کو اجاگر کیا جا سکے۔ ایسٹرن زونل کلچرل سنٹر کے ڈائرکٹر نے اپنی استقبالیہ تقریر میں کہا کہ مختلف ریاستوں کے فنکار اس ثقافتی کمپلکس میں آپس میں باہمی خیالات کے تبادلہ کے لئے جمع ہو سکیں گے۔ حکومت ہند کے شعبۂ ترقیات انسانی وسائل کے وزیر شری کمل آنند نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا ❖❖

وزیراعلیٰ نے دُرگا پور میں شیشو اُتسو ۹۴ء کا افتتاح کیا
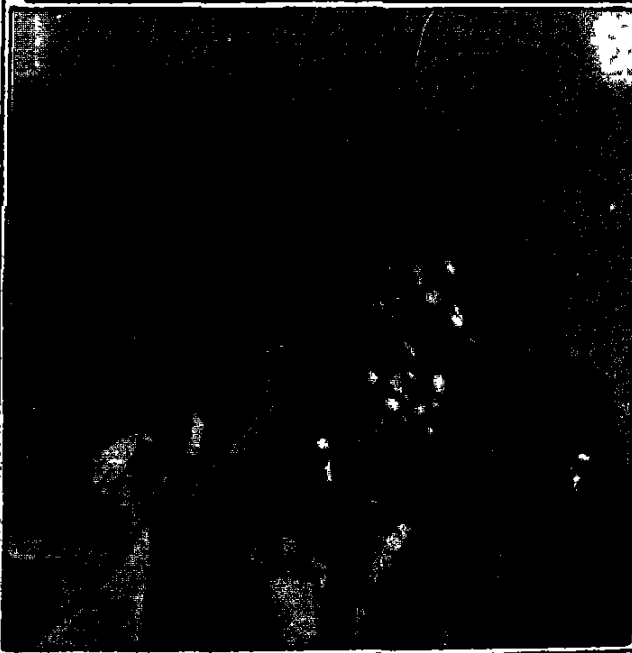
صرف ملک کی اقتصادی اصلاحات سے کام نہیں چلے گا بلکہ سارے ملک میں ثقافت اطفال کو بھی فروغ دینا ہوگا۔ یہ بات وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۹ دسمبر کو درگاپور کے راجیو گاندھی میدان میں چلڈرنس اکاڈمی آف کلچر کے زیر اہتمام سالانہ شیشو اُتسو ۹۴ء کے موقع پر مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہی

وزیراعلیٰ نے مزید کہا کہ آج ملک فرقہ پرستی کے مسئلے سے دوچار ہے اور ہمیں ان ناپاک طاقتوں سے اپنے بچوں کو محفوظ رکھنا ہے۔ وزیراعلیٰ موصوف نے غبارے اڑا کر شیشو اُتسو ۹۴ء کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر راجیہ سبھا کی ڈپٹی اسپیکر شریمتی نجمہ ہپت اللہ نے بھی شرکت کی ❖❖

سابق صدر گیانی ذیل سنگھ کا انتقال
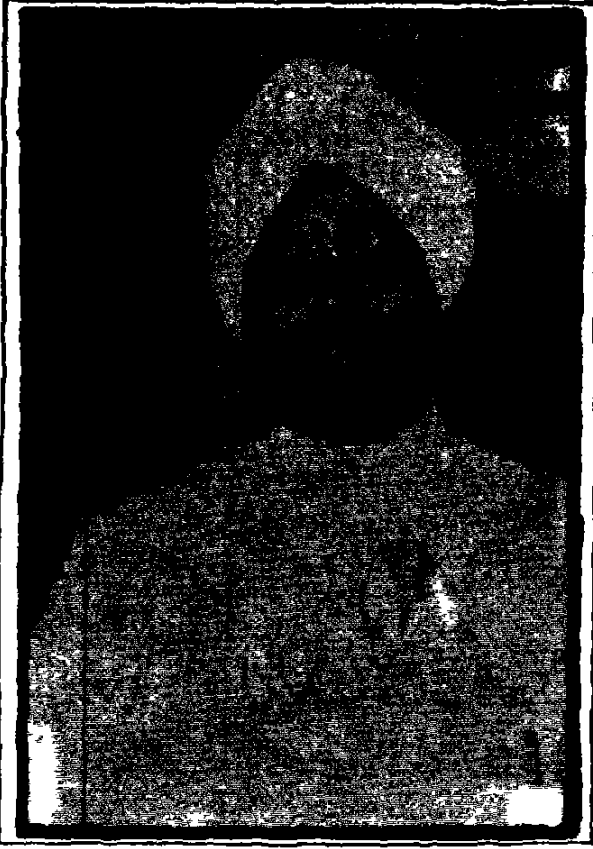
سابق صدر ہند گیانی ذیل سنگھ گزشتہ ۲۵ دسمبر کی صبح کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ موت کے وقت ان کی عمر ۷۸ سال تھی۔ ان کے لواحقین میں ان کی اہلیہ پردھان کور، دو لڑکیاں گردیپ کور اور منجیت کور اور ایک لڑکا جوگیندر سنگھ ہیں۔ آنجہانی ۲۹ نومبر ۹۴ء کو ایک سڑک حادثے میں شدید زخمی ہونے کے بعد سے چنڈی گڑھ کے پی جی آئی نہرو ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ سر کے حصہ پر شدید چوٹ لگنے کے بعد وہ متعدد بیماریوں میں گھر گئے تھے۔ دل کا متواتر دورہ پڑنے کی وجہ سے ان کی حالت تشویشناک ہو گئی تھی۔ ۲۷ دنوں تک موت سے سخت مقابلہ کرنے کے بعد انہوں نے آخر دائی اجل کو لبیک کہا۔ اسی دن آنجہانی کی میت کو چنڈی گڑھ کے سرکاری مہمان خانہ میں عام دیدار کے لئے رکھا گیا اور دوسرے دن صبح کو خصوصی طیارہ کے ذریعہ ان کی لاش کو دہلی لایا گیا۔ یونین ٹیری ٹاری گیسٹ ہاؤس میں متعدد قومی رہنماؤں و دیگر اہم شخصیتوں اور عام لوگوں نے آخری خراج عقیدت پیش کیا۔ آنجہانی گیانی ذیل سنگھ کو ۲۷ دسمبر کی دوپہر کو دریائے جمنا کے کنارے پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ نذر آتش کر دیا گیا۔ اس دن سابق صدر کی آخری رسومات کی ادائیگی کے موقع پر مرکز نے سرکاری چھٹی اور سات دن کے سوگ کا اعلان کیا۔ حکومت مغربی بنگال نے بھی سابق صدر کے سوگ میں ۲۷ دسمبر کو سرکاری تعطیل کا اعلان کیا۔ ان کے سوگ میں تمام سرکاری دفاتر میں قومی پرچم کو سرنگوں کر دیئے گئے۔

سابق صدر گیانی ذیل سنگھ کی موت پر متعدد قومی رہنماؤں نے تعزیتی پیغام دیئے اور آنجہانی کو خراج عقیدت پیش کیا

صدر ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ملک کی انتظامیہ میں ذیل سنگھ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ عوام کے ساتھ انہوں نے رشتہ ہمیشہ استوار رکھا۔ وہ انتہائی شفیق اور وسیع القلب انسان تھے۔

سابق صدر کے آر نارائنن نے کہا کہ سابق صدر اور مجاہد آزادی نے ملک کی قابل قدر قیادت کی تھی۔ ان کے سیکولر خیالات یقیناً قابل تقلید ہیں۔ سماج کے غریب اور پچھلے ہوئے عوام کے لئے ان کے دل میں زبردست ہمدردی تھی۔

وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ذیل سنگھ نے اپنی طویل سیاسی زندگی میں عوامی بہبود کے لئے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ، مرکزی وزیر اور صدر ہند کی حیثیت سے اعلیٰ انتظامی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ ان کی موت سے قوم نے ایک سچے محب وطن کو کھو دیا ہے۔

مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے کہا کہ ذیل سنگھ کی موت سے ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ذیل سنگھ عوام کے نمائندے تھے اور ایک ممتاز مجاہد آزادی تھے۔ سماج کے کمزور طبقہ کے لئے انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ ایک قابل انتظامی صلاحیت کے مالک تھے۔

ریاست کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ کی موت پر اپنے گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں انہیں وزیر داخلہ پھر صدر ہند کی حیثیت سے جانتا رہا ہوں۔ انکے سبکدوش ہونے کے بعد بھی میری ان سے بہت سے مواقع پر ملاقات ہوتی رہی۔ وہ ایک صاف گو انسان اور ایک اچھے مقرر تھے۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے اپنے تعزیتی پیغام میں ان کے سوگوار اہلِ خاندان سے اظہارِ ہمدردی کیا۔

گیانی ذیل سنگھ کی پیدائش ۵ مئی ۱۹۱۶ء کو ضلع فرید کوٹ کے سندھوان گاؤں میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام سردار کشن سنگھ تھا۔ گیانی جی نے چونکہ ایک دستکار گھرانے میں جنم لیا اور وہ اچھی خاصی خاندانی زمین کے مالک تھے اس لئے زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کی پیدائش دیہات میں ایک کچے مکان میں ہوئی۔ انہوں نے لڑکپن میں غریبی دیکھی تھی اسلئے غریبوں کا دکھ درد سمجھتے تھے۔ انہوں نے مصیبت زدوں اور کمزور طبقوں کی ہمیشہ ہمنوائی کی۔ گیانی جی سادگی پسند تھے اور ان کی زندگی گاؤں کے عام لوگوں جیسی ہی سادہ تھی۔

گیانی جی طویل قامت، خوبصورت اور خوش لباس تھے۔ ہمیشہ چوڑی دار پاجامہ، شیروانی زیب تن کرتے اور ایک گلاب شیروانی کے بٹن میں ضرور لگاتے۔ گیانی جی صرف ایک عظیم شخصیت کے حامل ہی نہیں تھے بلکہ وہ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ پنجابی ان کی مادری زبان تھی لیکن انہیں اردو اور ہندی میں بھی دسترس حاصل تھی۔ اردو زبان سے انہیں بڑا لگاؤ تھا۔ اکثر تقریر کے دوران اردو کے اشعار برمحل استعمال کیا کرتے۔ اردو سے اس قدر وابستگی تھی کہ اردو لکھنا پڑھنا اور بولنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ گیانی جی ایک عدیم المثال مجاہد تھے۔ انہوں نے اقتصادی نابرابری اور سماجی ناانصافی کیخلاف آواز اٹھائی۔ اس جرم میں وہ گرفتار بھی ہوئے۔ گیانی جی مردِ مجاہد تھے اور انہوں نے جنگِ آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ آزادی کے بعد جب فرید کوٹ ریاست پیپسو میں پٹیالہ اور مشرقی پنجاب یونین میں ملا دیا گیا تو گیانی جی کو مال گزاری اور زراعت کا وزیر بنایا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں وزیر اعلیٰ سردار پرتاپ سنگھ کیروں کی کابینہ میں وزیر بنائے گئے۔ ۱۹۶۲ء میں گیانی جی استعفیٰ دے کر ملک کے دفاع میں سرگرم ہو گئے۔ ۱۹۶۲ء سے ۷۲ء کے درمیان پنجاب میں فرقہ پرستوں کے خلاف جہاد کیا اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ بعدازاں انہیں مرکزی کابینہ میں بھی شامل کیا گیا۔ اسکے بعد وہ ہندستان کے وزیر داخلہ بنائے گئے اور پھر صدر جمہوریہ منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۷ء کے بعد سے دہلی میں ریٹائرڈ زندگی بسر کرتے رہے لیکن سماجی، ثقافتی اور ادبی تقاریب میں انکی شرکت ہمیشہ ہوتی رہی۔ گیانی جی جنگِ آزادی کے ایک سپاہی تھے۔ سماجی مصلح، غریبوں اور بے کسوں کے مددگار، ایک کامیاب وزیر اعلیٰ، مرکز میں وزیر داخلہ اور آخر میں صدر جمہوریہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں۔ وہ عمر بھر فرقہ پرستی کے خلاف لڑتے رہے۔ وہ عدیم المثال صفات کے حامل تھے۔ عوامی زندگی میں ان کی خدمات طویل عرصے تک مختلف النوع رہی ہیں اور اسی بنیاد پر وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ؛؛

بقیہ : اردو ادب میں خاکہ نگاری

قاری کو نہیں ہوتی لیکن جن کی دریافت سے ایک سرشاری کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے جہاں دوسروں کے خاکے لکھے ہیں وہاں خود اپنا خاکہ بھی لکھا ہے اور خوب لکھا ہے

"یہ شکل وصورت کے اعتبار سے بس لونڈے سے ہیں۔ مدیر "نقوش" کا مطلب تو یہ تھا کہ ڈپٹی نذیر احمد جیسا جبہ پہنا کرتے، سرسید ایسی داڑھی ہوتی، ابوالکلام جیسا رعب ودبدبہ ہوتا۔ برعکس اس کے یہ سیدھے سادے آدمی کا بچہ ہیں۔ سر رعب نہ کچھ۔"

طفیل صاحب سوائے اپنی ذات کے ہر بات میں نفاست کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور خوبصورت چیزوں پر جان دیتے ہیں۔ یقین کیجئے انہیں اس حد تک خوبصورتی خبط ہے کہ نہ پوچھئے۔ یہ ہر چیز میں حُسن ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دن اپنے ایک نہایت بے تکلف دوست سے کہہ رہے تھے کہ "دیکھو نا یار! وہ سامنے جو کوّا بیٹھا ہے کتنا خوبصورت ہے"۔

آج یہ قدآور خاکہ نگار ہمارے درمیان نہیں رہا۔ ہمارا دل رو رہا ہے۔ طفیل صاحب کے ساتھ ہم علم وادب کا ایک گراں بہا خزانہ کھو بیٹھے ہیں۔ زندگی کی اعلیٰ قدروں اور انکی محبتوں سے محروم ہو گئے ہیں جو طفیل صاحب کے دل میں اردو زبان وادب کیلئے تھیں جن کی بدولت وہ ادبی حلقوں میں محمد نقوش کے نام سے جانے جاتے تھے ؛؛

ریاستی چھاترا۔ جو بالستو، ۱۹۹۴ء

طالبعلم و نوجوان طبقہ کو ماضی کی انقلابی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے سنگین صورتحال کا مقابلہ کرنا ہوگا

• شری بنوئے چودھری

شری بنوئے چودھری افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔

سرکاری سطح پر اس چھاترا۔ جو بالستو کو انقلابی ماسٹر دا یا سرجا سین کے نام سے منسوب کرنا بالکل موزوں اور بروقت ہے۔ یہ بات وزیر آراضی و اصلاحاتِ آراضی شری بنوئے کرشنا چودھری نے ریاستی طالبعلم و نوجوان تہوار ۹۴ء کی تقریبات کا گزشتہ ۱۶ ردسمبر کو افتتاح کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملک کی آزادی اور خود مختاری کے لئے ماسٹر دا کھودی رام، بھگت سنگھ، نیتا جی سبھاش چندر بوس نے زندگی بھر جدوجہد کی تھی آج وہ آزادی اور خود مختاری خطرے میں ہے۔ سامراجی طاقتیں اپنے استحصال کو بڑھانے کیلئے نئی نئی تدبیریں کرتی جارہی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو یہ طاقتیں اقتصادی برتری کے زیر اثر لاکر تشویشناک صورتحال میں مبتلا کر رہی ہیں۔ اس وقت طالب علم اور نوجوان طبقہ کو نئے ڈھنگ سے سوچنا ہوگا اور ماضی کی انقلابی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے سنگین صورت حال کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

اس جلسہ کی صدارت وزیر کھیل کود اور خدمات نوجوان شری سبھاش چکرورتی نے کی۔ اپنے صدارتی خطبہ میں وزیر موصوف نے مہمان شرکاء کو مبارکباد پیش کی۔ جلسہ میں بھارت کے گن تانترک جو با فیڈریشن نے ریاستی صدر معین الحسن بھی بہ نفسِ نفیس موجود تھے۔

اس موقع پر شعبہ خدماتِ نوجوان کے اسپشل سکریٹری اور ڈائرکٹر نے بھی تقریر کی۔

آئی ایل او کی ۷۵ ویں سالگرہ کے موقع پر سیمینار کا انعقاد
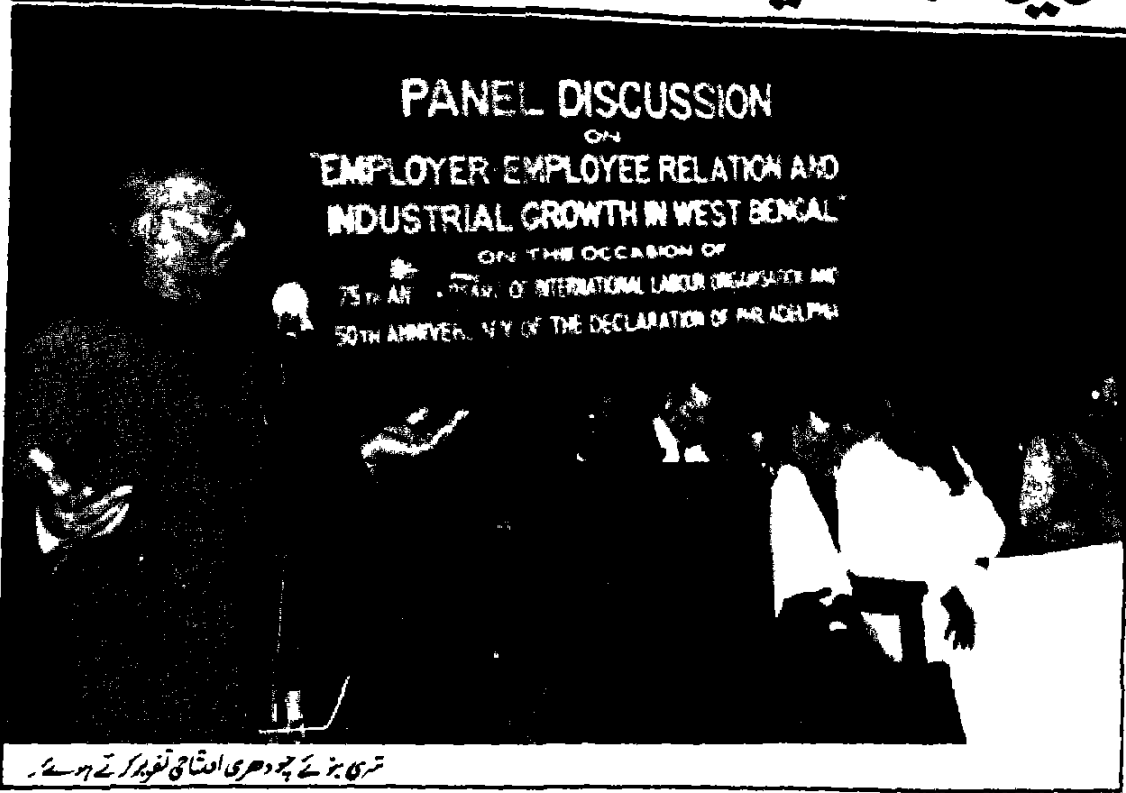
شری بنوئے چودھری افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔

بین الاقوامی تنظیم محنت (آئی ایل او) کی ۷۵ ویں سالگرہ اور فیلاڈیلفیا کے اعلانیہ کی ۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر گزشتہ ۲۱ دسمبر کو ریاستی حکومت کے شعبۂ محنت کے زیر اہتمام کلکتہ کے شیشر منچ میں منعقدہ ایک سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر آراضی واصلاحات آراضی شری بنوئے کرشنا چودھری نے کہا کہ ۱۹۱۷ میں انقلاب روس نے آئی ایل او کے قیام کی اہمیت کے لئے جمہوری ممالک کو بیدار کیا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مختلف ملکوں میں اس وقت مزدور طبقہ کے معیار زندگی اس قدر پست تھا کہ اس کے حل کے لئے کچھ لازمی انتظام کی ضرورت پیش آئی ہیں تو ان ممالک میں بھی انقلاب کی صورت حال پیدا ہوسکتی تھی۔ شری چودھری نے مزید کہا کہ ہندستان میں ۱۹۲۰ء میں مسلم ٹریڈ یونین تحریک شروع ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہندستان شروع سے (۱۹۱۹ء سے) آئی ایل او کا ممبر ہے تاہم آج بھی اس ملک کی کثیر تعداد غیر منظم مزدوروں کے معیار زندگی اور اس کا تحفظ بے انتہا غیر یقینی ہے۔

مغربی بنگال کے صنعتی احیاء نو کے وزیر شری پتت پاون پاٹھک نے اپنی تقریر میں کہا کہ آئی ایل او کی کوششوں کے باوجود دنیا کے کثیر تعداد مزدوروں کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ فیلاڈیلفیا اعلانیہ ناتمام ہو کر رہ گیا ہے۔

ریاست کے وزیر محنت اور جلسہ کے صدر شری شانتی رنجن گھوٹک نے اپنی تقریر میں کہا کہ مغربی بنگال میں جہاں صنعت کاری کے خوشگوار امکانات روشن ہوئے ہیں "مزدور اور مالک" کے درمیان ایک سیمینار کا انعقاد بہت ضروری ہو گیا ہے۔ آئی ایل او کے قیام اور فیلاڈیلفیا اعلانیہ کی تاریخی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے شعبۂ محنت نے اس سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔

شعبۂ محنت کے پرنسپل سکریٹری شری بارتو شاروتی چودھری نے جلسہ میں شریک ممتاز شخصیتوں اور مہمانوں کا استقبال کیا۔ لیبر کمشنر شری ایس این داس نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ ٹریڈ یونین کے لیڈروں اور مختلف صنعت کاروں نے اس سیمینار میں حصہ لیا ٭٭

نصیر پرواز
بھوپال

کس کاندھے پر سر رکھو گے کس کو زخم دکھاؤ گے
مجھ سے ناتہ توڑ لیا تو جیون بھر پچھتاؤ گے

پربت پربت جلتی آندھی، دریا دریا گہرائی
تم نے من کا دوار جو کھولا اشکوں میں کھو جاؤ گے

گھر کے سارے دیپ بجھا کر اک گوشے میں بیٹھا ہوں
مجھ کو یہ امید کہاں ہے تم واپس آ جاؤ گے

میری مرجھائی سانسوں کا ذرّہ ذرّہ بکھر چکا
جھوٹی آشا، ٹوٹے سپنے اب کس کو پہناؤ گے

سارے رشتے سارے بندھن بہتے پانی کی تحریر
جس دن سنّاٹا ٹوٹے گا خود کو تنہا پاؤ گے

ضد تھی کانٹے ٹھکرانے کی پھر کانٹے کیوں پہن لئے
کتنے پھولوں کو مسلو گے کتنے باغ جلاؤ گے

تم تو اوّل سے آخر تک میرے رس میں ڈوبے تھے
مجھ کو بھی امید کہاں تھی تم مجھ کو ٹھکراؤ گے

مڑ کر بھی نہ دیکھی تم نے بیتے دن کی آوازیں
دنیا کو تو سمجھا دو گے خود کو کیا سمجھاؤ گے

چاندی جیسی میری غزلیں سونے جیسے میرے گیت
جس دن تم مجھ کو چھو لو گے اپنا مان بڑھاؤ گے

اس دن میری مایوسی کا چاند افق پر جاگے گا
آنکھوں کی سوکھی جھیلوں میں جب سپنے دہکاؤ گے

تم نے خود اپنے پیروں میں ڈالی ہیں یہ زنجیریں
جس دن خود کو ٹھکراؤ گے اس دن مجھ کو پاؤ گے

بس میری ہی سانسیں پہنو میں مجبور نہیں کرتا
لیکن اتنا تو بتلا دو اب کس کے گھر جاؤ گے

ہونٹوں پر پرواز سجایا تم نے کوئی نام اگر !
شبدوں کا اپمان کرو گے اپنا مان گنواؤ گے

بے صدا بے آسرا زندہ رہے
ہم بھی اس دنیا میں کیا زندہ رہے

آنکھ جب کھولیں نظر آئے حیات
روشنی کا سلسلہ زندہ رہے

روح جب مٹی سے ہم آغوش ہو
آگ، پانی اور ہوا زندہ رہے

سانس لیتی سسکیوں کے درمیاں
لفظ رہ جائیں دعا زندہ رہے

آندھیوں کی باڑھ رستے ریت کے
کیسے کوئی نقشِ پا زندہ رہے

لوگ آمادہ ہیں میرے قتل پر
کس طرح میری صدا زندہ رہے

میرے دشمن بھی یہاں میری طرح
ابتدا تا انتہا زندہ رہے

ہے یہی تو احترامِ زندگی
دل میں کوئی مدعا زندہ رہے

یہ بھی اپنے آپ میں اک معجزہ
ہو کے ہم تم سے جدا زندہ رہے

آنکھ جھٹلاتی رہے چاہے مجھے
دل میں احساسِ وفا زندہ رہے

یا خدا اس دورِ پر آشوب میں
ان نگاہوں میں حیا زندہ رہے

غم زدہ شہروں میں سایوں کا ہجوم
کوئی لمحہ کام کا زندہ رہے

بے ستوں مایوسیوں کے باوجود
کچھ یقیں تو یا خدا زندہ رہے

کوئی تو پرواز بتلائے مجھے
کون اپنے ماسوا زندہ رہے

۹

اردو ادب میں خاکہ نگاری

● علقمہ شبلی، کلکتہ

کہا جاتا ہے کہ مزاح دو دھاری تلوار ہے جس پر چلنے کے لئے بڑے ہوش گوش کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ذرا سی لغزش کا نتیجہ جنت ہوتا ہے یا حوالات۔ یہی بات خاکہ نگاری کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے۔ خاکہ نگار کو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ ذرا سی لغزش ہوئی تو خاکہ ذاتی تعلقات کا اشتہار بن جاتا ہے یا پھر پھکڑ پن یا ہجو کی سرحد کو چھو لیتا ہے۔

خاکے میں کسی شخصیت کے خاص اور اہم پہلو کی نقاب کشائی اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے کردار و افکار اور صورت و سیرت کی جھلک نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے خاکہ نگاری کو سوانح عمری کا مرادف سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان دونوں میں لطیف فرق ہے سوانح عمری میں پیدائش سے لے کر موت تک کے واقعات ایک خاص ترتیب سے بیان کئے جاتے ہیں لیکن خاکے میں صرف ایسے واقعات کی تصویر کشی ہوتی ہے جن سے کسی شخصیت کا مزاج، اس کی ذہنی افتاد، اس کی خوبیاں اور اس کی خامیاں غرض اس کا بھرپور نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کون سے ایسے واقعات ہیں جن کی پردہ کشائی سے کسی کی بھرپور شخصیت ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس کے لئے کوئی بندھا ٹکا قاعدہ بیان کرنا قلم کار کے خیالات کو چہار دیواری میں بند کر دینا ہے۔ اس کا تعلق خاکہ نگار کے مطالعہ، مشاہدہ، صاف گوئی، بے تعصبی، دیانت داری اور سب سے بڑھ کر اظہارِ خیالات میں فن کارانہ چابکدستی سے ہے۔

انسان انسان ہے۔ وہ نہ تو فرشتہ ہے اور نہ شیطان۔ اس کی ذات کے روشن پہلو بھی ہوتے ہیں اور تاریک بھی محاسن و معائب مادرِ گیتی کی دو چہیتی اولاد ہیں جن کے امتزاج ہی سے شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے اس لئے خاکہ نگار کو مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کے امتزاج سے ایک نمائندہ تصویر پیش کرنی چاہئے۔ خاکے میں اگر صرف سبحان اللہ اور ماشاء اللہ پر ہی اکتفا کیا جائے اور استغفر اللہ کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے یا صرف کمزوریوں پر ہی روشنی ڈالی جائے اور کارناموں سے پہلو تہی کی جائے تو ایسے مضامین کو کسی طرح خاکے میں نہیں شمار کیا جا سکتا۔ خاکے میں مزاح کا عنصر تو ہو سکتا ہے لیکن طنز کی گنجائش مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ خوبیوں کی نقاب کشائی تو ہو سکتی ہے لیکن قصیدہ خوانی کا کوئی جواز نہیں۔ اچھے خاکے کے لئے ضروری ہے کہ خاکہ نگار کی گرفت منفی نہیں ہو بلکہ وہ انسانیت کی عظمت، کردار کی بلندی اور شخصیت کی دل کشی پر زور دے۔ خاکے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خاکہ نگار جس شخصیت کا خاکہ لکھے اس کی سیرت اور صورت کا مطالعہ غیر جانبداری سے کرے اور اپنا ذکر کئے بغیر اس فنکاری سے واقعات و مشاہدات کی پردہ کشائی کرے کہ شخصیت کی ہنستی بولتی، چلتی پھرتی تصویر قاری کے سامنے آجائے۔

اردو ادب میں خاکہ نگاری کی ابتدا کب سے ہوئی یہ کہنا مشکل ہے، لیکن پھر بھی انشاء اللہ خاں انشاء اور مولانا محمد حسین آزاد کی تحریروں میں ابتدائی خاکوں کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ان کے بعد عبد الحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا کی تحریروں میں بھی شخصی مرقعوں کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کے "قلمی چہرے" بھی خاکہ نگاری کی کوشش ہے۔ ان مصنفین کی رکھی ہوئی

بنیادوں پر بعد کے قلم کاروں نے خاکہ نگاری کی عمارت کھڑی کی۔
ابتدائی دور میں ہمیں فرحت اللہ بیگ کے خاکے چونکا دیتے ہیں۔ ان میں "نذیر احمد کی کہانی" ان کا شاہکار ہے۔ مولوی نذیر احمد فرحت اللہ بیگ کے استاد تھے مگر فرحت اللہ بیگ نے جس غیر جانبداری سے یہ خاکہ لکھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی کامیاب خاکہ نگاری میں ان کے مزاج کا بھی بڑا ہاتھ ہے جو ان کی تحریروں میں رچا بسا ہے۔ اردو خاکوں کا ذکر کرتے وقت مولوی عبدالحق کے "چند ہم عصر" کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں جہاں مشہور ہستیوں کے خاکے ہیں وہیں چند غیر معروف ہستیوں کے مرقعے بھی شامل ہیں۔ ان خاکوں میں عبدالحق نے ان باتوں کا خاص خیال رکھا ہے کہ خواہ مخواہ اپنا تذکرہ نہ آنے پائے اور یہی ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔ خاکہ نگاری میں رشید احمد صدیقی کا ایک خاص مقام ہے۔ "گنج ہائے گراں مایہ"، "ہم نفسانِ رفتہ" اور "ذاکر صاحب" کے علاوہ ان کے دوسرے مضامین میں بھی خاکہ نگاری کے نمونے ملتے ہیں وہ ان کی خاص خوبی ان کی فطری سادگی اور بات میں بات پیدا کرنے کی عادت ہے۔ خواجہ غلام السیدین کی "آندھی میں چراغ" بھی خاکہ نگاری کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ سیدین صاحب کی سلاست اور شگفتگی اور مفکرانہ انداز نے ان کے خاکوں کی دلچسپی کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔ عبدالماجد دریاآبادی نے بھی کئی کامیاب خاکے لکھے ہیں۔

آزادی کے بعد ہندستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں خاکہ نگاری کی اچھی کوششیں سامنے آئیں۔ قلم کاروں نے خاکہ نگاری کے اصولوں کو سامنے رکھ کر شخصیت و سیرت کا کامیاب نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ مالک رام ایک نقاد کی حیثیت سے تو معروف ہیں ہی مگر یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ایک خاکہ نگار کی حیثیت سے بھی وہ بہت کامیاب ہیں۔ "نواب صدر یار جنگ" اردو کے بہترین خاکوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ غلام احمد فرقت نے بھی چند خاکے لکھے ہیں۔ چونکہ انہیں پیروڈی لکھنے میں کمال حاصل ہے اس لئے اچھا خاکہ لکھنے کی صلاحیت بھی ان میں ہے۔ حسرت موہانی اور بیگم حسرت موہانی پر ان کے خاکے قبولیت عام کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ عصمت چغتائی نے غالباً "دوزخی" کے علاوہ اور کوئی خاکہ نہیں لکھا۔

یہ خاکہ عصمت نے اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کی موت پر لکھا ہے۔ یہ مرحلہ جتنا سخت تھا اتنی ہی کامیابی کے ساتھ عصمت نے اسے طے کیا ہے۔ اپنے منفرد اسلوب بیان اور شد[ت] خلوص کے ذریعہ عصمت نے جو تاثر پیدا کرنا چاہا ہے اس میں و[ہ] زیادہ کامیاب ہوئی ہیں۔ افسانہ نگاری کی طرح خاکہ نگاری میں بھی سعادت حسن منٹو کی ایک منفرد حیثیت ہے۔ "گنجے فرشتے" اردو ادب کا ایک گراں بہا سرمایہ ہے۔ ان خاکوں میں منٹو کا آر[ٹ] پورے عروج پر ہے۔ ان کے علاوہ دیوان سنگھ مفتون، شوکت تھانوی، اعجاز حسین، شاہد احمد دہلوی اور فکر تونسوی وغیرہ نے بھی خاکے لکھے ہیں جن سے فنِ خاکہ نگاری کے نئے امکانات [کی] نشاندہی ہوتی ہے۔

اردو خاکہ نگاری میں ایک قابلِ قدر نام محمد طفیل کا ہے معاصر خاکہ نگاروں میں جن لوگوں نے اس فن کی زمین کو آسما[ن] بنانے کی کوشش کی ہے ان میں بہت نمایاں نام محمد طفیل کا ہے سچ تو یہ ہے کہ سعادت حسن منٹو کے بعد محمد طفیل ہی نے خاکہ نگاری کا حق ادا کیا ہے۔ طفیل صاحب خاکہ نگاری کے فن سے پو[ری] طرح واقف ہیں۔ وہ اپنے خاکوں میں نہایت ہی بے تکلفی سے خو[بیوں] اور خامیوں کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اس طرح پوری تصویر نکھ[ر] کر سامنے آجاتی ہے۔ ان کے خاکوں پر رائے زنی کرتے ہوئے شا[ہد] احمد دہلوی لکھتے ہیں:

> "طفیل صاحب طبعاً مزاح نگار ہیں اس لئے ان کی چٹ پٹی باتیں مزہ دے جاتی ہیں۔ بڑے فقرہ باز بھی ہیں اور ان کے فقروں کی برجستگی ہی ان کے شگفتہ اندازِ گفتگو اور اندازِ تحریر کی جان ہے۔ طفیل صاحب کی تقریر اور تحریر میں کوئی بین فرق نہیں ہے۔ جب وہ اپنے مخصوص اور بے تکلف انداز میں لکھتے ہیں تو بعض دفعہ

11

اپنی روانی میں حفظِ مراتب کو بھی بالائے طاق
رکھ دیتے ہیں۔"

اس اجمال کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی خط لکھا ہو اور
اس کا جواب نہ آیا ہو۔ اب جا کر یہ ہوا ہے کہ
دو چار خطوں کے جواب نہیں آئے۔ ویسے ان
میں کوئی جواب طلب بات بھی نہ تھی۔ صرف میں
نے خیریت پوچھی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ ایسے فضول
خطوں کے جواب نہ دیتے ہوں۔ دوسرے میں نے
یہ بھی سن رکھا ہے کہ مولوی صاحب کانوں کے
بڑے کچے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ کسی بھلے مانس
نے کان بھر دئے ہوں اور انہوں نے سمجھ لیا ہو۔
"اچھا یہ بات ہے!" ویسے مولوی صاحب بڑے
صاف گو بزرگ ہیں۔ دل میں کوئی بات نہیں
رکھتے، کسی سے ڈرتے بھی نہیں۔"

(مولوی عبدالحق)

طفیل صاحب کے خاکوں میں کردار نگاری کی بہت اچھی مثالیں
ملتی ہیں۔ وہ واقعات کا انتخاب اس طرح کرتے ہیں کہ کردار کے
خدوخال نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ان کے اکثر خاکوں میں اس طرح
کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

"شکیلہ بڑی گپ باز ہے۔ اتنی کہ میں نے اپنی
زندگی میں اتنی گپ باز خاتون کوئی نہیں دیکھی۔
مردوں میں بھی کوئی نہ دیکھا۔ یہ گھنٹوں ہی بول
سکتی ہیں۔ ایک بات ماننی پڑتی ہے کہ ان کی
باتیں بور قسم کی نہیں ہوتیں۔ بہلاوے ہی بہلاوے
ہوتے ہیں جس میں خلوص، معصومیت اور بیوقوفی
سبھی کچھ شامل ہوتا ہے۔ اگر خلوص، معصومیت
اور بےوقوفی (وہ آدمی شریف ہی نہیں جو بقدرِ
ضرورت بیوقوف نہ ہو) میں سے ایک چیز بھی
کم ہوتی تو شکیلہ کی باتوں میں اتنی دلکشی نہ ہوتی

جو موہ لے، اپنا بنا لے۔"   (شکیلہ اختر)

اس خاکے کے بارے میں طفیل صاحب کے ایک دوست
لطیف الزماں خاں کا یہ انکشاف ملاحظہ ہو:

"دوسرے دن صبح کو پلاؤ کی دیگ کے گرد ہم دونوں
بوٹیاں چن چن کر کھا رہے تھے۔ یہ ناشتہ وقفہ
وقفہ سے دوپہر تک جاری رہا۔ کہنے لگے "یار
آپ کو ایک خاکہ سناتے ہیں، چھپا ہوا تو پڑھ ہی
لیا ہوگا۔ پانی پیتے، جاتے اور خاکے سنا رہے
تھے، خاکہ ایک افسانہ نگار خاتون کے بارے میں
تھا۔ میں نے کہا، یہ تو اس سے بہت مختلف ہے،
جو چھپا ہے۔"
"ہاں ــ! بہن کا معاملہ ہے، جس حد تک
چھپ سکتا تھا چھپ گیا۔ میں سوچتا ہوں کہ
وہ تو اب بھی ناراض ہی ہوگی۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طفیل صاحب خاکے لکھنے کے بعد
اسے چھپوانے میں بڑے محتاط ہیں اور اس کا خیال رکھتے ہیں کہ
آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔ اپنی ساری بے تکلفی کے باوجود یہ بیچ
سڑک پر کسی کا بھانڈا پھوڑنے کے قائل نہیں۔

طفیل صاحب نے شخصیت کو جس رنگ میں دیکھا اور محسوس کیا
ہے اسی رنگ میں اپنے خاکوں میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
ان کی قدرتِ اظہار اور اندازِ بیان نے ان کے خاکوں میں جان ڈال دی
ہے اور اس طرح شخصیت کے کچھ ایسے گوشے بھی نگاہوں کے سامنے
آجاتے ہیں جنہیں رسمی طور پر دیکھنا آسان نہیں۔ دو ایک مثال
دیکھتے چلئے:

"جلیس صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں۔ بس اتنا چاہتے
ہیں کہ سب لوگ مجھے بڑا لکھنے والا مانیں اور میری
جھوٹی باتوں پر بھی یقین کر لیں۔ ان دو خواہشوں کے
علاوہ ان کی کوئی تیسری خواہش نہیں ہے۔"
(ابراہیم جلیس)

"قلندری طبیعت میں بہت ہے۔ بے حد سادہ

رہتے ہیں۔ گیروے رنگ کا سیدھا سادہ کرتا،
شلوار، دونوں پاؤں میں ایک ایک چپل، اسٹالن
نما مونچھیں اور چہرہ مہرہ بھی۔ آج کل اسٹالن
سے انہیں تشبیہ نہیں دینا چاہئے تھی۔ اس لئے کہ
اس بیچارے پر وہ الزامات ان کے دوستوں نے
لگائے ہیں کہ اشفاق صاحب بھی شرمانے لگ
گئے ہوں گے۔" (اشفاق احمد)

طفیل صاحب کی تحریر میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں اور سیدھے سادے لفظوں سے ایک جہانِ معنی پیدا کرتے ہیں جو دل اور دماغ دونوں کو سرشار کرتا ہے۔ تاثر میں تیزی پیدا کرنے کیلئے چٹکلوں اور لطیفوں کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

"فسادات کے دنوں میں امتیاز علی تاج بڑے ہی گھبرائے
ہوئے تھے۔ ایک شام سالک، بخاری اور میں اس کے
گھر گئے تو تاج کو بے حد خوفزدہ پایا۔ وہ بخاری سے کہنے
لگے اب کیا ہوگا۔ بخاری صاحب نے کہا کچھ بھی نہیں۔
مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگ یا تو بنک میں رہتے ہیں
یا بیک میں۔ سب ہنس پڑے۔ تاج صاحب میں بھی
زندگی کے آثار نظر آئے۔"

"مجید ملک نے ایک دفعہ بخاری سے کہا کہ آپ
اپنے مضامین کا مجموعہ چھاپیں اور اس کا نام "صحیح بخاری"
رکھیں۔ بخاری نے بے ساختہ جواب دیا، عزیزِ
من! آپ اپنی نظموں کا مجموعہ چھاپیں اور اس کا نام
"کلام مجید" رکھیں۔" (پطرس بخاری)

طفیل صاحب کے خاکوں کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ "صاحب" ان کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں احمد ندیم قاسمی، سعادت حسن منٹو، جگر مراد آبادی اور شوکت تھانوی جیسی معروف شخصیتوں کے خاکے ہیں۔ نیاز فتح پوری نے اس کتاب پر اپنی رائے یوں دی ہے:

"صاحب" کے چند مطبوعہ اجزاء دیکھ کر بڑا لطف آیا۔ نہ صرف چہرہ نمائی ہے بلکہ گہرا نفسیاتی مطالعہ بھی ہے جس میں پطرس کا مزاج، شاکا نشتر، آسکر وائلڈ کا Paradox اور چسٹرٹن کی چٹکیاں بھی موجود ہیں۔"

ان کا دوسرا مجموعہ "جناب" جب چھپا تو کرشن چندر نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا،

"لکڑیوں کے اس گٹھے میں جس کا نام "جناب" ہے ہر طرح کی لکڑی ہے۔ موٹی اور پتلی بھی، نئی اور پرانی بھی، گیلی اور سوکھی بھی مگر ادیبوں کا یہ شہ پارہ ہے بے حد دلچسپ۔ صفحہ اول سے آخر تک یہ کاغذی زنبیل گوناگوں جادو، رنگ، کیفیتوں سے معمور ہے اور ان میں سے ہر ایک لکڑی جلتی ہے۔ کوئی شکیلہ اختر کی طرح ایک ہی رنگ میں جلتی ہے، کوئی مجاز کی طرح راکھ ہو چکی ہے۔"

"آپ" چار خاکوں کا مجموعہ ہے۔ ان کے بارے میں خود طفیل صاحب نے لکھا ہے:

"یہ چار مضامین میں نے سات برس میں لکھے ہیں۔ ایک لحاظ سے پہلے دو مضمون میں نے بیس برس سے زیادہ عرصے میں لکھے ہیں اس لئے کہ نیاز صاحب اور جوش صاحب کو میں ایک مدت سے پڑھ رہا تھا۔ آخر اور بیزی اور کرشن چندر پر مضمون حق دوستی ادا کرنے کے لئے لکھے گئے ورنہ ان شخصیتوں کے بارے میں میرا مطالعہ مجہول قسم کا نہ تھا۔ پہلے دو مضمون کے بارے میں میرا دماغ مطمئن ہے اور دوسرے دو مضمون کے بارے میں میرا دل۔"

طفیل صاحب کے ادبی مرقعوں کے دوسرے مجموعے "محترم" اور "مکرم" ہیں۔ ان مضامین میں عموماً ایسی شخصیتوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے جن کی ادبی حیثیت مسلّم ہے اور جن سے ہماری جان پہچان پہلے سے ہے۔ لیکن طفیل صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان کی ادبی حیثیت سے پرے سیرت و صورت کے وہ پہلو بھی سامنے آتے ہیں جن سے انکی بھرپور شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔

طفیل صاحب نے بیشتر خاکے غیر رسمی اور بے تکلف انداز میں لکھے ہیں۔ ان میں تکلف، تصنع اور نمائش کا پرتو نہیں۔ وہ شخصیتوں کے چہرے سے نقاب آہستہ آہستہ اس طرح اٹھاتے ہیں کہ قاری ان کی دل نواز جھلکیوں میں کھو جاتا ہے۔ ان کا انداز بڑا شگفتہ اور دل پذیر ہے۔ وہ زندگی کے کچھ ایسے زاویوں سے آشنا کرتے ہیں جن کی توقع

(باقی صـ۶ پر)

بنگلہ دیش کو ایپک کی برآمدات

شری محبوب زاہدی فیتہ کاٹ کر برآمدات کا افتتاح کرتے ہوئے۔

ریاستی حکومت کے ماتحت' ویسٹ بنگال ڈیری اینڈ پولٹری ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے مویشیوں کی خوراک "ایپک" بنگلہ دیش کو برآمد کرنا شروع کر دیا ہے۔ گزشتہ ۱۲ دسمبر ۹۴ کو ندیا کے کلیانی میں برآمدات کے آغاز کے موقع پر ایک سادہ سی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت وزیر ریاست برائے مویشیاتی وسائل شری داوالامانے کی۔ اس تقریب میں وزیر مویشیاتی وسائل شری محبوب زاہدی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ہیرن گھاٹا کے ایم ایل اے شری نونی مالاکار مہمان خاص کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ان کے علاوہ جلسہ میں ڈیری اینڈ پولٹری ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر کیپٹن منصور احمد بنگلہ دیش کے نمائندے کی حیثیت سے شری سبر تو ماگچی بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔

اس تقریب میں شری محبوب زاہدی نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ غریب عوام کے مفاد کے لئے ہم نے مویشیاتی وسائل کی ترقی کے لئے سرکاری طور پر مختلف پروگرام اپنائے ہیں تاکہ عام لوگوں کو بھی گوشت' انڈے' دودھ' مکھن وغیرہ کھانے کی سہولتیں دستیاب ہو سکیں۔ دوسری طرف ان اشیاء کی پیداوار سے روزگار کے خاطر خواہ مواقع بھی پیدا ہوں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج کا بنگلہ دیش ایک دن ہمارے ہی عظیم بنگال کا ایک حصہ تھا اس لئے ہم لوگ ایک ہی ماں کی اولاد ہیں آج اگرچہ سیاسی بنیاد پر دو ملک الگ الگ خانوں میں بٹ گئے ہیں ہماری ان صنعتی و تجارتی ترقیات کی بنیاد پر ہمارے درمیاں تعلقات مزید خوشگوار ہوں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ بنگلہ دیش کے عام لوگ بھی اس سے بہت زیادہ مستفید ہوں گے۔

علاقائی ایم ایل اے شری نونی مالاکار نے اپنی تقریر میں بتایا کہ یہ انتہائی خوشی کی بات ہے کہ تمام متعلقین کی اجتماعی کوششوں کی وجہ سے آج ہم بنگلہ دیش کو ایپک کی برآمدات کو ممکن بنا سکے۔ آئندہ قریب میں ہم دوسرے ممالک میں بھی برآمدات کر پائیں گے۔

کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر کیپٹن منصور احمد نے کہا کہ ہماری پیداوار بہت ہی سائنٹفک طریقے سے ہوتی ہے۔ ہماری چیزیں دوسرے نجی اداروں کی بہ نسبت زیادہ عمدہ اور کم قیمتی ہیں۔ ہم اس کی مزید ترقی و توسیع کیلئے اقدامات کر رہے ہیں۔ آئندہ ایک سال تک ہم اس کی قیمت میں کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتے۔

شری محبوب زاہدی نے برآمدات کی پہلی کھیپ کا فیتہ کاٹ کر افتتاح کیا۔ بعد ازاں شری داوالاما نے سبز پرچم لہرا کر برآمدات کی لاریوں کو روانہ کیا۔

عوامی تعطیلات برائے ۱۹۹۵ء

حکومتِ مغربی بنگال نے ۱۹۹۵ء کے مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کا دن قرار دیا ہے:

نیتاجی کا جنم دن	۲۳/ جنوری	سوموار
یوم جمہوریہ	۲۶/ جنوری	جمعرات
★★ شری پنچمی	۴/ فروری	سنیچر
عید الفطر	۳/ مارچ	جمعہ
دول جاترا	۱۷/ مارچ	جمعہ
★ بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی	یکم اپریل	سنیچر
گڈ فرائڈے	۱۴/ اپریل	جمعہ
★★ بنگلہ نئے سال کا پہلا دن	۱۵/ اپریل	سنیچر
یوم مئی	یکم مئی	سوموار
عید الاضحیٰ	۱۱/ مئی	جمعرات
محرم	۹/ جون	جمعہ
میلاد النبیؐ	۱۰/ اگست	جمعرات
یوم آزادی	۱۵/ اگست	منگل
جنم اشٹمی	۱۷/ اگست	جمعرات
★ بینک اکاؤنٹس کی نصف سالانہ بندی	۳۰/ ستمبر	سنیچر
گاندھی جی کا جنم دن	۲/ اکتوبر	سوموار
دشمی (درگا پوجا)	۳/ اکتوبر	منگل
کالی پوجا	۲۳/ اکتوبر	سوموار
گرونانک کا جنم دن	۷/ نومبر	منگل
کرسمس ڈے	۲۵/ دسمبر	سوموار

نوٹ: (۱) این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ چوں کہ ۱۹۹۵ میں درج ذیل تہوار اتوار کے دن ہیں اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے:

مہالایا	۲۴/ ستمبر
سپتمی درگا پوجا	یکم اکتوبر
لکشمی پوجا	۸/ اکتوبر

(۲) چونکہ ۱۹۹۵ء میں درگا پوجا کی اشٹمی اور نومی، ۲/ اکتوبر گاندھی جی کا جنم دن ایک ہی دن ہیں جو این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن ہیں اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے:

(۳) اگر مسلمانوں کا تہوار اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر اس فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلمان ملازمین کو اعلان کردہ دن کے ساتھ ساتھ اس دن بھی سیکشنل چھٹی دی جائیگی جس دن وہ تہوار منائیں گے۔

(۴) ★ ان سرکاری دفاتر میں جہاں سنیچر کو پوری تعطیل نہیں ہوتی یکم اپریل اور ۳۰/ ستمبر جو ★ کے نشان کے ساتھ اس اعلانیہ کے تحت بطور عوامی تعطیل قرار دئے گئے ہیں، کو کھلے رہیں گے۔

(۵) ★★ نشان کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے۔

۱۹۹۵ء کے درج ذیل دنوں میں جنہیں عوامی تعطیلات کے دن قرار نہیں دئے گئے ہیں کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنسز اور کلکٹر آف اسٹامپ ریونیو کے دفاتر کے علاوہ حکومتِ مغربی بنگال کے دیگر دفاتر بند رہیں گے:

رابندرا ناتھ کا جنم دن	۹/ مئی	منگل
کوی بھانو بھگت کا جنم دن (صرف ضلع دارجلنگ کیلئے)	۱۳/ جولائی	جمعرات

درگا پوجا	اکادشی	۴/ اکتوبر	بدھ
	دوادشی	۵/ اکتوبر	جمعرات
	ترئودشی	۶/ اکتوبر	جمعہ
	★★ چتوردشی	۷/ اکتوبر	سنیچر

★★ اس کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے۔

۱۹۹۵ء کے درج ذیل دنوں میں مختلف فرقوں کے ملازمین کے لئے سیکشنل تعطیلات ہوں گی :

شب برات (صرف مسلمانوں کے لئے)	۱۷ فروری	منگل
بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے)	اعلان بعد میں کیا جائیگا	
مہابیر جینتی (صرف جین مذہب والوں کیلئے)	۱۳ اپریل	جمعرات

نوٹ : (۱) چونکہ ۱۹۹۵ء میں ایسٹر ڈے (صرف عیسائیوں کے لئے) ۱۵ اپریل کو ہے اور بنگلہ نیا سال کا پہلا دن بھی اسی دن ہے جو این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کا دن ہے اس لئے اسے عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) ۱۹۹۵ء میں چونکہ بودھ پورنیما (صرف بودھ مذہب والوں کیلئے) ۱۴ مئی اتوار کے دن ہے جو این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کا دن ہے اس لئے اسے عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ایک سرکاری ملازم ۱۹۹۵ء کی محدود تعطیلات کے درج ذیل دنوں میں سے کوئی دو دن کی تعطیل سے حسبِ خواہ مستفیض ہو سکتا ہے :

۱**	پوس سنکرانتی	۱۴ جنوری	سنیچر
۲	گرو روی داس کا جنم دن	۱۵ فروری	بدھ
۳	جمعۃ الوداع	۲۴ فروری	جمعہ
۴	[illegible]	۲۰ فروری	سوموار
۵	[illegible]	۲۸ فروری	منگل
۶**	ہولی [illegible]	۱۸ مارچ	سنیچر
۷	[illegible]	۳ جون	[illegible]
۸	[illegible]	[illegible]	جمعرات
۹	[illegible]	[illegible]	منگل
۱۰	[illegible]	[illegible]	بدھ
۱۱	راس جاترا	۶ نومبر	سوموار
۱۲	کرانتی میلہ (صرف ضلع بیر بھوم کے لئے)	۲۸ فروری	منگل
۱۳**	مٹیا فیسٹیول (صرف ضلع مرشد آباد کیلئے)	۱۸ مارچ	سنیچر
۱۴	بورو دول (صرف ضلع ندیا کے لئے)	۱۱ اپریل	منگل
۱۵	رام کیلی میلہ (صرف ضلع مالدہ کیلئے)	۱۵ جون	جمعرات
۱۶	پورن جاترا (صرف ضلع ہگلی کے لئے)	۷ جولائی	جمعہ
۱۷	کوری بھانو بھگت کا جنم دن (صرف ضلع جلپائی گوڑی کیلئے)	۱۳ جولائی	جمعرات
۱۸	مان پوجا میلہ (صرف ضلع جلپائی گوڑی کیلئے)	۱۸ اگست	جمعہ
۱۹	پنڈوا میلہ (صرف ضلع مالدہ کے لئے)	اعلان بعد میں کیا جائیگا	

نوٹ ۱۹۹۵ء میں درج ذیل تہوار اتوار کو ہیں جو این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن ہیں، محدود تعطیلات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔

i	یوم سالِ نو	یکم جنوری
ii	سکرانت	۱۵ جنوری
iii	رام نومی	۹ اپریل
iv	ست [illegible] (صرف ضلع پرولیا کے لئے)	[illegible]

(۲) درج ذیل تہوار کو محدود تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ یہ ایسے دن پڑتے ہیں جو این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن ہیں :

i	رکھشا بندھن (اسی دن فاتحہ دوازدہم بھی ہے)	۱۰ اگست	جمعرات
ii	ٹکھیتر کالی پوجا (صرف ضلع بیر بھوم کے لئے) اسی دن بنگلہ نیا سال کا پہلا دن بھی ہے	۱۵ اپریل	سنیچر

** اس نشان کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ جنوری و یکم فروری ۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۲ اور ۳

مہاتما گاندھی پر خصوصی شمارہ

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے

نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

اس خصوصی شمارہ کی قیمت : ایک روپیہ

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ:

بزنس منیجر!

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۷ سی کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،

کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

● پرچہ کی ہر خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

فون : 25-5601/3371 Ext: 710

● تصاویر بشکریہ : پبلیکیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات و نشریات حکومت ہند آج کل سی ریل، لوک راجیہ بمبئی ——— سرورق کا عمل استی ناتھ رائے ، کتابت عبداللہ انصاری

اداریہ

گزشتہ ۲ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو ہم نے جہاں گاندھی جی کی ۱۲۵ویں سالگرہ کی خوشی منائی تھی وہیں ٹھیک ۱۲۰ دنوں کے اندر آج ۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء کو ان کی ۴۷ویں برسی کا سوگ بھی منا رہے ہیں

ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ ہمارے ملک میں ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو ایک ایسی عظیم ہستی کا جنم ہوا تھا جس نے عام انسان کے درد کو اپنا درد سمجھا، اس کے دکھ درد کی مسیحائی کی، انسان کو اس دکھ درد سے نجات دلانے کے لئے ایک پرامن اور مثبت راہ تلاش کی اور انسانیت کی خدمت کے لئے اپنی پوری زندگی کو وقف کر دیا۔

ہمیں دکھ اس بات کا ہے کہ اسی سرزمین میں اس عظیم ہستی کے انسان دوست اصولوں کو سینے سے لگانے کے بجائے انہیں یک لخت رد کرنے کی حماقت کی گئی۔ تخریب پسند قوتوں نے ان کے پیغام امن و آشتی کو قبول کرنے کے بجائے انہیں ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ لیکن کیا کسی کے جسم کو مار کر اس کی آواز کو ختم کیا جا سکتا ہے؟

گاندھی جی کی تعلیمات، اخلاقی اقدار اور عملی زندگی کی مثالوں کو آج بھی وہی قدر و منزلت حاصل ہے جو کل تھی۔ ان کے قول و عمل کی ہم آہنگی آج بھی لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

مہاتما گاندھی کی ۴۷ویں برسی کے موقع پر ہم "مغربی بنگال" کے خصوصی شمارے کی اشاعت کے توسط سے بابائے قوم کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

اس خصوصی شمارے میں کئی مضامین حوالہ جاتی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کی حصولیابی میں تعاون کے لئے مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی لائبریرین کے ہم مشکور ہیں۔ علاوہ ازیں پی آئی بی، ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی پبلیکیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات حکومت ہند اور گاندھی سمارک نِدھی اور دیگر کے ممنون ہیں جن کے حوالہ سے کچھ مضامین اور منظومات کی دوبارہ طباعت ممکن ہوئی ہے۔

اس شمارے میں شامل مضامین و منظومات میں قلم کاروں نے جن انفرادی خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے اپنے ہیں جن سے ریاستی حکومت کا متعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس شمارے میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ ان مشمولات سے گاندھی جی کی کماحقہ شخصیت اور اوصاف واضح ہو سکیں۔ یہ شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ آپ کی پسندیدگی ہی ہماری محنت کا ثمرہ ہوگا۔

م۔م۔ا، کلکتہ
۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء

السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

جوشؔ ملیح آبادی

اے زمیں کی جیب کے آئینۂ الماس بار
اے فلک کی بزم کے مہرِ درخشانِ بہار
اے وطن کی سرزمیں کے آسمانِ ذی وقار
اے زمانے کی صدف کے گوہرِ انجم شکار
اے صفا کی موج کے لعلِ بدخشاں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

اے امیرِ کاروانِ پختہ کارانِ وطن
اے گدائے تاجدار، تاجدارانِ وطن
اے امید و ہمتِ ناکام گارانِ وطن
اے ہلاکِ شیوۂ خوں ریز یارانِ وطن
اے شکارِ کج روان و کور مغزاں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

بارِ احساسِ یتیمی سے ہر اک دل ہے اداس
رہروی کے ولولے گم، روتے منزل ہے اداس
کون یہ مقتولِ اعظم ہے کہ قاتل ہے اداس
صدرِ محفل اٹھ گیا، محفل کی محفل ہے اداس
اے ابوالہند اے مذلو کشورِ جاں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

حیف اے صیادِ عنقائے مسرت صیدِ غم
حیف اے دودِ چراغِ کشتۂ طاقِ حرم
حیف اے خاکسترِ پروانۂ بیت الصنم
بانیٔ رسمِ کرم، نخچیرِ آئینِ ستم
اے شہیدِ اتحادِ نوعِ انساں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

السّلام اے سینۂ اخلاق کے دردِ نہاں
السّلام اے مرہمِ زخمِ دلِ ہندوستاں
السّلام اے دستگیر و چارہ سازِ بے کساں
السّلام اے رہنمائے تیرہ بختانِ جہاں
السّلام اے اشکِ گرمِ سینہ چاکاں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

تیرے ہر آغاز میں رعنائی انجام تھی
تیرے میداں میں سیاست مُرغِ زیرِ دام تھی
تیرے دستِ آگہی میں فیضِ خاص و عام تھی
سطوتِ افرنگ تجھ سے لرزہ براندام تھی
اے گدائے خانہ براندازِ شاہاں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

جادۂ حق پر درخشاں ہیں ترے نقشِ قدم
پر فشاں ہے آسمانِ عدل پر تیرا علَم
اے حسین ابنِ علی کے پیروِ قدسی حشم
اے یزیدِ عصرِ نو کے کشتۂ مشقِ ستم
اے صلیبِ تازہ کے عیسیٰ دوراں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

تیرے طبلِ جنگ میں بھی سازِ موجِ گنگ تھا
تیرے شیشے کے مقابل رزرو رُوئے سنگ تھا
خون کی آلودگی سے پاک تیرا رنگ تھا
اسلحہ سے بے خبر تیرا مذاقِ جنگ تھا
السّلام اے فاتحِ بے تیغ و پیکاں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

تو ہی اک دانائے کامل بزمِ نادانی میں تھا
روشنی کا تو منارہ بحرِ طوفانی میں تھا
تیرے دم سے زمزمہ گنگا کی جولانی میں تھا
نغمہ تجھ سے کوثر و تسنیم کے پانی میں تھا
اے غرورِ ہندو و فخرِ مسلماں السّلام
السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

گاندھی جی

ایس رادھا کرشنن

ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن کا یہ مضمون ساہتیہ اکاڈیمی، نئی دہلی کی مطبوعہ کتاب "سب انسان بھائی بھائی ہیں" مرتبہ کے آر کرپلانی کے مقدمہ سے ماخوذ ہے۔

عظیم رہنما دنیا میں مدتوں بعد آتے ہیں۔ کبھی صدیوں میں آجاتے ہیں تو آجاتے لوگ اس کی زندگی سے جلتے ہیں جو اپنی زندگی سے ایک مثال قائم کرتا ہے جو لوگوں سے کہتا ہے کہ اس کی پیروی کریں۔ ایسے ایک رہنما گاندھی تھے۔ گاندھی جی کا مذہب عملی اور اخلاقی تھا۔ وہ کسی عقیدے کو جو ان کی عقل میں آجائے بن عملی جامہ پہنائے قبول نہیں کرتے تھے۔

گاندھی جی انسانی تاریخ میں پہلے شخص تھے جو اہنسا کے اصول کو انفرادی سطح سے آگے سماجی اور سیاسی سطح پر لے گئے۔ وہ سیاست میں اس لئے آئے کہ اہنسا کا تجربہ کریں اور اس کی عملی افادیت کو ثابت کریں۔ "بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ ستیہ اور اہنسا کی سیاست میں اور دنیوی امور میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ اگر ستیہ اور اہنسا محض انفرادی نجات کے لئے ہیں تو میرے کام کے نہیں۔ انہیں روزمرہ کی زندگی میں لانا اور برتنا وہ تجربہ ہے جو میں شروع سے اب تک کرتا رہا ہوں۔"

ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلے میں ان کا اصرار تھا کہ ہم اہنسا اور قربانی کے مہذب طریقے اختیار کریں۔ ان کا ہندوستان کی آزادی کی حمایت کرنا برطانیہ سے عداوت پر مبنی نہ تھا۔ "میرے لئے حب الوطنی اور انسانیت ایک چیز ہے۔ میں محب وطن اس لئے ہوں کہ میں انسان ہوں اور انسانی ہمدردی رکھتا ہوں۔ میں ہندوستان کی خدمت انگلستان یا جرمنی کو نقصان پہنچا کر نہیں کرنا چاہتا۔" ان کا خیال تھا کہ دراصل یہ خود انگلستان کی خدمت ہے کہ وہ انہیں ہندوستان کو اس کا حق دینے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ نوع انسانی کی اخلاقی نسل میں اضافہ ہوگا۔

آج کل جوہری طاقت کے زمانے میں اگر ہم دنیا کو بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اہنسا کے اصول اختیار کرنے چاہئیں۔ گاندھی جی نے کہا تھا جب میں نے پہلی

بار سنا کہ ایک ایٹم بم نے ہیروشیما کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تو میری تیوری پر بل تک نہیں پڑا۔ بلکہ میں نے دل میں سوچا۔ اب دنیا کو اہنسا اختیار کرنی پڑے گی ورنہ پھر اس کا اپنے ہاتھوں ہلاک ہونا یقینی ہے۔ آئندہ جو لڑائی ہوگی اس میں کسی ملک کو یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ فریق ثانی بالارادہ جوہری ہتھیاروں کا استعمال نہیں کرے گا۔ ہمارے ہاتھ میں وہ طاقت آگئی ہے کہ ایک دھماکے

میں سارا سرمایہ تہس نہس کر دیں جو ہم نے اپنی محنت اور قربانی کی بدولت صدیوں میں فراہم کیا ہے۔ پروپاگنڈا مہم کے ذریعہ ہم لوگوں کے ذہنوں کو جوہری جنگ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اشتعال انگیز فقرے بے تکلف دہرائے جا رہے ہیں۔ ہم الفاظ تک میں جارحانہ اقدام سے کام لے رہے ہیں۔ بدظنی، بغض، عصبیت، یہ سب ہنسا کی چھپی ہوئی شکلیں ہیں۔

اس مشکل زمانے میں جب ہم ہنوز ان حالات سے جو سائنس نے پیدا کئے ہیں، نپٹ نہیں پائے ہیں۔ اہنسا، حق پسندی اور مفاہمت کے اصولوں کو اختیار کرنا آسان نہیں ہے۔ مگر اس کی وجہ سے ہمیں کوشش سے باز نہیں آنا چاہئے۔ جہاں سیاسی لیڈروں کا ضدی پن ہمارے دلوں میں ڈر پیدا کرتا ہے وہاں دنیا کے عام لوگوں کی سوجھ بوجھ اور ان کی اخلاقی حس ہمیں امید کا سہارا دیتی ہے۔

جس تیزی سے اس نئے زمانے میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں اسے دیکھتے ہوئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ سو سال بعد دنیا کا رنگ کیا ہوگا۔ ہم فکر و احساس کے آنے والے دھاروں کا اندازہ نہیں کر سکتے لیکن کتنا ہی زمانہ گزر جائے ستیا اور اہنسا کے عظیم اصول ہماری رہنمائی کے لئے موجود رہیں گے۔ یہ خاموش ستاروں کی طرح اس خستہ و ماندہ شور و شر سے معمور دنیا سے پرے اس کی حفاظت کے لئے حریم قدس میں شب بیداری کرتے رہیں گے۔ گاندھی جی کی طرح ہمیں بھی اس عقیدے میں ثابت قدم رہنا چاہئے کہ ان آتے جاتے بادلوں کے اوپر سورج چمک رہا ہے۔

ہم ایک ایسے زمانے میں رہتے ہیں جسے اپنی شکست اور اخلاقی جمود کا احساس ہے جس میں ایمان و یقین کے حصار ٹوٹ رہے ہیں۔ جانے بوجھے نقشے بگڑ رہے ہیں، نارواداری اور تلخی بڑھتی جاتی ہے۔ تخلیق کی حرارت جس نے عظیم انسانی سماج کے دلوں کو گرمایا تھا، ٹھنڈی پڑ رہی ہے۔ ذہنِ انسانی کی نیرنگیاں جن کا بھید بھاؤ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ بودھ اور گاندھی، نیرو اور ہٹلر کے متضاد نمونے دکھاتی رہتی ہیں۔ یہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہے کہ تاریخ کی ایک عظیم ترین ہستی ہماری ہمعصر تھی ہمارے ساتھ چلتی پھرتی، ہم سے بات چیت کرتی، ہمیں مہذب زندگی کے طور طریقے سکھاتی تھی، جو شخص کسی کی برائی نہ کرے اسے کسی کا ڈر نہیں، اسے کچھ چھپانا نہیں اس لئے وہ بے خوف ہوتا ہے، ہر ایک سے آنکھ ملاتا ہے۔ اس کا قدم مضبوط، اس کا سر اونچا اور اس کی بات سیدھی، صاف اور دوٹوک ہوتی ہے۔ افلاطون نے بہت پہلے کہہ دیا تھا:

"دنیا میں ہمیشہ چند پہنچے ہوئے آدمی ہوتے ہیں جن کی صحبت انمول ہے:"

گاندھی جی
عبدالمجید حسرت

آزادئ وطن کے لئے جھیلیں سختیاں
تعمیرِ ملک کے لئے قربان ہو گئے
خوں دے کے امن کیلئے بابائے ملک و قوم
ہندوستان کے شاہِ شہیداں ہو گئے

گاندھی جی کون تھے؟

یو۔ آر۔ راؤ

اُن کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا۔ موہن داس ان کا اپنا نام، کرم چند ان کے پتا کا نام اور گاندھی ان کا خاندانی نام تھا۔

بچپن میں انہیں مونو، مونیا، موہن داس جیسے متعدد ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ جنوبی افریقہ میں ان کے ساتھی اور ساتھ مل کر کام کرنے والے بھائی کہہ کر مخاطب ہوا کرتے تھے اور جب وہ بھارت لوٹے انہیں "مہاتما" ــ مہان آتما کہہ کر ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے بعد سے ساری دنیا نے انہیں مہاتما گاندھی کے نام سے یاد کیا لیکن سابرمتی کے آشرم اور بعد میں سیوا گرام کے سارے مکینوں اور ساتھیوں کے لئے وہ "باپو" تھے جیسے کہ ان کی پتنی کستوربا "با" یعنی ماں تھیں۔ اور جیسے جیسے ان کی ہمدردی اور شفقت کا دائرہ لوگوں کے لئے وسیع تر ہوتا گیا سارا ملک ان کے دائرہ عمل میں آگیا وہ لوگوں کے دلوں کے اور قریب تر ہو گئے۔ ہر کہیں لوگ انہیں "باپو" کہہ کر پکارنے لگے۔

ایک سو برس پہلے ۲ر اکتوبر ۱۸۶۹ء کو ان کا جنم پوربندر میں ہوا تھا۔ یہ شہر کاٹھیاواڑ میں ہے جسے آج سوراشٹر کے نام سے جانتے ہیں۔ انکے دادا اور پھر والد وہاں کے دیوان رہے تھے۔ ان کا بچپن دوسرے عام بچوں کی طرح گزرا۔ وہ لکھنے پڑھنے میں عام بچوں سے کچھ بہتر نہ تھے۔ وہ بُری صحبت میں پڑ گئے۔ کچھ بری عادتوں کا شکار ہوئے، کچھ غلطیاں سرزد کر بیٹھے لیکن جلد ہی انہیں اپنے کئے کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف اور اقرار کیا۔ صداقت، دیانت داری، خدا میں یقین اور سارے مذاہب کے احترام کی قدر و قیمت کا احساس انہیں شروع ہی سے کرایا گیا تھا۔ تیرہ برس کی عمر میں ان کی شادی کستوربائی سے ہوئی۔

۱۸۸۸ء میں میٹریکولیشن پاس کرنے کے بعد وہ قانون کی تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ وہاں انہوں نے اپنا زندگی کا رنگ ڈھنگ بہت سادہ رکھا اور بڑی محنت سے مطالعہ جاری رکھا انہوں نے لندن سے میٹرک اور قانون کا امتحان ۱۸۹۱ء میں پاس کیا۔

ہندستان لوٹنے کے بعد انہوں نے بمبئی اور پھر راجکوٹ میں وکالت شروع کی لیکن اس میں انہیں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۸۹۳ء میں وہ ایک فرم کی وکالت کے لئے جنوبی افریقہ گئے۔ جب وہ معاملہ ختم ہو گیا تو ہندستان لوٹے نہیں۔ جنوبی افریقہ میں انہوں نے دیکھا کہ ان کے اور ہندستانی آبادکاروں کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ان پر نسلی امتیاز کے نامناسب قانون لاگو کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے وہاں کے ہندستانیوں کی رہنمائی کی۔ انہیں ستیہ گرہ کے ذریعہ ایسے سلوک، اور ان قوانین کی مدافعت پر آمادہ کیا۔ وہ لگ بھگ ۲۱ برس جنوبی افریقہ میں رہے۔ اس عرصہ میں وہ دو بار مختصر عرصے کے لئے ہندستان آئے۔ پہلی بار ۱۸۹۶ء میں اور پھر ۲-۱۹۰۱ء میں اور محض دو بار ــ پہلی بار ۱۹۰۶ء میں اور دوسری بار ۱۹۰۹ء میں انگلستان گئے۔ جنوبی افریقہ میں انہوں نے اپنا سارا وقت اور دھیان ہندستانیوں کی تحریک کی رہنمائی اور اپنے ہم وطنوں کے لئے مراعات حاصل کرنے پر صرف کیا۔

۱۹۱۵ء میں وہ اپنے بال بچوں سمیت ہندستان لوٹ آئے۔ انہوں نے اول اول کوچرب میں اور بعد میں سابرمتی میں قیام کیا۔ بعد کے برسوں میں انہوں نے اپنی تمام تر مساعی کو اپنے ہم وطنوں کے مسائل حل کرنے کے لئے وقف کر دیا۔

غریبوں اور مظلوموں کے لئے ان کے دل میں بڑی ہمدردی تھی۔ انہوں نے غریبوں اور مظلوموں کو انصاف دلانے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کے اس اقدام کا محرک بھی ان کا یہی جذبہ تھا۔ انہوں نے بہار کے ضلع چمپارن کے کسانوں کے لئے انصاف کی مانگ کی، جنہیں یورپی کاشتکار بغیر کوئی اجرت دئے نیل اگانے پر مجبور کرتے تھے۔ انہوں نے گجرات کے ضلع کھیڑا کے قحط اور خشک سال سے متاثرہ غریب کسانوں کے حق میں آواز بلند کی جن سے غیر واجب مالگزاری کا مطالبہ تھا۔ انہوں نے احمد آباد کے ان کارخانہ مزدوروں کی حمایت میں قدم اٹھایا، جنہیں مناسب اجرت نہیں ملتی تھی۔

ہر غلطی اور ناانصافی کے تدارک کے لئے۔ انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ ستیہ گرہ کا تھا۔ اس کے ذریعہ اپنے مخالفوں کے دلوں اور نظریوں میں تبدیلی لانے کے لئے انہوں نے خود کو اذیت میں مبتلا کیا، دکھ اٹھایا اور ان کا طریقہ کارگر ثابت ہوا۔

باپو نے ملک کو آزادی دلانے کے لئے بھی یہی پُرامن سول نافرمانی یعنی ستیہ گرہ کا طریقہ اپنایا۔ مختلف اوقات میں اس کی صورت البتہ مختلف رہی۔ ۲۱-۱۹۲۰ء میں برطانوی سرکار اور اس کے مختلف اداروں سے عدم تعاون؛ ۳۲-۱۹۳۰ء میں نمک ستیہ گرہ یا نمک سے متعلق قوانین کی سول نافرمانی؛ ۴۴-۱۹۴۰ء میں جنگ کے خلاف انفرادی ستیہ گرہ اور "ہندوستان چھوڑو" کی تحریک جو برطانوی راج کے خاتمے کے لئے ملک بھر میں چلائی گئی "کرو یا مرو" کی پُرامن تحریک شاید اس سلسلے کی آخری کڑی ہوتی، لیکن ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔

جب "باپو" جیل میں نظربند نہ ہوتے یا جب وہ ستیہ گرہ کی تحریکوں میں سرگرمی سے شریک نہ ہوتے تھے تب وہ اپنی ساری توجہ اپنے تعمیری پروگرام پر صرف کیا کرتے تھے۔ ان کے تعمیری پروگرام میں سودیشی کا چلن، چھوت چھات کا خاتمہ، ہریجنوں کے سدھار، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، نشہ بندی، بنیادی تعلیم، دیہی صنعتوں کی تجدید اور گرام سوراج جیسی اصلاحیں اور اہم سرگرمیاں شامل رہتی تھیں اور اس سارے پروگرام کا نصب العین تھا پورن سوراج، ان کے خوابوں کا ہندستان، آزادی کی تحریکوں اور تعمیری سرگرمیوں میں باپو کو نہ صرف ملک کے متعدد رہنماؤں کا، بلکہ ملک کے ہزاروں، لاکھوں عوام کا سرگرم تعاون حاصل ہوا۔ متعدد لوگوں نے باپو سے تحریک و تشویق حاصل کی اور ایثار و وطن دوستی کی مثال بن گئے۔ ہزاروں لوگوں نے لاٹھی چارج کا مقابلہ کیا۔ چلتی ہوئی گولیوں میں پیٹھ نہ دکھائی، اعضاء اور جانیں تک قربان کر دیں۔ بار بار جیل گئے، کڑی سے کڑی مصیبت جھیلی اور سختی سے سخت توہین برداشت کی۔ عالمی تاریخ میں جدوجہدِ آزادی کی متعدد تحریکیں سامنے آتی ہیں۔ تاہم ایسی جدوجہدِ آزادی کی مثال کہیں نہیں ملتی جہاں محکوم قوم نے ستیہ گرہ کیا ہو اور حاکموں کے خلاف تشدد سے کام لینے کے بجائے اپنے آپ کو اذیت پہنچائی اور دکھ اٹھایا ہو۔ آزادی کی یہ بے مثل تحریک خوف، خدشات، نفرت یا تشدد سے پاک صاف تھی۔ یہ دراصل ایک چیلنج تھا جسمانی قوت و طاقت کے خلاف انسانی روح کا۔

گاندھی کی شریکِ حیات کستوربا گاندھی

یہ صحیح ہے کہ باپو اپنے ہم وطنوں کے لئے آزادی کے طالب تھے لیکن وہ ایسی ہی آزادی سبھی محکوم و مظلوم قوموں کے لئے چاہتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اور ہر جگہ انسانی آزادی اور مساوات اور بھائی چارے کی حمایت میں آواز بلند کی۔ وہ ایک اور صرف "ایک دنیا" میں جینے کے خواہش مند تھے۔

باپو اس بات میں گہرا اور ناقابلِ شکست اعتقاد رکھتے تھے کہ انسان جنگل کے قانون کے تابع نہیں ہے بلکہ محبت کے قانون کے تابع ہے اور بالآخر نفرت کے قانون پر فتح، محبت کے قانون ہی کی ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ صداقت نئی نہ تھی، جیسا کہ وہ خود کہا کرتے تھے، "یہ صداقت اتنی ہی پرانی ہے، جتنا کہ پہاڑ پرانے ہیں۔" یہ صداقت ہر مذہب کا جوہر ہے۔ تاریخِ عالم میں ہر پیغمبر نے اسی صداقت کی تبلیغ کی ہے اور حضرت یسوع مسیح اور مہاتما بدھ نے تو اس صداقت کی اعلیٰ ترین مثال اپنی زندگی سے پیش کی ہے۔

لیکن دنیا نے اس صداقت کا پاس لحاظ نہیں کیا۔ یہی نہیں کڑی سے کڑی مصیبت اور بڑی سے بڑی مشکل میں بھی اسی صداقت کو نظرانداز کیا ہے۔ صورتِ حال ہمیشہ برعکس رہی۔ اس نے ہمیشہ فوجی طاقت اسلحہ جات کے زور سے تسخیر و تباہی پر بھروسہ کرنا سیکھا۔

باپو نے اس بات کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ طریقہ کار یقینی تباہی کی طرف لے جائے گا۔ دونوں عالمی جنگوں سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ جنگ کی تباہ کاریوں کی کوئی حد اور انت نہیں اور یہ کہ جنگ سے کچھ سدھرتا بھی نہیں۔ جوہری قوت کا استعمال نوعِ انسانی کے وجود کے لئے خطرے کا باعث بنا ہوا ہے۔ نوعِ انسان کو قوت کا استعمال خواہ کسی صورت میں ہو ترک کرنا ہوگا۔

باپو نے محسوس کیا کہ لوگوں — خدا کے بچوں — کی خدمت ہی اس کی سب سے بڑی عبادت ہے اور لوگوں سے ان کی مراد اپنے ہم وطنوں سے ہی نہیں دنیا بھر کے لوگوں سے تھی۔ وہ اپنے آپ کو دنیا اور دنیا کے سبھی لوگوں کا کہتے اور سمجھتے تھے اور سبھی کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے اور اس مقصد کے حصول کیلئے وہ عمر بھر کوشاں رہے اور انہوں نے جان دی تاکہ سب لوگ ایک پیار و محبت سے اور بھائیوں کی طرح رہنا سیکھیں اور یہی نوعِ انسان کے لئے ان کا پیغام تھا۔

ہندوستان کے عوام کے لئے باپو جواہر لال نہرو کے الفاظ میں ہمیشہ قوم کے راشٹر پتا رہیں گے۔ وہ جنہوں نے اس قوم کو آزادی دلانے کے لئے تیار کیا۔ وہ ہمارے آزادی کے معمار تھے۔ وہ روحِ ہندوستانیت کا مظہر تھے۔ انہوں نے شمع آزادی کو بلند کیا اور اس کی روشنی سے ہمارے گرد محیط اندھیروں کو روشن کر دیا اور ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو جب راشٹرپتا اپنے عقیدے کے لئے شہید ہوئے تو جواہرلال نہرو نے بجا کہا تھا کہ "ہماری زندگیوں میں سے روشنی گل ہو گئی ہے ...."

دنیا کے عظیم سائنس داں البرٹ آئن اسٹائن نے باپو کی زندگی میں ہی ان کے بارے میں کہا تھا "آنے والی نسلیں بہ مشکل یقین کر پائیں گی کہ ایسی کوئی ہستی گوشت پوست کے قالب میں اس دھرتی پر چلا پھرا کرتی ہے۔"

اور آج کی نوجوان نسل؟ اس نسل نے باپو کو نہیں دیکھا۔ پھر باپو کا نقش و عکس ان کے ذہن پر کیسا ہے؟ ان کے نزدیک ان کی قدر و اہمیت کیا ہے۔ ان سوالوں کا جواب جواہر لال نہرو نے بہت صحیح صحیح دیا ہے — "اس

اس نوجوان نسل کیلئے جو اُن کے رابطے میں نہیں آئی وہ ایک روایت ہیں اور کتنی ہی کہانیاں ان کے نام اور ان کی سرگرمیوں کے اردگرد بُنی گئی ہیں۔

انہیں کہانیوں کے ذریعہ آج کی نوجوان نسل باپو کو جان اور پہچان سکتی ہے اور شاید ان کی سوانح عمریوں کی بہ نسبت ان کہانیوں کی بدولت انہیں بہتر طور پر جانا پہچانا جا سکتا ہے۔

(بشکریہ: پبلیکیشنز ڈویژن، وزارتِ اطلاعات و نشریات، حکومت ہند)

مردِ پختہ کار
گاندھی سے ایک روز یہ کہتے تھے مالوی
کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا
نازک یہ سلطنت صفتِ برگِ گل نہیں
لیجائے گلستاں سے اڑا کر جسے صبا
پس کر ملے گا گردِ رہِ روزگار میں
دانا جو آسیا سے ہوا قوت آزما
بولا یہ بات سن کے کمالِ وقار سے
وہ مردِ پختہ کار حق اندیش و باصفا
خارا حریفِ سعیِ ضعیفاں نمی شود
صد کوچہ است در بنِ دنداں خلال را
علامہ اقبال

گاندھی جی کی خود نوشت سوانح عمری
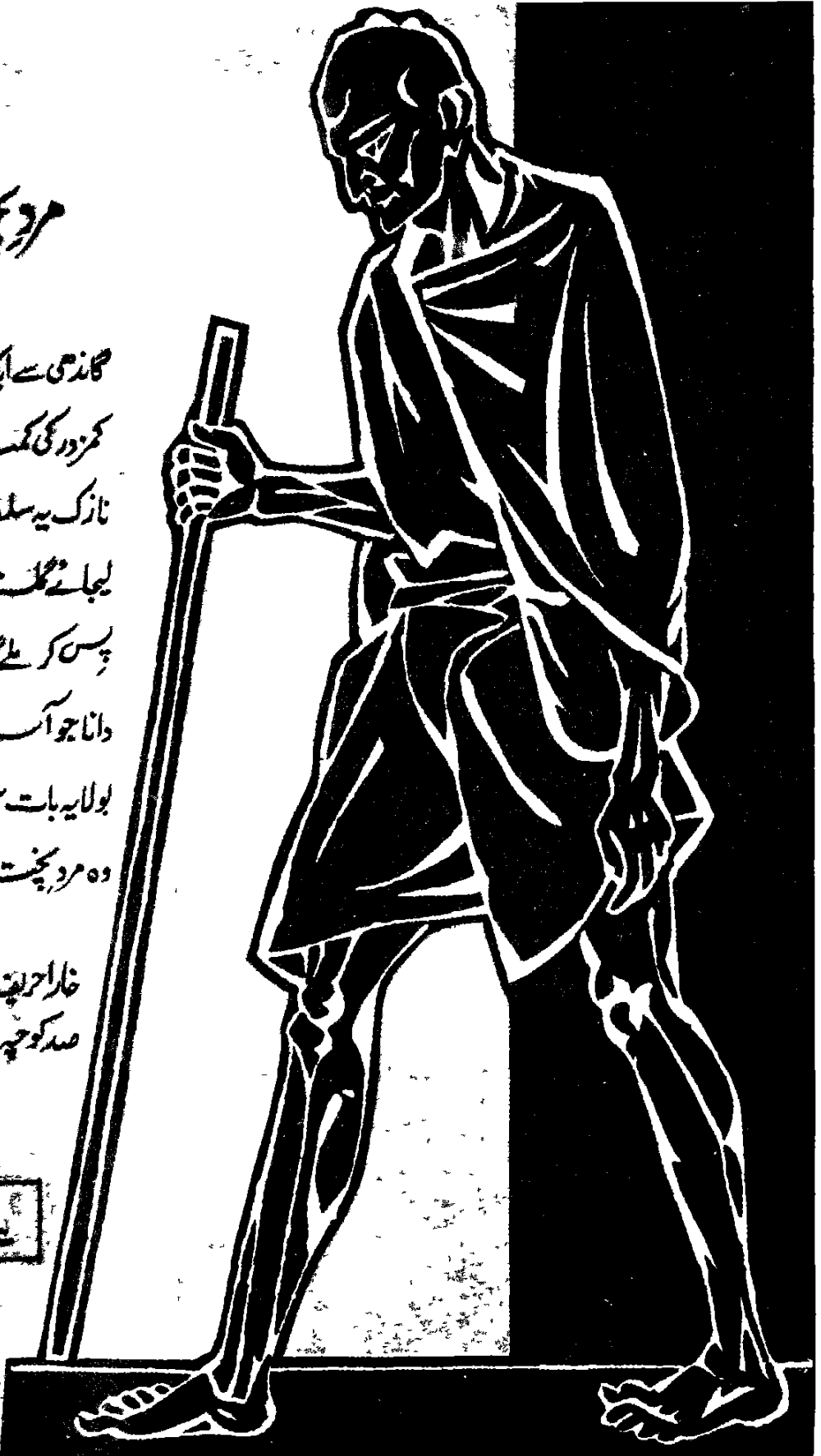
بچپن سے جوانی تک

بچپن: میرے والد کبا گاندھی کو روپیہ جوڑنے کا لالچ نہ تھا۔ اسی وجہ سے ہم بھائیوں کے لئے وہ بہت کم پونجی چھوڑ گئے تھے۔

پتا جی نے تعلیم صرف تجربہ سے حاصل کی تھی۔ اسکول کی تعلیم تو شاید انہیں اتنی ہی ملی ہو جسے آج ہم پرائمری کہتے ہیں۔ تاریخ و جغرافیہ کا انہیں بالکل علم نہ تھا لیکن دنیاداری کی باتوں کی جانکاری اتنے اونچے درجے کی تھی کہ بڑے سے بڑے مسئلہ کو سلجھانے میں یا ہزاروں آدمیوں سے کام لینے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوتی تھی۔ دھارمک تعلیم توان کی نہ ہونے کے برابر تھی لیکن مندروں میں جانے سے اور کتھا پران سننے سے جو دھارمک گیان لاتعداد ہندوؤں کو آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے وہ انہیں بھی ملا تھا۔ اپنے آخری دنوں میں ایک عالم برہمن کی صلاح سے جو ہمارے خاندان کے دوست تھے، انہوں نے گیتا کا پاٹھ شروع کیا تھا اور صرف پوجا کے وقت کچھ اشلوکوں کا اونچی آواز سے پاٹھ کیا کرتے تھے۔

وہ اپنے کنبے والوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ سچائی کے حامی، دلیر اور فراخ دل تھے لیکن طبیعت میں غصہ بہت تھا۔ رشوت سے ہمیشہ دور بھاگتے تھے اور اسی سبب سے اچھے منصف تھے۔ ان کی یہ شہرت ہمارے خاندان میں اور باہر بھی تھی۔ وہ راجکوٹ میں کچھ عرصہ بڑے وزیر کے عہدے پر بھی رہے اور راج کے بڑے وفادار رہے۔ ایک بار اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ نے راج کوٹ کے ٹھاکر صاحب کی شان کے خلاف کچھ الفاظ کہے تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ صاحب بگڑ گئے اور کبا گاندھی کو معافی مانگنے کا حکم دیا۔ معافی مانگنے سے انکار کر دینے پر کچھ گھنٹے وہ حوالات میں بھی رہے لیکن وہ نہ ڈگمگائے اور نتیجہ یہ ہوا کہ آخر میں صاحب نے انہیں چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔

میرے ذہن پر کچھ ایسے نقوش ابھرے ہوتے ہیں کہ میری والدہ ایک نیک اور جذباتی عورت تھیں۔ پوجا پاٹھ کئے بغیر کبھی کھانا نہ کھاتی تھیں۔ وشنو مندر ہر روز جاتی تھیں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے کبھی چاترماس کا برت چھوڑا ہو۔ سخت سے سخت برت وہ رکھتیں اور اسے پورا کرتیں۔ بیمار پڑ جانے پر بھی وہ رکھے ہوئے برتوں کو نہ چھوڑتیں۔ ایک دفعہ کی بات مجھے یاد ہے۔ انہوں نے چاندراین کا برت رکھا تھا۔ اس میں بیمار پڑ گئیں لیکن برت نہ چھوڑا۔ چاترماس کے برت میں دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا توان کے لئے عام بات تھی مگر اتنے پر بھی تسلی نہ ہونے پر انہوں نے ایک بار چاترماس میں ہر تیسرے دن فاقہ سے رہنے کا ارادہ کیا۔ لگاتار دو تین دن فاقہ سے گزار دینا توان کے لئے معمولی بات تھی۔ ایک چاترماس

میں انہوں نے سورج دیوتا کے درشن کرنے کے بعد ہی کھانا کھانے کا قاعدہ اختیار کیا۔ اس چوماسے میں ہم بچے بڑے شوق سے بادلوں کی طرف دیکھا کرتے کہ کب سورج نکلنے کی خبر ماں کو دیں اور کب وہ کھانا کھائیں۔ چوماسے میں اکثر سورج کے درشن مشکل سے ہوتے ہیں۔ مجھے ایسے دن یاد ہیں جب ہم سورج کو دیکھتے اور چلاتے "ماں ماں سورج نکلا" اور ماں جلدی جلدی آتیں لیکن تب تک سورج چھپ جاتا۔ وہ یہ کہتی ہوئی لوٹ جاتیں "کوئی بات نہیں، بھگوان کی مرضی نہیں کہ آج کھانا ملے ــ اور جا کر اپنے کاموں میں لگ جاتیں۔

وہ وقت کو پہچاننے والی، ہشیار اور سمجھدار تھیں۔ راج دربار کی سب باتیں جانتی تھیں۔ محل کی رانیوں میں وہ عقلمند سمجھی جاتی تھیں۔ بچپن میں میں ماں کے ساتھ دربار گڑھ جایا کرتا تھا اور ماں جی صاحب سے (ٹھاکر صاحب کی بیوہ ماں سے) ان کی جو بات چیت ہوتی وہ کچھ کچھ مجھے اب تک یاد ہے۔

ان والدین کے یہاں آشون بدی ۱۲ سمیت ۱۹۲۵ یعنی ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو پوربندر یعنی شداما پوری میں میرا جنم ہوا۔

بچپن پوربندر میں ہی گزرا۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ کسی پاٹھ شالہ میں مجھے پڑھنے بٹھایا گیا تھا۔ مشکل سے کچھ پہاڑے سیکھے ہوں گے۔ بالی تو اور لڑکوں کے ساتھ گورو جی کو گالی دینا سیکھنے کے علاوہ کچھ سیکھا ہو یاد نہیں ہے۔ اس سے میں یہی اندازہ لگاتا ہوں کہ میرا ذہن کند رہا ہوگا اور میری یادداشت کمزور۔

اسکول میں :

پوربندر سے میرے والد راجستھانی کورٹ کے ممبر ہو کر جب راجکوٹ گئے تو میری عمر کوئی سات سال کی ہوگی۔ راجکوٹ کی دیہاتی پاٹھ شالہ میں مجھے بٹھا دیا گیا۔ وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ماسٹروں کے نام وغیرہ بھی یاد ہیں۔ پوربندر کی مانند وہاں کی پڑھائی کے بارے میں کوئی خاص بات جاننے کے لائق نہیں۔ میرا شمار معمولی درجہ کے طالب علموں میں رہا ہوگا۔ پاٹھ شالہ کے اوپر کے اسکول میں اور وہاں سے ہائی اسکول تک پہنچنے میں میرا بارہواں سال گزر گیا۔ تب تک میں نے کبھی استاد وغیرہ سے جھوٹ بولا ہو، یار کے چکر میں پڑنا نہ کسی کو دوست بنانا یاد ہے۔ مجھ میں بہت جھجک اور شرم تھی۔ مدرسے میں اپنے کام

گاندھی ۱۴ سال کی عمر میں

سے کام رکھتا۔ گھنٹی بجتے بجتے پہنچ جاتا اور اسکول بند ہوتے ہی گھر بھاگ آتا۔ "بھاگ آتا" لفظوں کا استعمال میں نے جان بوجھ کر کیا ہے کیوں کہ مجھے کسی سے باتیں کرنا پسند نہیں تھا۔ مجھے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ "کوئی میرا مذاق نہ اڑائے۔"

ہائی اسکول کے پہلے ہی سال کے امتحان کے وقت کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ محکمہ تعلیم کے انسپکٹر "جائلس صاحب معائنہ کے لئے آئے۔ انہوں نے پہلی جماعت کے طالب علموں کو پانچ لفظ لکھوائے۔ ان میں سے ایک لفظ تھا "کیٹل" (KETTLE)۔ اس کے ہجے میں نے غلط لکھے۔ ماسٹر نے مجھے اپنے بوٹ سے ٹھوکر مار کر ہوشیار کیا لیکن میں کہاں سمجھنے والا تھا۔ میرے دماغ میں یہ بات نہ آئی کہ ماسٹر صاحب مجھے سامنے کے لڑکے کی سلیٹ دیکھ کر ہجے درست کرنے کا اشارہ کرتے ہیں۔ میں نے یہ مان رکھا تھا کہ ماسٹر (اس لئے مقرر ہے کہ کوئی لڑکا دوسرے کی نقل نہ کر سکے۔ سب لڑکوں کے پانچوں لفظ صحیح نکلے۔ ایک میں ہی

11

بیوقوف رہ گیا۔ میری بے وقوفی کا ذکر بعد میں ماسٹر نے کیا لیکن میرے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مجھے دوسرے لڑکوں کی طرح نقل کرنا کبھی نہ آیا۔

اس کے باوجود ماسٹر صاحب کے لئے میرے دل میں جو عزت تھی وہ کبھی کم نہ ہوئی۔ بزرگوں کی برائیاں دیکھنے کا وصف مجھ میں نہ تھا۔ بعد میں ان ماسٹر صاحب کی دوسری برائیاں بھی میری نظر میں آئیں پھر بھی میرے دل میں ان کی عزت جوں کی توں قائم رہی۔ میں اتنا جانتا تھا کہ بڑے بوڑھوں کا حکم بجالانا چاہئے۔ جو وہ کہیں کرنا چاہئے۔ وہ جو کچھ کریں اس کو پرکھنے کا اختیار ہمیں نہیں ہونا چاہئے۔

اسی دوران میں دو واقعات اور ہوئے جو مجھے ہمیشہ یاد رہے ہیں۔ معمولی طور پر مجھے کورس کی کتابوں کے علاوہ کچھ بھی پڑھنے کا شوق نہ تھا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ مجھے سبق پورا کرنا چاہئے۔ ڈانٹ مجھے سہی نہ جاتی تھی۔ ماسٹر سے فریب کرنے کا خیال نہ تھا۔ ان سب باتوں کے سبب میں سبق پڑھتا لیکن دل نہ لگتا تھا اس لئے بہت دفعہ سبق کچا رہ جاتا۔ ایسی حالت میں دوسری کتاب پڑھنے کو جی کیسے چاہتا لیکن والد صاحب کی خریدی ہوئی ایک کتاب 'شرون پتری بھگتی' ناٹک پر میری نظر پڑی اسے پڑھنے کو دل چاہا۔ بڑے شوق اور لگن سے میں نے اسے پڑھا۔ انہی دنوں کانچ کے ٹکڑوں میں شیشوں سے تصویر دکھانے والے بھی پھرا کرتے تھے۔ ان میں میں نے شرون کی وہ تصویر دیکھی جس میں وہ اپنے ماں باپ کو بہنگی میں بٹھا کر یاترا کے لئے لے جا رہے ہیں۔ دونوں چیزوں کا مجھ پر گہرا اثر پڑا۔ شرون جیسا بننے کا خیال دل میں اٹھتے۔ شرون کی موت پر ان کے ماں باپ کی چیخ و پکار مجھے اب بھی یاد ہے۔ اس خوبصورت نظم کو میں نے بجانا سیکھ لیا تھا۔ باجہ سیکھنے کا شوق تھا اور میرے والد نے ایک باجہ لا بھی دیا تھا۔

اسی وقت کوئی ناٹک کمپنی آئی اور مجھے ناٹک دیکھنے کی چھٹی ملی۔ اس میں ہریش چندر کا ناٹک تھا۔ اس ناٹک سے میری طبیعت نہیں بھرتی تھی۔ بار بار اسے دیکھنے کو دل چاہتا تھا لیکن بار بار جانے کون دیتا۔ اپنے ذہن میں میں نے ہریش چندر کا ناٹک سیکڑوں بار کھیلا ہوگا۔ ہریش چندر کے سپنے آیا کرتے۔ یہی دھن لگی کہ "ہریش چندر کی طرح سچ بولنے والے سب کیوں نہ ہوں؟" یہی خیال ہوتا کہ ہریش چندر کی مانند مصیبتیں برداشت کرنا اور سچائی کے اصول پر قائم رہنا ہی حقیقی سچائی ہے۔ میں نے تو یہی مان رکھا تھا کہ ناٹک میں جتنی آفتیں ہریش چندر پر پڑی ہیں ویسی ہی حقیقت میں ان پر پڑی ہوں گی۔ ہریش چندر کی تکلیفوں کو دیکھ کر اور انہیں یاد کرکے میں خوب رویا ہوں۔ آج میری عقل کہتی ہے کہ ممکن ہے ہریش چندر کوئی تاریخی شخصیت نہ ہوں لیکن میرے دل میں تو ہریش چندر اور شرون آج بھی زندہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آج بھی اگر میں ان ناٹکوں کو پڑھوں تو آنسو آئے بنا نہ رہیں گے۔

ہائی اسکول میں: جب میری شادی ہوئی تو میں ہائی اسکول میں پڑھتا تھا۔ ہائی اسکول میں میں کند ذہن طالب علم نہ سمجھا جاتا تھا۔ استادوں کی شفقت تو مجھے ہمیشہ حاصل رہی۔ ہر سال والدین کو طالب علم کی پڑھائی اور چال چلن کے سرٹیفکیٹ بھیجے جاتے۔ ان میں میری پڑھائی اور چال چلن کی شکایت نہیں کی گئی۔ دوسری جماعت کے بعد انعام بھی پائے اور پانچویں اور چھٹی جماعتوں میں چار روپے اور دس روپے ماہوار وظیفہ بھی ملا تھا۔ اس کامیابی میں میری قابلیت سے زیادہ میری قسمت کا ہاتھ تھا۔ یہ وظیفے سب لڑکوں کے لئے نہیں بلکہ صرف صوبہ سوراشٹر کے طالب علموں کے لئے تھے اور اس وقت چالیس پچاس لڑکوں کی جماعت میں سوراشٹر کاٹھیاواڑ کے طالب علم ہو ہی کتنے سکتے تھے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے، مجھے اپنی ہوشیاری پر ناز نہ تھا۔ انعام یا وظیفے ملتے تو مجھے تعجب ہوتا لیکن اپنے چلن کا مجھے بڑا خیال رہتا تھا۔ میرا چلن ذرا بھی کہیں گرتا تو مجھے رونا آجاتا۔ میرے لئے یہ برداشت سے باہر تھا کہ میرے ہاتھوں کوئی ایسی بات ہو جس سے استاد کو شکایت کا موقع ملے یا وہ اپنے دل میں میرے لئے ایسا خیال بھی لائیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار مار کھانی پڑی تھی۔ مار کھانے کا تو دکھ نہ تھا لیکن اس بات کا بڑا پچھتاوا تھا کہ مجھے سزا کا مستحق سمجھا گیا۔ میں خوب رویا۔ یہ واقعہ پہلی یا دوسری جماعت کا ہے۔ دوسرا واقعہ ساتویں جماعت کا ہے۔ اس وقت دوراب جی ایدل جی گیمی ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ سخت ڈسپلن رکھنے پر بھی طلبا میں ہر دل عزیز تھے۔ وہ باقاعدہ کام کرتے اور کام لیتے اور پڑھاتے بھی اچھا تھے۔ انہوں نے اونچی جماعتوں کے طلبا کے لئے ورزش اور کرکٹ لازمی قرار دی تھیں۔ میرا جی اس میں نہ لگتا تھا۔ لازمی قرار دئے جانے سے پہلے میں تو ورزش، کرکٹ یا فٹ بال میں کبھی جاتا ہی نہ تھا۔ نہ جانے

ہیں میری طبیعت کی جھجک بھی ایک وجہ تھی۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ ورزش کی طرف سے یہ غفلت میری بھول تھی۔ اس وقت مجھے یہ غلط خیال تھا کہ ورزش کا تعلیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعد میں سمجھ میں آیا کہ علم حاصل کرنے میں ورزش کی یعنی جسمانی تعلیم کی دماغی تعلیم کے برابر ہی جگہ ہونی چاہیئے۔

پھر بھی میں کہنا چاہوں گا کہ ورزش میں نہ جانے سے نقصان نہیں ہوا۔ وجہ یہ کہ میں نے کتابوں میں کھلی ہوا میں گھومنے کی سفارش پڑھی تھی۔ یہ مجھے پسند آئی اور تب سے ہی گھومنے جانے کی عادت مجھے پڑ گئی جو اب تک ہے۔ گھومنا بھی ورزش ہی ہے اور اس سے میرا جسم صحیح طور پر گٹھیلا ہو گیا۔

ورزش کرنے کی جگہ گھومنا جاری رکھنے کی وجہ سے جسم نے تو ورزش نہ کرنے کی غلطی کے لئے مجھے سزا نہیں دی لیکن دوسری ایک بھول کی سزا میں آج تک بھگت رہا ہوں۔ نہ جانے کس طرح یہ غلط خیال مجھے ہو گیا تھا کہ پڑھائی میں خوش خطی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال ولایت جانے تک بنا رہا۔ بعد میں تو میں پچھتایا اور شرمایا اور میں سمجھ گیا کہ لفظوں کا خراب ہونا ادھوری تعلیم کی نشانی ہے۔ اس لئے ہر ایک نوجوان مرد اور عورت کو چاہیئے کہ میری اس مثال سے سبق لے اور جان لے کہ خوبصورت حرف تعلیم کا ضروری حصہ ہیں۔ طالب علمی کے زمانے کی اس وقت کی دو باتیں قابلِ تحریر ہیں۔ چوتھی جماعت سے کچھ مضمون انگریزی میں پڑھائے جاتے تھے لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ جیومیٹری میں میں یوں بھی پیچھے تھا اور پھر انگریزی میں پڑھائے جانے کے سبب سے اور بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ استاد سمجھاتے تو اچھا تھے لیکن مجھے تو کچھ پتہ لگتا ہی نہ تھا۔ میں اکثر اوقات مایوس ہو جاتا۔ محنت کرتے کرتے جب جیومیٹری کی تیرھویں شکل آئی تو مجھے یکایک محسوس ہوا کہ جیومیٹری تو سب سے آسان مضمون ہے۔ جس بات میں عقل کا صرف سیدھا اور آسان استعمال ہی کرنا ہے اس میں مشکل کیا ہے۔ اس کے بعد سے جیومیٹری میرے لئے آسان اور مزیدار مضمون ہو گیا۔

سنسکرت مجھے جیومیٹری سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہوئی۔ جیومیٹری میں تو رٹنے کی کوئی بات نہ تھی لیکن سنسکرت میں، میرے خیال میں زیادہ کام رٹنے کا تھا۔ یہ مضمون بھی چوتھی جماعت سے شروع ہوتا تھا۔ چھٹی جماعت میں جا کر تو میرا دل بیٹھ گیا۔ سنسکرت کے استاد بڑے سخت تھے۔ لڑکوں کو وہ بہت کچھ پڑھا دینا چاہتے تھے۔ سنسکرت اور فارسی کی جماعتوں میں ایک طرح کا مقابلہ سا ہوتا رہتا تھا۔ فارسی کے مولوی صاحب نرم آدمی تھے۔ لڑکے آپس میں باتیں کرتے کہ فارسی تو بہت آسان ہے اور فارسی کے استاد نرم طبیعت ہیں۔ لڑکے جتنا کام کراتے ہیں اتنے سے ہی وہ نبھا لیتے ہیں۔ آسان ہونے کی بات نے مجھے بھی للچایا اور ایک دن فارسی کی جماعت میں بیٹھا۔ سنسکرت پڑھانے والے استاد کو دکھ ہوا اور انہوں نے مجھے بلا کر کہا "تم سوچو تو کہ تم کس کے لڑکے ہو۔ اپنی مذہبی زبان نہ سیکھو گے؟ اپنی مشکل مجھے بتاؤ۔ میری تو یہی خواہش رہتی ہے کہ سب لڑکے اچھی سنسکرت سیکھیں۔ آگے چل کر اس میں رس ہی رس ملے گا۔ تمہیں اس طرح مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ تم پھر میری جماعت میں آ جاؤ۔"

میں شرما گیا۔ استاد کی محبت بھری باتوں کو نہ ٹال سکا۔ آج میری آتما کرشن شنکر پنڈیا کے احسان کی ممنون ہے کیوں کہ جتنی سنسکرت میں نے اس وقت پڑھی تھی اگر اتنی بھی نہ پڑھا ہوتا تو آج میں سنسکرت کے پرانے گرنتھوں سے جتنا لطف اندوز ہوتا ہوں نہ ہو سکتا بلکہ اسی بات کا پچھتاوا ہوتا کہ میں نے زیادہ سنسکرت نہ پڑھی۔ آگے چل کر مجھے پتہ لگا کہ کسی بھی ہندو بچے کو سنسکرت کے مطالعے سے محروم نہیں رہنا چاہیئے۔

اب تو میں یہ مانتا ہوں کہ ہندوستان کے اونچے تعلیمی نصاب میں اپنی زبان کے علاوہ راشٹر بھاشا ہندی، سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی زبان کو جگہ ملنی چاہیئے۔ اتنی زبانوں کی تعداد سے کسی کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر زبانیں ڈھنگ سے سکھائی جائیں اور سب مضمونوں کو انگریزی کے ذریعہ پڑھنے اور سمجھنے کا بوجھ ہم پر نہ ہو تو مندرجہ بالا زبانوں کی تعلیم بوجھ نہ ہوگی بلکہ ان میں بڑا لطف آنے لگے گا۔ پھر جو شخص ایک زبان صحیح طور پر سیکھ لیتا ہے اسے دوسری زبانوں کا آسانی سے علم ہو جاتا ہے۔ اصل میں تو ہندی، گجراتی اور سنسکرت کو ایک ہی زبان ماننا چاہیئے۔ یہی بات فارسی اور عربی کے لئے بھی کہہ سکتے ہیں۔ فارسی اگرچہ سنسکرت جیسی ہے اور عربی عبرانی جیسی، پھر بھی یہ زبانیں اسلام کے رونما ہونے کے بعد پھلی پھولی ہیں اس لئے دونوں میں قریب کا تعلق ہے۔ اردو کو میں نے الگ زبان نہیں مانا کیوں کہ اسکی گرامر ہندی کے ماتحت ہے۔ اس کے لفظ فارسی اور عربی ہی ہیں۔ اونچے درجے کی اردو جاننے کے لئے فارسی اور عربی جاننا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ اونچے درجے کی گجراتی، ہندی، بنگلہ اور مراٹھی جاننے والوں کے لئے سنسکرت جاننا ضروری ہے۔

[ماخوذ از "آتم کتھا" ۱۹۴۹ء
ایڈیٹر مہادیو ڈیسائی اور ہری بھاؤ اپادھیائے]

گاندھی کی اخلاقی اقدار اور عصرِ حاضر میں ان کی معنویت

اسوتوش سنہا

انسان نے اپنی زندگی کی ابتدا جنگلوں سے کی تھی۔ اس دور میں ان کی زندگی میں ایک ہی قانون لاگو ہوتا تھا "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"۔ جس کے پاس لاٹھی ہوتی تھی اس کے پاس اقتدار ہوتا تھا۔ تشدد کے واقعات عام تھے۔ یہ خون خرابہ کبھی کسی شکار کئے ہوئے جانور کی وجہ سے یا کسی عورت یا دیگر مسائل کے سبب ہوا کرتا تھا۔

اس پُرتشدد اور خوف و دہشت کی فضا میں زندگی بسر کرتے ہوئے انسان نے یہ محسوس کیا کہ افہام و تفہیم سے کچھ ایسی صورت پیدا کی جائے کہ اس خون خرابہ اور تشدد کا خاتمہ ہو اور لوگ چین و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔

ہمارا خیال ہے کہ شاید یہی وہ مقام ہے جہاں سے اخلاقیات کی بات شروع ہوئی ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے کہ لوگ رفتہ رفتہ گروہوں اور قبیلوں میں رہنے لگے اور قبیلوں کی سطح پر قوانین بننے لگے پھر انسان جیسے جیسے ترقی کرتا گیا اسے اخلاقی پہلوؤں کے تحت چند قوانین کی ضرورت پڑ گئی اور اس طرح انسان نے زندگی میں اخلاقی اقدار کی اہمیت پر توجہ مرکوز کی۔

مختلف مہاتماؤں، سنتوں اور صوفیوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں میں اخلاقی اقدار کی تبلیغ کی اور سختی سے اس پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت پر زور دیا۔ ان سبھی مفکروں نے انسانی زندگی میں اخلاقی اقدار کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یہ بتایا کہ بنی نوعِ انسان کے تحفظ اور امن و سکون کے لئے یہ کس قدر ضروری ہے۔

اخلاقی اقدار کے سلسلے میں کچھ لوگ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز قرار دینے کی بات کرتے ہیں مگر تاریخ شاہد ہے کہ بھارت میں ایسے موقعوں پر لوگوں نے ہنستے ہنستے جامِ شہادت نوش کیا ہے مگر ان اقدار کی قیمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔

بھارت میں برطانوی دورِ حکومت میں ایسا ہی ایک مہاتما پیدا ہوا جس کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا۔ اس مہاتما نے اخلاقی اقدار کے ذریعہ بھارت کو غلامی سے نجات دلانے کا بیڑا اٹھایا اور یہ مردِ مجاہد تنہا انہی ہتھیاروں کو لے کر میدانِ جنگ میں کود پڑا تھا۔ گاندھی جی جنگِ آزادی کے ایک ایسے سپاہی تھے جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ ان کا سب سے بڑا ہتھیار ان کی اخلاقی اقدار اور صاف ستھرا کردار تھا۔

مہاتما گاندھی نے عدم تشدد کا ایک نیا طریقہ اس دنیا کو دیا اور اس نظریے پر اس قدر سختی سے کاربند رہے کہ دشمنوں کے ہزار ظلم و ستم اور جبر و استبداد بھی ان کے قدموں کو نہیں ڈگمگا سکے اور آخری سانسوں تک عدم تشدد کے اصول پر قائم رہتے ہوئے انہوں نے برطانیہ جیسی سامراجی طاقت کو اس ملک سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس زمانے میں یہ تصور کرنا بھی دشوار تھا کہ جس برطانوی حکومت کے دائرۂ اقتدار میں سورج غروب نہ ہوتا ہو ایسی طاقت اور حکومت کے خلاف گاندھی جی کے عدم تشدد کے اصول کارگر ثابت ہو سکیں گے۔ آج یہ آزادی اس عدم تشدد کی ہی دین ہے اور پورے برطانوی سامراج کو اس مردِ آہن کے آگے سرنگوں ہونا پڑا تھا۔ عدم تشدد کے ساتھ مہاتما گاندھی نے ایک اچھے کردار اور اعلیٰ صفات کی حامل شخصیت کی اہمیت پر بھی زور دیا تھا اور بھائی چارے اور اخوت و یگانگت کی بات کی تھی۔ انہوں نے "جیو اور جینے دو" کے فلسفہ کی نہ صرف وکالت کی بلکہ اسے بذاتِ خود اپنی زندگی میں اپنا کر دکھایا اور دوسروں کو اسے اپنانے کے طریقے بھی بتائے۔ گاندھی جی نے زندگی کے سماجی اور سیاسی پہلوؤں کیلئے اخلاقی اقدار کی اہمیت پر زور دیا اور اسے سماجی نظم و ضبط کے لئے ناگزیر قرار دیا۔

گاندھی جی نے نہ صرف نصیحتیں کیں بلکہ خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ انہوں نے انہی نظریات کی تشہیر کی جن پر عمل پیرا ہو کر انہوں نے خود کامیابی حاصل کی اور یہی وجہ ہے کہ ان ہی کی باتیں آج بھی ہمارے لئے مشعلِ

ڈانڈی مارچ ۱۹۳۰ء

راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مہاتما گاندھی سچائی، عدم تشدد، قدرت سے لگاؤ، بزرگوں کا احترام اور خدمت، انسانی ہمدردی اور عوامی فلاح و بہبود کے جذبات سے سرشار تھے۔ وہ اخلاقی اقدار کا پیکر تھے۔ کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اخلاقی اقدار کی اہمیت اب پہلے کے مقابلے میں کچھ کم ہو گئی ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ آج کل کے حالات میں ان اقدار کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد گاندھی جی کی اخلاقی اقدار سے لوگوں کی وابستگی اب قدرے کم ہو گئی ہے۔ لوگ مادی اور سائنسی دور کی شان و شوکت اور نام و نمود میں کھو گئے ہیں۔ لوگ اس فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ پیسہ اور دنیاوی اشیائے تعیش ہی سب کچھ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان بیماریوں، ذہنی تناؤ، زندگی کے عدم تحفظ کے خدشات، رشتوں اور ہمسایوں کی دوری، محبت و یگانگت، ہمدردی و مروّت جیسے جذبات کے فقدان کا شکار رہے۔ آج کے اس مادی دور میں جبکہ دوسرے ممالک ہماری ان اخلاقی اقدار کی اہمیت کے پوری طرح قائل ہو چکے ہیں اور ان کو تیزی سے اپنا رہے ہیں۔ ہم خود اس عظیم وراثت سے بہت دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ بہت ہی نامناسب بات ہے اور اس کی بہت بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔

موجودہ صورت حال میں گاندھی جی کے اخلاقی اقدار ہمارے مسائل کا حل ہیں۔ ہماری سیاسی اور سماجی اور ذاتی زندگی کے پیچیدہ معاملات کو ہم انہی اقدار کا سہارا لے کر حل کر سکتے ہیں۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی بھی سوتے ہوئے انسان کو جگانا تو آسان ہے مگر جاگے ہوئے انسان کو خواب غفلت سے جس میں وہ جان بوجھ کر کھو گیا ہو نکالنا بہت مشکل ہے کیوں کہ اس کے لئے افہام و تفہیم کی بات فضول ہوتی ہے

چنانچہ ان تمام امور کے تحت یہ بالکل واضح ہے کہ آج کے انسان کی سماجی، سیاسی اور نجی زندگی میں گاندھی جی کے اصولوں اور انکی اخلاقی اقدار کی بے حد ضرورت ہے اور انہیں پر عمل پیرا ہو کر آج کی مادی دنیا کے پیدا کردہ ہم اپنے بیشتر مسائل کو حل کر سکتے ہیں اور ہمارا یہی عمل اس عظیم ہستی کے لئے سب سے عمدہ خراج عقیدت ہوگا۔ (بشکریہ ہما آئینہ)

بچوں کا گاندھی

بہ یادِ گاندھی

وہی ہے شورِ ہائے و ہو، وہی ہجومِ مرد و زن
مگر وہ حُسنِ زندگی، مگر وہ جنّتِ وطن

وہی زماں، وہی زمیں، وہی مکاں، وہی مکیں
مگر سرورِ یک دلی، مگر نشاطِ انجمن

وہی ہے شوقِ نو بہ نو، وہی جمالِ رنگ رنگ
مگر وہ عصمتِ نظر، طہارتِ لب و دہن

ترقیوں پہ گرچہ ہیں تمدّن و معاشرت
مگر وہ حُسنِ سادگی، وہ سادگی کا بانکپن

شرابِ نو کی مستیاں کہ الحفیظ و الاماں
مگر وہ اک لطیف سا سرورِ بادۂ کہن

یہ نغمۂ حیات ہے کہ ہے اجَل ترانہ سنج
یہ دورِ کائنات ہے کہ رقص میں ہے اہرمن

ہزار در ہزار ہیں اگرچہ رہبرانِ ملک
مگر وہ پیرِ نوجواں، وہ ایک مردِ صف شکن

وہی مہاتما وہی شہیدِ امن و آشتی
پیامبر جس کی زندگی، خلوص جس کا پیرہن

وہی ستارے ہیں مگر کہاں وہ ماہتاب ہند
وہی ہے انجمن مگر، کہاں وہ صدرِ انجمن

جگر مرادآبادی

گاندھی جی اور صحافت

ٹی ۔ رحمٰن ، کلکتہ

گاندھی جی ہندستان کی سیاست میں تقریباً ۵۰ سال تک چھائے رہے۔ ان کی مقناطیسی شخصیت نے ان کے ماننے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے حسن کردار، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور سادگی سے ایک عالم کو متاثر کیا تھا۔ ہندستان سے افریقہ تک اور جنوبی افریقہ سے لندن تک کی تثلیث میں ستیہ گرہ تحریک کے ذریعہ تحریک آزادی میں انہوں نے جو نئی روح پھونکی تھی اس کو آج بھی تاریخ نہیں بھلا پائی ہے۔ ہندستان میں چلنے والی کوئی بھی سیاسی یا اصلاحی تحریک ہو، گاندھی جی کی عدم موجودگی ناممکن تھی۔ ہندستان چھوڑو تحریک ہو، ستیہ گرہ تحریک ہو، خلافت تحریک ہو، عدم تعاون، ترک موالات کی تحریک ہو یا سول نافرمانی کی تحریک ہو، یا پھر ڈانڈی یاترا، سودیشی تحریک ہو، غرض ہر جگہ گاندھی جی کی موجودگی لازمی ہوتی تھی۔ ان کی پرخلوص ترکیب کے نتیجے میں آزادی کی ہر تحریک کامیابی سے ہمکنار رہی۔

گاندھی جی ہندستان کی مکمل آزادی چاہتے تھے۔ انہیں سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ سماجی و معاشی آزادی کی بھی فکر تھی۔ شاید اسی لئے انہوں نے سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سماجی اور اخلاقی اصلاح پر بھی زور دیا۔ انہوں نے اپنی بات کو ہر شخص تک پہنچانے کیلئے جس طرح جلسے جلوس کی شرکت کو ضروری سمجھا تھا اسی طرح تحریری دستاویزات کی اہمیت کو بھی ناگزیر سمجھا۔ ہندستان میں بہت سی [illegible] کے علاج کے لئے صحافت کا خاص طور پر سہارا لیا۔ ابتدائی دور زندگی کے شروع دور میں صحافت کے میدان سے گہرا اشتراک تھا۔ اس بات کو گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی مصروف زندگی کے قیمتی اوقات صحافت کے لئے وقف کر دئے تھے۔

صحافت کو انہوں نے اس لئے استعمال کیا تھا کہ حکمراں وقت کے خلاف یہ ایک طاقتور ہتھیار تھا۔ دوئم یہ کہ وہ اپنے اخبار کے ذریعہ رائے عامہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے اخبار کے ذریعہ ہندستانیوں میں حصول آزادی کے لئے ایک نیا جوش و ولولہ جاگے۔ لوگوں کے اندر سماجی و سیاسی شعور پیدا ہو اور ان کے اندر اخلاقی قدروں کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہو۔ ان مقاصد کے پیش نظر مہاتما گاندھی نے سب سے پہلے ۱۹۱۹ء میں انگریزی ہفت روزہ "ینگ انڈیا" اور پھر "نوجیون" نکالے۔ اس سے قبل وہ ۱۹۰۳ء میں "انڈین اوپینین" کی ذمہ داری سنبھال چکے تھے۔

گاندھی جی نے تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہنی یکسانیت اور قومی امور سے دلچسپی کے لئے بہت سے سنجیدہ موضوعات پر جو حسب حال تھے خامہ فرسائی کی۔ انگریزی تعلیم کی چمک دمک جس طرح تعلیم یافتہ ذہن کو برباد کر رہی تھی گاندھی جی کو اس سلسلے میں کافی تشویش تھی۔ انہوں نے اس سلگتے مسئلہ پر کئی ایک موقع پر قلم اٹھایا۔ ایک موقع پر انہوں نے لکھا تھا :

> "میں نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ جس طریقہ سے ہمیں انگریزی تعلیم دی جا رہی ہے اس نے تعلیم یافتہ ہندستانیوں کو بالکل نکما اور ناکارہ بنا دیا ہے اور طالب علموں کے دماغ پر بہت بڑا دباؤ ڈال کر نہیں نقال بنا دیا ہے۔ انگریزی راج کا یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ ہم اپنے وطن کی زبانوں کو چھوڑ کر ایک غیر ملکی زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔"
>
> (ینگ انڈیا ۲۷ اپریل ۱۹۲۱ء)

۱۱ فروری ۱۹۳۲ء کو پونے سے انگریزی ہفت روزہ "ہریجن" جاری کیا۔ بعد میں یہ ہندی گجراتی

مراٹھی، بنگلہ اور اردو میں بھی شائع ہونے لگا۔ انگریزی ایڈیشن کا نام "ہریجن" تھا — ہندی اور اردو ایڈیشنوں کا نام "ہریجن سیوک" رکھا اور گجراتی، مراٹھی اور بنگلہ میں اس جریدہ کا نام "ہریجن بندھو" رہا۔
یہ اخبارات آزادی کے مشن کے تحت شائع کئے گئے تھے تجارتی اخبارات کی طرح اس کے باضابطہ دفتر اور ملازمین نہیں تھے۔ آشرم کے اراکین قلمکاروں کا تعاون حاصل کیا گیا تھا۔ گاندھی جی نے اپنے اخبار "ہریجن" کی اشاعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا:

"— اپنے خیالات کے اظہار کے لئے 'ہریجن' کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے۔ یہ اخبار ہندستان کی تحریک آزادی کے کاز کے لئے شائع ہوتا ہے۔"

[ماخوذ 'ہریجن' مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۴۲ء]

گاندھی جی اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ "ینگ انڈیا" اور "نوجیون" اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ تک محدود ہوکر رہ گئے ہیں۔ وہ اپنی بات نچلی سطح کے عوام تک بھی پہنچانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دیگر پانچ ہندستانی زبانوں میں "ہریجن" "ہریجن سیوک" اور "ہریجن بندھو" کے نام سے اخبارات نکالے۔ ان کے ناموں کا انتخاب بھی اسی مقصد کے تحت کیا گیا تھا کہ یہ اخبارات نچلے طبقہ کے کم پڑھے لکھے لوگوں تک بھی ان کی مادری زبان میں پہنچیں۔

اردو ہفت روزہ "ہریجن سیوک" کی اشاعت ۵ رمئی ۱۹۴۶ء کو احمد آباد سے شروع ہوئی اور تقریباً پونے دو سال تک ہر اتوار کو باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ دوسرے پانچ ایڈیشنوں کی طرح اردو ایڈیشن کے ایڈیٹر انچارج گاندھی جی کے پرائیوٹ سکریٹری پیارے لال تھے اور محمد احمد ہتر اس کے مدیر نگراں تھے۔ یہ اخبار گاندھی جی کے قتل کے بعد بھی ۷ فروری ۱۹۴۸ء تک شائع ہوتا رہا۔ تقسیم ملک کے بعد اس کے پڑھنے والوں میں حیرت انگیز کمی اس کے بند ہونے کا اصل کارن بنی۔ پھر یہ کہ گاندھی جی کے قتل کے بعد پیارے لال کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ اخبار کئی ماہ تک بند رہا۔ پھر کشور لال کی ادارت میں یہ اخبار تقریباً ۸/۹ ماہ تک نکلنے کے بعد بند کر دیا گیا۔
چھ زبانوں میں چھپنے والے "ہریجن" میں مواد کم و بیش ایک ہی ہوتا تھا۔ عام طور پر انگریزی "ہریجن" کے مضامین و مراسلات کے تراجم ہندستانی زبانوں کے ایڈیشنوں میں شامل کر دئے جاتے تھے۔ ہر زبان کے اخبار کو اوریجنل مواد بھی مل جایا کرتا تھا۔ گاندھی جی کا اداریہ اور مضمون اکثر زینتِ اخبار ہوتا تھا۔ گاندھی جی کے علاوہ ممتاز سیاست دانوں اور مفکروں کا قلمی تعاون بھی اسے حاصل تھا۔ "ہریجن سیوک" میں مضامین و مراسلات کے علاوہ گاندھی جی کی سیاسی و اصلاحی سرگرمیوں کی روداد بھی شائع کی جاتی تھی۔ اس کے لئے سیاسی و سماجی امور پر مختلف سوالات بھی ارسال ہوتے تھے جنہیں گاندھی جی کے جوابات کے ساتھ شائع کیا جاتا تھا۔ بہت سے سلگتے مسئلوں پر گاندھی جی کی خیال آرائی ہندستانیوں کے لئے کافی اہمیت کی حامل تھی۔ برطانوی مشن کی طرف سے ہندستان میں قانون ساز اسمبلی کے قیام کی تجویز کو انگریزوں کی نیک نیتی سے تعبیر کرتے ہوئے گاندھی جی نے لکھا تھا:

"اس تجویز میں ایسی بھی چیزیں ہیں جو ایک ایسے جلد باز پڑھنے والے کو پریشان کر سکتی ہیں، جو پڑھتے وقت یہ بھول جاتا ہے کہ تھوڑے سے تھوڑے وقت میں یہ آزادی کس طرح لی جا سکتی ہے۔ یہ دکھانے کے لئے موجودہ تجویز ہمارے سامنے ایک اصلاح یا اپیل کی شکل میں ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے آج کی آراجکتا میں سے جو نئی دنیا پیدا ہوئی اس میں غلام ہندستان برٹش تاج کا سب سے چمکتا ہوا رتن نہیں رہے گا۔ وہ اس کا سب سے کالا دھبہ بن جائے گا اور وہ دھبہ اتنا کالا ہوگا کہ اسے کوڑے کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق بنا دے گا۔ میں پڑھنے والوں سے یہ کہتا ہوں کہ یہ امید اور پرارتھنا کریں کہ برٹش تاج کا برٹین اور دنیا کے لئے سب سے اچھا اپیوگ ہو۔ سب سے زیادہ چمکتا ہوا رتن تو آج ایک بڑی بھاری چیز ہے۔ جب پرامزی نوٹ کی پوری قیمت مل جائے گی تو اپنے فرض کو مناسب طور پر ادا کر دینے کی وجہ سے برٹش تاج کو ایک اٹوٹ رتن مل جائے گا۔ بیان کے باہر بھی کچھ ایسی چیزیں ہیں

پلمبری لٹ کی مدد کے لئے جن کی ضرورت ہوتی ہے۔"
("ہریجن سیوک" جلد I شمارہ ۲ صفحہ ۲۹)

ہریجن کے ایک شمارے میں تعلیم بالغان پر بحث کرتے ہوئے گاندھی جی نے لکھا تھا :

"آج کل کی تعلیم سے گاؤں کے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ان کو ایسی تعلیم دی جائے جو انکی روزمرہ کی زندگی میں کام آئے۔ تعلیم کو ان پر ٹھونسا نہ جائے بلکہ ان کے دلوں میں تعلیم حاصل کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی جائے۔ آجکل انہیں جو تعلیم دی جاتی ہے اسے وہ نہیں چاہتے ہیں۔ اور نہ پسند کرتے ہیں۔ گاؤں کے لوگوں کو گاؤں کا حساب، گاؤں کا جغرافیہ، گاؤں کی تاریخ اور ایسا ادب سکھایا جائے جو ان کے روزمرہ کے کام میں کارآمد ثابت ہوں۔ اس کے علاوہ ان کو خط لکھنا اور پڑھنا سکھایا جائے وہ اپنے علم کو محفوظ رکھیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی خوشی سے دیں گے۔" ("ہریجن" ۲۲ / جون ۱۹۴۰ء)

"ینگ انڈیا" "ہریجن" اور اسکے دیگر ایڈیشنوں کی اشاعت سے ایک طرف گاندھی جی کی تعلیمات و نظریات کی تشہیر ہوئی تھی تو دوسری طرف حصولِ آزادی کے جذبہ کو ابھارنے اور سماجی و اخلاقی اصلاحات کو بروئے کار لانے میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ان اخبارات کا ایک خاص نصب العین ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینا بھی تھا۔ پھر یہ کہ ان اخبارات کے ذریعہ سماج کے پسماندہ طبقہ کے مسائل کو اجاگر کرکے ان کے حل کے راستے بھی دکھائے گئے تھے لیکن ان تمام مقاصد کے پس پردہ صرف ایک مقصد کارفرما تھا اور وہ تھا مکمل آزادی کی حصولیابی کے لئے ایک مستقل راستہ کی تلاش۔ اور اگر گاندھی جی کی صحافتی سرگرمیوں کو مدِنظر رکھا جائے اور "ینگ انڈیا" اور "ہریجن" اور اسکے ایڈیشنوں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً یہ نتیجہ نکلے گا کہ گاندھی اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہوئے تھے۔ مکمل آزادی کا خواب اس لئے شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا کہ وہ قبل از وقت لقمۂ اجل بن گئے۔ بہرکیف حصولِ آزادی کے لئے ان کے اخبارات کی اہمیت اور ان اخباروں کے مثبت کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

گاندھی جی مولانا آزاد کے ساتھ

مہاتما گاندھی اور اردو ادب

رام پرکاش

گاندھی جی نے زندگی کے ہر شعبہ پر اثر ڈالا۔ سیاسی، سماجی، معاشی مسائل کو اپنے ڈھنگ سے حل کرنے کیلئے نئی راہ دکھائی۔ اہنسا، سچائی اور امن سے سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کیا۔ ان کی شخصیت ۳۰ سال تک سیاست پر چھائی رہی۔ ان حالات میں اردو ادب اور آرٹ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ملک کی مختلف زبانوں کے ادیبوں اور شعراء نے گاندھی جی کی شخصیت اور ان کے فلسفے سے اثر لیا۔ گجرات نے اردشیر خبردار اور جیسا سعید گر بھی شاعر پیدا کیا۔ دیہاتی گیتوں میں گاندھی جی کو ہیرو کی صورت میں پیش کیا گیا۔ ہندی، اردو اور بنگالی نے خاص طور پر گاندھی جی کو اپنے فن کا موضوع بنایا۔ جس ڈھنگ سے جنگ آزادی لڑی گئی ہے اور جو تحریکیں ملک میں چلائی گئی ہیں، ادیب ان میں برابر شامل رہے ہیں۔

صحیح ادب کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ انسانیت کے مقصد کو پورا کرے۔ ادیب اپنے ماحول اور زمانے کی عکاسی کرتا ہے۔ اردو ادب میں یہ رجحانات غدر کے بعد سے ہی داخل ہو گئے تھے۔ ساختی دور کے زوال اور صنعتی دور کے آغاز سے ہی نئے مسائل اردو ادب میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ حالی اور آزاد نے غزل کے فرسودہ مضامین اور روایتی معشوق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ نظم میں ان مسائل کو سمونے کی کوشش شروع ہوئی جن کا زندگی اور ماحول سے راہ راست تعلق تھا۔

انیسویں صدی کے آخر میں ملک میں سیاسی بیداری اور شعور بیدار ہونے لگتا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے انعقاد سے یہ شعور اور بیداری سلگنے لگتی ہے۔ اگرچہ یہ شعور اور بیداری مبہم اور غیر واضح تھی۔ یہ ابہام اور عدم معتقدیت پہلی جنگ عظیم تک باقی رہی۔ اسی دوران گاندھی جی کی شخصیت سیاست میں ابھرنے لگی تھی اور چند سال بعد پہلی بار مکمل آزادی کا نعرہ لگایا گیا تھا۔

اردو ادب نے ملک کو آزاد کرانے میں ہر دور میں اور ہر وقت پر سیاسی رہنماؤں کا ساتھ دیا۔ شروع سے لے کر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک ملک کی ہر سیاسی اور سماجی تحریک کا ساتھ اردو فن کاروں نے اس ڈھنگ اور سلیقے کے ساتھ دیا ہے کہ ہم محض اردو ادب کے مطالعہ ہی سے ملک کی مکمل تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔ گاندھی جی سے اردو ادیبوں کو خاص دل چسپی رہی ہے۔ ان پر سیکڑوں نظمیں، مضامین اور افسانے لکھے گئے ہیں۔ ان کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ان کی سوانح حیات کا ترجمہ "تلاش حق" کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ گاندھی جی کے تمام مضامین کا ترجمہ اردو میں محفوظ ہے۔ اردو کی عظمت اور مقبولیت کا احساس گاندھی جی کو بھی تھا۔ وہ تمام عمر اردو رسم الخط اور اردو زبان کے حامی رہے۔ ان کا اخبار "ہریجن" اردو زبان میں بھی چھپتا تھا۔ یہ اردو میں انکی دل چسپی کا بین ثبوت ہے۔

جہاں گاندھی جی نے انگریزی حکومت اور سامراجیت کو ختم کیا وہاں انہوں نے قوم میں قومی خودداری کا صور بھی پھونکا۔ اچھوتوں کو گلے سے لگایا۔ گرے ہوئے لوگوں کو قعر ذلت سے اٹھایا۔ ان تمام تحاریک کا اثر اردو پر بھی پڑ رہا تھا۔ گاندھی جی کے متعلق اور ان کے نظریات کے سلسلے میں اچھوتوں، مزدوروں اور غریبوں کو موضوع بنائے ہوئے مضامین، نظمیں اور افسانے لکھے جا رہے تھے۔

اکبر الہ آبادی جو اپنے دور کا مشہور طنز نگار ہے جس کی تمام عمر مغربی آداب، تہذیب و تمدن، عیش پرستی وغیرہ کی مخالفت میں بسر ہوئی ہے، دیکھ رہا تھا کہ گاندھی کس طرح آندھی کی مانند ملک کو آزادی کی طرف لیجا رہا ہے۔ مولانا شوکت علی کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں:

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو گرد راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

انگریز کی شاطرانہ چالوں اور گاندھی جی کے خلوص کے پیش نظر اس شاعر کا ایک اور قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

گاندھی میں سب بھلائی — لیکن وہ محض بے بس!
صاحب میں سب برائی — لیکن وہ بہت چوکس

ان دنوں اقبال کا اقبال نصف النہار پر تھا۔ ان کی نظمیں سارے

ہندستان میں گونج رہی تھیں۔ وہ گاندھی جی سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہیں دنوں "نیا شوالہ" "ترانۂ ہندی" اور دیگر نظمیں لکھی گئیں۔

جنگ عظیم کے بعد ہوم رول کا نعرہ بلند کیا گیا۔ مہاتما جی نے تحریکِ عدم تعاون شروع کی۔ اس دور کا سب سے بڑا وطن پرست شاعر برج نرائن چکبست اس تحریک کا ساتھ دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے:

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

گاندھی جی اہنسا اور ستیہ گرہ کے ہتھیار سے قوم کو آزادی کی جنگ لڑنے کا سبق سکھا رہے تھے۔ اردو ادب اس نئے سبق، نئے آدرش کو پورے طور پر اپنا رہا ہے اور اپنے ماحول اور وقت کی پکار کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے۔ سرور جہاں آبادی، منشی تلوک چند محروم، چکبست وغیرہ اور ان کے کچھ بعد جوش ملیح آبادی، ظفر علی خاں، ساغر نظامی، سیماب اکبرآبادی آزادی کے نغمے لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ سب شاعر گاندھی جی سے بالواسطہ متاثر ہیں اور ان میں سے اکثر نے گاندھی جی پر نظمیں بھی لکھی ہیں۔

تحریک عدم تعاون اور رولٹ ایکٹ کے بعد ... ملک میں ۱۹۲۷ء تک سیاسی جمود طاری رہا۔ ان دنوں مزدوروں اور کسانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی۔ انقلابِ روس کا اثر ظاہر ہونے لگا تھا۔ دہشت پسندوں کی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا سامراجی ایجنٹوں پر بم پھینکے گئے۔ ہندو مسلم فسادات کی چنگاریاں سلگائی جا چکی تھیں۔ ان حالات میں بھی گاندھی جی نے اہنسا اور صداقت کا جھنڈا بلند رکھا۔ دہشت پسندوں کو گاندھی جی کی حمایت و تائید حاصل نہ ہو سکی۔ وہ اب بھی ہندو مسلم اتحاد کے حامی رہے۔ ان سب باتوں کا اثر اردو ادب پر برابر پڑ رہا تھا اور اردو کے ادبا ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

انہی دنوں اردو افسانے میں منشی پریم چند کی شخصیت نمایاں ہو چکی تھی۔ انہوں نے ستیہ گرہی کسان کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا ہیرو بنا کر گاندھی ازم کو پہلی بار مکمل طور پر اردو ادب میں شامل کر لیا۔ منشی پریم چند جہاں ایک سچے فنکار تھے، وہیں پورے گاندھی بھگت بھی تھے۔ ان کے افسانوں پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کس طرح عدم تشدد، سچائی اور سچائی کا پرچار کرتے رہے۔ ادب میں جو درجہ ٹالسٹائی کا ہے وہی منشی پریم چند کا ہے۔ آخر الذکر کا ستیہ گرہی کسان ایک علامت ہے ــــ ان

کے علاوہ شاد عارفی، علی عباس حسینی، اعظم کریوی وغیرہ بھی گاندھی ازم کو اپنا منشور بنا کر افسانے لکھ رہے تھے۔

گول میز کانفرنس کے بعد سے دوسری جنگِ عظیم کے شروع ہونے تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ۱۹۴۲ء کی اگست تحریک میں گاندھی جی روحانی اور طاقت کا وہ زبردست ستون تھے جو جنتا پر چھایا ہوا تھا۔ اس لڑائی میں انگریز کا ساتھ دینے کو کوئی بھی تیار نہ تھا۔ اور اردو ادیب عوام کے ساتھ تھے۔ شمیم کرہانی نے نظم کی ایک کتاب مرتب کی اور ۱۹۴۲ء کی تحریک اور گاندھی جی کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا۔ ساغر نظامی، الطاف مشہدی، ظفر علی خاں، ندیم قاسمی اور دوسرے شاعروں نے بھی گاندھی ازم کی عکاسی کی اور اردو شاعروں کا تو ایک ہی موضوع رہ گیا تھا۔ گاندھی جی اور گاندھی ازم۔ ان کی شہادت پر بھی اردو شاعر خاموش نہ رہے۔ قتیل شفائی، گوپال متل، راز چاندپوری، مطلبی فریدآبادی، کیف عرفانی، سراج لکھنوی، تلوک چند محروم اور دیگر شعرا نے دلدوز نوحے لکھے۔ علامہ سیماب نے بھی تاریخیں کہیں۔ ان میں سے کچھ سنیے:

کہو بنگلہ میں سالِ فوت سیماب (۱۳۵۴ بنگلہ)
فسردہ تن "شہیدِ قوم گاندھی"
(۱۳۵۴ بنگلہ)
سالِ ہجری یہ لکھ دو اے سیماب
مخلص و بے ریا شہیدِ وطن
(۱۳۶۷ ہجری)
یوں کہو سیماب سالِ عیسوی
خونِ صاحبِ جاہِ انسانِ عظیم
(۱۹۴۸ عیسوی)
کہو سمت میں سالِ فوت سیماب
ہوا مسمار خورشیدِ سیاست
(۲۰۰۴ بکرمی)

راز چاندپوری کے چند شعر سنیے:

گاندھی کہ جس کی ذات پہ ہندوستاں کو ناز تھا
بے لوث ایسا رہنما پائیں گے آخر ہم کہاں؟
گاندھی کے دل میں درد تھا ہر فرد کا، ہر قوم کا
قائم انہیں کے دم سے تھی یہ عظمتِ ہندوستاں

کیف عرفانی نے گاندھی جی کی موت کو سب سے زیادہ محسوس کیا۔ انہوں نے دو درجن کے قریب نظمیں لکھیں۔ ایک نظم کا بند یوں ہے:

لاش اک اور ملی ظلم کی دیوار کے پاس
یہ کسی انس کے پیکر کا ہے بکھرا ہوا خون
ہاں پئے امن یہ انساں بھی رہا ہوگا اداس

پاکستان ریڈیو سے نشر ہوا ایک قطعہ سنیئے :۔

تعصب کی دیوانگی کی بھی حد ہے
عداوت کی اور دشمنی کی بھی حد ہے
کیا قتل گاندھی سے محسن کو تم نے
بتاؤ تو محسن کشی کی بھی حد ہے

لیکن گوپال متل نے سب شاعروں سے ہٹ کر تین چار نظمیں لکھیں۔ وہ جنتا سے کہتا ہے :۔

یہ شعلے بے کار نہ جائیں
ان شعلوں کو لے کر ساتھی

جیون جوالا کو بھڑکا دو

کیوں کہ اس کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ گاندھی جی کے قتل سے جنتا نیا تخیل، نیا سپنا لے گی۔ اور ایک نظم ارتھی میں کہتا ہے ؂

یہ اٹھی ہے کس کی ارتھی ؟
کیا گاندھی کی ؟
نہیں۔ نہیں اے ساتھی
وہ تو مرا ہوا ہے
امر رہے گا
آج ہوا ہے دیش کا بھاگا
شیطاں جیتا، انسان ہارا

سراج لکھنوی :۔

مجسمہ تھا صداقت کا، آدمیت کا
زفرق تا بہ قدم آئینہ محبت کا

منشی پریم چند کے بعد دوسرے افسانہ نگاروں نے گاندھی ازم پر افسانے لکھے۔ ان کے فلسفۂ عدم تشدد، امن اور ہندو مسلم اتحاد کے گرد اپنے افسانوں کے جال بُنے۔ احمد عباس نے ایک افسانہ گاندھی پر رپورتاژ کے انداز میں لکھا۔ دیویندر ستیارتھی نے جہاں ملک کے دیہاتی گیت اکٹھے کر کے ادب اور ملک کی خدمت کی وہاں انہوں نے ملک کی ہر ترقی پسند تحریک کا ساتھ دیا۔ انہوں نے

بھی گاندھی ازم پر افسانے لکھے ہیں۔ "چپت" میں خاص طور پر گاندھی جی کا کردار لیا گیا ہے۔ "سانگرامی" میں گاندھی ازم اور "پٹائی کے دنوں میں" اہنسا پر بحث کی گئی ہے۔ کرشن چندر اس دور کا سب سے بڑا افسانہ نگار اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ " سوراج کے پچاس سال بعد اور دوسرے افسانے اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے "سوراج کے لئے" میں گاندھی ازم کی وضاحت کی ہے۔ علی جواد زیدی نے ۱۹۴۲ء کی تحریک پر ایک نظم بعنوان "ہولی" لکھی۔ ایک پوری مثنوی کے طور پر کتاب "گاندھی نامہ" باقر صاحب نے لکھی ہے۔ گوپال متل اور کیف عرفانی نے بھی گاندھی ازم پر نظمیں لکھی ہیں۔

کیفی اعظمی نے ۱۹۴۴ء کی گاندھی۔ جناح ملاقات کے موقع پر "نئے خاکے" اور "کرن" کے عنوان سے دو نظمیں لکھیں۔ شاعر چاہتا ہے کہ دو لیڈروں کی ملاقات سے مفاہمت اور اتحاد کی کوئی صورت نکل آئے کیونکہ اسی پر قوم کے مستقبل کا انحصار ہے ؂

یہ گفتگو گفتگو نہیں ہے، بگڑنے بننے کا مرحلہ ہے
دھڑک رہا ہے فضا کا سینہ کہ زندگی کا معاملہ ہے

ناخدا چوڑ کے سر بیٹھنے والے ہیں ادھر
اور ادھر سانس اکھڑنے لگی طوفانوں کی
موج کشتی کے تلے چور ہوئی جاتی ہے

شمیم کرہانی نے ۱۹۴۲ء کی تحریک پر بیشتر نظمیں لکھی ہیں۔ ۱۰ اگست ۱۹۴۲ء کو گاندھی جی کی گرفتاری پر ایک نظم "کچھ دیر" میں کہا ہے۔

کچھ دیر ذرا سو لینے دو
تم جیل جسے لیجاتے ہو وہ درد کا مارا ہے دیکھو
مظلوم اہنسا کا حامی بے بس دکھیارا ہے دیکھو
بے چین سا اسکی آنکھوں میں پچھلے کا تارا ہے دیکھو
کچھ دیر ذرا سو لینے دو

"تھانہ بازوں پر یہ نعرہ آشیاں کو چھوڑ دو
چھوڑ دو اے غاصبو، ہندوستاں کو چھوڑ دو"

گاندھی جی کی ذات اردو ادب پر پورے طور پر چھائی رہی ہے اردو کے فنکاران سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔
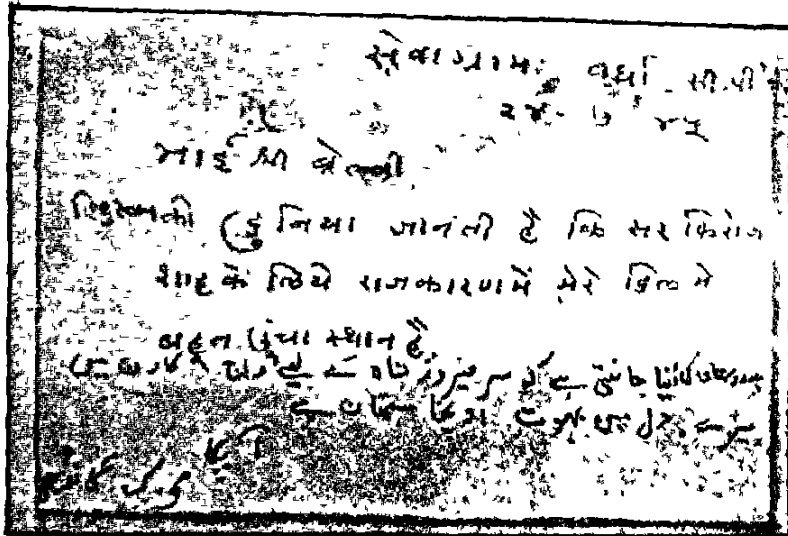
قبل اس کے کہ مضمون ختم کروں، گاندھی جی کے نظریۂ آرٹ اور لٹریچر پر ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ گاندھی جی نے بارہا زندگی میں سچے آرٹ اور ادب کی تعریف کی ہے۔ ان کے نزدیک سچا اور صحیح ادب وہی ہے جو عوام اور لاکھوں لوگوں کے دکھ درد کی عکاسی کرتا ہو۔ ایک ادیب کو ایسے ادب کی تخلیق کرنی چاہئے جو عوام کے لئے ہو اور عوام کے دکھ درد کی کہانی ہو۔ ان کے نظریہ کو اردو فنکاروں نے اپنایا ہے اور عوام کی پوری نمائندگی کی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (ماخوذ: "آجکل" نئی دہلی)

ایس اے ریلوی کے نام گاندھی جی کا ایک خط دیوناگری اور اردو رسم الخط میں۔

گاندھی جی کی بار شانتی نکیتن آئے اور یہاں کے ادبی و ثقافتی ماحول سے بے حد متاثر ہوتے۔ گاندھی جی کی ملاقات کوی گرو کے ساتھ کسی ایک موقع پر ہوئی اور موقع پر کسی نہ کسی مسئلہ پر تبادلۂ خیال ہوا۔ گاندھی جی اور ٹیگور کے درمیان بہت سے مسئلوں پر اختلافات تھے لیکن دونوں مکمل آزادی کے معتقد تھے اور دونوں اس نقطہ پر متفق تھے کہ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے بیکراں آسمان کی پرخلوص روشنی کی طرح۔ گاندھی اور ٹیگور کی ملاقاتوں کا ایک دوسرے پر کافی اثر ہوا تھا۔ اس لئے جب وہ دونوں ایک دوسرے سے دور رہے تو خط و کتابت کا سلسلہ دراز ہوا۔ مہاتما گاندھی جب اپنی اہلیہ کستوربا کے ساتھ فروری ۱۹۴۰ء میں دوبارہ شانتی نکیتن گئے تو ٹیگور نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا اور انکی شان میں خلوص آگیں کلمات کہے۔ زیر نظر تصویر میں گاندھی جی اور ان کی اہلیہ کستوربا ٹیگور کے ساتھ شانتی نکیتن کے پُر بہار ماحول میں ملبوس شبیہ ہیں۔

گاندھی جی کے نظریات

اردو اور قومی زبان کے بارے میں

• پروفیسر نعیم احمد

قومی تحریک کی تاریخ میں گاندھی جی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سیاست کو عوام کے مسائل، ان کے جذبات، ان کی مرادوں اور امنگوں کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اتنا ہی نہیں انہوں نے عوامی خدمت میں ایک کیف پیدا کیا۔ عوام دوستی اور عوامی خدمت کو انہوں نے مذہب وملت کی سطح اور حدوں سے بالاتر قرار دیتے ہوئے اس میں سرشاری پیدا کی جو سود و زیاں اور پسند و ناپسند سے بلند ہوتی ہے۔

قومی تحریک کے جوار بھاٹا کے لئے فرقہ پرستی سب سے خطرناک زیر آب چٹان کے روپ میں نمودار ہوئی۔ اس کی علمبردار قوتوں نے جو استحصال شروع کیا، گاندھی جی نے اس کے سیاسی مضمرات کا بخوبی اندازہ لگایا۔ انہوں نے قومی وحدت کی بقا کے لئے صرف اخلاقیات پر زور نہیں دیا۔ اسے انہوں نے اپنے سیاسی ایجنڈے میں شامل کیا۔ گاندھی جی نے اس حقیقت پر زور دیا کہ کسی انسانی گروہ کو کسی بھی بنیاد پر اس کے حقوق یا اقتدار میں اس کے حصے سے محروم کر کے نہ تو فرقہ پرستی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اور نہ قومی وحدت پروان چڑھائی جا سکتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام کے تمام حصوں کو اقتدار میں شریک کیا جائے۔

گاندھی جی نے قومیت، قومی تہذیب اور قومی زبان کی تعریف اور اس کے پرچار کو اس سیاسی ایجنڈے میں سرفہرست رکھا۔ گاندھی جی مذہب کو قومیت کی بنیاد ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ مذہبی عقائد اور خیالات وجذبات کی بنیاد پر تفریق کے قائل نہیں تھے۔ گاندھی جی کسی نسل کے خالص ہونے کے نظریہ یا اس کے زمانی ومکانی اعتبار سے قدیم ہونے کی بنا پر کسی امتیازی حق کے مستحق ہونے کے خیالات کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ نسل کی بنا پر تہذیب وثقافت کے تعین یا تشکیل کے نظریات کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ ہندستان میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جسے آریائی تمدن یا ثقافت کہا جا سکے۔ اسی طرح وہ تہذیبی وثقافتی علیحدگی پسندی کو بھی غلط قرار دیتے تھے۔ گاندھی جی گنگا جمنی تہذیب وثقافت کے علمبردار تھے اور مذہبی، تہذیبی و ثقافتی اور لسانی کثرت کے قومی یک جہتی میں حارج نہ ہونے کے نظریہ کے حامل تھے۔

گاندھی جی کے یہی خیالات ان کے قومی زبان کے نظریہ میں بھی کارفرما ہیں۔ انہوں نے بار بار، دسیوں برس تک اس نکتے پر زور دیا کہ کوئی ایک زبان یا رسم الخط تھوپ کر قومی وحدت اور یک جہتی پیدا نہیں کی جا سکتی۔ وہ صرف ہندی کو قومی زبان، دیوناگری کو واحد رسم الخط بنانے اور اردو زبان اور اس کے رسم الخط کو قومی زبان کے دائرے سے خارج کر دینے کے سخت مخالف تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ ہندی اور اردو کو قومی زبان ہونا چاہئے۔ گاندھی جی نے ہندی کی تعریف جا بجا ان لفظوں میں کی ہے:

"میں ہندی اس زبان کو کہتا ہوں جو اتر کے ہندو اور مسلمان بولتے ہیں، چاہے وہ دیوناگری میں لکھی جائے، چاہے اردو لکھاوٹ میں۔"

گاندھی جی اردو کو کسی خاص مذہبی گروہ کی زبان قرار دئے جانے کو حقیقت کے بالکل برخلاف قرار دیتے تھے۔ وہ اردو زبان کی ہمہ گیری اور اس کے کسی خاص مذہب یا علاقے سے بالاتر ہونے پر زور دیتے تھے۔ اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے انہوں نے بڑی قطعیت کے ساتھ اردو کے ہمہ گیر زبان ہونے کی حقیقت تسلیم کرنے کے لئے کہا تھا:

"ابھی تک صرف اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو کسی ایک صوبے یا فرقہ تک محدود نہیں رہی ہے .... اردو پنجاب، دہلی اور کشمیر میں بہت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترک زبان ہے۔"

گاندھی جی نے آزادی سے صرف چھ ماہ قبل بھی اس حقیقت پر زور دیا۔ یہ کارنامہ انہوں نے ہندی کے ادیبوں اور شائقین سے خطاب کرتے ہوئے انجام دیا۔

"آپ میں سے کچھ جانتے ہوں گے کہ پنجاب میں سب پڑھے لکھے ہندو اور مسلمان اردو جانتے ہیں۔ وہ اردو بول نہیں سکتے۔ اسی طرح کشمیر میں بھی اچھی اردو لکھنے والے ہندو ہیں۔"

اردو کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنایا جانا گاندھی جی کے لئے بڑی ہی مسرت کا سامان بنا تھا کیونکہ وہ مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے جانے پر زور دیتے تھے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں سائنس کے مضامین کی تدریس کے لئے نصابی کتابیں اردو میں تیار کرائی گئیں تو ایسے اقدامات کی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا تھا کہ سائنس کے مضامین اردو میں پڑھانے سے تعلیم کو فروغ حاصل ہوگا۔

"مجھے جو خبریں ملی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق کی لائق رہنمائی میں عثمانیہ یونیورسٹی اردو میں مواد کی بڑی خدمت کر رہی ہے۔ اس یونیورسٹی میں اردو کی ایک بڑی ورکنگ موجود ہے۔ سائنس کی

کتابیں اردو میں تیار کی گئی ہیں اور تیار کی جا رہی ہیں۔ چونکہ تعلیم دیانت داری کے ساتھ اردو میں ہو رہی ہے اس لئے اس کی ترقی یقینی ہے۔"

گاندھی جی کے رسم الخط کے مسئلے پر بھی غور و فکر کیا۔ اس سلسلے میں بھی وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی، قومی یکجہتی اور ثقافتی رنگارنگی کے تناظر میں فیصلہ کرتے ہیں۔ ادیبوں کے مضامین لسانی تنازعہ گاندھی کے لئے بہت باعث تکلیف ہے۔ ان ادیبوں کے لسانی تعصب اور اردو زبان و مذہب کے مابین رشتہ جوڑنے کی کوششوں کے خلاف گاندھی جی بڑے ہی سخت الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں؛

"میرا بس چلے تو میں ادیبوں کو اس نظریہ سے ہٹا دوں کہ زبان کی جس شکل کو اردو کہا جاتا ہے وہ صرف مسلمانوں کی بول چال کی زبان ہے اسی طرح جس طرح کہ میں ہندو ادیبوں کو ہندی کو صرف ہندوؤں کی زبان سمجھنے کے نظریہ سے ہٹا دوں گا۔"

گاندھی جی زبان کے لسانی ڈھانچہ، اس کے فطری رسم الخط اور اس کی سماجی و تہذیبی معنویت کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ وہ اردو کا رسم الخط بدلنے کے قطعی خلاف تھے۔ پٹنہ میں بہار اردو کمیٹی کے اجلاس کے موقع پر مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر راجندر پرشاد نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا تھا (۲۸ اگست ۱۹۲۷ء)۔ اس بیان میں اردو اور دیوناگری دونوں رسم الخط سرکاری اور تعلیمی کاموں کے لئے بیک وقت استعمال کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔

"ہم اس بات پر ایک رائے ہیں کہ ہندستانی ہندستان کی مشترکہ زبان ہو اور اردو اور دیوناگری دونوں کے حروف میں لکھی جائے اور تمام سرکاری اور تعلیمی کام کاج کے لئے ان دونوں لکھاوٹوں کو تسلیم کیا جائے۔"

گاندھی جی نے اس معاہدے کی مکمل حمایت کی تھی۔

گاندھی جی نے وقتے وقتے سے بار بار اس بات پر زور دیا کہ اردو اور دیوناگری دونوں رسم الخط برقرار رہنے اور استعمال ہونے چاہئیں۔ وہ رسم الخط کے سلسلے میں زبردستی کو بالکل غلط اور ناقابلِ عمل قرار دیتے تھے۔ ایسے عمل کو گاندھی جی نے تو تصور سے بھی پرے کہا تھا۔

"اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے دیوناگری میں لکھنے پر اصرار کیا جائے اور یہ بات تو خیال کی حد سے اور بھی پرے ہے کہ ہندوؤں کی بہت بڑی آبادی کو عربی لکھاوٹ اپنانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔"

گاندھی جی حب الوطنی اور جمہوریت دونوں کے تناظر میں اردو رسم الخط سیکھنا ضروری قرار دیتے تھے۔ بیک وقت رسم الخط سیکھنے کی قباحتیں پیش کرنے والوں سے گاندھی نے یہ کہا تھا کہ ہندستانی شہریت اور خدمتِ وطن کی روح اس بات کی متقاضی ہے کہ دونوں رسم الخط سیکھے جائیں:

"دو لکھاوٹیں سیکھنے سے ڈرنا نہیں چاہئے..... آپ ہندستان میں رہتے ہیں، ہندستانیوں کی سیوا خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے دو لکھاوٹیں سیکھنے کی محنت سے کیا ڈرنا۔؟"

اردو کو ہندی کی شیلی قرار دیتے، دونوں زبانوں کے نام جدا جدا ہوتے ہوئے درحقیقت زبان ایک ہی ہونے کے بارے میں آج بھی دلیلیں دی جاتی ہیں۔ گاندھی جی اردو اور ہندی کو دو جداگانہ زبانیں قرار دیتے تھے۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق جمہوریت کا بھی تقاضہ ہے۔ بصورتِ دیگر جو کچھ ہے اس کا اظہار گاندھی جی نے ان لفظوں میں کیا ہے:

"ہم میں کئی ایسے ہیں جو ہندی اور اردو کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو سچی ڈیماکریسی (جن تنتر یا جمہوریت) چاہتا ہوں۔ صرف ہاں میں ہاں ملانے سے ڈیموکریسی ہپوکریسی (کپٹ) بن جاتی ہے۔"

ہندی کی وکالت کرنے والوں کا ایک گروہ جس طرح اردو کی مخالفت کر رہا تھا۔ اس طریقۂ کار سے گاندھی جی ذرا بھی متفق ہونے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ کسی کی زبان کو مٹانے اور صرف اپنی زبان کی بالادستی پر اصرار کو گاندھی جی تشدد (ہنسا) قرار دیتے تھے۔ ان کا اہنسا کا نظریاتی و عملی دائرہ دوسروں کو ثقافتی و لسانی حقوق دینے تک وسیع تھا۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق حب الوطنی، قومی یک جہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور جمہوریت ہی نہیں اہنسا کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ اردو کے حقوق تسلیم کئے جائیں:

"ہندی والے چاہتے ہیں کہ میں ہندی ہی کی نوبت بجاتا رہوں، اردو کا نام نہ لوں مگر میں تو اہنسا کو ماننے والا ستیہ گرہی ہوں۔ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔"

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گاندھی جی ہندی سے کچھ کم محبت کرتے تھے۔ وہ یہ دونوں زبانوں کو قومی ضرورتیں پوری کر سکنے والی زبانیں بنانے کے خواہش مند تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہندی مٹ جائے یا اردو فنا ہو جائے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ دونوں ہمارے کام کی ہو جائیں۔"

قومی زبان کے گاندھی جی کے تصور میں اردو زبان اور اردو رسم الخط کو شمولیت حاصل تھی۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق اس مظہر کے بغیر قومی زبان کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ ہندی پرچار سبھا کی سلور جبلی کے موقع پر گاندھی جی نے اپنی تقریر میں یہ تک کہا تھا کہ اردو لکھاوٹ سیکھنا ہمارا دھرم ہے اور اسی پر چلتے ہوئے ہم ہندستان کو اپنا کہنے کا حق حاصل کر سکتے ہیں۔"

"..... میں آپ سے کہوں گا کہ آپ کا یہ دھرم ہے کہ آپ اردو

لکھاوٹ بھی سیکھیں ۔ ۔ ۔ قومی زبان کا پرچار کرتے ہوئے ہم اس طرف چلے جائیں اور ہمارا کام برابر ہوتا رہے تبھی ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا کہ یہ ہندستان ہمارا ہے۔"

جمہوریت اور اہنسا میں پختہ یقین نے گاندھی جی کو یہ یقین کامل بخشا تھا کہ ثقافتی اور لسانی آمریت آخر ناکام ہو جاتی ہے۔ گاندھی جی کے نقطۂ نظر کے مطابق کسی زبان کو مٹا دینا بہرحال ناممکن ہے۔ انہی کے لفظوں میں:

"میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خالص اردو یا خالص ہندی کے باقی رہنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ تصور ایک خواب اور ایک پاک خواب ہی رہے گا۔ تلسی داس اور سور داس کی زبان ماہیں ہو سکتی اور اسی طرح وہ زبان بھی نہیں ہو سکتی جس میں شبلی لکھا کرتے تھے۔"

۱۵ اگست ۱۹۴۷ کو ہندستان آزاد ہوا۔ مگر دنیا کی حقیقتوں سے ٹکرا کر گاندھی جی کا آزادی کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ اسی لئے جب آہوں، کراہوں اور سسکیوں کی فضا میں آزادی کے شادیانے بجائے جا رہے تھے تو گاندھی جی نے فرقہ وارانہ فسادات اور قتل و غارت گری کے مقابلے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا خواب ٹوٹ جانے کا ماتم کیا۔ وہ فرقہ وارانہ قتل عام کی آگ بجھانے میں مصروف ہونے کے باوجود اردو زبان، رسم الخط اور مسلمانوں کے تحفظ کی وکالت کرتے رہے۔

اس دور کی ہیجانی کیفیات میں بھی گاندھی نے صبر و تحمل اور دوربین حکمت عملی اختیار کرنے اور ہر طرح کے اشتعال سے گریز کرنے پر زور دیا۔ ریحانہ طیب جی نے گاندھی جی کے نام اپنے خطوں میں لکھا کہ اردو لکھاوٹ کو اس لئے جگہ دی جا رہی تھی کہ برطانوی ہند کا بٹوارہ نہ ہو۔ اب ہندستان اور پاکستان دو علیحدہ ملک بن گئے ہیں اس لئے ناگری کے ساتھ اردو کے سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

گاندھی جی نے پاکستان کے وجود میں آ جانے کے باوجود دو قومی نظریہ قبول کرنے سے انکار کیا۔ پاکستان کے اردو کو اپنی قومی زبان تسلیم کرنے کے باوجود گاندھی جی نے اردو زبان اور اردو رسم الخط کے ساتھ انصاف کئے جانے پر اصرار کیا۔ انہوں نے سیاسی اور تہذیبی آشوب میں بھی اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان ماننے سے انکار کر دیا۔ گاندھی جی نے ریحانہ طیب جی کے خط کے جواب میں ان خیالات کا اظہار کیا:

"ہم دونوں میں اختلاف نہیں ہے میں ۔ دو قوموں کے ملنے سے ہم ہندستان

۳۹

کو بڑا نقصان پہنچائیں گے...... اگر ہم ہندو یا مسلمان کو ایک ہی لکھاوٹ میں لکھنے کے لئے مجبور کر دیں تو ہم ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے اور جب یہ غیر انصافی اقلیت کے ساتھ ہو تو اکثریت کا گناہ دگنا مانا جائے گا۔۔۔ یاد رکھنا چاہئے کہ آج سچ مچ اردو لکھاوٹ یا اردو بھاشا صرف مسلمانوں کی نہیں ہے۔ ایسے ان گنت ہندو ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے اور وہ ایسے اردو لکھاوٹ ہی میں لکھتے ہیں۔"

گاندھی ردّ عمل کی دلیلوں کو غلط قرار دیتے تھے۔ وہ کسی بھی صورت میں کسی بھی زیادتی کے خلاف تھے۔ غلط کاموں کی کوئی توجیہہ گاندھی جی کو قبول نہیں تھی۔ وہ زیادتی یا ناانصافی کا کوئی جواز ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ غلطی کے اعتراف اور جو کو جو کہنے سے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ ان کی کشادہ ذہنی، وسیع النظری اور جرأت مندی کا اندازہ اس اقتباس سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

"ہم نے یونین میں کئی جگہ مسلمانوں پر زیادتیاں کی ہیں۔ ان زیادتیوں کے حق میں ہماری طرف سے یہ جواب نہیں دیا جا سکتا کہ پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں پر زیادتیاں شروع ہوئیں اس لئے یونین میں ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر زیادتیاں کیں۔"

اسی لئے آزادی کے بعد جب اترپردیش میں ہندی کو واحد سرکاری زبان اور دیوناگری کو اکلوتا سرکاری رسم الخط قرار دیا گیا تو گاندھی جی نے صدائے احتجاج بلند کی اور اردو کو اس کے حقوق دئے جانے کا مطالبہ کیا۔ اس وقت اردو رسم الخط کو مٹانے کا جو عمل شروع ہوا، گاندھی جی اپنی شہادت کے وقت تک اس کے خلاف احتجاج اور ایسے اقدامات کی مذمت کرتے رہے۔ وہ ثقافتی معاملات طیش میں آکر طے نہ کرنے اور دل آزاری سے بچنے کی تلقین کرتے رہے۔

"جو لوگ غصے میں آکر اردو لکھاوٹ کا بائیکاٹ کرتے ہیں وہ یونین کے مسلمانوں کی خواہ مخواہ توہین کرتے ہیں۔"

اپنی شہادت سے صرف ۵ دن پہلے بھی گاندھی جی نے لسانی تعصب اور دشمنی سے بچنے پر زور دیتے ہوئے ایسے مظاہرے کے خلاف اپنی ناپسندیدگی اسی طرح دوٹوک انداز میں ظاہر کی تھی۔

"جب ناگری کے حمایتی اردو لکھاوٹ کی مخالفت کرتے ہیں تو اس

میں مجھے عداوت اور تعصب کی بو آتی ہے۔"

ملک آج جس تہذیبی و روحانی بحران سے دوچار ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب گنگا جمنی تہذیب اور زبان کو کچل کر رکھ دینے کی کوششیں ہیں۔ گاندھی جی کے اس تناظر میں پیش کیے گئے خیالات سے کسب فیض کرتے ہوئے ہم آج بھی اپنی تہذیب و ثقافت میں روح پھونک سکتے ہیں۔

نوٹ: تمام اقتباسات "ہریجن" کے ۱۹۳۶، ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے شماروں، "ہریجن سیوک" کے ۱۹۴۸ء کے شماروں "تعمیری پروگرام" (۱۹۴۸ء) اور "دکھنی بھارت ہندی پرچار سبھا" کے اجلاس میں گاندھی جی کے دیے گئے خطبہ (۲۵ر جنوری ۱۹۴۶ء) سے ماخوذ ہیں۔ (بشکریہ آبشار کلکتہ)

الہلال

فہرست

تصاویر

مولانا آزاد کے اخبار "الہلال" مورخہ ۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء جنوبی افریقہ میں گاندھی جی کی جدوجہد کی مکمل حمایت کرتے ہوئے۔

گاندھی

آغوش میں پھولوں کی تھرکتا ہوا شعلہ
انگاروں کے گہوارے میں سوتی ہوئی شبنم
اک جذبہ، اک احساس، اک انداز، اک آواز
نکھرا ہوا اک درد، تپایا ہوا اک غم
انسان کی صورت میں دھڑکتا ہوا اک دل
پیکر میں عناصر کے کوئی دیدۂ پُرنم
سینے میں سموئے ہوئے گنگا کا تموّج
کاندھے پہ ہمالہ کا اٹھاتے ہوئے پرچم

نیرنگیٔ افکار کا سمٹا ہوا دریا!
بیتابیٔ جذبات کا ٹھہرا ہوا طوفان
فاروق کا متوالا، اخوت کا پُجاری
گوتم کا دلآرام، اہنسا کی رگِ جان
اپنی ہی خط اوّل کا وہ نقادِ جواں فکر
وہ اپنے ہی اسرار کا اک سیلِ خراماں
ماحول کے سینے کا دہکتا ہوا لاوا!
تاریخ کے ماتھے پہ سجائی ہوئی افشاں

حُرمت الاکرام

انسانیت کی موت

اسرار احمد آزاد

۳۰ ر جنوری ۱۹۴۸ء کا دن دنیا کے موجودہ دور میں انسانیت کی موت کا دن تھا۔ اسی دن شام کو ہندستان کو آزادی دلانے والے اور صداقت، محبت اور عدم تشدد کے داعی، مہاتما گاندھی کو جھوٹ، نفرت اور تشدد کی طاقتوں نے ایسا نشانہ بنایا تھا کہ ان کے ساتھ ہی انسانیت بھی ہلاک ہو گئی تھی۔ اسی حادثے سے متاثر ہو کر جوش ملیح آبادی نے کہا ہے ؎

قتل ہو جاتا ہے جب انسان کوئی بے گناہ
کانپنے لگتے ہیں بامِ آسماں پر مہر و ماہ
اور بالتخصیص جب اک رہبرِ باطل شکن
قتل ہو جاتا ہے زیرِ گنبدِ چرخِ کہن!
فرقِ انسانی سے گر جاتا ہے تاجِ آبرو
آدمیت کی رگِ جاں سے اُبلتا ہے لہو
مرگِ دانا، مرگِ دنیا ہے یہ اک قانون ہے
خونِ گاندھی عالمِ انسانیت کا خون ہے

اور جناب جوش نے ان چار اشعار میں جو کچھ کہہ دیا ہے اس کی شرح صدہا صفحات پر بھی ممکن نہیں ہو سکتی۔

انسان کی اجتماعی زندگی کے ہر دور میں کچھ ایسی شخصیتیں ضرور پیدا ہوتی رہی ہیں جنہیں بنی نوعِ انسان کا ہادی اور محسن تسلیم کیا گیا ہے لیکن ان میں سے بعض کا دائرۂ عمل و اثر کسی ایک قوم یا کسی ایک خطے میں بسنے والوں کی خدمت، اخلاقی تربیت اور خیر سگالی تک محدود ہے اور بعض افراد کی اصلاحی اور تعمیری سرگرمیاں پورے بنی نوعِ انسان کے لئے وقف رہی ہیں۔ ایسی ہی شخصیتوں کو انسان کا محسن اور نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ گاندھی جی کا شمار بھی انہیں ممتاز ترین شخصیتوں میں کیا جاتا ہے۔ پھر جب ان عظیم ترین شخصیتوں میں سے کوئی شخصیت انسانوں کے درمیان سے اٹھ جاتی ہے تو اس کی عدم موجودگی کو عالمِ انسانیت کا نقصان تصور کیا جاتا ہے اور جب کبھی اس کی یہ مستقل جدائی خود اس کے ساتھ وابستہ کسی فرد کے کسی غیر مناسب فعل کا نتیجہ ہوتی ہے تو یہ کہنا بے جا نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ انسانیت بھی مر جاتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جس قدر ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئی تھیں اس قدر تاریخ کے کسی دور میں بھی پیدا نہیں ہوئیں اور چونکہ ہمارا دور سیاست اور اقتصادیات کا دور ہے، اس لئے یہ تمام تر ممتاز شخصیتیں انہیں میدانوں میں ظاہر ہو کر سرگرم کار رہی ہیں اور لینن، اسٹالن، ہٹلر، موسولینی، کمال اتاترک، ٹیٹو اور ماؤ سی تنگ اسی گروہ میں شامل ہیں۔

گاندھی جی بھی اسی دور کی پیداوار تھے اور وقت کے تقاضوں کے مطابق انہوں نے بھی اپنی تمام زندگی سیاست کے پُر خار میدان ہی میں بسر کی تھی لیکن ان کی سیاست مغرب کی سیاست سے بالکل مختلف اور بے میل انسانیت کا ایک ایسا نمونہ تھی جس کی مثال اس دور کے کسی سیاسی رہنما کی ذات اور سیاسی سرگرمیوں میں نہیں مل سکتی۔ وہ دشمنوں کے بھی دوست تھے اور دوستوں سے دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کی توقع رکھتے تھے اور اس کی اسی خصوصیت نے انہیں ان کے دشمنوں کی نظر میں بھی قابلِ احترام بنا دیا تھا اور اسی لئے ان کی موت کو بجا طور پر انسانیت کی موت قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہندستان کے اس درویش صفت رہنما کی پوری زندگی صداقت، محبت اور عدم تشدد کے عملی پرچار میں بسر ہوئی تھی اور یہ انسانیت کی وہ عظیم اور بنیادی قدریں ہیں جنہیں مذہب کے نام پر بھی پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اور صرف انسانیت کے نام پر بھی لیکن کیا اسے انسانیت کی موت نہیں سمجھنا چاہیئے کہ صداقت، محبت اور عدم تشدد کے اسی داعی پیکر اور پیغامبر کو جھوٹ، نفرت اور تشدد کی طاقتوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

گاندھی جی نے زندگی کے کچھ اصول بنائے تھے اور چونکہ ان کا کوئی کام بھی قومی زندگی سے الگ نہیں تھا اس لئے ان کے یہ اصول خود قومی زندگی

گاندھی جی کا آخری دیدار، ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء

سے الگ نہیں بلکہ خود قومی زندگی کے اصول تھے اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک نہایت سختی کے ساتھ ان اصولوں پر کاربند رہے تھے۔ لیکن آج ہماری قومی زندگی میں ان اصولوں کی جھلک تک نظر نہیں آتی اور ہم گاندھی جی کی عظیم شخصیت کی آڑ لے کر وہ سب کچھ کرتے رہتے ہیں جس کا گاندھی جی تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ کیا ہماری یہ ذہنیت اور ہمارا یہ طرز عمل اس بات کا بیّن اور زندہ ثبوت نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے انسانیت کا گلا گھونٹ دیا ہے اور گاندھی جی نے انسانیت کا جو تصور پیش کیا تھا وہ ان ہی کے ساتھ دفن ہوچکا ہے؟

قومی رہنماؤں کی زندگی قوموں کے لئے سنگ میل اور مشعل راہ ہوا کرتی ہے اور کوئی قوم اپنے رہنما کی ہدایتوں کو بھلا کر اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ اپنے رہنما کی عزت کرتی ہے لیکن کیا ہم دیانت داری کے ساتھ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہم گاندھی جی کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں؟ اور اگر یہ بات نہیں تو کیا ہمیں اس بات کو نہیں مان لینا چاہئے کہ ہم نے گاندھی جی کے ساتھ انسانیت کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے!

بہرحال اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا کی ابتدا ہی سے حق اور ناحق کے درمیان زور آزمائی اور کشمکش جاری رہی ہے اور اگرچہ اس زور آزمائی کا نتیجہ ہمیشہ حق اور صداقت کی کامیابی ہی کی شکل میں برآمد ہوا ہے لیکن کبھی کبھی ناحق کو بھی عارضی طور پر فتح اور ظفر حاصل ہوتی رہی ہے اور گاندھی جی کی موت کو بھی شیطانی طاقتوں کی ایک عارضی کامیابی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ قوموں کی زندگی میں صدیوں کو برسوں کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے ہمیں حق کی اس عارضی شکست سے مایوس اور دل شکستہ نہیں ہونا چاہئے اور گاندھی جی کے اصول اور مقاصد کو کامیاب بنانے کی لگاتار کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

گاندھی جی اپنے عہد کے ایک عظیم انسان تھے اور اگر یہ بات درست ہے کہ موت کے دروازے پر پہنچ کر انسان اپنی حقیقی شکل اختیار کرلیتا ہے تو ہمیں گاندھی جی کی عظمت اور برتری پر ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں ہوسکتا۔ اور اگرچہ ان کی ساری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کتاب کے ایک ایک صفحہ یا سطر ہی نہیں بلکہ ایک ایک لفظ میں ان کی برتری اور عظمت کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن موت کے دروازے

پر پہنچ کر گاندھی جی نے اپنی انسانیت کا جو نقش قائم کیا ہے وہ انکی عظمت پر آخری مہرِ توثیق کی حیثیت رکھتا ہے۔

گاندھی جی جس زہریلی اور مخالف فضا میں حق کی آواز بلند کرتے رہے تھے انہیں معلوم تھا کہ وہ فضا ان کے خیالات کے لئے سازگار نہیں تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اظہارِ حق کا فریضہ موافق اور سازگار ماحول کا محتاج نہیں ہوتا اور حق کا اعلان و اظہار غیر موافق ماحول ہی میں ہونا چاہیئے' چنانچہ وہ سختی کے ساتھ اپنے اس عقیدہ پر قائم رہنے اور غیر موافق حالات میں جس قدر اضافہ ہوتا گیا، اظہارِ حق کے لئے ان کا عزم اور استقلال بھی اسی قدر بڑھتا گیا اور یہ ان کی عظمت کا بیّن ثبوت ہے۔

سطورِ بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسے زندگی کا ایک مفروضہ ہی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ واقعات نے اس کے ثبوت کو بھی بہم پہنچا دیئے تھے اور گاندھی جی اس بات کو جانتے تھے کہ انہوں نے اظہارِ حق کے جس فریضہ کی ادائیگی کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے وہ ان کی ہلاکت کا موجب بھی ہو سکتا ہے' چنانچہ ان کی موت سے دو ہفتہ پہلے جب گاندھی جی کے ایک دعائیہ جلسے میں بم پھینکا گی تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آگئی تھی کہ اب شیطانی طاقتیں حق کی آواز کو زیادہ دنوں تک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور وہ اسے ہر قیمت پر خاموش کر دینے کا فیصلہ کر چکی ہیں اور اس مرحلے پر گاندھی جی اپنے تحفظ کی ہر ممکن تدبیر اختیار کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور یہ امر بھی انکی عظمت اور برتری کی ایک شان ہے۔

حالات کی اس منزل میں پہنچ جانے کے بعد بھی بعض ایسی صورتیں پیدا کی جا سکتی تھی جن سے شہرت اور وقار کا باقی رہنا بھی ممکن تھا اور زندگی کو موت کی آغوش میں چلے جانے سے بھی بچایا جا سکتا تھا لیکن گاندھی جی ایسے عظیم انسان سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اس کے برعکس وہ جانتے تھے کہ آج بدی کی قوتیں سربلند ہو چکی ہیں اور انہیں سرنگوں کرنے کیلئے زندگی کو قربان کرنا پڑے گا۔

گاندھی جی ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو ہم سے جدا ہوئے تھے لیکن اس بات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے ۲۹ر جنوری کی رات کو اپنی پوتیوں کے سامنے گجراتی زبان کا ایک شعر
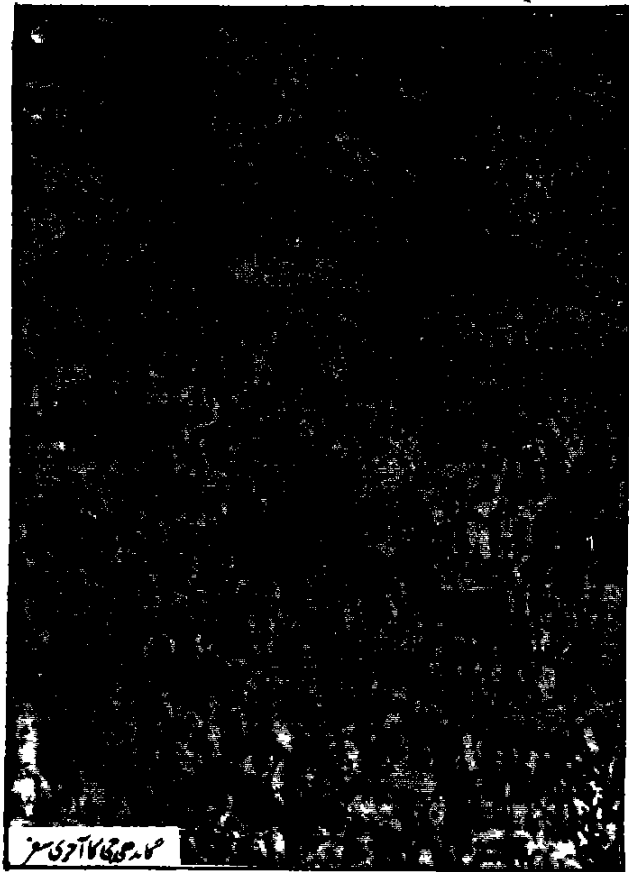
گاندھی جی کا آخری سفر

پڑھا تھا کہ ... یہ دنیا ایک عجیب چکر کی حیثیت رکھتی ہے لیکن آخر میں خود یہ کھیل کب تک کھیلتا رہوں گا...... پھر ۳۰ر جنوری کی صبح انہوں نے اپنے نام آئے ہوئے تمام خطوط منگا کر ان سب کے جوابات تحریر کرا دئے تھے اور اس طرح اس سلسلے میں بھی اپنی تمام تر ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کر لی تھی۔

پھر اس سلسلے کا سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ اسی روز گاندھی جی نے اردو کا یہ مشہور شعر بھی پڑھا تھا کہ ؎

ہے بہارِ باغِ دنیا چند روز
دیکھ لے اس کا تماشا چند روز

لیکن کون جانتا تھا کہ "چند روز" سے گاندھی جی کا مطلب ایک اور صرف "ایک دن" تھا۔ بہر حال گاندھی جی اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ وہ موت کے دروازے پر کھڑے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے اپنا راستہ نہیں بدلا اور یہی وہ بلند مقام ہے جہاں ان کی عظمت پوری درخشانیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے ؛؛؛

(ماخوذ از تعارف "اور انسانیت مرگئی" مرتبہ مصنف)

مہاتما گاندھی اپنے خیالات کے آئینے میں

"گاندھی جی اپنے خیالات کے آئینے میں" کے عنوان سے گاندھی جی کے مختلف خیالات کو یکجا کر کے مضمون کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان خیالات سے گاندھی جی کے نظریات کی وضاحت ہو جاتی ہے جو انہوں نے مختلف موقعوں پر تحریری طور پر پیش کئے تھے۔ اس مضمون کا بیشتر حصہ "خیالات گاندھی" مرتبہ پروفیسر نرمل چندرا لاہور سے ماخوذ ہے۔

(ادارہ)

آزادی:

یہ میرا پختہ یقین ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی آزادی نہیں کھو سکتا۔ جب تک کہ اس کے اپنے اندر کمزوری موجود نہ ہو

آہستہ آہستہ حصول آزادی کا لفظ بے معنی ہے۔ آزادی پیدائش کی مانند ہے جب تک ہم پوری آزادی حاصل نہ کریں تب تک ہم غلام ہی رہتے ہیں۔ ہر ایک قسم کی پیدائش ایک لمحے میں وقوع پذیر ہوا کرتی ہے۔

اگر ہم آزاد مرد اور عورت کے طور پر نہیں جی سکتے ہمیں مرنے کے لئے رضامند رہنا چاہئے۔ انسان کو اپنی آزادی کے لئے اپنا ہی شکر گزار ہونا چاہئے وہ جس دم اپنی آزادی کے لئے ٹھان لیتا ہے اسی دم آزاد ہو جاتا ہے۔

نہایت جابرانہ حکومت بھی ٹھہر سکتی ہے جب تک محکوم لوگ اس کیلئے رضامند نہ ہوں اس رضامندی کو جابر حکمران لوگ اکثر اوقات جبر سے حاصل کیا کرتے ہیں جونہی رعایا جابرانہ حکومت کا ڈر چھوڑ دیتی ہے اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے

خوددار انسان کے لئے سونے کی بیڑیاں لوہے کی بیڑیوں سے کم تر ناگوار عذاب نہیں ہیں اور یہ عذاب دھات کے بجائے بیڑیوں میں پایا جاتا ہے

جس طرح ہر ایک ملک کھانے پینے اور سانس لینے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی طرح ہر ایک قوم اپنے معاملات کے انتظام کے قابل ہوتی ہے۔ خواہ وہ کیسے ہی خراب طریق سے کرے۔

کوئی ظالم آج تک اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکا جب تک کہ وہ مظلوم کو اپنے ساتھ نہ لے۔ اگرچہ اکثر اوقات اسے جبراً اپنے

ساتھ لیا جاتا ہے۔ اکثر لوگ مزاحمت کے نتائج سے خوفزدہ ہو کر ظالم کے ارادے کی اطاعت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی لئے تخریب پسندی ظالم کے تجارتی سرمایہ کا ایک جزو بن گئی ہے، مگر ہم تاریخ میں ایسی مثالیں دیکھ پاتے ہیں جہاں تخویف پسندی ظالم کے حکم کو مظلوم پر نافذ کرنے میں کامیاب رہی ہے

جمہوریت کا صحیح تصور

جمہوریت کے متعلق میرا تصور جمہوریت کے اس تصور کے ساتھ کوئی بھی مطابقت نہیں رکھتا جس میں جسمانی طاقت کے ذریعہ لوگوں کو اطاعت کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

عوام کو سکھلانے کی مانند کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ عام لوگ کوئی ذہن اور پہلے سے سوچ وچار نہیں رکھتے ہیں۔ وہ دیوانہ وار جوش کے ماتحت کام کرتے ہیں اور جلد ہی پچھتانے لگ جاتے ہیں۔ میں جمہوریت کی روح کو نشوونما دینے کے لئے ہی عدم تعاون کا استعمال کر رہا ہوں۔

جمہوریت کا اصلی جوہر یہ ہے کہ ہر ایک شخص ہی ان مقاصد کا نمائندہ ہے جس سے قوم بنا کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خاص خاص مفاد کی خاص نمائندگی کو خارج نہیں کرتی اور نہ اسے ایسا کرنا چاہئے۔ مگر یہ نمائندگی کا اچھا نصب العین ہونے کی بجائے اس کے نقص کی علامت ہے۔

جب لوگ سیاسی طاقت حاصل کر لیتے ہیں تب لوگوں کی آزادی میں خلل کا کمترین امکان رہ جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ قوم جو حکومت کی دخل اندازی کے بغیر اپنے امور کو شائستہ اور موثر طریق سے سرانجام دیتی ہے، سچے معنوں میں جمہوری ہوتی ہے۔ جہاں یہ شرط موجود نہ ہو وہاں جمہوریت برائے نام ہوتی ہے۔

جمہوریت اس بات سے کوئی اختلاف نہیں رکھتی کہ چند اشخاص ان لوگوں کی روح، امید اور تمناؤں کی نمائندگی کرتے ہوں۔ جن کی نمائندگی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ میری رائے میں جبری وسائل سے جمہوریت کا ارتقا نہیں ہو سکتا۔ جمہوریت کی روح کو باہر سے تھوپا نہیں جا سکتا۔ یہ اندر ہی سے نمودار ہوا کرتی ہے۔

عوام یا حکومت کی طرف سے تخریب پسندی کے درمیان جمہوریت کا قیام ممکن نہیں ہے۔ بعض پہلوؤں میں تو عوام کی تخریب پسندی حکومت کی تخریب پسندی سے بھی بڑھ کر جمہوریت کی راہ میں مانع ہوتی ہے کیوں کہ موخر الذکر جمہوریت کی روح کو جگاتی ہے جبکہ مسبوق الذکر اس روح کو مار دینے کا اثر رکھتی ہے۔

ضروری ہے کہ ہم ان عوام کو تربیت دیں جو سنہرا دل رکھتے ہوئے ملک کے لئے محسوس کرتے ہیں اور جو تعلیم اور رہنمائی کے خواستگار ہیں۔ اگر صرف چند فہیم اور مخلص کارکن افراد موجود ہوں تو ساری قوم ہی منظم اور فہمانہ طور پر کام کر سکتی ہے۔ اور انبوہ گردی میں سے جمہوریت ظہور پذیر ہو سکتی ہے ہے۔ جمہوریت اور تشدد ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ جو حکومتیں آج کل برائے نام جمہوری ہیں اگر وہ سچے معنوں میں جمہوری ہونا چاہتی ہوں تب انہیں دلیرانہ طور پر غیر متشدد ہونا ہوگا۔ یہ کہنا سراسر بے حرمتی ہے کہ صرف افراد ہی عدم تشدد پر کاربند ہو سکتے ہیں اور اقوام جو افراد کی مجموعہ ہو سکتی ہیں اسے عمل میں نہیں لا سکتیں۔

میں جمہوریت پسند ہونے کا مدعی ہوں بشرطیکہ نوع انسان کے مفلس ترین طبقے کے ساتھ عینیت اور ان سے بہتر طریق پر زندہ رہنے کی زبردست تمنا اور اس تمنا کے مطابق اس لیول پر پہنچنے کے لئے حتی الامکان شعوری کوشش کسی شخص کو جمہوریت پسند کہلانے کا مستحق بناتے ہوں۔

سچا جمہوریت پسند وہ ہے جو بالکل غیر متشددانہ وسائل سے اپنی آزادی اور اسی لئے اپنے ملک کی اور بالآخر کل نوع انسانی کی حفاظت کے لئے تیار ہو۔

اتحاد عمل انسانی ہستی کا قانون ہے

ایک دوسرے کو مارنے والے مقابلے کے بجائے زندگی دینے والا اشتراک عمل انسانی ہستی کا قانون ہے۔ اس جذبے کو نظر انداز کرنے کے معنی اس امر سے انکار ہوں گے کہ انسان احساسات رکھتا ہے۔ اگر ہم خدا کی صورت پر وضع کئے گئے ہیں۔ تب ہمیں صرف بعض کی بھلائی ہی نہیں اور بہتیروں کی بھلائی بھی نہیں بلکہ کل کی بھلائی کے لئے جینا ہوگا۔

میرا مرکزی مقصد کل نوع انسان کے لئے مساوی سلوک ہے اور مساوی سلوک سے مراد خدمت کی مساوات ہے۔

کیوں کہ اگرچہ افراد انسانی یکساں طور پر عمر، قد، جلد اور عقل نہیں رکھتے یہ اختلافات عارضی اور سطحی ہیں۔ وہ روح جو اس خاکی چھلکے کی تہہ میں مخفی ہے کل ملکوں کے مردوں اور عورتوں میں وہی کی وہی ہے۔

اس سارے اختلاف میں جو ہم اپنے اردگرد دیکھ پاتے ہیں ایک حقیقی اور ذاتی وحدت پائی جاتی ہے۔ عدم مساوات کا لفظ بدبودار ہے اور یہ مشرق و مغرب میں غرور اور بے رحمیوں پر منتج ہوا ہے اور جو بات افراد انسانی پر صادق آتی ہے امم کی قوموں پر بھی صادق آتی ہے کیوں کہ وہ افراد کے مجموعوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ عدم مساوات کا جھوٹا اور بے لوچ عقیدہ ہی ایشیا اور افریقہ کی اقوام کی متکبرانہ لوٹ کھسوٹ کا باعث ہو رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مغرب میں مشرق کو اپنا شکار بنانے کی جو طاقت پائی جاتی ہے وہ مغربی برتری اور مشرقی کمتری کی علامت ہے؟

صورتیں کثیر التعداد ہیں مگر انہیں زندگی دینے والی روح ایک ہے اور جہاں اس ظاہری اختلاف کی تہہ میں ہمہ گیر بنیادی وحدت پائی جاتی، وہاں اعلیٰ اور ادنیٰ کے امتیازات کے لئے گنجائش ہی کہاں ہے کیوں کہ یہ امر واقعہ ہے جس کا ہم روزانہ زندگی میں ہر قدم پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ کل مذاہب کا آخری نشانہ اسی ذاتی وحدت کو زندگی میں صورت پذیر کرنا ہے۔

فرقہ پرستی اور فرقہ وارانہ اتحاد

میں قدیم تہذیب کے مخفی خزانوں کی چھان بین میں مصروف ہوں اور یہ ایک بے بہا نعمت میرے ہاتھ لگی ہے کہ قدیم ہند تہذیب میں جو کچھ بھی پائیداری رکھتا ہے وہ مسیح، بدھ، محمد اور زردشت کی تعلیمات میں بھی موجود ہے۔ میں مسلمانوں کے ساتھ بھی ہندوؤں کی مانند پیار کرتا ہوں۔ میرا دل مسلمان اور ہندو دونوں کے لئے ہی یکساں طور پر محسوس کرتا ہے۔ اگر تم اسے چیر کر دیکھ سکتے تو جان لیتے کہ اس کے اندر ایسے مختلف رخنے نہیں پائے جاتے جن میں سے ایک تو مسلمان کے لئے ہو اور دوسرا ہندو کے لئے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

میں جانتا ہوں کہ اگر میرے عین حیات میں نہیں تو میرے مرنے کے بعد ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس امر کے شاہد ہوں گے کہ میں فرقہ وارانہ امن کے لئے

سدا ہی تڑپتا تھا۔

ہندو مسلمان کے اتحاد کی لگن مجھے اوائل شباب سے ہے۔ میں بعض شریف مسلمانوں کو اپنا دوست خیال کرتا ہوں۔ اسلام کی ایک پارسا دختر مجھے اپنی لڑکی سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ وہ اتحاد کے لئے مبتلی ہے اور اس کی خاطر جان دینے کے لئے تیار ہے۔ بمبئی کی جامع مسجد کے سابق موذن کا لڑکا آشرم کا ایک رکن تھا۔

باہمی رواداری

عملی رویے کا سبق یہ ہے کہ لوں باہمی رواداری ہے لیکن کہ ہم کبھی یکساں طور پر سوچنے والے ہوں گے اور ہمیشہ سچائی کو جزوی طور پر اور مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھا کریں گے۔ ضمیر ہر ایک کے لئے ایک شے نہیں ہے حسن کہ یہ انفرادی رویے کے لئے اچھا رہنما ہے۔ لیکن اسے لوگوں پر لاگو کرنا ہر شخص کے ضمیر کی آزادی میں ناقابل برداشت دخل اندازی ہوگا۔ نہایت ضمیر پرست اور پارسا لوگوں کے درمیان بھی دیانتدارانہ اختلافات رائے موجود رہیں گے اس لئے اس میں سب سوسائٹی کے لئے باہمی رواداری ہی عملی رویے کا اصول واحد ہونا چاہیئے

میں آپ سے یہی اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے دلوں کو صاف کریں اور میاں بیوی اپنے دلوں کو سمندر کی طرح وسیع بنالو۔ دوسروں کے متعلق رائے زنی مت کرو تاکہ تم پر بھی کوئی رائے زنی نہ کرے۔ وہ عادل مطلق موجود ہے جو اگر چاہے تو تمہاری جان لے سکتا ہے مگر وہ تمہیں زندہ رہنے کی اجازت دیتا ہے تمہارے ارد گرد لاتعداد شمس موجود ہیں مگر وہ تمہاری حفاظت ناہر تمہیں پر شفقت نگاہ سے دیکھتا ہے۔

شعور ایک روحانی ادا اس لئے ایک مثبت خوبی ہے۔ یہ معنی نہیں ہے حکماں مدہ کہتا ہے کہ کڑوی دوا کو کڑوی سے حیث لو۔ مثلاً اگر دوا کیا ہے؟ یہ ایک مثبت خوبی ہے۔ ... ملامتی اور رحمت کے ہیں۔ ضروری ہے تو اس تبدیلی کی طرف بیدار ہو کر اسے ظاہر ہونے کا موقع دیتے ہوئے غصہ کرنے والے شخص کے پاس جاکر اس کے غصے کا سبب دریافت کرو اور اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو اس کی تلافی کے لئے اس سے کہو اور اس کی غلطی سے آگاہ کرتے ہوئے اسے یقین دلاؤ کہ مستقبل ہو ما غلطی کی بات نہ روحانی صحت کا یہ شعور اور اس پر ارادی عمل درآمد نہ صرف انسان بلکہ اس کے ارد گرد کے گروہ کی روحانی کو بھی بلند کرتا ہے۔ مثلاً شعور ذہنی شخص اس بات

پر عمل کرے گا جس کے اندر محبت موجود ہے۔ لگاتار کوشش کے ذریعہ یقینی طور پر اس محبت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔

جو بات افراد پر صادق آتی ہے وہی اقوام پر عائد ہوتی ہے۔ انسان کبھی حد سے زیادہ معاف نہیں کر سکتا (معافی کی کوئی حد نہیں ہونی چاہیئے) کمزور انسان کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ معاف کر دینا طاقتور لوگوں کی صفت ہے۔

عدم تشدّد (اہنسا)

عدم تشدد ایک مکمل حالت ہے۔ یہ وہ منزلِ مقصود ہے جس کی طرف کل نوعِ انسان بے خبری میں حرکت پذیر ہو رہی ہے۔ انسان صرف اسی حالت میں ہی دیوتا کی مانند ہوتا ہے جبکہ وہ مجسم معصومیت ہو جائے اور تب ہی وہ سچے معنوں میں انسان کہلا سکتا ہے۔ موجودہ حالت میں ہم جزوی طور پر انسان اور جزوی طور پر حیوان ہیں اور ہم اپنی ـــــ جہالت بلکہ غرور میں کہا کرتے ہیں کہ جب ہم تھپڑ کے بدلے تھپڑ لگانے کی غرض سے غصے کو کافی نشوونما دینے کے قابل ہوتے ہیں تب ہی ہماری نوع کا اصل مقصد پورا ہوتا ہے۔ ہم یہ یقین ظاہر کرتے ہیں کہ بدلہ لینا ہمارا قانونِ ہستی ہے حالانکہ ہم ہر ایک کتابِ مقدس میں دیکھتے ہیں کہ گرچہ انتقام کی اجازت دی گئی ہے مگر اسے لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ جو بات لازمی ہے وہ خود ضبطی ہے۔ انتقام ایک لطف اندوزانہ عمل ہے جو پُر زحمت انضباط چاہتا ہے۔ ہمارا قانونِ ہستی خود ضبطی ہے۔ اعلیٰ ترین خود ضبطی کے بغیر اعلیٰ ترین کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس دکھ سہنا انسانی قبیلے کی علامت ہے

دنیا پُر از تشدد ہے۔ فطرت کے دانت اور پنجے خون سے رنگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ انسان حیوان پر فضیلت رکھتا ہے تو کیا انسان اس فطرت سے اعلیٰ تر نہیں ہے؟ اگر انسان کوئی ایزدی مقصد رکھتا ہے اور اگر وہ مقصد جو اس کی شان کے شایاں ہیں تو وہ اہنسا (عدم تشدد) ہے۔ وہ جیسا کہ ہنسا سے بھرپور دنیا کے درمیان کھڑا ہے اپنے دل کی اندرونی ترین گہرائیوں میں خلوت گزیں ہو کر دنیا کے روبرو اعلان کر سکتا ہے کہ اس پُر تشدد دنیا میں اس کا کام اہنسا (عدم تشدد) ہے اور وہ جس قدر اہنسا کو عمل میں لاتا ہے اسی قدر ہی وہ اپنی نوع کے لئے موجبِ زینت ہوتا ہے۔ پس انسانی فطرت ہنسا نہیں اہنسا ہے کیوں کہ وہ اپنے اندرونی ترین عقیدے کے ساتھ اپنے اس تجربے کا اعلان کر سکتا ہے کہ وہ جسم نہیں ہے بلکہ آتما ہے اور وہ کشفِ ذات اور خود اظہاری کی خاطر ہی جسم کو استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اوراسی تجربے سے ہی وہ خواہش، غصّے، جہالت، بدلی اور دیگر جذبات کو مغلوب کرکے اخلاق کو نشوونما دیتا ہوا اپنے انتہائی مقصد کے حصول کے لئے کوشش میں بالآخر پوری کامیابی حاصل کرتا ہے۔ صرف اسی حالت میں جبکہ اس کی مساعی اس کمال کے مطابق عمل کیا ہے اس لئے جذبات پر غالب آنا کوئی فوق البشری چیز نہیں بلکہ ایک انسانی صفت ہے۔ اہنسا پر کاربند ہونا وہ اعلیٰ ترین شجاعت ہے جس کے اندر بزدلی یا کمزوری کے دخل کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے

میں عدم تشدد اور اس کے امکانات کو علمی صحت کے ساتھ پچاس سال سے بھی زیادہ عرصے سے عمل میں لا رہا ہوں۔ میں نے اس کی زندگی کے ہر شعبہ خانگی، اداراتی، اقتصادی اور سیاسی میں استعمال کرکے دیکھا ہے اور میں نے کسی ایک مثال میں بھی اسے ناکامیاب نہیں پایا۔ اور جب کبھی مجھے یہ اصول ناکامیاب رہتا ہوا معلوم ہوا ہے میں نے اس ناکامیابی کو اپنے نقائص کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ میں اپنے لئے کمال کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا۔ مگر میں سچائی کا، جو خدا کا دوسرا نام ہے سرگرم اور سے کا طالب ہوں۔ اسی طلب اور کھوج کے دوران میں عدم تشدد کی دریافت میرے ہاتھ لگ گئی۔ اب اس کی اشاعت ہی میری زندگی کا مقصد ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے سوا زندگی میں اور کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔

عدم تشدد ایک ایسا اوزار ہے جو بے نظیر طاقت رکھتا ہے۔ یہ زندگی کی بڑی سے بڑی نعمت ہے۔ یہ بہادروں کی صفت ہے۔ درحقیقت یہی ان کا سب کچھ ہے۔ یہ بزدلوں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی بے لوچ یا مردہ مسئلہ ہونے کے بجائے ایک زندہ اور زندگی بخش طاقت ہے۔ یہ روح کی صفتِ خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہنسا کو پرم دھرم و برترین قانون کہا گیا ہے۔ اس لئے اسے معلّم اہنسا کے ہاتھوں میں اس پاکیزہ ترین محبت کی صورت اختیار کرنا چاہیئے جو سدا تازہ اور ہر عمل میں نمودار ہونے والی زندگی کا سدا اچھلتا ہوا سرچشمہ ہے۔ بدلی اس کے روبرو ٹک نہیں سکتی۔ اہنسا کا سورج نفرت، غضب اور بدلی کی مانند تاریکی کے تمام انبوہوں کو اپنے آگے بہا لے جاتا ہے۔

میں خیال پرست ہونے کے بجائے عملی عینیت پسند ہونے کا مدعی ہوں۔ عدم تشدد کا مذہب صرف رشیوں اور سنتوں کے لئے نہیں ہے۔ یہ عوام الناس کے لئے بھی ہے جس طرح حیوانی زندگی کا قانون تشدد ہے اسی طرح بنی نوعِ انسان کا قانونِ زندگی عدم تشدد ہے۔ حیوان جسمانی طاقت کے سوا اور کسی قانون کو

نہیں جانتا۔ انسانی شان روح کی تقویت سے لئے ایک برتر قانون کا تقاضا کرتی ہے اسی لئے میں نے اہلِ ہند کے روبرو خود ایثاری کا قدیم قانون پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔

بہتیروں نے سر ہلاتے ہوئے مجھے کہا ہے "لیکن آپ عوام الناس کو اس قانون کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ یہ صرف افراد کے لئے ہی ممکن العمل ہے اور وہ بھی شاذ و نادر صورتوں میں"۔ میری رائے میں یہ ایک کثیف خود فریبی ہے۔ اگر نوعِ انسان عادتاً غیر متشدد نہ ہوتی تو زمانوں پہلے یہ خود بخود ہی ختم ہو گئی ہوتی لیکن تشدد اور عدم تشدد کے باہمی مقابلے میں انجام کار عدم تشدد کی جیت ہوتی چلی آئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم اس قدر صبر نہیں رکھتے کہ پورے دل سے لوگوں میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے وسیع طور پر عدم تشدد کی اشاعت کرتے ہوئے نتائج کے منتظر رہ سکیں۔

میں چاہتا ہوں کہ ہندستان اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ وہ ایک غیر فانی روح رکھتا ہے اور وہ ہر ایک جسمانی کمزوری پر فاتح ہو کر ساری دنیا کے جسمانی اجتماع کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اگر ہندستان تلوار کے عقیدے کو قبول کرلے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عارضی فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس حالت میں ہندستان میرے دل کے لئے قابلِ فخر نہ ہوگا۔ میں ہندستان کے ساتھ اس لئے معتقد ہوں کہ میں نے سب کچھ ہندستان سے پایا ہے۔ مجھے اس امر کا پورا یقین ہے کہ ہندستان دنیا کے لئے ایک مشن رکھتا ہے۔ وہ یورپ کی اندھا دھند نقل کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اگر تلوار کے عقیدے کو ہندستان قبول کرلے تو وہ میرے لئے آزمائش کی گھڑی ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ میں امتحان میں پورا اتروں گا۔ میرا مذہب کوئی جغرافیائی حدود نہیں رکھتا۔ اگر میں اس میں زندہ عقیدت رکھتا ہوں تو یہ عقیدت ہندستان کے لئے میری محبت سے بھی پرے گزر جائے گی۔ میری زندگی عدم تشدد کے مذہب کے ذریعہ ہندستان کی خدمت کے لئے وقف ہو چکی ہے

میری پبلک زندگی میں ایک سے زیادہ ایسے مواقع پیش آچکے ہیں کہ جب میں بدلے لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود ایسا کرنے سے باز رہا ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی ایسا کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ میری زندگی عدم تشدد کی اشاعت کے لئے وقف ہو چکی ہے۔ میں زردشت، مہابیر، ڈینی ایل، مسیح، محمدؐ، نانک اور دیگر کثیر التعداد عظیم ترین معلّمین کی تعلیمات میں عدم تشدد کی تعلیم پاتا ہوں۔

عدم تشدد میرے مذہب کا پہلا اور آخری اصول ہے۔ میں ایک بہادر

اور صاحبِ ایثار انقلاب پسند کے روبرو سیدھا کھڑا ہونے سے نہیں
شرماتا کیوں کہ میں اس کے مقابلے میں مساوی مقدار میں غیر متشدد
انسان کو وہ سادگی اور خود ایثاری پیش کرنے کے قابل ہوں جو معصوم
خون کی آلودگی نہیں رکھتی ہے۔ ایک معصوم انسان کی قربانی ان لاکھوں
انسانوں کی قربانی سے زیادہ اثر رکھتی ہے جو دوسروں کو مارنے کی کوشش میں
خود مر جاتے ہیں۔ معصوم انسان کی رضاکارانہ قربانی مغرور ظلم کا وہ نہایت
ہی زبردست جواب ہے جو آج تک خدا یا انسان کے تصور میں آسکا ہے۔

میرا مقصد ہندوستان کی مثال دے کر دنیا کے ذریعہ کوئی خود مصلحتی کے ماتحت
لوگوں کو رشتہ کرہ کے اس سبق اور اس کا استعمال سکھانا ہے۔ جو عدم تشدد
اور سچائی کا لازمی نتیجہ ہے۔ میں یہ ثابت کرنے کے لئے نہ صرف
علمی طور پر حقیقت سے مسرور ہو رہا ہوں کہ زندگی کی کثیر التعداد برائیوں
کے لئے عدم تشدد کے سوا اور کوئی علاج ممکن نہیں ہے جب میں ترکِ خیالات
سے پیچھے کی جانب ہٹ جاتا ہوں اور جب میرے خیالات کی دنیا میں خواہ
عارضی طور پر ہی کوئی کمی کرتے اور وہ فرشتے نہیں رہے گی۔ تب ہی اس
سے پہلے نہیں عدم تشدد دنیا کے دلوں پر اثر انداز ہو سکے گا۔ میں نے اپنے
پاکیزگی کے روبرو کوئی ناممکن عمل معیار یا صبر آزما باتیں پیش نہیں کی۔ یہ
انسان کا پیدائشی حق یا اختیار ہے اور اسے ورثہ کے طور پر اسی لئے گویا
ہے کہ اسے اپنے طور پر حاصل کریں۔ اگر اس میں وقت لگتا ہے تو یہ وقت
مکمل دائرۂ حیات کا ایک لحظہ بھی نہیں ہے۔ گیتا کا ہر دین معلم اس بات
کو خوب جانتا تھا جب اس نے کہا تھا کہ ہمارے لاکھوں دن برہما کے
صرف ایک دن کے برابر ہیں۔

میری تبلیغ و تعلیم صرف جذباتی یا غیر عملی نہیں ہے کیوں میں وہی بات
سکھلاتا ہوں جو قدیم ہے۔ اور جو کچھ دوسروں کو سکھلاتا ہوں اس پر
خود عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ جس بات پر میں عمل
کر رہا ہوں اسے سبھی عمل میں لا سکتے ہیں، کیوں کہ میں ایک بالکل معمولی
انسان ہوں۔ اور جن تمام ترغیبات اور کمزوریوں سے مغلوب ہو سکتا
ہوں جن سے ہمارے دوسرے ہم جنس بھی مغلوب ہو سکتے ہیں۔

میں اپنی ساری عمر قمار باز رہا ہوں۔ میں نے سچائی کے لئے اشتیاق اور
عدم تشدد میں اپنی عقیدت کی بے دردانہ پیروی میں بڑے سے بڑے کسی داؤ کو
بھی مجھ سے بڑا خیال نہیں کیا۔ اگر ایسا کرنے میں میں نے کبھی غلطی بھی کی ہو
تو میں ہر زمانہ و ملک کے نہایت عظیم سائنس دانوں کا ساتھی ہوں۔

یہ میرا اٹل یقین ہے کہ ہندوستان کی شدنی نوع انسان کو عدم تشدد کا
پیغام دینا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بات کی سمجھنے میں زمانے گزر جائیں۔
مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے کوئی اور ملک اس کام کے کرنے میں ہندوستان
سے پیش رو نہ ہو سکے گا۔

"گاندھی ازم کا مذہب" کوئی وجود نہیں رکھتا اور میں اپنے پیچھے کوئی مذہبی
فرقہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے دنیا میں کوئی نیا
اصول یا عقیدہ دریافت کیا ہے۔ میں نے صرف اپنے طریق پر روزانہ زندگی
اور اس کے حالات پر ابدی اصول کو لاگو کرنے کا جتن کیا ہے۔ میرے
پاس دنیا کو سکھانے کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سچائی اور عدم تشدد
پہاڑوں کی مانند قدیم ہیں۔ میں نے حتی الامکان وسیع پیمانے پر ان دونوں میں
تجربات کرنے کی کوشش ہی کی ہے۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے بعض اوقات
غلطی کی ہے اور اپنی غلطیوں سے سبق سیکھا ہے۔ اس طرح پر زندگی اور اس
کے سوالات میرے لئے سچائی اور عدم تشدد پر عمل درآمد کے تجربات ہو گئے
ہیں۔ جبلّی طور پر میں سچا تو ہوں مگر غیر متشدد نہیں ہوں۔ جیسا کہ ایک جینی
منی نے ایک بار کہا تھا کہ میں اہنسا کا پیروکار اس قدر نہیں ہوں جس قدر کہ
سچائی کا ہوں۔ میں سچائی کو پہلا اور اہنسا کو دوسرا درجہ دیتا ہوں کیوں کہ
جیسا کہ اس نے بیان کیا تھا۔ میں سچائی کی خاطر اہنسا کو قربان کر سکتا ہوں
اور درحقیقت سچائی کی تلاش کے دوران ہی مجھ پر عدم تشدد کی حقیقت
منکشف ہوئی ہے۔

میرا تجربہ روز بروز مضبوط تر اور عمیق تر ہوتا چلا جا رہا ہے مجھے
بتلاتا ہے کہ سچائی اور عدم تشدد پر اس انتہائی حد تک کاربند ہوئے بغیر جہاں
تک کہ انسان کے لئے جانا ممکن ہے افراد اور اقوام کے لئے کوئی امن نہیں ہے۔
انتقام کی حکمت عملی کبھی کامیاب نہیں ہو سکی۔

عدم تشدد کے لئے میری محبت دنیا اور عالم علوی کی ہر ایک شے پر فوقیت
رکھتی ہے۔ صرف سچائی کے لئے میری محبت ہی اس کی برابری کر سکتی ہے میری
نظر میں یہ محبت ان عدم تشدد کا مترادف ہے جس کے وسیلہ سے ہی میں
سچائی کو دیکھ اور پا سکتا ہوں۔ میری زندگی کا خاکہ جس طرح ہندوستان میں
مختلف مذاہب کے درمیان امتیاز نہیں رکھتا۔ میرے لئے ہر ایک انسان انسان
ہے۔

میں ارادتاً کسی انسان کو ایذا نہیں پہنچا سکتا۔ ابنائے جنس کا تو ذکر ہی کیا۔ اگرچہ وہ جاندار مجھے اور میرے متعلقین کو زیادہ سے زیادہ گزند پہنچانے والا ہو۔

میری تمنا محدود ہے۔ خدا نے مجھے عدم تشدد کی راہ میں دنیا کی رہنمائی کرنے کی طاقت نہیں دی لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اس نے ہندستان کی بہت سی برائیوں کو دور کرنے کے لئے مجھے بطور آلہ اس لئے چنا ہے کہ میں ملک کے سامنے عدم تشدد کا اصول پیش کروں۔ اب تک جو ترقی ہو چکی ہے وہ عظیم ہے لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عدم تشدد ایک نہایت اعلیٰ درجے کی قوتِ عاملہ ہے۔ یہ روحانی طاقت یا ہمارے اندر کی خدائی طاقت ہے۔ نامکمل انسان اس جوہر کو کلی طور پر نہیں جان سکا۔ وہ اس کے پورے شعلے کو سہہ نہیں سکتا مگر اس کا صغیر ترین جزو بھی ہمارے اندر عمل پذیر ہو کر عجیب و غریب کارنامے دکھلا سکتا ہے۔ آسمانوں میں چمکنے والا سورج ساری دنیا کو اپنی حیات بخش حرارت سے معمور کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے نزدیک جا سکے تو اسے جلا کر راکھ کر دے گا۔ اسی طرح الوہیت کا حال ہے ہم جس قدر عدم تشدد پر کاربند ہوتے ہیں اسی قدر ہی خدا کی مانند ہو جاتے ہیں لیکن ہم کبھی پورے طور پر خدا نہیں ہو سکتے۔ عدم تشدد عمل پذیر ریڈیم کی مانند ہے۔ اس کا نہایت صغیر جزو مہلک پھوڑے میں مقیم ہو کر لگاتار چپکے چپکے کام کرتا ہوا اور بالآخر تمام بیمار ریشوں کو صحیح عضو میں بدل ڈالتا ہے۔ اسی طرح تھوڑا سا عدم تشدد بھی خاموش، لطیف اور غیر مرئی طریق پر کام کرتا ہوا ساری سوسائٹی میں سرایت کر جاتا ہے۔

میری رائے میں عدم تشدد کسی شکل یا صورت میں پرسکون نہیں ہوتا۔ عدم تشدد، جیسا کہ میں اسے سمجھتا ہوں دنیا میں نہایت ہی کارکن طاقت ہے۔ عدم تشدد برترین قانون ہے۔ میری آدھی صدی کے تجربے کے دوران میں مجھے اب تک کوئی ایسی مثال نہیں ملی جس میں خود کو بے کس کہہ سکتا تھا یا عدم تشدد کے اندر کوئی تدبیر نہ دیکھ پاتا تھا۔

عدم تشدد کی ایک قطعی کسوٹی یہ ہے کہ غیر متشددانہ مقابلہ اپنے بعد کوئی خلش نہیں چھوڑتا اور انجام کار دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں۔ افریقہ میں جنرل سمٹس کے تعلق میں مجھے یہی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ وہ شروع شروع میں میرا سخت ترین دشمن اور نکتہ چیں تھا لیکن اب وہ میرا سرگرم دوست ہے۔

میں ایک نہ دبنے والا خوش امید انسان ہوں۔ میری خوش امیدی اپنی بنیاد اسی عقیدت میں رکھتی ہے کہ فرد عدم تشدد کی نشوونما کے لئے غیر محدود امکانات رکھتا ہے۔ تم اسے جس قدر اپنے وجود میں نشوونما دیتے ہو، اسی قدر یہ متعدی ہوتا ہوا بالآخر تمہارے ماحول پر غالب آ جاتا ہے اور تھوڑے عرصے کے اندر ہی ساری دنیا میں پھیل سکتا ہے۔

میں نے عدم تشدد کا سبق اپنی بیوی سے سیکھا ہے۔ جب میں نے اسے اپنے ارادے کا مطیع بنانے کی کوشش کی، تب ایک پہلو پر میرے ارادے کے مقابلے میں اس کی عارفانہ مزاحمت اور دوسرے پہلو پر میری حماقت سے پیدا ہونے والے دکھ کے آگے اس کی چپ چاپ تفویض نے آخرکار مجھے اپنے کئے پر شرمسار کر کے میرے اپنے اس خیال کی حماقت سے شفایاب کر دیا کہ میں اس پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں اور مال آخر وہ میری عدم تشدد میں میری معلمہ ہو گئی۔

جبکہ میں عالمگیر تشدد کے لئے چیخ چیخ کرتا ہوں۔ میرا تجربہ ہندستان پر محدود ہے۔ اگر یہ کامیاب ہو جائے، دنیا اسے خود بخود اسے قبول کر لے گی مگر اس میں ایک بڑا "لیکن" موجود ہے۔ مگر توقف مجھے پریشان نہیں کرتا، میرا عقیدہ ناقابلِ نفوذ تاریکی میں نہایت ہی تاباں صورت اختیار کر لیتا ہے۔

مہاتما گاندھی ایک نظر میں

سنہ ۱۸۶۹ء ۔ ۲ اکتوبر کو گاندھی جی کاٹھیواڑ کے پور بندر میں پیدا ہوئے
سنہ ۱۸۸۱ء میں کستوربا سے شادی ہوئی۔
سنہ ۱۸۸۷ء کے نومبر میں میٹرک پاس کیا۔
سنہ ۱۸۸۸ء کے اکتوبر میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے لندن پہنچے
سنہ ۱۸۹۱ء کے جون میں بیرسٹر بنے اور ہندستان واپس آئے۔
سنہ ۱۸۹۳ء کے اپریل میں جنوبی افریقہ کے لئے روانہ ہوئے۔
سنہ ۱۸۹۶ء میں ہندستان آئے۔
سنہ ۱۸۹۹ء میں جنگ بوائر کے دوران انڈین ایمبولنس کور کی رہنمائی کی۔
سنہ ۱۹۰۱ء میں ہندستان واپس آئے اور پہلی بار نیشنل کانگریس میں شرکت کی۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں "انڈین اوپینین" کی ذمہ داری سنبھالی۔
سنہ ۱۹۰۴ء میں فینکس کی بستی بسائی۔
سنہ ۱۹۰۶ء میں زولو بغاوت کے دوران بھی انڈین ایمبولنس کور کی رہنمائی کی۔
سنہ ۱۹۰۶ء میں برہمچاری کی زندگی کا آغاز کیا۔ اور انگلستان گئے۔
سنہ ۱۹۰۸ء میں پہلی بار جنوبی افریقہ میں قید ہوئے۔
سنہ ۱۹۰۹ء میں انگلستان گئے۔
سنہ ۱۹۱۰ء میں ٹالسٹائے فارم کی بنیاد رکھی۔
سنہ ۱۹۱۳ء میں جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہیوں کی یاترا کی رہنمائی کی۔
سنہ ۱۹۱۴ء میں جنوبی افریقہ چھوڑا۔
سنہ ۱۹۱۵ء میں ہندستان پہنچے۔ اور سابرمتی آشرم کی بنیاد رکھی۔
سنہ ۱۹۱۸ء کے دوران کھیڑا میں ٹیکس نہ دینے کی پہلی تحریک شروع کی۔
سنہ ۱۹۱۹ء میں "ینگ انڈیا" اور "نوجیون" کے ایڈیٹر بنے۔
سنہ ۱۹۲۱ء میں عدم تعاون / ترکِ موالات کی تحریک چلائی۔
سنہ ۱۹۲۲ء میں پہلی بار ہندستان میں قید ہوئے۔
سنہ ۱۹۲۷ء میں کھادی کے سفر کیا۔
سنہ ۱۹۳۰ء میں ڈانڈی یاترا اور نمک ستیہ گرہ کی رہنمائی کی۔
سنہ ۱۹۳۳ء میں دوبارہ یورپ گئے اور لندن میں گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔
سنہ ۱۹۳۳ء میں ہفتہ وار اخبار "ہریجن" نکالنا شروع کیا۔
سنہ ۱۹۳۳ء میں واردھا آشرم کی بنیاد رکھی۔
سنہ ۱۹۳۶ء میں سیواگرام آشرم کی بنیاد رکھی۔
سنہ ۱۹۳۷ء میں نئی تعلیم کی سرپرستی کی۔
سنہ ۱۹۴۲ء میں "ہندستان چھوڑو" تحریک کا آغاز کیا۔
سنہ ۱۹۴۲ء سے سنہ ۱۹۴۴ء تک آغاخاں محل میں آخری بار قید ہوئے۔
سنہ ۱۹۴۶ء میں اردو "ہریجن سیوک" جاری کیا۔
سنہ ۱۹۴۸ء کی ۳۰ جنوری کو شہید کر دئے گئے۔

مرتبہ: ایس۔ اے۔ خان

مغربی بنگال

جلد نمبر ۲۲ ★ ۱۵ فروری ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۳

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفےٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے
نصف سالانہ : پانچ روپئے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :
بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۴۶ ، ۴۵ نس بارس اسٹریٹ،
کلکتہ : ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کا خریدار بننے کیلئے چندے کی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext 710

جدید ترین ٹکنالوجی تک رسائی کیلئے ہمیں ٹکنالوجی کے معیار کو بلند کرنا ہوگا: شری نرسمہا راؤ

سائنس اور ٹکنالوجی سے متعلق پالیسیوں کو قومی ترقیاتی منصوبوں میں شامل کرکے ایک مربوط پالیسی مرتب کرنا ضروری ہے — شری جیوتی باسو

وزیراعظم شری نرسمہا راؤ اپنے ۲ روزہ دورۂ کلکتہ کے پہلے دن یعنی ۳ جنوری ۹۵ء کو جادوپور یونیورسٹی کیمپس میں انڈین سائنس کانگریس کی ۸۲ ویں اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ مرکز نے ریسرچ اور ترقیات کے فروغ کے لئے قابلِ لحاظ سرمایہ کاری کی ہے۔ انہوں نے صنعتی اداروں کو اس میدان میں سرمایہ کاری بڑھانے نیز سائنس اور ٹکنالوجی کے ساتھ موثر رابطہ قائم کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے بتایا کہ اس سے ریسرچ اور ترقیات سے متعلق افراد کے لئے روزگار کے راستے کھل جائیں گے۔ انہوں نے ٹکنالوجی کے معیار کو بلند کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جب تک ہم اپنی ٹکنالوجی کو اعلیٰ معیار تک پہنچائیں گے۔ ہندستان بڑی طاقتوں کی جدید ترین ٹکنالوجی تک نہیں پہنچ پائے گا۔

وزیراعلیٰ نے اس موقع پر اپنی تقریر میں ملک میں جامع اساسی پالیسی کے سلسلہ میں مرکز وقتاً فوقتاً جو بیانات جاری کرتا ہے ان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ وزیراعلیٰ موصوف نے سائنس اور ٹکنالوجی سے متعلق مختلف پالیسیوں کو قومی ترقیاتی منصوبوں میں شامل کرکے ایک مربوط سائنس پالیسی مرتب کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔

اس تقریب میں وزیراعظم شری راؤ کے ہاتھوں سے سائنس کے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دینے کیلئے کامیاب سائنس والوں کو مختلف ایوارڈ دیئے گئے۔

اس موقع پر ۸۲ ویں سائنس کانگریس کے موضوع "سائنس، ٹکنالوجی اور صنعتی ترقیات" پر ایک کتاب کا اجراء مرکزی وزیر شری بھوونیش چترویدی نے کیا۔ ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے اس موقع پر شائع کردہ ایک مجلّہ کی رسم اجراء ادا کی۔

انڈین سائنس کانگریس کے جنرل سکریٹری شری ایس سی پکراشی نے اس تقریب کی صدارت کی۔

یوم جمہوریہ کے موقع پر عوام کے نام گورنر کا پیغام :

امن وامان کی ضمانت کے بغیر کوئی بھی بامعنی ترقی ممکن نہیں ہے

ہمیں غریبی اور بیماری، ناخواندگی اور بے روزگاری کے خلاف اپنی جد وجہد کو جاری رکھنا ہوگا

● گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی

> اشتراکیت، سیکولرزم، جمہوریت ہمارے دستور کی بنیادی خصوصیت ہیں۔ ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ مغربی بنگال ہندستانی عوام کے ذہن کو قابلِ قبول اشتراکی، سیکولر، جمہوری سماج بنانے کی راہ میں قیادت کرے گا۔ یہ باتیں مغربی بنگال کے گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے یوم جمہوریہ کے موقع پر عوام کے نام جاری کردہ پیغام میں کہی ہیں۔ گورنر موصوف کے پیغام کا اردو متن قارئین کی دلچسپی مطالعہ کیلئے پیش ہے :

۴۳ ویں یوم جمہوریہ کے موقع پر میں مغربی بنگال کے عوام کو اپنی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں

یہ ایک یادگار موقع ہے اسی دن ۱۹۵۰ میں ہم جمہوریہ ہوئے اور اپنے دستاویز دستور کو عملی جامہ پہنایا جو ہمارے عوام کی امیدوں اور امنگوں کا مظہر ہوا۔ یہ ہمیں ان عظیم قربانیوں کی یاد دلاتا ہے جو ہمارے مجاہدین آزادی نے بیرونی تسلط سے ملک کو آزاد کرانے کے لئے دیں۔ گرچہ یہ خوشی کا موقع ہے تاہم یہی ایک وقت ہے جب ہم اپنی کارکردگیوں اور عوام کی پُرجوش خواہشوں کی تکمیل میں ناکامیوں کو بھی یاد کریں۔

آزادی کے وقت سے ہم نے ترقی کے متعدد سیکٹروں بشمول تعلیم، صحت، زراعت، صنعتیں، سائنس اور ٹکنالوجی وغیرہ میں نمایاں ترقی کی ہے۔

مواصلات، زراعتی پیداوار اور صلاحی ٹکنالوجی کے میدان میں ہماری کامیابیاں حیرت انگیز ہیں۔ سبز انقلاب، اصلاحاتِ آراضی اور تعمیر، تعلیم اور صحت کی سہولتوں کی وجہ سے دیہاتوں کی صورتحال میں نمایاں بہتری ہوئی ہے۔ جو اچھی سٹینڈرڈ کاسٹ اور سٹینڈرڈ ٹرائب کے افراد کو با اختیار کرنے کی وجہ سے یہ لوگ اپنی ضروریات اور مسائل سے متعلق فیصلہ تیار کرنے کے طریقہ کار میں حصہ لینے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اور اس سے جمہوری طریقہ کار اور بھی بامعنی اور بامقصد بن

گیا ہے۔ اس عمل نے کامیاب اصلاحاتِ آراضی کے ساتھ مل کر دیہی افزائش کے طریقہ کار کو مضبوط بنایا ہے تاہم کام ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ ہمارے سامنے ابھی ناخواندگی کا اہم کام، تغذیہ کی کمی اور غریبی کے مسائل کھڑے ہیں۔ ہمیں دیہی ہندستان کی ٹکنالوجیکل ترقیات کیلئے بھی منصوبہ بنانا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ریاستی حکومت نے کچھ عرصہ قبل صنعت کاری کے لئے اپنے طریقۂ عمل کا اظہار کیا تھا۔ اس نے بے باک اور با تصور پہل کی جس نے صرف ملک کے اندر ہی نہیں بلکہ بیرون ملک سے بھی سرمایہ کاروں کو متوجہ کیا۔ تیز رفتار صنعتی افزائش کے لئے نجی، مشترکہ اور مدد سیکٹروں کو متحرک کیا جارہا ہے۔ مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے شلپابندھو کارخانے داروں کو امداد پہنچانے میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے ذمہ داری سونپی گئی ہے جسے یہ قابلِ قدر ہمہ جہتی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ ریاست میں اعتماد کا ماحول تیار ہوا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ متواتر اور مربوط کوششوں کے ذریعہ مغربی بنگال صنعتی ترقی کیطرف دوبارہ گامزن ہوجائے گا تاہم یہ اسی وقت ممکن ہوگا اگر صنعت کاروں کارخانہ داروں اور ورکروں کی طرف سے اس کی پُرخلوص حوصلہ افزائی ہو۔ تمام پیداواری طاقتوں کو چاہیئے کہ خاطر خواہ نتائج کو پانے کیلئے مل کر کام کریں۔ ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ معاشی آزادی اور ٹکنالوجی کی عالمیت کی وجہ سے جو تبدیلیاں آئی ہیں وہ اعلیٰ زرخیزی پیداوار اور

۲

لاگت میں کمی کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ ہم مسابقتی صورت حال میں کامیاب ہونے کے قابل ہو جائیں۔ ریسرچ اور ترقی کے سلسلے میں انتظامی منیجروں کے مقابلہ میں پیداواری انجینئروں کو اہم رول ادا کرنا ہے۔

ٹکنالوجی کے لئے ہماری جستجو اس وقت بااثر ہوگی جب اسے سماجی مقصد جیسے غریبی، مکان، حفظانِ صحت، پینے کا پانی، صحتِ عامہ، گروپ میٹنگ وغیروں کے مسائل کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ ٹکنالوجیکل شعاعوں کو ہندستان کے دیہاتوں میں کثیر تعداد میں رہنے والوں کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ ہمارے معاملہ میں ٹکنالوجی کا استعمال اس طرح ہونا چاہئے کہ اس سے روزگار کے مواقع گھٹنے کے بجائے بڑھیں۔ جدید معیشت میں ٹکنالوجیکل ترقی کی پہلی شرط یہ ہے کہ زرخیریت کی سطح کو بڑھایا جائے، پیداوار کے معیار میں بہتری لائی جائے اور لاگت میں کمی لائی جائے۔

سائنس داں اور تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے والے حضرات پر یہ سماجی ذمہ داری ہے کہ وہ ناخواندگی، کمزور تغذیہ، غریبی اور اس طرح کے دیگر مسائل کو حل کریں جن سے ہم آج بھی دوچار ہیں۔ ابھی جب ہم مسابقتی عالمی بازار کی طرف گامزن ہونے کے لئے تیار ہیں یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم دیسی اور جدید ٹکنالوجی کی ترقیات کے ذریعہ اپنی خود کفالت کو برقرار رکھیں۔ جہاں تک قومی ترجیحات کا سوال ہے ہمارے اپنے نظریات میں یکسانیت ہونی چاہئے۔

ملک کے نوجوانوں کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ قومی تعمیر کے کام کو آگے لے جائیں۔ نوجوانوں میں ابھی بھی آدرش واد کا جذبہ ہے۔ آدرش واد اور اخلاقی قدروں کے بغیر کوئی بھی ترقی ممکن نہیں۔ اس کے لئے امن اور ایک دوسرے کے لئے نیک جذبہ ضروری ہے اور ان لوگوں کے درمیان آپسی سمجھ بوجھ کی بھی ضرورت ہے جو ذات پات اور مذہب نہیں اس سے مختلف ہیں۔ ہمیں تشدد انگیز، کٹر پسند اور وحشیانہ طاقتوں کے خلاف ہمیں صف آرا ہونا ہے۔ ہمیں غریبی اور بیماری، ناخواندگی اور بے روزگاری کے خلاف اپنی جد و جہد کو جاری رکھنا ہوگا۔

ابھی جب ہم ملک کی معاشی ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں ہمیں اس حقیقت کو ماننا ہوگا کہ امن و امان کی ضمانت کے بغیر کوئی بھی بامعنی ترقی ممکن نہیں ہے۔ امن اور ترقی ناقابلِ تقسیم ہے۔ یہ ہم سبھی کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ ذات پات، مذہب اور علاقائی تفریق کی بنیاد پر تفریق نہ ہونے پائے اور ہماری طاقتیں سماجی انصاف اور مساوات پر مبنی حقیقی جمہوری سماج کے ڈھانچہ کو مضبوط بنانے میں لگیں۔

اشتراکیت، سیکولرزم، جمہوریت ہمارے دستور کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ مغربی بنگال ہندستانی عوام کے ذہن کو قابلِ قبول اشتراکی، سیکولر، جمہوری سماج کو بنانے میں قیادت کرے گا۔ اشتراکی سماج قائم کرنے کے لئے ہماری تاریخی کوشش میں، جیسے کہ پنڈت نہرو نے ڈسکوری آف انڈیا میں کہا ہے، ہمیں جہاں سے بھی ملے گا ہم دیانت اور علم اور دوستی اور کامریڈشپ کا خزانہ حاصل کرنا چاہیں گے اور ہم مشترکہ کام میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور تعاون کریں گے لیکن ہم دوسروں کی حمایت اور تائید کے محتاج نہیں ہیں۔ اس طرح ہم سچے ہندستانی اور ایشیائی بنے رہیں گے اور ساتھ ہی ساتھ بین الاقوامی اور عالمی شہری بنیں گے۔

اس تاریخی موقع پر آئیے ہم اپنے آپ کو ہمارے مجاہدینِ آزادی کے نظریات کے لئے دوبارہ وقف کر دیں اور ان پر عمل کریں اور صحیح سیکولرزم اشتراکیت اور جمہوری ریاست کی کامیابی کے لئے پُرخلوص طور پر من لگا کر کام کریں۔

جے ہند

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں آئندہ ۲۶ مارچ کو پنچایت انتخابات

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں آئندہ ۲۶ مارچ کو پنچایت انتخابات ہونے جا رہے ہیں۔ یہ اطلاع ریاستی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے گزشتہ ۲۰ فروری کو کابینہ کی میٹنگ کے بعد دی ہے۔ شری بھٹاچاریہ نے یہ بھی بتایا کہ پنچایت انتخابات کے سلسلہ میں ان علاقوں میں کافی جوش و خروش کی لہر پیدا ہوئی ہے۔

زرعی سیکٹر نے معاشی احیائے نو میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے: وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ

وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ نے گزشتہ ۴ جنوری ۱۹۹۵ء کو کلکتہ کے نیتاجی انڈور اسٹیڈیم میں کنفیڈریشن آف انڈین انڈسٹریز (سی آئی آئی) کی سہ روزہ صد سالہ تقریبات کا افتتاح کیا۔ تقریبات کا موضوع تھا "پارٹنرشپ" جو کہ چوتھی کانفرنس تھی۔ اس چوتھی کانفرنس میں ملک اور بیرون ملک سے حکومت، صنعت اور تجارت کے لیڈران اور نمائندوں نے شرکت کی۔ افتتاحی تقریب میں وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ نے جو تقریر کی تھی اس کا اردو متن اور وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے خطبہ کا اردو متن اختصار کے ساتھ قارئین کی دلچسپی مطالعہ کیلئے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

میں اس خوشگوار موقع پر سی آئی آئی کو اپنی جانب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ابتدا میں سی آئی آئی ۵ عدد کمپنی کے ممبران پر مشتمل ایک چھوٹا سا ادارہ تھا اور آج یہی ادارہ ترقی کے اس مرتبہ پر پہنچ گیا ہے جہاں اسکے ممبروں کی تعداد ۵ سے بڑھ کر تقریباً ۳۰۰ ہو گئی ہے بشمول بڑے، درمیانی اور چھوٹی صنعتیں۔ اس کی یہ کامیابی قابل ستائش ہے۔ جناب صدر آج آپ کا ادارہ تجارت اور صنعت کے مفاد کے کو ناگوں پہلو کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ مرحلے آپ نے جتنی زیادہ کامیابی کے ساتھ طے کی ہیں یہی حقیقی معنوں میں روشن مستقبل کی پیش گوئی کرتی ہے۔

جب ہم لوگ مذکورہ سفر کا تذکرہ کرتے ہیں تو بلاشبہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے بعد دیگر حقائق ذہن کے پردے پر دوڑنے لگتے ہیں کہ ہم لوگ کل کہاں تھے، آج کہاں ہیں اور مستقبل میں منزل مقصود کی حصولیابی کتنی تابناک ہوگی۔

۱۹۹۱ء میں ہم لوگ کیسے بڑے معاشی مسئلہ سے دوچار تھے اس کی تفصیلات کا تذکرہ کرنا آج میرے لئے ضروری نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ سب جو آج یہاں موجود ہیں ذاتی طور پر مذکورہ مسئلہ سے براہ راست واقف ہیں۔ یہ بھی ایک نیک علامت ہے کہ ہم آج ان بد حال دنوں کو بھول بیٹھے ہیں اور یہ انسانی فطرت کی ایک سود مند خصوصیت ہے لہٰذا آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا، جناب صدر، کہ معیشت اور خصوصاً صنعت کے سیکٹر میں آج ہم لوگ نشاۃ ثانیہ دیکھ رہے ہیں۔ سال کے پہلے چند مہینوں میں پیداواری سیکٹر میں ۹ فیصد نشوونما ملی ہے جو بہت اہم ہے۔ چونکہ یہ ہمہ جہتی ہے اور صنعتی سیکٹر کے جملہ احاطوں میں پھیلا ہوا ہے اس لئے یہ معیشت کے لئے قوت بخش ہے۔ گزشتہ تین برسوں کے دوران انفراسٹرکچر صنعتیں لگاتار روبہ فروغ رہی ہیں۔ بڑے سامان سیکٹر اور اسی لئے صارفین تیار کرنے والی اکائیوں

کی کارکردگی روز بروز بہتر ہو رہی ہے۔ نئے معاشی ماحول کے ساتھ سمجھوتہ ہنوز باقی ہے۔ زراعتی سیکٹر نے معاشی احیائے نو میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے اور حقیقت میں اس نے معیشت کے دیگر جملہ سیکٹروں کو ایک زوردار طور پر روبہ فروغ ہونے کی ترغیب دی ہے۔ ۳۰ ملین ٹن سے زائد ہمارے خوراک کے ذخیرے اور تقریباً ۲۰ بلین ڈالر کے ہمارے زرمبادلہ ریزروس ہمیں خود اعتمادی عطا کرتے ہیں اور ہمارے بھروسے کو منظم کرتے ہیں۔ حقیقی معنوں میں ۱۹۹۱ء کی صورت حال کے مقابلہ میں آج زبردست تبدیلی آئی ہے۔

جناب صدر، خواتین و حضرات! وہ نشاۃ ثانیہ جسے آج ہم لوگ اپنے روبرو پا رہے ہیں بلاشبہ سخت محنت اور بہت زیادہ کوششوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔ کسانوں نے گاؤں میں مزدوروں اور کارخانوں کے منتظمین اور سربراہوں نے کارخانوں میں اپنی محنت اور مشقت کا مظاہرہ کیا۔ مذکورہ اصلاحات جنہیں ہم لوگوں نے ۱۹۹۱ء میں شروع کیا تھا، نے وسیع طور پر اپنے اثرات اس طرح ثبت کئے کہ آج ہم لوگوں نے اپنے ملک کو مذکورہ بحران سے نکال پانے میں کامیاب ہوئے۔ اگر اسے ایک اعلیٰ معیاری کسوٹی پر جانچا جائے تو یہ پتہ چلے گا کہ یہ ایک نہایت ہی دشوار اور صبر آزما کوشش رہی ہے۔ ان کامیابیوں سے ہمارے جوش اور لگن میں اضافہ ہونا چاہئے اور نئی امیدوں اور توقعات کے ساتھ پیش رفت کرنی چاہئے۔ بلند نشوونما کی راہ پر چلتے رہنا، اجتماعی کوشش کے لئے سبھوں کو دعوت دیتا ہے۔ سرکار کو یہ لازم ہے کہ وہ ضابطہ کی رکاوٹوں کو دور کرکے ایسی خوشگوار فضا قائم کرے جہاں کاروبار روز بروز نشوونما، ترقی اور پھل پھول پائے۔ ہم لوگوں نے ایسی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب کاروباریوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری، کثیر تر

پیداوار اور بہتر کارکردگی کے ذریعہ نشوونما کی قوتوں کو بروئے کار لاتیں۔ نئی سرمایہ کاری اور نشوونما، اضافی روزگار اور آمدنی کے مواقع پیدا کرے گی۔ آمدنی میں نشوونما کے نتائج مانگ کو بڑھائیں گے اور اس طرح ترقی کا گراف اوپر کی جانب حرکت کرے گا۔ جملہ متعلقہ علاقے میں نشوونما کی ایک لہر دوڑ جائے گی۔ اصطلاح نہایت ہی سہل اور واضح ہی نظر نہیں آتی ہے بلکہ اپنی جسامت، آبادی اور سماجی مشکلات کے ساتھ ہمارے ملک سے منسلک ہے۔ مزید برآں یہ ایک امر ہے جس کا آسانی سے طے پانا نہایت ہی مشکل ہے۔

فروغ یافتہ نشوونما کے لئے ماحول کے ساتھ ساتھ وسائل کا سوال بھی اٹھتا ہے۔ ٹکنالوجی، معیار، زرخیزی، مقابلہ جاتی رجحان کے سوالات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان مسائل سے نپٹنے کے دوران ہمیں خارجی اسباب کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سرمایہ کاری اور ٹکنالوجی کی روانی اب عین مطابق بن پائی ہے۔ بازاروں میں داخلہ نہایت ہی اہم بن گیا ہے۔ ہماری معیشت پر عالمی معیشت کے جزو کے طور پر ہی نگاہ ڈالی جاسکتی ہے۔ اب ہم لوگوں کو خود پر ایک الگ تھلگ جزیرہ کی طرح نگاہ نہیں ڈالنی ہوگی بلکہ ہمیں خود کو ایک عالمی نظام کے جزو کے طور پر سمجھنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ جزیرہ کے تصور کو بھی اپنی جگہ قائم رکھنا ہوگا۔ اور قومی مفاد کے سلسلہ میں کسی بھی طرح کے سمجھوتہ سے بالکل پرہیز کرنا ہوگا۔ دراصل گلوبالائزیشن کا مفہوم دنیا کا ایک جزو بننے کے سلسلے میں شرائط کی تشکیل کرنے کے سلسلہ کی ایک کوشش ہے۔ اسی وقت ہم لوگ باقی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کی توقع کرسکتے ہیں جبکہ ہم لوگ اپنے پورے ملک کی بھلائی کے خواہاں ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہماری کوشش کے دوران کہیں سے بھی کوئی مخالفت کرنے والی آواز نہیں اٹھے گی۔ لیکن محض اپنی خاطر گلوبالائزیشن کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ ہندستان کے لوگوں کے مفاد کے گرد ہی اس کے تانے بانے بُنتے جانے چاہئیں۔ بہرکیف، چونکہ صفر سے صرف صفر ہی حاصل ہوتا ہے اس لئے ہم لوگ اپنے مقصد میں اسی وقت کامیاب ہوسکتے ہیں جب منتقل کرنے والے اور منتقل الیہ کے درمیان باہمی فائدہ کا اظہار پایا جاتا ہے۔ عالمی معیشت آج قریب قریب پورے طور پر بازاری قوتوں کی جانب کھنچی چلی جارہی ہے اور ان التفات کو محض اپنے بل بوتے پر ہی نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ اپنی مذکورہ اصطلاحات میں ہم لوگوں نے اس حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کی ہے۔ ہم لوگوں کے سر پر گلوبالائزیشن کا بھوت سوار نہیں ہے تاہم ہم لوگ مذکورہ حقیقت کو سمجھنے کی تمام تر کوشش کرتے ہیں۔

کچھ تنقیدیں اس طرح بھی منظرِ عام پر آئی ہیں کہ بیرونی سرمایہ کار ہماری معیشت کو بگاڑ کر اس پر قبضہ کرلیں گے۔ اس سلسلہ میں میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت حد تک اگرچہ ہماری پالیسیوں کے نتائج ہمت افزا ثابت ہوئے ہیں اور بیرونی سرمایہ کاروں کو راغب بھی کیا ہے لہٰذا اب بہت ہی جلد ہم لوگ اپنی منزل مقصود کو پالیں گے۔ سبھوں کو یقین دلانے کیلئے میں ان بیرونی سرمایہ کاروں کی تجاویز کی صرف دو خصوصیات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ نہ ہی ہم لوگ اپنی معیشت کا بیڑا غرق کررہے ہیں اور نہ ہی ہم لوگ اپنے ملک کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کررہے ہیں۔ اوّل بیرونی سرمایہ کاری کی تقریباً ۹۰ فیصد تجاویز مشترکہ مہموں پر مشتمل ہیں یعنی ہندستان کے ساتھ ساجھیداری پر، دوم ہم لوگوں نے انفرااسٹرکچر اور دیگر ترجیحی صنعتوں میں سرمایہ کاری کے لئے اپنی صاف و شفاف ترجیح کا اعلان کیا تھا۔ اب تک تجاویز سے متعلق سرمایہ کاری کی جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ ہمارے پہلے سے طے شدہ ترجیحی مذکورہ علاقوں کے سلسلہ میں ۸۰ فیصد سے زائد ہے۔ بیرونی سرمایہ کاری کے لئے ترجیحی علاقوں کی نشاندہی کردی گئی ہے اور منظور شدہ سرمایہ کاری کا ایک بڑا ٹکڑا توانائی، پٹرولیم/ خام دھاتوں کی صفائی کا کام کرنے والی صنعتوں، کیمیکلس، الیکٹرونکس، بجلی کے آلات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ عام تصور کہ بیرونی سرمایہ کار ہندستان کے بازار میں داخل ہونے کے لئے اشیائے صارفین ہی میں دلچسپی رکھتے ہیں، سرکاری سطح پر برپا ہونے والے سمجھوتہ کی تجاویز میں کہیں موجود نہیں ہیں۔ عام طور پر پیش کئے جانے والے حالات گمراہ کن اثرات کی تشکیل کا سبب بن رہے ہیں۔ صنعتی اور انفرااسٹرکچر پروجیکٹوں کے زمانۂ حمل کی مدت طویل تر ہے۔ (ایک بار اگر مذکورہ پروجیکٹوں پر عمل درآمد شروع ہوجاتا ہے تو پیداوار اور روزگار کے مواقع میں اضافے کے واضح فوائد سبھی لوگ دیکھ پائیں گے)۔

ہماری ترقی میں چھوٹے پیمانے کی صنعت نہایت ہی زوردار کردار ادا کرتی ہے۔ مذکورہ سیکٹر براہ راست طور پر تقریباً ۱۴۰ لاکھ افراد کو روزگار فراہم کرتا ہے اور تقریباً ۷۵۰۰ مصنوعات تیار کرتا ہے۔

چوں کہ مذکورہ سیکٹر مذکورہ اصلاحات کا ساتھ پوری طرح دے رہا ہے اس لئے سرکار اس کی حمایت میں اضافہ کرے گی۔ کریڈٹ جو اس سیکٹر کی اہم ترین خصوصیت ہے، میں ۱۹۹۲ اور ۱۹۹۴ کے دوران ۰۰ہم کروڑ روپے کا اضافہ ہوا ہے، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے لئے پبلک سیکٹر بینکوں کی شاخیں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ اور مزید کھل رہی ہیں۔ ایس آئی ڈی بی آئی علی گڑھ، لدھیانہ، ساحلی کرالا اور ہوڑہ جیسے ہم عُنفیر والے علاقوں میں ٹکنیکی فروغ اور صدمت کاری کے کام میں مدد کر رہے ہیں۔ سرکار ایسی طریقی اس سے وابی اکائیوں کیساتھ رابطوں کی تشکیل میں چھوٹے پیمانے کی اکائیوں کو بھی مدد فراہم کی جائے گی جو مذکورہ کام کر رہی ہیں دقت کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہم لوگ ان ممالک میں جہاں چھوٹے پیمانے کی صنعت ترقی یافتہ ہے سرکاری مشن پر افسران روانہ کریں گے تاکہ خصوصی طور پر ہماری چھوٹے پیمانے کی اکائیوں کو ان کی مس چاہی ٹکنالوجی فراہم کرانے میں تعاون دے پائیں۔ اس طرح کے بہتر اقدامات کے ساتھ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ ہمارے چھوٹے پیمانے کی صنعت نئی چنوتیوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل کر پائے گی اور نئے ماحول میں پھلے پھولے گی۔

پیداوار کے ہندوستانی مرکزی/بنیادی اسباب کے ساتھ کسی معیشت سے منسلک مسائل پر تبادلۂ خیال کے دوران یکساں طور پر موزوں ٹکنالوجی سے متعلق سوالات سطح عام پر آئے۔ اس سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ یا خصوصی جواب سامنے نہیں آتا ہے۔ علیحدہ علیحدہ صنعت کے لئے الگ الگ جوابات موزوں ہوتے ہیں۔ کچھ صنعتیں لازمی طور پر سرمائے پر مبنی ہوتی ہیں۔ ان میں اصلاحات یا بیرونی سرمایہ کاری بالکل اثر انداز نہیں ہوتیں۔ ہمارے اپنے پبلک سیکٹر میں اس طرح کی بہت ساری صنعتیں ہیں جو پوری طور پر سرمائے پر مبنی ہیں۔ یہاں ایسے دیگر سیکٹرس بھی ہیں جہاں پیداوار کے مزدوروں پر مبنی طریق کار دستیاب ہیں اور مقابلہ جاتی بھی ہیں۔ دنیا میں ہم لوگ دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ مقام پر اونچی شرح اجرت کی موجودگی کی وجہ سے ایک مقام سے دوسری جگہ منتقل کردی جاتی ہیں۔ بے قاعدہ کلیہ ٹیکسٹائل چمڑے کی پیداوار، الیکٹرونکس، دیگر وغیرہ جیسی گونا گوں سیکٹروں پر لاگو ہوتا ہے۔ آج دیگر مقامات عالم سے ہندوستان میں آکر بیشتر لوگ سرمایہ کاری کر رہے ہیں اور اس کے

بنیادی اسباب بھی ہیں۔ اور مذکورہ اسباب صنعتوں میں روزگار کے مواقع زیادہ سے زیادہ پیدا کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ معاشی فیصلہ کسی فطری طریقۂ کار کا ایک جزو ہے اور ایسا سوچنا بے وقوفی ہوگی کہ متعلقہ قیمتوں اور ہماری قائم شدہ مقابلہ جاتی فوائد کو زیرِ غور لائے بغیر کثیر سرمائے کے ساتھ ہندوستان میں ارادتاً صنعتوں کا قیام عمل میں آئے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں سرمایہ پر مبنی ٹکنالوجیاں بلند تر زرخیزی اور اجرت کے ساتھ رواں دواں ہیں وہاں اونچی اجرت سے پرہیز کرنے کے بجائے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ بالآخر ایک بار پھر فیصلہ کا انحصار بازاری قوتوں پر ہوتا ہے۔ میرے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہمارے کاروباریوں کے فیصلے میں کہیں کوئی نقص پایا گیا ہے تاہم ٹکنالوجی کے نہایت ہی پُراحتیاط انتخاب کی ضرورت پر خصوصی توجہ دینا بعید از خام خیالی نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں ٹکنالوجی کے درآمداتی خواہندگان پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ملک کے اندر پائی جانے والی ٹکنالوجیوں کی محتاط طور پر جانچ پڑتال بھی کریں۔ اس دوران مذکورہ ٹکنالوجی کا استعمال یا اس کی قبولیت اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہے جتنی کہ اس کی ٹکنالوجی پیدا کرنے کی صلاحیت۔ ہمارے پاس صلاحیتیں ہیں اور ہمیں اس میدان میں اپنی خوبیوں اور ہنروں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا چاہیئے۔ مقابلہ جاتی فائدہ کی برقراری کے سلسلے میں درونِ خانہ آر اینڈ ڈی کا کوئی بدل نہیں خصوصاً جبکہ ٹکنالوجیکل ترقی دوسرے مقامات پر بڑی تیزی سے ہو رہی ہے اور معدومیت کی شرح بڑی بلند ہے۔

کچھ سال پہلے کسی نے ماحولیات کو کثافت سے بچانے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا ہے۔ فروغ کے لئے اپنائے گئے متعلقہ لائحہ عمل کے تحت یہ بات شدت سے محسوس کی گئی ہے کہ ماحولیات کو کثافت سے بچایا اور ماحولیات کی صفائی کو برقرار رکھنا ہم پر لازم ہو جاتا ہے۔ اس ملک کے لوگوں کا ہم پر یہ حق بنتا ہے کہ ہم لوگ اپنی قدرتی وراثت کو محفوظ رکھیں۔ دوسری جگہ استعمال میں آنے والی ٹکنالوجیوں میں داخلہ کے ذریعہ حسبِ ضرورت عمل میں آنے والی ہماری کوششیں ہمیں ماحولیاتی بدحالی کے مسائل محفوظ رکھنے کے قابل بنائیں گی۔ ہمیں ایسی ٹکنالوجیوں پر دھیان دینا ہے جن کے نتائج بہتر اور صاف ستھرے ماحولیاتی معیاروں، قدرتی وسائل کے تحفظ اور کارآمد کفایتی مینجمنٹ میں

ہمکنار ہوں۔ متعلقہ طریقہ کاروں کی بہت ساری مثالیں ایسی ملتی ہیں جن کے نتائج ماحول کی بدحالی کی روک تھام اور اس کے ساتھ ساتھ اسے مؤثر بنانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس تشویشناک مسئلہ کا مقابلہ ہمیں نہایت ہی منظم طور پر اور بڑے دھیان سے کرنا چاہیئے۔ بیشتر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم لوگ اس میدان میں سخت محنت اور کڑی لگن سے کام کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ہماری ثقافتی وراثت خصوصی طور پر قدرت اور ماحولیات کے دوست رہے ہیں۔

جناب صدر! آپ کا موضوع ہے پارٹنرشپ، آیئے ہم اس طریقہ کار کو اپنا کر پارٹنر ہو جائیں۔

مجھے اس صد سالہ تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے۔

دیہی بنگال کے معیارِ زندگی میں بہتری لانے میں ہم کامیاب ہوئے ہیں

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ، عزت مآب چیئرمین، ہندستان اور باہر سے آئے ہوئے ممتاز مہمانان اور وفود، خواتین و معزز حضرات!

کنفیڈریشن آف انڈین انڈسٹری (سی آئی آئی) کی صد سالہ تقریبات کے افتتاح کے موقع پر آپ سبھوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ذاتی طور پر مجھے اور میری حکومت کو انتہائی خوشی ہو رہی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ افتتاحی تقریب برملا طور پر کلکتہ میں منعقد ہو رہی ہے جہاں ۱۸۹۵ء میں سی آئی آئی کا جنم ہوا تھا۔ واقعی وہ دلچسپ کہانی جو ایک چھوٹے ادارے سے شروع ہوئی تھی آج ترقی کی منزل طے کرتے ہوئے جدید ہندستانی صنعت کی نمائندگی کر رہی ہے۔

ہم گزشتہ چند دہائیوں سے مختلف مشکلات سے گزرے ہیں اور متعدد مسائل سے دوچار ہوئے ہیں۔ بلاشبہ یہ ہمارے لئے ایک دشوار کن سفر رہا ہے۔ مجھے بہرکیف خوشی ہے کہ ہماری تمام تر دشواریوں کے باوجود ہم نے اپنی صلاحیتوں سے نہ صرف اس خطہ کے لئے بلکہ پوری قوم کے لئے بھی کچھ بنیادی اہمیت کی حامل کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

دیہی علاقوں کے مسائل اور زراعت پر اپنی پوری توجہ دیتے ہوئے ان سیکٹروں میں جہاں ہمیں وفاقی دستور کے تحت کچھ اختیارات حاصل ہیں ہم دیہی بنگال کے معیارِ زندگی میں کافی بہتری لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ پنچایتوں اور اصلاحاتِ آراضی کے ذریعہ ترقیات کے مؤثر اور لامرکزی اور جمہوری نظام کو قائم کیا گیا ہے اور آج دیہی آمدنی کو بڑھانے، غریبی کم کرنے اور زرعی سیکٹر کو بڑھاوا دینے کے لئے اقدامات کئے جا سکے ہیں۔ اس سے ہمیں ٹھوس بنیادوں پر مستحکم اور روشن مستقبل کی تعمیر کے لئے امید اور یقین حاصل ہوئے ہیں۔

اس حقیقت کے باوجود کہ ہم حکومتِ ہند کی کچھ معاشی پالیسیوں سے اختلاف رکھتے ہیں، ہم صنعتوں کے لائسنس کو ختم کرنے اور فولاد اور اسپات کے لئے ریل کرایہ کی مساوی اسکیم کو منسوخ کرنے کے پورے فائدے کو حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے ہم عرصہ دراز سے وکالت کر رہے ہیں اور جو ہماری صنعتی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ بلاشبہ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ ان تبدیلیوں سے چھوٹی اور کمزور ریاستوں کے لئے خصوصی اقدامات کئے جانے کی ضرورت ہے نہیں تو انہیں غیر مساوی مسابقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صنعت کے احیائے نو کے لئے ہم قابل ہوئے ہیں۔ اس کے سلسلہ میں ہم اب اپنی تمام توانائی اور کوششوں کو مرکز کی صنعتی پالیسی کی چوحدی کے اندر بروئے کار لا رہے ہیں اور ہم نے مغربی بنگال کے لئے صنعتی ترقی پر ایک واضح اور جامع پالیسی بیان جاری کیا گیا ہے۔

ہم نے صنعتی مواقع اور سرمایہ کاری کے لئے قابلِ اعتبار علاقوں کی شناخت کر لی ہے۔ ہم نے صنعتی ترقی پر ایک خوش طرز کے منصوبہ کو روبہ عمل لایا ہے۔ اس علاقہ کی جسمانی اور سماجی لازمی سہولتوں کو ترقی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ صنعتی ترقی کی ہماری تاریخ صد سالہ پرانی ہے۔ اس سے ہمیں کافی تعداد میں ماہر مزدوروں کی دستیابی کی سہولت ملی ہے۔ پیداواریت میں اضافہ کا دارومدار مینجمنٹ کی صلاحیت پر ہوتا ہے۔ غیر مطمئن ورکر زیادہ پیداواریت کی ضمانت

نہیں دے سکتے ہیں۔ مغربی بنگال میں بہترین منتظم صنعتوں میں پیداواریت کی شرح اعلیٰ ہے۔ صنعتی ترقی پر پالیسی کے بیان میں ہم نے کہا تھا کہ ورکروں کو صرف اپنا مفاد نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ کمپنی کے مفاد کا بھی کماحقہ خیال رکھنا چاہئے۔ توانائی کی صورت حال میں وسیع تر بہتری ہوئی ہے۔

موجودہ سڑکوں کی بہتری کو بھی ترجیح دی جا رہی ہے۔ متعدد نئے پروجیکٹوں، شاہراہوں اور دیگر ضروری سہولتوں کے لئے منصوبے بنائے گئے ہیں۔ نئے ٹاؤن شپ تعمیر کئے جائیں گے۔ سماجی سہولتوں کو بڑھاوا دینے کے لئے تمام سہولتوں کے ساتھ بہت سے اسپتال اور تعلیمی ادارے یا تو زیر تکمیل ہیں یا ان کے لئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

مغربی بنگال کی تیز رفتار معاشی اور سماجی ترقی کے لئے گھریلو اور بیرونی وسائل اور ٹکنالوجی کو کام میں لانے کے پیش نظر اہم بہت سے اقدامات کئے ہیں۔ اس ریاست کو ہندستان کے مشرقی اور شمال مشرقی خطہ کی معاشی سرگرمیوں میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ مغربی بنگال کی معاشی بہتری کا اثر ہندستان کے اس خطہ کی ان بہت سی ریاستوں پر یقیناً پڑے گا، جو ہندستان کے دیگر خطوں کے مقابلے میں معاشی و صنعتی طور پر پسماندہ ہیں۔ یہ پسماندگی علاقائی عدم توازن کی وجہ سے ہی ہے جس کو گزشتہ کئی دہائیوں سے جاری رکھا گیا۔ صحیح اقدامات اب عمل طلب ہیں۔

کئی مرکزی عوامی سیکٹر کمپنیوں بہت سے مسائل سے دوچار ہیں۔ ہم وزیر اعظم اور حکومت ہند سے پھر ایک بار درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان صنعتی یونٹوں کے معاملات میں راحت رساں اقدامات لیں۔ حکومت ہند اور صنعتی برادری بشمول سی آئی آئی کے لئے یہ بات بھی اہم ہے کہ وہ ایس ایس آئی سیکٹر کی صحت اور بہتری کے لئے بھی سرگرم دلچسپی لیں۔

آئندہ کل مغربی بنگال کی معاشی حکمت عملی پر جو رپورٹ جاری ہونے والی ہے امید ہے کہ یہ تیز رفتار ترقی کی راہ میں مزید آگے بڑھنے میں مدد کرے گی۔ میں سی آئی آئی کے حکاموں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس جوکھم بھرے کام کے لئے پہل کی۔ مجھے یقین ہے کہ سی آئی آئی صنعتی ترقی کے لئے حکومت ہند کے ساتھ تال میل قائم رکھے گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ خود کفالت کو برقرار رکھنے اور تحقیقی اور ترقیاتی کوششوں کو بڑھاوا دینے کے سلسلے میں مستحکم قدم اٹھائے۔ عوامی اور نجی دونوں سیکٹروں میں صنعتوں کو مستحکم بنانے میں بھی اس کا اہم رول ہے۔

ہمیں لمبی مسافت طے کرنی ہے لیکن ہمارے کاز کے لئے ہم مستحکم ارادہ، قوت، یقین اور نظریہ رکھتے ہیں۔ تمام متعلقہ جماعتوں اور افراد کی حمایت و تعاون سے اور صحیح تناظر کے ساتھ ہم مغربی بنگال کے صنعتی احیائے نو کی راہ میں آگے بڑھنے کے یقیناً قابل ہوں گے۔ اور جس سے مشرقی خطہ اور پورے ہندستان کی قیادت کی جاسکے گی۔

میں سی آئی آئی کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے صدسالہ تقریبات کی اس افتتاحی تقریب میں مجھے شرکت کا موقع دیا۔ مجھے یقین ہے کہ آنے والے برسوں میں توقع ہے کہ سی آئی آئی ہندستان کو مستحکم اور خود کفیل ملک بنانے میں اہم اور موثر رول ادا کرے گا۔ اس کامیابی کے لئے میری تمام تر تمنائیں اس کے ساتھ ہیں۔ جب کبھی ضرورت ہوئی مجھے ممکنہ مدد کرتے ہوئے خوشی ہوگی ٭٭

آئندہ ۲۱ مارچ کو مغربی بنگال کا ریاستی بجٹ

آئندہ ۲۱ مارچ کو مغربی بنگال کا ریاستی بجٹ پیش کیا جائے گا۔ اس کی اطلاع ریاستی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے گزشتہ ۲۰ فروری کو دی۔ ریاستی قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر شری ہاشم عبدالحلیم نے اپوزیشن لیڈر شری زین العابدین کے ساتھ بات چیت کے بعد کابینہ کی تجویز کے مطابق یہ تاریخ مقرر کی ہے۔ ریاستی وزیر شری بھٹاچاریہ نے بتایا کہ آئندہ ۷ مارچ سے اسمبلی کا بجٹ سیشن شروع ہوگا ٭٭

ریاستی وزیر شری متیش رائے کا انتقال

ریاستی وزیر برائے تعمیراتِ عامہ اور آر ایس پی کے ممتاز لیڈر شری متیش رائے کا ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ کی صبح ۳ بجکر ۳۲ منٹ پر دل کا دورہ پڑنے سے ایس ایس کے ایم ہسپتال میں انتقال ہو گیا۔ موت کے وقت ان کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔ پسماندگان میں ان کی بیوہ کے علاوہ دو بیٹیاں ہیں۔

متیش رائے غیر منقسم بنگلہ دیش کے ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ جنگِ آزادی کے وہ مجاہد تھے۔ "بھارت چھوڑو تحریک" میں بھی انہوں نے حصہ لیا۔ انہوں نے ہمیشہ عام لوگوں کے کاز کے لئے جدوجہد کی۔ مزدوروں، مہاجرین اور ٹرامو کے ملازمین کی تحریکوں میں بھی شامل رہے۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے انہیں کئی بار جیل کی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔

وہ آر ایس پی کے ایک نامور لیڈر تھے۔ ۱۹۷۷ء سے بارانگر اسمبلی حلقہ سے مسلسل ۴ مرتبہ ریاستی اسمبلی کے لئے کامیاب ہوتے اور آر ایس پی کی نمائندگی کرتے رہے۔ وہ ٹریڈ یونین تحریک سے بھی وابستہ رہے اور یو ٹی یو سی کے ریاستی صدر بھی تھے۔ وہ آر ایس پی اسٹیٹ سکریٹریٹ اور سنٹرل کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ وزارت تعمیرات عامہ سے جتن چکرورتی کے استعفیٰ کے بعد انہیں ریاستی کابینہ میں شامل کر لیا گیا اور انہیں تعمیراتِ عامہ کا وزیر منتخب کیا گیا تھا۔

متیش رائے کی موت پر مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ متیش رائے نے ہمیشہ عام لوگوں کے کاز کے لئے جدوجہد کی اور جمہوری اور ٹریڈ یونین تحریکوں کے وہ چیمپئن تھے۔ وہ آر ایس پی کے اہم لیڈر تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ متیش رائے نے مغربی بنگال کے بنیادی ڈھانچے کی ترقی میں گہری دلچسپی لی اور محنت کشوں کے مفاد کے لئے بہت سارے پروگرام اور پروجیکٹ شروع کئے تھے۔ وزیر اعلیٰ نے آنجہانی وزیر برائے تعمیرات عامہ متیش رائے کے متعلقین کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔

بائیں محاذ کے چیئرمین شری شیلن داس گپتا، ریاستی وزراء شری بدھادیب بھٹاچاریہ، شری پرسنتا سور، ایم پی اشری میتی ممتا بنرجی اور دوسرے سیاسی لیڈروں نے ان کے جسدِ خاکی پر گلہائے عقیدت پیش کئے۔ حکومتِ مغربی بنگال کے تمام دفاتر اور تعلیمی ادارے شری متیش رائے کی موت کے غم میں بند رکھے گئے۔

۲۵ جنوری ۱۹۹۵ کی دوپہر کو ان کا جسدِ خاکی نذرِ آتش کر دیا گیا ❊❊

کھیتی گوسوامی نے وزارت کا عہدہ سنبھال لیا

آر ایس پی کی نو تشکیل شدہ ریاستی سکریٹریٹ کے ممبر شری کھیتی گوسوامی نے پی ڈبلیو ڈی وزارت کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ گزشتہ ۴ فروری کو راج بھون میں منعقدہ ایک سادہ سی تقریب میں ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے انہیں ان کے نئے عہدے کا حلف دلایا۔

اس موقع پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور دیگر رفقائے کابینہ بھی بہ نفسِ نفیس موجود تھے ❊❊

رضاکار تنظیموں کی جانب سے قائم کردہ آئی کیمپ — ریاستی حکومت کا نقطۂ نظر

رضاکار تنظیموں کی جانب سے قائم کردہ آئی آپریشن کیمپ کے متعلق حال ہی میں مختلف اخباروں میں کچھ خبروں کے شائع ہونے سے لوگوں کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ ریاستی حکومت رضاکار تنظیموں کی جانب سے قائم کردہ آئی آپریشن کیمپ کو بڑھاوا دینے کے حق میں نہیں ہے۔ ریاستی حکومت کے نقطۂ نظر کے مطابق رضاکار تنظیموں کے درمیان پھیلی غلط فہمی کو دور کرنا لازمی ہے۔

اس ملک میں غیر دائمی اندھے پن کا ایک بڑا سبب موتیابند ہے اور اس اندھے پن کی روک تھام کے لئے قومی پروگرام کا مقصد دو ہزار صدی عیسوی تک مذکورہ اندھے پن کی سطح کو ۴ر۱ فیصد سے ۳ر۰ فیصد تک لانا ہے۔ یہ ایک بڑا مشکل کام ہے کیوں کہ اس ریاست میں مذکورہ اندھے پن کی تعداد ہر سال بڑھ کر تقریباً ۳ر۱ لاکھ ہو جاتی ہے۔ حکومت ہند اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذکورہ اندھے پن کی روک تھام کے لئے قومی پروگرام کے تحت رضاکار تنظیموں کی کوششوں پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ حکومت ہند کے رہنما اصولوں کے تحت متعلقہ کیمپوں کے قیام کے سلسلے میں مذکورہ اخراجات کا ایک حصہ ۱۲۰ روپے کی رقم کی موتیابند آپریشن کی شرح پر رضاکار ایجنسیوں کو دی جاتی ہے جہاں سرکار گاڑی فراہم نہیں کر پاتی ہے۔ حکومت ہند کے رہنما اصولوں کی ہمنوائی میں ریاستی حکومت مذکورہ رضاکار تنظیموں کو آگے بڑھ کر مذکورہ کیمپوں کے انعقاد کی کوشش کی ہمت افزائی کر رہی ہے تاکہ وہ ریاستی حکومت کی کوششوں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ مذکورہ کیمپ قائم کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکار کی جانب سے جاری کردہ مخصوص رہنما اصول پر عمل رضاکار تنظیموں کو کاربند ہونا ہوگا جو آئی کیمپوں میں موتیابند کے آپریشن کا انعقاد کرتے ہیں۔ مذکورہ رہنما اصول نہایت ہی جامع ہے۔ اس کے تحت کیمپوں کو صاف ستھرا اور جراثیم سے پاک رکھنے، آپریشن سے قبل ضروری تشخیصات کرنے اور آپریشن کے بعد دیکھ ریکھ کرنے کی باتوں پر دھیان دینا ہے اور اس بات کا بھی خیال کرنا ہے کہ آپریشن کیسے کیا جائے گا، کون کرے گا اور کس طرح آپریشن تھیٹر میں کس سلسلے کی تیاریاں کی جائیں گی۔ مذکورہ کیمپوں کے انعقاد سے قبل ہر رضاکار تنظیم کو کلکتہ میں ڈپٹی ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروس (انتظامیہ) اور اضلاع میں سی ایم او ایچ (CMOH) سے ضروری اجازت حاصل کرنی ہوتی ہے۔ مذکورہ اجازت دینے سے قبل مذکورہ رہنما اصول کے تحت متعلقہ کیمپوں کے انعقاد کے لئے کم از کم لازمی بنیادی ضروریات بہم پہنچانے کے سلسلے میں مذکورہ افسران کو یقین دہانی کرانی پڑتی ہے۔

کلپنا جوشی کا انتقال

تاریخی چٹاگانگ انقلاب کی آخری خاتون مشہور کمیونسٹ لیڈر کلپنا جوشی کا گزشتہ ۸ار فروری کو کلکتہ کے ایس ایس کے ایم ہسپتال میں انتقال ہو گیا۔ وہ گزشتہ ایک سال کے لمبے عرصہ سے ہسپتال میں زیر علاج تھیں۔ موت کے وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ ان کے لواحقین میں دو لڑکے سورج اور چاند ہیں۔

ریاستی گورنر شری رگھوناتھ ریڈی، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ریاستی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ، مائیں مماذ کے چیرمین شری شیل داس گپتا، سی پی آئی کے ریاستی سکریٹری شری سدا گوپال بھٹاچاریہ اور دیگر ممتاز شخصیتوں نے مسلح جدوجہد آزادی اور ہندستان کی کمیونسٹ تحریک کے اس عظیم منظم کار خاتون کی موت پر گہرے صدمے کا اظہار کیا۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کلپنا جوشی کی موت پر اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک تعزیتی پیغام میں کہا کہ:

"کلپنا جوشی کی موت کی خبر سے ہمیں بہت دکھ پہنچا ہے۔ انہوں نے قوم کی خدمت کے لئے غیر متزلزل ہمت و جرأت اور حب الوطنی کے جوش کے ساتھ خود کو وقف کر دیا تھا۔ ملک کی جنگ آزادی اور کمیونسٹ تحریک کے استحکام میں انہوں نے جو رول ادا کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ وہ آج بھی ہماری نوجوان نسل کیلئے باعث تحریک ہیں۔" وزیر اعلیٰ نے ان کے سوگوار اہل خاندان سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

پنچایتی انتخابات کے بعد سے مواشیاتی ترقی میں خواتین کی شرکت میں اضافہ ہوا ہے

دیہی لوگوں کو موزوں تربیت دے کر مختلف کام کے قابل بنایا گیا ہے

—— شری محبوب زاہدی ——

ریاستی وزیر برائے شعبۂ حیوانی وسائل شری محبوب زاہدی حال ہی میں رائٹرس بلڈنگس کے روٹنڈا ہال میں منعقدہ ایک پریس میٹ میں پریس نمائندوں کو دیے گئے بیانات میں اپنے شعبہ کے کارہائے نمایاں کا مفصل جائزہ لیا۔ اس موقع پر پریس نمائندوں کے درمیان میں تحریری بیان تقسیم کیا گیا تھا اس کا اردو متن درج ذیل ہے :

شعبۂ ترقیات حیوانی وسائل، حکومت مغربی بنگال کی تجویز شدہ سرگرمیوں کا جہاں تک تعلق ہے اس کے اہم علاقے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :

(الف) : خود کفیلی۔

(ب) : روزگار کے موقعوں کی تشکیل۔

(ج) : وسائل کی تشکیل۔

(د) : جدید ٹکنالوجی کی قبولیت اور ترقی۔

(ہ) : معالجۂ حیوانی تعلیم و تحقیق کی ترقی۔

روایتی مفہوم کے تحت حیوانی فروغ اور حفظانِ صحت سے متعلق سرگرمیوں کو محدود کرنے والے پرانے نظریہ سے یہ ایک واضح انحراف ہے۔

وسیع پیمانے پر کراس بریڈنگ کے ذریعہ کم منافع بخش مویشی کو کثیر پیداواری اثاثوں میں تبدیل کرکے اس ریاست میں دودھ، گوشت اور انڈوں کی کل مانگ کو پورا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

	۱۹۸۳-۸۴ء	۱۹۹۳-۹۴ء
دودھ کی پیداوار (ٹن)	۲,۱۰۷	۳,۱۲۵
انڈوں کی پیداوار (ملین)	۱,۳۸۱	۲,۴۳۰
گوشت کی پیداوار (ٹن)	۳۰۵	۴۲۵

گرچہ مذکورہ بالا اعداد و شمار نمایاں اضافے کی نشاندہی کرتے ہیں تاہم اسے منافع بخش حقیقت نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ آج بھی ہم لوگ اپنے مقررہ نشانے سے کافی فاصلہ پر ہیں۔

مویشیوں اور مرغیوں کے انسداد پذیر بہتر امراض سے ہونے والی تعدادِ اموات پہلے سے بہت کم ہوگئی ہے۔ اس کے نتیجے میں اب مویشی پروری کسانوں کے درمیان ایک پرکشش پیشہ بن گیا ہے۔ اس پس منظر میں مویشی بیمہ کی حمایت سے وسیع کراس بریڈنگ پروگرام بڑے زور و شور سے چلے۔

روایتی طور پر گاؤں کے لوگ بار برداری اور کھاد کے لئے خصوصاً جانور پالتے ہیں۔ بہتر ٹکنالوجی اور مویشی پالن کی عملیات کے روبہ عمل لانے کے لئے آج بہت سارے بے روزگار افراد تجارتی بنیاد پر اعلیٰ پیداواری جانوروں اور پرندوں سے مستفیض ہونے کے اہل بنے ہیں۔

چند سو گاؤں کے افراد کو موزوں تربیت دے کر مختلف کام کے قابل بنایا گیا ہے۔ یہ لوگ کسانوں کے گھر جاکر ان کے جانوروں کو ٹیکے لگاتے ہیں اور مصنوعی طور پر گابھن بناتے ہیں۔ اپنی ان خدمات کے عوض یہ ان سے اپنی مزدوری لیتے ہیں۔ الغرض مذکورہ بالا تربیت یافتہ گاؤں کے افراد اس طرح کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

یہ ایک عام فہم بات ہے کہ آبادی کی بے پناہ افزائش کے نتیجہ میں زرعی آراضی پر زبردست دباؤ پڑ رہا ہے۔ قابلِ عمل متبادل پیشہ کے ایک ذریعہ کے طور پر آج زیادہ سے زیادہ زور حیوانی وسائل کی ترقی پر دیا جارہا ہے۔ دودھ پیدا کرنے والوں کی امداد باہمی انجمنیں تشکیل کی گئی ہیں۔ یہ منظم طور پر دودھ پیدا کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

۷۵ فیصد گاؤں کی عورتیں مویشیوں کی پیداوار بڑھانے میں مشغول ہیں۔ اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خواتین کی امداد باہمی انجمنوں کے لئے ایک خصوصی پروجیکٹ اپنایا گیا ہے۔ خاتون جماعتوں کے لئے ایک وسیع تربیتی پروگرام جاری کیا گیا ہے۔ پنچایتی اداروں کے انتخاب کے سلسلے میں اس بار خواتین کے

لئے ۳۰ فیصد نشستیں ریزرو کی گئی ہیں۔ چونکہ کثیر تعداد میں خواتین نمائندوں نے دفاتر میں عہدے سنبھالے ہیں اس لئے اب خواتین کی امداد باہمی انجمنیں قائم کرنا زیادہ آسان ہو گیا ہے اور مویشیوں کے فروغ کے میدان میں خواتین کی شرکت بھی اب پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔

مزید وسائل پیدا کرنے کے لئے لازمی ساز و سامان کی سہولتوں کو جدید تر بنایا گیا ہے

گابھن بنانے کے مصنوعی طریقوں کو اپنا کر اوسطاً ۵ر۱ لاکھ بچھڑے پیدا کئے گئے ہیں یعنی ۳۰ فیصد شرح حمل کی بنیاد پر سالانہ تقریباً ۷ لاکھ بچھڑے پیدا کئے گئے ہیں۔

ریاست میں مصنوعی طور پر گابھن بنانے والے جملہ پروگراموں کو منجمد منی ٹکنالوجی رائج کر کے جدید بنایا جا رہا ہے۔ تقریباً ۳۰ فیصد قابل افزائش نسل جملہ مویشیوں کی آبادی کو اس پروگرام کے تحت لایا جانا ممکن ہے ریاست میں منجمد منی کی پیداوار کے لئے ایک لیبارٹری ہرن گھاٹا میں قائم کی گئی ہے۔

بایولوجیکل پروڈکشن ڈویژن کو جدید بنایا گیا ہے جہاں چودہ مختلف قسم کے مویشیوں کو لگنے والے ٹیکے تیار کئے جا رہے ہیں۔ ملک کی مختلف ریاستوں میں یہاں کے تیار کردہ چند ٹیکوں کی کافی مانگ ہے۔

بڑے اطمینان کی بات ہے کہ قومی بیل روگ انسداد پروگرام کے تحت زور دار ٹیکہ لگانے کی مہم کے نتیجہ میں اس ریاست نے بین الاقوامی سطح پر بیل روگ سے نجات کا نعرہ بلند کیا۔ حکومت ہند نے مغربی بنگال کے توسط سے مویشی اور بھینس برآمد کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

جنگلاتی اراضی، کاشتکاروں کی آراضی میں چارہ کی پیداوار، چارہ کے بیج کی پیداوار، چارہ پیدا کرنے اور چارہ تحقیق کے میدان میں کاشتکاروں کی تربیت کے لئے پہلی مرتبہ اس ریاست میں ایک پروگرام عالمی بینک کی مالی امداد سے روبہ عمل لانے کے لئے ہاتھ میں لیا گیا ہے۔

مغربی بنگال کے مویشی لائسنسنگ ایکٹ برائے ۱۹۵۹ء کے تحت کلکتہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں مویشیوں کو کھٹال میں رکھنا قانونی طور پر ایک جارحانہ قدم ہے۔ ماحولیاتی کثافت کی روک تھام اور زمین دوز نالوں کے نظام کو بند ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے کھٹالوں کو شہر سے ہٹانا لازمی ہے۔ کچھ کھٹالوں میں دودھ دینے والی گائیں اور بھینسوں کو تجارتی مفاد کی خاطر شدید جسمانی اذیت دی جاتی ہے اور ان کے ساتھ نہایت ہی برا سلوک کیا جاتا ہے۔

کھٹالوں میں مویشی مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کیوں کہ کھٹال کے مالکان کھٹالوں کی صفائی میں سائنسی اصولوں کو نہیں اپناتے ہیں یعنی کھٹالوں کو مختلف امراض کے جراثیم سے صاف اور پاک نہیں رکھتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ کھٹالوں کو شہر سے اجاڑ دینے سے مختلف ڈیری کے جراثیم سے پاک دودھ میں خاطر خواہ طور پر اضافہ کرنا ہوگا تاکہ دودھ کی بڑھتی ہوئی مانگ کو گورنمنٹ سپلائی پوری کر پائے ٭٭٭

بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں

مغربی بنگال کے غذائی اجناس کی پیداوار کو قابلِ ذکر ترقی حاصل ہوئی ہے

—————— وزیرِ زراعت شری منہار بوس

ریاستی وزیر زراعت شری نہار بوس نے حال ہی میں رائٹرس بلڈنگس کے روٹنڈا ہال میں منعقدہ ایک پریس میٹ میں دے گئے بیان میں اپنے شعبہ کی کماحقہ سرگرمیوں کا جائزہ لیا تھا۔ اس موقع پر جو دستی مواد فراہم کیا گیا تھا اس کا اردو متن درج ذیل ہے :

آئیے ہم لوگ اپنی توجہ چونکا دینے والے اعداد و شمار کی جانب مبذول کریں۔ ہماری ریاست کے گھریلو پیداوار (کی حالیہ قیمتیں) ۴۷٫۳۰۴۱ کروڑ ہیں۔ اور ان میں زراعت کا حصہ ۳۸٫۳۰۰٫۱۲ کروڑ ہے۔ مذکورہ اعداد و شمار آپ پر ہماری معیشت میں زراعت کی اہمیت کو واضح کریں گی۔

بائیں محاذ اقتدار کے دوران مغربی بنگال کے غذائی اجناس کی پیداوار کو قابلِ ذکر ترقی و فروغ حاصل ہوا ہے۔ سنہ ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران ہم لوگوں نے ۵۶٫۱۲۸ لاکھ ٹن اناج پیدا کیا تھا اور ہم لوگ یہ توقع کر رہے تھے کہ سنہ ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران ہمارے یہاں تقریباً ۱۳۱٫۰۰ لاکھ ٹن غلّے کی پیداوار ہوگی اور مذکورہ بالا ٹن ہماری ریاست کا بلند ترین حاصل شدہ پیداواری نشانہ اس وقت تک رہا تھا۔ سنہ ۹۳-۱۹۹۲ء اور سنہ ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران چاول کی سب سے زیادہ پیداوار ملک کی اسی ریاست میں ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مغربی بنگال نے سنہ ۸۳-۱۹۸۰ء اور سنہ ۹۲-۱۹۸۹ء (سہ سالہ مدتیں ختم ہوئیں) کے درمیان ملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں غذائی اجناس کی پیداوار میں بلند ترین سالانہ شرح نشوونما حاصل کی تھی۔ چند ریاستوں کی صورتحال کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

ریاستوں کے نام	۸۳-۸۰ء اور ۹۲-۸۹ء کے درمیان سالانہ مرکب شرحِ نشوونما
۱: بہار	۳٫۳۸
۲: اڑیسہ	۴٫۳۲
۳: پنجاب	۴٫۲۷
۴: تامل ناڈو	۲٫۹۹
۵: کرناٹک	۱٫۲۲
۶: اترپردیش	۳٫۶۹
۷: ہریانہ	۲٫۲۸
۸: بنگال	۶٫۲۸
ہندستان	۳٫۰۶

اگرچہ سنہ ۸۷-۱۹۸۶ء کے دوران یہاں موسم نہایت ہی ناموافق رہے اور بہت ساری قدرتی آفات بھی آئیں تاہم مغربی بنگال پورے ملک میں سب سے زیادہ چاول پیدا کرتا رہا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران اس میدان میں مغربی بنگال تیسرے نمبر پر تھا۔

مغربی بنگال میں چاول کی پیداوار اور زرخیزی کی بابت ذیل میں ایک ایسا جدول پیش کر رہا ہوں جو اس امر کو واضح کرے گا کہ ہم لوگوں نے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء تا سنہ ۹۲-۱۹۹۱ء کے دوران بلند ترین مرکب شرح نشوونما حاصل کیا تھا :

ریاستوں کے نام	پیداوار (٪) کی شرحِ نشوونما	زرخیزی (٪) کی شرحِ نشوونما
۱: اڑیسہ	۴٫۸۱	۲٫۴۸
۲: اترپردیش	۳٫۷۰	۲٫۶۷
۳: پنجاب	۲٫۴۴	۰٫۲۷
۴: تامل ناڈو	۲٫۲۸	۲٫۷۳
۵: بہار	۱٫۸۳	۱٫۴۲

۶: ہریانہ	۱٫۷۸	۰٫۴۷
۱۷: مغربی بنگال	۳٫۷۹	۲٫۹۳
ہندستان	۴٫۱۲	۱٫۷۳

یہاں آلو اور تیل کے بیج کی پیداوار اور زرخیزی میں بھی نمایاں کامیابی ملتی رہی ہے۔ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران ریاست میں آلو کی جملہ پیداوار ۱۹٫۱۰ لاکھ ٹن رہی۔ سنہ ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران آلو کی پیداوار ۵۰٫۱۵ لاکھ ٹن رہی۔ آلو کی پیداوار میں ہم لوگ خودکفیل ہی نہیں رہے ہیں بلکہ ہم لوگوں نے ضرورت سے کافی زیادہ آلو پیدا کیا ہے۔ بدقسمتی سے سنہ ۱۹۵۹ء میں حکومتِ ہند نے اس ریاست سے ملک کی دیگر ریاستوں میں آلو کی سپلائی پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ مذکورہ پابندی عائد کرنے کے سلسلہ میں حکومتِ ہند نے دارجلنگ کے ضلع میں آلو کے گومڑی مرض کو عذر بنایا ہے۔ ریاستی حکومت مذکورہ پابندی اٹھانے کے لئے حکومتِ ہند کے سامنے اپنی تجویز رکھ چکی ہے۔

سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران تیل کے بیج کی پیداوار ۰٫۹۸ لاکھ ٹن ہوئی تھی اور ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران مذکورہ پیداوار ۴٫۲۶ لاکھ ٹن ہوئی ہے۔ یہ ہماری زبردست کامیابی ہے۔

دستیابِ آبپاشی کے پس منظر میں مذکورہ بالا کامیابی کا موازنہ کرنا چاہئے۔ پنجاب میں گروس آبپاشی کوریج ۹۹ فیصد رہا ہے جبکہ بنگال میں مذکورہ کوریج ۴۲ فیصد رہا ہے۔ مذکورہ بالا کامرانیاں بنیادی طور پر درج ذیل چار وجوہات کی بنا پر ممکن ہو پائی تھیں:

الف: اصلاحاتِ اراضی کی کامیاب عمل درآمد۔

ب: کسانوں کی جانب جدید ٹکنالوجی کی مؤثر منتقلی۔

ج: کسانوں کو اعلیٰ معیاری زرعی ساز و سامان کی عین وقت پر دستیابی یہ ساز و سامان بیج، کھاد اور زرعی مشینری پر مشتمل ہیں

د: بایں لحاظ حکومت زرعی پیداوار کے میدان میں اس ریاست کو خودکفیل بنانے کے سلسلے میں اسکی پیداوار اور زرخیزی کو بڑھانے کیلئے کسانوں کو راغب کر پائی ہے۔

سنہ ۱۹۸۰ء سے قبل ہر سال ریاست کو دیگر ریاستوں سے تقریباً ۴۰٫۰ کروڑ روپے لاگت کے مختلف بیج درآمد کرنا پڑتا تھا۔ بیجوں کی پیداوار کے میدان میں اس ریاست کو خودکفیل بنانے کے لئے اور اس

ریاست کی کثیر رقم کو باہر جانے سے روکنے کے لئے ریاستی حکومت نے اپنا ایک ریاستی بیج کارپوریشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور مغربی بنگال ریاستی بیج کارپوریشن کا قیام نومبر سنہ ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا۔ آج ڈبلو بی ایس کارپوریشن ایک ایسی تنظیم ہے جس پر یہ ریاست ناز کر سکتی ہے۔ مذکورہ بیج کارپوریشن صرف معیاری بیج کو پیدا اور اس کی تقسیم نہیں کر رہا ہے بلکہ ترقی پسند کسانوں کو اپنے استعمال کے لئے اعلیٰ معیاری بیج پیدا کرنے کی ترغیب بھی دے رہا ہے۔

اس ریاست کی ضرورت کو پورا کرنے کے بعد ڈبلیو بی ایس ایس سی اب دیگر ریاستوں کو بیج برآمد بھی کر رہی ہے۔ امسال حکومتِ ہند نے ڈبلو بی ایس ایس سی سے گزارش کی ہے کہ وہ شمالی مشرقی ریاستوں کو بیج فراہم کرے۔

بازار میں ڈالنے سے پہلے بیجوں کی پروسیسنگ کے لئے بیج کارپوریشن اپنی دو بڑی صلاحیت والی بیج پروسیسنگ یونٹیں قائم کر چکی ہے۔ دو یونٹوں کے قیام — ایک بردوان میں اور دوسرا مدناپور میں — عمل میں آچکا ہے۔ مدناپور کی یونٹ کا افتتاح بہت جلد ہی معزز وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں ہونے والا ہے۔

ڈبلو بی ایس ایس سی ریاست کی نہایت ہی چنندہ اور منافع بخش انڈرٹیکنگس میں سے ایک ہے۔ ہر سال یہ ریاستی ایکس چیکر کو منافع ادا کر رہی ہے۔ ذیل میں درج جدول ڈبلیو بی ایس ایس سی کی مالی صورتحال کا ایک واضح خاکہ پیش کرتا ہے:

	سنہ ۹۰-۱۹۸۹ء لاکھ روپے میں	سنہ ۹۳-۱۹۹۲
بکری کا ٹرن اوور	۹۳۰٫۹۴	۱۳۶۰٫۱۴
منافع مع ٹیکس	۹۸٫۰۵	۱۴۴٫۸۴
ٹیکس	۵۰٫۴۴	۷۰٫۰۰
ٹیکس نکالنے کے بعد منافع	۴۷٫۶۱	۷۴٫۸۴

حکومتِ ہند نے عالمی بینک پروجیکٹ کے قومی بیج پروجیکٹ میں شرکت کے لئے ڈبلیو بی ایس ایس کا انتخاب کیا ہے۔ مذکورہ پروجیکٹ کے عملی منصوبہ کو منظوری مل چکی ہے اور مذکورہ بینک کو جمع دینے سے

ںذکورہ پروجیکٹ رپورٹ فی الحال زیر ترتیب ہے۔ حکومت ہند
الیس پی ۔ III کے تحت ۰۰ر۴ر۲۷ لاکھ روپے بطور عطیہ ڈبلو بی ایس الیس کا
ڈ کے نام سے جاری کر چکی ہے ۔ ہم لوگ امید کرتے ہیں کہ این الیس پی III
مکمل ہو جانے کے بعد مغربی بنگال ریاستی بیج کارپوریشن آج جتنی تیار ہی
رہی ہے اس کی دگنی مقدار تیار کرنے کی اہل ہو جائے گی اور اس
ست کو بیجوں کی فراہمی کے لئے کسی دوسری ریاست پر انحصار کرنے
ضرورت نہیں پیش آئے گی ۔

حکومتِ ہند نے گیٹ سمجھوتے کی دفعہ ٹریس کے مطابق پلانٹ
نٹیز ایکٹ نافذ کرنے کی تجویز رکھی ہے ۔ المختصر مجوزہ ایکٹ کا مقصد
ادر ائٹیز کے ڈیولپرس کے حقوق کو تحفظ بخشنا ہے ۔ حکومت ہند کا
ال ہے کہ حقوق کے مذکورہ تحفظ پلانٹ بریڈنگ اور ریسرچ میں
سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کریں گے اور پبلک اور پرائیویٹ دونوں
سیکٹروں میں تحقیق و ترقی کے میدان میں مقابلہ کی فضا بھی پیدا کریں
۔ ہم لوگ اس بات سے متفق نہیں ہیں ۔ ہم لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے
بیجوں کی دستیابی کو حریت پسند بنانے کے بجائے حکومت ایک ایسا
نت گیر اور مشکل نظام قائم کرنے کی تجویز رکھ رہی ہے جو ہمارے چھوٹے
رحاشیائی کسانوں کو اعلیٰ معیاری بیجوں سے محروم رکھے گا ۔ بیج کی قیمت
ھ جائے گی، اجارہ داری والے چھوٹے قطعات آراضی اپنی دلیا بلیتی کھو دیں
، اور جو کچھ ہم لوگوں نے آراضی کے سلسلے میں کیا ہے وہ سب کے سب اپنا
مفہوم کھو دیں گے ۔ عام کسانوں کی دلچسپی زراعت میں نہیں رہے گی اور
اپنی زمینوں کو ان امیروں کے ہاتھ پٹہ پر سونپ دیں گے جو آخر کار
راعت پر پورے طور پر قابض ہو جائیں گے اور اس طرح ملک کی معیشت
پر ان کا تسلط ہو جائے گا ۔ چھوٹے اور حاشیائی کسان جو فی الحال مغربی
بنگال میں ۹۰ فیصد قطعات آراضی کے مالک ہیں جن کی حیثیت گھٹ
ایک معمولی رینٹیر کی ہو جائے گی اور زراعت بڑی تجارت کا دنگل بن
جائے گا ۔

مغربی بنگال کے معزز وزیر اعلیٰ نے معزز یونین زراعتی وزیر سے گزارش
کی ہے کہ وہ اس مسئلہ پر ایک حتمی نظریہ قائم کرنے سے پہلے قومی زرعی
کونسل جیسے ایک موزوں فورم کے تحت مذکورہ مسئلہ پر بحث و مباحثہ کا
انعقاد کریں گے ۔

سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار کے میدان میں ایک خاموش تبدیلی رونما
ہو رہی ہے ۔ ہماری کل پیداوار ۰۰۰ ٹنوں میں بالترتیب ۱۷۴۶۹۳۹۶۲ اور
۱۰۷۸ ٹن ہیں (ماخوذ از پلاننگ کمیشن، جی او آئی) ۔ ہمارے پھلوں، پھولوں،
تعلب معروں (جڑی بوٹی) اور سبزیوں کی فروخت پٹنہ، دہلی، بمبئی اور یورپ
کے بازاروں میں بھی ہوتی ہے ۔

مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ ہم لوگ دھان اور
سرسوں کے بیج کے میدان میں خود کفیل ہیں ۔ سرسوں کے بیج کی بی ۔ ۹
(بی ۔ نو) قسم جیسے برہم پور میں واقع نیل کے بیجوں اور دالوں کے تحقیقی
مراکز میں ہمارے سائنس دانوں نے دریافت کیا ہے، کی کاشت اس
ریاست کے سرسوں اگانے والے علاقوں پر ۹۰ فیصد ہوتی ہے ۔ بی ۔ ۹ کی
کاشت بڑے اعلیٰ اسکیل کی کی جاتی ہے ۔ ہم لوگ فی الحال اپنی ہمسایہ
ریاستوں کو مذکورہ بیج برآمد کر رہے ہیں ٭٭

بنگال پوٹاریز کے احیائے نو کیلئے برٹش کمپنی کی تجویز

برٹش نژاد ڈاٹسن گروپ نے بند بنگال
پوٹاریز کو دوبارہ کھولنے کے سلسلے میں اپنی
دلچسپی کا اظہار کیا ہے ۔ اس گروپ
کے نمائندوں کی ایک ٹیم بشمول ایان
ڈاٹسن، ایلکس ڈاٹسن اور امیئر گپتا
نے گزشتہ ۲۰ فروری کو ریاستی وزیر
اعلیٰ شری جیوتی باسو سے ملاقات کی اور
اس سلسلے میں ان سے تبادلہ خیال کیا ۔
شری باسو نے اس میٹنگ میں ان سے اس
موضوع پر مکمل تجویز پیش کرنے کی درخواست
کی ۔ واضح رہے کہ بدقسمتی سے ۷۴ سالہ قدیم بنگال
پوٹاریز گزشتہ ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء سے بند ہے ٭٭

اردو تھیٹر اکیڈمی کے زیرِ اہتمام کلکتہ انٹر اسکول ڈراموں کا مقابلہ

اردو تھیٹر اکیڈمی اور بھارتیہ بھاشا پریشد کی سرپرستی کے زیر اہتمام کلکتہ انٹر اسکول اردو ڈراموں کا مقابلہ یکم فروری ۹۵ء کی صبح گیارہ بجے بھارتیہ بھاشا پریشد کے ہال میں ہوا۔ جس میں اسلامیہ ہائی اسکول، اے جی سی اسکول اور سیفی ہال اسکول نے حصہ لیا۔

انٹر اسکول ڈراموں کے مقابلے کی تقریب کے پروگرام کا تعارف کراتے ہوئے اکیڈمی کے سکریٹری حیدر علی خاں نے بتایا کہ پچھلے چار سال سے تھیٹر اکیڈمی اردو ڈراموں کے مقابلے کا انعقاد کرتی آرہی ہے تاکہ ملک کی دیگر زبانوں کے ڈراموں کی طرح اردو ڈراموں کو بھی ترقی ملے اور ساتھ ہی ایک مضبوط پلیٹ فارم ملے جہاں سے اردو ڈرامہ گروپ بھی اپنے بہترین فن کا بھرپور مظاہرہ کر سکیں۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر اردو تھیٹر اکیڈمی نے دو بار بنگال پیمانے پر سولہ ڈرامہ گروپوں کو موقع فراہم کیا اور جس میں بہترین اسکرپٹ کے ساتھ ہی بہترین فنکاری اور صلاحیتوں کو مؤثر ڈھنگ سے پیش کر کے موجود لوگوں سے داد و تحسین وصول کی۔ مزید بر آں اس نے اپنی ڈائرکشن، بیان، مکالمے، اداکاری اور اسٹیج کرافٹ میں شب کے ذریعہ یہ امید دلائی کہ اگر انہیں اسی طرح مواقع ملتے رہے اور ہمت افزائی ہوتی رہی تو یقیناً اردو ڈرامہ ملک کی دیگر زبانوں کے ڈراموں سے بہت پیچھے نہیں رہے گا۔ کلکتہ انٹر اسکول اردو ڈرامہ مقابلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کے ذریعہ بالکل نچلی سطح پر (گراس روٹ لیول) اردو ڈراموں کی آبیاری کی جا رہی ہے۔ اس پہلے مقابلے میں جس طرح کی دلچسپی اردو اسکولوں نے دکھائی ہے وہ خوش آئند ہے اور اس سے امید بندھی ہے کہ اردو ڈراموں کو نچلی سطح پر بھی کامیابی ملے گی جو آگے چل کر تناور درخت بننے کا سبب بن سکتا ہے۔ جہاں خصوصی پروفیسر انم سامنت (رابندرا بھارتی) نے ڈرامے سے متعلق بڑی سیر حاصل گفتگو کی، وہیں انہوں نے بھی اس یقین کا اظہار کیا کہ اردو ڈرامہ اسی منظم طریقے سے ہوتا رہا تو اس کی ترقی کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس کے بعد چار اسکولوں میں سے تین کی طرف سے بہت ہی خوبصورت، معیاری اور مقصدی ڈرامے پیش کیے گئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول کی جانب سے بلیک سنڈے پیش کیا گیا جو اپنی تھیم ورک اور تھیم کی وجہ سے ناظرین کو بالکل باندھے رکھا۔ اے جی سی اسکول کی طرف سے "پرومیتھس کی سزا" پیش کیا گیا جسے بنگلہ میں رودر پرشاد چکرورتی نے لکھا ہے جسے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ڈرامہ کاسٹیوم پلے ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پیغام میں انفرادیت لئے ہوئے تھا۔ بچوں نے اپنی استطاعت کے مطابق خوبصورت اداکاری کا نمونہ پیش کیا۔ تیسرا ڈرامہ سیفی ہال اسکول کے بچوں نے "آج کے طلباء" کے عنوان سے پیش کیا اور خوب پیش کیا۔ کہانی لیاقت حسین تشنہ کی تھی۔ آخر میں نتیجے کا اعلان ہوا۔ مقابلے کے پروگرام کی صدارت جناب ایم ایم شیخ نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے رابندرا بھارتی کے پروفیسر انم سامنت اسٹیج پر موجود تھے۔ اردو ڈراموں سے قلبی لگاؤ رکھنے والے جناب بدر الحسن صاحب نے جیوری جج کے فرائض انجام دئے اور ان کے ساتھ محترمہ امیتا چکرورتی (رابندرا بھارتی) اور شری نرمل گنگولی (رابندرا بھارتی) نے عمومی جج کے فرائض نبھائے۔ نتائج: بہترین اداکار (اول) مدثر ظفر۔ نواب صاحب کے کردار میں۔ ڈرامہ "آج کے طلباء" (دوم) (۱) محمود عالم استاد کے کردار میں ڈرامہ بلیک سنڈے۔ (۲) محمد آفتاب عالم حمود اے کردار میں۔ ڈرامہ بلیک سنڈے۔ (سوم) محمد رضوان عالم نواب صاحب کے بیٹے کے کردار میں۔ ڈرامہ آج کے طلباء۔

مجموعی بہترین پیش کش۔ ڈرامہ بلیک سنڈے

بہترین کہانی۔ ڈرامہ بلیک سنڈے

بہترین ہدایت: اسلامیہ ریپرٹری

بہترین چائلڈ آرٹسٹ: محمد سمیر علی۔ کنٹھ لاکے کردار میں

محمد آصف علی خاں۔ پرانشر کے کردار میں

(ڈرامہ پرومیتھس کی سزا)

خصوصی جیوری ایوارڈ: شمشاد وارث۔ ڈرامہ: بلیک سنڈے •

مغربی بنگال

یکم مارچ ۱۹۹۵ء

17/4/95

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۲ ★ یکم مارچ ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۵

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا
مدیر معاون : محمد مصطفےٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپے
نصف سالانہ : پانچ روپے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :
بزنس منیجر ا
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
۵ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱
فون : 221-4295
★ پرچہ کی خریداری کیلئے رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
فون : ... Ext 710

ترتیب

”مرکزی پالیسی کے نتیجے میں بچے نظر انداز ہو رہے ہیں“

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

شری جیوتی باسو کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے۔

”مرکزی حکومت جس پالیسی کے ساتھ چل رہی ہے اس سے غریبی میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں بچوں کے سماجی تحفظ کا سوال بھی نظر انداز ہوا ہے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۱۵ فروری ۹۵ء کو کلکتہ کارپوریشن میں کل ہند میئر کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ملک کے منصوبے صرف ۱۵ تا ۲۰ فیصد لوگوں کیلئے تیار کئے جا رہے ہیں، باقی عوام کے بارے میں سوچا نہیں جا رہا ہے۔ غریبی، بے روزگاری اور دوسرے سماجی مسائل بڑھ رہے ہیں اور ابھی بھی بچہ مزدور کا مسئلہ رہ گیا ہے۔ ملک کے ۸ویں منصوبے کے بعد بھی ۴۰ فیصد عوام اب بھی غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے مزید کہا کہ اس ریاست میں بچوں کی ترقی کے لئے آئی سی ڈی اسکیم پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت کی طرف سے ان کاموں کیلئے ممکنہ امداد دی جا رہی ہے لیکن صرف سرکاری سطح پر کام کافی نہیں ہے۔ رضاکار اداروں کو بھی سامنے آنے کی ضرورت ہے۔ یونیسیف سمیت بہت سے ادارے اس سلسلے میں ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ —— اس دو روزہ کل ہند میئر کانفرنس میں مختلف شہروں سے میئروں نے حصہ لیا۔ کانفرنس میں دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم، غذائیت کی کمی کے باعث ہونے والی بیماریاں، بچوں کے جرم اور دیگر موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوا۔ مباحثہ کا عنوان تھا ”میئر بچوں کے محافظ ہیں“۔

وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم مختلف خدمات کے ذریعہ سماج کے کمزور طبقہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں میگا سٹی کا جو پروگرام لیا گیا ہے اس کا بھی یہی مقصد ہے۔ ہم تعلیم، تندرستی، خود روزگاری وغیرہ کے پروگراموں کے ساتھ ۲۰ لاکھ عوام تک پہنچ پائے ہیں۔

وزیر بلدیاتی امور شری اشوک بھٹاچاریہ نے کہا کہ اس ریاست کے بلدیاتی علاقوں میں بچوں کی ترقی کے لئے پروگرام لئے گئے ہیں۔ خصوصی طور پر تعلیم، حفظانِ صحت اور حفاظتی اقدامات پر زور دیا گیا ہے۔ بچوں کی ترقیاتی اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے میئروں کو نمایاں کردار ادا کرنا ہوگا۔

اس افتتاحی تقریب میں وزیر برائے سماجی رفاہ شری وشوناتھ چودھری، ممتاز تاریخ داں شری ہیرن مکھرجی اور آل انڈیا کاؤنسل آف میئر کے صدر اور امرتسر کے میئر شری اوم پرکاش سوفی اور دیگر ممتاز شخصیتوں نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ ❖❖

زمین دوز ریل کی ایک اور نئی سروس کا افتتاح

شہر کے اتر اور دکھن ایک دوسرے کے قریب تر ہو گئے ہیں

زمین دوز ریل کے [illegible] اسٹیشنوں کی افتتاحی تقریب [illegible] مرکزی وزیر شری اجیت پانجا، ریاستی وزیر شری شیامل چکرورتی، میئر پرشانت چٹرجی، شریمتی ممتا بنرجی

کلکتہ میں میٹرو ریل کے چالو حصوں کی سروس [illegible] تک [illegible] ملک سے [illegible] ہے۔ ریاستی [illegible] ریل شری [illegible] گزشتہ ۱۹ [illegible] میں شیام بازار سے گریش [illegible] میں جانے کے لئے سنٹرل اسٹیشن تک مسافروں کیلئے [illegible] کا افتتاح کرتے ہوئے کہی [illegible] اور مغربی بنگال کے عوام کا شکریہ ادا کیا۔ اتر اور دکھن کو جوڑنے کے لئے گریش پارک، سنٹرل اسٹیشن کے درمیان [illegible] کیلو میٹر کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔ [illegible] سال رواں کے آخر تک یہ باقی فاصلہ بھی ختم ہو جائے گا۔

اس موقع پر مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ان کے علاوہ اس تقریب میں مرکزی وزیر شری اجیت کمار پانجا، ریاستی وزیر نقل و حمل شری شیامل چکرورتی، کلکتہ کے میئر شری پرشانت چٹرجی، میٹرو ریل کے جنرل منیجر شری ایس کے گپتا، ریلوے بورڈ کے چیئرمین شری اشوک بھٹناگر اور دیگر اہم شخصیتیں بنفس نفیس موجود تھیں۔

اس تقریب کی صدارت وزیر کوئلہ شری اجیت کمار پانجا نے کی۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی تقریر میں کہا کہ کلکتہ کے عوام نے اپنے زبردست صبر کا مظاہرہ کیا ہے، بہت دکھ تکالیف سہنے کے

نے اس پروجیکٹ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بھرپور تعاون کیا ہے۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے اس کے بہتر انتظام کے لئے مشورہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ پروجیکٹ مکمل ہو جانے کے ساتھ ریاستی حکومت اور میٹرو ریلوے کے حکاموں کو ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھتے ہوئے شہر کے نقل و حمل کے نظام کو بہتر بنانے میں مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ شروع میں اس پروجیکٹ کے لئے بیرونی امداد لینے کی بات آئی تھی لیکن آخر میں اس پروجیکٹ کو ہمارے انجینئر اور ٹکنیکل اسٹاف اور مزدوروں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ انہیں استعمال میں لایا جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سُنا جا رہا ہے کہ ریل ویگن بیرون ملک سے لایا جا رہا ہے لیکن کیوں؟ ہمارے ملک میں اس کے تشفی بخش کارخانے ہیں۔ ریل انجن تیار کرنے کے باصلاحیت کارخانے جیتر نجن لوکوموٹیو کو علیحدہ کر کے ہم ریل انجن کیوں باہر سے لائیں گے۔ وزیر اعلیٰ نے میٹرو ریل کے صاف ستھرے ماحول کا سراہنا کیا۔

وزیر نقل و حمل شری شیامل چکرورتی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ٹالی گنج سے گوڑیا تک میٹرو سروس کی توسیع کے لئے دلی رائٹس ادارے کو سروے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ اس نے اپنی پہلی رپورٹ میں بتایا کہ اس کی تعمیر میں ۳۲ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی۔ اس لاگت کا ایک حصہ ریاستی حکومت خرچ کرنے کیلئے راضی ہے۔

کلکتہ کارپوریشن کے میئر شری پرسنا چٹرجی نے کہا کہ میٹرو پروجیکٹ کو روبہ عمل لانے کے دوران شہر کے باشندوں نے بسا اوقات ناقابلِ برداشت تکالیف جھیلی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ آخر میں ہم سبھوں کو خوشی ہے کہ میٹرو ریل پروجیکٹ قریب الاختتام ہے۔

اس سے قبل کلکتہ میٹرو ریل سروس ۱۳٫۱۲ کیلو میٹر چالو تھی جو اب توسیع پا کر ۶۵٫۱۴ کیلو میٹر ہو گئی ہے۔ پروجیکٹ میں مکمل فاصلہ ۱۶٫۴۵ کیلو میٹر کا ہے جو گرلیش پارک اور سنٹرل اسٹیشن کے درمیان ۰٫۸ کیلو میٹر کی سروس شروع ہونے کے بعد مکمل ہو جائے گی۔

ہندوستان میں سب سے پہلے کلکتہ میں میٹرو ریل پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد ۱۹۷۲ء میں رکھا گیا۔ ملک میں میٹرو کی پہلی سروس ۲۴ راکتوبر ۱۹۸۴ء کو دھرمتلہ سے بھوانی پور تک کی مسافت کے لئے شروع ہوئی جس کا فاصلہ ۳٫۴۰ کیلو میٹر تھا۔ ۱۹۸۶ء میں اسے بڑھا کر ٹالی گنج تک ۴٫۲۴ کیلو میٹر کے فاصلہ کی سروس شروع کی گئی۔ ۱۹۹۴ء میں دمدم سے شیام بازار تک اور پھر اکتوبر ۱۹۹۴ء میں دھرمتلہ سے چاندنی چوک تک کی سروس شروع کی گئی۔ اس نئی سروس کے آغاز کے بعد کل ۱۷ اسٹیشنوں میں سے ۱۶ اسٹیشن چالو ہو گئے ہیں۔

واضح ہو کہ شروع میں میٹرو ریل پروجیکٹ کی لاگت تھی ۱۴۰ کروڑ روپئے جو آج کے حساب کے مطابق بڑھ کر ۱۳ کروڑ روپے تک پہنچ گئی ہے ۔۔

گن آرکسٹرا کے زیر اہتمام منشیات مخالف کیمپ

بالی کے گن آرکسٹرا نے طلباء کے اندر بیداری لانے کیلئے ایک مہم شروع کی ہے اور اس سلسلے میں گزشتہ ۱۱ فروری ۹۵ء کو بالی بنگیہ شیشو بالیکا ودیالیہ میں ایک کیمپ کا انعقاد کیا گیا جہاں کل ملا کر ۵ سو طالب علموں، ٹیچروں، گارجین حضرات نے شرکت کی۔ اس کیمپ کا افتتاح آئی ایم اے کے ڈاکٹر سنیل چٹرجی نے کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں آئی ایم اے کی سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیا۔ مشہور طبیب ڈاکٹر کونل راجن ولھر اور ڈاکٹر شنکر پرشاد بھٹاچاریہ نے بھی منشیات اور ان کے مضر اثرات پر روشنی ڈالی۔ پچھم بنگا وگیان منچ، بالی ٹاون کے سکریٹری شری راجیو سانیال نے منشیات کے دھندے میں سامراجی ہاتھوں کی شمولیت کا ذکر کرتے ہوئے منشیات کی لعنت کیخلاف تحریک میں پہلے شہید دلیپ منڈل کی موت پر اظہارِ تعزیت کیا۔ صوفی بی۔ آر انصاری نے بھی سرکاری حکاموں کی طرف سے منشیات کی لعنت کے خلاف کئے گئے اقدامات کا بالطور خاص ذکر کیا۔ اسکول کی ہیڈ ٹیچر شریمتی شیکھا بندوپادھیائے نے اس تقریب کی صدارت کی۔

تقاریر کے بعد گن آرکسٹرا کے زیر اہتمام ایک ڈرامہ "نا" اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامہ کے مصنف ہیں شری کرشنا کمار گھوش جس کی ہدایت بسمر چودھری نے دی ۔۔

یکجہتی ـــــ ہماری قومی بیداری کی علامت

● پی بی ٹھاکر

بھارت تقریباً نصف صدی سے ایک آزاد اور جمہوری ملک رہا ہے اس کی تاریخ اور تہذیب تقریباً ۵۰۰۰ سال پرانی ہے جو مختلف قسم کے چیلنجوں سے ہو کر گزری ہے۔ بعض اوقات ہم نے ان کا سامنا کیا ہے لیکن صدیوں سے ملک مستحکم رہا ہے۔

آزادی کے ۴۷ برسوں کے دوران ثابت ہو گیا ہے کہ ملک میں قائم رہنے اور آگے بڑھنے بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

ثقافت کا امتزاج :

بھارت کی ثقافت امتزاج پسند ثقافت ہے مختلف ثقافتیں اور مذاہب ہمارے قومی زندگی کے دھارے میں مل گئے ہیں۔ زمانہ قدیم سے ہماری سماج لوچ کے لحاظ سے گوناگوں رہا ہے جس میں سب کے لئے عبادت اور اظہار رائے کی آزادی کو یقینی بنایا گیا ہے۔ مذاہب زبان اور نسل کے لحاظ سے بھی گوناگوں ہے ہمارے یہاں ۱۸ تسلیم شدہ زبانیں ہیں جو شاید کسی ملک کے لئے سب سے زیادہ تعداد ہے۔ خود اپنے طریقے سے ترقی پانے کے لئے مقامی ثقافتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے بلکہ اس قسم کے مظاہروں سے بھارتی سالمیت تنگ نظری کا شکار نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

بھارت کے نظام حکومت کو سیکولر جمہوریت قرار دیا جاتا ہے۔ ایک شہری کی نجی زندگی میں بلا شبہ مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن مملکت اور مذہب ایک دوسرے سے مدغم ہوتے نہیں ہیں

وقتی اختلاف رائے :

اگرچہ ہمارے مقاصد اعلیٰ ہیں لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ کبھی کبھی اختلاف رائے بھی پیدا ہو جاتا ہے جو نسلی، مذہبی اور لسانی جھگڑوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لیکن اس قسم کی باتوں سے ہمیشہ کسی لوگوں کو بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔

گزشتہ ۴۷ برسوں کے دوران اگرچہ ملک نے اقتصادی ترقی اور جدید کاری کے سلسلے میں بہت زیادہ پیش رفت کی ہے لیکن اس کے لاکھوں لوگ اب بھی غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بھارتی رہنما اس بات سے پوری طرح باخبر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو اور ان کے بعد شریمتی اندرا گاندھی نے پیداوار کے ذرائع اور مالی اداروں پر سماجی کنٹرول کے ایک عمل کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ انہوں نے قومی دولت کی مساوی تقسیم کرنے کا کام بھی شروع کیا تھا۔

قومی یکجہتی :

کچھ عرصے سے لوگوں کے مختلف گروپوں میں مذہبی پہچان کے نام پر فرقہ پرستی کا نظریہ پیش کرنے کا بڑھتا ہوا رجحان دیکھنے میں آیا ہے۔ نسلی جھگڑے، زبان پرستی کا اظہار اور خود اپنے انتظامیہ میں رائے دینے کے زیادہ سے زیادہ حق کی مانگ ملک کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ کچھ علاقوں میں اس قسم کے علاقائی جذبات کا اظہار تشدد اور سرکشی کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی مانگیں پیدا ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری ترقی اب تک متوازن نہیں رہی ہے۔ ایک طرف کچھ علاقوں میں ترقی ہوئی ہے تو دوسری طرف دیگر علاقوں میں معیشت ساکن رہی ہے جس کے نتیجے میں وہاں کے لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس عدم توازن اور اقتصادی عدم مساوات کو ختم کرنا ہوگا۔ ہمارے آئین کے ڈھانچے کے اندر خود اپنی پسند کے انتظامیہ کے لئے لوگوں کی سیاسی آرزو کو یقینی بنانا ہوگا۔ قومی یکجہتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو صرف نعروں اور تقریروں سے پیدا کی جائے۔ اس کو عوام کے دلوں میں پیدا کرنا ہوگا۔

ہمارے وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ اس بات سے پوری طرح باخبر ہیں اسلئے انہوں نے حال ہی میں یہ اظہار خیال کیا ہے "مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس عام فہم کی بحالی کی واضح علامتیں نظر آ رہی ہیں جو ہمارا ورثہ ہے لوگ ترقی، ہوش و حواس، ہم آہنگی کی راہ پر واپس آ رہے ہیں۔" (پی آئی بی)

جنگلات اور آب و ہوا کے ظہور ترتیب کی ہماری زندگی میں اہمیت

بہار برنی

صاف ستھری آب و ہوا فعال اور صحت مند زندگی کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔ صاف ہوا میں زندگی سانس لیتی ہے اور پانی اس کی نشو ونما کرتا ہے اور یہ دونوں ضرورتیں ایسی ہیں جنہیں پورا کرنے میں جنگلات، باغات اور پودے بنیادی رول ادا کرتے ہیں لیکن یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ان سوتوں کو خشک کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جس تازہ ہوا میں سانس لے کر ہم اپنے جسم کو آکسیجن پہنچاتے ہیں اسی ہوا میں نائٹروجن کو اپنے جسم میں واپس کرتے ہیں اور جنگلات، باغات، پیڑ پودے اس نائٹروجن کو پھر آکسیجن میں بدل کر ہمیں واپس کر دیتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ زمین کی زرخیزی اس پانی کی بدولت نظر آتی ہے جس کے ذخائر ہمیں جنگلات ہی کے سبب میسّر آتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم جنگلات کو کاٹ کر میدانوں کو چٹیل اور پہاڑوں کو بے لباس بنا دیتے ہیں۔ اس طرح تازہ اور صاف و شفاف پانی کے چشموں اور جھرنوں کو پہاڑوں سے میدانی علاقوں کی طرف آنے سے روک دیتے ہیں اور محسوس بھی نہیں کر پاتے کہ ہم زندگی کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ صاف ہوا اور صاف پانی قدرت کے یہ دو عطیات ایسے ہیں جو زندگی کو خواہ وہ انسانی زندگی ہو یا حیوانی یا پھر خود نباتاتی رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ صاف ہوا اور پانی زندگی کے عناصر ترتیبی کو فعال رکھنے کی ضمانت ہیں جن کے بغیر ترقیات کی طرف قدم بڑھانا ممکن ہی نہیں ہے۔ معاشی وسائل کو بڑھانے، قحط سالی کو روکنے اور ترقیات کے میدان میں قدم آگے بڑھانے کے لئے زندگی کے ساتھ جنگلات کے تعلق کا ادراک ضروری ہے اور دراصل یہی وہ تعلق ہے جو ہمیں جنگلات کے تحفظ اور مسلسل شجر کاری کے لئے دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام تنہا حکومت کے کرنے کا نہیں ہے۔ ہر فرد کی جس کی بیشتر ضرورتیں جنگلات، باغات اور نباتات پورا کرتی ہیں، یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کی فضا کو آلودگی سے پاک رکھنے کیلئے نہ صرف درختوں اور پودوں کا تحفظ کرے بلکہ شجر کاری کر کے ان میں اپنی بساط کے مطابق اضافہ کرے ـــــ ہمارے بزرگوں کو شاید اس ضرورت کا احساس تھا اسی لئے وہ آبادیاں بساتے وقت نہ صرف آبادیوں کے اندر بلکہ اس کے نواح میں باغات لگاتے تھے کھیتوں کی مینڈھوں پر ایسے درخت لگاتے تھے جو ان کے ایندھن اور تعمیر کی ضرورتوں کے کام آسکیں۔ پہاڑوں اور ترائیوں کے جنگلات محفوظ رہتے تھے۔ لکڑی ہماری ضرورت تو تھی کوئی مسئلہ نہیں تھی۔

جنگلات کی حفاظت کرنا، درخت اور پیڑ پودے لگانا، جنگلوں کی کٹائی سے ننگی ہونے والی پہاڑیوں کو پھر سے شاداب بنانے کی کوشش کرنا حکومت کے لئے ایک قومی اور تکنیکی مسئلہ ہے لیکن ایک عام آدمی کے لئے ان کی حیثیت ایک شہ رگ کی سی ہے۔ ایک عام آدمی کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ جنگلات سے اسے صرف لکڑی نہیں ملتی بلکہ درختوں کے پھل پھول، ان کی چھال، گودا اور ان کے تنوں سے ملنے والا رس اس کی زندگی کی ہر ضرورت میں کام آتا ہے۔ پاؤڈر کریم اور لپ اسٹک سے لے کر صابن اور تیل تک یونانی اور آیورویدک دواؤں سے لے کر انگریزی ادویات تک فرش اور قالین سے لے کر فرنیچر تک اس کی ہر ضرورت جنگلات، باغات اور پودوں سے پوری ہوتی ہے۔ یہی جنگلات جب پہاڑوں میں ہوتے ہیں تو پہاڑوں کی مٹی کو بہنے سے روکتے ہیں۔ جھرنوں اور چشموں کو جنم دیتے ہیں۔ ترائی والے علاقوں میں ہوتے ہیں تو پہاڑوں سے میدانوں کی طرف بہنے والے بارش کے پانی کو مصفّٰی اور مجلّٰی کر کے ندیوں، دریاؤں اور جھیلوں کی شکل میں ہم تک پہنچاتے ہیں۔ یہی پانی جو کرۂ ارض پر موجود پانی کا تین فیصد ہے ہمارے پینے کے کام آتا ہے۔ دہرہ دون اور دوسرے ایسے ہی مقامات پر تحقیقاتی مراکز اپنے تجربات کے ذریعہ جنگلات سے آرائشِ جسم سے زیبائشِ حسن تک اور کھانے پینے سے لے کر اوڑھنے بچھانے تک جو اشیاء تیار کرتے ہیں اس کا اندازہ انہیں دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ گویا جنگلات ہماری زندگی کا لازمی جز ہیں۔ ان کو کاٹنا ایسا ہی ہے جیسے انسانی جسم سے اس کے عضو کو کاٹ کر پھینک دینا۔

آزادی سے پہلے کی بات دوسری تھی۔ اس وقت آبادی بھی

زیادہ نہیں تھی اور مزدوریں بھی کم تھیں۔ دیہات میں ایندھن کے طور پر لکڑی سے کہیں زیادہ گوبر سے تیار کردہ اپلوں کا استعمال ہوتا تھا۔ تعمیرات میں مقامی لکڑیوں کا ہی استعمال زیادہ تھا اور شہروں میں البتہ ایندھن کے طور پر لکڑی کا استعمال زیادہ تھا اور تعمیرات کی لکڑی بھی باہر سے منگائی پڑتی تھی۔ پھر بھی جنگلات محفوظ تھے اور جنگلاتی زندگی میں کوئی خلل نہیں آیا تھا مگر آزادی کے بعد ہماری آبادی اور ترقیات کی رفتار میں اضافے کے ساتھ ساتھ لکڑی کا استعمال بھی بڑھا۔ ٹھیکیداروں نے بے رحمی کے ساتھ درختوں کو کاٹ کر پہاڑوں کو ننگا اور بے جان کر دیا۔ موسم پر اثر پڑا اور مانسونی ہوائیں بے برسے بادلوں کو اڑا کر لے جانے لگیں تو حکومت ہند نے شدت کے ساتھ صورت حال کی نزاکت کو محسوس کیا اور شجرکاری کی مہم شروع کی۔ ہفتے اور دن منائے گئے جس سے عوام میں بھی درختوں کے تحفظ کا شعور جاگا۔ تاہم دولت کی ہوس میں ٹھیکیداروں نے اپنا کام بند نہیں کیا۔ کہیں جنگل صاف کئے گئے تو کہیں پہاڑوں کو کھود ڈالا گیا۔ اس کی روشن مثال مسوری کے گرد و نواح کا علاقہ ہے جہاں اس صفائی اور کھدائی کے نتیجہ میں کتنے ہی چشمے اور جھرنے خشک ہو گئے۔ ہماچل پردیش، بہار، مشرقی ریاستوں، راجستھان، مدھیہ پردیش اور دوسری جنوبی ریاستوں میں بھی یہی صورت حال پیش آئی۔

تاہم حکومت کی شجرکاری کی مہم اور تعمیرات میں لکڑی کی بجائے لوہے کے استعمال کے نتیجے میں صورت حال بدلی ہے اور بدل رہی ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر شجرکاری کے لئے جو کام ہوا ہے اس کے نتیجہ میں عوام میں خاص طور پر عورتوں میں شجرکاری کا شعور جاگا ہے۔ دیہات میں کسان نے شجرکاری کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ دیہات میں کسان نے شجرکاری کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ حقیقت میں پچھلی دہائی میں لاکھوں کی تعداد میں پودے لگائے گئے ہیں۔ ننگی پہاڑیوں، سڑکوں نہروں کے کناروں، کھیتوں اور آبادیوں غرضیکہ سبھی جگہ شجرکاری کی گئی ہے اور کی جا رہی ہے۔ لکڑی کے استعمال میں کمی سے بھی صورت حال سدھری ہے لیکن تسلی بخش اب بھی نہیں ہے۔ مفاد پرست عناصر درختوں کی چوریاں اب بھی کرتے ہیں۔ ٹھیکیدار مالی مفاد میں جنگلات کو صاف کرنے کا کام اب بھی کر رہے ہیں۔ اسے روکنے کے لئے عوام میں بیداری کی ضرورت ہے، قانون کی مدد کرنے کی ضرورت ہے۔ جنگلات جو ہمارا قومی سرمایہ ہیں ہمیں صاف ستھری اور تازہ پانی مہیا کرتے ہیں، ہمارے گرد و نواح کو صاف ستھرا رکھتے ہیں جو ہمیں خام مال مہیا کرتے ہیں۔ ہماری اقتصادی سائنس اور صنعتی ترقی میں معاون ہیں۔ انہیں نہ صرف محفوظ رکھنا بلکہ بڑھانا بھی ہماری قومی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ایک مہم کی صورت میں پوری کرنی ہوگی ☆☆

فارم ۱۷، دفعہ ۸

مرکزی اخبارات ۱۹۵۶ کی دفعہ ۸ کے تحت تفاصیل درج ذیل ہیں:

۱۔ رسالہ کا نام : مغربی بنگال
۲۔ زبان : اردو
۳۔ وقفہ اشاعت : پندرہ روزہ
۴۔ مقام اشاعت : کلکتہ
۵۔ ناشر : آنند گھوش ہاجرا، ہندوستانی، ڈائرکٹر، محکمہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱
۶۔ مدیر : آنند گھوش ہاجرا، ہندوستانی، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱
۷۔ مالک : حکومت مغربی بنگال
۸۔ طابع : تیمیر مکھرجی، بسومتی کارپوریشن لمیٹڈ، ۱۶۶ بپن بہاری گانگولی اسٹریٹ، کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۱۲

میں آنند گھوش ہاجرا اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا بیان میرے علم و یقین کے لحاظ سے صحیح ہے۔

یکم مارچ ۱۹۹۵ء

آنند گھوش ہاجرا
ناشر "مغربی بنگال"

عبد الغفور نساخ

سید لطیف الرحمٰن

ادبی کارنامے: نساخ کے بارے میں صرف یہ کہنا کہ وہ بنگال کے بہت بڑے شاعر اور ادیب ہیں کافی نہیں۔ نساخ کا شمار برصغیر کے مشاہیر شعراء و ادباء میں ہونا چاہئے۔ جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے بنگال میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں ہے۔ نساخ کامل الفن شاعر بھی تھے اور بڑے پیمانے کے ادیب بھی تھے۔ بنگال میں نساخ سے بڑھکر بھی شاعر ہوا ہے لیکن ادباء میں اس کا شمار بمشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح نساخ سے بڑھکر ادیب بھی ہوا ہے لیکن شاعری میں اس کا وجود النقش کالمعدوم ہے۔ ایسے بھی صاحب ذوق گزرے ہیں جو بیک وقت شاعر اور ادیب دونوں تھے لیکن انہوں نے کوئی مستقل ادبی سرمایہ نہیں چھوڑا۔ لیکن نساخ جس طرح بزم شعراء میں نمایاں نظر آتے ہیں اسی طرح محفل ادباء میں بھی سرفراز دکھائی دیتے ہیں۔ نساخ ڈپٹی کلکٹر ڈپٹی مجسٹریٹ کے فرصت ناآشنا عہدے پر متمکن تھے اس لئے ان کو سرکاری کاموں سے بہت کم فرصت ملا کرتی تھی۔ تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ اکثر دورے پر بھی جاتے تھے۔ غرضیکہ ایک جگہ اطمینان سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ آج یہاں تو کل وہاں لیکن اس کے باوجود نساخ نے ادبی خدمات کے لئے اتنا وقت نکال لیا کہ تصنیفات و تالیفات کا ایک معتدبہ ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑ گئے تفصیل حسب ذیل ہے:

نساخ کی وہ کتابیں جو مغربی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہیں:

۱: سخن شعراء: تقریباً دو ہزار چار سو چھیالیس اردو شعراء اور اڑتیس شاعرات کا اردو میں تذکرہ ہے۔ شعراء کے نہایت مختصر حالات زندگی کے ساتھ ساتھ مجملاً ان کی شاعری کی خصوصیات اور کلام کا انتخاب بھی دیا ہے۔ زیادہ تر شاعر ایسے ہیں جن کے صرف نام، تخلص اور نمونہ کلام کے طور پر دو ایک شعر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں اور بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ اس میں بنگال کے بعض ایسے شعراء کے حالات ہیں جو اور کہیں نہیں ملتے۔ کاش بنگال کے اہل قلم حضرات نساخ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تو شعراء بنگال بالکل گمنامی میں نہ پڑ جاتے اور ان کو نظر انداز کرنا مشکل ہوتا۔ یہ تذکرہ ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوا۔

۲: زبان ریختہ: زبان اردو پر مختصر تحقیقی کام ہے جو ۱۲۸۵ھ میں شائع ہوا۔ عہد بعہد کی ترقی اور کلام کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نساخ کے ذوق تحقیق و تفتیش کا ثبوت ہے۔ کتاب کا اقتباس پڑھئے۔

"بعضوں نے نظم اردو کے ریختہ کہلانے کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کی ہے کہ معماروں کے محاورے میں ریختہ اس مصالحہ کو کہتے ہیں جس کے واسطے استحکام در و دیوار کے چند اجزاء مخلوط کر کے بناتے ہیں اور چونکہ زبان اردو کی نظم میں بھی الفاظ عربی مثل اللہ و رسول و فارسی مثل دل و زبان و ترکی مثل چاقو و بابورچی و عبرانی مثل یوسف و ہارون و یونانی مثل کیمیا و قرطاس و اصطرلاب و ہندی مثل خچر و پتلا و انگلش و سنسکرت مثل سوتی و دانت و لچی لو و ٹاپل مثل آرٹو یعنی ماش و تلنگو مثل بڑا جو کرو اور ماش وغیرہ چیزوں سے کھانے کے لئے بناتے ہیں و زبان گجراتی مثل نہنا یعنی خورد کے و زبان چینی مثل لیچی یا لیچو میوہ معروف و زبان ملائی مثل گودام و زبان امریکا مثل تمباکو کی ترکیب ہے۔ اسی لئے اس کا نام ریختہ رکھا گیا ہے۔"

۳: دفتر بے مثال: نساخ کا دیوان اولین ہے جو ۱۲۷۶ھ میں شائع ہوا۔ غزلیں لکھنوی رنگ میں کہی گئی ہیں۔ یہ دیوان ناسخ لکھنوی کے دیوان دفتر پریشاں کے جواب میں تصنیف ہوا ہے۔ اس میں کچھ معمیات بھی ہیں۔

۴: اشعار نساخ: نساخ کا دوسرا دیوان ہے جو ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوا۔ یہ بھی لکھنوی رنگ میں ہے۔ اس میں غزلوں کے علاوہ چند رباعیات بھی ہیں۔ اس دیوان کی ابتداء ایک فارسی غزل سے ہوتی ہے۔

۵: ارمغان: نساخ کا تیسرا دیوان ہے جو اساتذہ دہلی کے رنگ

میں تصنیف ہوا ہے۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوا۔

۶: **ارمغانی**: ناسخ کا چوتھا دیوان ہے جو سنہ ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا۔ یہ بھی اساتذۂ دہلی کے رنگ میں تصنیف ہوا ہے۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ؎

جلوۂ طور نے مارا
دلِ خاکی کو نور نے مارا

۷: **مرغوبِ دل**: ناسخ کی فارسی رباعیات کا ردیف وار مجموعہ ہے جو سنہ ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوا۔

۸: **شاہدِ عشرت**: سراپائے معشوق کی شاعرانہ تصویر کھینچی گئی ہے۔ اشاعت شعبان سنہ ۱۲۹۱ھ میں ہوئی۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں شاہدِ عشرت کے سننے کے لئے مٹیابرج میں ایک بزمِ مشاعرہ منعقد ہوئی۔ سامعین سن کر بہت محظوظ ہوئے۔

۹: **گنجِ تواریخ**: ناسخ کے کہے ہوئے قطعاتِ تاریخی کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا۔ شروعِ اسلام سے لے کر اس وقت تک کے بہت سے مشاہیر کی تاریخِ وفات کہی ہے۔ قطعات فارسی میں ہیں۔

۱۰: **کنز التواریخ**: گنجِ تواریخ کا ضمیمہ ہے جو سنہ ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوا۔ تین قطعاتِ تاریخ شاہ مات ڈھاکہ کی تعمیر میں اردو میں کہے گئے ہیں۔ باقی سب فارسی میں ہیں۔

۱۱: **قندِ فارسی**: فارسی اشعار کی بیاض ہے جو جولائی سنہ ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی جس میں سر سید احمد، حالی، داغ اور امیر کا فارسی کلام بھی پایا جاتا ہے۔

۱۲: **قطعۂ منتخب**: مختلف اردو شعرا کے منتخب قطعات کا ردیف وار مجموعہ ہے جو سنہ ۱۲۷۶ھ میں شائع ہوا۔ شعرا کے نام تخلص، مختصر حالات بھی درج ہیں۔

۱۳: **چشمۂ فیض**: پند نامہ شیخ فریدالدین عطار کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ جون سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔

۱۴: **منتخبات دواوین شعرائے ہند**: اساتذۂ اردو کی چیدہ غزلوں کو ردیف وار اکٹھا کر کے دیوان کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ سالِ طباعت سنہ ۱۸۶۰ء ہے۔

۱۵: **نصرۃ المسلمین**: ناسخ کی چوبیس مدحیہ رباعیات کا ردیف وار مجموعہ ہے جو مومن خاں مومن کی طنزیہ مدحیہ رباعیات کے جواب میں تصنیف ہوئی ہے۔ سنہ ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوئی۔ اس کی تفصیل ناسخ کے حالاتِ زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔

۱۶: **انتخابِ نقص**: انیس و دبیر کے کلام کے فنی و معنوی نقائص دکھائے گئے ہیں۔ مختصر سا رسالہ ہے جو سنہ ۱۲۹۴ھ میں شائع ہوا۔

۱۷: **سوانح عمری ناسخ**: چھپی نہیں۔ قلمی نسخہ مغربی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ اس میں انہوں نے اپنا شجرۂ نسب، مفصل خاندانی حالات اور زندگی کے بہت سارے واقعات مزے لے کر بیان کئے ہیں۔ ان کے اندازِ بیان سے ان کی خوئے خود پسندی و خود نمائی آشکار ہے۔

۱۸: **نصابِ زبانِ اردو**: ناسخ نے یہ کتاب کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب کے لئے ترتیب دی تھی۔ یونیورسٹی نے اوّل ستمبر سنہ ۱۸۶۲ء میں چھپوائی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں حصۂ نثر و حصۂ نظم۔ حصۂ نثر میں میر حسن کی مثنوی سحر البیان کی فصیح و سلیس نثر ہے۔ حصۂ نظم میں ذوق، مومن، قبول وغیرہ کی غزلیں اور سودا کے قصائد ہیں۔ حصہ نثر "نثرِ بے نظیر" سے ماخوذ ہے۔

ناسخ کی دیگر کتابیں جو میری نظر سے نہیں گزریں۔

۱۹ **تذکرۃ المعاصرین**: ناسخ کے ہم عصر فارسی شعرا کا نامکمل تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ وحشت صاحب کی نظر سے گزرا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید احمد جو آہی تخلص کرتے تھے اور داغ دہلوی اور امیر مینائی بھی فارسی میں شعر کہتے تھے۔

۲۰: **مظہرِ معما**، ۲۱: **ترانۂ خامہ**، ۲۲: **باغِ فکر** یعنی مقطعاتِ ناسخ۔

شاعری: ناسخ بحیثیت ادیب جتنے مشہور تھے بحیثیت شاعر اس سے بھی زیادہ مشہور تھے۔ ناسخ فطری شاعر تھے لیکن اکتسابِ فن کے لئے بہت کچھ ریاض کیا تھا۔ ناسخ کی شاعری کی ابتدا بقول ناسخ اس طرح ہوتی ہے۔ تکمیلِ علوم کے بعد ذریعۂ معاش کی فکر دامن گیر ہوتی لیکن عرصۂ دراز تک کوئی سبیل نہیں نکلی۔ ایامِ بے کاری میں اساتذہ کے دواوین اور کلیات زیرِ مطالعہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناسخ کو زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہو گئی اور دل میں شعر گوئی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اسی جذبے کے زیرِ اثر شعر بھی کہنے لگے۔ اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مولوی رشید النبی وحشت کو اپنا کلام دکھانے لگے لیکن بہت جلد

ـتـت کو بندرگاہ ہوگلی میں عہدۂ افتا ملا اور وہ کلکتہ سے ہوگلی چلے گئے۔ رلیہ خط اصلاح جاری رہی لیکن مصروفیتیں اتنی بڑھ گئیں کہ وحشت ؍اصلاح دینے سے معذرت چاہی۔ اس کے علاوہ وحشت کا انتقال ی ہوگیا۔ ناسخ ابھی نو مشق تھے۔ صرف دس بارہ ہی غزلوں پر اصلاح ے سکے تھے۔ اصلاح کی ضرورت اب بھی تھی۔ اپنے استاد کے استاد ںافظ اکرام احمد ضیغم رامپوری کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بہت بلد رموزِ فن اور نکات شاعری سے واقف ہو گئے اور استادانہ رنگ یں شعر کہنے لگے۔ ناسخ بہت زود گو اور پُرگو واقع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ شعر کہنے کا بھی چسکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل ؍مدہ میں چودہ ہزار شعر کہہ ڈالے۔ اب یار دوستوں کا تقاضہ ہوا کہ دیوان شائع کیا جائے۔ پہلے تو انہوں نے عدم التفات سے کام لیا لیکن جب دوستوں کا اصرار حد سے بڑھا تو تین ہزار شعر چھانٹ لئے اور "دفترِ بے مثال" کے نام سے ۱۲۷۶ھ میں اپنا دیوان شائع کیا۔

ناسخ اپنے شعر گوئی کے ابتدائی دور میں مہجور تخلّص کرتے تھے۔ بعد میں اس تخلّص کو بدل کر ناسخ رکھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے کلام میں جب پختگی آئی اور استادانہ رنگ میں شعر کہنے لگے تو انہیں ناسخ لکھنوی کا حریف اور حریف بھی حریف غالب بننے کا خیال ہوا۔ اس خیال کے زیرِ اثر انہوں نے اپنا تخلّص بدل کر ناسخ رکھا جو ناسخ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ ناسخ اکثر ناسخ کی غزلوں کا جواب لکھا کرتے تھے اور شاعرانہ تعلّی سے بھی کام لیتے تھے مثلاً ؎

ناسخ کی غزل پہ غــزل کون کہہ سکے
کیونکہ جواب ہو سخنِ لاجوابــــــب کا

جوابی غزل کہنے پر ان کے ایک معترض نے انہیں طعنہ بھی دیا ہے کہ آپ نے بیشتر غزلیں اساتذۂ دہلی اور لکھنؤ کے جواب میں کہی ہیں .... اور کیوں نہ ہوں کہ بصیغۂ مبالغہ ناسخ ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ناسخ لکھنوی کا کلام سراسر آورد ہے۔ یہی حال ان کے حریف کے کلام کا بھی ہے۔ ناسخ کا مذاقِ سخن لکھنوی تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ بجائے آتش کے ناسخ سے متاثر تھے۔ اس لئے وہ ناسخ ہی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناسخ بھی بجائے دل کے دماغ سے شاعری کرتے تھے۔ ناسخ معنوی خوبیوں سے زیادہ ظاہری خوبیوں کا خیال رکھتے تھے۔ صنائع و بدائع لفظی کے بڑے دلدادہ تھے۔ رعایتِ لفظی، مراعات النظیر، تشبیہات و استعارات کو کمالِ شاعری سمجھتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ شعر کہنے کو بھی اپنا کمال تصور کرتے تھے۔ دو غزلہ، سہ غزلہ، چو غزلہ بلکہ پنج غزلہ اور شش غزلہ بھی کہتے تھے۔ پندرہ پندرہ بیس بیس شعروں کی غزل ہوتی تھی۔ پھر بھی یہ التزام ہوتا تھا کہ کوئی قافیہ چھوٹنے نہ پائے لیکن ایک قافیہ مکرر، سہ کرر بھی آتا تھا۔ اس سے بھی طبیعت سیر نہ ہوتی تو صرف قافیہ یا صرف ردیف بدل کر پھر اسی زمین میں غزلیں کہنے لگے۔ بعض دفعہ قافیہ ردیفیں اتنی سنگلاخ ہوتی تھیں کہ ایک شعر بھی کام کا نہ ہوتا تھا۔ مثلاً تنویرِ شعاعِ آفتاب، توقیرِ شعاعِ آفتاب، تحریر کا پیچ، تقدیر کا پیچ، یار کج، میخوار کج، باغِ آفتاب، چراغِ آفتاب، دلدار کی پازیب کی جھنکار، یار کی پازیب کی جھنکار، رخسارے ہیں یہ شمس و قمر، تارے ہیں یہ شمس و قمر، خلوتِ فانوس، صورتِ فانوس، کیونکر دھوپ میں، خنجر دھوپ میں، دماغ پرطاؤس، چراغ پرطاؤس وغیرہ۔ ظاہر ہے جب صنائع لفظی، الفاظ کی بازیگری، سنگلاخ قافیہ ردیفیں کمالاتِ شاعری ٹھہریں تو شاعری نام ہوا کاوشِ دماغی کا اور قافیہ پیمائی شاعری کا سب سے بڑا عنصر قرار پائی۔ یہی وجہ ہے کہ ناسخ کے کلام میں بجائے روحانی کیف اور قلبی تاثرات کے معشوق کے خارجی اوصاف جمالِ جسمانی اور لوازماتِ آرائش بیشتر پائے جاتے ہیں۔ سبزۂ خط، کاکلِ پیچاں، چشمِ میگوں، خالِ فتنہ، کمرِ معدوم، پان، سرمہ، مسّی، انگیا، کرتی، خلخال وغیرہ کے مضامین اندازِ بیان بدل بدل کر اس کثرت سے آتے ہیں کہ طبیعت اکتا جاتی ہے۔ فلسفیانہ خیالات اور تاثیرِ بیان قریب قریب مفقود ہے۔ معشوق کے اوصاف خارجی اور صنائع لفظی کے پھیرے میں ایسے پڑے کہ فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ افکار دماغ میں آنے نہ پائے اور اگر بھولے بھٹکے سے کبھی آ گئے تو اپیل نہیں کرتے۔ البتہ صنائع لفظی کو انہوں نے کمالِ شاعری تصور کیا بھی اور استعمال بھی اس چابکدستی اور فنکاری سے کیا کہ کمال کر دکھایا۔ "دفترِ بے مثال" اگرچہ کاغذ کے پھولوں کا گلدستہ ہے لیکن اس گلدستے میں ایسے پھولوں کی کمی نہیں جو شاعرانہ آرٹ کے وہ کرشمے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر دل بھی مزہ لینے لگتا ہے اور مرزا غالب متاثر ہو کر بول اٹھتے ہیں ؎

" میں دروغ گو نہیں، خوشامد میری خو نہیں، دیوانِ فیض عنوان اسم بامسمیٰ ہے، دفترِ بے مثال نام اس کا سجا ہے۔ الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند، ہم فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں بے باک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش ناسخ طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ ان سے بڑھ کر فصیح مبالغہ بے مبالغہ ناسخ ہیں۔ تم دانائے رموزِ اردو زبان ہو، سرمایۂ نازشِ قلمروِ ہندوستان ہو۔"

ہمارے ناسخ صاحب بھی عجیب فطرت کے آدمی تھے معرکہ آرائی، نکتہ چینی اور اساتذہ کے کلام کا جواب لکھنا ان کی طبیعت کا شدید اقتضا رہتا تھا۔ اسی اقتضائے طبیعت کے زیرِ اثر انہوں نے اپنا پہلا دیوان 'دفترِ بے مثال' اساتذۂ لکھنؤ بالخصوص ناسخ لکھنوی کے دیوان 'دفترِ پریشان' کے جواب میں تصنیف کیا۔ دوسرا دیوان "اشعارِ ناسخ" بھی کچھ اسی جذبے کے زیرِ اثر مرتب ہوا۔ اساتذۂ لکھنؤ کا جواب لکھ چکنے کے بعد اساتذۂ دہلی کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ ناسخ کے اپنا تیسرا دیوان "ارمغان" اور چوتھا دیوان 'ارمغانی' اساتذۂ دہلی کے جواب میں تو نہیں بلکہ ان کے رنگ میں تصنیف کئے ہیں اس لئے داد بھی انہیں سے مانگی ہے۔ کہیں کسی لکھنؤ کے استاد کا نام نہیں لیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اہلِ لکھنؤ کی تنگ نظری سے بھاگے ہوئے تھے لیکن اساتذۂ دہلی کا دل سے احترام کرتے تھے۔

کس کو لے ناسخ شعر اپنا سنائیں
شیفتہ، آزردہ، صہبائی نہیں

؎

نہ شیفتہ ہے، نہ غالب، نہ مومن و نیّر
ہمارے شعر کا ناسخ قدرداں نہیں

؎

ناسخ و داغ، امیر و آزاد خوش نوا
مشہور نکتہ سنج ہیں ہندوستان میں!

؎

گئے غالب و آزردہ رہا ہے اک تو
دلی ناسخ بہت اب ہے غنیمت تیری

ہوتے اگر ناسخ اس عہد میں
اس غزل کی داد لیتے میر سے

ارمغان اور ارمغانی کا رنگِ سخن اتنا بدلا ہوا ہے کہ مشکل سے یقین ہوتا ہے کہ دفترِ بے مثال و اشعارِ ناسخ کا شاعر وہی ہے جو ارمغان و ارمغانی کا ہے۔ ارمغان و ارمغانی چونکہ دہلی کے اساتذہ کے رنگ میں ہیں اس لئے ان میں دہلی اسکول کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اکثر دہلی کے اساتذہ کی زمینوں میں غزلیں کہی ہیں۔ زیادہ تر غزلیں غالب اور مومن کی زمینوں میں ہیں۔ جو غزلیں غالب کی زمینوں میں ہیں وہ غالب سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ ناسخ غالب سے اتنے متاثر نہ تھے جتنے مومن سے تھے۔ وہ مومن کے رنگ کو اپنانے کی کوشش بھی کرتے تھے کیوں کہ وہ اردو شعرا میں مومن کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، چنانچہ کہتے ہیں ؎

اردو گویوں میں پسند ہیں مجھے شعرِ مومن

دیوان میں ذیل کی قسم کے اشعار دیکھ کر داغ بھی یاد آتے ہیں جو ان کے معاصر تھے ؎

چھٹے کب بوسہ لب کا لپکا ؛ تم کو دشنام کی عادت ہی سہی

ہوئے بزمِ اعدا میں وہ بے حجاب
کرشمہ ہے یہ بادۂ ناب کا

؎

از بس ہے ہمیں شوق ہم آغوشیِ جاناں
ہم سے ادب شرم و حیا ہو نہیں سکتا

؎

گھر اپنے میں لے آیا اسے بزمِ عدو سے
دشمن کو یقیں آئے گا اب روزِ جزا کا

؎

بیٹھا ہوا ہے غیر جو پہلوئے یار میں!
کچھ نقشِ پا نہیں کہ اٹھایا نہ جائے گا

ان دیوانوں میں کہیں کہیں ان کے پرانے رنگ کے بھی اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً ؎

لینے لگے جو وصل میں بوسے وہ بول اٹھے
اللہ کیا کروں یہ مری جان کھا گیا

نساخ کیجئے یار کے کس عضو کی صفت
سینہ جو دلربا ہے تو ہے گات دلفریب

*

بخدا بیٹھے رہو بزم میں ہرگز نہ اٹھو
ورنہ کہتے ہیں کہ ہنگامۂ محشر ہو گا

*

ہو گیا مجھکو غمِ ہجراں سے بدتر عیشِ وصل
نشے میں مجھ سے جو شب کو وہ پری پیکر ملا

نساخ متنوع ذوق کے آدمی تھے۔ مختلف اصناف سخن پر خوب طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل سرائی اور تاریخ گوئی کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ ایک چھوٹی سی ناتمام "مثنوی" "درمذمت شراب" ہے۔ کچھ رباعیات بھی ہیں۔ شاید قصیدہ سے کوئی طبعی مناسبت نہ تھی کیوں کہ ان کے کلیات میں تمام اصناف سخن کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ صرف قصیدہ اور مرثیہ نہیں ملتا۔ قطعات تاریخی سوائے دوچار کے سب کے سب فارسی میں ہیں۔ "مرغوب دل" فارسی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ فارسی غزلیں دوچار ہی ملتی ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ فارسی میں غزل کہنے سے بالکل عاجز تھے۔ ایک دفعہ جب کہ ان کا قیام ڈھاکے میں تھا، ڈھاکے کے زمیندار منشی دلاور علی صاحب نے قدسی کی غزل پر غزل کہنے کی فرمائش کی۔ قدسی کی غزل کا مطلع یہ ہے ؎

دارد ولے اما چہ دل صد گونہ حرماں در بغل
چشمے و خوں در آستیں اشکے و طوفاں در بغل

نساخ نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے

اے از خیالِ عارضت دارم گلستاں در بغل
در تار زلفِ پُرخمت در صد شبستاں در بغل
گر بشنود یک نغمۂ کلک نواسنج مرا!
منقار خود سازد نہاں مُرغِ خوش الحاں در بغل
شادی بپا اینک بہ بیں کز پارہ ہائے سخت دل
ہر طفل اشک لالہ گوں دارد گلستاں در بغل
ہر تارِ گیسو ترا تا تار و چیں زیر نگیں!
یاقوت لبہائے ترا کوہِ بدخشاں در بغل
رخسارِ پُر نور ترا صبحِ وطن در آستیں
چشم سیہ مست ترا شامِ غریباں در بغل

نساخ کو جس طرح ادبی منزلت اور زیادہ سے زیادہ شعر کہنے کا شوق بحد جنوں تھا اسی طرح شاعر گری کا شوق بھی بحد جنوں تھا۔ بسلسلۂ ملازمت جہاں بھی تبادلہ اور قیام ہوتا تھا وہاں کچھ نہ کچھ شاگرد بنا لیتے تھے۔ نساخ کے شاگرد کثرت سے ہند و پاکستان اور بنگلہ دیش میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان کے سب سے مشہور اور محبوب شاگرد خلیفہ سید محمد عصمت اللہ انسخ تھے ❊❊

رباعیات

عبدالغفور نساخ

اس فکر میں حباں میں مری جان نہیں
آتی ہے بہار اور سامان نہیں
دل جوشِ جنوں میں کس سے بہلاؤں گا
دامن نہیں نساخ گریباں نہیں

کیا کہئے کہ اقرار کئے ہیں کیا کیا
دل لینے کو وعدے بھی لئے ہیں کیا کیا
لیکن جو حقیقت ہے وہ مجھ سے سُنئے
نساخ کو دم تم نے دئے ہیں کیا کیا

11

عبدالغفور نساخ

غزلیں

ہو تیری تیغ کو کیا خون آشنا کا لحاظ
نہ ہووے تجھ کو ستمگر اگر حیا کا لحاظ

فراق میں سر بازار نالے کرتا ہوں
خیال غیر کا مجھ کو نہ آشنا کا لحاظ

ہماری دل شکنی سے نہیں بتوں کو خوف
کہ کافروں کو نہیں خانۂ خدا کا لحاظ

کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ ایک نظر
رہا جو مدنظر چشم پُر حیا کا لحاظ

نہ کیجئے سامنے میرے رقیب سے باتیں
کہ آشنا کو مناسب ہے آشنا کا لحاظ

میں تیرے کوچے میں جاتا ہوں سر کے بل اے یار
زبس ہے مدنظر تیرے نقشِ پا کا لحاظ

ہے میرے سامنے گرم نظارہ دشمن کا
اٹھا اب ایسی تری چشمِ پُر حیا کا لحاظ

چلے نہ سوئے زمیں کر کے سر فلک پہ کبھی
نہ ہووے مہر کو گر تیرے نقشِ پا کا لحاظ

ڈرے نہ زلف سے نساخ کیوں بہ قول ظفر
یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس بلا کا لحاظ

اس دلربا کا جلوہ ہے چشمِ پُر آب میں
ہم نے پری کو بند کیا ہے حباب میں

ہے عکس داغِ دل کا رخِ بے حجاب میں
تصویرِ ماہ ہے ورقِ آفتاب میں

سو سو طرح سے باندھے ہیں مضمونِ زلف یار
ہاتھوں سے میرے قافیے ہیں اک عذاب میں

خالی ہیں ساکنانِ فلک عشق سے اگر
پھر داغ کس لئے ہے دلِ ماہتاب میں

ہے منعکس جو کاکلِ پُر پیچ دلربا!
گویا زبان مارتی ہے ہر موجِ آب میں

اس ماہ رو کی بزم میں چلتی ہے جو شراب
ہے دورِ آفتاب شبِ ماہتاب میں

رخسار پر عرق کے تصور میں مرتے ہیں
کشتیِ عمر اپنی رواں ہے گلاب میں

ممکن نہیں گناہوں کا میرے شمار ہو
مصروف ہوں جو سارے فرشتے حساب میں

دیوان اپنا بن گیا ہے شمس بازغہ
نساخ شعر لکھتا ہوں وصفِ شراب میں

کیا آپ جانتے ہیں

• کہ اوزون ایک گیس ہے جو تین آکسیجن ایٹموں کے امتزاج سے بنتی ہے۔

• کہ اوزون امتزاج کسی تجربہ گاہ میں اعلیٰ توانائی برقی اخراج کے ذریعہ یا بالائی فضا میں سورج کی زبردست الٹراوائلٹ شعلوں سے بنتی ہے۔

• کہ اوزون بالائی فضا میں پوری دنیا پر احاطہ کرتی ہے اور لاکھوں برسوں سے متوازن انداز میں اوزون تشکیل پاتی رہی ہے اور برقرار رہتی ہے۔ اوزون کا ایک انجماد ۳۵ کلومیٹر بلندی تک الگ الگ ہوتا ہے۔ عرض البلد سے بھی اس میں فرق واقع ہوتا ہے۔

• کہ اوزون ایک غیر مستحکم مولیکیول ہے اور اسے آرگینک مولیکیولز آسانی سے متاثر کر سکتے ہیں۔ اوزون مخصوص ایٹموں مثلاً کلورین، بروماین اور نائٹرس اکسائیڈ سے بھی متاثر ہو جاتی ہے۔

• کہ زیریں فضا میں اوزون کثافت پیدا کرتی ہے اور آنکھوں اور صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

• مگر بالائی فضا میں اوزون بہت مفید شئے ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک موثر چھلنی کے طور پر کام کرتی ہے اور سورج کی الٹراوائلٹ۔ بی۔ شعلوں کو زمین تک نہیں پہنچنے دیتی۔

• کہ یو وی۔ بی شعاعیں توانائی سے اس قدر پر ہوتی ہیں کہ وہ زمین پر کی زندگی کے لئے مہلک ہوتی ہیں۔

• کہ زمین کے گرد اوزون کی پرت زمین کی نباتاتی وحیواناتی زندگی کے لئے مفید ہے کیونکہ یہ سورج کی تابکاری کے مہلک جزو کو چھان کر علیحدہ کر دیتی ہے اور زمین تک صرف مفید جزو کو ہی پہنچنے دیتی ہے۔

• کہ اوزون کی پرت میں کسی بھی طرح کا خلل یا انحطاط جلد کا کینسر، کلوروفل کارکردگی کا اخراج وخسارے کا باعث ہو سکتا ہے جس سے پودوں کے فوٹوسنتھیسس پر اثر پڑتا ہے جو کہ نباتاتی وحیواناتی زندگی کے لئے بہت اہم ہے۔

• کہ الٹراوائلٹ بی شعاعوں کے براہِ راست جسم پر پڑنے سے جسم کے اندر کا تحفظاتی نظام (بیماریوں سے تحفظ کا نظام) متاثر ہو سکتا ہے جس سے چھوت کی بیماریاں بڑھ جاتی ہیں اور بیماریوں سے محفوظ کرنے کے پروگرام کی اثر انگیزی میں انحطاط واقع ہو سکتا ہے۔

• کہ الٹراوائلٹ تابکاری سے بحری زندگی بھی متاثر ہو سکتی ہے جس سے بحری آرگنزم ۲۰ میٹر گہرائی تک تباہ ہو سکتا ہے۔ اس سے خاص طور پر مچھلیاں، ملارو اور چھوٹے موٹے جانور اور نباتات متاثر ہو سکتے ہیں۔

• کہ الٹراوائلٹ بی شعاعوں کی تابکاری عمارتوں، رنگوں، پیکنگ سازوسامان کو بھی متاثر کرے گی اور پلاسٹک کے سازوسامان کو بھی مائل بہ انحطاط بنائے گی جس سے سماج کو اربوں روپے کا خسارہ ہوگا۔

• کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی صنعت کاری سے فضا میں کچھ ایسی کیمیاوی اشیاء کا اخراج ہونے لگا ہے جس سے اوزون گیس تباہ ہو جاتی ہے۔ کیمیاوی اشیاء کا ایک گروپ یعنی کلوروفلوروکاربن کو جو عجیب وغریب شئے ہے اسے اوزون پرت کے لئے سب سے تباہ کن پایا گیا ہے۔

• کلوروفلوروکاربنز کے اجزاء کا استعمال ریفریجریشن، ایئرکنڈیشنگ اور جھاگ وغیرہ بنانے میں ہوتا ہے۔ برومو فلوروکاربنز (ہیلنز) جو آگ بجھانے میں بے حد موثر ہوتے ہیں وہ اسی فہرست میں شامل ہیں۔

• کہ برسوں سے ان غیر سمیاتی وستے کیمیاوی اشیاء کا استعمال جاری ہے اور اس سے اوزون پرت کو خصوصاً شمالی اٹلانٹک سرکل میں بہت نقصان پہنچا ہے۔

کہ کرہ ارض پر زندگی کے مکمل نظام کو لاحق خطرات کو محسوس کرتے ہوئے بین الاقوامی برادری نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اوزون پرت کو تباہ کرنے والی اشیاء (او ڈی ایس) کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے۔ اس ضمن میں مونٹریل معاہدہ طے پایا ہے جس کے تحت

الیسی اشیاء کو ۲۰۱۰ء تک ختم کردیا جانا ہے۔

- کہ کرہ ارض کے بالائی فضا میں اوزون پرت جو کرہ ارض پر تمام تر نظام زندگی کو تحفظاتی حصار فراہم کرتی ہے بُری طرح سے انحطاط پذیر ہو رہی ہے۔ اس سے سورج کی مہلک شعاعیں زمین تک پہنچنے لگی ہیں جس سے جلد کا کینسر جیسی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔
- کہ پورے نظام زندگی کو لاحق خطرات کو محسوس کرتے ہوئے بین الاقوامی برادری نے اوزون کو تباہ کرنے والی اشیاء کو ختم کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ یہ اشیاء کلورو فلیورو کاربنز وغیرہ ہیں۔ ایسی اشیاء کو فنا کرنے کے لئے مونٹریل معاہدہ نام کا بین الاقوامی کنونشن طے پایا ہے۔
- کہ مذکورہ معاہدے کے تحت اس امر پر اتفاق کیا گیا ہے کہ سنہ ۱۹۹۹ء تک کلورو فلیورو کاربنوں کی پیداوار میں پچاس فیصد تخفیف لائی جائے گی۔
- کہ مونٹریل معاہدہ اور لندن میں سنہ ۱۹۹۰ء میں ہوئی ترمیم کے تحت اوزون کو تباہ کرنے والی اشیاء کو فنا کرنے کی فہرست اس طرح ہے:

(اے): تمام فریقین پر لازم ہے کہ وہ ۵ بنیادی کلورو فلیورو کاربن (سی ایف سی ۱۱، سی ایف سی ۱۲، سی ایف سی ۱۳، سی ایف سی ۱۴ اور سی ایف سی ۱۵) کو ۱۹۹۶ء تک ختم کر دیں۔

(بی): تین ہیلنز (ہیلن ۱۲۱۱، ہیلن ۱۳۰۱ اور ہیلن ۲۴۰۲) کو ۱۹۹۴ء تک فنا کیا جانا تھا۔

(سی): دیگر تمام سی ایف سی یعنی کاربن ٹیٹرا کلورائیڈ اور میتھائل کلوروفارم کو ۱۹۹۴ء تک فنا کیا جانا تھا۔

(ڈی): ہائیڈرو برومو فلیورو کاربنوں (ایچ بی ایف سی) کو ۱۹۹۶ء تک فنا کیا جانا ہے۔

(ای): ایچ سی ایف سی (ایچ سی ایف سی اور دیگر ۲۲) کو عبوری متبادل سمجھا جائے گا اور ان کا استعمال ۲۰۳۰ء تک جاری رکھا جا سکتا ہے۔

(ایف): تمام فریقین میتھائل برومائیڈ کے استعمال کو ۱۹۹۵ء تک ۱۹۹۱ء کی سطح پر منجمد کرلیں گے۔

(جی): اس طرح کی اشیاء بنانے والوں کو منظور شدہ مقدار ۱۰ سے ۱۵ فیصد مقدار میں ایسی اشیاء بنانے کی اجازت ہے تاکہ ترقی پذیر ممالک کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

(ایچ): ایک تجویز ایسی بھی رکھی گئی ہے جس کے تحت ایسی اشیاء کی پیداوار و صرفے کی تھوڑی سی مقدار بنانے و استعمال کرنے کی اجازت اشد ضروریات کے لئے ہوگی۔ یہ ضروریات تحقیق و طبّی استعمال کی ہیں جو ان اشیاء کے استعمال کو ترک کرنے کے بعد بھی ممکن ہوگا۔

- کہ وہ ترقی پذیر ممالک جہاں اوزون کو تباہ کرنے والی اشیاء کی سالانہ کھپت فی کس ۳ر۰ کلوگرام سے کم ہے کو دس برس کی رعایتی مدت دی گئی ہے یعنی ان کے پاس مذکورہ معاہدے کے نفاذ کے لئے دس برس کی مدت ہے ●● (پی آئی بی)

کمپیوٹر کورس کو منظور کرنے کے لئے ریاستی حکومت کی پہل

ریاست کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی طرف سے طویل اور قلیل میعاد کے کمپیوٹر کورس چل رہے ہیں۔ ان میں کچھ کورس حکومت ہند کے شعبہ ترقیات جیسے کاؤنسل برائے پیشہ ورانہ تربیت اور آل انڈیا کاؤنسل برائے تکنیکی تعلیم کی طرف سے منظور شدہ ہیں۔ فی الحال ایسے کورس کو منظور کرنے کیلئے ریاستی سطح پر کوئی بھی ادارہ نہیں ہے۔

حکومت مغربی بنگال کے ریاستی کاؤنسل برائے انجینئرنگ اور تکنیکی تعلیم نے ایسے کمپیوٹر کورس کو منظور کرنے کا فیصلہ کیا ہے جسے مذکورہ حکومت ہند کل ہند اداروں کی طرف سے منظوری حاصل نہیں ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر مذکورہ کاؤنسل نے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے جو اس کورس کیلئے اداروں کیجانب سے بنائے جانے والے ضابطہ اور معیار کو ٹھیک کریگی۔ امید کیجاتی ہے کہ اس سلسلہ میں ضروری رہنما اصول ۳۰ اپریل ۹۵ء تک جاری کر دئے جائیں گے۔ کمپیوٹر کورس کے متمنی ادارے ریاستی کاؤنسل سے منظوری کیلئے چھپے ہوئے فارم میں سکریٹری ریاستی کاؤنسل برائے انجینئرنگ اور تکنیکی تعلیم، حکومت مغربی بنگال، وکیاش بھون، ودھان نگر کلکتہ ۹۱ کو درخواست کر سکتے ہیں ●●

آفاتِ ناگہانی سے بچاؤ کے طریقے

زلزلہ: فوری اقدامات :

اندرونِ خانہ باہر کی جانب مت بھاگیں۔ اپنے کنبے کو دراوں کے راستوں میں روکیں، میز کے نیچے جانے کو کہیں یا اگر وہ صاحبِ فراش ہیں تو انہیں ان کے پلنگ یا چارپائی کے نیچے پہنچا دیں۔ کھڑکیوں اور چمنیوں سے دور رہیں۔

گھر سے باہر : عمارتوں، اونچی دیواروں یا سر پر لٹکتے ہوئے بجلی کے تاروں سے دور رہیں۔ اگر آپ کسی شہر میں ہیں تو کسی محراب نما راستے یا دروازے کے درمیان پناہ لیں تاہم تباہ شدہ عمارتوں میں از سرِ نو نہ داخل ہوں۔

گاڑی چلاتے ہوئے : اگر آپ کسی کار یا بس میں دورانِ سفر زلزلہ محسوس کریں تو ڈرائیور سے کہیں کہ وہ گاڑی روک لے۔ گاڑی کے اندر ہی ٹھہریں۔

جتنی جلدی ممکن ہو سکے :

- ★ گھر میں روشن ہر طرح کی آگ بجھا دیں اور ہیٹروں کو بند کر دیں۔
- ★ اگر گھر تباہ ہو گیا ہے تو بجلی، گیس، پانی سب بند کر دیں۔
- ★ اگر گھر میں ایسی آگ بھڑک اٹھے جو فوراً بجھائی نہ جا سکتی ہو تو گھر چھوڑ دیں۔
- ★ اگر گیس بند کرنے کے بعد بھی گھر میں گیس رسنے کا احساس ہو تو گھر فوراً چھوڑ دیں۔
- ★ پانی بچائیں۔ تمام ایمرجنسی کنٹینرز بھر لیں۔
- ★ گھریلو، پالتو پرندوں و جانوروں مثلاً کتوں، بلیوں، گایوں وغیرہ کو چھوڑ دیں۔

سیلاب :

- ★ ریڈیو سنیں تاکہ تازہ ترین اطلاعات و مشورے حاصل ہوں۔
- ★ تمام برقی کنکشن اور ساز و سامان کے رابطے منقطع کر دیں اور گھر کی تمام ذاتی و گھریلو اشیاء و سامان ملبوسات وغیرہ پانی کی رسائی سے دور کر دیں۔
- ★ گاڑیوں، جانوروں اور قابلِ منتقلی سامان کو قریب ترین بلندی والی جگہوں پر پہنچا دیں۔
- ★ اگر گھر چھوڑ رہے ہیں تو بجلی، گیس اور تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں۔
- ★ سیلاب کے پانی میں، اگر ایسا ممکن ہو سکے تو پیدل یا کار میں سوار ہو کر نہ داخل ہوں۔
- ★ اپنی مرضی سے سیلاب زدہ علاقوں میں اِدھر اُدھر گھومتے نہ پھریں۔

سمندری طوفان : تازہ ترین اطلاعات کیلئے ریڈیو سنیں۔ سلامتی کیلئے دافع جگہ رکھیں۔ سمندری طوفان چند گھنٹوں میں راستہ تبدیل کر سکتا ہے۔ اس کی رفتار بڑھ سکتی ہے یا گھٹ بھی سکتی ہے لہٰذا ریڈیو کی جانب کان لگائے رکھیں تاکہ تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر رہیں۔

تیاریاں : اگر آپکے علاقے میں طوفانی ہواؤں کی پیشگوئی کی گئی ہے تو

- ★ بکھرے ہوئے تختوں، لوہے کے ٹکڑوں، کنستروں، کوڑے وغیرہ ایسی چیزوں کو ایک جگہ جمع اور محفوظ کر دیں کیونکہ یہ چیزیں خطرناک ہو سکتی ہیں۔
- ★ بڑی کھڑکیوں پر ٹیپ لگا کر انہیں مکمل طور سے بند کر دیں تاکہ وہ ٹوٹ کر بکھر نہ سکیں۔
- ★ اگر کسی متعلقہ یا با اختیار ادارہ سے ہدایت ملے تو قریب ترین محفوظ جگہ پر منتقل ہو جائیں یا پورے علاقے کو خالی کر دیں۔

جب طوفان آجائے :

- ★ گھر کے اندر رہیں اور گھر کے مضبوط ترین حصے میں پناہ لیں۔
- ★ اگر چھت اڑنے لگے تو گھر کے ڈھکے ہوئے حصے کی کھڑکیاں کھول دیں۔
- ★ اگر کھلی جگہ پر ہوں تو فوراً پناہ تلاش کریں۔
- ★ طوفان کے دوران اگر درمیان میں عارضی طور پر شدت میں کمی واقع ہو تو باہر یا ساحل پر ہرگز نہ جائیں۔

سمندری طوفان عام طور پر اپنے ساتھ بڑی آندھی لے کر چلتے ہیں اور سمندر یا جھیل کے آس پاس زبردست اثر ڈالتے ہیں لہٰذا اگر آپ کا گھر سمندر کے ساحل کے نزدیک ہے تو سیلاب کے ضمن میں دی گئی تمام تر احتیاط کو بروئے کار لائیں۔ (باقی آئندہ)

حکومت مغربی بنگال کے زیر اشاعت رسائل اور انکی شرحِ خریداری

حکومت مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہورہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گراں قدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفصیل درج ذیل ہیں

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفتہ وار	ایک روپیہ	۴۸ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپئے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپئے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپئے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپئے (مع ڈاک خرچ)

۱ تا ۱۵۰۰ سے کم کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت
۱۵۰۰ تا ۳۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
۳۰۰۱ تا ۵۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت
۵۰۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

★ آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔
★ پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔
★ کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔
★ سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

تفاصیل کے لئے بزنس منیجر سے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں:

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ: بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱
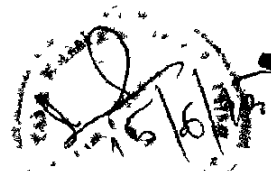
مغربی بنگال

پندرہ روزہ کلکتہ

مغربی بنگال

جلد ۱۴ ★ ۱۵ مارچ و یکم اپریل ۹۵ء ★ شمارہ ۶ اور ۷

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ھاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپے ● نصف سالانہ : پانچ روپے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

اس خصوصی شمارہ کی قیمت · ایک روپیہ

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :
بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱
★ پرچہ کی سرخریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
نیو سکریٹریٹ بلڈنگ، بلاک ۔۔۔
رائٹرس بلڈنگس

فون : 710 : Ext

ور مالیہ وزیر سے بجٹ پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے

خصوصی شمارہ

ترتیب

ریاست کی ہمہ جہت ترقی کیلئے ریاستی حکومت نے اقدامات کئے ہیں

ہماری ریاست اپنی مذہبی اور سماجی ہم آہنگی کی روایت کو برقرار رکھ سکی ہے : — گورنر

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گزشتہ ۷ مارچ کو اپنے خطبہ سے مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے مالی بجٹ سیشن کا آغاز کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں سب سے پہلے اسمبلی کے نشستہ ممبروں، سابق ممبروں، سابق وزراء، سابق صدر گیانی ذیل سنگھ اور بہت سی عظیم شخصیتوں کی موت پر اظہارِ تعزیت کیا۔ انہوں نے اس موقع پر ممبروں اور ان کے ذریعہ ریاست کے عوام کو نئے سال کی مبارکباد دی اور ان کیلئے نئے سال کی خوشیوں کی نیک تمناؤں کا بھی اظہار کیا۔ گورنر موصوف کے خطبہ کا اردو متن اختصار کے ساتھ پیش ہے :

عزت مآب اسپیکر اور اس مقدس ہاؤس کے معزز ممبران !

حالیہ مالی سال کے دوران ودھان سبھا کے پہلے سیشن میں مجھے آپ سبھوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے۔ میں آپ سبھوں کے لئے شادماں نئے سال کی تمنا کرتا ہوں اور آپ کے ذریعہ ریاست کے عوام کو اپنی گرمجوشی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ انتہائی اطمینان کی بات ہے کہ ہماری ریاست اپنی مذہبی اور سماجی ہم آہنگی و امن کی روایت کو برقرار رکھ سکی ہے۔ ہمارے عوام کی سرگرم حمایت کے ساتھ انتظامیہ تنگ نظر اور علیحدگی پسند قوتوں کو روکنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ شری محی الدین، ظفر اوگانوی کی چیئرمین شپ میں حال ہی میں ریاستی اقلیتی کمیشن قائم کیا گیا ہے۔

عوامی امن کو بگاڑنے کی کچھ کوششوں کے باوجود امن و امان کی صورت حال کو برقرار رکھا گیا۔ انٹلی جنس مشنری کو مستعد کرنے اور کلکتہ اور اضلاع دونوں جگہوں میں پولس کے کام کاج کو بڑھاوا دینے کے لئے خصوصی توجہ دی گئی۔ جرم کی جلد تحقیق اور مقدمے کی سماعت کو مکمل کرنے پر متواتر زور دیا گیا ہے۔ ریاست میں عدلیہ مشنری کے کام کو فروغ دینے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے۔ میری حکومت شمالی بنگال میں ہائی کورٹ کے سرکٹ بنچ قائم کرنے پر کلکتہ ہائی کورٹ کی سفارشات کا انتظار کر رہی ہے۔ ریاست کے مختلف حصوں میں لوک عدالت اور قانونی امداد کیمپ قائم کئے گئے۔ ستمبر ۱۹۹۳ء سے کلکتہ میں فیملی کورٹ کام کر رہا ہے۔

اس سال کے دوران جنوبی ۲۴ پرگنہ کے اضلاع بالکوڑہ اور جلپائی گوڑی میں زیریں عدالت اور عدالتِ فوجداری میں بنگلہ کو عدالتی زبان کے طور پر جاری کیا گیا ہے اور اماسال بردوان، مرشد آباد، ندیا اور کوچ بہار کے اضلاع میں اس کے استعمال کی توسیع کے لئے تجویز رکھی گئی ہے۔ سرکاری پیروکاروں، سرکاری وکیلوں اور پینل لائروں کو ملنے والی فیس اور بھتے بڑھا دئے گئے ہیں اور تمام اضلاع میں یکساں کر دئے گئے ہیں۔ میری حکومت کے شعبۂ قانون نے بہت سے قوانین کو بنگلہ اور نیپالی میں ترجمہ کرانے کے کام کو لیا ہے۔ تعزیراتِ ہند مع شرح کا باضابطہ طور پر بنگلہ میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ قانونی اصطلاحات اور محاورات کا ایک مربوط فرہنگ بھی شائع کیا گیا ہے

میری حکومت نے اس عرصہ کے دوران جیلوں میں معیارِ زندگی کو بڑھانے کے لئے مزید اقدامات کئے ہیں۔ خود روزگار اسکیموں کے تحت قیدیوں کو تربیت دینے کے لئے پیشہ ورانہ تربیتی پروگراموں کو چالو کیا گیا ہے۔

میری حکومت نے مغربی بنگال انسانی حقوق کمیشن کی تشکیل کی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ کمیشن جلد اپنا کام شروع کر دے گا۔ اس کمیشن کی سربراہی سابق چیف جسٹس شری چتاتوش مکھرجی کریں گے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے سلسلے میں موصول شکایتوں پر اقدامات کرنے کے لئے ریاستی شعبۂ داخلہ میں ایک انسانی حقوق سیل قائم کیا گیا ہے۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقے پُرامن رہے۔ دارجلنگ گورکھا ہل کاؤنسل کی کارگزاریوں کے لئے سہولتیں کی گئیں۔ دارجلنگ گورکھا ہل کاؤنسل کے ساتھ تفصیلی بات چیت کے بعد میری حکومت نے مغربی

بنگال پنچایتی ایکٹ میں ضروری ترمیمات لائیں۔

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں گرام پنچایتوں کا چناؤ آئندہ ۲۷ مارچ کو ہونے جا رہا ہے۔ کلمپونگ میں ۲۳- بنگ ڈنگرا دارجلنگ گورکھا ہل کاؤنسل حلقۂ انتخابات کے لئے ۲۲ فروری ۹۵ء کو پُرامن انتخابات ہوئے۔ بدقسمتی سے جی این ایل ایف نے دونوں انتخابات کا بائی کاٹ کرنے کے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔ میری حکومت امید کرتی ہے کہ دارجلنگ گورکھا ہل کاؤنسل پہاڑی علاقوں میں اعلیٰ ترین ادارہ ہونے کے ناتے پنچایتوں کے رواں کام کاج میں دستِ مدد اور تعاون بڑھائے گا۔

گزشتہ سال میں نے اپنی تقریر میں ۱۹۷۵ء ہند بنگلہ دیش باؤنڈری معاہدہ کو روبہ عمل لانے کے سلسلے میں صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ صورت حال میں ہر گز کوئی تبدیلی نہیں آئی اگرچہ میری حکومت نے حکومتِ ہند کے سامنے بار بار معاملہ کو اٹھایا۔ میری حکومت امید کرتی ہے کہ ہند۔ بنگلہ دیش باؤنڈری معاہدہ کو روبہ عمل لانے کے لئے جس میں چھوٹے چھوٹے حصوں کا تبادلہ شامل ہے، جلد انتظام کیا جا سکے گا۔

عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے کہ میری حکومت نے ریاست میں زراعت، تیز تر صنعتی افزائش اور سماجی و طبیعاتی لازمی سہولتوں کی مزید ترقی اور استحکام کے لئے متعدد اقدامات کئے۔ سرکاری شعبوں میں لازمی ضرورتوں، ڈسپلن کے نفاذ اور افسروں اور ملازمین کی تربیت و ترغیبات کے ذریعہ کام کاج کی رفتار میں بہتری لائی گئی ہے۔ کھڑگپور میں ایک ریاستی ڈویژنل آفس کھولا گیا ہے۔ ساگردیپ شمالی ۲۴ پرگنہ میں برکی پور، شمالی دیناج پور کے گنگا رام پور اور ندیا کے تیہانہ میں نئے سب ڈویژنوں کے قیام کے لئے کام تیزی سے جاری ہے۔ حکومتِ ہند کی طرف سے منظوری کے بعد ایک ریاستی انتظامیہ ٹریبونل حال ہی میں قائم کیا گیا ہے۔

اصلاحات آراضی کے انتظامیہ کو جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے زمینوں کی ریکارڈوں کو کمپیوٹروں میں لایا جا رہا ہے۔ میری حکومت نے مشترکہ سیکٹر اور نجی سیکٹر کے ذریعہ صنعتی کمپلکسوں، ٹاؤن شپ وغیرہ کی ترقی کے لئے تجاویز کو ہاتھ میں لیا ہے۔

میری حکومت ردواں اور مدنا پور اضلاع میں ایئر فورس کے

متروک قطعۂ آراضی کا بڑا رقبہ دوبارہ حاصل کرنے کے سوال پر حکومتِ ہند سے بات چیت ہوئی ہے۔ ان قطعاتِ آراضی کو متعدد صنعتی یونٹوں کے قیام کے لئے مؤثر طور پر استعمال کیا جا سکے گا۔

دیہی ترقیات کے ایک اہم جزو کے طور پر میری حکومت نے ۱۹۷۸ء سے سہ درجاتی پنچایتوں کے لئے متواتر انتخابات کے ذریعہ غیر مرکوز جمہوری کام کاج کی ضمانت دی ہے۔ پنچایتی ادارے عوامی ترقیات پروگراموں کی حمایت اور سرپرست اداروں کے طور پر متعارف ہیں۔ ریاست میں پنچایتوں اور بلدیاتی اداروں کے لئے انتخابات کرانے کے لئے ایک ریاستی انتخابی کمیشن کی تشکیل کی گئی ہے۔ پنچایتوں اور بلدیاتی اداروں کی مالی حالت کا جائزہ لینے کے لئے، نیز ان کی مالی حالت کی بہتری کے لئے اقدامات کرنے کی سفارشات پیش کرنے کے لئے ایک ریاستی مالیاتی کمیشن کی تشکیل کی گئی ہے۔

میری حکومت نے عام لوگوں بالخصوص کمزور طبقوں سے متعلق لوگوں کی زبردست شمولیت کے ساتھ ریاست میں امداد باہمی کی ساخت کو مضبوط بنانے پر متواتر زور دیا ہے۔

مغربی بنگال ۱۸ر۱۰ ملین میٹرک ٹن کی پیداوار کے ساتھ ملک بھر میں چاول پیدا کرنے والوں میں سب سے آگے ہے۔ آلو کی پیداوار لگ بھگ ۵ ملین میٹرک ٹن ہے جو ریاست کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ اس سال کے دوران ملک میں جوٹ کی کل پیداوار میں ریاست کی حصہ داری ۸۰ فیصد کی ہے۔ فصل اگانے اور کھاد پیدا کرنے کی تہذیبی قومی تناسب کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ ہماری ریاست نے مربوط پیسٹ مینجمنٹ اسکیم اور بارش پر منحصر زراعت کے لئے نیشنل واٹرشیڈ ڈیولپمنٹ پروگرام میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ۳۳ کروڑ روپے کی مالیت سے تیز آبی خطہ کی ترقی کے لئے ایک بیرونی امداد یافتہ پروجیکٹ بھی ۹۵-۱۹۹۴ء میں شروع کیا گیا۔

مغربی بنگال میں اگرچہ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران خوش قسمتی سے کوئی بڑی قدرتی آفتِ ناگہانی نہیں آئی۔ لیکن خشک سالی جیسی صورت حال شمالی بنگال اور مرشد آباد کے اضلاع میں رونما ہوئی جس کا مقابلہ کرنے کے لئے ۲۱ر۲ کروڑ روپے کی رقم بڑی آبپاشی کے لئے کنوئیں کی کھدائی، دوبارہ کھدائی مرمت وغیرہ کے لئے منظور

کی ہے۔ متاثر علاقوں میں متبادل فصل اگانے کی چھوٹی تھیلیوں کی تقسیم کے لئے ۱۷ر۱ کروڑ روپئے کی بھی منظوری دی گئی ہے۔ مرشد آباد، ہگلی اور بیر بھوم کے اضلاع سیلاب سے جزوی طور پر متاثر ہوئے تھے اور راحت کاری مہم کے لئے ۸۸ر۱۸ لاکھ روپئے کی رقم منظور کی گئی۔ ضلع مرشد آباد کے سات بلاکوں گنگا کے کٹاؤ سے اکثر متاثر ہوئے ہیں جس سے تقریباً ۱۵ ہزار افراد متاثر ہوئے ہیں۔ امدادی اقدامات کے لئے ۹۸ر۲۵ لاکھ روپئے کی رقم منظور کی گئی ہے۔ کچھ اضلاع میں طوفان، سائیکلون وغیرہ سے متاثر افراد کو امداد پہنچانے کے لئے ۳۸ر۱۷ لاکھ روپئے منظور کی گئی۔ جولائی ۱۹۹۳ء میں سیلاب سے تباہ ہونے والے سکنڈری اسکولوں وغیرہ کی مرمت اور بحالی کے لئے ۱۰ر۲ کروڑ روپئے کی بھی منظوری دی گئی۔

پرولیا، بانکوڑہ اور مدناپور کے خشک سالی زدہ علاقوں میں تبنا بیرج پروجیکٹ، کنگسابتی ریزروائر پروجیکٹ، مدناپور کینل سسٹم اور متوسط آبپاشی اسکیموں کے ذریعہ ۴۹ر۱۲ لاکھ ہیکٹر زمینوں میں آبپاشی کے مواقع پیدا کئے گئے ہیں۔ ۴۸ کروڑ روپئے کی لاگت سے اسی سال کے دوران ۴۱۰۰۰ ہیکٹر زمینوں کی آبپاشی کے مواقع پیدا کرنے کی امید کی جاتی ہے۔ سبرنا ریکھا بیراج پروجیکٹ کو وزارتِ ماحولیات سے منظوری مل گئی ہے اور اب اس پر عمل درآمد کیا جارہا ہے۔ گنگا۔ پدماندی کے پیچ و خم کی وجہ سے مالدہ اور مرشد آباد کے اضلاع کے وسیع علاقوں میں مٹی کا کٹاؤ ہو رہا ہے۔ جب میری حکومت نے لگاتار کٹاؤ کے اقدامات کئے ہیں یہ مزدوری ہو جاتا ہے۔ ایسے مسلسل واقعات کی روک تھام کے لئے ایک جامع اسکیم کو چالو کیا جائے۔ مختلف حفاظتی اقدامات کو روبہ عمل لانے کے لئے موزوں تکنیکی جائزہ اور فاضل مرکزی امداد کی فوری ضرورت کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس مقدس ہاؤس سے ایک کل جماعتی وفد نے دہلی کا حال ہی میں دورہ کیا۔ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کے ساتھ حالیہ بات چیت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ گنگا۔ پدما پر مٹی کے کٹاؤ کو روکنے کے اقدامات کی نگرانی کے لئے وزیر اعلیٰ کی چیئرمین شپ میں ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی کی تشکیل کی جائے۔

۱۹۹۳-۹۴ء کے اواخر میں چھوٹی آبپاشی سیکٹر میں کل آبپاشی کے امکانات ۴۹ر۲۷ لاکھ ہیکٹر تھے اور ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران ایک لاکھ ہیکٹر کی کامیابی کی امید کی جاتی ہے۔ ۱۹۹۵-۹۶ء کے دوران چھوٹی آبپاشی سیکٹر میں ایک لاکھ ہیکٹر کی فاضل آبپاشی کے امکانات پیدا کئے جائیں گے۔ دو پروجیکٹوں مغربی بنگال ٹیوب ویل آبپاشی پروجیکٹ اور مغربی بنگال چھوٹی آبپاشی پروجیکٹ کا دوسرا مرحلہ، کو بیرونی امداد یافتہ پروجیکٹوں کے طور پر شامل کرنے کے لئے حکومتِ ہند کو جمع دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انجاد آبی وسائل پروجیکٹ کو حکومتِ ہند بیرونی امداد یافتہ پروجیکٹ کے طور پر مدد کے لئے شعبہ آبپاشی اور شعبہ آبی نقل و حمل نے مشترکہ طور پر جمع دیا ہے۔

جواہر روزگار یوجنا کے تحت ۳۵ر۲۹۵ لاکھ کام کے دن پیدا کرنے کے لئے حالیہ مالی وسائل کے دوران جنوری ۱۹۹۵ء تک ۲۴ر۱۴۹ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ اسی عرصہ کے دوران اندرا آواس یوجنا کے تحت ۴۸۵۴ مکانات تعمیر کئے گئے۔ جواہر روزگار یوجنا کے دوسرے دور کے تحت ۷۷ر۵۰ لاکھ کام کے دن کے مواقع پیدا کرنے کے لئے ۸۰ر۲۷ کروڑ روپئے جنوری ۹۵ء تک خرچ کئے گئے۔ جواہر روزگار یوجنا کے تحت ایک خصوصی اسکیم کو سندربن علاقے کے لئے روبہ عمل لایا جارہا ہے جس پر جنوری ۹۵ء تک ۱۱ر۴ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے ہیں۔ ۱۲۹ بلاکوں میں روزگار ضمانت اسکیم پر عمل درآمد کیا جارہا ہے جس کے لئے ۴۱ر۱۰۸ لاکھ کام کے دن کے مواقع پیدا کرنے کے لئے جنوری تک ۷۳ر۵۵ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ آئی آر ڈی پی کے تحت جنوری، ۱۹۹۵ء تک ۹۲۸۷۲ خاندانوں کو بینک کے قرض کے علاوہ ۶۰ر۲۷ کروڑ روپئے کی امداد دی ہے۔ ٹرائی سیم (TRYSEM) پروگرام کے تحت اسی عرصہ کے دوران ۱۲۰۲۴ نوجوانوں کو تربیت دی گئی۔

ترقیاتِ حیوانی وسائل کے میدان میں میری حکومت نے مویشیوں کی کوالیٹی کو بڑھانے، منجمد مادہ تولید کے لئے سہولتیں مہیا کرنے، چارہ کی پیداوار میں اضافہ اور دودھ اور گوشت کی پیداوار کو فروغ دینے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ اس سال کے دوران کلکتہ اور ہوڑہ کے ممنوعہ علاقوں سے کھٹال کو منتقل کرنے کے لئے خصوصی مہم چلائی گئی۔ ۱۷۲ دیہی ڈیری کو آپریٹو سوسائٹیز قائم کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ ویسٹ بنگال ڈیری اینڈ

ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے بنگلہ دیش کو مویشیوں کے چارہ کی برآمدات شروع کردی ہے۔ پانچ اضلاع کے ۱۳ بلاکوں میں عالمی بینک کی امداد سے جاری کردہ ایک وسیع ترقیاتی پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران میری حکومت ۲۰۰ سیمی پارمنٹ ملک ڈپو کی تعمیر، منی ڈیری کے قیام اور دودھ کے لئے زرخیز دور دراز علاقوں میں سرد پودوں کی شجر کاری، خشک گوشت کی فیکٹری کی جدت کاری، ہرن گھاٹا میں مادہ تولید کو منجمد کرنے کی لیبارٹری کے قیام اور مویشیوں کے چارہ پودوں کی شجر کاری، انڈے، گوشت وغیرہ کے ٹھنڈے گھر کا قیام کی تجویز رکھتی ہے۔ میری حکومت نے حال ہی میں ویسٹ بنگال یونیورسٹی آف اینمل اینڈ فشری سائنس قائم کی ہے

ماہی پروری کے سیکٹر میں مغربی بنگال نے لگاتار آٹھویں برس بھی بہترین پیداوار کے لئے ایوارڈ پایا ہے۔ فراسر گنج فشنگ ہاربر اس سال چالو ہو جائے گا اور شنکر پور فشنگ ہاربر کا دوسرا دور جلد شروع ہو جائے گا۔

گزشتہ برسوں کے دوران جنگل کے کنارے آباد دیہاتوں کے لوگوں کی شمولیت سے، بنجر حال جنگلوں کی از سر نو پیداوار پر، پنچایتوں کی سرگرم حمایت سے غیر جنگلاتی علاقوں اور سرکاری خالی زمینوں کی جنگل کاری پر بھی زور دیا گیا ہے۔ جنوبی بنگال میں جنگلات تحفظ کمیٹی کے تصور کو درج دیا گیا ہے اور اسے سندربن، شمالی بنگال کے علاقوں بشمول پہاڑی علاقوں تک پھیلا دیا گیا ہے

مغربی بنگال آلودگی کنٹرول بورڈ کو مضبوط بنانے کے لئے بیرونی معاشی کارپوریشن فنڈ کے ساتھ ۳۶ر۴۵ کروڑ روپے کے لئے ایک قرضی معاہدے پر دستخط کیا گیا ہے۔ کلکتہ کے لئے ماحولیاتی مینجمنٹ کی تدبیر اور ایکشن پلان کی تیاری کے لئے بیرونی ترقیاتی انتظامیہ کے ساتھ بات چیت نقطہ عروج پر ہے۔ دریائے گنگا کے چار اسٹیشنوں میں پانی کی کوالیٹی کی نگرانی کی جا رہی ہے

کم از کم ضرورت پروگرام اور اے آر ڈبلیو ایس پروگرام کے تحت دیہی علاقوں میں پانی سپلائی اسکیم کو اپنایا گیا ہے۔ عوام کو دستیاب پینے کے پانی کو محفوظ بنانے کے لئے کئے گئے اقدامات کے نتیجے میں میری حکومت مارچ ۱۹۹۴ء تک تقریباً ۶۵ر۲ فیصد دیہی آبادی کو مستفید کر سکی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ مارچ ۱۹۹۴ء تک ۹ر۷۰ فیصد اور

۱۹۹۵ء میں ۸ر۹۹ فیصد دیہی آبادی کو مستفید کر سکے گی۔

میری حکومت ۸ ویں منصوبہ کے اختتام تک واٹر سپلائی سسٹم کے پروگرام کے ذریعہ ۷۵ فیصد شہری آبادی کو مستفید کرنے کی امید رکھتی ہے۔ مارچ ۱۹۹۵ء تک غیر سی ایم ڈی اے میونسپل علاقوں میں ۶۸ر۵ فیصد شہری آبادی کو مستفید کرنے کی امید کرتی ہے۔ شہری پانی سپلائی اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے حکومت کے اقدامات کو مستحکم بنانے کے لئے ہڈکو (HUDCO) اور ایل آئی سی سے قرض کی امداد حاصل کی گئی ہے۔

ریاستی حکومت ۲۰۲۴۶ خوردہ فروش دکانوں کے ساتھ عوامی نظامِ تقسیم کا ایک وسیع پروگرام چلاتی ہے۔ بے زمین زرعی مزدوروں اور ان کے اہلِ خاندان کے لئے سال کے مندا موسم کے دوران متواتر چار ہفتوں کے لئے رعایتی چاول کی تقسیم کی اسکیم کو جاری رکھا گیا۔ ریاست میں عوامی نظامِ تقسیم کے تحت ریاست میں ۷۰ر۷۵ لاکھ عوام جو آئی ٹی ڈی پی خشک سالی زدہ علاقوں میں ۱۲۸ بلاکوں میں رہتے ہیں اور پہاڑی علاقوں میں آباد ہیں رعایتی قیمتوں پر لازمی اشیاء پاتے ہیں۔ کراسن تیل، ایل پی گیس، دالوں اور کھانے کے تیل کی دستیابی کو عام دھارے میں لانے اور ترقی دینے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔

فی الحال ۱۸۳ آئی سی ڈی ایس پروجیکٹس پورے طور پر چالو ہیں اور حالیہ برس میں سات پروجیکٹوں کے چالو ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ مزید ۴۰ پروجیکٹوں کو ۹۶-۱۹۹۵ء کے اواخر تک چالو کر دیا جائے گا۔ آئی سی ڈی ایس بالخصوص عورتوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی اسکیم کے طور پر بھی کام کر رہی ہے۔ آئی سی ڈی ایس علاقوں میں صفر تا ۶ سال تک کی عمر والے تمام بچوں کے لئے مزید تغذیہ دینے کا فیصلہ لیا گیا ہے۔ جلپائی گوڑی، مرشد آباد، مالدہ اور پرولیا کے اضلاع میں نابالغ لڑکیوں کی اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

کرشنا نگر میں کم سن لڑکیوں کے لئے ایک ہوم کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور ایک دوسرا ہوم کلکتہ کے سالٹ لیک اسٹیڈیم میں تعمیر ہونے جا رہا ہے۔ کم سن لڑکیوں کا ایک ہوم بالور گھاٹ میں تکمیل کے قریب ہے۔ میری حکومت نے مغربی بنگال کمیشن برائے خواتین کے ساتھ مسلسل تال میل قائم رکھا ہے۔ خواتین کے ایک ترقیاتی ادارہ کو کمپنی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کیا گیا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ جلد اپنا کام شروع

کردیگا۔ میری حکومت بچوں اور عورتوں کی فلاح و بہبود کے میدان میں رضاکار تنظیموں کو ان کی سرگرمی کی حمایت کے لئے امداد فراہم کر رہی ہے۔ رضاکار تنظیموں کی طرف سے شہر کلکتہ کے سڑکی بچوں کی بہبود کے لئے ایک اسکیم چالو کیا جارہا ہے جس سے تقریباً ۴۰۰۰ بچے مستفید ہوں گے۔ تمام ویلفیئر ہوم کے مقیم افراد اور ریاست میں آئی سی ڈی ایس پروجیکٹ سے مستفید ہونے والے افراد کی طرف سے کلکتہ میں ایک کامیاب ثقافتی پروگرام کا اہتمام کیا گیا تھا۔

میری حکومت میڈیکل علاج کے شفا بخش اور احتیاطی پہلوؤں کی ترقی پر نیز ماحیتی معیار کی بہتری پر مسلسل دھیان دے رہی ہے۔ طبی سہولتوں کو بڑھنے کے لئے میری حکومت نے مشترکہ سیکٹر اور نجی سیکٹر میں ہسپتالوں کے قیام کی حمایت کی ہے۔ حکومتِ ہند کی مدد سے کلیانی میں طبی تعلیم، تحقیق اور ریسرچ کے لئے آل انڈیا انسی ٹیوٹ کے قیام کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ملیریا، کالا زار، جاپانی انسیفالائٹس، فیلیریا اور ٹی بی وغیرہ جیسی بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے احتیاطی طبی علاج لنظام کے تحت مختلف اقدامات کئے گئے ہیں۔ منشیات کے غیر عادی پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لئے خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام کے تحت سخت چوکسی برقرار رکھی جارہی ہے۔ ہر ضلع ہسپتال میں ۱۰ فاضل بستر، ہر تدریسی ہسپتال میں ۴۰ بستر اور غیر مجرم پاگلوں کی رہائش کے لئے تین دماغی ہسپتالوں میں ۴۵۰ بستر مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ریاست میں ماں اور بچہ کی صحت پر خصوصی زور دینے کے ساتھ ایک پرائمری طبی علاج پروجیکٹ اپنایا گیا ہے۔ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران دیہی علاقوں میں امید کی جاتی ہے کہ ۹۲ ہومیو پیتھک شفاخانے اپنا کام شروع کردیں گے۔ حالیہ سال کے دوران دو یونانی شفاخانوں نے اپنا کام شروع کردیا ہے اور ۶ ایسے یونٹ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران قائم کئے جائیں گے۔

ہماری ریاست نے شرحِ اموات کے سلسلے میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی ہے اور بچوں کی شرح اموات پر قابو پالیا گیا ہے۔ میری حکومت متمنی سطح تک شرحِ پیدائش کو کم کرنے کے لئے بہت سے سنجیدہ اقدامات کی ضرورت پر زور دے رہی ہے۔ کلکتہ کے میٹرو پولیٹن علاقوں میں عالمی بینک سے مالی امداد یافتہ آئی پی پی VIII

پروجیکٹ کو روبہ عمل لانا شروع کردیا گیا ہے۔ معاشی طور پر کمزور طبقوں پر مشتمل ۸ر۳ ملین عوام کے لئے فیملی بہبود اور زچگی اور بچوں کے طبی علاج کو فروغ دینا ہی پروجیکٹ کا مقصد ہے۔

میری حکومت کے شعبۂ رفاہ برائے شیڈلڈ کاسٹ اور شیڈلڈ ٹرائب کی طرف سے ایس سی/ ایس ٹی طلباء کی رفاہ، غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی معاشی بہبود، ایس سی/ ایس ٹی کی اکثریتی آبادی والے علاقوں میں ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ اور لازمی ضروریات کی ترقی کے لئے بہت سی اسکیموں کو مستعدی کے ساتھ روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران مختلف اسکیموں پر جن میں اسکالرشپ، کتاب کے لئے عطیہ، ہاسٹل کا کرایہ وغیرہ شامل ہیں ۷۰ر۲۹ کروڑ روپئے خرچ کرنے کی امید کی جاتی ہے۔ مختلف زبانوں اور بولیوں کی ترقی کے سلسلے میں ایک ڈرامہ مقابلہ اور ثقافتی مسابقتوں کا قبائلی زبانوں میں اہتمام کیا گیا ہے۔ ایس سی/ ایس ٹی کے اکثریت والے مقاموں کے اندرونی علاقوں میں سڑکی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ مغربی بنگال کمیشن برائے پسماندہ طبقات کی سفارشات کے مطابق میری حکومت نے اب تک ۲۵ قبائل کو دیگر پسماندہ طبقوں کے طور پر اعلان کیا ہے اور حکومتِ مغربی بنگال مقامی اور قانونی حکاموں، کارپوریشنوں وغیرہ کے تحت نوکریوں اور عہدوں میں ۵ فیصد آسامی کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے۔

میری حکومت نے اجڑے ہوئے لوگوں کی کالونیوں کی ترقی کے لئے حکومتِ ہند کو مناسب امداد کے لئے بہتیرے بار نمائندگی کی ہے۔ اس مسئلے پر اس مقدس ہاؤس سے کل پارٹی وفود نے بھی حکومتِ ہند کو عرض داشت دیا ہے۔ حکومتِ ہند نے ابتک مرحلہ I اور مرحلہ II کے تحت ہونے والے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ریاستی حکومت کو ۲ر۳۲ کروڑ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

حکومت ہند نے دس ہزار پلانٹ کی ترقی کے لئے ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران ۸ کروڑ روپئے مختص کرنے کی منظوری بھی دی ہے۔ ہم نے جہاں اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے وہاں اس مختص کردہ رقم کو ضرورت کے لئے بہت ہی کم بتایا ہے۔ میری حکومت حکومتِ ہند سے اس معاملہ میں بات چیت جاری رکھے گی۔

۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران ریاست کی یونیورسٹیوں میں موجودہ تعلیمی

سہولتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی اور جادب پور یونیورسٹی کے دوسرے کمپلکس کی تعمیر کا کام لیا گیا ہے۔ ودیا ساگر یونیورسٹی کے تیسرے مرحلے کا تعمیری کام تیزی سے آگے بڑھا ہے۔ اعلیٰ تر تعلیم کیلئے ایک ریاستی کاؤنسل قائم کیا گیا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ جلد کام شروع کر دے گا۔ تعلیمی اور لازمی ضرورتوں کی سہولتوں کو بڑھاوا دینے کیلئے سرکاری کالجوں میں اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ سالٹ لیک میں لیدر ٹیکنالوجی کے قیام کے لئے دوسرے کیمپس کا تعمیری کام ۹۶-۱۹۹۵ء میں مکمل ہو جانے کی امید ہے۔ کلیانی میں گورنمنٹ انجینیرنگ کالج کے قیام کی تجویز کو منظور کیا گیا ہے۔ مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی عمارت زیر تعمیر ہے۔ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران دو نئے غیر سرکاری ڈگری کالجوں — ایک فرقا اور دوسرا ہری رام پور میں قائم کئے گئے ہیں۔ اسٹیٹ آرکائیوز کے لئے ایک عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔

ریاستی تعلیمی کمیشن کی سفارشات کے پیش نظر ۹۵-۱۹۹۴ء کے تعلیمی سیشن سے جماعت V میں انگریزی کو ایک لسانی موضوع کے طور پر چالو کیا گیا ہے۔ ویسٹ بنگال بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن ایکٹ ۱۹۹۴ء پاس کیا گیا ہے جس کے تحت حکومت ویسٹ بنگال مدرسہ ایجوکیشن کو ایک اختیاراتی ادارہ کے طور پر تشکیل کر سکی ہے۔ ۲۷ موجودہ اسکولوں کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر لٹریسی اینڈ اسٹڈیز ان اسکول کے پروجیکٹ کے تحت ۲۵ ہائر سکنڈری اسکولوں کو لایا گیا ہے۔ ریاست کے پانچ اضلاع میں ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران کچھ خاص علاقوں کو پرائمری تعلیم کے لئے ٹھوس امداد کی درخواست کی گئی ہے۔

عالمی بینک کے امداد یافتہ ٹیکنیکل ایجوکیشن پروجیکٹ اور اسکیل ڈیولپمنٹ پروگرام زیر تکمیل ہیں۔ نئے ڈپلوما کورس چالو کئے گئے ہیں اور تمام پولی ٹیکنیکس کو نئی مشینوں، کتابوں اور فرنیچر سے مزین کیا جا رہا ہے۔

ریاست کے ۱۶ اضلاع بشمول کلکتہ کو مکمل خواندگی پروگرام کے تحت لایا گیا ہے۔ ان گیارہ اضلاع میں بعد از خواندگی مہم اور مسلسل تعلیم شروع کی گئی ہے۔ مکمل خواندگی مہم کے نتیجے میں ریاست میں خواندگی کی شرح ۱۹۹۱ء کے ۵۷.۷ فیصد سے ۱۹۹۵ء میں ۶۹.۴ فیصد ہو گئی ہے۔ مہم کے ایک جزو کے طور پر، پرائمری اسکولوں میں ۵ تا ۸ برسوں کے بچوں کے نام اندراج کرنے کے لئے ایک وسیع مہم کا آغاز کیا

گیا ہے۔ معذور بچوں کی تعلیم کے لئے بھی زور دیا گیا ہے۔ نابینا، بہرے، گونگے اور ذہنی طور پر مفلوج بچوں کے لئے ۴۴ ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس سال کے دوران نابینا بچوں کے لئے ایک ادارے کو قومیایا گیا ہے۔

میری حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی صنعتی ترقیات پر میری حکومت کے پالیسی اسٹیٹمنٹ کو پروجیکٹ کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ میری حکومت نے حال ہی میں منعقدہ کنفیڈریشن آف انڈین انڈسٹریز کی صدسالہ تقریبات، اور انڈین سائنس کانگریس کے منتظمین کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی، دیہی ترقیات، خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ جیسے اہم موضوع پر کثیر الابلاغ مہم کا اہتمام کیا گیا۔ سینما کی صدسالہ تقریب منانے کے لئے ایک سالگرہ کا پروگرام مرتب کیا گیا ہے۔

سالٹ لیک میں حکومت اٹلی کے اشتراک سے ۱۰ کروڑ روپئے کے پروجیکٹ لاگت سے بننے والے ویڈیو۔ کم ٹریننگ سنٹر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ فلمی اداروں اور فلمی سوسائیٹوں کی بھری، سماجی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ٹالی گنج میں سابقہ رادھا اسٹوڈیو میں صدسالہ سینما کمپلکس قائم کیا جا رہا ہے۔ بنگلہ اکاڈمی اور لوک اور قبائلی ثقافتی سنٹر کو خود مختار کر دیا گیا ہے۔ آرکائیولوجی اور میوزیم کے ڈائرکٹوریٹ نے ضلع مالدہ کے جگجیون پور میں ایک قدیم بدھسٹ خانقاہ کو کھود کر نکالا ہے۔ پنچایتی ادارے ریاست کے محفوظ یادگاروں کے تحفظ میں لگے ہوتے ہیں۔

بستی کی ترقی، ٹھاکروں کی آزادی، بلدیاتی علاقوں کی ترقی، پینے کے پانی، نہرو روزگار یوجنا، غریبوں کے لئے شہری بنیادی خدمات جیسے بہت سے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ہماری ریاست این آر وائی کے تحت شہری بستی واسیوں کو یو بی ایس پی کے تحت لانے کی امید کیجاتی ہے۔ سلی گوڑی اور آسنسول میونسپل کارپوریشنوں میں گزشتہ ۱۵ مئی ۱۹۹۴ء کو عام انتخابات کرائے گئے۔ ان شہری مقامی اداروں میں جہاں ۱۹۹۶ء کے دوران انتخابات باقی ہیں وہاں عام انتخابات کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران پانچ نئے ڈسکی گھر کی عمارتیں کھولی گئی ہیں اور مزید سات عمارتوں کی تعمیر کا کام جلد کیا جائے گا۔ ڈسکل کو جدید ساز و سامان سے جدت کاری کی گئی ہے۔ ریاست میں

سی ایم ڈی اے اور دیگر ترقیاتی ادارے توسیعی خدمات کی بنیادوں پر پانی کی سپلائی، نالے ونکاسی کی توسیع وترقی، شہری طبی علاج کے ساتھ ہی ساتھ ٹرافک اور ٹرانسپورٹ کیلئے بنیادی ضرورتوں کی ترقی پر سہولتوں کو فروغ دینے کے کام میں مسلسل معروف ہیں۔ میری حکومت نے شمالی ۲۴ پرگنہ کے راجرہاٹ میں نئے ٹاؤن شپ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کلکتہ اور دیگر شہری علاقوں میں رہائشی سہولتوں کے فروغ کے لئے ہاؤس بورڈ اور سی ایم ڈی اے نے متعدد پروجیکٹ اپنائے ہیں اور مشترکہ سیکٹر کمپنیاں بھی رہائشی تعمیرات کی سرگرمیوں میں معروف عمل ہیں۔

میری حکومت سائنس اور ٹکنالوجی کی مقبولیت کے لئے اپنے پروگرام میں مسلسل معروف ہے۔ ڈیجٹل ایمیج پروسیسنگ سسٹم اور جغرافیکل انفارمیشن سسٹم قائم کئے گئے ہیں۔ اس سال کے دوران آر اینڈ ڈی پروجیکٹوں کو قابلِ تجدید توانائی ترقیات کے میدان میں حمایت کی گئی ہے۔

صنعتی ترقی پر نئے سرے سے زور دئے جانے کے سلسلے میں ریاست میں سڑک پروگرام کی بہتری، توسیع وترقی پر خاصی اہمیت دی گئی ہے اور معمولی بجٹری تخمینہ اور عالمی بینک سے ملنے والی مدد سمیت سیڑنی امداد کے ذریعہ ضروری لازمی سہولتوں کو فراہم کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

ٹرانسپورٹ کے میدان میں ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی طرف سے نئی بسوں کی حصولیابی کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان اقدامات میں نئی سو بسیں، پرانی بسوں کی مرمت اور انہیں کمپیوٹر کے مطابق لانا شامل ہیں۔ ڈیپو اور ٹرمینل کی تعمیر وترقی کے لئے گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ این بی ایس ٹی سی کے سنٹرل ڈپو کو حال ہی میں کوچ بہار میں چالو کیا گیا ہے۔ ودیا ساگر سیتو کی ٹرافک بہتری کے لئے دریائے ہگلی کے دونوں کناروں ذیلی راستوں کے لئے تعمیری کام نقطۂ عروج پر ہے۔ گاڑیوں کی آلودگی روکنے کے لئے ستمبر ۱۹۹۲ء میں ایک خصوصی مہم چلائی گئی ہے۔

ریاست میں توانائی صورت حال میں بتدریج ترقی ہوئی ہے اور ریاست میں نئے سرمایہ کاروں کو متوجہ کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ریاستی توانائی ایجنسیوں نے تمام تر توانائی صورت حال میں بہتری لانے کے لئے ضروری اقدامات کئے ہیں۔ فرخا سپر تھرمل پاور اسٹیشن کے

۵۰۰ میگاواٹ یونٹ کی تجارتی پیداوار کے آغاز کے ساتھ ریاست میں اور سنٹرل سیکٹروں میں مخلوط تنصیب شدہ صلاحیت اب ۴۹۵۶ میگاواٹ ہوگئی ہے۔ سیکٹر میں کل بجلی پیداوار گزشتہ سال کے نومبر کے دوران ۸۷۶۵ میگاواٹ کے مقابلہ میں نومبر ۱۹۹۲ء تک ۹۴۱۱ میگاواٹ ہے۔

اس سال کے دوران ۸۵ نئی صنعتی یونٹوں کو ۲۰٫۷ میگاواٹ کے ساتھ بجلی سے جوڑا گیا ہے۔ دیہی ترقیاتی پروگرام کے تحت ۸۴ موضوعات میں بجلی پہنچائی گئی ہے۔ ۸۰۶ پمپ سیٹوں کو توانائی دی گئی اور کوٹیر جیوتی۔ لوک دیپ اسکیم کے تحت ۱۷۷۹ یونٹوں کو سروس کنکشن فراہم کیا گیا۔

سیاحتی ترقیات کے لئے ایک ماسٹر پلان تیار کیا گیا ہے۔ موجودہ سیاحتی سہولتوں کو بڑھاوا دینے اور انہیں برقرار رکھنے کے لئے نئے سیاحتی مراکز کی ترقی کے لئے خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ ریاست میں سیاحت کی ترقی کے لئے نجی سیکٹر بھی سرگرم عمل ہے۔

میری حکومت کے اقدامات میں اصل زور چھوٹے پیمانے کے سیکٹر، ہینڈلوم اور ریشم سازی میں تعاون کے ذریعہ مزدوری کے جامع روزگار پر زور دیا گیا ہے۔ میری حکومت حب خود روزگار اسکیموں کے فروغ کے لئے وزیراعظم کا روزگار یوجنا کے تحت اپنی کارکردگی کی بہتری کیلئے ضروری اقدامات کر رہی ہے، یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ مالی ادارے منظور شدہ میسوں کی بروقت مالی منظوری کے لئے خاصی اہمیت دے۔ کلکتہ لیدر کمپلکس کے قیام کے لئے انتظامات میں کافی تیزی آئی ہے۔ ریاستی حکومت نے کلکتہ میں فیشن ٹکنالوجی کا ایک قومی ادارہ قائم کرنے کے لئے حکومت ہند کو زمین اور عمارتیں مہیا کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ بہار پور، گارڈن ریچ، مٹیا برج میں ایک جامع گارمنٹس کمپلکس اور سالٹ لیک میں ہوزیری کمپلکس قائم کیا جائے گا۔ میری حکومت نے ہیرے اور جواہرات یونٹوں کے قیام کے لئے بھی اقدامات کئے ہیں۔ جوٹ کی پیداوار کو متنوع بنانے کے لئے بھی حمایت کی گئی ہے کاریگروں کو تربیت دینے کے لئے بج بج میں ایک سنٹرل۔ وزٹ۔ ویبر ٹریننگ سنٹر قائم کیا گیا ہے۔

جھاڑ گرام اور بلپہاڑی میں ڈولفٹ پروسینگ اور ٹریننگ سنٹرس قائم کئے گئے ہیں۔ سونار پور، بول پور اور رجے گنج میں تین فوڈ پروسیسنگ

کی یونٹوں کے قیام کا کام تیزی سے جاری ہے ساروغ کی پیداوار اور پروسیسنگ اور تخم کی سپلائی پر ٹریننگ کے لئے سوناممکھی، ہم پیٹھی، کلیانی اور بول پور میں چار مراکز کھولے گئے ہیں۔ دھان کونی میں فوڈ پروسیسنگ انڈسٹریل اسٹیٹ کے قیام کا کام لیا گیا ہے

میری حکومت نے ریاستی حکومت کی سطا میہ کنٹرول کے تحت سرکاری تحویل میں لئے گئے اداروں کی کارکردگی میں بہتری لانے کیلئے مسلسل زور دیا ہے ریاستی دیئر مارکٹنگ کارپوریشن منافع کمارہی ہے جبکہ اس سال امید کی جاتی ہے کہ سرسوتی پریس خاص منافع کمائے گا۔ الیکٹرو میڈیکل اور الائیڈ انڈسٹریز لمیٹڈ اور ویسٹ بنگال کونسیل انڈسٹریز پر تشفی بخش ہے

حکومت کے کنٹرول اور مینجمنٹ کے تحت چلنے والی یونٹوں کے احیائے نو اور قدید کے علاوہ میری حکومت پرائیویٹ سیکٹر میں بیمار یونٹوں کے احیائے نو کی ضرورت اور پائیدار سانے کی ضرورت پر بھی متفکر ہے ایک پالیسی پروگرام راحت کاری اور رعایت دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے جسے ان یونٹوں کو دیا جائے گا جو بی آئی ایف آر کے دائرہ اختیارات کے تحت آتی ہیں یہ دیکھا گیا ہے کہ جنوری ۱۹۹۵ء میں ۱۶۲ یونٹوں کو جن میں جوٹ ملیں اور ۱۹ مرکزی دعوانی سیکٹر کے ادارے شامل ہیں بی آئی ایف آر کے تحت بتایا گیا ہے ان میں سے بی آئی ایف آر نے مالی امداد منظور کی گئی ہے ۷۴ معاملوں کو مسترد کر دیا گیا ہے اور ۵۴ یونٹوں کے سلسلے میں مالی امداد پہنچانے کی سفارش کی گئی ہے میری حکومت ریاست میں مرکزی عوامی سیکٹر یونٹوں کے احیائے نو کے لئے حکومت ہند کو بار بار عرضداشت پیش کر رہی ہے۔

میری حکومت مغربی بنگال میں دگنی صنعت کو انڈین ریلویز کی طرف سے مناسب آرڈر دیئے کی ضمانت کے ذریعہ چلانے پر بھی مسلسل زور دے رہی ہے اور اس مقصد کے لئے وزارت کو مناسب فنڈ فراہم کرنے پر بھی زور دے رہی ہے۔

عزت مآب ممبران، یاد ہوگا کہ ۲۳ ستمبر ۱۹۹۴ء کو ہاؤس کے سامنے صنعتی ترقی پر ایک پالیسی اسٹیٹمنٹ پیش کیا گیا تھا مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن کو دوبارہ مستحکم کیا گیا ہے اور ایم جی جی بی کو اس کا چیئرمین منتخب کیا گیا ہے بہت سی صنعتی تجاویز کی جلد از جلد منظوری کے لئے مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن میں

یک روزی میکانزم کے معیار کو بڑھایا گیا ہے۔ کنفیڈریشن آف انڈین انڈسٹریز نے اپنی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ارتھور ڈی لیٹل کی طرف سے ایک اسٹڈی چالو کی ہے۔ حکمت عملی کا پس منظر "مغربی بنگال کے صنعتی مستقبل کی لبھارت" پر آرتھور ڈی لیٹل کی رپورٹ پر حکومت نے غور کیا ہے اور مناسب اقدامات کئے گئے ہیں۔ آئی سی آئی سی آئی نے ریاست میں بنیادی سہولتوں کی ترقی کے لئے ایک نئی کمپنی میں شرکت کرنے کی پیشکش کی ہے اور متعلقہ ریاستی ایجنسیوں کے ساتھ مل کر الیسی ایک کمپنی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ زمین کی حصولیابی کے لئے اقدامات سنجیدگی کے ساتھ زیر غور ہے۔ نقل و حمل اور آمد و رفت کی ترقی کیلئے تجاویز ارتقاپذیر ہے۔ میگا سٹی اسکیم، سیٹلائٹ ٹاؤن شپ، میجر ہاؤسنگ اسکیم اور سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کے ذریعہ سماجی بنیادی سہولتوں کو فراہم کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے اسی طرح نجی سیکٹر کی طرف سے ماڈرن ہسپتالوں اور اسکولوں کے قیام کی تجویز کی حمایت کی گئی ہے۔ ریاستی حکومت اور مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن، صنعتی تنظیموں اور چیمبر آف کامرس کے ساتھ بات چیت کر رہے ہیں۔ برطانیہ، آسٹریلیا، بنگلہ دیش، سنگاپور اور چین سے کافی تعداد میں بیرونی وفود نے ریاست کا دورہ کیا۔ بہت سی بڑی کمپنیوں جیسے فلپس، اے سی سی، سیمنس، جی کے ڈبلو، ٹاٹا، آر جی پی، ہندستان لیورس، انڈیا فوئلس وغیرہ کی طرف سے سرمایہ کاری کا فیصلہ کیا گیا۔ اس عرصہ کے دوران مغربی صنعتی ترقیات (WB IDC) اور ڈبلیو بی ای آئی ڈی سی (WB EID C) کی طرف سے متعدد صنعتی اور بنیادی سہولتوں کی ترقیات پروجیکٹ کے قیام کے لئے بہت سے ایم او یو پر دستخط کئے ہیں۔ چینی وفد کے دورہ کے دوران چار شہروں پر مبنی کمپنیوں نے اسٹیل پلانٹ / پگ آئرن پلانٹ کے قیام کے لئے ایم او یو پر دستخط کئے ہیں۔ ہلدیہ پیٹرو کیمیکلس لمیٹڈ معاہدہ کو حتمی بنانے اور لوبلی۔ پارکس کے فروغ کیلئے سرگرم عمل ہے۔ ریاست میں صنعت کاری کے طریقہ کار کیلئے میری حکومت کیطرف سے اہمیت دئے جانے کے ساتھ ہندستان اور بیرونی سرمایہ کاروں کے درمیان بڑھتی ہوئی دلچسپی پیدا کی گئی ہے اور میری حکومت ریاست میں سرمایہ کاری، پیداوار، برآمدات اور روزگار کے فروغ میں اس نئی دلچسپی کے موثر استعمال کیلئے تجویز رکھتی ہے — مجھے یقین ہے کہ عزت مآب ممبروں کو بجٹ کے مباحثہ کے دوران مختلف شعبوں کی مفصل سرگرمیوں کی وضاحت کا موقع ملے گا۔

میں آپ کے غور و فکر کی کامیابی کی نیک تمنا کرتا ہوں۔

جے ہند!

مغربی بنگال کا محدود خسارہ بجٹ برائے ۹۶-۱۹۹۵ء

مرکزی حکومت کی نام نہاد نئی معاشی پالیسی عوامی مفادات کیخلاف ہے

ہم نے عوام کے مفادات میں مرکزی حکومت کے سامنے ایک متبادل پالیسی پیش کی ہے

خودکفالت کو ملک کی مجموعی معاشی پالیسی میں مرکزی جگہ دی جانی چاہئے : وزیر مالیات

ریاستی وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا نے گزشتہ ۱۲ مارچ کو قانون ساز اسمبلی میں ریاستی بجٹ پیش کیا۔ بجٹ کے بیان میں انہوں نے ریاستی بجٹ کو مرکزی حکومت کی نام نہاد نئی معاشی پالیسی کا متبادل بتاتے ہوئے کہا کہ یہ بجٹ متبادل پالیسی کے ان پہلوؤں پر مبنی ہے جو ریاستی سطح پر برمحل ہیں اور جو صنعتی وزرعی پیداوار کے اضافہ کے ذریعہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی ترجیحات پر مبنی ہے۔ اس بجٹ کے مقصد کا انحصار عام لوگوں کے لئے پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ اختیارات بالخصوص فیصلہ سازی کے اختیارات کی لامرکزیت پر بھی ہے۔ وزیر موصوف کے بجٹ بیان کا اردو متن اختصار کے ساتھ پیش ہے :

ہم نے تفصیل وتجزیہ کی بنیاد پر بارہا کہا ہے کہ مرکزی حکومت کی نام نہاد نئی معاشی پالیسی، جس کی بنیاد ایسا لگتا ہے آئی ایم ایف قرض اور گیٹ کی شرائط پر ہے، ہمارے ملک کے عام لوگوں کی بڑی اکثریت کے خلاف جاری ہے۔ ہمیں اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ گزشتہ کئی برسوں سے مغربی دنیا میں متواتر گراوٹ آرہی ہے۔ ان ممالک میں کثیر الاقوام اور بڑے ادارے اپنی پیداواروں کی فروخت کے لئے تیسری دنیا میں ہندستان جیسے ملک میں بازار کی تلاش کر رہے ہیں۔ آئی ایم ایف قرض اور گیٹ کی اہم شرط ہے کہ برآمدات پر کسٹم ڈیوٹی خاص طور پر کم کردی جائے گی تاکہ ان ممالک کی مصنوعات ہندستانی بازاروں میں آسانی سے داخل ہوسکیں۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ نئی معاشی پالیسی کے اعلان کے بعد سے مرکزی بجٹ (بشمول حالیہ بجٹ) کا مرکزی خیال کے تحت تقریباً سبھی متعلقہ مصنوعات اس تیزرفتار چھوٹ کی وجہ سے گھریلو سامان کی گنجائش مشکل سے رہ جاتی ہے اور آزادی اور مسابقت کے نام پر یہ نئی معاشی پالیسی مؤثر طور پر گھریلو صنعتوں کے لئے غیر مساوی مسابقت کی صورت حال پیدا کردی ہے۔ اس سے عام طور پر گھریلو صنعتوں کی پیداوار بری طرح متاثر ہورہی ہے۔ نتیجتہً جب حکومت ہند کے معاشی سروے میں شائع ہونے والی تفاصیل کی بنیاد پر نئی معاشی پالیسی کے بعد سے چار برسوں کے عرصہ میں قومی معیشت کی کارکردگی کا موازنہ اس پالیسی سے قبل کے چار برسوں سے کیا جاتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ پالیسی کے اعلان کے بعد سے عرصہ میں تمام اہم میدانوں میں پیداوار کی شرحِ افزائش میں کمی آئی ہے۔ جب پالیسی کے اعلان سے قبل کے چار برسوں میں مجموعی گھریلو پیداوار کی سالانہ شرحِ افزائش کا تناسب ۶٫۷ فیصد تھا۔ بعد کے چار برسوں میں یہ شرحِ تناسب گھٹ کر ۳٫۷ ہوگئی۔ اسی طرح ملک میں غذائی اجناس کی پیداوار کی سالانہ شرحِ تناسب گزشتہ ۴ برسوں میں ۵٫۷ فیصد کے مقابلہ میں گھٹ کر بعد کے چار برسوں میں ۱٫۷ ہوگئی اور صنعتی پیداوار کی سالانہ شرحِ افزائش گزشتہ برسوں کے ۸٫۶ فیصد سے گھٹ کر بعد کے برسوں میں ۳٫۰ فیصد ہوگئی ہے (بمطابق معاشی جائزے، حکومتِ ہند، ۹۱-۱۹۹۰ء تا ۹۵-۱۹۹۴ء) اس کا بُرا اثر ریاستی اور مرکزی دونوں سیکٹروں میں صنعتی پیداوار پر پڑا ہے۔ مثال کے طور پر مغربی بنگال کے سلسلہ میں، ریلوے ویگن کی پیداوار ۹۵-۱۹۹۴ء میں گھٹ کر تقریباً ۲۸٫۵ فیصد ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اس صنعت سے متعلق بلاواسطہ و بالواسطہ ۱٫۵ لاکھ مزدور بے روزگار ہوگئے ہیں۔

سبھی ریاستوں میں بے روزگاری کا یہ مسئلہ کافی بڑھ گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ انتہائی حیرت واستعجاب کی بات ہے کہ حالیہ برسوں میں یہ پہلی بار ہوا کہ نہ ہی معاشی جائزے میں اور نہ ہی اس سال کے مرکزی بجٹ میں ملک کے کُل بے روزگاروں کی تعداد ظاہر کی گئی ہے۔

سے ہی کام کی قوت کے مقابلہ میں روزگار دکھایا گیا ہے۔ اس سے بے روزگاروں کی صحیح تعداد نہیں معلوم کی جاسکتی ہے۔ بے روزگاری کا مسئلہ عام لوگوں کے سامنے سلگتے ہوئے مسئلوں میں سے ایک ہے۔

گزشتہ ۴ برسوں کے دوران خاطر خواہ بارش کے باوجود، یاد رکھیں افراطِ زر کی شرح ۱۱ فیصد رہ گئی ہے اور عام مصارفین کے لئے لازمی اشیاء کی قیمت میں اضافہ کو بطور خاص باعث بنا۔ اس افراطِ زر کو روکنے کے سلسلے میں عوامی نظام تقسیم کے مناسب پروگرام کی توسیع کے لئے مرکز کی طرف سے ریاستوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے کوئی خاص قدم نہیں اٹھایا گیا۔ دوسری طرح حالیہ معاشی جائزہ (۹۵-۱۹۹۴ء) کی تفاصیل کے مطابق ملک میں عوامی تقسیم کے لئے غذائی اجناس کی دستیابی کی شرح ۱۹۹۱ء میں ۲۰۸ لاکھ ٹن سے گھٹ کر ۱۹۹۴ء میں ۱۴۱ لاکھ ٹن ہو گئی ہے۔

آئی ایم ایف قرض اور گیٹ شرائط کے نتیجے میں صنعت میں ملا روک ٹوک درآمدات اور بیرونی سرمایہ کا داخلہ جاری ہی نہیں ہوا بلکہ ہمارے اجارہ دار قوانین میں دخل اور بینکنگ اور بیمہ کے میدان میں بیرونی سرمایہ کا غلبہ بھی ہو رہا ہے۔ اس طرح سے ہماری معیشت میں فیصلہ سازی کے سبھی اہم شعبوں میں بیرونی ایجنسیوں کو حق دے دیا گیا ہے۔ بعض اوقات ہماری خودمختاری گھٹ جا رہی ہے۔

اسی دوران حزبِ اختلاف ممبروں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے ملک کی مجموعی گھریلو بچت کی شرح جو کہ ۷ر۲۳ فیصد تھی (مجموعی گھریلو پیداوار کی طرح) متواتر کم ہو کر ۹۴-۱۹۹۳ء میں ۲ر۲۰ فیصد تک آ گئی ہے۔ حالیہ برسوں میں اس خطرناک رجحان پر کبھی دھیان نہیں دیا گیا۔

دوسری طرف متواتر پرچار کے باوجود ۹۴-۱۹۹۳ء میں مجموعی گھریلو پیداوار کے صرف ۳ر۰ فیصد کی معمولی رقم براہِ راست بیرونی سرمایہ کاری سے رکھی گئی۔ بیرونی سرمایہ کاری کی دیگر قسمیں دیکھا گیا ہے کہ کچھ غیر یقینی سی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں نئی اقتصادی پالیسی کے اعلان کے بعد ۴ برسوں میں عام لوگوں کے بنیادی مسائل جیسے بے روزگاری، افراطِ زر وغیرہ پر دھیان نہیں دیا گیا اور خودمختاری پر بعض اوقات مصالحت کی گئی لیکن ملک کی ترقی میں اس کی امکانات کی خاص بنیاد کو نقصان پہنچا کر گھریلو بچت پر مبنی سرمایہ کاری ضرب لگائی ہے۔

ایسی صورت حال کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم نے عام لوگوں کی بڑی اکثریت کے مفادات میں اکثر اوقات مرکزی حکومت کے سامنے ایک متبادل پالیسی پیش کی ہے۔ ایک ایسی پالیسی جو ترجیح دیتی ہے پیداوار کے ذریعہ روزگار میں اضافہ، افراطِ زر کی روک تھام اور ملک کی خودمختاری کی علمبرداری کو۔

ہم نے پرزور طور پر کہا ہے کہ خود کفالت کو ملک کی مجموعی معاشی پالیسی میں مرکزی جگہ دی جانی چاہئے۔ خود کفالت کو بیرونی تجارت سے اٹھا نہیں لینا چاہئے۔ مطلب یہ کہ ہمیں چاہئے کہ سب سے پہلے یہ پتہ لگانے کی کوشش کریں کہ کس طرح ملک کے قدرتی اور انسانی وسائل کو سنجیدگی سے استعمال میں لا کر گھریلو پیداوار کے ذریعہ عام لوگوں کی اکثریت کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ دراصل قومی نمونہ جائزہ کی تفاصیل کے مطابق عوام کی لازمی چیزوں کی مانگ کے ۸۰ فیصد کا تعلق غذائی اجناس، کپڑے، دوا اور چمڑے کے سامان وغیرہ سے ہے جن میں سے زیادہ تر چیزیں گھریلو پیداوار کے ذریعہ دیانتداری کے ساتھ اور سستے طور پر سپلائی کی جاتی ہیں۔ ہم اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ خود کفالت کی بنیاد انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ تنہا ہمیں امیر ملکوں کی اجارہ داری کے فریب تر حربہ کو قبول کرنے کے بجائے سودابازی کرنے کے کچھ اختیارات دے سکتی ہے۔

اسی طرح سرمایہ کاری کے معاملہ میں یہ بات انتہائی اہم ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کتنی سرمایہ کاری گھریلو بچت کیلئے محقق کی جاسکتی ہے۔ ہم یہ بات نہیں بھولنا چاہتے ہیں کہ ہر سال مرکزی انکم ٹیکس کو مار کر کم از کم ۵۰ ہزار کروڑ روپئے کے کالے دھن کی تازہ افزائش ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس کا ایک حصہ چھپا ہوا ہے تو بھی اچھے خاصے فنڈ سماج کے خاص سیکٹروں (جیسے اہم صنعتیں، توانائی وغیرہ) میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے گھریلو طور پر دستیاب کئے جاسکتے ہیں۔ اگر کسی خاص میدان میں گھریلو، عوامی یا نجی سرمایہ کاری ناکافی ہے، تب تشفی بخش باہمی مفادات کی بیرونی سرمایہ کاری ضروری ہو جائے گی۔ مرکزی پالیسی کے ساتھ اختلاف یہ ہے کہ بیرونی سرمایہ کی بے ربط دعوت کے بجائے ہماری پالیسی میں گھریلو بچت پر مبنی سرمایہ کاری پر بنیادی طور پر زور دیا گیا ہے اور پھر صرف خاص معاملوں میں بیرونی سرمایہ کاری کی اجازت

دی گئی ہے بشرطیکہ باہمی مفادات ضروری ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ٹکنالوجی کے میدان میں بیرونی ٹکنالوجی کے بے امتیاز داخلہ کے باوجود ہماری متبادل پالیسی میں آسانی سے دستیاب مقامی وسائل اور قوت محنت کو ترقی یافتہ استعمال کے لائق بنا کر ملکی ٹکنالوجی کی ریسرچ اور ترقیات پر زور دیا گیا ہے۔ بعض خاص میدانوں میں بیرونی سرمایہ کاری پر باہمی مفادات اور مقامی حالات کی موزونیت کا خیال رکھتے ہوئے غور کیا جائے گا۔

اس متبادل طریقۂ عمل میں دوسری وجہ سے بھی کالے دھن کو باہر نکالنا ضروری ہے۔ اس سے نہ صرف گھریلو بچت پر مبنی سرمایہ میں اضافہ ہوگا بلکہ افراطِ زر پر اس کا براہِ راست مرطوب اثر بھی ہوگا ساتھ ہی ساتھ چھپے ہوئے کالے دھن کے ایک حصے کو رعایتی عوامی تقسیم کو جامع طور پر ترقی دینے کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ تقریباً اجارہ دار بازار وساخت کے موجودہ گھریلو حالات میں ازخود مسابقت کی متوازی قوت پیدا کرتی ہے جو افراطِ زر کی شرح کو روکتی ہے۔

ہماری متبادل تجویز میں مرکزی پالیسی سے پیدا ہونے والے غیر مساوی مسابقت کی صورت کو زیادہ مساوی مسابقت کی حالت میں بدلنے کی ضرورت پر ہم نے ہمیشہ زور دیا ہے۔ صنعت کے میدان میں اس کا منشایہ ہے کہ چھوٹے پیمانے کے صنعت کاروں کو بھی تمام متعلقہ سہولتوں سے مستفیض ہونے کے لئے برابری کا حق دیا جائے۔ اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے ملک کی صنعتی پالیسی کی مجموعی جہت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ ایسی جہت چھوٹے پیمانے کے سیکٹر کے لئے کچھ علیحدہ اقدامات کے صرف اعلان سے، جیسا کہ موجودہ مرکزی بجٹ میں کوشش کی گئی ہے، حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مسئلہ بنیادی طور پر یہ ہے کہ عام لوگوں کی مانگ کے اچھے خاصے حصے کو چھوٹے پیمانے کے سیکٹر کے ذریعہ یقیناً چابکدستی کے ساتھ ذریعہ پورا کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی کم قیمتوں پر اور اس کا مقام تمام تر صنعتی پالیسی میں حسبِ معمول متعین کرنا چاہئے۔ اس اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر چھوٹے پیمانہ کے سیکٹر بڑے پیمانہ کے سیکٹر اور متوسط درجہ کے سیکٹر کے مابین پیداوار کے اندرونی تعلق قائم کیا جائے تو یقیناً پورے صنعتی ساخت کو زیادہ مسابقتی حالت میں لایا جاسکتا ہے اور اس کے ساتھ زیادہ صلاحیت اور کم قیمت نیز زیادہ روزگار کے مواقع پیدا کئے جا

سکتے ہیں۔ زراعت کے میدان میں مساوی مسابقت کے لئے صرف ایک ہی منشا ہے اور وہ ہے اصلاحاتِ آراضی اور حالیہ مرکزی بجٹ میں بائی معاشی پالیسی میں اصلاحاتِ آراضی کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

اس معاشی پالیسی کے متبادل طریقہ کار کا انحصار، عام لوگوں کے مفادات میں اور پیداوار میں اضافہ کے ذریعہ عوامی روزگار کے مواقع کی پیداوار کے لئے، گھریلو بچت پر مبنی سرمایہ کاری کی قوت پر ہوتا ہے۔ خود کفیل افزائش کے اس طریقہ کار کی قیادت سے امتیاز بازاری قوت کی جانب سے نہیں کی جاسکتی ہے۔ سماجی ہدایت ورہنمائی کے لئے مناسب اور موزوں منصوبہ بندی کی اشد ضرورت ہے۔ بہرکیف یہ مرکوز شدہ ضابطہ پرست منصوبہ بندی کا ایک طرزِ عمل نہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ ضرورت کا ایک ایسا لامرکوز طرزِ عمل ہے جس میں جمہوری طور پر منتخب شدہ پنچایتوں اور میونسپلیٹیوں کے ذریعہ عام لوگ ملوث ہوتے ہیں۔ منظر نامہ کے ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے لامرکوز منصوبہ بندی کے اس متبادل نظام میں مرکز سے ریاستوں کو اور بعد ازیں ریاست سے ضلع سطح اور نیچی سطح کو مناسب طور پر وسائل اور فیصلہ کرنے کے اختیارات کی سپردگی کی خصوصی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

معزز اراکین! یہ امر تحریری گرفت میں لایا جاچکا ہے کہ متبادل معاشی پالیسی کی یہ تجویز بحیثیت کل قومی سطح پر قابلِ عمل ہے۔ اس متبادل پالیسی کے ان پہلوؤں کو جو ریاست کے محدود اختیارات میں رہتے ہوئے موزوں اور قابلِ عمل ہیں، ریاستی منصوبہ بندی کی ترجیحات اور اس ریاستی بجٹ کے لئے تجاویز کی تشکیل میں مدنظر رکھا جاچکا ہے۔ اس کا اصل مقصد جہاں تک ممکن ہے روزگار کے مواقعوں میں اضافہ کرنا ہے اور وہ بھی صنعت، زراعت اور دیگر سیکٹروں سے وابستہ تمام میدانوں میں اضافہ کرکے۔ یہی نہیں بلکہ متعلقہ اور پسندیدہ ان سیکٹروں میں طلب اور سپلائی کے درمیان خلا کو پاٹنے کے ساتھ ساتھ پنچایتوں اور میونسپلیٹیوں کے توسط سے عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قریب تر طور پر ملوث کرکے منصوبہ بندی میں زیادہ سے زیادہ لامرکوزیت کی حصولی ہے۔

چونکہ بنیادی مقصد پیداوار اور روزگار کے مواقعوں میں اضافہ کرنا ہے اور چونکہ کام کرنے والے چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کی زمینوں سے پیداوار کے ساتھ ساتھ روزگار پیدا کرنے کے مواقعوں کا بلند ترین ریکارڈ حاصل کیا جاچکا ہے اس لئے ریاستی سطح پر متبادل پالیسی کے اطلاق کی

شروعات اصلاحاتِ آراضی سے ہوتی ہے اور وہ بھی اجرت پر کام کرنے
والے کسانوں کے درمیان سیلنگ سرپلس قطعاتِ آراضی کی تقسیم اور
برگہ داروں کے ناموں کو اندراج کرکے تاکہ ان کے شیئر اور ان کے حقِ ملکیت کو
دائمی استحکام بخشا جا سکے۔ قومی نمونہ سروے اعداد و شمار کے مطابق
اگرچہ چھوٹے اور حاشیائی کسان مغربی بنگال میں قومی سطح پر ۲۹ فیصد
قطعاتِ آراضی کے مالک ہیں، تاہم قطعاتِ آراضی کے اصلاحات
پر عمل درآمد جس کی حصولیابیوں کو ملوث کرکے ہوتی کی ترقی کے بعد
چھوٹے اور حاشیائی کسان آج کل قطعاتِ آراضی کے تقریباً ۶۰ فیصد
حصہ پر حقِ ملکیت رکھتے ہیں۔ اگر اندراج شدہ برگہ داروں کے تحت آراضی
کو شامل کیا جائے تو قطعاتِ آراضی کا شاید ہی کہ غریب کام کرنے
والے کسانوں کو تسلط سے ۷۰ فیصد سے تجاوز کر سکتا ہے۔ حالیہ اعداد
و شمار کے مطابق تقریباً ۲۲ لاکھ کسان دستیاب قطعاتِ آراضی کی تقسیم
سے اور تقریباً ۹۵ فیصد شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے افراد
فی الحال مستفیض ہوئے ہیں اور یہ اعداد و شمار کل آبادی میں شیڈولڈ
کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے دگنے فیصد سے زائد ہیں۔ مزید براں
اندراج سے مستفیض ہونے والے برگہ داروں کی تعداد تقریباً ۱۴٫۲۲ لاکھ
تک پہنچ چکی ہے۔

اصلاحاتِ آراضی کے ساتھ ساتھ عام کسانوں کو غیر آراضی ساز و
سامان (خصوصاً آبپاشی، بیج، کھاد وغیرہ) فراہم کرنے کی بھی کوششیں
کی گئی ہیں۔ معزز اراکین کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ آبپاشی پر مسلسل
اور خصوصی توجہ دینے کی وجہ سے سالِ رواں کے دوران پہلی بار اس
ریاست کی مجموعی کاشت کے ۵۰ فیصد سے زائد علاقہ کو آبپاشی
امکانات کے تحت لایا جانا ممکن بنایا جا سکا ہے۔

اصلاحاتِ آراضی کی بنیاد پر اٹھائے گئے ان اقدامات کی وجہ سے
ہی مغربی بنگال کے لئے زرعی پیداوار کے متعدد میدانوں میں تمام ریاستوں
کے درمیان بلندترین مقام کو حاصل کرنا ممکن ہو پایا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء اور
۹۳-۱۹۹۲ء کا درمیانی مدت کے دوران تازہ ترین ریاستی سطح کے اعداد
و شمار کے مطابق مغربی بنگال میں غذائی اجناس کی پیداوار کی نشوونما
کی سالانہ شرح (۵٫۱ فیصد) ۲٫۸ فیصد کی نشوونما کی کل ہند اوسط
سالانہ شرح کے مقابلہ میں بلندترین رہی ہے۔ معزز اراکین کو یہ جان کر

بے حد مسرت ہوگی کہ نہ صرف غذائی اجناس میں اضافہ ہوا بلکہ فی ہیکٹائر
زرخیزی میں اضافہ کے میدان میں بھی مغربی بنگال نے ایک بار پھر سرفہرست
ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء اور سنہ ۹۳-۱۹۹۲ء کی مدت
سے متعلق اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مغربی بنگال میں غذائی
اجناس میں زرخیزی کی نشوونما کی بلندترین شرح (۵٫۵ فیصد) ۳٫۲
فیصد قومی نشوونما کی قومی اوسط شرح کے مقابلہ میں ملی تھی۔ غذائی اجناس
کے میدان میں چاول ہی کو لے لیجئے۔ اس ریاست نے چاول کے میدان میں پیداوار
کی بلندترین شرح کے ریکارڈ، پیداوار کی نشوونما کی بلندترین شرح اور فی ہیکٹائر زرخیزی
کی نشوونما کی بلندترین شرح حاصل کی ہے۔ معزز اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اصلاحات
آراضی کی بنیاد پر پیداوار اور زرخیزی کے میدان میں اس اضافہ کے نتیجہ میں اس
ریاست کی کل غذائی اجناس کی پیداوار تازہ ترین تخمینہ کے مطابق
سالِ رواں (سنہ ۹۵-۱۹۹۴ء) کے دوران ۱۳۲ لاکھ ٹن کو پہنچ جائے گی اور
یہ اس ریاست کے لئے ایک ہمہ وقتی ریکارڈ بن جاتا ہے۔ یہ تخمینہ لگایا
گیا ہے کہ ریاست کے غذائی اجناس کی کل ضرورت ۱۴۰ لاکھ ٹن سے
کچھ زیادہ ہے۔ اس بات کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے کہ ریاست
کی اس مانگ اور داخلی سپلائی کے درمیان پیدا شدہ خلاء کو ٹالا جائے۔
آلو کے سلسلے میں اس ریاست کی پیداوار میں سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء کے ۱۹ لاکھ
ٹن کی سطح پر باقاعدہ اضافہ ہوا ہے اور فی الحال ۵۱ لاکھ ٹن کی سطح
سے تجاوز کر چکا ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس ریاست کو مختلف ریاستوں کے
درمیان دوسرا بلندترین مقام ہی نہیں ملا ہے بلکہ اسے ریاست کی مانگ
اور داخلی سپلائی کے سلسلے میں خود کفیل ہونے کا مقام بھی نصیب ہوا
ہے۔ معزز اراکین کو یہ جان کر بڑی خوشی ہوگی کہ تیل بیجوں کے سلسلہ میں
اس ریاست کا مقام ایک بار پھر پیداوار کی نشوونما میں اوّل ہو گیا ہے۔
سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء اور سنہ ۹۲-۱۹۹۱ء کی مدّت کے دوران مغربی بنگال میں
نشوونما کی سالانہ شرح ۱۲٫۲ فیصد رہی تھی اور مذکورہ نشوونما کی کل ہند اوسط
شرح ۶٫۸ تھی۔ نتیجہ کے طور پر سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اس ریاست
کے تیل بیجوں کی پیداوار ۰٫۹۸ لاکھ ٹن سے بڑھ کر سالِ رواں کے دوران
۵٫۶۱ لاکھ ٹن ہو جانے کی توقع ہے۔ سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اس ریاست
کی دس فیصد مانگ کو بھی داخلی پیداوار سے پورا نہیں کیا جا سکتا تھا۔
مذکورہ پیداوار میں لگاتار اضافہ کی وجہ سے مانگ اور سپلائی کے درمیان

کے اس خلاء کو فی الحال کم کیا جا سکا ہے اور آج اس ریاست کی مانگ کے ۴۰ فیصد سے زائد کی تکمیل داخلی سپلائی سے کی جا سکتی ہے۔ مانگ اور سپلائی کے درمیان حائل اس خلا کو آئندہ برسوں کے دوران مزید کم کیا جا سکے گا۔

معزز اراکین برائے کرم یہ نوٹ فرمائیں کہ اس ریاست کی زرعی پیداوار میں سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار کے ذریعہ اس نئی جہت کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران اس ریاست میں سبزیوں کی پیداوار ۴۵٫۳ لاکھ ٹن تھی لیکن ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران یہ بڑھ کر ۴۸٫۹ لاکھ ٹن ہو گئی یعنی اس کی نشوونما کی شرح میں تقریباً ۸ فیصد کا اضافہ ہوا۔ پھلوں کے سلسلہ میں ریاست کی پیداوار ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران ۸٫۶ لاکھ ٹن تھی لیکن ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران یہ بڑھ کر ۱۲٫۱ لاکھ ٹن ہو گئی یعنی یہاں بھی اضافہ کی شرح تقریباً ۴۱ فیصد ہو گئی۔ زرعی پیداوار کی ان جہتوں کے اضافہ نے زراعت پر مبنی صنعتوں کی نشوونما کے امکانات سے وابستہ خصوصی اہمیت کے حامل ایک ایسے مسئلہ کو پیش کیا ہے جس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

زراعت سے وابستہ دیگر سیکٹروں کی رفتار ترقی کے اعداد و شمار کو معاشی جائزہ (۹۵-۱۹۹۴ء) میں پیش کیا گیا ہے۔ معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ ماہی کی پیداوار کے میدان میں مغربی بنگال کو ایک بار پھر دیگر تمام ریاستوں کے مقابلہ میں اول مقام ملا ہے۔ ۸۸-۱۹۸۷ء کے دوران اس ریاست کی ماہی کی کل پیداوار ۵٫۵ لاکھ ٹن تھی۔ بعد ازیں اس میں لگاتار اضافہ ہوتا رہا اور فی الحال یہ ۸ لاکھ ٹن سے بھی تجاوز کر چکا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ۸۸-۱۹۸۷ء کے دوران اس ریاست کی تقریباً ۵۸ فیصد مانگ کو داخلی پیداوار سے مشکل سے پورا کیا جاتا تھا۔ آج اسی داخلی سپلائی سے تقریباً ۸۴ فیصد مذکورہ مانگ کی تکمیل کی جاتی ہے۔

شعبۂ جنگلات کے میدان میں مغربی بنگال کا مقام ایک بار پھر تمام دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں سر فہرست رہا ہے۔ پورے ملک میں سبزہ کاری سے اضافہ سے متعلق ایک مبہم اور عدم تعاون کا ماحول چلا آ رہا ہے۔ اس کے برعکس مغربی بنگال میں مذکورہ سبزہ کاری کے کام میں مسلسل اضافے ہو رہے ہیں۔ ۸۰ کی دہائیوں کے اوائل میں کل اراضی کے ۱۳٫۳۸ فیصد رقبہ کو شجر کاری کے ذریعہ جنگل کی حدود میں داخل کیا گیا ہے۔ سٹیلائٹ کے ذرائع سے موصول ہونے والی تازہ ترین اطلاع کے مطابق مذکورہ بالا فیصد فی الحال بڑھ کر ۱۴٫۹۰ فیصد ہو گیا ہے اور تقریباً ۱۹٫۹۰ فیصد علاقہ لبطور کل سبزہ کاری کو روبہ عمل لایا جا سکتا ہے۔ سماجی جنگلات اور انتظامیہ جنگلات و تحفظ کی پنچایتوں کے ذریعہ مقامی لوگوں کی شمولیت کی بنیاد پر اولین طور پر مذکورہ اضافہ کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

زراعت اور متعلقہ سیکٹروں کی کل پیداوار میں صرف اضافہ ہی نہیں ہوا ہے بلکہ مذکورہ اضافہ کی بنیاد بھی اصلاحاتِ آراضی کی رہین منت رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں میں مقیم عام لوگوں کی معاشی صورت حال میں بہتری بھی آئی ہے۔ زرعی مزدوروں کی شرحِ اجرت اس امر کو واضح کرتی ہے۔ سنہ ۹۰-۱۹۸۹ء کے دوران ریاست میں اوسط یومیہ اجرت ۱۸٫۸۲ روپئے تھی اور سنہ ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران یہ بڑھ کر ۲۷٫۱۵ روپے ہو گئی۔ حالیہ برسوں کے دوران شرحِ اجرت میں مذکورہ اضافہ زرعی مزدوروں کے متعلقہ اشاریہ نرخ پر اضافہ سے نسبتاً زیادہ رہا ہے یعنی شرحِ یومیہ اجرت میں اضافہ کی حصولی حقیقی معنوں میں ہوئی ہے۔

مغربی بنگال میں صنعتی نشوونما کے لئے نئے امکانات ظہور میں آئے ہیں۔ ان امکانات کا ایک جزو زراعت میں قابلِ ستائش نشوونما سے منسلک ہے جس کا موزوں تذکرہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ چوں کہ مذکورہ نشوونما اصلاحاتِ آراضی پر مبنی ہے اس لئے دیہی علاقوں میں عام لوگوں کی قوتِ خرید میں ساتھ ساتھ بہتری بھی آئی ہے۔ الغرض اس امر نے صنعتی اشیاء کے لئے اس ریاست کے اندر ایک نئے بازار کی تشکیل کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زرعی پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے پھلوں کی پیداوار میں اضافہ سے زرعی پروسیسنگ صنعتوں اور زرعی ساز و سامان سے منسلک صنعتوں کے لئے امکانات وجود میں آئے ہیں۔ چمڑے کی صنعت اور پٹسن جو خصوصاً تنوع پر مبنی ہوتے ہیں کے لئے ایک مثبتی صورت حال نکل آئی ہے۔ فرائٹ اکوالائزیشن کی پالیسی کے حالیہ خاتمہ کے بعد اس ریاست نے بھی اسٹیل اور انجینئرنگ صنعتوں میں اپنے فطری مقامی فائدے تیز رفتاری کے ساتھ اٹھانے شروع کر دئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ الیکٹرونکس اور پٹرو کیمیکلس جیسی جدید

صنعتوں کے میدان میں نئی جہتوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ ان اسباب جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے ملک کے ہمراہ ان صنعتی علاقوں میں سے ہر ایک میں مثبتی ترقی کے لئے بنیادی لازمی مزدور نیز تجربہ کار مزدوروں کی دستیابی، توانائی میں قابلِ ستائش اور بہتر صورت حال، سماجی و معاشی الیقان اور ریاست کی مضبوطی ہیں۔ ان تمام اسباب کے مجموعی اثرات کے باعث اس ریاست میں صنعتی نشو و نما کے لئے ایک خصوصی دور کا آغاز ہوا ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق اس ریاست کے صنعتی پیداوار کے تمام اشاریہ میں ۱۹۹۴ء کے دوران ۴٫۲ فیصد اضافہ دکھائی دیا ہے اور زیادہ خصوصی مینوفیکچرنگ اشاریہ میں (معدنیات وغیرہ کی پیداوار کو چھوڑ کر) ۱۹۹۴ء کے دوران تقریباً ۵٫۵ فیصد روشن تر اضافہ دکھائی دیا ہے۔

۔۔۔ اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ہلدیہ پٹرو کیمیکلس پروجیکٹ جیسے ریاست میں عمل درآمد کے لئے اہم ترین پروجیکٹوں میں سے ایک تسلیم کیا گیا ہے (اور جو ملک بھر میں عظیم ترین صنعتی پروجیکٹوں میں سے ایک ہے) اب اپنی تمام مشکلات پر قابو پا چکا ہے۔ ریاستی حکومت اور اس کے ساتھی پروموٹروں نے نیز اس کے متعلقہ ایکویٹی کنزورشیم میں اپنی خاصی رقم دی ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ اب سے تین ماہ کے اندر مذکورہ پروجیکٹ کے کام پورے طور پر شروع ہو جائیں گے۔

نئے امکانات کے اثرات کے طور پر صرف کلکتہ اور اس کے قرب جوار میں ہی صنعتیں نہیں پھولیں پھلیں گی بلکہ اضلاع کے ہر علاقے میں نئے نئے کل کارخانے ظہور میں آئیں گے۔ اس سیاق و سباق میں بڑی صنعتوں کی ترقی کے روشن امکانات جو اکثر و بیشتر بڑی صنعتوں سے وابستہ ہوں گے نظر آئیں گے۔ روزگار کے نئے مواقع کے پیدا کرنے میں یہ ساتھ ہی اہم کردار ادا کریں گے۔ تمام اضلاع میں اس متوازن صنعتی ترقی کے مفاد کے سلسلے میں بعد میں ایک خصوصی تجویز پیش کروں گا۔

زراعت اور صنعت کی اس نشو و نما عام کو لازمی ساز و سامان کی سہولتوں میں بہتری اور توسیع لا کر پورا پورا تعاون بہم پہنچانا چاہیئے۔ معاشی جائزہ (۱۹۹۴-۹۵ء) میں درج اعداد و شمار کی بنیاد پر مختلف میدانوں میں ان ساز و سامان کی سہولتوں کی ترقی بیان کی گئی ہے۔ توانائی کے میدان میں نصب شدہ صلاحیت ۱۹۹۳-۹۴ء کے دوران ۴۴۵۶

میگاواٹ تھی۔ ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران (نومبر تک) یہ بڑھ کر ۴۹۵۶ میگاواٹ ہو گئی اور اسی مدت کے دوران اس کی پیداواری صلاحیت ۱۱۸۶۷ میگا یونٹ سے بڑھ کر ۱۲۷۱۸ میگا یونٹ ہو گئی۔ توانائی کے میدان میں خود کفیلی کے مقاصد کی حصولی کے تحت اس ریاست کے منصوبہ بند اخراجات کا اچھا خاصہ حصہ گزشتہ ۱۸ برسوں سے اس سیکٹر کے لئے مختص کیا جاتا رہا ہے۔ یہاں داخلی کارکردگی میں بھی اضافہ ہوا ہے نتیجہ کے طور پر آج ریاستی سطح پر توانائی کی مانگ اور سپلائی کے درمیان ایک قابلِ تعریف توازن کے قیام کو ممکن بنایا جا سکا ہے۔ اس سیاق و سباق میں آج مغربی بنگال کا مقام پورے ملک میں سرِ فہرست ہے۔ بہر کیف ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن خصوصاً دیہاتوں میں بجلی کی فراہمی کے میدان میں مزید بہتری اور فروغ لانے کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں بعد میں دیہی الیکٹریفیکیشن اور آبپاشی سہولتوں کی توسیع یعنی دونوں کو ملا کر ایک تجویز پیش کروں گا۔ شاہراہوں کے میدان میں بھی مزید بہتری اور فروغ کے لئے بہتیرے اقدامات اٹھانے کی ضرورت بھی پیش ہے۔

معاشی جائزہ (۱۹۹۴-۹۵ء) میں سماجی انفرااسٹرکچر اور خدمات کے دیگر میدانوں میں سرگرمیوں کا بیان بھی ملتا ہے۔ ان موضوعات کے ساتھ ساتھ میں عوامی خواندگی مہم کے پروگرام کی جانب معزز اراکین کی توجہ مبذول کرنے کا خواہاں ہوں۔ ۱۹۸۱ء کے دوران اس ریاست میں خواندگی کی شرح ۴۸٫۶۵ فیصد تھی اور ۱۹۹۱ء کے دوران یہ ۵۷٫۷۰ فیصد تھی۔ ۱۹۹۵ء کے دوران عوامی خواندگی مہم میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ مقامی لوگوں کی شمولیت کے بعد خواندگی کی مذکورہ شرح ایک تخمینہ کے مطابق بڑھ کر ۶۹٫۴۰ فیصد ہو گئی۔ دوسرے لفظوں میں ۱۹۸۱ء اور ۱۹۹۱ء کے دوران گزشتہ دس برسوں میں خواندگی کی شرح میں جتنا اضافہ ہوا تھا اس سے زیادہ اضافہ حالیہ گزشتہ تین برسوں میں ہوا ہے۔ حالیہ اس عوامی خواندگی پروگرام کو ۱۷ اضلاع تک توسیع دی گئی ہے اور ان میں اضلاع بعد از خواندگی پروگرام کے مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس پروگرام کو علیحدہ طرز پر روبہ عمل لانے کے بجائے اس پروگرام حفظانِ صحت و خاندانی رفاہ پروگرام کے درمیان تال میل قائم کیا گیا ہے۔ ضلع وار اعداد و شمار کا تجزیہ اس بات کی شہادت

دیتا ہے کہ یہ دونوں پروگرام ایک دوسرے کو تعاون دینے والے اور مزید استحکام بخشنے والے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر ننھے بچوں کی شرح اموات، شرح پیدائش اور شرح اموات سے متعلق رجحانات سے اس ملک میں سارے کے سارے رفتہ رفتہ کم ہوتے جا رہے ہیں اور ریاستی سطح پر مذکورہ شرحیں قومی سطح پر (معاشی جائزہ برائے ۹۵-۱۹۹۴ء جدول ۱ر۲) متبادل شرحوں سے بہت نیچے پہنچ چکی ہے۔ مزیدآں اس صدی کے خاتمہ تک قومی سطح پر ساختہ نشانے کی حصولی (بچوں کی شرح اموات: ۶۰، شرح پیدائش: ۲۱ اور شرح اموات: ۹) اس ریاست میں بچوں کی شرح اموات اور شرح اموات کے سلسلہ میں بہت پہلے ہو چکی ہے اور شرح پیدائش کا نشانہ توقع کی جاتی ہے کہ جلد ہی حاصل کر لیا جائے گا۔

معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ حالیہ مالی سال (۹۵-۱۹۹۴ء) کے دوران ریاستی سالانہ منصوبہ بندی کی جسامت دو سطحوں پر مقرر تھی۔ اوّل سطح پر منصوبہ بند کمیشن کے ساتھ مباحثہ کے بعد مذکورہ منصوبہ کی جسامت ۷۳۹ کروڑ روپئے (نظرثانی شدہ) پر مقرر ہوا تھا۔ مذکورہ منصوبہ کی اس جسامت کی بنیاد ریاست کی مجموعی وسائل اکٹھا کرنے پر رکھی گئی تھی۔ بہر کیف مذکورہ بالا عمل کے ایک جزو کا دار و مدار مرکز کی درج ذیل کارروائیوں پر قرار پایا تھا۔

(الف)۔ مرکزی حکومت کو کنسائنمنٹ ٹیکس پر سبھوں کی رضامندی سے طے پائے ہوئے فیصلہ پر لازمی کارروائی کرنا تھا تاکہ سال رواں کے دوران ریاستی حکومت کم از کم ۱۰۰ کروڑ روپئے کے اضافی وسائل اکٹھا کر پاتا۔

(ب): ۷۱ کروڑ روپئے کے خصوصی ترقیاتی بونڈس اکٹھا کرنے کا اختیار ریاستی حکومت کو دینا تھا۔ اور

(ج): نظرثانی شدہ شرح پر کوئلہ معاوضہ کا بقایا کم از کم حصہ یعنی ۷۱ کروڑ روپئے ریاست کو ملنا تھا۔ حالیہ برسوں کے دوران مرکز کی جانب سے کارروائیاں کرنے پر تبادلۂ خیال کے بعد بھی چونکہ اشتباہات موجود تھے تاہم ایک معزز منصوبہ بند جسامت خارج از مذکورہ ممکنہ جزو اشتباہات جو سطح ار مرحلۂ دوئم پر مقرر ہوا تھا ۴۷۲ کروڑ روپئے (نظرثانی شدہ) تھا۔

مرکزی حکومت کی جانب سے متوقع تین اقدامات سے منسلک کنسائنمنٹ ٹیکس پر لئے جانے والے فیصلہ کو اب تک عملی شکل نہیں دی گئی ہے اور نہ ہی ترقیاتی بونڈس کے ذریعہ فنڈ اکٹھا ہوئے ہیں کیونکہ غیر ایس ایل آر بونڈس کی شرائط راہ میں رکاوٹ بنے ہیں اور نظرثانی شدہ کوئلہ معاوضہ شرحوں کے مطابق کوئی فنڈ اکٹھا نہیں کیا جا سکا۔ علاوہ ازیں معزز اراکین یہ جان کر خوش ہوں گے کہ ریاستی حکومت اپنی کوششوں کے بل بوتے پر ۱۵۰ کروڑ روپئے بطور اضافی وسائل اکٹھا کر پائی ہے۔ اس سیاق و سباق میں اسٹامپ ڈیوٹی اور رجسٹریشن فی، پروفیشن ٹیکس، انٹری ٹیکس اور تفریحی ٹیکس کے کھاتہ کی حصولی اور کوئلہ بل کے کھاتہ میں تخفیف و اضافہ کے بعد کوئلہ سیس (ٹیکس) کی کل حصولی نے نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سیاق و سباق میں پنچایتوں اور ضلع انتظامیہ کی شمولیت کے ذریعہ لامرکوز وسائل اکٹھا کرنے کی اسکیم پر عمل درآمد سے حاصل شدہ فوائد کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ ضلع سطح پر اسٹامپ ڈیوٹی، رجسٹریشن فی، تفریحی ٹیکس، موٹر وہیکل ٹیکس وغیرہ وغیرہ کی حصولیابی بطور نشانے طے پائے تھے اور اس میں ترغیبی اشارہ بھی رکھا گیا تھا کہ اگر کسی ضلع میں مذکورہ حصولی مقررہ نشانے سے زیادہ ہوئی تو اس زائد اکٹھا کردہ وسائل کا ۵۰ فیصد متعلقہ ضلع کو اس کے منصوبہ اخراجات کے لئے دئے دیا جائے گا۔ نتیجہ کے طور پر ٹیکسوں کی وصولی میں اضافہ ہوا اور اضلاع کو اضافی منصوبہ بند فنڈس ملے۔

بہر کیف سال رواں کے دوران وسائل اکٹھا کرنے کی سیاق و سباق میں چھوٹی بچت کی کارکردگی اہم ترین رہی ہے۔ سال رواں کے دوران چھوٹی بچت سے وابستہ وسائل کے لئے ریاست کا نشانہ ۸۲۵ کروڑ روپے تھا۔ اس مد میں ریاست کے حقیقی وسائل کی حصولی فی الحال ۱۳۵۰ کروڑ روپئے کو پہنچ چکی ہے اور یہ اپنی جگہ ایک کل وقتی اور کل ریاستی ریکارڈ ہے۔ اس سلسلہ میں پنچایتوں کی شمولیت کے ذریعہ انتظامیہ کی لامرکوز کوشش نے بھی ایک بار پھر نہایت ہی اہم کردار ادا کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ریاست کے عام لوگوں نے تمام لالچ اور حرص کو پرے رکھتے ہوئے اپنے گاڑھے پسینے اور محنت سے حاصل کی ہوئی کمائی کو بے خطر اور چھوٹی بچت اسکیموں میں جمع کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔

معزز اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اگرچہ مرکزی حکومت اس سلسلے میں لازمی اقدامات نہیں اٹھاتی ہے تاہم ریاستی حکومت کے لئے اپنے اضافی وسائل اکٹھا کرنے کی طاقت پر مالیہ سال کے دوران منصوبہ بند اخراجات کے سلسلہ میں ۲۷۴۱ کروڑ روپئے کے خارجی منصوبہ بند حسابات کو عبور کرنا ہی نہیں بلکہ ۳۹ء۱۷ کروڑ روپئے کے خارجی منصوبہ بند حسابات کو عبور کرنا بھی اور ۵۷ء۱۷ کروڑ روپئے کی سطح تک پہنچنا بھی ممکن ہو پایا ہے۔ نتیجہ کے طور پر گزشتہ سال کے منصوبہ بند اخراجات کے مقابلہ میں اس سال کے منصوبہ بند اخراجات بڑھے ہوئے ہیں۔ اس مدت کے دوران غیر منصوبہ بند اخراجات میں ۱ء۱۰ فیصد کی شرح پر اضافہ ہوا ہے۔

معزز اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ریاستی حکومت کو گزشتہ ۱۱ مہینوں کے دوران کسی بھی دن کے لئے کوئی بھی اوور ڈرافٹ قرض نہیں لینا پڑا اور ہم لوگ اس مالی سال کے اختتام پر بغیر کسی خسارہ کے پہنچ رہے ہیں۔ مرکزی حکومت کی پالیسیوں کی وجہ سے خصوصاً ۹۲-۱۹۹۱ء تا ۹۴-۱۹۹۳ء کی مدت کے دوران ریاست پر ایک مسئلہ مسلط کیا گیا تھا۔ اس ریاست کے لوگوں کے تعاون سے ہم لوگ آج مذکورہ مسئلہ پر قابو پا چکے ہیں۔

ریاستی سطح پر ہر میدان میں متبادل معاشی پالیسی کے متعلقہ تمام پہلوؤں پر عمل درآمد کے نتیجے میں اور منصوبہ بند اخراجات میں اس اضافہ کے نتیجے کے طور پر ریاست کی مجموعی پیداوار (ریاستی گھریلو مصنوعات) میں سال رواں کے دوران ۰ء۵ فیصد کے اضافہ ہونے کی توقع کی جاتی ہے اور مذکورہ اضافہ ملک کی مجموعی پیداوار (کل گھریلو مصنوعات) جس میں ۳ء۵ فیصد کے حساب سے اضافہ کا تخمینہ لگایا گیا ہے، کی شرح اضافہ سے کہیں زیادہ ہے۔ گزشتہ چار برسوں کی مدت کے دوران حقیقی معنوں میں اگر ریاست کی مجموعی پیداوار میں ہونے والے اضافہ اور قومی سطح پر مذکورہ نوعیت کے اضافہ میں موازنہ کیا جائے تو ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ مغربی بنگال میں مذکورہ اضافہ کی سالانہ اوسط شرح تقریباً ۳ء۵ رہی ہے جبکہ قومی سطح پر مذکورہ شرح ۵ء۳ رہی ہے۔ الغرض مغربی بنگال کی مذکورہ شرح قومی سطح کی متعلقہ شرح سے کہیں زیادہ ہے۔

مجموعی پیداوار میں اضافہ سے متعلق ہی نہیں بلکہ اس کے سبب زرعی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا اور یہ زرعی پیداوار میں اضافہ کا دار ومدار

اصلاحاتِ آراضی پر رہا ہے۔ علاوہ ازیں روزگار پیدا کرنے کے مواقع پر بھی اس کے مثبت اثرات ثبت ہوتے ہیں۔ ابتدائی تخمینہ یہ بتاتا ہے کہ سالِ رواں کے دوران زرعی پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے ۵۰ء۱۱ لاکھ کے برابر اضافی روزگار کے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہی پروری سے متعلق سرگرمیوں، ترقیاتِ حیوانی وسائل، توانائی، صنعت، نقل و حمل، تجارت اور دیگر خدمات میں ۶۲ء۱۱ لاکھ کے مزید اضافی روزگار کے مواقع کا پیدا ہونا ممکنات میں داخل ہوگا۔ مزید برآں خود روزگار پروگراموں پر عمل درآمد تقریباً ۳۱ء۳ لاکھ سے مواقعوں کے امکانات مزید پیدا کریں گے۔ نتیجہ کے طور پر اضافی روزگار امکانات جو سالِ رواں کے دوران پیدا ہوں گے، ۵ء۲ لاکھ بے روزگاروں کے اضافہ شدہ اعداد و شمار سے تجاوز کر جائیں گے۔ (معاشی جائزہ، باب ۸) اور بے روزگاری کے بقایا جاتی بوجھ کو کچھ کم کریں گے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ لازمی ہے کہ پلاننگ کمیشن کی رپورٹ کے مطابق روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی شرح میں مغربی بنگال نے دیگر تمام ریاستوں کے مقابلہ میں اول مقام حاصل کیا ہے۔ مغربی بنگال میں روزگار میں اضافہ کی سالانہ شرح ۹ء۲ فیصد ہے اور یہ ۳۵ء۲ فیصد کی قومی شرح سے کہیں زیادہ ہے (روزگار پر این ڈی سی کمیٹی کی رپورٹ، پلاننگ کمیشن برائے ۱۹۹۲ء، ورق ۳۱، جدول ۱)۔

قومی پروسس کے جزو کے طور پر افراطِ زر کی طاقتیں ریاستی سطح پر اپنے کام میں منہمک ہیں لیکن قومی سطح کے مقابلہ میں ریاستی سطح پر افراطِ زر کی شرح بہت کم ہے۔ سالِ رواں کے دوران قومی سطح پر صنعتی مزدوروں کے لئے صارفین نرخ اشاریہ کے اضافہ کی شرح ۲ء۱۰ فیصد رہی جبکہ مغربی بنگال میں مذکورہ اضافے کی شرح ۸ء۸ فیصد رہی۔ ریاستی سطح پر متبادل معاشی پالیسی کے متعلقہ پہلوؤں پر عمل درآمد کے نتیجے کے طور پر یہ پتہ چلا کہ بڑے علاقوں میں — یعنی مجموعی پیداوار، روزگار کے مواقع کی تشکیل اور قیمتوں کی حرکت میں — قومی سطح کے مقابلہ میں ریاستی سطح کی کارکردگی برتر رہی ہے۔

معزز اراکین، ترجیحات جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ابتدائی طور پر ریاست کے اپنے وسائل اکٹھا کرنے کے بل بوتے پر آئندہ مالی سال یعنی ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران ریاست کے سالانہ

منصوبہ کو ۲۲۰۷ کروڑ روپئے تک بڑھانے کی تجویز پیش کرتا ہوں۔
مجوزہ منصوبہ کی جسامت ۹۳۰۷ کروڑ روپے کے سالِ رواں کی
منصوبہ بند جسامت سے ۲۶٫۹ فیصد زیادہ ہے اور ۷۵۰۷ کروڑ
روپئے کے سالِ رواں کے منصوبہ بند اخراجات سے ۲۵٫۶ فیصد
زیادہ ہے۔

تمام تر منصوبہ بند جسامت میں مذکورہ اضافہ کے نتیجے کے طور پر
سالِ رواں کی گنجائش کے ساتھ موازنہ میں ہر ایک سیکٹر کے لئے
خاطر خواہ منصوبہ بند گنجائش میں اضافہ کرنا ممکن ہو پایا ہے۔ اس کی
تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

توانائی میں ۱۰۳۰ کروڑ روپئے تا ۷۵۸ کروڑ روپئے، زراعت
دیہی ترقیات وغیرہ میں ۲۵۴ کروڑ روپئے تا ۲۸۰ کروڑ روپئے،
صنعت میں ۱۳۷ کروڑ روپئے تا ۱۹۴ کروڑ روپئے، آبپاشی اور
انسدادِ سیلاب میں ۱۸۶ کروڑ روپئے تا ۱۹۷ کروڑ روپئے، نقل و حمل
اور ترقیات شاہراہ میں ۱۱۷ کروڑ روپئے تا ۱۵۱ کروڑ روپئے، پانی کی
سپلائی، رہائش اور شہری ترقی میں ۲۲۷ کروڑ روپئے تا ۲۵۴ کروڑ
روپئے، تعلیم، ثقافت وغیرہ میں ۱۰۵ کروڑ روپئے تا ۱۲۲ کروڑ روپئے
صحت و خاندانی رفاہ میں ۳۱ کروڑ روپئے تا ۴۲ کروڑ روپئے اور
شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کی ترقی میں ۲۳ کروڑ روپئے
تا ۲۶ کروڑ روپئے کا مذکورہ اضافہ عمل میں لایا گیا ہے۔

بہر کیف سوال منصوبہ کی جسامت میں صرف اضافہ کا نہیں ہے
آئندہ مالی سال کے دوران ہر شعبہ کی منصوبہ بند گنجائش کو دو حصوں
میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ کا تعلق ریاستی سطح کی اسکیموں سے
ہے اور دوسرے کا ضلع سطح اور اس سے نچلی زندگی کی اسکیموں سے ہے
کل منصوبہ بند گنجائش کا تقریباً ۵۳ فیصد اس طرح سے ضلع سطح اور
اس سے نچلی سطح کی اسکیموں کے لئے متعین کیا جائے گا اور اس کی
اطلاع ہر ضلع سے ضلع منصوبہ بند کمیٹی کو پہنچا دی جائے گی اور یہ اپنی
باری آنے پر مذکورہ ضلع گنجائش کے ایک خصوصی حصے کو بلاک پلاننگ
کمیٹی اور ضلع کی میونسپلٹیوں کو بھی سونپیں گے۔ بلاک پلاننگ
کمیٹی تب متعلقہ پروگرام پنچایتوں کے ذریعہ مقامی لوگوں کی شمولیت
کے ذریعہ بلاک منصوبے تشکیل دے گی اور اسی طرز پر میونسپلٹیاں

میونسپلٹی سطح پر منصوبہ بنائیں گی۔ اور آخر میں ان منصوبوں کو ضلع
پلاننگ کمیٹی کی سطح پر ضلع منصوبہ میں مربوط و ضم کر دیا جائے گا۔ ہر
ایک بلاک اور میونسپلٹی کی سطح پر ان منصوبوں کی تشکیل کے دوران
زراعت، صنعت اور دیگر سیکٹروں میں روزگار کے زیادہ سے زیادہ
مواقع پیدا کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے گی تاکہ ایک سال کے دوران
بے روزگاروں کی مجموعی تعداد سے مجموعی اضافی روزگار پیدا کرنے کے
مواقع تجاوز کر جائیں اور بے روزگاری کے بیک لوگ میں تخفیف کے
لئے چند نشانے تیار کئے گئے ہیں۔

معزز اراکین جب اس تجویز کو منصوبہ بند گنجائش کی لامرکزیت
اور ریاست تا ضلع سطح اور اس سے نچلی سطح تک مالی اختیارات کی
سپردگی کے لئے پیش کیا جا رہا ہوگا اس وقت یہ نہایت ہی اہم ترین
بات ہوگی کہ اسی طرز کی لامرکزیت مرکز تا ضلع سطح پر بھی لاگو ہوگی یا
کم از کم اس مرکزی منصوبہ بند فنڈ کی آمد میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ
نہیں آئے گی جس کی دستیابی میں اب تک بڑی تاخیر ہو رہی ہے۔
بہر کیف بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ دسویں مالی کمیشن کی سفارشات
پر مرکز کی جانب سے لئے گئے فیصلوں کے مطابق سات دیگر ریاستوں
کے ساتھ مغربی بنگال بھی ۲۸۰ کروڑ روپئے کے لگ بھگ کی موجودہ
سالانہ منصوبہ بند خسارہ بند عطیہ سے محروم ہو جائے گا۔ اگرچہ چند
دیگر متعین شدہ عطیات اسے دستیاب ہوں گے اور چند مرکزی
ٹیکسوں کی شمولیت کے ساتھ سپردگی کی اسکیم بھی دستیاب ہوگی تاہم
ان سبھوں کا نفاذ ۹۷-۱۹۹۶ کے مالی سال سے ہوگا یعنی ۹۶-۱۹۹۵
کے آئندہ مالی سال کو خارج از بحث رکھا جائے گا۔ چوں کہ آئندہ مالی
سال کے لئے سالانہ منصوبہ بند جسامت کی تشکیل میں پلاننگ کمیشن
نے بقایا منصوبہ بند خسارہ بند عطیہ کو زیر غور لانے کا فیصلہ کیا تھا
اور اسی کے تحت ریاستی سطح پر اقدامات کئے گئے تھے اس لئے
ریاستی سطح سے آج صاف اور واضح طور پر مذکورہ بالا امر کے سلسلے
میں یہ مانگ اٹھائی ہے کہ پلاننگ کمیشن کے ساتھ تبادلۂ خیال کی
بنیاد پر کم از کم آئندہ مالی سال کے دوران متعلقہ ریاستوں کو منصوبہ
بند خسارہ بند عطیہ کے خسارے کا پورا پورا معاوضہ ملنا چاہیئے۔
معزز اراکین، پیداوار میں اضافہ کے ذریعہ روزگار پیدا

کرنے کے مواقعوں کی ترجیح کو مدنظر رکھتے ہوئے آبپاشی کی توسیع کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور چونکہ آبپاشی سہولتوں کی توسیع خصوصاً ان کے لئے جن کا تعلق چھوٹی آبپاشی سے ہے، کے سلسلے میں دیہی الیکٹریفیکیشن (بشمول ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن) کے لئے مزید کوشش لازمی ہے۔ اس لئے میں ان چھوٹی آبپاشی اور دیہی الیکٹریفیکیشن کی جامع اسکیم کی تجویز پیش کر رہا ہوں جس پر پنچایتوں کے زیر نگرانی متعلقہ پروجیکٹ علاقوں میں "بینیفشری کمیٹیوں" کے ذریعہ عمل درآمد ہوگا۔ آبپاشی کے لئے موجودہ منصوبہ مد مختص کے علاوہ (جو آبپاشی اور دیہی ترقیات کے تحت متعلقہ گنجائش کے لئے گنجائش کی شمولیت کے ساتھ تقریباً ۲۱۳ کروڑ روپے کی رقم ہوتی ہے) ۲۵ کروڑ روپے کی ایک اضافی رقم آئندہ مالی سال کے دوران اس نئی اسکیم کے لئے مہیا کی جائے گی۔

زراعت اور صنعت کی بڑھوتری اور پیداوار میں شاہراہوں کی مرمت اور توسیع نے ایک تنقیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس کی اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے کل منصوبہ مد گنجائش برائے روڈس سکٹر (بشمول شعبۂ تعمیراتِ عامہ، شعبۂ تعمیرات عامہ (سڑک) اور شعبۂ دیہی ترقیات) آئندہ مالی سال ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران تقریباً ۱۵۴ کروڑ روپے ہے۔ لیکن اس سکٹر کو دی گئی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران سڑک کی مرمت کے لئے ۲ کروڑ روپے کی ایک اضافی رقم کی تجویز پیش کرنے والا ہوں جس پر عمل درآمد ضلع پریشدوں کے ذریعہ لامرکوزی طور پر ہوگا۔

معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ سی ایم ڈی اے علاقہ میں لازمی ساز و سامانی سہولتوں کی ترقی کے لئے ایک جامع اسکیم جو میگاسٹی پروگرام سے موسوم ہے کو منظوری دی جا چکی ہے۔ ۸ سال اس پروگرام میں بطور کل سرمایہ کاری خرچ ۱۶۰۰ کروڑ روپے آئے گا۔ اس میں سے ۴۰۰ کروڑ روپے کا انتظام ریاستی حکومت کرے گی۔ (۴۰۰ کروڑ روپے بطور مشترکہ عطیہ اور ۸۰۰ کروڑ روپے مالی اداروں سے بطور قرض لے گی) اور بقیہ ۴۰۰ کروڑ روپے مرکزی حکومت سے توقع کی جاتی ہے۔ سال رواں کے دوران اس پروگرام کے تحت مختلف سکٹروں میں متعدد اسکیمیں شروع کی جا چکی ہیں۔ اس پروگرام پر عمل درآمد

وسیع طور پر آئندہ سال سے لاگو ہوگا۔ اب تک ۳۸۸ کروڑ روپے کے کام کے احکامات کو منظوری مل چکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر سی ایم ڈی اے میونسپلٹیوں کے لئے لازمی ساز و سامان کی سہولتوں کو فروغ دینے کے سلسلے میں ۱۱۵ کروڑ روپے والا مذکورہ بالا طرز کا ایک جامع سرمایہ کارانہ پروگرام پر بھی پلاننگ کمیشن کے ساتھ بات چیت چل رہی ہے۔

ریاست میں صنعتی نشوونما کے نئے امکانات کو زیر غور لایا جا چکا ہے۔ عام لازمی ساز و سامانی ترقی کے ساتھ ان امکانات کو حقیقی شکل دینے کے لئے خصوصی لازمی ساز و سامانی سہولتوں (مثلاً صنعتی اناٹے، صنعتی نظام رابطہ وغیرہ کی ترقی) کی شدید ضرورت ہے۔ اس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے آئندہ مالی سال کے دوران شعبۂ تجارت اور صنعت کو خصوصی ترقیاتی بونڈس کے ذریعہ ۴۱ کروڑ روپے اکٹھا کرنے کی گنجائش سے نوازا گیا۔

معزز اراکین اس امر سے واقف ہو جائیں کہ صنعت قائم کرنے کے ماحول کو تقویت پہنچانے کی غرض سے ریاستی حکومت صنعتوں کے سلسلے میں ایک پرکشش اسکیم کو روبہ عمل لا رہی ہے۔ سرمایہ کاری سب سیڈی کے علاوہ اس اسکیم میں سیلس ٹیکس میں چھوٹ یا مخصوص مدت تک توقف وغیرہ کی گنجائش پر یہ اسکیم مشتمل ہے۔ اس اسکیم کی مختلف گنجائشوں کے ذریعہ حالیہ مالی سال کے دوران ۴۸۔۱۱۸ کروڑ روپے بطور مالی تعاون صنعتی اکائیوں کو دینا ممکن ہو پایا ہے۔ یہاں اس امر کا ذکر لازمی ہے کہ چھوٹے پیمانے کی اکائیوں کو ترغیبات عطا کرنے کے سلسلے میں سال رواں کے دوران بجٹ تخمینہ سے تجاوز کرنے والی ۱۰ کروڑ روپے کی ایک اضافی رقم فراہم کی گئی ہے۔

اس ترغیبی اسکیم کے ایک خصوصی حصے کو بیمار اکائیوں کی بحالی اور بند اکائیوں کو چالو کرنے کی ہدایت ملی ہے اس کے لئے ایک بار پھر سیلس ٹیکس میں چھوٹ یا مذکورہ بالا توقف، قرض وغیرہ کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ اس پورے مسئلہ پر مرکزی حکومت کی بے توجہی سے پُر رجحانات کی صورت میں ہم لوگوں نے حال ہی میں بیمار اور بند اکائیوں کو ملا جلنے اور چالو کرنے اور مقررہ سرمایہ اثاثوں سے متعلق پہلے سے مقررہ سیلنگ میں نرمی لانے اور متعلقہ ترغیبات کو مزید پرکشش بنانے کے لئے فیصلہ لیا ہے۔ اس طرح ہر معاملہ کے وصف کی بنیاد پر

مانی فوائد فراہم کئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ آئندہ سال تک چلتا رہیگا۔

معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ کارخانہ قائم کرنے کے
ریسس کو مزید بڑھاوا دینے کے لئے میں نے ترغیبات کی ایک نئی اسکیم
بش کی تھی۔ اس کے تحت متعدد صنعتیں (جیسے ڈرگس اور فارماسیٹکلس
پھل، سبزی، دھان کی بھوسی کا تیل، وناسپتی، ٹیلی ویژن اور آڈیو
روڈکٹس، کمپیوٹرس، مواصلاتی آلات، اسٹین لیس اسٹیل کے
رتن ور ڈٹرجنٹ تیار کرنے والی چھوٹے پیمانے کی اکائیاں وغیرہ) ایک
سال کے دوران متعلقہ اکائیوں کی جانب سے جمع شدہ سیلس ٹیکس کے
۹۰ فیصد کے برابر عطیہ پانے کی مستحق ہیں۔ سالِ رواں کے دوران اس
پر نسبی بجسن طور پر عمل درآمد ہوا ہے۔ ۸۸ صنعتی اکائیوں کو اس سلسلے میں
۱۶.۹۳ کروڑ روپئے کے مجموعی عطیات ملے ہیں اور ان میں سے ۴۷
اکائیوں کا تعلق چھوٹے پیمانہ سیکٹر سے ہے۔ معزز اراکین کو یہ جان
کر خوشی ہوگی کہ اس اسکیم نے مذکورہ صنعتی اکائیوں کی جلابخشی میں
بھی ایک اہم کردار ادا کرنا شروع کیا ہے۔ میں بعد میں آئندہ مالی سال کے
دوران اس اسکیم کو توسیع دینے کی تجویز پیش کروں گا۔

معزز اراکین! مجھے امید ہے کہ آپ لوگ مجھ سے متفق ہوں
گے کہ ان صنعتی امکانات کی عمل پذیری جو فی الحال اس ریاست میں
ظہور پذیر ہوئی ہے، کو محض کلکتہ اور اس کے قرب و جوار تک ہی محدود
رکھنا نہیں چاہئے اور اس صنعتی نشوونما کو ہر ایک ضلع تک لے جانا بھی
چاہئے۔ تجزیہ کی بنیاد پر یہ پتہ چلا ہے کہ اضلاع میں صنعتی ترقی کی راہ
اہم ترین رکاوٹ داخلہ ٹیکس کی موجودگی ہے۔ اس کے تحت دور
دراز اضلاع سے کلکتہ اور اس کے قرب و جوار میں سامان لانے کے لئے
داخلہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اضلاع میں قائم صنعتیں جو اس مشکل اور
غیر مساوی صورت حال سے دوچار ہیں کو مذکورہ مشکلات اور دشوار
گزار حالات سے نجات دلانے کے لئے میں آئندہ مالی سال سے اس
داخلہ ٹیکس کے خاتمہ کی ایک اہم تجویز پیش کرنے جا رہا ہوں۔ داخلہ
محصول کا بنیادی طور پر استعمال میونسپلٹیوں / کارپوریشنوں کو فنڈ کی فراہمی
کے لئے کیا جاتا ہے۔ مذکورہ میونسپلٹیاں / کارپوریشن کسی مالی دشواری
کا شکار نہیں بنیں اس کے لئے میں سیلس ٹیکس پر ایک عام سرچارج لاگو کرنے
کی تجویز پیش کروں گا تاکہ پہلے ملنے والی رقم کے برابر رقم میونسپلٹیوں /
کارپوریشنوں کو پہلے کی طرح انہیں اس عطیہ کی حسب معمول نشوونما
کے ساتھ مہیا کی جائیں گی۔ نتیجہ کے طور پر اس سے میونسپلٹیوں / کارپوریشنوں
کو کسی طرح کا کوئی خسارہ نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک جہت
کا بھی اضافہ ہوگا اور اضلاع میں صنعت کے قیام کے لئے نئے باب وا
ہوں گے۔

بڑے اور درمیانے پیمانے کی صنعتوں کے اہم کردار کے ساتھ ساتھ
اضلاع میں صنعت قائم کرنے کے سلسلے میں چھوٹے پیمانے کی صنعتیں
بھی ایک اہم کردار ادا کریں گی۔ اس کردار کی اہمیت روزگار کی نشوونما
کے اسباب اور مزید مساوی مقابلہ کے لئے اقدامات اٹھانے کے سلسلے
میں اور بڑھ جائے گی۔ یہ وہی مسائل ہیں جن کو ہم لوگوں نے متبادل
معاشی پالیسی کے سیاق و سباق میں بارہا اٹھایا ہے۔ اس امر کو ذہن میں
رکھتے ہوئے ایک ایسے چھوٹے پیمانہ کے سیکٹر کے لئے عطیہ اور قرض پر
مبنی (بشمول سود سب سیڈی) ایک خصوصی اسکیم کی تجویز پیش کرنے
جا رہا ہوں جس کا استعمال تکنالوجی کے فروغ، معیار میں بہتری، کثافت
کی روک تھام اور توانائی کے مناسب مصرف میں ہو سکتا ہے۔ گھریلو
اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے شعبہ اور مغربی بنگال مالی کارپوریشن کے
ساتھ تبادلۂ خیال کے بعد اس اسکیم پر حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔ گھریلو
سیکٹر اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے لئے منصوبہ بند گنجائش کے طور
پر ۱۳ کروڑ روپے دئے جا چکے ہیں اور میں ۲۰ کروڑ روپئے مزید مہیا
کرنے کی تجویز پیش کرنے والا ہوں۔

چھوٹے پیمانے کی اکائیوں کو اپنی مصنوعات بازار میں لانے میں
بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مسائل سے نجات پانے
کے لئے میں ریاست کے اندر عوامی نظامِ تقسیم کے ذریعہ فروخت کی
ایک تجویز پیش کرنے جا رہا ہوں۔ یہ مرحلہ بہ مرحلہ روبہ عمل لائی جائے گی۔
چھوٹے پیمانہ سیکٹر کی چند اشیاء جو بڑے پیمانے پر عوام کے مصرف میں
آتے ہیں، کو مذکورہ بالا نظام میں شامل کیا جائے گا۔ اس اسکیم کو
قابلِ عمل بنانے کے لئے ریاستی حکومت ان قرضوں کے لئے ضروری
گارنٹی فراہم کرے گی جو بینکوں سے حاصل کئے جائیں گے۔

عوامی خواندگی پروگرام کی ترقی و کامیابی کی بابت تفصیل پیش کی
جا چکی ہے۔ اس کامیابی کے نتیجے کے طور پر اضافی پرائمری اسکولوں کے

قیام کی ضرورت ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اس ضرورت کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں آئندہ مالی سال کے دوران مختلف اضلاع میں اضافی ۱۰۰ پرائمری اسکولوں کی گنجائش کی تجویز پیش کر رہا ہوں۔ مزید برآں ایک نیا سکنڈری اسکول قائم کرنے یا ریاست کے ہر بلاک میں ایک اسکول کو سکنڈری سطح تک فروغ دینے کے لئے بھی ایک تجویز رکھی گئی ہے۔ اعلیٰ التعلیم کے میدان میں نئے کالجوں کے قیام اور نئے نصابوں کی شمولیت کا عمل جاری رہے گا۔ معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ ایک نئی سرکاری ٹکنیکل یونیورسٹی اور وسائل حیوانی اور شعبہ ماہی پروری پر ایک سرکاری یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں ایک فیصلہ لیا جا چکا ہے۔ تعلیم سے متعلق تجاویز میں سے ہر ایک کے لئے آئندہ سال کے بجٹ برائے (۹۶-۱۹۹۵ء) میں گنجائش رکھی جا چکی ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد پیش آنے والی مشکلات جن سے اسکول کے اساتذہ کا واسطہ ہمیشہ پڑتا ہے، یہی ہماری توجہ کا مرکز ہیں۔ ان مسائل کے پیچھے کارفرما بنیادی اسباب میں سے ایک لازمی دستاویز کی ناکامی ہے۔ ایسی صورت حال کے لئے اسکولوں کے ضلع انسپکٹروں کو دو سال کی مدت کے لئے عارضی پنشن کی منظوری کے اختیار کا مجاز بنایا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی مسائل پورے طور پر حل نہیں ہو پائے ہیں۔ اس لئے میں یہ تجویز پیش کر رہا ہوں کہ اساتذہ حضرات جن کو دستاویزات کی ناتمامی کے باعث بالکل پنشن نہیں ملے ہیں کو ۱۰۰۰ روپئے فی ماہ کا مستحق اس وقت تک قرار دیا جائے گا جب تک کہ انہیں لازمی دستاویز کی بنیاد پر حتمی پنشن نہیں مل جاتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک سہل تر پروسیجر کے بارے میں جلد ہی اعلان کیا جائے گا۔

معزز اراکین دیہی بے زمین زرعی مزدوروں کے مستقبل کو تحفظ بخشنے کی خاطر میں ان تمام مزدوروں کے لئے ایک پراویڈنٹ ٹائپ کی اسکیم کا اعلان کرنے والا ہوں۔ اس اسکیم کے تحت اگر ایک زرعی مزدور ہر ماہ کم از کم ایک مخصوص رقم جمع کھاتے میں ڈالتا ہے تو حکومت بھی اس کے اس کھاتے میں اتنی ہی رقم ڈالے گی اور میعاد کی مدت پوری ہونے کے بعد ایک بار میں اسے ایک اچھی خاصی موٹی رقم ملے گی۔ اس اسکیم کی تفصیلات کا اعلان جلد ہی پنچایت اور شعبہ دیہی ترقیات سے صلاح و مشورہ کے بعد کر دیا جائے گا۔ اگر یہ اسکیم کارگر ثابت ہوتی ہے تو تجربہ کی بنیاد پر دیگر غریب طبقوں کو فروغ دینے کے لئے مذکورہ طرز کی اسکیمیں زیر غور لائی جا سکتی ہیں۔ اس اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے میں آئندہ مالی سال کے دوران ۱۰ کروڑ روپئے کے ایک اضافی مصارف کی تجویز پیش کرتا ہوں۔

اگر ہم لوگ فی الحال تمام منصوبہ بند اور غیر منصوبہ بند اخراجات اور اس کی رسیدیں حاصل کرتے ہیں تو بجٹ (۹۶-۱۹۹۵ء) میں ابتدائی خسارہ تقریباً ۴۸ کروڑ روپئے کا نکل آتا ہے۔

معزز اراکین میں فی الحال ٹیکسوں اور ٹیکس کے ڈھانچوں سے متعلق تجاویز پیش کرنے جا رہا ہوں۔

ان تجاویز کو پیش کرنے کے دوران مندرجہ ذیل مقاصد میرے سامنے رہیں گے۔

(الف)۔ ٹیکس کے ڈھانچہ کو سہل بنانا۔
(ب): ٹیکس کے ڈھانچہ اور ترغیبات کے ذریعہ ریاست میں نئی صنعتوں کے قیام کے امکانات کو خصوصی طور پر بڑھاوا دینا۔
(پ)۔ زرعی پیداوار میں مزید اضافہ کے لئے تعاون دینا اور
(ت): مخصوص تعیش کی اشیاء پر ٹیکس نافذ کرنا۔

گزشتہ بجٹ سیشن کے دوران اس ایوان نے مربوط سیلس ٹیکس بل بہت پہلے سے پاس کر دیا تھا۔ مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ مذکورہ بل تمام رسمی مدارج سے گزر چکا ہے اور کسی بھی دن اسے صدر کی منظوری مل جانے کی توقع کی جاتی ہے۔ میں اس بل کو ۱۵ اپریل ۱۹۹۵ء سے نافذ کرنے کی تجویز پیش کرتا ہوں۔

معزز اراکین یاد فرمائیں گے کہ سہل سازی کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ بل پاس ہوا تھا۔ ماضی میں چار ایکٹس رائج تھے اور ایک تاجر جو مختلف قسم کے سامانوں کی تجارت کرتا تھا، کو خرید و فروخت کے مختلف مرحلوں میں مذکورہ بالا ایکٹس کے علیحدہ علیحدہ ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ اس سے ٹیکس دہندگان اور ٹیکس وصول کنندگان دونوں کو دشواری ہوتی تھی۔ مذکورہ تمام چار ایکٹس کا ایک مربوط ایکٹ میں انضمام سے مذکورہ بالا دشواریاں دور ہو جائیں گی۔ چار رجسٹریشنس، چار علیحدہ ریٹرنس اور چالان کی جگہ اب تاجروں کو صرف ایک ریٹرن اور چالان جمع دینے ہوں گے۔ علیحدہ علیحدہ ایکٹس کے تحت علیحدہ محاسبے اور کارروائی کی اب ضرورت نہیں پڑے گی۔

معزز اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ڈیلر یا تاجر کو اب صرف ـ ہی رجسٹریشن سرٹیفکیٹ حاصل کرنی پڑے گی۔ رجسٹریشن کی حصولی کارروائی کو مزید سہل بنا دیا گیا ہے اور غیر ضروری تاخیر اور رکاوٹوں کا ختم کر دیا گیا ہے۔ اشیاء کی ترتیبوں میں ریشنالائزیشن کے ساتھ ساتھ الحال وسیع درجوں کی اشیاء رجسٹریشن سرٹیفکیٹوں پر مشتمل ہوں گی۔ ن سے بار بار کی ترمیمات کی ضرورت سے چھٹکارا مل جائے گا۔

اس امر کا تذکرہ پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ فی الحال ڈیلروں کو صرف ـ ہی ریٹرن جمع دینا ہوگا۔ علاوہ ازیں ریٹرن فارم کو سہل تر بنا دیا گیا ہے تاکہ چھوٹے ڈیلر بغیر کسی کی مدد کے آسانی سے اس فارم کو پر کر سکیں۔ میں آج چھوٹے ڈیلروں کے لئے ایک اور راحت کی تجویز پیش کرنے جا رہا ہوں۔ ۹۴-۱۹۹۳ء سال کے محاسبہ تک کے لئے تمام ڈیلر ن کی سالانہ ٹیکس لائبلیٹی ۱۲۰۰۰ روپے اور اس سے نیچے ہے، کا ماسبہ سرسری طور پر حسب معمول ان کی سہولتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ب مخصوص تجویز شدہ تاریخ کو کیا جائے گا۔

ڈیلروں کو سیلس ٹیکس ڈکلیریشن فارم کی حصولی میں بڑی دقت ٹھانی پڑ رہی ہے اور آج کے کام کاج کے ڈھانچہ کے تحت کچھ ایسے ستاویزات سامنے آئے ہیں جو ٹیکس لائبلیٹی کے موزوں محاسبہ کے لئے ناگزیر معلوم ہوتے ہیں۔ میں سیلس ٹیکس دفاتر میں ایک کمپیوٹر نظام پر مبنی نظام کو رائج کرنے کے لئے تجویز پیش کرنے والا ہوں جہاں ام ریٹرنس مع پرمٹوں اور ڈیلروں کی روداد خریداری کراس چیکڈ ہیتں کئے جا سکیں گے تاکہ تمام قانونی کارروائیاں ریکارڈ اور مانیٹر کئے جا سکیں۔ مذکورہ عمل کو ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران مختلف مرحلوں میں روبہ عمل لایا جائے گا جہاں ہم لوگ ڈکلیریشن فارم کو ترک بھی کر سکتے ہیں۔ کمپیوٹر نظام کے رائج ہونے سے روزگار میں کسی طرح کی کوئی تخفیف عمل میں نہیں آئے گی۔ میں اراکین کو یہ اطلاع دینے میں یہ خوشی بھی محسوس کر رہا ہوں کہ کمپیوٹر کام کاج میں کام میں آنے والے سافٹ ویئر کو تجربہ کار مقامی کاروباری ہی تیار کریں گے۔

سیلس ٹیکس کلیرنس سرٹیفکیٹ کے اجراء کو تیز رفتار اور مزید کارگر بنایا جائے گا۔ میں نے اس بات کی بھی ہدایت دی ہے کہ مذکورہ کلیرنس سرٹیفکیٹوں کی میعاد بڑھا کر ایک سال کر دی جائے۔

معزز اراکین! اب میں ٹیکس کے ڈھانچہ کی سہل سازی اور ریشنالائزیشن کے بنیادی مقصد کے ساتھ نئی ٹیکس شرحوں کی جانب آؤں گا۔ مذکورہ نئی شرحیں ۲ فیصد، ۳ فیصد، ۴ فیصد، ۵ فیصد، ۷ فیصد، ۱۲ فیصد، ۱۵ فیصد اور ۲۰ فیصد ہوں گی۔ موجودہ شرحوں کے مقابلہ میں ڈیلروں کے لئے مذکورہ شرحیں زیادہ منافع بخش ہیں۔ تھوڑے وقفہ کے بعد میں اس نکتہ کی وضاحت کروں گا۔

میں معزز اراکین کو ان وسیع مواقعوں سے آگاہ کر چکا ہوں جو ہماری ریاست کے اندر صنعتی میدان میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ صنعتی ترقی کے ان امکانات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس بات کا اعلان نہایت ہی مسرت کے ساتھ کرتا ہوں کہ میں نے پورے طور پر ٹرن اوور ٹیکس کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے اس قدم سے صنعت و تجارت اور ہر طبقہ کے ڈیلر مستفیض ہوں گے۔ میں اس بات کی بھی تجویز رکھ رہا ہوں کہ صنعتی ساز و سامان جن پر مؤثر طور پر فی الحال ۴ فیصد ٹیکس لیا جا رہا ہے، پر اب سے ۳ فیصد ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ از سر نو فروخت کنندگان پر مؤثر طور پر ۳ فیصد ٹیکس لگایا جاتا تھا اب گھٹا کر ۲ فیصد ٹیکس وصول کیا جائے گا۔

میں اس بات کا تذکرہ پہلے ہی کر چکا ہوں کہ فرائٹ اکوالائزیشن کی پالیسی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال کی آئرن اور اسٹیل کی صنعتیں بڑی تیزی سے اپنے مقامی فوائد از سر نو حاصل کر رہی ہیں۔ ان سیکٹروں میں نئی سرمایہ کاری کو بڑھاوا دینے کے لئے اور بند اور بیمار ملوں کو جلا بخشنے کے لئے ان اعلان شدہ آئرن اور اسٹیل کی اشیاء جو مرکزی سیلس ٹیکس کے تحت آتے ہیں کے لئے ایک سود مند ٹیکس ڈھانچہ کی تجویز رکھنے والا ہوں۔ ان مذکورہ بالا اشیاء کے سلسلے میں میں "ویلو ایڈیڈ ٹیکس" کی تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تبدیلی / کنورشن کے پچھلے نکتہ کے تحت خریدی گئی اشیاء پر ادا کردہ ٹیکس پر مذکورہ بالا عمل متوازن بنانے کے مترادف ہوگا۔

گزشتہ بجٹ کے دوران مخصوص صنعتوں کے لئے صنعتی تعاون کی ایک اسکیم رائج کی گئی تھی۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس اسکیم کے تحت ادا شدہ سیلس ٹیکس کے نوے فیصد کے برابر رقم کارخانہ داروں کو بطور ترغیبی عطیہ دی جاتی ہے تاکہ وہ اسے صلاحیت کے بہتر اور اعلیٰ

استعمال میں لائیں۔ مقامی کارخانہ دار اکائیوں کے جذبۂ مقابلہ میں فروغ کو فروغ دیں اور اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ اکائیوں کی بدحالی کو دور کریں۔ اس اسکیم کے تحت ٹی وی اکائیاں الیکٹرونکس کل پرزے اور آلات بنانے والی اکائیاں، دناسپتی اکائیاں، پھل اور سبزی اکائیاں دوا اور دارو اکائیاں اور چھوٹے پیمانہ سیکٹر کی اسٹین لیس اسٹیل کے برتن بنانے والی اکائیاں، چھوٹے پیمانے والے سیکٹر کی چینی کے برتن بنانے والی اکائیاں مذکورہ تعاون سے استفادہ حاصل کر سکتی ہیں۔

مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ مذکورہ اسکیم فی الحال ایک سال اور چلے گی۔ المونیم پریشر کوکر اور پریشر پین تیار کرنے والی اس ریاست کی چھوٹے پیمانے کی اکائیوں تک مذکورہ فوائد کو توسیع دینے میں مجھے نہایت خوشی کا احساس ہو رہا ہے۔ سی ایف ایل لیمپس تیار کرنے والی چھوٹے پیمانہ کی صنعتی اکائیاں بھی اس اسکیم سے مستفیض ہو پائیں گی۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ یہ مذکورہ مالی مراعات مقامی صنعتوں کے لئے ہمت افزائی کا باعث بنیں گی اور انکی پیداوار کو بہتر بنانے میں انکی مدد کریں گی۔

کلکتہ اور اس کے قرب و جوار تک ہی صنعتی ترقی کے امکانات کو محدود نہیں رکھا جائے گا بلکہ اسے اضلاع تک توسیع دینے کی غرض سے میں داخلہ ٹیکس کے خاتمہ کی تجویز پیش کر چکا ہوں۔ اس کے نتیجہ کے طور پر دور دراز کے اضلاعات پیدا شدہ غلط بیانیوں سے نسکار نہیں بنیں گے۔ اس امر کا بھی تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے کہ داخلہ ٹیکس سے حاصل شدہ لگان خصوصی طور پر کارپوریشنوں اور میونسپلٹیوں کو دیا جاتا ہے۔ کارپوریشن اور میونسپلٹیاں مالی دشواریوں کا شکار نہیں بنیں گی یقینی دہانی کیلئے میں ایک تجویز پیش کرنے والا ہوں جس کے تحت ڈیلرس ٹیکس پر ۱۰ فیصد سرچارج ادا کریں گے۔ داخلہ ٹیکس کے خاتمہ سے اتنی بڑی راحت ملے گی کہ سیلز ٹیکس پر لگے اس معمولی سرچارج سے قیمتوں پر بالکل اثر نہیں پڑیگا۔ مثلاً تین فیصد کی موجودہ شرح سرچارج کے ساتھ ۳ء۳ فیصد ہو جائیگی۔ مزید برآں کوئلہ، آئرن اور اسٹیل اور دیگر تعیین شدہ اشیاء مثلاً جیسی اور قسم کی اس سرچارج کے دائرہ عمل میں نہیں آتیں۔

میں معزز اراکین کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ سال کے دوران ہم نے کاشتکاروں کے حق میں زرعی آمدنی ٹیکس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بدلتے ہوئے صنعتی ماحول میں زرعی و باغبانی پیداوار،

پھولوں کی پرورش وغیرہ کی تجارتی کاشتکاری خوب پھل پھول رہی ہے۔ لہٰذا میں تمام زرعی کاشتکاری سوائے چائے باغات کے پر سے زرعی آمدنی ٹیکس ختم کرنے کی تجویز پیش کرتا ہوں۔

ہماری ریاست کے روایتی پٹسن کی صنعت لگاتار ایک کے بعد دیگرے مسائل سے دوچار رہی ہے۔ ترمیم و تنوع کے ساتھ پٹسن کی صنعت طلوعِ آفتاب کی حیثیت سے ایک بار پھر نمودار ہو سکتی ہے۔ اس لئے تازہ سرمایہ کاری کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور بند اور بیمار پٹسن ملوں کو چلا بخشنے کی غرض سے میں یہ تجویز رکھ رہا ہوں کہ پٹسن کی مصنوعات پر فی الحال لگنے والے ۱۲ فیصد شرح ٹیکس کی جگہ ۴ فیصد کی نئی شرح لاگو کی جائے۔

زرعی نشو و نما کو مزید تعاون دینے کے لئے میں زراعت سے وابستہ ضروریات کے سلسلے میں ایک سودمند ٹیکس ڈھانچہ پر کام جاری رکھنے کی تجویز پیش کرنے والا ہوں۔ معزز اراکین اس امر سے واقف ہیں کہ میں کھاد اور جراثیم کش دواؤں پر سیلس ٹیکس برابر کم کئے جا رہا ہوں اور زرعی نشو و نما کو مزید بڑھاوا دینے کے لئے میں مؤثر ۵ فیصد سے ۴ فیصد تک مذکورہ شرحوں کو گھٹانے کی تجویز بھی رکھنے والا ہوں۔ میں زرعی سامان اور ٹریکٹروں پر سے ٹیکس کی شرحیں ۵ تا ۳ فیصد اور ۷ تا ۵ فیصد بالترتیب کم کرنے کی تجویز بھی پیش کرنے والا ہوں۔

معزز اراکین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ہماری ریاست میں زیادہ سے زیادہ ۸۹ اشیائے ٹیکس کی شرح صفر کے تحت آتی ہیں۔ یہ فہرست مدمقابل ریاستوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ زندگی بخش دوائیں معذور افراد کے استعمال میں آنے والے آلات، فنکاروں اور ہنرمندوں کے تیار کردہ سامان، طلباء کے کام میں آنے والے سامان مثلاً قلم، پنسل، کاپی، کتاب اور عام انسانوں کے کام میں آنے والی بہت ساری اشیاء اس فہرست میں شامل ہیں۔

صفر شرح والی اشیاء کی طویل فہرست کے ساتھ بھی مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ چند مخصوص چیزوں پر ٹیکس کی شرحوں میں کچھ چھوٹ کی اب بھی گنجائش ہے۔ میں اس امر کا تذکرہ پہلے بھی کر چکا ہوں کہ سامانِ ضروریات کی قیمتوں میں کمی آئے گی اور از سر نو فروخت ہونے والی اشیاء پر ٹیکس کے نفاذ میں گراوٹ آئے گی۔ تمام کھانے کے تیل

پر فی الحال ۱۲ فیصد کی موجودہ نافذ شرح کے بجائے ۷ فیصد کی تخفیف شدہ شرح لاگو ہوگی۔ سرسوں کے تیل پر ٹیکس کے نفاذ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ میں پٹرول، ڈیزل اور ایل پی جی پر لاگو حالیہ شرحوں میں تبدیلی لانے کے لئے بھی تجویز نہیں رکھوں گا۔ اسٹین لیس اسٹیل کے سامان، خضاب اور رنگ جن پر فی الحال ۱۷ فیصد کی مروّجہ شرح سے ٹیکس کی وصولی ہوتی ہے، کے ٹیکس کی شرح میں تخفیف کر کے ۱۲ فیصد کی شرح سے مذکورہ ٹیکس کی وصولی کی جائے گی۔ اسی طرح بسکٹ، دارچینی، لونگ اور گول مرچ پر بھی ۱۷ فیصد کی بجائے ۱۲ فیصد کی تخفیف شدہ شرح سے ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ نئے انتظام کے تحت ہر قسم کے پاؤڈر دودھ پر مروّجہ ۱۲ اور ۷ فیصد کے بجائے ۷ فیصد کی یکساں شرح سے ٹیکس وصول کئے جائیں گے۔ سونے اور چاندی کے زیورات پر مروّجہ ۵ فیصد کی بجائے ۳ فیصد کی شرح کے حساب سے ٹیکس لگیں گے۔ ہر قسم کے کاغذ بشمول کاربن اور دیگر اقسام کے کاغذ پر ۷ فیصد اور ۱۲ فیصد کی مروجہ شرح کی جگہ ۷ فیصد ٹیکس نافذ کئے جائیں گے۔ پکچر ٹیوب، فوم کوشنس، وماسپتی، کافی اور دفتری مشینوں پر ۱۷ فیصد کی جگہ ۱۵ فیصد ٹیکس نافذ کئے جائیں گے۔ دیوار گھڑیاں جن پر ٹیکس کی مروجہ شرح ۱۷ فیصد تھی، پر اب ٹیکس کی شرح گھٹ ۷ فیصد ہوگی جوتے جن کے ایک جوڑے کی قیمت ۵۰۰ روپئے سے زیادہ ہے، پر ۱۷ فیصد کی جگہ بیس۲۰ فیصد ٹیکس کا نفاذ ہوگا اور ۵۰۰ روپئے سے کم قیمت کے جوتے پر ۵ فیصد ٹیکس لاگو ہوں گے۔ اب تک ۲۰۰ روپئے تک کی قیمت کے ایک جوڑے کے جوتے پر ۵ فیصد ٹیکس لگایا جائے گا۔ اسی طرح ۵۰۰ روپئے سے کم قیمت کے ایک جوڑے سلے سلائے کپڑے پر ۵ فیصد ٹیکس لاگو ہوں گے اور ۵۰۰ روپئے سے زائد قیمت کے مذکورہ بالا جوڑے پر ۱۵ فیصد ٹیکس کا نفاذ ہوگا۔ فی الحال تمام سلے سلائے کپڑوں پر ۵ فیصد ٹیکس لگتے ہیں۔ سلی گوڑی اور کلکتہ نیلامی مرکز سے خریدی گئی چائے کی اندرون ریاست روانگی پر ٹیکس کی شرح ۲ فیصد اور ۳ فیصد کی شرحوں کے بجائے آئندہ سال کے دوران یکساں طور پر ۲ فیصد کر دی جائے گی۔

چند مخصوص آسائش کی اشیاء کی شرحوں میں ہونا ہی تھا۔ ایئر کنڈیشنرس، واشنگ مشینس، وی سی آر، وی سی پی، ریفریجیریٹر، گرینائٹ، سنگِ مرمر، صحت افزا مشروب، کاسمیٹکس، غیر ملکی شراب، ویکیوم کلینر اور اس طرح کی آسائشی اشیاء پر مروجہ ۱۷ فیصد کی بجائے ۲۰ فیصد ٹیکس نافذ کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔ شرحوں میں تبدیلیوں کی تفاصیل مالی بل میں دستیاب ہونگی۔

میں ایک بار پھر یہ تجویز رکھتا ہوں کہ سرکس کی نمائشوں کے تمام ٹکٹوں کے تفریحی ٹیکس سے بری رکھا جائے اور اس کی بھی تجویز رکھتا ہوں کہ غیر سیمائی نمائشوں کے ۲۵ کروڑ کے ٹکٹ کو بھی تفریحی ٹیکس کی چھوٹ دی جائے گی۔

فی الحال مختلف قسم کی غیر ملکی شراب ہندستان میں لائی جارہی ہے۔ مذکورہ سمندر پار کی غیر ملکی شراب مغربی بنگال کے بازار میں بھی داخل ہورہی ہیں۔ مذکورہ شراب بلاشبہ بڑی قیمتی ہیں لیکن اکسائز ڈیوٹی ان قیمتی غیر ملکی شراب اور ہندستان میں بنی غیر ملکی شراب پر ایک ہی ہیں اس لئے میں یہ تجویز پیش کرنے والا ہوں کہ غیر ملکی شراب پر اکسائز ڈیوٹی دگنی لگنی چاہیئے۔

تمباکو اور آسائش ٹیکس یکم مئی ۱۹۹۴ء سے ۱۰ فیصد کی شرح سے لاگو کی گئی ہے۔ اس مالی سال کے دوران ہم لوگوں نے ۱۰ کروڑ روپئے بطور آسائش ٹیکس وصول کیا ہے۔ وصول کردہ رقم بجٹ کی توقعات سے کہیں کم ہے۔ اس کمی کی اصل وجہ اس میدان میں منظم طور پر اسمگلنگ کے داخلے میں مضمر ہے۔ اگر اب تک ہم لوگ مذکورہ اسمگلنگ میں کسی طرح کی تخفیف نہیں کر پا رہے ہیں تاہم ہم لوگوں نے اس طرح کی سماج دشمن سرگرمیوں کو بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی ہے۔ آئندہ سال کے دوران ہم لوگ اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ بات چیت کریں گے۔

ٹیکس عائد کرنے سے متعلق مذکورہ تجاویز یعنی راحتوں کا یہ مجموعہ ۳۰ کروڑ روپئے کے برابر اضافی وسائل پیدا کرلے گا۔ معزز اراکین اس کل اضافی وسائل کے اکٹھا کرنے کے ساتھ ساتھ مجوزہ اخراجات اور ۹۶-۱۹۹۵ء کے بجٹ کی وصولیابیوں کے درمیان خلاء گھٹ کر ۱۸ کروڑ روپئے تک آجائے گا۔ مذکورہ بالا خلا کی تخفیف کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آئندہ مالی سال کے لئے ایک محدود خسارے والا بجٹ پیش کرنے کی تجویز رکھوں گا۔ اس کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آئندہ مالی سال

کے لئے محدود خسارہ بجٹ پیش کرنے کی تجویز رکھتا ہوں۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ سابقہ بجٹ میں میں نے حالیہ برس کے لئے ۴ کروڑ روپئے کے خسارے کی تجویز رکھی تھی۔ میں باضابطہ طور پر بتا چکا ہوں کہ اس حالیہ سال کو بغیر کسی خسارے کے پورا کرنا اور ساتھ ہی منصوبہ اخراجات کے نشانے کو تجاوز کرنا ہمارے لئے ممکن ہوگا۔ میں آئندہ سال پلان اخراجات کے نشانے کو پورا کرنے اور بلا خسارہ اختتام تک لے جانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔

یہ بجٹ متبادل پالیسی کے ان پہلوؤں پر مبنی ہے جو ریاستی سطح پر برمحل ہیں اور جو صنعتی اور زرعی پیداوار کے اضافہ کے ذریعہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی ترجیحات پر مبنی ہے۔ یہ ایک ایسا بجٹ ہے جو ان ترجیحات کی بنیاد پر، حالیہ برسوں میں اعلیٰ سطح کے ریاستی پلان اخراجات (۲۲۰۷ کروڑ روپئے) نشانہ کے مطابق پہنچ جانے کا امکان ہے۔ اس بجٹ کے مقصد کا انحصار عام لوگوں کے لئے پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ اختیارات بالخصوص فیصلہ سازی کے اختیارات کی لامرکزیت پر بھی ہے۔

قومی سطح پر چلنے والے طریقہ کار سے عوام کے اس اختیار کو بڑی خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا بجٹ متبادل پالیسی پر مبنی ہے جو اس طریقہ کار کے برعکس عمل پیرا ہے۔

مجھے آپ سب کے تعاون کی امید ہے ⁂

وزیر اعلیٰ نے مرکزی بجٹ برائے سنہ ۹۶-۱۹۹۵ء کی مخالفت کی

آئندہ مالی سال کے دوران مرکزی بجٹ ہندستان بھر کے عام لوگوں کے بنیادی مسائل کو حل نہیں کر پائے گا۔ لہٰذا ملک کے مالی مسائل سے مقابلہ کرنے کے لئے متبادل پالیسیوں کی تلاش کے لئے قومی سطح کی بات چیت ضروری ہے۔ مذکورہ خیال مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۱۵ر مارچ کو کلکتہ میں جاری کردہ اپنے ایک بیان میں ظاہر کیا۔ اتفاق سے اسی دن مرکزی وزیر مالیات شری منموہن سنگھ نے پارلیمنٹ میں جنرل بجٹ کی تجاویز برائے سنہ ۱۹۹۵-۹۷ء پیش کیں۔

شری باسو نے اپنے بیان میں کہا کہ گزشتہ سال کی طرح اس بجٹ میں بھی بڑے پیمانے پر کسٹم ڈیوٹی میں کمی کردی گئی ہے انہوں نے مزید کہا کہ مرکزی حکومت کی متواتر آزاد پالیسی سے وابستہ یہ بجٹ ملکی پروڈیوسروں کو بڑے کثیر القوامی کمپنیوں کے ساتھ سخت اور غیر مساوی مسابقت کی طرف دھکیل دے گا۔

مسٹر باسو نے مزید بتایا کہ بجٹ تجاویز میں ایک جامع عوامی نظام تقسیم کے ذریعہ افراد کو کم کرنے کے سلسلے میں کوئی تجویز نہیں ہے۔ اسی طرح اس میں بے روزگاری کے مسئلہ کو کم کرنے کے اقدامات کے سلسلے میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے، نہ ہی اس کے اس سال کے معاشی جائزہ میں ملک کے بے روزگار آبادی کی تعداد شامل کی گئی ہے۔ اور جو حالیہ برسوں میں کبھی بھی نہیں کیا گیا ہے۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے بتایا کہ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں سے متعلق کچھ پروجیکٹوں کا اعلان کیا گیا ہے۔ مسٹر باسو نے کہا کہ ہندستان کے کمزور صنعتی صورت حال کے ساتھ منسلک کرنے کے بجائے ان پروجیکٹوں کو بھی جداگانہ طور پر دکھایا گیا ہے ⁂

ریاستی حکومت کی طرف سے غریب خاندانوں کے لئے ہاؤس بلڈنگ کا عطیہ

ریاستی حکومت نے ہگلی، مالدہ، شمالی ۲۴ پرگنہ، ندیا، بیر بھوم، بردوان، مالجوڑا، کوچ بہار، دارجلنگ، مدنا پور، جنوبی دیناج پور اور پرولیا میں آباد غریب خاندانوں کے مکانات کی از سر نو تعمیر و مرمت کیلئے ۱۵۲۶۰۵۰۰ روپئے کا عطیہ منظور کیا ہے۔

حالیہ مالی سال کے دوران حکومت ایک ہزار روپئے اور ۵۰۰ روپئے بالترتیب ہر اس فیملی کو دے گی جن کے مکانات سیلاب، طوفان، بارش اور دیگر قدرتی آفات ناگہانی کی وجہ سے پورے طور پر یا جزوی طور پر تباہ ہوگئے ہیں ⁂

پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ / اپریل ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۸

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپے

نصف سالانہ : پانچ روپے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال

۶ سماوٹسن ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

فون : 221-4295

★ پرچہ کی ہر خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

25-5601/[illegible]

صنعتی ترقیات پر حکومت مغربی بنگال کی پالیسی کی وضاحت

حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی طرف سے حال ہی میں ایک کتابچہ شائع کیا گیا ہے جس میں صنعتی ترقی پر حکومت مغربی بنگال کے مطمحِ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کتابچہ کا اردو متن قارئین کی دلچسپی مطالعہ کیلئے پیش کیا جا رہا ہے:

تمہید: ملک میں نئی معاشی پالیسی اور اس کے ذریعہ بدلتے ہوئے صنعتی منظرنامے اور مغربی بنگال کی متبادل معاشی پالیسی کے لئے اپنی تجویز سے صنعتی ترقی، بیمار اکائیوں کی بحالی اور روزگار پیدا کرنے جیسے نمایاں مسئلوں جس میں نئی سرمایہ کاری کو بڑھاوا دینے والی حکمت عملی کا انتظام ہو، روزگار کے مواقعوں کے مہیا کرنے اور مزدوروں کے جائز مفاد کے تحفظ کے اہم ترین مسئلوں پر حکومت مغربی بنگال کی طرف سے پالیسی کی وضاحت لازمی بن گئی ہے۔

تناظر: مغربی بنگال میں نہایت ہی ترقی یافتہ نظامِ رابطہ موجود ہے۔ یہاں وسیع پیمانے پر ریلوے نظام کا جال بچھا ہوا ہے۔ اندرون ملک اور بیرونِ ملک دونوں طرح کے ایئر پورٹ دستیاب ہیں۔ جدید طرز کی بندرگاہیں اور شاہراہیں ہیں۔ صنعتی منافع کی حصولی کے لئے کوئلہ، آئرن اور اسٹیل، زرعی اور باغاتی فصلیں، پلانٹیشن فصلیں، زرعی فضلہ، بحری مصنوعات، چرم اور مصنوعات، چرم جیسے خام مال، یہاں بآسانی دستیاب ہیں۔ ڈولومائٹ، چونا پتھر، سیسہ، کالنہ، خام دھات اور گرانائٹ کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ یہاں پانی کی بھی بہتات ہے۔ دراصل ملک کے بہترین قدرتی خزائن یہاں پائے جاتے ہیں۔

چالیسویں دہائیوں کے اوائل تک مغربی بنگال صنعتی ترقی کے میدان میں ممتاز اور نمایاں حیثیت کا مالک رہا ہے۔ چھ لاکھ سے زائد افراد یہاں کے منظم سیکٹر کے مختلف صنعتوں میں برسرِ روزگار تھے۔ سنہ ۱۹۴۸ء کے دوران مہاراشٹر اور گجرات دونوں جگہ ملا کر جتنے لوگ آج برسرِ روزگار ہیں اُسکے برابر لوگ یہاں برسرِ روزگار تھے۔ تقسیم کے بعد مہاجرین کی آمد نے اس ریاست کے وسائل پر بہت خراب اثر ڈالا۔ لیکن حکومتِ ہند نے اس کے رکھ رکھاؤ کی کوئی خاطر خواہ تدبیر نہیں کی۔ تاہم اس ریاست میں پچاس دہائیوں کے دوران مرکزی عوامی سیکٹر کے کل کارخانے جیسے درگاپور اسٹیل پلانٹ (ڈی ایس پی)، الائے اسٹیل پلانٹ (اے ایس پی)، مائیننگ اینڈ الائیڈ مشنری کارپوریشن (ایم اے ایم سی)، چترنجن لوکوموٹیو ورکس (سی ایل ڈبلیو)، ہندستان فرٹیلائزرز کارپوریشن وغیرہ قائم ہوئے۔ مذکورہ امر نے ماتحتی / اینسیلارائزیشن کے عمل کو آگے بڑھایا۔

چونکہ صنعت یونین کی فہرست میں شامل ہے اور مالی ادارے مرکزی حکومت کے تحت ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی بھی ریاست میں صنعتوں کے قیام کے عمل کا دارومدار قومی سطح پر بنیادی طور پر پالیسیوں پر ہوتا ہے۔ ماضی میں بہت سالوں تک صنعتی لائسنسوں کی منظوری کے سلسلہ میں اس ریاست سے (اور پورے مشرقی علاقہ کے) سامنے قومی سطح پر امتیاز برتا جا رہا ہے۔ اسٹیل اور کوئلہ جیسے اہم صنعتی خام مالوں کے سلسلہ میں ریاست کو اسکے مقابلہ جاتی لنفع سے سلکٹو فرائٹ ایکوالائزیشن سوچی سمجھی پالیسی کے تحت محروم بھی رکھا گیا۔ اسی طرز پر مغربی بنگال میں قومیائے گئے تجارتی بینکوں کے کریڈٹ ڈپازٹ تناسب کو نامعقول طور پر ۶۰ فیصد کے قومی اوسط کے نیچے تقریباً ۵ر۴۶ فیصد پر دبا کر رکھا گیا۔ اس ریاست میں مرکزی حکومت کی براہِ راست سرمایہ کاری کے سلسلے میں بھی مرکز بھی تیز برتی گئی۔ مثلاً سنہ ۱۹۸۱ء کے دوران ملک کی مجموعی سرمایہ کاری میں مغربی بنگال کا حصہ ۸ر۲ فیصد تھا اور ریاست مہاراشٹر کا ۸ر۶ تھا۔ سنہ ۱۹۹۱-۹۲ء کے دوران مہاراشٹر کا حصہ بڑھ کر ۲ر۱۶ فیصد ہو گیا اور اس کے برعکس مغربی بنگال کا

حصہ گھٹ کر ۶ فیصد ہو گیا۔ آج بھی بینکنگ اور سرمایہ کاری کے میدان میں یہ امتیازی پالیسی برتی جا رہی ہے۔

اس طرح فطری فائدہ جو اس ریاست کے پاس تھا ہاتھ سے نکل چکا تھا کیونکہ اس ریاست سے سرمایہ ایسے علاقوں میں بھیج گیا جو فرائٹ ایکوالائزیشن اور لائسنسنگ پالیسی سے مستفیض ہو رہا تھا۔ بمبئی اور دوسری جگہوں میں بڑے مالی اداروں کے ہیڈ کوارٹر واقع ہونے کے سبب ایسے پسپائی ہوتی۔ ۶۰ کی دہائیوں کے دوران ایک عجیب تنزلی کا عالم رہا اور اس کے مضر اثرات کا سامنا ظاہر ہے مغربی بنگال کو بھی کرنا پڑا۔ مذکورہ بالا دیگر اسباب کے ساتھ اس کیفیت نے بلاشبہ نتیجہ کے طور پر ایک سیاسی عدم استحکام کی صورت حال پیدا کر دی اور صنعتی تعلقات بگڑ گئے۔ صنعتی نشو و نما پر اس سے بُرے اثر چھوڑے۔ اور اس کا اظہار نئی سرمایہ کاری اور بڑھتے ہوئے بیمار کل کارخانوں اور صنعتی جمود کی شکل میں نمودار ہوا۔

بائیں محاذ حکومت کی حکمت عملی: ۱۹۷۷ء کے دوران اقتدار میں آجانے کے بعد اس ریاست کی تمام ترقی اور تحفظ کے ساتھ ساتھ روزگار کے مواقع کو بڑھانے کے لئے کچھ اہم علاقوں کی نشاندہی کی۔ اصلاحات آراضی کی جانب، پالیسی کے ساتھ ساتھ آبپاشی کی سہولتوں، بہتر بیجوں، کھاد وغیرہ جیسے عمر آراضی ساز و سامان کی فراہمی کی شکل میں تعاون کی پیش کش اور پنچایت راج نظام کے ذریعہ جمہوری لامرکزیت کے عوامل کے قیام نے زراعت اور متعلقہ سیکٹروں کے میدان میں ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اناج کی پیداوار کی نشو و نما کی بلند ترین شرح اور فی ہیکٹر میں اناج کی نشو و نما کی بلند ترین شرح بھی ملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال کو نصیب ہوئی۔ مزید برآں ماہی پروری اور سماجی شجرکاری میں بھی اس ریاست کا مقام اول رہا ہے۔

جب سے اصلاحات آراضی کے ساتھ یہ حکمت عملی شروع ہوئی ہے اس وقت سے صرف پیداوار ہی میں اضافہ نہیں ہوا ہے بلکہ دیہی علاقوں میں مقیم عام لوگوں کی ایک نہایت ہی بڑی اکثریت کی قوت خرید میں بھی متقابل اضافہ ہوا ہے۔ اس نے مغربی بنگال میں صنعتی مصنوعات کی کھپت کے لئے نئے بازار وسیع کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زراعت اور متعلقہ سیکٹروں کی نشو و نما کی وجہ سے زرعی ساز و سامان (بیج، کھاد، آلات) فراہم کرنے والی صنعتوں کے امکانات میں نمایاں طور پر اضافہ ہوا ہے۔ ان صنعتی امکانات کے سلسلے میں نشو و نما کی نشاندہی کرنے والی لکیر تیزی سے بلندی کی طرف رواں ہے۔

مقامی وسائل و ہنر کو استعمال میں لا کر پوری ریاست میں روزگار اور آمدنی کو بڑھانے کی اہمیت اور اس کے امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے وسیع پیمانے پر گھریلو اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کیلئے ہوشمند پالیسی وضع کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاست میں الیکٹرونکس صنعت کے قیام کو فروغ دینے کے سلسلے میں پالیسی کی تمہیدی کارروائیاں شروع کر دی گئیں۔ بدقسمتی سے اس معاملہ میں حکومت کو شامل کرنے میں ریاستی حکومت ناکام رہی۔ جدید صنعتوں کے فروغ کو سہل بنانے اور ڈاؤن اسٹریم روزگار کو پر یقین بنانے کے لئے ہلدیہ میں پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ ترتیب دیا گیا۔ اس عظیم پروجیکٹ کے لئے حکومتِ ہند سے لازمی تعاون کی حصولی کی ہماری کوششیں گیارہ برسوں تک ثمرآور نہ ہو پائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے، درمیانہ اور چھوٹے پیمانہ کے سیکٹروں کی نئی صنعتوں کو فروغ دیتے ہوئے ان بے شمار بیمار اکائیوں کی بحالی کے لئے جن کی خبر گیری اور دیکھ ریکھ سے نجی سیکٹر نے ہاتھ بالکل مروڑ لئے تھے، زوردار کوششیں کی گئیں۔ حکومتِ ہند اور براہِ راست طور پر ریاستی حکومت دونوں کے ذریعہ جوٹ، ٹیکسٹائل، انجینئرنگ اور ادویہ صنعتوں میں کام کرنیوالے بے شمار افراد کے پیداواری روزگار کو تحفظ بخشنا اس طرح ممکن ہو پایا۔

قومی ترقیاتی کاؤنسل (این ڈی سی)، پلاننگ کمیشن وغیرہ کے روبرو قومی سطح پر ریاستی حکومت مسلسل پیش کرتی رہی ہے کہ لائسنسنگ پالیسی اور فرائٹ ایکوالائزیشن نے اسٹیل اور کوئلہ پر نہایت ہی بُرے اثرات ڈالے ہیں اور نتیجہ کے طور پر مقامی عدم توازن پیدا ہو گیا ہے۔

نئی معاشی پالیسی اور ریاستی حکومت کی حکمت عملی:

حکومت ہند کی نئی معاشی پالیسی نے ملک بھر میں قریب قریب ملے جلے مخلوط اثرات ثبت کئے ہیں۔ مذکورہ اصلاحات کے اس معاشی پیکج سے متعلق مرتب شدہ نظریے سے سب ہی واقف ہیں اور ریاستی حکومت نے عالمی معیشت سے ہندوستان کو علیحدہ کئے بغیر خود اعتمادی پر مبنی ایک متبادل تجویز پیش کی ہے۔ اس نئی معاشی پالیسی کے چند اہم پہلوؤں میں تبدیلی لانے کی وکالت کو جاری رکھتے ہوئے ہم لوگوں کو چاہئے کہ ہم لوگ

اسٹیل پر فرانٹ ایکوالائزیشن کی پالیسی کو واپس لینے اور چند صنعتوں میں لائسنسنگ کو ختم کرنے کی پالیسی کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

بنگال کے چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری (بی سی سی آئی) کو خطاب کرتے ہوئے حال ہی میں وزیراعلیٰ نے صنعتی ترقی سے متعلق ریاستی حکومت کی حکمتِ عملی مختصر طور پر پیش کی تھی۔ اس کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

"ہم لوگ ایسے منتخب میدانوں میں نئی ٹکنالوجی اور سرمایہ کاری کے خواہاں ہیں جو ہماری معیشت کو تعاون دے اور جو ہمارے آپسی مفاد کے لئے منافع بخش ہو۔ بہرکیف عالمی خود اعتمادی کی ضرورت جیسے آج ہے ویسے ہی گزشتہ کل بھی تھی۔ ہماری ریاست میں نجی سیکٹر اور مشترکہ سیکٹر دونوں ہی ہیں اور ان دونوں کو ہی اپنا اپنا کردار بہتر سے بہتر طور پر نبھانا ہے۔"

نئی معاشی پالیسی کے نتیجے میں دیسی ٹکنالوجی اور ہندوستانی صنعتیں عالمی مقابلہ کے ظلم کا شکار ہو رہی ہیں۔ دیسی ٹکنالوجی کی ترقی اس کے نتیجے کے طور پر اجڑ جائے گی اور مقامی مصنوعات مقابلہ میں مار کھائیں گی۔ لہٰذا ریاستی پالیسی اس طرح ترتیب دی گئی ہے کہ روزگار اور زرخیزی کی ترقی، ازسرِنو تعمیری اور تجدیدی کارِ عمل کے ذریعہ بیمار صنعتوں کی بحالی، صنعت کی تمام ترصحت اور زرخیزی کو مدِنظر رکھتے ہوئے مزدوروں کے جائز مفاد کے تحفظ کے کاموں کو روبہ عمل لایا جا سکے۔

ریاست میں رواں بے شمار ہندوستانی انڈسٹریل ہاؤسیز کے علاوہ کثیر قومی کارپوریشنوں (ایم این سی) کی ایک بڑی تعداد ریاست میں کامیابی کے ساتھ اپنے کام کاج میں مشغول ہے، مثلاً فلپس، جی ای سی، ہندوستان لیور، آئی سی آئی، سیمنس، باٹا وغیرہ۔ ایک خوشگوار نشوونما یہ سامنے آئی ہے کہ غیر مقیمی ہندوستانیوں کی ایک بڑی تعداد اور ایم این سیز نے براہِ راست طور پر یا بیرونی حکومتوں اور ہندوستانی صنعتی ہاؤسیز کے ذریعہ ماضی قریب میں مغربی بنگال میں آنے اور نئی صنعتوں کے قائم کرنے یا موجودہ صنعتی اکائیوں کو توسیع دینے میں خصوصی دلچسپی دکھائی ہے۔

مذکورہ پالیسی کی نمایاں خصوصیات:

ذیل میں صنعتی ترقی اور معاشی فروغ پر مبنی ریاستی حکومت کی پالیسی کی نمایاں خصوصیات پیش کی جا رہی ہیں:

(الف): ریاستی حکومت ان بیرونی ٹکنالوجی اور سرمایہ کاری کو خوش آمدید کہتا ہے جو موزوں اور باہمی طور پر دونوں کے لئے منافع بخش ہیں۔

(ب): سماجی انصاف کی برقراری متوازن نشوونما کو یقینی بنانے کے لئے حکومت اور نجی سیکٹر کو بطور ایک آلہ مدنظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت تیز تر نشوونما کی فراہمی میں نجی سیکٹر کی اہمیت اور اس کے اہم کردار کو تسلیم کرتا ہے۔ توانائی جیسی بڑی صنعتوں میں ریاستی حکومت نجی سیکٹر کے کردار کو توانائی قیمتوں کے لئے تنقیدی نظر سے دیکھتی ہے۔ بہرکیف حکومتِ ہند کی پالیسیوں میں ترمیمات کے سیاق و سباق میں توانائی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے اور بجٹری وسائل میں مشکلات کی ضرورت کے تحت ریاستی حکومت توانائی پیدا کرنے کے میدان میں نجی سیکٹر کا بھی خیر مقدم کرے گی۔

(پ): عوامی اور نجی سیکٹروں کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت مشترکہ اور تعاون داد سیکٹروں کو لازمی وسائل کو حرکت میں لانے اور معاشی سرگرمیوں کے اہم علاقوں میں مہارت لانے والے مؤثر آلات کے طور پر دیکھتی ہے۔

(ت): صنعتوں کی تیز رفتار نشوونما کے لئے صنعتی ساز و سامان کی بہتری و ترقی لازمی بن گئی ہے۔ توانائی کے میدان میں یہ ریاست ۳۰۰۰ میگاواٹ سے زائد پیداواری صلاحیت کے ساتھ خود کفیل بن چکی ہے۔ آئندہ دس برسوں کے دوران عوامی، مشترکہ اور نجی سیکٹروں میں ۵۰۰۰ میگاواٹ کی اضافی صلاحیت مہیا کرنے کے لئے منصوبے بھی ترتیب دئے جا رہے ہیں۔ دیگر اہم علاقے سڑکوں کی مرمت، مواصلاتی نظام میں بہتری اور نشوونما مراکز کی ترقی ہیں۔ بلاشبہ ان پروگراموں کو عملی شکل دینے کیلئے کثیر سرمائے کی ضرورت پڑے گی اور اس لئے سرکاری یا نجی اور مشترکہ سیکٹروں جو بھی قابلِ عمل ہوں، کے ذریعہ صنعتی ساز و سامان کی ترقی کے لئے پروجیکٹوں کو زیرِ عمل لانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

(ٹ): سیٹلائٹ ٹاؤن شپ، رہائش، صحت، تعلیم، پانی سپلائی، ہوٹل وغیرہ کی ترقی جیسی سماجی ساز و سامانی سہولتوں کو خاطر خواہ بہتر بنانے کے سلسلے میں سرکار پیش رفت کر چکی ہے۔ موزوں معیاروں کے اسکولوں اور کالجوں کو فروغ دینے کے علاوہ پولی ٹکنکوں اور آئی ٹی آئیوں کے ذریعہ تکنیکی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ صحت کے میدان میں طبی

دیکھ ریکھ، صحت اور خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق پیش رو سرگرمیوں میں بہتری کے بے شمار اقدامات کے علاوہ نجی سیکٹر میں بلند معیاروں کے خصوصی ہسپتالوں کے قیام عمل میں آئیں گے اور مشترکہ سیکٹر کی لگاتار ہمت افزائی کی جائے گی۔ کلکتہ اور اس کے قرب و جوار میں ہسپتالی سہولتوں اور نجی اور مشترکہ سیکٹر کے ذریعہ مراکز نشو و نما کی بہتری اور توسیع کے سلسلے میں کوششیں کی جا رہی ہیں۔

(ج)؛ دستیاب مواقعوں اور اس علاقہ کے امکانات پر مبنی ریاستی حکومت نے خصوصی توجہ کے لئے بطور اہم علاقے دیگر کے درمیان چند صنعتوں کے ان اجزاء کی نشاندہی کی ہے جو ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

i) پیٹروکیمیکلس اور ڈاؤن اسٹریم صنعتیں: حکومت کی کوششوں نے ہلدیہ پیٹروکیمیکلس کمپلکس کے پروجیکٹ پر امیٹروں کے انجام (فائنالائزیشن) کی جانب پیش رفت کی ہے۔ ڈاؤن اسٹریم نشو و نما علاقوں کے سلسلہ میں منصوبہ بندی کی شروعات کی جا چکی ہے۔ اس کام میں ریاست کے تمام ممکن علاقوں کو زیر عمل لانے کے لئے سرگرمیوں کی اشاعت کو ترجیح دی جائے گی۔ حکومت کی یہ خواہش ہے کہ ایچ پی ایل کو ساتھ لیکر ریاست میں واقع ڈاؤن اسٹریم صنعتوں کے فروغ کو بڑھاوا دیا جائے اکہ بیشتر اکائیاں ماں اکائی کے چالو ہونے تک تیار ہو جائیں۔

ii) الیکٹرونکس اور اطلاعاتی ٹکنالوجی: حکومت نجی سیکٹر اور عوامی سکٹر کے اجرا لئے "اطلاعاتی ٹکنالوجی" میں بڑے کمپلکسوں کے قیام کے لئے تجاویز کو بڑھاوا دے رہی ہے۔

iii) آئرن اور اسٹیل، خام دھات صفائی اور انجینیئرنگ:

حکومت کی کوشش ان سیکٹروں کو فروغ بخشنے میں امید افزا طور پر روبہ عمل لا رہی ہیں تاکہ اس میدان میں ریاست اپنا ایک ممتاز مقام بنا پائے۔ خام مالوں، توانائی کی پائیداری اور ہنرمند مزدوروں کی باآسانی دستیابی کو مدنظر رکھتے ہوئے نمایاں نشو و نما کی توقع کی جاتی ہے۔ شپ بریکنگ سرگرمیوں کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ڈاؤن اسٹریم اکائیوں کو مناسب شرحوں پر اسکراپ دستیاب ہو رہے ہیں۔ فیرو ایلائز پر خاطر خواہ توجہ دی جا رہی ہے۔

iv) ٹیکسٹائل: ریاست کو پہلے ٹیکسٹائل سیکٹر میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔ ہوزیری نٹ ویئر اور بنے بنائے کپڑوں وغیرہ

کے علاقوں میں خصوصاً ترقی کے لئے ایک نئی حکمت عملی کی تشکیل کے سلسلہ میں تجویز پیش کی گئی ہے۔ ریشم اور ریشم سے بنائی والے سیکٹر میں حکومت پروسیسنگ اور ویلواڈیشن سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے کے عہد پر ڈٹی ہوئی ہے۔ ریشم سازی کے تحت علاقوں کی توسیع پر زیادہ زور دیا جائے گا۔

v)؛ چرم اور اس کے مصنوعات:

چمڑوں جیسے خام مالوں کی آسان دستیابی کی وجہ سے اس سیکٹر کے پاس نشو و نما کے لئے نہایت ہی بلند امکانات ہیں۔ مذکورہ سرگرمیوں کے لئے ہنرمند مزدوروں کی دستیابی اس علاقے کو قوت بخشتی رہی ہے۔ کلکتہ کے قریب "جامع چرمی کمپلکس" کے قیام سے برآمداتی اکائیاں مستفیض ہوں گی۔ داخلی اور خارجی دونوں میں بازاروں کے لئے ۱۰۰۰ ایکڑ قطعات اراضی والا مجوزہ چرم کمپلکس نہایت ہی منافع بخش ہوگا۔

vi) خوراک پروسسنگ، کھانے کا تیل، سبزی پروسیسنگ اور ماہی پروری

حکومت ان اجزاء کو ترجیح دیتی رہے گی کیونکہ دراصل ان اجزاء کی ترقی زرعی اساس کو مزید مضبوط بنائے گی اور غیر منظم سیکٹر میں روزگار کے مواقع بھی بڑھائے گی۔ یہ ریاست نشو و نما کاروں اور پروسیسنگ اکائیوں کے درمیان مناسب رابطے قائم کرنے میں تعاون دے گی۔ ساحلی علاقوں میں ماہی پروری خصوصاً کھارے پانی میں جھینگا پروری کو ترجیح دی جائے گی۔ فلاوری کلچر (باغبانی)، ٹشو کلچر (بیج پروری) اور ہورٹی کلچر (باغبانی) کو بڑھاوا دیا جائے گا۔

vii)؛ جڑی بوٹی، ربر، تاڑ کا تیل اور چائے: مذکورہ بالا علاقوں کی ترقی کے لئے حکومت لازمی امداد فراہم کرے گی۔

viii) لازمی دواؤں، کیمیائی ترکیبوں اور دواساز کمپنیوں کی پیداوار

ان اجزاء کے میدان میں مغربی بنگال کی روایتی مضبوطی کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا علاقے میں بلند تر سرمایہ کاریوں کو پرکشش بنانے کیلئے ایک ایکشن پلان ترتیب دیا جا رہا ہے۔

ix) دھاتوں کے بہتر استعمال اور معدن پر مبنی صنعتوں کی ترقی

ڈولومائٹ، گرینائٹ، چینی مٹی، چونا پتھر، اپاٹائٹ اور آگنی مٹی کے کان/معدن کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ سیکٹر میں اونچی حرارت کوئلہ

کاربن سازی کو بڑھاوا دیا جائے گا۔

(x): ہیرے اور جواہرات: جواہرات سازی کے فروغ کے سلسلے میں ریاست میں دستیاب جدید اور عمدہ کاریگری سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

(xi): سیاحت اور سیاحت سے وابستہ سرگرمیوں کی ترقی:

اس سیکٹر میں اونچے روزگار کے امکانات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت سیاحت کی ترقی کے لئے ایک علیحدہ پالیسی کی تشکیل کر رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سندربن، دارجلنگ کی پہاڑیاں، دوارس کے جنگلات، وراثتی زاویہ سے اہم مقامات اور ساحل میں واقع ساحلی تفریح گاہوں جیسے مقامات کے پورے پورے امکانات کو تسلیم کرتا ہے۔

(ح): بیمار مرکزی پبلک سکٹر انڈرٹیکنگس جہاں کثیر تعداد میں لوگ کام کرتے ہیں اور جو بے شمار ذیلی ایس ایس آئی اکائیوں کو مدد بھی پہنچاتا ہے جبکہ ریاستی حکومت انتظامیہ اور یونینوں کو بی آئی ایف آر کے غور و خوض کے لئے قابل عمل بحالی پیکجوں کی تشکیل میں تعاون دیتی ہے، کے سلسلے میں یہ بالکل لازمی ہو جاتا ہے کہ حکومت ہند بی آئی ایف آر کی جانب سے پیش کردہ بحالی پیکج کو قبول کرنے اور ان پر عمل درآمد کے لئے خاطر خواہ فنڈ فراہم کرے۔ لیکن اب تک اس سلسلے میں حکومت ہند کے ہمراہ یہ جاننے کی کوشش جاری رکھے گی کہ مذکورہ اکائیوں کی صحت مندانہ جلابخشی کو یقینی بنانے کے لئے موزوں حکمت عملیاں روبہ عمل لائی جا رہی ہیں یا نہیں۔ اسی طرح ریاستی حکومت کے تحت بیمار ریاستی پبلک سکٹر کی انڈرٹیکنگس کے معاملہ میں انہیں مناسب طور پر بحال کرنے کی کوششیں کی جائیں گی۔

(چ): نجی سیکٹر کے بیمار/بند اکائیوں کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی پالیسی یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ اکائیاں دوبارہ چالو کی جاتی ہیں یا نہیں اور موجودہ انتظامیہ کے ذریعہ یا نئے پروموٹروں کی شمولیت کے ذریعہ مناسب طور پر جلد از جلد بحال کی جاتی ہیں یا نہیں اور جب ضرورت ریاستی حکومت، مالی ادارے اور مزدوروں پر مشتمل جملہ اراکین قربانیاں دیتے ہیں یا نہیں۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذکورہ اکائیوں کی قابل عمل کارکردگی کو پر یقین بنانے کے لئے بحالی پیکج پر عمل درآمد کو پر یقین بنانا ہے۔

(ح): صنعتی تعلقات کے میدان میں ریاستی حکومت نے برسوں کے دوران ایک سہ رخی بات چیت اور اکائی اور صنعتی دونوں سطح پر سمجھ بوجھ کے نظام وضع کیا ہے اور اس طویل مدتی سمجھوتوں کو انجینئرنگ، جوٹ، چائے اور ٹیکسٹائل وغیرہ جیسی صنعتوں میں کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا ہے۔ ریاستی حکومت کی یہ قومی رائے ہے کہ کام کرنے والوں/اکائیوں کو متعلقہ صنعتی اکائیوں کے مسائل اور ان کے امید افزا حالات سے مطلع کیا جانا چاہئے اور ہم آہنگ صنعتی تعلقات کو تقویت بخشنے کے لئے انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ برابر چلتے رہنا چاہئے۔ خوفناک مقابلہ کا سامنا کرنے کے لئے صنعت کو بہتر کارکردگی بلند معیار اور اچھے کام کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ اکائیوں کے لئے یہ بھی لازمی بن جاتا ہے کہ وہ اپنے کو جدید بنائیں تاکہ ان کی مصنوعات مقابلہ جاتی بازار میں اپنی جگہ بنا پائیں۔ سہ رخی مشنری کے ذریعہ ہماری لازمی کوششیں یہ ہونی چاہئے کہ مقابلہ جاتی بازار میں اپنی مصنوعات کی کھپت کو پر یقین بنانے کے لئے موزوں نقل و حمل انتظامی پالیسیاں اپنائی جا رہی ہیں کہ نہیں۔ انتظامیہ کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ مزدوروں کی دیکھ ریکھ کے تمام جائز مفادات متعلقہ مزدور آئین کے تحت پورے کئے جا رہے ہیں یا نہیں۔ مزدوروں کو بھی اس صنعت میں جہاں وہ کام کرتے ہیں پر مطالعہ کرنا چاہئے اور انہیں مذکورہ صنعت پیداوار اور زرخیزی سے بھرپور دلچسپی لینی چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حقوق و فرائض کی بھی حفاظت کرنی چاہئے۔

پالیسی آلات: ۱۹۹۳ء کی انسنٹیو اسکیم نئی اکائیوں کے قیام موجودہ اکائیوں کی توسیع، اور بیمار اکائیوں کی بحالی کے لئے تعاون کا ایک پرکشش پیکج فراہم کرتا ہے۔ مذکورہ اسکیم کے تحت ایک اعلیٰ اقتداری کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا کام انفرادی اکائیوں کے سلسلہ میں انسنٹیو اسکیم کے تحت خصوصی مسائل پر غور و خوض کرتا ہے۔

۱۹۹۳-۹۴ء کے ریاستی بجٹ کے دوران بہت سارے ٹیکس چھوٹ کا اعلان کیا گیا ہے۔ سیلس ٹیکس قوانین اور اس کے طریقہ کاروں کو براہ راست اور سہل بنایا گیا ہے۔

تعاون دینے اور تاخیر کو دور کرنے کی غرض سے ریاستی حکومت

نے اسکورٹ خدمات کو مضبوط بنانے کے لئے تجاویز پیش کی ہیں لہذا مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (ڈبلیو بی آئی ڈی سی) کے تحت شلپا بندھو نام کے ایک منفرد ونڈو سسٹم کو ترقی دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ مذکورہ طرز پر چھوٹی صنعت ترقیاتی ایجنسی (ایس آئی ڈی اے) نے فوراً تعاون کی فراہمی کے لئے اسکورٹ خدمات کو ترقی دینے کی تجویز پیش کی ہے کل متعلقہ شعبہ جاتی سکریٹریوں کے ساتھ چیف سکریٹری کی چیئرمین شپ میں ایک ایمپاورڈ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کا کام سرمایہ کاری تجاویز اور مطلوبہ کلیئرنس سے متعلق مقررہ وقت پر مبنی فیصلوں کے سلسلے میں انتظام کرنا ہے۔

ایک ہی وقت میں ریاستی سطح پر ایمپاورڈ کمیٹی کے قیام کے ساتھ ساتھ حکومت نے سپرنٹنڈنٹ آف پولس، اسسٹنٹ لیبر کمشنر، جنرل منیجر ضلع صنعت مرکز وغیرہ وغیرہ کے ہمراہ کمیٹیاں بھی تشکیل دی ہیں تاکہ ضلع سطح پر آراضی، روزگار اور دیگر متعلقہ معاملات سے متعلق جلد سے جلد فیصلہ لیے کے عمل کو یقینی بنایا جا سکے۔ سبھا دھی پتیوں اور ضلع حکام کو یہ صلاح دی گئی ہے کہ وہ پروجیکٹوں کی بروقت عمل درآمد میں سرمایہ کاروں کو اپنا تعاون دیں۔

مغربی بنگال کی مضبوطی: مغربی بنگال کے پاس کلکتہ اور ہلدیہ میں واقع بندرگاہیں ہیں، ریلوے اور سڑک کی رابطوں کا ایک جال پھیلا ہے۔ توانائی کی صورت حال سا ہت ہی مضبوط اور پائیدار ہے اور بہتر ہوا اصلاحاتی نظام کے ساتھ دیگر بڑے علاقائی فوائد ہیں۔

اس ریاست کے پاس مختلف سطحوں پر تربیت یافتہ اور ہنرمند افراد کی ایک کثیر تعداد ہے۔ آئی ٹی آئیوں اور پولی ٹکنیکوں کے ایک بڑے پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس ریاست کے پاس ذمہ دار اور حساس ٹریڈ یونینیں ہیں۔

زرعی سیکٹر میں خاطرخواہ نشوونما ریاست کی تیز ترین صنعتی ترقی کیلئے لازمی اساس فراہم کرتی ہے۔ ریاست کی کل شیڈیولڈ تجارتی بینکوں کا میزانی ڈپازٹ ۱۲۹۶۱ کروڑ روپئے کے میزانی کریڈٹ رقم (۴۶٫۰۵ فیصد کریڈٹ ڈپازٹ تناسب) کے مقابلہ میں ۲۷۸۶۴ روپئے ہوتا ہے۔ اس طرح سرمایہ کاری کے لئے فنڈ کی خاطرخواہ دستیابی کے سلسلے میں کافی وسعت نظر آتی ہے۔

بالآخر مغربی بنگال میں ریاستی حکومت براہِ راست یہاں رہنے والے مختلف علاقوں اور مختلف مذہبی عقائد کے درمیان خوشگوار تعلقات بنائے رکھنے میں لگی ہوئی ہے۔ ریاست مغربی بنگال میں رائج مستحکم صورت حال یہاں کی صنعتی ترقی کے فروغی مراحل کو موافق فضا، لازمی مضبوطی اور ٹھوس اعتماد فراہم کر رہی ہے۔ اس ریاست میں نئی صنعتوں کی منتظم اور تیز رو ترقی اور موجودہ صنعتوں کی جلابخشی اور بحالی کے طریقۂ عمل کو اپنا کر حکومتِ مغربی بنگال کی آمدنی اور روزگار پیدا کرنے کے مواقعوں کے مقاصد کو روبہ عمل لانے میں لگی ہوئی ہے۔ اس کوشش میں سرمایہ کاروں، صنعتی اور مالی اداروں، مزدوروں اور کثیر تعداد میں لوگوں کے پُرخلوص تعاون کو بڑی اہمیت حاصل ہے ٭٭

بقیہ: پنچایت کے محاذ پر کامیابیوں کا سرسری جائزہ

کرے گا۔ اس طرح کے معاملات میں اپیل کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

(دفعہ ۲۱۳۸)

۹۔ آفس عہدہ دار یا ممبر کی معطلی: مخصوص حالات کے تحت پنچایت کے ممبر یا آفس عہدہ دار کی معطلی کی گنجائش مستند حکام کے ذریعہ رکھی گئی ہے۔ خاص طور پر مالیاتی خرد برد کے تعلق سے حکومت کے محکمۂ احتساب کے رپورٹ ملکیتی کے ذریعہ یہ قانون بنایا گیا ہے

۱۰۔ پنچایتوں کے لئے ضلع کاؤنسل: ضلع پریشد میں سب سے زیادہ ممبران والی منظور شدہ اپوزیشن سیاسی پارٹی کے لیڈر کی چیئرمین شپ میں ہر ضلع میں پنچایتوں کے واسطے ایک ضلع کاؤنسل کے قیام کی گنجائش رکھی گئی ہے، اگر کوئی ایسا لیڈر نہیں ہوا تو ضلع پریشد کے ایک منتخب شدہ ممبر کو دیگر ممبران کے ذریعہ آفس کے لئے منتخب کیا جائے گا۔ ضلع کاؤنسل اپنے دائرہ کار کے اندر پنچایتوں کے حساب کتاب کی تفتیش کرے گی اور غیر طے شدہ اعتراضات سے منسلک معاملات کو اکاؤنٹس کی آڈٹ پر کسی تفتیشی رپورٹ میں پیش کیا جائے گا٭

جامِ فلک سے ایک ستارہ پھر ٹوٹا:

سابق وزیراعظم اور معمر مجاہدِ آزادی مرارجی ڈیسائی کا انتقال

۱۰؍اپریل ۱۹۹۵ء کی دوپہر کو سابق وزیراعظم اور معمر مجاہدِ آزادی مرارجی ڈیسائی کا مختصر علالت کے بعد بمبئی کے جسلوک اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ موت کے وقت ان کی عمر ۹۹ برس تھی۔ پسماندگان میں ان کے اکلوتے بیٹے کانتی ڈیسائی کے علاوہ پوتے پوتیاں ہیں۔ انکی موت کے سوگ میں تمام سرکاری دفاتر میں قومی پرچم کو سرنگوں کر دیا گیا اور ۱۱؍ اور ۱۲؍ اپریل ۹۵ء کو سرکاری تعطیلات کا اعلان کر دیا گیا۔

صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے ان کی موت پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر ڈیسائی ان لیڈروں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جیل گئے آزادی کے بعد قومی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آج قوم نے ایک گاندھیائی اصول والے لیڈر کو گنوا دیا۔ نائب صدر مسٹر کے آر نارائنن نے کہا کہ مسٹر ڈیسائی ایک معمر مجاہدِ آزادی اور ممتاز رہنما تھے جنہوں نے خود کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا اور بحیثیت انتظام کار، سیاست داں اور مدبر انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ وہ اصولوں اور اقدار کے ایسے پابند رہے جس سے وہ عالمی طور پر تعریف کے مستحق ہوئے۔

وزیراعظم مسٹر پی وی نرسمہا راؤ نے انہیں ہندستان کا ایک انمول سپوت بتاتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی ہمت اور اپنے یقین کے لئے اپنے پیچھے بے شمار مداح چھوڑ گئے ہیں۔ وزیراعظم نے انہیں ملک کا ایک عظیم سپوت اور آہنی ارادے والا انسان قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ مرارجی ڈیسائی کی موت سے قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔ سابق صدر مسٹر آر وینکٹ رمن نے بھی سخت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ملک نے اپنے ایک عظیم سپوت کو گنوا دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر خدا نے کوئی مکمل انسان پیدا کیا تھا تو وہ مرارجی ڈیسائی تھے۔ سابق صدر مسٹر آر وینکٹ رمن، وزیر داخلہ شری ایس بی چوان، سابق وزیر اعظم شری چندر شیکھر، مغربی بنگال کے گورنر مسٹر رگھوناتھ ریڈی، وزیراعلیٰ مسٹر جیوتی باسو، مارکسی لیڈر مسٹر ای ایم ایس نمبودری پد، اور بہت سے قومی رہنماؤں نے بھی آنجہانی مرارجی ڈیسائی کی موت پر گہرے رنج و دکھ کا اظہار کیا۔

مرارجی ڈیسائی ایک نڈر مجاہد آزادی تھے اور اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے کئی بار جیل گئے۔ ان کی حیثیت ایک مدبر کی تھی۔ مسٹر ڈیسائی گاندھیائی دور کے عظیم رہنما تھے اور آزاد ہندستان کی تعمیر میں انکا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ ۱۹۷۷ء میں انہیں پہلے غیر کانگریسی وزیراعظم بننے کا شرف حاصل ہوا۔ قومی اتحاد، یکجہتی اور سماجی و ثقافتی زندگی کی بہتری کے لئے انہوں نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں جن کی بنا پر ۱۹۹۱ء میں انہیں "بھارت رتن" کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انہیں پڑوسی ملک پاکستان کا شہری اعزاز "نشانِ پاکستان" حاصل کرنے کا بھی شرف حاصل تھا۔

۱۲؍اپریل ۱۹۹۵ء کو پورے قومی اعزاز کے ساتھ احمدآباد میں دریائے سابرمتی کے کنارے شری مرارجی ڈیسائی کی لاش کو سپردِ آتش کر دیا گیا۔

مغربی بنگال میں

پنچایت کے محاذ پر کامیابیوں کا سرسری جائزہ

مغربی بنگال میں نظام پنچایت کے اہم کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے ریاست کے دیہی علاقوں میں جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں۔ ۱۹۷۸ء کے بعد سے ریاست میں ہر پانچ سالوں کے بعد چار پنچایتی انتخابات ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ۱۹۷۸ء میں پنچایتی انتخابات ہوئے تھے جبکہ حالیہ انتخابات مئی ۱۹۹۳ء میں ہوئے ہیں۔ ان انتخابات کے ذریعہ دیہی علاقوں میں مقبول عام نمائندوں کی ایک کامیاب نسل ابھری ہے جس نے ۱۹۷۸ء سے اپنے طور پر تمام ترقیاتی سرگرمیوں کو سنبھالنا شروع کر دیا ہے۔

حالیہ پنچایت انتخابات کے بعد ابھی ۳۳۲۴ گرام پنچایتوں میں ۶۱۳۹۸ ممبران ۳۳۰۰ پنچایت سمیتیوں میں ۹۵۱۶ ممبران اور ۱۶ ضلع پریشدوں اور ایک محکمہ پریشد سمیت ممبروں کی تعداد ۶۶۴ ہے۔ یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ۶۱۶۷۹ گرام پنچایت ممبران یعنی ممبران کی کل تعداد کے ۲۷،۴۳ فیصد کا تعلق شیڈولڈ کاسٹ سے ۳۱۱۴ یعنی کل تعداد کے ۶،۷ فیصد کا تعلق شیڈولڈ ٹرائب سے ہے اور اس میں ۲۱۷۲۸ یعنی ۳۵،۳۹ فیصد خواتین کی تعداد اسی طرح پنچایت سمیتی کی سطح پر ۲۷۳۴ شیڈولڈ کاسٹ ممبران (۲۸،۷۳ فیصد) اور ۶۷۶ شیڈولڈ ٹرائب ممبران (۷،۱ فیصد) ہیں جبکہ خواتین کی تعداد ۳۲۲۸ ہے (۳۳،۶۵ فیصد) ضلع پریشد کی سطح پر (بشمول محکمہ پریشد) شیڈولڈ کاسٹ ممبران کی تعداد ۱۸۴ (۲۷،۷۱ فیصد)، شیڈولڈ ٹرائب ممبران کی تعداد ۴۷ (۷،۰۸ فیصد) اور خواتین ممبروں کی تعداد ۲۲۷ یعنی کل کا ۳۴،۱۹ فیصد ہے۔

ریاست میں منصوبہ بندی کے جائزے اور نظم و نسق جیسے ترقیاتی سرگرمیوں کے بڑے پیمانے پر نفاذ میں بھی ریاستی حکومت کے ساتھ اس کا قریبی رابطہ ہے۔ اس کے علاوہ اہم سیاسی تبدیلیوں کی تکمیل کے لئے انہوں نے خود کو ایک طاقت ور قوت کی شکل میں بھی ڈھال لیا ہے۔ اس طرح پنچایت وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ ایک عام آدمی کو اس کی سیاسی، اقتصادی اور ساتھ ہی سماجی قسمت کے فیصلہ کرنے کا حق

دیا جاتا ہے۔

محکمۂ پنچایت، جو کہ ریاست میں پنچایتوں کی ترقی اور قانون سازی کا ذمہ دار ہے۔ اس نے صرف ۱۹۷۸ء کے قبل ہی سے ایسا کرنا شروع نہیں کیا بلکہ حالیہ دنوں میں بھی اس نے زبردست ماہیتی تبدیلیاں لائی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے ایک پہلو کا تعلق پنچایت کے ممبران کی تربیت سے ہے۔ تمام پنچایت باڈیوں کے ۷۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ منتخب ممبران کے لئے بڑے پیمانہ پر تربیتی پروگرام کا بیڑا اٹھایا گیا ہے۔ ۱۹۹۳-۹۴ء سے شروع ہونے والا یہ پروگرام اب بھی جاری ہے۔ اب تک گرام پنچایتوں کے تقریباً ۴۸،۰۰۰ ممبروں کو تربیت دی جا چکی ہے۔ اس تربیت سے ایکٹ میں شامل چند قانونی دفعات سمیت ان عوامی نمائندوں پر صرف یہی واضح نہیں ہوتا ہے کہ یہ کیسے کام کرتا ہے اور اس کی اساس کیا ہے بلکہ اس سے انہیں ریاستی حکومت کی متعدد سرگرمیوں کے بارے میں ضروری معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں جس میں وہ اپنی متعلقہ سطحوں پر حصہ بھی لے سکتے ہیں۔ اس تربیتی پروگرام سے پنچایت کے ممبران میں ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کے تعلق سے بیداری لانے میں مدد ملی ہے۔

ماہیتی ترقی کا دوسرا پہلو مغربی بنگال پنچایت ایکٹ کی حالیہ ترمیمات میں نظر آتا ہے۔ ان ترمیمات کے ذریعہ آئین کی ۷۳ ویں ترمیم کی صرف نگرانی ہی نہیں ہوتی بلکہ بیک وقت چند دیگر تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں جس نے پنچایتوں کو پہلے سے زیادہ جمہوری اور زیادہ ذمہ دار بھی بنا دیا ہے۔ ان ترمیمات کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

چیئرپرسن کے عہدے کا ریزرویشن: اس سے قبل ۱۹۹۲ء کی ترمیم کے ذریعہ پنچایت کی تینوں سطحوں پر شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لئے فیصد آبادی کی بنیاد پر اور خواتین کے لئے ایک تہائی سیٹیں مخصوص کی گئی تھیں (۱۹۹۴ء) کی حالیہ ترمیم کے ذریعہ اسی طریقہ سے شیڈولڈ کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائب اور خواتین کے لئے

چیئرپرسن کے عہدے مخصوص کئے گئے ہیں۔ ریزرولیشن کی ان قراردادوں کو پنچایت باڈیوں کے آئندہ انتخابات کے وقت نافذ کیا جائے گا۔

[دفعہ ۹، ۹۸ اور ۱۴۳]

۲: گرام سبھا اور گرام سمسد: گرام سبھا (ایک گاؤں میں حقِ رائے دہی رکھنے والوں کی طرف سے قائم کردہ ایک ادارہ) اور گرام سمسد (ایک گرام پنچایت کے حلقہ انتخاب میں حقِ رائے دہی رکھنے والوں کی طرف سے قائم کردہ ایک ادارہ) کی میٹنگوں سے متعلق قراردادوں میں اسی طرح کے اداروں کی مستقل میٹنگوں کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ سابقہ صورت کے لحاظ سے یہ ایکٹ اب گرام سمسد اور گرام سبھا کو زیادہ اثر، طاقت ور اور کارآمد بناتا ہے۔ یہ ایکٹ اب گرام سمسد یا گرام سبھا کی میٹنگوں کے انعقاد کی ناکامی کی صورت میں چیئرپرسن کو ہٹانے سمیت تعزیری کارروائی کا بھی حق عطا کرتا ہے۔

۳: آفس کے عہدیداروں کا انتخاب صرف منتخب شدہ ممبران ہی کے ذریعہ: ایکٹ میں ترمیم کی قراردادوں کے بعد ہی یہ عمل میں آیا کہ کسی بھی سطح کی ایک پنچایت باڈی کے صرف منتخب ممبران ہی آفس کے عہدیداروں کی برخاستگی یا انتخاب کی میٹنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ قرارداد ۱۸ر جون ۱۹۹۴ء سے روبہ عمل آگئی ہے۔ ایک آفس عہدہ دار کی برخاستگی کے معاملے میں چند پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔

۴: پنچایت خود مختار حکومت کی یونٹ کی طرح: مختلف سطح کی پنچایت باڈیوں کے کاموں و اختیارات کے تعین اور وسعت کے ذریعہ اس تصور کو قطعی شکل دی گئی ہے اور انہیں اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ ہر باڈی کے لئے پنج سالہ منصوبہ تیار کریں اور انسانی وسائل، خوش حالی اور انفرا اسٹرکچر کی ترقی کے لئے ہر سال کے واسطے سالانہ منصوبہ بنائیں۔ اس کے علاوہ اس کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ خاص طور سے ان کارروائیوں کو چلانے کے لئے پنچایت کی ضرورت کے مطابق ریاستی حکومت فنڈ اور عملوں سمیت بڑے پیمانے پر خصوصی اختیارات اور طریقہ کار فراہم کرے گی۔

۵: بجٹ کی منظوری اور ضمنی قوانین کے وضع کرنے کا اختیار:

تمام سطح کی پنچایتوں کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ اپنا بجٹ پاس کریں اور ضمنی قوانین وضع کریں۔ انہیں اس کام کا بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اسکیم کے نفاذ کے لئے مالیاتی اداروں سے اس سے قبل اس طرح کے معاملات کے لئے پنچایت کی اعلیٰ سطح سے یا ریاستی حکومت سے پیشگی اجازت لینی پڑتی تھی۔ ترمیمی قراردادوں کے ذریعہ پنچایتوں کو بغیر کسی مداخلت کے آزادانہ طور پر کام کرنے کا اختیار عطا کیا جائے گا۔

۶: ریاستی الیکشن کمیشن کے کام اور اختیارات: پنچایت باڈیوں کے انتخابات کے تعلق سے تمام معاملات کے انعقاد کے لئے ایک ریاستی الیکشن کمیشن قائم کیا گیا ہے اور ایک ریاستی الیکشن کمشنر کی تقرری عمل میں آئی ہے۔ اس مقصد کے لئے مغربی بنگال ریاستی الیکشن کمیشن ایکٹ ۱۹۹۴ء کے نام سے ایک علاحدہ قانون پاس کیا گیا ہے جس کے تحت اس کی نگرانی، ہدایت اور اختیار میں ووٹروں کی فہرست تیار کرنا ہے اور پنچایت کا کوئی ممبر اگر اس سیاسی جماعت کے عام فیصلے سے انحراف کرتا ہے جس سے اس کا تعلق ہے تو اس سے عوامی فرمان کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس سلسلے میں اس پر نافذ ہونے والی شرطیں ایکٹ کی دفعہ ۲۱۳ اے میں شامل ہیں۔

ایک ممبر کو ان مستند حکام کے ذریعہ نااہل قرار دیا جا سکتا ہے جن کو نوٹیفیکیشن کے ذریعہ متعین کیا گیا ہے۔ ایک مستند حکام کے حکم کے خلاف اپیل کی گنجائش ہے۔ اس کے لئے اختیار کئے جانے والے طریقہ کار کو مغربی بنگال میں پنچایتی قانون ۱۹۹۴ء (ممبر کی نااہلی) میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

۷۔ ریاستی مالیاتی کمیشن: ہر پانچ سالوں کے واسطے پنچایتوں کی مالی حیثیت کے جائزے اور ریاست اور پنچایتوں کے درمیان متعینہ طریقوں سے فنڈ کی تقسیم کے لئے سفارشات پیش کرنے کے واسطے ایک ریاستی مالیاتی کمیشن کے قیام کی گنجائش ہے۔ حکومت کے محکمہ خزانہ کے نوٹیفیکیشن نمبر ۱۰۲۳۔ ایف بی، بتاریخ ۳۰ر مئی ۱۹۹۴ء کے تحت اب مغربی بنگال ریاستی مالیاتی کمیشن کا قیام عمل میں آیا ہے۔

۸: ایک پنچایت کے ممبر کی نااہلی: ۱۹۹۴ء کے ترمیمی ایکٹ میں ایک ممبر کو کردار کی بنیاد پر نااہل قرار دینے کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اس کا اختیار ریاستی الیکشن کمشنر کو دیا گیا ہے۔ ایک آفس عہدہ دار کی معطلی کی صورت میں ایک پنچایت اس مسئلے کو قطعی طور پر حل ہونے تک اس کی جگہ پر کام کرنے کے لئے ایک دوسرا عہدہ دار منتخب

باقی صفحہ ۹۰ پر

زباں پہ کچھ ہو مگر دل تو صاف رکھتا ہے
وہ تلخیوں کا لبوں پر غلاف رکھتا ہے

نہیں قبول اسے لمحہ بھر کی قربت بھی
دیا، ہوا سے بڑے اختلاف رکھتا ہے

سنہری دھوپ میں چمکے ہے جسم چاندی سا
وہ بہتے دریا سا اپنے کو صاف رکھتا ہے

مجھے اسی کی وفاؤں پہ ہے یقین بہت
جو اپنی رائے بھی میرے خلاف رکھتا ہے

نہیں ہے سجدے کا کوئی نشان ماتھے پر
کہ خود کو علوی بہت پاک صاف رکھتا ہے

•

خوشی تو ملتی ہے، غم مختصر نہیں ملتا
ہنسے جو پھول تو پھر شاخ پر نہیں ملتا

تعلقات بھی ریشم کی طرح ہوتے ہیں
الجھ گئے تو سِرا عمر بھر نہیں ملتا

یہ شہر لوں تو مکانوں کا ایک جنگل ہے
محبّتوں سے بھرا ایک گھر نہیں ملتا

تمہارے باغ میں کیا پھول اب نہیں کھلتے
کسی لفافے میں تتلی کا پَر نہیں ملتا

ہماری نرم مزاجی نے مرتبے بخشے
غرور ہوتا تو شانوں پہ سَر نہیں ملتا

تجارتی ہے تبسّم سبھی کے ہونٹوں پر
خلوص آج کہیں معتبر نہیں ملتا

خدا کی دین ہے یہ شاعری کا فن علوی
ریاضتوں سے کبھی یہ ہُنر نہیں ملتا

احمد علوی میرٹھ

ہم آہنگی اور عوامی شعور

کرشن دھر

ہمارے ملک میں عام لوگوں میں ہم آہنگی اور رواداری کی تاریخی روایت ہے۔ کبھی کبھی ہم آہنگی کی اس عمارت میں دراڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے مگر یہ یکسر انفرادی معاملہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کی ثقافت اور ہمارے سماج میں مختلف مذاہب کے لوگ اپنے مذہبی عقائد کو لے کر ہمیشہ سے بلکہ صدیوں سے ایک ساتھ رہتے آرہے ہیں۔ مساوات اور رواداری کا فقدان ہوتا تو آج ہندستانی سماج کا تصور نہ ہوتا۔ جن لوگوں کے تاریخ کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا ہے اور تاریخ کو مسخ کیا ہے۔ ان کی بات الگ ہے میں انہیں شمار نہیں کر رہا ہوں۔ ہماری تعلیم، ہماری تہذیب، ہماری ثقافت میں جو ہم آہنگی اور اختلاط کا ذکر ہے وہ ہمیشہ سے سچ رہا ہے اور انہیں کی بنیادوں پر ہمارا قومی احساس، ہندستانیت اور بین الاقوامی شعور قائم ہوا ہے۔

ادب کے تعلق سے کہا جا سکتا ہے کہ ادب کے تخلیق کاروں کے محسوسات اور تجربات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بیشتر وقتوں میں تاریخ کے متعدد حقائق سے متعلق شک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں مگر ایک شاعر یا ادیب جو ادب یا شعر تخلیق کرتا ہے اس میں سماج کا حقیقی چہرہ بالکل صحیح ڈھنگ سے واضح ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں قرون وسطیٰ میں جو ادب تخلیق ہوا تھا وہ بنیادی طور پر انسانیت پر مبنی تھا۔ اختلاف یا علیحدگی پر نہیں۔ اس دور کے ادب میں انسانی ہم آہنگی پوری طرح واضح ہوا ہے۔ ادب کا یہ احساس سماج کی حقیقی صورت حال سے ہی پیدا ہوا تھا۔ ادب میں سماج میں رہنے والوں کی امید و خواہشات کا اظہار ہوا تھا۔ بنگال میں سلاطین کے دور میں بھی ادب، شاعری اور فن موسیقی میں انسانیت کو ہی اہمیت دی گئی تھی۔ اگر اس وقت علیحدگی پسندی کو ہی سماج میں اہمیت دی جاتی تو اس کا اظہار یقیناً ادب میں ہوا ہوتا۔ سلطان حسین شاہ ایک ایسے بادشاہ تھے جنہوں نے بنگلہ اور سنسکرت زبانوں کی سرپرستی کی تھی۔ انہوں نے خود کو کبھی الگ کر کے نہیں دیکھا یا اپنے مذہبی احساس کو کبھی دوسروں پر ڈالنا قبول نہیں کیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ثابت ہو چکی ہے اور اسے صرف بنگال میں نہیں بلکہ ہندستان کے دوسرے علاقوں میں بھی تعریف اور تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ تلسی داس کی شاعری میں بھی انسانیت کے مظاہر ملتے ہیں۔ شاعر اعظم ربندرا ناتھ ٹیگور نے بھی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو ہمیشہ اہمیت دی ہے۔

انہوں نے تاریخ کی جو تشریح کی ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندستان کی اصل طاقت عوام ہیں۔ بیرونی قومیں مثلاً گریس، شک، ہون، اس ملک میں آتی رہی ہیں۔ انہوں نے اس ملک پر قبضہ کیا ہے۔ مختلف واقعات پیش آتے رہے ہیں لیکن عوام کے زمانۂ دراز کے اعتماد اور اخلاقی قدروں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوا۔ دراصل ہندستان میں ایک دیہی سوشلزم یعنی دیہی عوام کا خود پر منحصر ایک نظام قائم ہو گیا تھا۔ رابندرا ناتھ ٹیگور نے اسی سچائی کو اجاگر کیا تھا۔ انگریزوں نے اس ملک کے عوام میں علیحدگی پسندی کا بیج بونے کی کوشش کی تھی۔ نوآبادیت کا یہی کردار ہے اور ہر ملک میں سامراجیوں نے اس طرح کی کوششیں کی ہیں۔ آج جبکہ جنوبی افریقہ کے عوام میں تحریک آزادی نے شدت اختیار کر لی ہے حصول آزادی کیلئے اس ملک کے عوام لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ٹھیک ایسے میں جنوبی افریقہ کے مختلف قبائل کو خونریز تصادم میں الجھا دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں تاکہ اس ملک کی تحریک آزادی میں کافی رخنہ آئے۔ ہندستان میں بھی ایک دن ایسا ہی ہوا تھا۔ آج کے ہندستانی عوام کے مصائب اور پریشانیوں کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ آج بیسویں صدی کے اختتام پر پہنچ کر وقت کا کانٹا کبھی پیچھے کی طرف نہیں لوٹنے دے گا۔ ایک گمراہ کن مذہبی تحریک اور مذہبی جنون کے نام پر تاریخ کو مسخ کیا جا رہا ہے۔ ہندستانیت کی غلط تشریح کی جا رہی ہے۔ مذہب اور فرقہ پرستی کے نام پر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کی حرکتوں سے ناراض ہو کر ٹیگور نے کہا تھا "دھرم کے بہرے سے دہریت اچھی ہے۔"

ونوبا بھاوے خود ایک مذہبی آدمی تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کا اعتراف کیا تھا۔ "دھرم کے مہرے لادینیت میں زیادہ انسانیت ہے"

آج کے ہندوستان میں مذہب کے نام پر کشیدگی پھیلانے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اس کے خلاف عوام کے اندر ایک متحدہ احتجاج ضرور ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو آج ملک کو اس سے بھی بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا۔ دراصل آج کا یہ مسئلہ سیاسی مسئلہ ہے۔ ایک طبقہ کے لوگ ذات پات اور مذہب کے نام پر نفاق پیدا کر کے سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سماجی تنازعہ کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، کسانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں، عوام میں علیحدگی پسندی کا رجحان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس صورت حال ہی میں کام کرنا ہوگا، اپنے فرائض پورے کرنے ہوں گے، باشعور عوام کو اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہوگا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ملک کے اس بحرانی حالات میں بھی بہت سے لوگ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اس خوف سے کہ ان پر بھی حملہ ہو جائے گا، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

ہٹلر کے جرمنی میں نازیوں نے یہودیوں پر حملے کئے، بائیں بازو اور جمہوریت پسند رجحان رکھنے والوں نے جب اس کی مخالفت کی تو انہیں اس کی قیمت چکانا پڑی تھی۔ اس وقت نام نہاد سیاسی شخصیتوں نے یہ سوچ کر کہ یہ ان کا کام نہیں خاموش ہو گئے تھے۔ لیکن بعد کے دنوں میں انہیں بھی نازیوں کے حملے کا شکار ہونا پڑا تھا

آج ہمارے ملک میں ذرائع ابلاغ نے فرقہ پرستی کے خطرے اور علیحدگی پسندی کے خلاف فرقہ وارانہ ہم آہنگی، انسانیت اور جمہوریت کے حق میں اہم کردار ادا نہیں کیا اور سیاسی سازش کے ذریعہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کرنے والوں کا ساتھ دیا تو انہیں عوام کی اکثریت کے سامنے ایک نہ ایک دن جواب دہ ہونا پڑے گا۔ سماج میں ذرائع ابلاغ کے اثرات کی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس بارے میں انتہائی اہم کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کی دنیا میں الیکٹرانک ذرائع ابلاغ کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی سے آج ہندوستان کے عوام محظوظ ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے سماجی نظام میں تبدیلی اگر ترقی کے لحاظ سے مقصود ہو تو ہر حالت میں امن و اماں اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو برقرار رکھنا ہوگا۔ ایک سوشلسٹ، ڈیموکریٹک اور خوشحال ہندوستان کی تعمیر کے لئے ان تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنا ہوگا۔ افسوسناک ہی سہی مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ ذرائع ابلاغ کا یہ کردار ہم کبھی نہیں دیکھتے۔ بیشتر معاملات میں وہ اپنے فرض کے ساتھ انصاف نہیں کرتے، ذرائع ابلاغ میں دوردرشن کے اثرات سب سے زیادہ ہیں لہٰذا ٹیلی ویژن کو یہ کام بڑی صلاحیت سے انجام دینا ہوگا لیکن دوردرشن کے پروگرام میں سستی تفریح کو جتنی اہمیت دی جاتی ہے سماجی مسائل اور پیش رفت کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ ہمارے ملک کے نوجوان طبقے کو اس کے لئے آگے بڑھنا ہوگا۔ دوردرشن کو اس طرح پروگرام میں تبدیلی کرنے پر مجبور کرنا پڑے گا اور تمام ذرائع ابلاغ کو عوام کے حق میں کام کرنے کے لئے مجبور کرنا پڑے گا۔

ذرائع ابلاغ کے کردار کا مشاہدہ اور تجزیہ کرتے وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مجموعی طور پر ہمارے ملک میں قومی سطح کے جو اخبارات ہیں فرقہ وارانہ فسادات کے دوران ایک توازن رکھتے ہوئے خبریں شائع کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے پورے سال تک مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ صرف کسی واقعہ پر رپورٹ شائع کر دینے سے ہی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔ مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بنیاد پرست پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ آریہ باہر سے نہیں آئے تھے۔ موہن جوداڑو اور ہڑپا کی تہذیب دراصل آریہ تہذیب ہے۔ یہ بالکل غیر تاریخی بات ہے۔ تاریخ کو مسخ کر کے ہی یہ مطمئن نہیں ہو گئے بلکہ جن ریاستوں میں یہ برسر اقتدار تھے وہاں کی نصابی کتابوں میں بھی اس طرح کے پروپیگنڈے کو شامل کر دیا ہے۔ اس کے خلاف ذرائع ابلاغ کو ایک اہم کردار ادا کرنا چاہئے۔ مورخین اور ماہرین آثار قدیمہ سے ان موضوعات پر مضامین لکھوا کر قسط وار شائع کرنا چاہئے۔ مغلوں کے خلاف جس طرح یک طرفہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف احتجاج کرنا ہوگا۔

پہلے جب ہمارے ملک میں مواصلاتی نظام اور ذرائع ابلاغ کی حالت ٹھیک نہیں تھی تو ایک ریاست کے عوام دوسری ریاست کے عوام کے متعلق بہت اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ آج مواصلاتی نظام کے بہتر ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف خطے کے عوام ایک دوسرے سے روشناس ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف خطوں کے عوام کے لباس، طرز رہائش، تہذیب و ثقافت کو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عام لوگوں تک پہنچا دینے کی ضرورت ہے۔ اس سے ہم آہنگی کی عمارت اور زیادہ مضبوط ہو جائے

گی۔ دوسری طرف اس کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہے کہ بائیں بازو کی طاقتوں کے ذرائع ابلاغ میں کچھ کمزوریاں ہیں۔ دراصل تجارتی نقطۂ نظر کے ذرائع ابلاغ کی طاقت کے مقابلے میں بائیں بازو کے ذرائع ابلاغ کی طاقت کم ہے۔ تاہم فلاحی، جمہوری اور بائیں بازو کے ذرائع ابلاغ کو پہلے سے کہیں زیادہ عوام تک پہنچنا ہوگا۔ نہ صرف یہ کہ خبریں بلکہ ہم آہنگی کے موضوع پر تسلسل کے ساتھ مضامین اور کرٹسن فیچر وغیرہ کی اشاعت کا انتظام کرنا ہوگا۔

فلم بھی آج ابلاغ کا بہت ہی طاقت ور ذریعہ ہے۔ اسے کام میں لانا ہوگا۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ فلموں کی نمائش کا انتظام کرنا ہوگا۔ ماضی میں فلموں کی ہماری جو روایات ہیں ان کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ کمرشیل فلموں میں بھی سماجی زندگی کا بہت حد تک عکس ملتا ہے۔ بعض فلم سازوں نے پورے شعور کے ساتھ ہم آہنگی کی حمایت میں فلمیں بنائی ہیں۔

اس بارے میں "گرم ہوا" کا بطور خاص ذکر کیا جانا چاہئے۔ ہمارے ادب میں رابندرا ناتھ ٹیگور نے اپنے قرب وجوار کے انسانوں کی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ سمریش باسو کی کہانی "آداب" اور امیش چندر سین کی کہانی "مشرق سے مغرب" کو اس ضمن میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اب بھی بہت سے ترقی پسند اور بائیں بازو کا رجحان رکھنے والے ادیب ہم آہنگی کی حمایت میں ادب تخلیق کر رہے ہیں۔ ہم ان تمام تخلیقات کو عوام تک پہنچا سکتے ہیں مگر فلموں پر زور دینا ہوگا کیونکہ اس میں تفریح بھی شامل ہوتی ہے اور فلموں کے اثرات بھی انسان کے دماغ پر دیرپا ہوتے ہیں لہٰذا جاترا، تھیٹر وغیرہ کے ذریعہ ہم آہنگی کی حمایت میں مہم چلانا ہوگی۔ دیہی عوام میں جاترا (ڈرامہ) کو آج بھی بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہے مگر شہروں میں جاترا کے ذریعہ مہم نہیں چلائی جاسکتی ہے۔ یہاں ویڈیو اور فلموں کے ذریعہ مہم چلانا ہوگی حقائق پر مبنی فلمیں تیار کرنے کی ضرورت ہے اور انہیں مختلف مذاہب اور فرقے کے لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکیں اس کا انتظار کرنا ہوگا۔

پہلے اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آجاتا تھا تو مخلوط علاقے میں مہم چلائی جاتی تھی لیکن آج اکثریتی فرقوں کے علاقوں میں فرقہ پرستی کے خلاف مہم میں شدت پیدا کی گئی ہے کیوں کہ اکثریتی فرقہ کے عوام میں

ہی فرقہ پرستی کا یہ زہر اور اشتعال زیادہ پھیل گیا ہے۔ اکثریتی فرقہ کو جب یہ زہر چڑھ جاتا ہے تو اس سے فاشزم پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن اقلیتی فرقے میں یہ زہر داخل ہوگیا تو وہ علیحدگی پسندی کے دائرے کو کبھی پار نہیں کرسکے گا۔ اکثریتی فرقے کے اندر مذہبی جنون کا یہ زہر فاشسٹ طریقے سے ملک کی تہذیب وثقافت اور سماج سب کو یک طرفہ طور پر دیکھتا ہے اور ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ فاشزم کے اس خطرے کو دھیان میں رکھتے ہوئے سبھی تمام ذرائع ابلاغ کو پوری سرگرمی سے استعمال کرنا ہوگا۔

ہمارے ملک کے تعلیمی نظام بالخصوص پرائمری نظام تعلیم میں ایک تاریخی شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ سے مراد کسی راجا اور رانی کی کہانی نہیں ہے۔ بادشاہوں کے درمیان خونریز جنگ ہوسکتی ہے مگر صرف یہی تاریخ نہیں ہے۔ تاریخ سماج انسان کی کہانی ہے، تاریخ کی بنیادی وجہ انسان ہی ہیں۔ تاریخ سے مراد صرف ایک مینار یا تاج محل نہیں ہے۔ عام لوگوں کی تاریخ ہی اصل تاریخ ہے۔ یہ تاریخی شعور بچپن سے ہی ذہن میں بیدار ہو اس کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف زبانوں میں اور پوری سچائی کے ساتھ اس تاریخ کو پورے ہندستان میں پڑھانا ہوگا۔

اسکولوں اور کالجوں میں مختلف مذاہب کے طلباء وطالبات ایک ساتھ بیٹھ سکیں اس کا انتظام کرنا ہوگا۔ ہم میں آپسی میل ملاپ جس قدر بڑھے گا ہم ایک دوسرے کو اتنی ہی اچھی طرح سمجھیں گے۔ صرف کتابیں پڑھ کر نہیں، زندگی کے تجربے سے ایک دوسرے کو سمجھنا ہوگا۔ ہمارے مضامین، ادب اور سب سے بڑھ کر ہماری زندگی میں یہ جتنا زیادہ ہوگا ہم آہنگی کی تحریک اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔ فرقہ واریت اور بنیاد پرستی پیچھے ہٹتی جائے گی۔

میں پرامید ہوں۔ میں کبھی یہ نہیں سوچتا کہ آج کے ان سازشی لوگوں کو کبھی عوامی حمایت حاصل ہوسکے گی۔ مغربی بنگال کو چھوڑ کر بھی میں کہہ سکتا ہوں کہ جب دوسری ریاستوں میں میں جاتا ہوں تو بھی مجھے عام لوگوں میں ایک ہم آہنگی نظر آتی ہے، ایک دوسرے کے لئے محبت نظر آتی ہے۔ یہ اپنے پڑوسیوں کو بھائی سمجھتے ہیں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے کیوں نہ ہوں۔ کبھی کبھی وقتی کشیدگی بھی انسان کو گمراہ کردیتی ہے۔ یہ گمراہی ہمیں صحیح راستے سے نہ ہٹادے اس لئے ہمیں منظم تحریک چلانا ہوگی۔ ملک کو فرقہ پرستی کے خطرے سے نکالنے کے لئے اس لڑائی میں سماج کے

ہر طبقے کے عوام کو شامل کرنا ہوگا۔

دراصل فرقہ پرستی ایک بُری عادت ہے۔ آخر انسان کو گمراہ کرنے کے لئے، اسے صحیح راستے سے بھٹکانے کے لئے اس فرقہ پرستی کو بار بار کیوں استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے اور اسے عوام کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اس دھماکہ خیز چیز کو دھماکے کے لئے کیوں استعمال کیا جا رہا ہے؟ اس سوال کا جواب ہمارے ملک کے سیاسی شعور رکھنے والے عوام اور ماہرین عمرانیات کو ڈھونڈ نکالنا ہوگا۔ ذرا سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ مذہب نہیں بلکہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو اس کی اقتصادی حالت سے ہٹانے کے لئے اس کی سیاسی اور سماجی پوزیشن سے ہٹانے کے لئے اس دھماکہ خیز اسلحہ کا استعمال کرتا ہے۔ آج ہمارے ملک کے عوام میں ایک دوسرے سے رابطہ بڑھانے کا رجحان شدید ہو گیا ہے۔ رابطہ عامہ کے نظام میں بہتری آئی ہے۔ ایسی حالت میں مطمئن ہو کر بیٹھ جانے سے کام نہیں چلے گا۔ لہٰذا فرقہ پرستی کی اس بُری عادت کی تلافی کے ساتھ ہی ساتھ مستقبل میں اس طرح کا کوئی واقعہ پیش نہ آجائے اس کیلئے مشترکہ کوشش کرنا ہوگی۔ ہندوستان میں ایک جمہوری ڈھانچہ موجود ہے۔ ایک قدیم اور ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت موجود ہے۔ ایک پرانی تحریک بھی ہے۔ لہٰذا غیر ملکی بین الاقوامی رجعت پسند طاقتیں اپنے مقصد کو پورے کرنے کے لئے ہمیں کٹھ پتلیوں کی طرح نچائیں گی اور ہم ناچتے رہیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں آگے کی طرف بڑھنا ہے۔

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ کی طرف سے بہار کے وزیر اعلیٰ کو مبارکباد

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۴ اپریل کو چنڈی گڑھ سے اپنے ایک پیغام میں بہار کے وزیر اعلیٰ شری لالو پرشاد یادو کو دلی مبارکباد دی۔ شری باسو نے انہیں یہ مبارکباد بہار کے حالیہ اسمبلی انتخابات میں جنتا دل اور بائیں اتحاد کی نمایاں کامیابی کے بعد وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے موقع پر پیش کی۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے رسم حلف برداری کے موقع پر شرکت کے لئے دعوت نامہ بھیجنے پر بھی شری لالو پرشاد یادو کا شکریہ ادا کیا۔ شری باسو نے بتایا کہ وہ پارٹی کانگریس کے اختتام کے بعد کلکتہ لوٹتے ہوئے ان سے ملاقات کریں گے۔

عازمینِ حج کیلئے کلکتہ ہوائی اڈہ سے خصوصی طیاروں کی روانگی کی تاریخ

اس ریاست اور اس کی پڑوسی ریاستوں جیسے بہار، اڑیسہ، تری پورہ، کرناٹک اور اترپردیش کے عازمین حج سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ روانگی سے چھ گھنٹہ قبل اپنے لازمی کاغذات سمیت کلکتہ ہوائی اڈہ پر پہنچ جائیں :

پہلا طیارہ	کلکتہ سے روانگی	جدہ میں آمد	جدہ سے واپسی
طیارہ نمبر اے ۱۳۱۰۳ ۲۵/اپریل (منگل)	شام ۴ بجے (مقامی وقت)	رات ۹ بجے (مقامی وقت)	پہلا طیارہ: طیارہ نمبر اے ۱۳۲۱۶ '۴/جون ۹۵ء جدہ سے روانگی۔ (اتوار) شام ۴ بجکر ۴ منٹ کلکتہ میں آمد۔ رات ۱ بجکر ۵۰ منٹ (سوموار)
دوسرا طیارہ۔ طیارہ نمبر اے ۱۳۱۰۵ ۲۶/اپریل ۱۹۹۵ء (بدھ)	شام ۴ بجے (مقامی وقت)	رات ۹ بجے (مقامی وقت)	دوسرا طیارہ: طیارہ نمبر۔ اے ۱۳۲۴- جدہ سے روانگی شام ۷ بجے کلکتہ میں آمد صبح ۴ بجکر ۱۰ منٹ (منگل)
تیسرا طیارہ: طیارہ نمبر: اے۔ ۱۳۱۰۷ ۲۷/اپریل ۱۹۹۵ء (جمعرات)	شام ۴ بجے (مقامی وقت)	رات ۹ بجے (مقامی وقت)	تیسرا طیارہ: طیارہ نمبر: اے ۱۳۲۰۴ ۶/جون ۹۵ء جدہ سے روانگی شام ۷ بجے (مقامی وقت) کلکتہ میں آمد صبح ۴ بجکر ۱۰ منٹ مقامی وقت

کلکتہ میں توانائی کے قابلِ تجدید وغیر رسمی وسائل پر سمینار

حکومتِ مغربی بنگال کے شعبہ الیکٹریکل انجینئرنگ نے حال ہی میں کلکتہ میں توانائی کے قابلِ تجدید وسائل پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا۔ یہ سیمینار ان کے اداروں کی ۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر منعقد کیا گیا۔ ریاستی وزیر برائے پی ڈبلو ڈی شری کھینی گوسوامی نے اس سیمینار کا افتتاح کیا۔ انہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ توانائی کے غیر رسمی وسائل کا استعمال سماجی۔ معاشی ترقی کے لئے انتہائی مفید ہے۔ خاص طور پر ہندستان جیسے ان ممالک کے لئے جہاں ستر فیصد عوام غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہوں نے بتلایا کہ ہندستان فنڈ کی کمی کے باعث تحقیق اور ترقیات کے میدان میں نیز توانائی کے غیر پیشہ ورانہ وسائل کے میدان میں ہنوز پیچھے ہے انہوں نے منتظمین کو یقین دلایا کہ حکومت اس مسئلے پر سنجیدگی سے دھیان دے گی۔ اس سیمینار میں بہت سے ممتاز انجینئروں اور سائنس دانوں نے توانائی کے قابلِ تجدید اور غیر رسمی وسائل کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا ✦✦

حکومتِ مغربی بنگال کے زیرِ اشاعت رسائل اور انکی شرحِ خریداری

حکومتِ مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب وثقافت پر بھی گراں قدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں :

[illegible]	زبان	وقفۂ اشاعت	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	انگریزی	پندرہ روزہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	[illegible]	[illegible]
[illegible]	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	[illegible]	[illegible]

- ۱ تا ۱۵۰۰ سے کم کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت
- ۱۵۰۰ تا ۳۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
- ۳۰۰۱ تا ۵۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت
- ۵۰۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

★ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔

★ پرچوں کی خریداری کے لئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔

★ کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔

★ سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ : بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱، فون: 4295-221

تفاصیل کے لئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں :

پندرہ روزہ
کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۳ ★ یکم مئی سنہ ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۹

ترتیب

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے
نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :
بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۱/۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱
فون : 221-4295

• پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext 710

یوم مئی محنت کش عوام کے بین الاقوامی اتحاد کا دن

یوم مئی ـــــ دنیا بھر میں محنت کش لوگوں کے بین الاقوامی اتحاد کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یکم مئی کے دن پرولتاریت نے پہلی بار اپنا سرخ پھریرا لہرایا تھا اور یہی سرخ پھریرا گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے بورژواؤں کے لئے خطرے کی گھنٹی بنا ہوا ہے۔

۱۸۸۶ء میں متحدہ ریاست ہائے امریکہ ـــ نیویارک سے سان فرانسسکو تک بے شمار مظاہرے اور جلوس کا مرکز بن گیا تھا۔ سب کا ایک ہی "الیہ" تھا ـــ آٹھ گھنٹے کام کا دن۔ محنت کش طبقہ کمر توڑ محنت کرکے ظالم سرمایہ داروں کا خزانہ بھرنے سے انکار کر رہا تھا۔

امریکہ کا شکاگو اس جدوجہد کا مرکز بن گیا تھا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو ۴۰ ہزار مزدور سڑکوں پر مظاہرہ کے لئے اتر آئے۔ آج کے حساب سے یہ تعداد زیادہ نہیں معلوم ہوتی لیکن یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ امریکہ میں مزدور طبقہ کی تحریک ابھی ابھی شباب پر پہنچی تھی۔

۲ مئی کو بھی ہڑتال اور مظاہرے جاری رہے۔ کارخانہ مالک اور ان کے کرایہ کے پولس والے اس دھماکہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے اس لئے وہ ان دو دنوں تک کچھ نہ کر سکے۔ لیکن ۳ مئی کو انہوں نے حملہ بول ہی دیا۔ مزدوروں نے کہیں بھی کوئی گڑبڑی پیدا نہیں کی اور اس طرح پولس کا گھناؤنا منصوبہ کامیاب نہیں ہوا۔

۳ مئی کو ہڑتال کے مخالفین نے میک کارمک فارم ریپر مینوفیکچرنگ کے گیٹ پر ہڑتالیوں پر حملہ کر دیا۔ تصادم ہوا اور پولس نے فوراً گولیاں چلا دیں۔ ۶ ہڑتالی مزدور مارے گئے اور ۵۰ بری طرح گھائل ہوئے۔ مزدوروں نے اس سفاکانہ ہلاکت کے خلاف احتجاج کیا۔ دوسرے دن ۴ مئی کو ہے مارکیٹ اسکوائر میں اس ہلاکت کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک ریلی کا اہتمام کیا گیا۔ ریلی کی قیادت کرتے ہوئے لیڈروں نے مزدوروں سے اپیل کی کہ وہ تنظیم کو مضبوط بنائیں، پُرامن رہیں اور سرمایہ کاروں کے اکساوے میں نہ آئیں۔

ایک بار اور گولی چلانے کے موقع کا پولس والے انتظار کرتے رہے۔ یہ جلسہ پُرامن تھا۔ لیکن ابھی جب یہ جلسہ ختم ہونے کے قریب تھا کہ جلسہ گاہ پر اچانک مسلح پولس پارٹی آدھمکی۔ شرپسند ایجنٹ تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے پولس پارٹی پر بم پھینک دیا۔ ایک پولس والا وہیں مر گیا اور پانچ دیگر گھائل ہو گئے۔ پولس والے تو اسی موقع کی تلاش ہی میں تھے۔ پھر کیا تھا، انہوں نے اس جلسہ میں موجود مزدوروں پر اندھادھند گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ ۴ مزدور اور ۷ پولس والے مارے گئے۔ ہنگام کرنے والے مزدوروں نے خون سے لت پت ایک قمیض کو اٹھا لیا اور وہیں سے لال جھنڈے کا جنم ہوا۔

سرمایہ دار اور انتظامیہ دونوں بہت خوش تھے کہ بے لاگ مزدوروں کو اچھا سبق ملا۔ لیکن انہیں تو ابھی اور مار پڑنی تھی۔ پریس نے مزدور طبقہ یعنی پوری ترقی پسند تحریک کے خلاف پرچار کرنا شروع کر دیا۔ کثیر تعداد میں مزدوروں کو قید کر لیا گیا۔ ۸ مزدوروں کو منتخب کرکے ان کے خلاف قتل کا جھوٹا الزام لگایا گیا۔ یہ تھے البرٹ، پارسنس، آگسٹ اسپائز، سائیموئیل فیلڈین، مائیکل شواب، ایڈولف فیشر، جارج انگل، لوئی لنگ اور اسکر نیبے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فیلڈین کو چھوڑ کر ان میں سے سبھی بم پھینکے جانے سے قبل جلسہ گاہ کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ سرکار کی طرف سے پورا دھیان رکھا گیا کہ الزام میں کوئی غلطی نہ رہنے پائے۔ ججوں کا انتخاب بھی خوب ہوشیاری سے کیا گیا اور مظاہرین کے خلاف ان کی نفرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ ججوں کو بھاری رشوت دے کر ملا لیا گیا تھا۔

قیدیوں نے ہمت سے کام لیا۔ جیل سے انہوں نے صرف اپنا بچاؤ ہی نہیں کیا بلکہ سرمایہ داروں اور حکومت کے گٹھ جوڑ کا بخیہ ادھیڑ

دیا۔ پارسن کو پہلے نہیں پکڑا جا سکا تھا۔ اس نے کورٹ میں خود سپردگی کی اور نتیجہ کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے جیل میں اپنے ساتھیوں کے سنگ میں رہنا شروع کیا۔ پہلے "سات مجرموں" کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ اسکر نیبے کو ۱۵ سال قید کی سزا ملی۔

سزائے موت کے حکم کے خلاف رائے عامہ ہموار ہونے لگی۔ بے شمار درخواستیں داخل کی گئیں جن میں سزائے موت کے حکم میں تنسیخ کرنے کو کہا گیا جس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ فیلڈین اور مائیکل شواب کو بخش دیا گیا۔ پھانسی سے ایک روز قبل لوئی لنگ نے جو قیدیوں میں سب سے کم عمر تھے خودکشی کر لی، دوسرے دن ۱۱ر نومبر ۱۸۸۷ء کو البرٹ پارسنس، آگسٹ اسپائس، جارج انگلس اور اڈولف فیشر کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اسپائس کے منھ سے نکلے آخری الفاظ لافانی بن گئے:

"ایک دن آئے گا جب ہماری خاموشی ہمارے الفاظ سے زیادہ پُرجوش ہوگی۔"

۱۸۹۳ء میں فیلڈین، شوب اور نیبے کو رہا کر دیا گیا۔ ایلینائس کے نئے گورنر جنرل پی الٹگڈ کو یہ ماننا پڑا کہ ان کے قصور ثابت نہیں ہوئے ہیں۔ وہ اور ان کے مصلوب ساتھی متعصب عدالتی نظام کا شکار ہو گئے۔

عالمی مزدوروں کا دن:

دنیا کے مزدور اپنے شہید ساتھیوں کو نہیں بھول پائے۔ ۱۸۸۷ء سے ہر سال امریکہ اور یورپ کے مزدور ہڑتالوں اور دیگر عوامل سے اپنے اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۱۴ر جولائی ۱۸۸۹ء کو فرانس کے عظیم انقلاب کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر دوسرا انٹرنیشنل قائم کیا گیا۔ اپنے عظیم اسلاف کے نقشِ قدم پر مزدوروں کے بین الاقوامی ادارہ (۱۸۶۴-۷۶ء) نے پہلا انٹرنیشنل بلایا جو دوسرے انٹرنیشنل کے نام سے مشہور ہوا۔ انگلس اس کی افتتاحی کانفرنس میں موجود تھے۔

ان باتوں کے ساتھ ساتھ اس کانگریس نے یہ تجویز منظور کی کہ اب سے ہر سال یکم مئی مظاہرہ اور ہڑتال کے ذریعہ مزدوروں کے بین الاقوامی دن کے طور پر محنت کشوں کی طرف سے منایا جائے گا اور آٹھ گھنٹے کام کے دن کا اور مزدوروں کے حالات سدھارنے کے لئے اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا کیوں کہ امریکن فیڈریشن آف لیبر یکم مئی ۱۸۹۰ء کو یہ تہوار منانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کانگریس نے بھی اس کی تائید کی۔ انگلس نے کہا تھا کہ یہ ہماری کانگریس کی عمدہ تجویز ہے۔

اس طرح یکم مئی ۱۸۹۰ء کو یورپ اور امریکہ کے زیادہ تر ملکوں کے مزدوروں نے عظیم یوم مئی کے موقع پر اپنے اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ اسپین اور برطانیہ کے مزدوروں نے اس تہوار کو پہلے اتوار یعنی ۴ر مئی ۱۸۹۰ء کو منایا۔

ہندستان میں یوم مئی:

کانپور میں ایٹک کی آٹھویں کانفرنس میں (نومبر ۱۹۲۷ء کو) یہ بتایا گیا کہ بمبئی اور بہت سے صنعتی مراکز میں یوم مئی منایا گیا ہے۔ حقیقت میں ۱۹۲۷ء میں ہی بمبئی میں اس کی شروعات ہو چکی تھی۔

پہلا یوم مئی کامریڈ سنگاراویلو چیٹیار کی صدارت میں یکم مئی ۱۹۲۳ء کو مدراس کے سمندری کنارے پر منایا گیا۔ کامریڈ چیٹیار کو کان پور بالشویک مقدمہ کے تحت سزا دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ کامریڈ چیٹیار کی بیٹی کی لال ساڑی کو پھاڑ کر لال جھنڈا بنایا گیا تھا۔ اس عمل سے یوم مئی کے سلسلے میں ہندستان کے محنت کش طبقوں کے دلوں میں احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر جبھی سے ہندستان میں یوم مئی کی تقریبات ہر سال تزک و احتشام کے ساتھ منائی جاتی ہیں۔

• (شکتی ناتھ راہا)

احمریں پرچم اور یومِ مئی

کیدارناتھ بھٹاچاریہ

احمریں پرچم آج پوری دنیا میں استحصال کے شکار اور محنت کش عوام کی لڑائی، جدوجہد اور نجات کی علامت بن گیا ہے۔ اسی طرح یوم مئی بھی استحصال اور آزادی کی لڑائی میں پوری دنیا میں محنت کش طبقے کے جوش وخروش اور بین الاقوامی ہم آہنگی کی علامت بن گیا ہے۔ احمریں پرچم اور یوم مئی آپس میں یوں مدغم ہو گئے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ گمان گزرنے لگا ہے کہ یوم مئی ہی احمریں پرچم کا جنم داتا ہے۔ یہ غلط فہمی سطحی ہونے کے باوجود اس میں کہیں سچائی نہیں ہے۔ احمریں پرچم کئی صدیوں سے گزر کر آج مزدوروں کے ہاتھوں میں پہنچا ہے۔ یہ احمریں پرچم ہی ہے جس نے صدیوں سے محنت کش طبقے کی جدوجہد کو آگے بڑھایا ہے۔ سماجی تبدیلی کی روایت میں غلامی کی روایت، زمین داری و سرمایہ داری کے خلاف استحصال کے شکار عوام کی خونی لڑائی میں احمریں پرچم کا ایک حیرت انگیز کردار رہا ہے اور جو استحصال سے نجات دلانے تک یہ کردار ادا کرتا رہے گا۔ ۱۸ویں صدی ہی میں لال جھنڈے کا عروج شروع ہوا۔ اس وقت پورے یورپ میں غلامی کی روایت تھی۔ بالخصوص روم کے سامراج میں غلاموں کے کٹے ہوئے سر اور خونریز مناظر معمول کی بات تھی۔ تشدد اور بربریت کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس بے رحمی اور مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لئے غلاموں نے عرب ملکوں کی طرف راہِ فرار اختیار کرنا شروع کیا۔ جو لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے ان میں سے ہزاروں بغداد میں جمع ہو گئے تھے۔ اس وقت بغداد میں خلفاء کی حکومت تھی اور وہاں بھی غلامی کی اس روایت کے خلاف بغاوت بھی شروع ہو گئی۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر گرگان میں ایک زبردست دہقانی بغاوت منظم ہوئی اور وہاں بھی خون میں ڈوبے ہوئے لال جھنڈے کو سربلند کیا گیا تھا۔ انقلاب و جدوجہد کی علامت کے طور پر محنت کشوں کی تاریخ میں شاید یہ پہلی بار لال جھنڈے کو سربلند کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ان تمام باغیوں کو لال نشان (Red Banner) کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔ بعد کے دنوں میں یہی لال جھنڈا یورپ کے مختلف ملکوں میں بھی پھیل گیا۔ جرمنی میں کسانوں کی جنگ میں بھی لال جھنڈے کا استعمال کیا گیا تھا۔

فریڈرک اینگلس نے لکھا ہے جرمنی میں کسانوں کی جنگ (۲۵-۱۵۲۴ء) نے مستقبل کی پیشن گوئی کی تھی کہ آئندہ طبقاتی جنگ میں صرف باغی کسانوں تک ہی لال جھنڈا محدود نہیں تھا۔ ان کے پیچھے پرولتاریہ کا بھی ظہور تھا۔ ان کے ہاتھوں میں لال جھنڈا تھا اور زبان پر اشیاء کی ملکیت کا مطالبہ تھا۔

۵ اور ۶ جون ۱۸۳۲ء کو پیرس میں مزدوروں کی بغاوت کرتے وقت مضافات وشہر کے مزدور بستیوں کے چاروں طرف بیرک تیار کر کے لڑائی شروع ہوئی۔ ان بیرکوں پر ہی سب سے پہلے فرانسیسی مزدوروں نے لال جھنڈا لہرایا تھا۔ اس وقت سے لال جھنڈا محنت کش طبقے کا جھنڈا بن گیا۔ اسی سلسلے میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ فرانسیسی جمہوریت کی ابتدا ہی میں فرانسیسی قوم میں پرچم کے انتخاب کا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔ انقلابی مزدوروں نے مطالبہ کیا کہ ۱۸۳۲ء میں بغاوت کے وقت مزدوروں نے جو لال جھنڈا اڑایا تھا وہی قومی پرچم ہو گا۔ دوسری طرف اٹھارہویں صدی کے بورژوا انقلاب اور نپولین کے سامراج کے وقت جو پرچم تھا یعنی ترنگا (نیلا سفید لال) کو ہی فرانس کا قومی پرچم بنانے کے لئے بورژوا نمائندوں نے زبردست کوشش کی۔ آخر آخر تک محنت کش طبقے کے نمائندوں کو بھی ترنگا کا قومی پرچم تسلیم کر لینا پڑا تھا۔ پھر بھی مزدوروں کی اشتمالی جھنڈے

کو ایک مصنوعی لال گلاب سے سجایا گیا۔ ۱۸۴۸ء میں پیرس میں جون کی بغاوت میں ایک بار پھر لال نشان اٹھایا گیا۔ اس کا ذکر کارل مارکس کی تصنیف میں بھی ملتا ہے۔ اس کا ایک دوسرا ذکر یہ بھی ہے کہ "جنرل لیپرو اپنی فوجوں کے ساتھ نیشنل اسکوائر کے راستے سے داخل ہوئے تھے۔ یہ علاقہ ایک بڑے بیرک سے گھرا ہوا تھا اور اس میں ایک لال جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بوسیدہ مکانوں میں گھرے ہوئے فوجیوں نے بڑی بے جگری سے لڑائی کی تھی۔ سرکاری فوجوں کے ساتھ کمان بھی تھا۔ دونوں جماعتوں کے ساتھ مصالحت کراتے ہوئے پیرس کے آرک بشپ بُری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ نیشنل اسکوائر میں دن بھر جنگ ہوتی رہی۔"

اس کے علاوہ ۱۸۷۱ء میں پیری کمیون میں بھی کمیونوں نے لال جھنڈا اڑائے تھے۔

بعد کے دنوں میں امریکہ میں ۱۸۸۶ء میں تاریخی یوم مئی کی تحریک اور بغاوت میں لال جھنڈے کا استعمال کے نتیجے میں ہی بالآخر یہ پوری دنیا کے محنت کش طبقے کا جھنڈا بن گیا اس لئے مارکس کے قائم کردہ پہلے انٹرنیشنل یعنی بین الاقوامی محنت کشوں کی تنظیم اور ان کی وفات کے بعد دوسرے سوشلسٹ انٹرنیشنل نے لال جھنڈا کو قبول کیا تھا اور اسے محنت کشوں کے جھنڈے کے طور پر قبول کیا تھا۔ لیکن لینن کی قیادت میں روس میں کامیاب نومبر انقلاب کے بعد کسانوں اور مزدوروں کی دوستی کی علامت کے طور پر ہنسوا، ہتھوڑا اور پانچ پراعظموں کے مظاہرے کے طور پر پانچ کناروں والا تارا لال جھنڈے میں شامل کیا گیا اور اس طرح تیسرے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی قیادت میں عالمی کمیونسٹ تحریک کا جھنڈا بن گیا۔

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہندستان میں پہلا لال جھنڈا یکم مئی ۱۹۲۳ء میں لہرایا گیا تھا۔ مدراس کے مشہور مزدور لیڈر کان پور سازش کیس کے خاص ملزم منگورا ویلو چیٹیار نے اپنی لڑکی کی لال ساڑی پھاڑ کر مدراس میں واقع اپنے ذاتی مکان پر لال جھنڈا اڑایا تھا اور وہ بھی یکم مئی تھا۔ اس دن مدراس کے سمندری ساحل پر پہلا یوم مئی منایا گیا تھا اور وہیں سے یہ نعرہ بلند ہوا تھا: "یوم مئی زندہ باد، لال جھنڈا زندہ باد"۔ اس تصور سے مزید حیرت ہوتی ہے کہ ۱۹۲۶ء کے یوم مئی میں امرتسر کے سکھ مشنری کالج کے صحن میں پہلی بار ہنسوا ہتھوڑا سمیت لال جھنڈا ہندستان میں لہرایا گیا۔ ۱۹۲۷ء میں جب ملک گیر سطح پر پہلی بار بڑے پیمانے پر یوم مئی منایا گیا اس وقت "گنس بانی" کے یوم مئی نمبر میں بنگال کے باغی شاعر قاضی نذرالاسلام نے اپنی نظم میں لکھا تھا:

"لہراؤ لہراؤ لال نشان
ہاؤ ہاؤ احمریں پرچم"

اس کے بعد سے رفتہ رفتہ لال جھنڈے کا استعمال بڑھتا گیا اور یہ پورے ہندستان میں محنت کش عوام، مزدوروں اور کسانوں کی تحریک میں استعمال ہونے لگا۔

ترقی پسند تحریک اور بنگال کا اُردو ادب

• ڈاکٹر جاوید نہال

اس صدی کی تیسری دہائی کے آغاز تک اردو ادب "معزوضۂ عشق" کے تصوراتی گرد و پیش اور جنسی تلذذ کے خیالی بوستان کی چہار دیواری میں سمٹا سکڑا رہا۔ اردو ادب کا زندگی کے حقائق کے ساتھ گہرا رشتہ قائم نہ ہو پایا تھا۔ اردو شاعری بھی اسی نہج پر چل رہی تھی۔ داستانوں کے ریراز لکھے جانے والے افسانوں میں بھی عشق و معاشقے ہی حاوی رہے۔ زندگی کا ایک ہی رخ ہی سامنے آیا۔ زیادہ سے زیادہ کہنہ روایات کے عین مطابق معاشرے میں اصلاح لانے کی کوشش کی گئی مگر معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی وجوہ جاننے کی کسی فنکار نے کوشش بھی نہیں کی۔ پہلی برائیوں کی وجوہ کی جستجو کی شعوری کوشش غالب کے یہاں ملتی ہے جس کی خلاقانہ خداداد صلاحیت اسے پرانی شاعری اور شاعری کی روایات سے انحراف و بغاوت کرنے کیلئے مجبور کرتی ہے۔ وہ نئی جہتوں کی تلاش میں منزل کی جانب رواں دواں ہوتی ہے۔ پہلی بار شاعری کے محدود چوکھٹے کے اندر زندگی کے روشن اور تاریک پہلوؤں، عوامی حیثیت اور نت نئے تقاضوں کو سمونے کی تڑپ غالب کے دل میں پیدا ہوئی ورنہ غالب کے بعد بھی بہت دنوں تک اقبال کی تخلیق سے پہلے ہمارا اردو ادب روایات کی زنجیروں سے جکڑا رہا۔ عشق خیال کی رنگین وادی میں بھٹکتا رہا۔ غلامی اور بے بسی کا تلخ احساس بھی مصلحت کوشی کی بھاری چٹانوں تلے دبا رہا۔

دراصل ہمارا اردو ادب ۱۹۲۴ء کے بعد ہی نئے موڑ میں داخل ہوا۔ اس وقت بے حس قوم کے اندر آزادی کا احساس پیدا ہو چکا تھا۔ اقبال کی نظمیں بیداری کی لہر کو تیز کر سکیں۔ اقبال کی انقلاب آفریں نظمیں اور ان کے ہم عصر حساس شاعروں کی تخلیقات واقعی "بانگِ درا" بن رہی تھیں۔ محکوم اور غلام قوم کے لئے اقبال اور دوسرے شاعروں کی ترقی پسند تخلیقات کا نئی نسل کے شعراء نے گہرا اثر قبول کیا۔ دوسری طرف انڈین نیشنل کانگریس اور دوسری سیاسی جماعتیں بے حس قوم میں نئی روح پھونک رہی تھیں۔ سیاسی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ایوانِ برطانیہ زلزلے کی دھمک سے لرزنے لگا تھا۔ اس کے کنگورے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے تھے۔ ۱۹۳۴ء سے پہلے اردو ادب داستانوں اور افسانوں کا ادب تھا۔ باغ و بہار، فسانۂ عجائب، قصہ حاتم طائی، اور بوستانِ خیال کی داستانیں طلسماتی اور مافوق الفطرت فضا اور کرداروں کے سہارے لوگوں کو حیرت زدہ بنا رہی تھیں۔ ادب زندگی سے بے تعلق رہا۔ یہ داستانیں دل بہلانے کی خاطر اور لوگوں کو مفروضۂ عشق کی رنگین دنیا میں بھٹکانے کے مقصد کے تحت لکھی اور لکھوائی گئی تھیں۔ اردو کے ادیب اور شاعر ایک ہی خط پر چل رہے تھے۔ لکیر کے فقیر بنے ہوئے تھے۔ ان کی عشق کی کسوٹی جنسی لذت اور نفس پروری تھی۔ اس سے آگے "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" کی جستجو انکی نظر میں بے معنی تھی۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے ہمارے فن کاروں نے عمداً آنکھیں موند لی تھیں۔

ملک میں سیاسی جماعتوں کی وجہ سے قومی بیداری کی لہر تیز ہو گئی تھی۔ اس قومی لہر کا دانشور طبقہ نے بھی گہرا اثر قبول کیا تھا اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد جرمنی پھر ایک طاقت ور ملک بن گیا تھا اور اس صدی کی تیسری دہائی میں جب ہٹلر نے نازی حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کی قیادت میں فسطائیت زبردست طاقت بن گئی تھی۔ جرمن قوم کی برتری اور افضلیت کا تصور ابھرا اور اسی جذبے کے فروغ کے نتیجے میں ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی تو دنیا تباہی و بربادی کی آگ میں جلنے لگی۔ فسطائی اور نو آبادیاتی طاقتوں کے خلاف تمام محکوم ممالک میں بیداری کی لہر چل پڑی تھی۔ ہٹلر کی شکست کے بعد اس تحریک نے شدت اختیار کر لی اور اکثر ممالک کے غیور اور بہادر عوام نے غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالیں۔

فسطائیت، آمریت اور نو آبادیاتی نظام کو مٹانے کی عالمگیر تحریک سے سب سے پہلے وہ ذہین اور جوشیلے ہندستانی طلبہ متاثر ہوئے جو یورپ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک کو تقویت پہنچانے کی غرض سے ادب میں بھی انقلاب برپا کرنے کی تحریک چلائی۔ ان طلبا میں سجاد ظہیر، ملک راج آنند اور پرمود سین گپتا پیش پیش تھے۔ انکی مسلسل جد و جہد اور کاوش کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ترقی پسند تحریک کی داغ بیل پڑی۔ ۱۹۳۵ء میں لندن میں ترقی پسند تحریک کی ابتدا ہوئی۔ ہندوستانی انجمن ترقی پسند مصنفین کا قیام عمل میں آیا۔ ادیبوں اور شاعروں کی اس انجمن نے اردو ادب کے دھاروں کا رُخ موڑ دیا۔ ادب خیالی وادیوں سے نکل کر ان شہروں، بستیوں اور قریوں میں آیا جہاں زندگی تمام تر خوبصورتیوں اور بدصورتیوں کے ساتھ جلوہ کناں تھی۔ سجاد ظہیر، ملک راج آنند اور دین محمد تاثیر کی جہدِ مسلسل کی وجہ سے ہندستان میں انجمن ترقی پسند مصنفین ۱۹۳۵ء میں قائم ہوئی۔ "انگارے" کی اشاعت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔

ترقی پسند ادب عوام میں مقبول ہو گیا۔ ۱۹۳۶ء میں انجمن ہٰذا کی دوروزہ کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی جس کی صدارت اردو کے سب سے بڑے افسانہ نگار منشی پریم چند نے ادب سے متعلق اپنے نظریات و خیالات کا اظہار یوں کیا:

"ہماری کسوٹی پر وہ ادب پورا اترے گا جس میں فکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو جو ہم میں حرارت، جوش، آتشاہ اور اضطراب پیدا کر دے، سلائے نہیں کیونکہ اب زیادہ سونا موت کی علامت ہوگی۔"

انجمن ترقی پسند مصنفین کے ساتھ ہی ہمارے ادب کی بیند ٹوٹ چکی تھی۔ زندگی کی علامتیں اس میں نمایاں ہونے لگی تھیں اور رفتہ رفتہ ملک میں ترقی پسند تحریک اپنا سکہ بٹھانے لگی تھی۔

جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ہر تحریک کی ابتدا میں مخالفت شدید ہوتی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں ادب میں انقلاب کی بھی شدت کے ساتھ مخالفت شروع ہوئی۔ جاگیردار اور بورژوا طبقہ نے طوفان سے سر اٹھا تھا۔ یہی طبقہ نئے ادب کا کٹر مخالف بن گیا۔ ترقی پسند تحریک کی بالواسطہ ضربیں جاگیردارانہ نظام کو کمزور کرتی جا رہی تھیں۔ جاگیردارانہ اور بورژوا نظام کی اونچی دیواریں ہوا کا رُخ نہ موڑ سکیں۔ اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ ایک جمہوری اور غیر طبقاتی نظام کی تشکیل و تعمیر میں دانشوروں، فن کاروں اور ترقی پسند سیاسی رہنماؤں کے ساتھ عوام کی زبردست طاقت تھی۔ فرسودہ کہنہ نظام کی شکست و ریخت ہوئی۔ سامراجی حکومت کے ایوان میں ترقی پسند تحریک زلزلہ کے روپ میں آئی تھی جس سے ایوانِ شاہی رفتہ رفتہ شکستہ ہوتا گیا۔ ہندستان نے نوآبادیاتی نظام کی بساط الٹ دی اور ہمارے ملک کو سیاسی آزادی حاصل ہو گئی مگر اقتصادی آزادی اور غیر طبقاتی نظام کی جنگ آج بھی جاری ہے۔

اردو زبان و ادب نے جنگِ آزادی کے جیتنے میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اس زبان نے عوام کو "انقلاب زندہ باد" کا جوشیلا نعرہ دیا۔ اس کے ادب کے سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑ کر جگایا۔ اس کے دل میں آزادی کی گرمی اور تڑپ پیدا کی۔ ۱۹۳۶ء سے ترقی پسند تحریک کا ہندستانی ادب پر گہرا اثر مرتب ہونے لگا تھا۔ بنگلا ادب میں انقلاب کی لَے تیز ہو چکی تھی۔ شاعرِ آتش نوا قاضی نذرالاسلام کے باغی گیت عوام کے ذہن کو حکومتِ وقت سے لوہا لینے کو تیار کر چکے تھے۔ "بدروہی" نے تہلکہ مچا دیا تھا۔ رابندرناتھ کی "گیتانجلی" نے "سیاسی شعور" میں پختگی پیدا کر دی تھی۔ مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ۱۹۴۴ء تک ترقی پسند تحریک اس ریاست کے اردو ادیبوں، شاعروں کو قطعی متاثر نہ کر سکی تھی۔ شاعری نفس پروری اور جنسی تلذذ کا سرچشمہ بنی رہی۔ ہمارے شاعر مفروضہ دلآویز پیکر تراشتے رہے تھے باغی شاعر کے انقلابی گیتوں اور اقبال کی انقلابی نظموں کا انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ ایسا غالباً اس لئے ہوا کہ اردو کے فنکار جن کی اکثریت ملازمت اور سرکاری درسگاہوں سے وابستہ تھی، انقلاب کی باتیں شعر و ادب میں کرنا جرم تصور کرتے تھے۔ یہ فنکار مخلص اور نڈر نہیں تھے۔ اپنی ملازمت اور ترقی کی خاطر اپنے احساسات کا گلا بھی گھونٹ رہے تھے۔ یہ ترقی پسند تحریک سے دور رہے اور ترقی پسند ادب انکی نظر میں ادب نہیں تھا، تخریب کاری تھا۔ انکی فرسودہ تہذیب اور روایاتِ کہنہ اور غلام ذہن کی پیداوار ادب کے لئے گالی تھا۔ انہیں اپنے مقصد میں عارضی کامیابی بھی ہوئی۔ دس سال تک نئی نسل کو گمراہ کرتے رہے۔ ترقی پسند ادب سے انہیں دور رکھنے

میں کامیاب ہوئے مگر ۱۹۴۴ء میں اردو ادب کے افق پر بھی باغی
ستارے جھلملانے لگے۔ ترقی پسند اور باغی شاعر اردو شاعری کے
ایوان میں ہمارے بند پھاٹکوں کو آندھی آندھی کی طرح توڑ کر گھس آیا۔ یہ
جوشیلا شاعر پرویز شاہدی تھا جس کی قیادت میں چھوٹا سا ترقی پسند
کارواں منزل کی جانب رواں دواں ہوا۔ ترقی پسند تحریک کی آندھی اٹھ
چکی تھی۔ روایات کی بوسیدہ اور کہنہ دیواریں دھڑام سے زمین پر آرہیں۔
ترقی پسند تحریک اور نئے ادب کے مخالفین و معترضین منہ تکتے
رہے۔ اپنی شکست پر تلملاتے رہے اور نئی جہت کی طرف ادب کے
دھارے کو بڑھتے دیکھ کر غلامانہ ذہنیت کے مالک نام نہاد فن
کاروں نے سمجھوتہ کر لیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ ترقی پسند ادبا و شعرا
کے کارواں کے رستے سے ہٹ گئے۔ ترقی پسند تحریک نئی نسل پر
چھا گئی۔ نئے ادب کی افادیت و اہمیت کا اردو طبقہ قائل ہوا۔
نئی نسل معترضین و مخالفین کے بہکاوے میں نہیں آئی۔ ادب
برائے ادب کی بساط تہہ ہو چکی تھی۔ حساس شاعر و ادیب ٹوٹ
ٹوٹ کر ترقی پسندوں کے قافلے میں شامل ہوتے گئے۔ تحریک آگے
بڑھتی گئی اور ترقی پسند تحریک کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔ ترقی
پسند ادب مقبول انام ہوا۔ یہ کامرانی دراصل پرویز شاہدی مرحوم
کی ذہنی قیادت میں حاصل ہوئی۔

پرویز شاہدی مرحوم کا تعلق جاگیردارانہ نظام سے تھا مگر
اوائل عمر ہی سے جاگیردارانہ نظام کی برائیوں اور لعنتوں کے خلاف
ان کے دل میں نفرت کا لاوا اُبلتا رہا تھا۔ طبقاتی نظام کی بیخ کنی
کی جنگ میں لاشعوری طور پر وہ شریک ہو چکے تھے۔ وہ بے حد
ذہین اور حساس تھے اور حساس شاعر عوام سے رشتہ ناطہ خود
بخود جوڑ لیتا ہے۔ پرویز کا رشتہ بھی محنت کش عوام سے جڑ چکا
تھا۔ اپنے عیش کوش ماحول سے انہوں نے بغاوت کی۔ آبائی گھر چھوڑا
اور پٹنہ سے بھاگ کر انہوں نے بنگال کی باغی سرزمین میں پناہ لی۔

یہ وہ سرزمین ہے جس نے کھودی رام بوس، بنوئے، بادل
اور دینیش جیسے انقلابی پیدا کئے۔ یہ دلیش بندھو اور نیتاجی سبھاش
چندر بوس کی سرزمین ہے یہاں کے انقلابیوں کی قربانی عوام میں
نیا جوش ابھار رہی تھی ترقی پسند تحریک مقبول ہو چکی تھی۔ بنگلہ ادب

طبقاتی نظام کے خلاف جنگ میں شدت پیدا کر رہا تھا۔

پرویز شاہدی کی رہنمائی میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے
ترقی پسند تحریک کا گہرا اثر قبول کیا۔ ایسی نئی تحریک سے ان کا رشتہ
گہرا ہو چکا تھا اور ۱۹۴۵ء میں پہلی بار کلکتہ میں ادب برائے ادب
کو نئی نسل کے فنکاروں نے جزدان میں بند کر دیا۔ پرویز شاہدی،
یونس احمر، ناظر الحسینی، انور عظیم، انسر ماہ پوری، نشاط الایمان،
یعقوب عارف مرحوم، شریف چکوالی، سالک لکھنوی، مظہر انصاری،
ابراہیم ہوش، فاتح فرخ نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی داغ بیل ڈالی
تھی۔ راقم السطور نے بھی اس انجمن سے رشتہ قائم کیا تھا اور جب
۱۹۴۷ء میں ہندستان کی تقسیم سے پہلے اور بعد فسادات کے خوفناک
شعلوں میں شہر جل گیا تھا اور سرمایہ دار طبقہ ہندوؤں اور مسلمانوں
کے درمیان منافرت کی اونچی دیوار کھڑی کر دی تھی تو ترقی پسند سیاسی
پارٹیوں کے جوشیلے رضا کاروں اور ترقی پسند فنکاروں نے اس دیوار
پر ضربیں لگائیں، اس کی شکست و ریخت کا عمل تیز کیا اور بنگال
میں فرقہ وارانہ فسادات کی زہریلی آندھیوں کا رُخ موڑنے میں رفتہ
رفتہ کامیاب ہوئے تھے۔

"فرقہ پرست قوت" کالے ناگ کی طرح مشترکہ تہذیب و کلچر کو
نگلنے کی فکر میں تھی۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہندو، سکھ اور مسلمان
ادبا و شعرا نے اس کالے ناگ کے پھن کو کچل دیا۔ انجمن ترقی پسند
مصنفین کی باضابطہ تشکیل ہوئی اور پنجابیان کلب (موزکن اسٹریٹ)
کے پہلے جلسے میں پرویز شاہدی کی جدوجہد سے اس کا قیام عمل میں آیا۔
سالک لکھنوی پہلے سکریٹری مقرر کئے گئے جو حسن و خوبی اپنے فرائض
انجام دیتے رہے۔ پھر یہ ذمہ داری مظہر انصاری کے نحیف کاندھوں
پر دھری گئی۔ مظہر انصاری دو تین سال تک اپنی ذمہ داریاں نبھاتے
رہے۔ مظہر انصاری متحرک اور فعال سکریٹری ثابت ہوئے اور ان
کی بے لوث تگ و دو کی وجہ سے انجمن ہٰذا کی نشستیں باضابطہ پندرہ
دنوں کے اندر ہوتی رہیں اور نئی نسل کے ابھرتے ہوئے ترقی پسند
ادیبوں اور شاعروں کو اپنی تخلیقات سنانے اور سنوارنے کا
موقع ملا۔ اردو ادب نے ترقی پسند تحریک کے ساتھ اپنا گہرا رشتہ قائم
کر لیا تھا جو یہاں کے ادب کے لئے نیک فال ثابت ہوا۔

ترقی پسند تحریک کو فعال بنانے میں ابراہیم ہوش، مصطر حیدری، اویس احمد دوراں، اشک امرتسری اور وکیل اختر کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی داغ بیل پرویز شاہدی کی قیام گاہ اور سرکس رینج میں رکھی گئی تھی۔ سوترکن اسٹریٹ میں یہ پرواں چڑھی اور تحریک بنگال کی اردو شاعری اور افسانہ نگاری کو نئی ترقی پسند جہت کی طرف لے جانے میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔ پرویز شاہدی اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے لئے گرفتار کر لئے گئے۔ ہندستانی کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین سے وابستہ بعض شاعروں نے غداری کی تھی اور ان کی ایماء پر ہی پرویز شاہدی جیل کی سلاخوں کے اندر ڈال دئے گئے تھے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین روکھڑانے لگی۔ ادبی نشستیں باقاعدگی سے نہیں ہو پا رہی تھیں۔ اس کے اراکین کی صف بے ترتیب ہو چکی تھی بعض ناگوار واقعات کے تناظر میں منظر الصاری نے استعفیٰ دے دیا۔ ان کی جگہ منظر امام اس کے سکریٹری مقرر کئے گئے اور رفتہ رفتہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی نبض ڈوبتی چلی گئی جو سیلا ساتھی انور عظیم "استقلال" روزنامہ کے بند ہونے پر کلکتہ چھوڑ کر جا چکا تھا۔ انجمن ہٰذا کی سرگرمیوں پر اوس پڑ چکی تھی۔ بعض اردو صحافیوں نے بھی پرویز شاہدی کے زیر اثر انجمن سے رشتہ جوڑا لیکن فائدہ بھی کم ہی ثابت ہوا۔ چنانچہ ان حالات کے پس منظر میں انجمن ترقی پسند مصنفین باقی نہیں رہی مگر ترقی پسند تحریک کا اردو ادب پر گہرا اثر مرتب ہو چکا تھا اور بنگال کے فنکاروں کی تخلیقات پر آج بھی اس تحریک کا اثر نمایاں ہے۔

دراصل بنگال کے ترقی پسند فنکار آج بھی ان کے جلائے ہوئے چراغ کی روشنی میں ادب کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔ آج بھی ترقی پسند نسل مغربی ادب کے ان ہم نواؤں کی مزاحمت کر رہی ہے جو ترقی پسند تحریک اور ادب کو بے وقت کی شہنائی کا الزام تھوپ کر اپنے رجعت پسند ادب کی وساطت سے ذہنی یاس اور فرسٹریشن (FRUSTRATION) پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اردو ادب کو ذات کا کرب، تنہائی کا کرب اور یاسیت کا ترجمان بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ

اس ادب کے کئی علمبردار بدل گئے ہیں۔ ایسا ہو گئے ہیں اور آج بھی بنگال میں ترقی پسند شعر و ادب زندہ ہے نہ صرف زندہ ہے بلکہ توانا اور طاقت ور ہے اور غیر طبقاتی نظام کی تشکیل و تعمیر کی خاطر رجعت پسند جدیدیت سے نبرد آزما ہے۔

ایسے ادباء و شعراء کی فہرست بہت طویل نہیں تو مختصر بھی نہیں ہے۔ ان میں سالک لکھنوی، اعزاز افضل، ڈاکٹر عبدالرؤف، قیصر شمیم، علقمہ شبلی، شمیم انور، ناظم سلطان پوری، نصر غزالی، عین رشید، سہیل واسطی، شہود عالم آفاقی، ولی رضوی، انجم عظیم آبادی، منور رانا، یوسف تقی اور مصطفےٰ اکبر اور نثر نگاروں میں کامریڈ محمد امین، سالک لکھنوی، ڈاکٹر عبدالرؤف، یوسف تقی، ایم اے نصر، فیروز عابد، نشاط الایمان، شمس صابری، ابوبکر جیلانی، ظہیر انور، کمال احمد اور جاوید نہال کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغربی بنگال میں انیس رفیع کی کہانیاں "پولیتھین کی دیوار"، "سوتاڑ" اور "بوجھ"، نشاط الایمان کی کہانی "جوٹھا"، اسرائیل کی کہانی "پتھر کی آنکھ"، جاوید نہال کی "نیم کارس"، "منی شیش محل"، "چاند پر لہو" اور "خوابوں کے شہر میں"، فیروز عابد کی "اندھی گلی میں صبح" ترقی پسند ادب کی ترجمان ہیں۔

اشک امرتسری نے عوامی زندگی کے اپنی شاعری کے لئے مواد جمع کیا، ان کی شاعری نظیر اکبرآبادی کے نہج پر چلتی رہی۔ نظیر اکبرآبادی سے وہ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ان کی اکثر نظمیں جیسے "ہلہ"، "زردی" وغیرہ عوامی زندگی کی حقیقی تفسیر معلوم ہوتی ہیں۔

ریاست میں اقلیتی فرقوں کے لئے فلاح و بہبود

ریاستی حکومت اقلیتوں کے سماجی۔ معاشی اور تعلیمی مسائل سے واقف ہے اور ان کی حالت کی بہتری کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تیز رفتار سماجی اور معاشی ترقی ہی اقلیتوں کی بامعنی ترقی لا سکتی ہے۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے تمام تر کوششیں کی ہیں اور مرکز کے زیر ضمانت ۱۵ نکاتی پروگرام کے مطابق اقلیتی فرقوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کئی اقدامات کو اس مقصد کے لئے کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا ہے جس کو ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

روزگار کے مواقع کی توسیع : اقلیتی فرقہ کے ایک رکن کو پولس عملہ میں بحالی کے لئے سلیکشن بورڈ میں نیز مغربی بنگال پبلک سروس کمیشن میں رکھا گیا ہے۔ روزگار پر ریاستی کمیٹی اور سب ڈویژنل سطح کی مشاورتی کمیٹی

خود روزگار اسکیمیں : رجسٹرڈ بے روزگاروں کے لئے خود روزگار کے لئے ریاستی حکومت کی اسکیموں سے اقلیتی فرقوں کے ممبران مستفید ہوئے ہیں۔ یہ اسکیمیں متعلق ہیں۔ متحرک تجارت، چھوٹے کاروبار، ٹرانسپورٹ سیکٹر، گھریلو سیکٹر، زراعت اور ان سے منسلک سرگرمیوں سے۔

پیشہ ورانہ تربیت : اقلیتی فرقے کے طالب علموں کیلئے پیشہ ورانہ تربیت دی جا رہی ہے۔ کلکتہ کے مسلم گرلس ہاسٹل میں تربیتی کورس چالو ہے جہاں کمپیوٹر، دستکاری اور الیکٹرانک ٹائپ رائٹر میں تربیت دی جا رہی ہے تاکہ روزگار کے امکانات پیدا کئے جا سکیں اور یہ تربیتی اسکیم ضلع کے دوسرے ہاسٹلوں میں بتدریج چالو کیا جا رہا ہے۔

تعلیم : تعلیم کے میدان میں ریاست نے پسماندہ علاقوں میں اقلیتی فرقوں کا بطور خاص خیال رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ سکول اور تربیتی ادارے قائم کئے ہیں۔ خواندگی پروگرام میں، جسے ریاست کے متعدد اضلاع میں کامیابی کے ساتھ پورا کیا گیا ہے، اقلیتی فرقہ کو لایا گیا ہے اور مسلم لڑکیوں اور عورتوں کو اس پروگرام میں شمولیت کے لئے اقلیتی آبادی والے علاقوں میں خاص طور پر دھیان دیا گیا ہے اور یہ فی الحال ثمر آور رہا ہے۔

اس ریاست میں کافی تعداد میں سینئر مدرسہ، ہائی مدرسہ اور جونیئر مدرسہ ہیں۔ کمیٹی کی سفارشات پر سینئر مدرسہ کے نصاب کو از سر نو تیار کیا گیا ہے اور اب نصاب میں سائنس کے ساتھ عام تعلیم کو شامل کیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت کے شعبۂ تعلیم کے تحت ویسٹ بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو خود مختاری دی گئی ہے جو ہائی مدرسہ، عالم، فاضل وغیرہ کے امتحانات لیتا ہے۔ اس کا صدر دفتر کلکتہ میں ہے۔ سینئر مدرسہ کے اساتذہ، سرکاری امداد یافتہ ہائی اسکولوں کے ملازمین کی طرح تمام سہولتوں سے مستفیض ہوتے ہیں۔

ان کے علاوہ مولانا آزاد کالج کلکتہ میں یو جی سی اسکیم کے تحت کوچنگ کی سہولیات تعلیمی طور پر پسماندہ فرقوں کے امیدواروں کیلئے دستیاب ہیں تاکہ وہ بحالی کے مسابقتی امتحانات میں دوسروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے اہل ہو سکیں۔

اردو زبان و ادب کی حوصلہ افزائی : اس ریاست میں ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے ایک خود مختار اردو اکاڈمی اردو کے کاز کے لئے کام کر رہی ہے اور اردو ادب کے فروغ، اردو کی معیاری نصابی کتابوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں اس کی اہم خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ یہ ممتاز اردو شاعروں اور ادیبوں کو ایوارڈ اور وظیفہ دیتی ہے۔

مسلم لڑکیوں کیلئے ہاسٹلوں کی تعمیر : ریاستی حکومت نے اقلیتی فرقوں کے طالب علموں کے لئے 3 گرلس ہاسٹلوں کی تعمیر کا کام ہاتھ میں لیا ہے۔ کلکتہ، بردوان، برہم پور (مرشد آباد) اور سوری (بیربھوم) میں ۴ ہاسٹلوں کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے جن میں ۵۵۰ مسلم طالبات کی رہائشی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ مناپور میں ہاسٹل زیر تعمیر ہے اور مالدہ اسلام پور اور بشیر ہاٹ (شمالی ۲۴ پرگنہ) میں جلد دیگر ۳ ہاسٹلوں کی تعمیر

(باقی ص ۱۵ پر)

پست ذاتوں اور قبیلوں کی معاشی، ثقافتی اور تعلیمی ترقی کیلئے سرکاری اقدامات

عرصہ دراز سے مغربی بنگال میں اور بطور کل پورے ملک کی شیڈولڈ کاسٹ وشیڈولڈ ٹرائب کی آبادی خصوصاً سماجی، معاشی اور تعلیمی پچھڑے پن کا شکار بنی ہوتی ہے اور اس ریاست اور ملک کے سماجی عوامل میں دوسروں کے ساتھ مساوی طور پر انہیں شامل کرنے کی غرض کے تحت یہ لازمی بنتا ہے کہ انہیں ریاست کے اوسط اشخاص کی سطح تک لانا پڑے گا اور اس سطح لطر کی تکمیل کیلئے حکومت مغربی بنگال شیڈولڈ کاسٹ لوگوں کے واسطے خصوصی کمپونینٹ منصوبوں اور شیڈولڈ ٹرائب افراد کے واسطے قبائلی ذیلی منصوبہ کے ذریعہ ان شیڈولڈ کاسٹ/شیڈولڈ ٹرائب افراد کی ترقی کے سلسلے میں خصوصی تعلیمی، معاشی اور ثقافتی سہولتیں دیتی رہی ہے۔

جہاں تک معاشی حالات کی بہتری کا تعلق ہے زمیں اب بھی مغربی بنگال اور ہندوستان کی کثیر دیہی آبادی کا بنیادی معاشی وسیلہ ہے اصلاحات آراضی پر عمل درآمد سے مغربی بنگال کے غریب اور زمین سے محروم لوگ خصوصاً شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے افراد مستفیض ہوئے۔ اس سے مغربی بنگال کے دیہی منظر نامہ میں ایک زبردست انقلاب برپا کیا اور دیگر غریب اشخاص کے ساتھ ساتھ شیڈولڈ کاسٹ/شیڈولڈ ٹرائب کے افراد اب گاؤں کے امور میں کچھ کہنے کی حیثیت کے مالک بن گئے ہیں یعنی گاؤں کے معاملے میں ان کی باتوں کو اب اہمیت دی جانے لگی ہے۔ پنچایتوں میں ریزرویشن کی قانونی گنجائشوں سے قبل سہ درجہ پنچایتوں میں نشستوں کی ایک کثیر تعداد پر ایس ٹی/ایس سی کے افراد کا تسلط ہوا کرتا تھا اور قانونی گنجائش کے بعد قانونی گنجائش سے تجاوز کرنے والی مذکورہ نشستوں کی ایک کثیر تعداد پر ایس سی/ایس ٹی کے اشخاص قابض ہوتے رہے ہیں۔ اصلاحات آراضی اور اس ریاست میں جمہوری تحریک کا راہ راست اثر نہیں ہوا ہے۔

حکومت مغربی بنگال صحت عامہ، تعلیم، کارہائے عامہ، پانی سپلائی، رہائش، دیہی ترقیات وغیرہ وغیرہ جیسی تقریباً تمام شعبوں کی ان کی اپنی اپنی بجٹ گنجائشوں میں خصوصی کمپونینٹ منصوبہ اور قبائلی ذیلی منصوبہ کی فراہمی کرتا رہا ہے اور یہ ایس سیز اور ایس ٹیز کیلئے مختلف متعدد فلاحی پروگراموں کو روبہ عمل لاتی رہی ہے۔ ایس سی اور ایس ٹی ڈبلیو کو یہ خصوصی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ مذکورہ علاقے میں واقع دیگر شعبوں کی سرگرمیوں کو ایس سیز اور ایس ٹیز کے فائدہ کے لئے کارگر بنائیں۔ لہٰذا بحیثیت کل اس ریاست کیلئے ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران کل ایس سی پی اور ٹی ایس پی ۹۵ر۱۶۷ کروڑ روپئے اور ۲۲ر۶۴ کروڑ روپئے بالترتیب ہوتے ہیں۔ اس میں ایس سیز کے لئے ۱۲۶.۰۶ کروڑ روپئے اور ایس ٹیز کے لئے ۹.۰۷ کروڑ روپئے شامل ہیں اور ایسے ایس سی پی اور ٹی ایس پی بالترتیب کے طور پر شعبۂ ایس سی اور ٹی ڈبلیو کے ذریعہ مصرف میں لایا جائے گا۔ ایس سی اور ٹی ڈبلیو کے شعبہ کی فلاحی سرگرمیوں میں واضح طور پر مندرجہ ذیل امور شامل ہیں :

(i) ایس سی/ایس ٹی سے تعلق رکھنے والے طلبہ فرقہ کی فلاح۔

(ii) ایس سیز اور ایس ٹیز سے تعلق رکھنے والے اشخاص کی معاشی فلاح۔

(iii) ایس سیز اور ایس ٹیز کے درمیان گوناگوں ثقافتی سرگرمیوں کی ترقی۔

(iv) ایس سی اور ایس ٹی کی آبادی کے لحاظ سے اکثریت والے علاقوں میں انفرا اسٹرکچرل ترقی۔

سال	اشیاء	رقم	تعداد	
۱۹۹۳-۹۴ء	کتاب کیلئے عطیات اور امتحان کی فیس	۳۴ر۷ کروڑ روپئے	۸۰۹۲۰۸	ایس سیز
〃 〃	〃 〃 〃	۸۵ر۹۹ لاکھ روپئے	۱۰۵۶۸۶	ایس ٹیز
۱۹۹۳-۹۴ء	غریب ایس سی/ایس ٹی طلباء کیلئے نان ونفقہ کے اخراجات	۲۳ر۲ کروڑ روپئے	۷۴۷۹۰	ایس سیز
〃 〃	〃 〃 〃	۲۲ر۱ کروڑ روپئے	۴۰۹۴۹	ایس ٹیز
۱۹۹۳-۹۴ء	ثانوی طلبہ کے لئے ہاسٹل کے اخراجات	۱۵ر۴ کروڑ روپئے	۲۸۴۲۵	ایس سیز
〃 〃	〃 〃 〃	۴۴ر۳ کروڑ روپئے	۲۱۱۵۸	ایس ٹیز
۱۹۹۲-۹۳ء	لازمی اخراجات	۵۴ر۸ لاکھ روپئے	۵۲۳۲۷	ایس ٹیز
۱۹۹۳-۹۴ء	بعد از میٹرک وظیفہ	۴۲ر۷ کروڑ روپئے	۸۱۷۶۹	ایس سیز
〃 〃	〃 〃 〃	۱۲ر۸۲ لاکھ روپئے	۶۲۸۷	ایس ٹیز
۱۹۹۳-۹۴ء	آشرم ہوسٹل سہولتیں	۱۰ر۱ کروڑ روپئے	۵۲۶۵	ایس سی = ۱۹۹۰ ایس ٹی = ۳۲۷۵

مذکورہ بالا تعلیمی اسکیموں کے علاوہ ۱۹۸۸ء کے دوران ایس سی/ایس ٹی کے ہونہار طلبہ کی ہمت افزائی کے لئے خصوصی تعلیمی انپٹ کی ایک خصوصی لیاقتی وظیفاتی اسکیم رائج کی گئی ہے۔ ہاسٹل میں مقیم ہر ایک ہونہار ایس سی/ایس ٹی طلباء کو ہر ماہ ۵۰۰ روپئے اور ڈے اسکالروں کو ہر ماہ ۱۵۰ روپئے دئے گئے ہیں۔ ۱۹۹۴-۹۵ء کے دوران ضلع سطح پر مذکورہ لیاقتی وظیفہ یافتگان کی کل تعداد ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

درجہ نہم ــــــــــــ ایس سی۔ ۱۰۰
ایس ٹی۔ ۵۰

درجہ دہم ــــــــــــ ایس سی۔ ۱۰۰
ایس ٹی۔ ۵۰

درجہ یازدہم ــــــــــــ ایس سی۔ ۲۳۰
ایس ٹی۔ ۱۲۰

درجہ دوازدہم ــــــــــــ ایس سی۔ ۱۰۰
ایس ٹی۔ ۵۰

حکومتِ مغربی بنگال کے پاس "سنٹرل ہوسٹلس" کی تعمیر اور انہیں چلانے کے لئے ایک پروگرام ہے۔ "سنٹرل ہوسٹلس" ہم لوگ ایسے ہوسٹل کو کہیں گے جو کسی مخصوص ادارہ سے متصل نہ ہو لیکن اس کا انتظام مرکزی طور پر ریاستی حکومت کے ذمہ ہو اور اس میں مختلف اداروں کے طلباء سکونت اختیار کریں۔ مرکزی ہوسٹلوں کی تازہ ترین تفصیلات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

الف): ہوسٹلس جو چل رہے ہیں ــــــــــــ لڑکیاں = ۶
لڑکے = ۳

ب): تکمیل شدہ / تکمیل کے قریب ہوسٹلس ــــــــــــ لڑکیاں = ۴
لڑکے = صفر

پ): زیر تعمیر ہوسٹلس ــــــــــــ لڑکیاں = ۴
لڑکے = ۲

ت): وہ ہوسٹلس جنہیں منظوری مل گئی ہے ــــــــــــ لڑکیاں = ۱۸
لڑکے = ۱۲

۱۹۹۳-۹۴ء تک ۵۸ ہوسٹلوں کی تعمیر کے لئے ۷۲۹۹۵۸۸ روپئے منظور ہوئے۔ تمام ہوسٹلوں کی تکمیل کے بعد ان میں مقیم ہونے والے افراد کی کل تعداد ۴۳۵۴ ہوگی۔ علاوہ ازیں حکومت مغربی بنگال ضلع مدناپور کے بیل پہاڑی میں قبائلی لڑکیوں کے لئے ایک رہائشی

اسکول جس میں ۳۶۰ افراد کی رہائشی گنجائش ہے چلا رہی ہے۔ ملازمت کی حصولی کے سلسلے میں مختلف مقابلے کے امتحانات میں بیٹھنے کے لئے ایس سی/ایس ٹی امیدواروں کو تعاون دینے کی غرض سے حکومت مغربی بنگال مولانا آزاد کالج کلکتہ، اور آنند اچندرا کالج جلپائی گوڑی میں قبل از امتحان تربیتی مرکز چلا رہی ہے۔ مولانا آزاد کالج کلکتہ مرکز میں ۴۰ مذکورہ اور آنند اچندرا کالج جلپائی گوڑی مرکز میں ۵۰ مذکورہ افراد کو ہر سال مغربی بنگال سیول سروس کی تربیت دی جاتی ہے۔ سالٹ لیک میں بھی ایک قبل از امتحان تربیتی مرکز قائم ہے جہاں کلریکل اور منسٹیریل سروسز ریکروٹمنٹ امتحانات میں بیٹھنے کے لئے امیدواروں کو تربیت دی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں صرفی کمرشیل کالج، کلکتہ میں بھی ایک شارٹ ہینڈ تربیتی انسٹی ٹیوٹ ہے جہاں ہر سال ۶۰ امیدواروں کو شارٹ ہینڈ کی تربیت دی جاتی ہے۔

مذکورہ شعبہ چمڑے کے جوتے، سناری، ریشم ساری، تسر، درزی وغیرہ جیسے مختلف پیشوں سے منسلک ۶۲ تربیتی و پیداواری مراکز چلاتا ہے۔ تربیت پانے والے ڈے اسکالرس ہیں اور انہیں ۱۵۰ روپئے ہر ماہ بطور تربیت بھتہ دیا جاتا ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب رفاہ شعبہ بادار ایس سی/ایس ٹی خاندانوں سے تعلق رکھنے والے مستفیض ہونے والوں کو وسط مدتی قرض کی میعاد پر سرمایہ فراہم کرکے صبلی اور سینیٹ ـ واتی اسکیموں پر عمل درآمد کرتا چلا آرہا ہے۔ ہر ایک مستفیض ہونے والے کے لئے رقم سرمایہ کا ۵۰ فیصد بشرطیکہ زیادہ سے زیادہ رقم ۵ ہر بطور امداد دی جاتی ہے۔ سرمایہ کا ۲ فیصد بطور رقم قرض دیا جاتا ہے اور باقی رقم بطور قرض بینک دیتے ہیں مغربی بنگال شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب ترقیات اور مالی کارپوریشن ہی مذکورہ اسکیموں کو روبہ عمل لاتے ہیں۔ ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران مذکورہ کارپوریشن نے کام کرنا شروع کردیا ہے شیڈولڈ کاسٹ کی گرفت میں لائے گئے مستفیض ہونے والوں کی تازہ ترین عمومی تعداد ۸۵۹۳۴۵ ہے انہیں فراہم کئے گئے کل سرمایہ کی رقم ۹۲۵۷۲۳۹ روپئے ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا مدت کے دوران شیڈولڈ ٹرائب لوگوں کی کل تعداد ۲۲۳۸۷ ہوتی ہے اور انہیں فراہم کئے گئے کل سرمایہ کی رقم ۹۶۱۵۶۲۷۵۲ روپئے ہوتی۔ مذکورہ بالا مدت کے دوران مختصر مدتی فوائد کی شکل میں ایس سی کے

۷۸۰۶۱ افراد ۵۹۲۶۹۶۷۶۸ روپئے سے مستفیض ہوئے مختصر مدتی طور پر مستفیض ہونے والے شیڈولڈ ٹرائب اشخاص کے مطابق عدد ۱۷۲۴۳۳ ہوتے ہیں اور رقم ۱۸۸۹۲۳۶۵۴ روپئے (سرمایہ) ہوتی ہے۔

قبائلی افراد کی انجمن امداد باہمی کی معاشی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے کے لئے ۱۱۶ بڑی جسامت والے کثیر المقاصد انجمانِ امداد باہمی کام کرتے ہیں مذکورہ انجمنیں "سال" کے بیجوں اور کیندو کے پتوں کے جمع کرنے اور انہیں بازار میں فروخت کرنے اور جنگل میں مختلف قسم کی جسمانی سرگرمیوں میں مشغول رہتی ہیں۔ مذکورہ انجمنوں کی سرگرمیوں نے قبائلی لوگوں کو اس قابل بنا ڈالا ہے کہ انہوں نے "سال" کے پتوں کو جمع کرکے اپنی یومیہ اجرت کو ۱۰ روپئے سے بڑھا کر ۴۰ روپئے کر ڈالا ہے۔ مذکورہ انجمنوں نے قبائلی لوگوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۷ء کے دوران ۱۰۰ کیندو کے پتے ۱۵ پیسے کے حساب سے فروخت کئے، ۱۹۸۹ء کے دوران ۱۰۰ کیندو کے پتے ۲۵ پیسے کے حساب سے فروخت کئے اور بالآخر ۱۹۹۰ء کے دوران ۱۰۰ کیندو کے پتے ۵۰ پیسے کے حساب سے فروخت کئے۔ اس طرح روز بروز انہوں نے اپنی آمدنی میں اضافہ کیا۔ کیندو کے پتے جمع کرکے قبائلی لوگ ایک کروڑ روپئے سالانہ سے زائد پا رہے ہیں۔ مذکورہ انجمنوں نے حال ہی میں خود کو پتھر توڑنے، چھوٹی آبپاشی وغیرہ جیسی کمیونٹی انٹرپرائزز میں مشغول رکھا ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب رفاہ شعبہ ایس سی/ایس ٹی کے گھنی آبادی والے علاقوں میں اضافی انفرااسٹرکچرس قائم کرنے کے کاموں میں مشغول رہا ہے اور ۹۰-۱۹۸۹ء سے اس شعبہ نے ۱۷۴۳ دیہی سڑکیں، ۱۶۳ پل، ۱۸۸ ربن دور نالیاں، ۱۰۰ اعداد اسکول کی عمارتیں تعمیر کرنے کے کام میں ۲۷ر۱۳ کروڑ روپئے خرچ کیا ہے۔

ثقافتی میدان میں ۱۹۸۰ء سے ایس سی اور ٹی ـ ڈبلیو شعبہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لوک ثقافت کی ہمت افزائی کرتا چلا آرہا ہے۔ اچھی خاصی قبائلی والے اضلاع میں ہل اور دیگر قبائلی تہواروں کے انعقاد میں ریاستی حکومت مالی امداد فراہم کرتی چلی آرہی ہے۔ فن، ادب، موسیقی، ڈرامہ وغیرہ سے تعلق رکھنے والے قبائلی فرقہ کے مایہ ناز ہستیوں کو ہر سال گوفی جان سمبر دھنا

تہواروں کے دوران اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں سے اس ریاست میں قبائلی لوگوں کو ان کی زبان اور ان کے فنِ ڈراما نگاری کے فروغ کے سلسلے میں تعاون دینے کے لئے قبائلی زبانوں میں ریاستی اور ضلع سطح پر ایک ایکٹ ڈراموں کے مقابلہ کا انعقاد کیا جاتا رہا ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء کے بعد قبائلی موسیقی اور رقص کو ترقی و فروغ دینے کی غرض سے اس ریاست کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے چار قبائلی ثقافتی مراکز قائم کیا ہے۔

شمالی بنگال خصوصاً راج بنشیوں کے مقامی لوگوں کا بھاوَیہ نغمہ اعلیٰ روایتی قدروں کا حامل رہا ہے لیکن دیگر لوک ثقافتوں کی طرح اس بھاوَیہ نغمہ کو بھی ماضی میں نظر انداز کیا گیا تھا اور اس ریاستی حکومت نے گزشتہ پانچ برسوں سے مذکورہ بھاوَیہ نغمہ کی دو درجہ/ مرحلہ مقابلے (بلاک اور مرکزی سطح پر) کی از سرِ نو شروعات کی ہے۔ قبائلی لوگوں کے ایک ایکٹ ڈراما مقابلہ اور شمالی بنگال کے ٹولیوں کے بھاوَیہ نغمہ نے اس ریاست کے لوک نغمہ اور لوک مراکز کو بڑی تقویت پہنچائی ہے۔

ایس سی اور ایس ٹی کے افراد اب بھی دوسروں کے ساتھ مقابلہ میں بیٹھ کر ملازمت کی حصولی اور تعلیمی اداروں میں داخلہ پانے کے اہل نہیں ہوئے ہیں۔ سماج کے تمام دھاروں میں ایس سی اور ایس ٹی کے افراد کو لانے کے لئے ملازمت اور تعلیمی اداروں کے اندر داخلہ میں ریزرویشن نے ایک نہایت ہی عمدہ کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ملازمت میں ایس سی اور ایس ٹی کے لوگوں کا فیصد ۱۵ اور ۵۰ فیصد بالترتیب تھے۔ گرچہ ۱۹۵۰ء کے بعد کی مختلف دہائیوں کے دوران مردم شماری کے دوران ایس سی اور ایس ٹی کے لوگوں کی آبادی کے فیصد میں اضافہ ہوا اور اس طرح دستورِ ہند کی ہدایت کے مطابق ایس سی اور ایس ٹی کے لوگوں کو انصاف دلانے کی غرض سے حکومتِ مغربی بنگال نے ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۹۹۰ء کے دوران ایس سی اور ایس ٹی کے لوگوں کے لئے ملازمت ریزرویشن کے فیصد کو ۲۲ اور ۶ فیصد بالترتیب بڑھا دیا۔ ۱۹۷۷-۷۸ء کے دوران ریاستی حکومت نے تعلیمی اداروں (سرکاری اور غیر سرکاری) مقامی اداروں وغیرہ میں ریزرویشن کی درخواست بھی کی ہے۔ ریاستی حکومت نے متعلقہ ایکٹ میں ترمیم لا کر ملازمت ریزرویشن کے نفاذ کے لئے ایک مشنری کی تشکیل کی ہے۔ مختلف شعبوں بشمول شعبۂ تعلیم نے تعلیمی اور تربیتی اداروں میں داخلہ سے متعلق ریزرویشن کی برقراری کیلئے اطلاع نامے اور حکم نامے بھی جاری کر دئے ہیں۔

ایس سی اور ایس ٹی کے لوگوں کی تعلیم، معیشت اور ثقافت میں خصوصی توجہ کا کردگی اور تعلیمی اور تربیتی اداروں میں ملازمت اور داخلہ میں ریزرویشن نے ایک خاص مدت کے دوران مغربی بنگال کے ایس سی اور ایس ٹی کے بیشتر افراد کی طرزِ رہائش توقع کی جاتی ہے کہ بلند تر ہوئی ہے۔

حکومتِ مغربی بنگال نے مغربی بنگال کے ۱۴ فرقوں کے دیگر پچھڑے فرقوں میں رکھنے کا اعلان کیا ہے اور ان کے لئے ۵ فیصد ملازمت بھی ریزرو کرنے کی بات کہی ہے۔ ریاستی حکومت کے مذکورہ فیصلہ کو عملی شکل دینے کے کام کاج میں مشغول ہیں ٭٭

بقیہ : ریاست میں اقلیتی فرقوں کے لئے فلاح و بہبود

شروع کی جائے گی اور امید ہے کہ ۱۹۹۵ء میں یہ مکمل ہو جائے گی۔

غریبی دور کرو پروگرام : غریبی دور کرو پروگرام جیسے آئی آر ڈی پی، ایس ای ایس آر یو، ایس ای پی یو پی، بے روزگاری اسکیموں کے تحت اقلیتی فرقوں کے لئے مالی امداد کی منظوری دی گئی ہے۔ مغربی بنگال مالیاتی کارپوریشن اور لمیٹڈ بینکوں نے اقلیتوں کے لئے قرض کی رفتار کو بڑھانے کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں۔

اقلیتی کمیشن کا قیام : اقلیتی فرقوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے شری محی الدین ظفر اوگانزی جو مغربی بنگال کا پبلک سروس کمیشن کے ممبر ہیں کی چیئرمین شپ میں ایک ریاستی اقلیتی کمیشن قائم کیا گیا ہے۔

عازمین حج کی سہولت کے لئے حج ہاؤس کی تعمیر : امید کی جاتی ہے کہ کلکتہ حج ہاؤس کا، جس کی تعمیر قریب الاختتام ہے، مشرقی اور شمال مشرقی ریاستوں جیسے یو پی، بہار، آسام، میگھالیہ، تری پورہ اور مغربی بنگال کے عازمین حج کے استعمال کے لئے اسی سال کے اواخر تک افتتاح کیا جائے گا۔

حکومتِ مغربی بنگال کے زیرِ اشاعت رسائل اور انکی شرحِ خریداری

حکومتِ مغربی بنگال کے صدر دفتر رائٹرس بلڈنگس کلکتہ سے بنگلہ، انگریزی، اردو، ہندی اور سنتھالی زبانوں میں سرکاری ترجمان کی حیثیت سے پانچ رسائل پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاہے گاہے یہ رسائل اپنے خاص نمبر بھی شائع کرتے ہیں جو خریداروں کو مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان رسائل میں حکومت کی سرگرمیاں اور پروگراموں کی اشاعت کے علاوہ ادب و ثقافت پر بھی گراں قدر مواد شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رسائل کی خریداری سے متعلق تفاصیل درج ذیل ہیں:

رسالے کا نام	زبان	عرصۂ اشاعت	فی شمارے کی قیمت	سالانہ	نصف سالانہ
پچھم بنگا	بنگلہ	ہفت وار	ایک روپیہ	۴۸ روپے (مع ڈاک خرچ)	۲۴ روپے (مع ڈاک خرچ)
ویسٹ بنگال	انگریزی	پندرہ روزہ	ایک روپیہ	۲۲ روپے (مع ڈاک خرچ)	۱۱ روپے (مع ڈاک خرچ)
مغربی بنگال	اردو	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بنگال	ہندی	پندرہ روزہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)
پچھم بانگلا	سنتھالی	ماہنامہ	۵۰ پیسے	۱۰ روپے (مع ڈاک خرچ)	۵ روپے (مع ڈاک خرچ)

- ۱ تا ۱۵۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۲۰ فیصد کی رعایت
- ۱۵۰۰ تا ۳۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۰ فیصد کی رعایت
- ۳۰۰۱ تا ۵۰۰۰ کاپیوں کی خریداری پر ۳۵ فیصد کی رعایت
- ۵۰۰۰ سے زائد کاپیوں کی خریداری پر ۴۰ فیصد کی رعایت

★ آپ اپنا نام، پتہ اور جس رسالہ کے خریدار بننا چاہتے ہیں اس کا نام مع زبان صاف صاف لکھیں۔

★ پرچوں کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجنا ضروری ہے۔

★ کوئی بھی پرچہ وی پی کے ذریعہ نہیں بھیجا جائے گا۔

★ سال کے کسی بھی وقت آپ خریدار بن سکتے ہیں۔

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ: بزنس منیجر، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال،
۶/۷ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

فون: 221-4295

تفاصیل کے لئے بزنس منیجر سے مندرجہ بالا پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

مغربی بنگال

ٹیگور نمبر ۹۵ء

نذرِ ٹیگور

جبینِ ہند پر تاباں جو عظمت کے ستارے ہیں
وہ انگارے ہیں گیتوں کے وہ شعروں کے شرارے ہیں
وہ نورانی کنائے ہیں وہ روشن استعارے ہیں
ترے ہی دل کے ٹکڑے ہیں ترے ہی فکر پارے ہیں

پرویز شاہدی

کچھ ٹیگور اور گیتانجلی کے بارے میں

سروجنی نائیڈو

مجھے بخوبی یاد ہے جب میں ابھی نادان بچی ہی تھی۔ میری ماں اپنی بھاری بھرکم آواز میں کچھ ایسے گیت گایا کرتی تھی جنہیں میں سمجھ نہ سکتی تھی، البتہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔ میرے دریافت کرنے پر میری ماں نے بتایا کہ یہ گیت شری رویندر ناتھ ٹھاکر کے ہیں۔

ان دنوں روی بابو کے گیتوں کا چرچا ہر ایک کی زبان پر تھا۔ کشتی کھیتے ہوئے ملاح، ہل چلاتے کسان، اسکولوں کے طلباء، گھر کے کام کاج میں مصروف عورتیں، امیر غریب غرض کہ ہر کوئی رویندر ناتھ ٹیگور کے گیتوں کا دلدادہ تھا۔ اگر لوگ مسرور ہوتے تو بھی روی بابو کے گیتوں سے لطف اندوز ہوتے اور اگر مغموم تو بھی ان کے پُر تسکین گیت ان کے مجروح دلوں کے لئے مرہم شفا کا سا اثر رکھتے تھے۔ جب کبھی مہاکوی نے بھارت کی پکار سنی تو اس نے حب الوطنی کے پُر جوش ترانے دنیا کے سامنے پیش کئے۔ جنہیں سن کر دیش کے نوجوان تڑپ اٹھے۔ اور بھارت ماں کی بیڑیاں کاٹنے کے لئے ایک نیا جوش اور امنگ لے کر میدانِ عمل میں کود پڑے۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب میں دنیا کی سیاحت پر نکلی تھی۔ تب دورانِ سفر میں نے دیکھا کہ ٹیگور ہی ہندستان کا وہ واحد ستارہ ہے جو دنیا کے ہر خطے میں چمک رہا ہے۔ مغرب کے لوگ اسکی گیتانجلی پر دل و جان سے فدا ہو چکے تھے اور وہ اس وقت کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے جب بھارت کا رشی اپنا جیون سندیش دیکر جنگ عظیم سے پسے ہوئے مجروح لوگوں کو شانتی کے میٹھے نغمے سنا کر ان کے دلوں کو ڈھارس دے گا۔

اس دوران میں جب مجھے ناروے کی ترائیوں میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو میں نے پہاڑیوں کے دامن میں جا بجا بسی ہوئیں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں — جہاں چھ مہینے سوائے تاریکی کے اور کچھ نہیں ہوتا، دیکھا کہ کسان لوگ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ روی بابو کے نغمے الاپا کرتے تھے۔ یا یوں کہئے کہ ان تاریک دنوں میں وہاں کے کسان جس توشہ پر گزران کرتے تھے وہ ٹیگور کے شہ پارے ہی تھے۔

جب "گیتانجلی" شائع ہوئی تو اتفاق سے میں انگلینڈ ہی میں تھی۔ مسٹر ڈبلیو۔ بی ییٹس (W.B. YEATS) جو نہ صرف آئرلینڈ کا ہی بلکہ موجودہ نسل کا جلیل القدر شاعر ہے دیوانہ ہو گیا۔ جب اس نے "گیتانجلی" کو ترجمے کی شکل میں دیکھا سچ جانئے وہ "گیتانجلی" پر دیوانہ وار مرتا تھا۔ اس کا یقین تھا کہ اس میں شکستہ روحوں کے لئے پیغامِ امید کا دریا موجزن ہے۔

ایک سال میں نے سردیوں کے دن اسکنڈے نیویا میں گزارے یہ تو دنیا جانتی ہے کہ ٹیگور کو گیتانجلی لکھنے پر ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ کا نوبل پرائز اہل سویڈن کی طرف سے ہی پیش کیا گیا تھا اسلئے قدرتاً تمام سویڈن ٹیگوریت سے شرابور تھا۔ وہاں میری میزبان وہ ادیبہ تھی جس نے گیتانجلی کا ترجمہ انگلستان کے حلقہ ادب کے سامنے رکھا تھا۔ میں نے وہاں محسوس کیا کہ سویڈن کا ہر فرد بشر ٹیگور کے نغموں کے سیلاب میں بہتا جا رہا ہے اور یہ کہ ان کی زندگی پر ٹیگور کے رنگ برنگے گیت چھا رہے ہیں۔

یہ ہیں وہ ذہین خراج ہائے تحسین جو دنیا کے ہر کونے سے شری رویندر ناتھ ٹیگور کو ادا کئے گئے۔ جنہوں نے اپنی ذہانت، قابلیت، شاعری اور فلسفہ سے ہندستان کی وقعت اور عظمت کو چار چاند لگا دئے ہیں۔

[ماخوذ از پیش لفظ گیتانجلی — ترجمہ از شری کانت ایم اے]

ٹیگور اور گیتانجلی

نیاز فتحپوری

جس طرح ٹیگور نے ہر جگہ موسیقی کی زبان میں اظہارِ جذبات کیا ہے اسی طرح اس نے رنگ و تعطّر سے بھی اپنی دل بستگی کا ثبوت دیا ہے۔ کنول کے پھول کا بار بار ذکر، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے ہند کی پرانی شاعری کے ساتھ، جس کا عنصر کنول اور کنول کی باتیں ہیں، ایک خاص لگاؤ ہے اور صبح و شام کی شفقی و یاسمینی مناظر کا مختلف صورتوں میں بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ ٹیگور فطرتاً مناظرِ قدرت میں جذب ہو جانے والی نگاہ اور رنگینیوں میں ڈوب جانے والا دل لے کر آیا ہے۔

وہ طوفانی راتوں کا تذکرہ کرتا ہے اور وہ دو لفظوں میں ایسی تصویر کھینچ کر رکھ دیتا ہے کہ ساری بپتیں، ساری مایوسیاں، تمام اضطراب و وحشت کی صورتیں جن سے ایک انسان ایسی حالت میں متاثر ہو سکتا ہے، پیشِ نظر ہو جاتی ہیں۔ وہ بہار کا سماں دکھلاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری شگفتگی و نکہت، رنگینی و موسیقیت دل کے اندر سمائی جاتی ہے۔ ایک جگہ وہ گرمی کا حال بیان کرتا ہے بے اختیار پانی کی خواہش محسوس ہونے لگتی ہے۔ غرض کہ وہ جب کسی منظر کی تصویر کھینچتا ہے تو تلاش کر کے ایسے الفاظ لاتا ہے جو فوراً ذہنِ سامع کو مسحور کر لیتے ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بات عجیب ہے کہ کسی وقت و موسم، کسی زمانہ و حالت کا ذکر ہو لیکن اصل رنگ نہیں چھوٹنے پاتا۔ بارش کا حال بیان کرے گا تو یہی معلوم ہوگا کہ واقعی مینہ برس رہا ہے لیکن یہ بیان کوئی مستقل بیان نہیں ہے۔ بلکہ انہیں جذباتِ حقیقی کے ساتھ ضمناً اس کا ذکر بھی ہوگا گویا کسی نقّاش کا ایک تیز و سبک رفتار قلم ہے جس کو دکھانا تو مقصود ہے صرف کسی واقعہ کا لیکن وہ اسی تصویر کے ساتھ اِدھر اُدھر کاغذ پر کہیں کہیں ایسے نشانات لمس بھی چھوڑ جاتا ہے جس سے اس موقع کی فضا بھی اسی طرح متاثر معلوم ہوتی ہے۔

ہر چند کہ ہماری زبان میں اس خصوصیت کی کمی نہیں اور بعض حضرات نے جن میں میر انیس لکھنوی کا رتبہ بہت زیادہ بلند ہے مناظرِ قدرت کی مصوّری میں تکمیل کے لئے ایک نقطہ کی جگہ بھی نہیں چھوڑی لیکن اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ ٹیگور کی شاعری ان کے سامنے پسِ پشت ڈال دی جائے۔ جوہرِ قابل نہیں ہو اور کسی حالت میں ہو، عزت کا مستحق ہے۔ سمندر سے کتنے موتی نکلتے ہیں لیکن ہر موتی اپنی وقعت جدا چاہتا ہے۔

اس کتاب (گیتانجلی) میں جتنی نظمیں ہیں قریب قریب سب میں مختلف کیفیاتِ قلب کے ساتھ نوعِ انسان اور ذاتِ باری کے باہمی تعلق کا اظہار ہے اور بعض بعض جگہ ایسے لطیف استعارات و بلیغ کنایات سے کام لیا گیا ہے کہ بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔

ایک بات عرض کرنی ہے کہ "گیتانجلی" خواہ انگریزی میں دیکھی جائے یا اور کسی زبان میں ضرورت ہے کہ بار بار مطالعہ کیا جائے اور ہر دفعہ اس کے استعارات و کنایات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے کیوں کہ نگاہِ اوّل میں سارے مطالب و محاسن سے لطف اٹھانا مشکل ہے۔ جس قدر زیادہ غور کیجئے گا اسی قدر اس کی خوبیاں ذہن نشین ہوتی جائیں گی ●●

اقتباس ماخوذ از مقدمہ "گیتانجلی" (اردو): مصنف

رابندرناتھ ٹھاکر کی عظمت

رئیس الدین فریدی

ہندستان اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدیوں میں بھی جو برطانوی غلامی کا زمانہ تھیں سیکڑوں مایۂ ناز مدبّر اور دور اندیش انسان پیدا ہوئے جنہوں نے ذہنی، علمی، شعوری، ادبی، سماجی اور سیاسی میدانوں میں ملک کو بیدار کرنے، صحیح راستے پر چلنے، اس میں غیرت و حمیت اور اتحاد پیدا کرنے اور غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکنے کا سامان کرنے میں اہم حصہ لیا۔ ایسے بزرگوں اور مجنوؤں کا نام گنانے کے لئے نہ وقت ہے اس کی ضرورت۔ تاریخ ان کے ناموں سے بھری پڑی ہے اور وہ اس میں آفتاب و ماہتاب اور دوسرے روشن ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔

آج مقصد ان میں سے صرف ایک کو مختصر خراجِ عقیدت پیش کرکے اس کی عظمت کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے گردن کو خم کرنا ہی ہے۔ ان کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی رابندرناتھ ٹھاکر ہے۔ جو بے شک و شبہ موجودہ اور پچھلی صدی میں دنیا خصوصاً اپنے ملک کی رونق اور عزت بڑھانے والوں کے گل سرسبد اور آسمان کے آفتابِ عالمتاب ہیں۔ دوسرے اکابر میں کچھ محدود خوبیاں ہی تھیں۔ کوئی سیاسی رہنما تھا، کوئی سماجی مصلح، کوئی شاعر اور ادیب تو کوئی مفکر۔ مگر رابندرا ناتھ ٹھاکر تو گوناگوں خوبیوں، صلاحیتوں، علوم و فنون کا ایسا خزانہ تھے جس کا ہر موتی اور گوہر ذہن اور روح کی آرائش و زیبائش کا زیور بے بہا تھا۔

عالمگیر شہرت کے مالک مادری زبان کے شاعر جن کی روحانی، ذہنی اور اخلاقی اصلاح و ترقی کے پیغام نے ساری دنیا کی واہ واہ سنی۔ اہل ملک کو ان کی دیرینہ عظمت کو ضروری اصلاحات اور موزوں اضافے کے ساتھ بیدار اور بروئے کار کرنے کا سبق دیا۔ ملک کے حسن و جمال سے پردے اٹھائے اور اہلِ ملک کو اس سے محبت کرنے کا دلکش اور شیریں سبق دیا۔ لوگوں کی تنگ نظری اور مذہبی نفرت پسندی سے بچنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سماج کی دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھی۔ مزدوروں، عورتوں، بچوں، کسانوں اور غریبوں کی غم گساری کی اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی۔ اصلاح پسندانہ اور نصیحت آمیز ناول اور افسانے لکھے مصوری بھی کی۔ ناٹک نہ صرف لکھے بلکہ ان کی ہدایتکاری بھی کی اور اداکاری کے جوہر بھی دکھلائے۔ دسوں ملکوں کے سفر کئے۔ وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرکے وہاں کے لوگوں کو مفید مشورے دئے۔ وہاں جو اچھی باتیں دیکھیں ان کو اپنے ملک میں رواج دینے اور ان کی برائیوں سے اپنے ملک کو

بچانے کی کوشش کی۔ دنیا کے بہت سے ملکوں کے بڑے لوگوں سے ملے اور تبادلۂ خیالات کیا اور مفید خط و کتابت کی۔ تعلیمی اصلاحات سے بھی غافل نہیں رہے اور بمبئی کے تعلیمی ادارے بین الاقوامی نوعیت دے کر کھولے۔ وہ نہ صرف بڑے آدمی تھے بلکہ اچھے لوگوں کے قدر دان بھی تھے چاہے وہ کچھ بھی ہوں اور کوئی بھی نہیں۔

درحقیقت وہ اچھے انسان تھے اور دنیا بھر کے انسانوں کے دوست اور بہی خواہ تھے۔ ہم جیسے چھوٹے بھیوں کے لئے ان کی رفعت و عظمت کے کسی حصے کو دیکھنا بھی ناممکن ہے سمجھنا تو بڑی بات ہے۔

بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ٹھاکر اور کا ندھی کا ملک پہلے فرقہ پرستی میں مبتلا ہو کر آگ اور خون کے طوفان سے گزر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا اور پھر ایک ہو سکا۔ فرقہ پرستی اسے اس سے بھی بدتر حالات میں مبتلا کرے پرتلی ہوئی ہے اس لئے آج صرف یہ بتانے پر اکتفا کر رہا ہوں کہ فرقہ پرستی اور مذہبی نفرت انگیزی کے بارے میں ٹھاکر کے خیالات کیا تھے اور وہ آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ہمیں ملک اور قوم کو تباہی سے بچانا ہوگا۔ ٹھاکر نے اس وقت ہوش سنبھالا تھا جب انگریزوں نے فرقہ پرستی پھیلا کر ملک کو تباہی کے جہنم میں ڈال کر سوختہ جاں کرنے کا کام پوری تیاری سے شروع کیا تھا اس لئے ٹھاکر کے خیالات سے ہم چاہیں تو آج بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بنگلہ ماہنامہ "پرباسی" میں انہوں نے ۱۹۳۱ء میں لکھا:

"ہندو اپنے آپ کو اپنے مذہب کا اور مسلمان اپنے مذہب کا پابند کہتے ہیں۔ اس طرح دونوں کی زندگی کا بہت کم حصہ مذہب کے دائرے سے باہر رہتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں اپنے اپنے دھرم کے سکتہ لطر میں سے ایک دوسرے کو اور پھر جہاں تک ہو سکے دنیا کے دوسرے لوگوں کو بھی حتی الامکان دور دھکیل دیتے ہیں۔ اس سے ان میں انسانیت کا پھیلاؤ ہونے میں رکاوٹ پڑتی ہے۔"

اس سلسلے میں وہ آگے چل کر ہر سیاسی انقلاب کو بھی مذہب کی شدت پسندی میں کمی کا مرہون سمجھ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی کسی ملک میں سیاسی انقلاب آیا تو اس کے ساتھ مذہبی کٹر پسندی پر ست وار کیا گیا۔"

اور ہمارے ملک میں سب سے بڑی مصیبت یہی ہوئی کہ یہاں آزادی کے بعد سیکولرزم اور رواداری و مساوات کو بڑھانے کے بجائے سارا زور مذہبی کٹرپن میں اضافے پر لگایا گیا۔

رابندرا ناتھ ٹیگور نے جب دیکھا کہ اونچی ذاتوں کے ہندو مسلمانوں کی طرح طرح سے تذلیل کرتے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے قریب لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ایک ہندو مجسٹریٹ نے ان کی ضلع راجشاہی کی زمین داری میں جانے کے بعد لکھا:

"رابندرا ناتھ کی موٹر بوٹ کشتی جس میں وہ رہتے اور سفر کرتے تھے اسکے تمام ملازم مسلمان تھے۔ یہی اگر رابندرا ناتھ کے لئے کھانا بناتے تھے اور انہوں نے ہی ہمارے لئے بھی کھانا بنایا۔"

اس موضوع پر انہوں نے خود بھی لکھا:

"میرے کردار میں اور عملی زندگی میں ہندو اور مسلمان میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔ دونوں پر ہونے والے ظلم اور ناانصافی سے مساوی طور پر شرمندہ ہوتا ہوں۔ ہندو مسلمان میں ہر قسم کی فرقہ پرستی کو پورے ملک کے لئے باعث شرم سمجھتا ہوں۔"

اور اب آخری تنبیہہ جو آج بھی قابل غور اور لائق عمل ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہماری آزادی بیمار بنی ہوئی ہے۔

"ہم (ہندو اور مسلمان) سیکڑوں سال سے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ایک ہی کھیت میں فصل اگاتے ہیں۔ ایک ہی ندی کے پانی اور ایک ہی سورج کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں۔ ایک ہی طرح کے دکھ سکھ پاتے ہیں اور اس کے باوجود پڑوسی سے پڑوسی کا جو رشتہ ہونا چاہئے وہ ہم میں نہیں ہے — ہم جانتے ہیں کہ بنگال میں کئی مقامات پر ہندو مسلمان ایک فرش پر نہیں بیٹھتے۔ گھر میں مسلمان آئیں تو ان کے بیٹھنے کا انتظام الگ کیا جاتا ہے۔ حقے کا پانی پھینک دیا جاتا ہے۔ اگر یہی شاستر کا قانون ہو، یہی اصول ہو تو ایسے شاستر کو لے کر ان اصولوں پر چل کر کبھی سودیشی راج اور سوراج قائم نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور جگہ انہوں نے لکھا:

"کسی کی تاریخ کو ہندستان کی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ پہلے زمانے کی بات ہے کہ گوری چمڑی والے آریاؤں نے ہندستانی تاریخ کی بنیاد رکھی تھی لیکن وہ کبھی یہ اعلان نہیں کر سکتے تھے (اپنی ذہانت، طاقت اور لگن سے)

کہ ہندستان صرف ہمارا ہے"۔

جب ہندو بھارت کے راجپوت راجا ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے تھے تو اس وقت اس ملک میں مسلمان داخل ہوئے تھے اور پوری زمین پر پھیل گئے تھے۔ سنگینی گزر جانے کے بعد بھی وہ اس ملک میں رہے اور اسی میں مرے۔ اس طرح انہوں نے صحیح معنوں میں اس ملک کو اپنا گھر بنالیا۔ جب ہم اپنے اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر یہ کہنے کے قابل ہو جائیں گے کہ ہم ہندستانی ہیں، ہم ہندستانی ہیں تبھی ہم اس زمین کے صحیح مالک کہلانے کے قابل ہوں گے ٭٭

ٹیگور ایک عظیم شاعر

پروفیسر عبدالستار شاہدی، صدر شعبہ اردو، مولانا آزاد کالج، کلکتہ

سرزمین ہند میں مغربی بنگال کو وہ ارفع و اعلیٰ مقام حاصل ہے جو کسی دوسرے صوبے کو آج تک نصیب نہ ہو سکا۔ گلشنِ بنگال میں ایسے ایسے پھول کھلے جن کی عطر بیزیوں سے نہ صرف ہندستان بلکہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک سارا عالم طبلۂ عطار بن گیا اور جن کی شمیمِ جانفزا سے آج بھی قلب و روح کو تسکین ملتی ہے۔ سرزمین بنگال کو ہمیشہ شرفِ اوّلیت حاصل رہا ہے۔ اسی بنگال نے راجہ رام موہن رائے جیسے ریفارمر کو جنم دیا۔ اسی بنگال کی آغوش میں ایشور چندر ودیا ساگر جیسے عالم نے پرورش پائی۔ یہیں سبھاش چندر بوس جیسے عظیم سیاسی رہنما، کھودی رام جیسے شہید اور قاضی نذرالاسلام جیسے عظیم شاعر نے جنم لیا۔ اور پھر اسی بنگال نے ایک ایسی شخصیت کو جنم دیا جو آسمانِ علم و ادب پر مہرِ درخشاں بن کر چمکا اور جس کی ضیاء پاشیوں سے سارا عالم منور ہو گیا۔ وہ عظیم ہستی جس نے سب سے پہلے ہندستانی کی حیثیت سے نوبل پرائز حاصل کر کے ہندستان کے نام کو دنیا بھر میں روشن کر دیا، وہ عظیم موسیقار جس کی موسیقی کی مدھ بھری تان آج بھی فضا میں گونج رہی ہے۔ وہ بلند پایہ شاعر جس کے کلام نے نہ صرف اپنوں بلکہ غیروں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کیا جس کی نظم "جن گن منا" کو قومی ترانہ کا شرف حاصل ہے اور جسے ہم کروڑ ہندستانی ادب و احترام سے گاتے ہیں۔ وہ عظیم انسان شانتی نکیتن جیسے مثالی ادارہ کا موجد رابندرا ناتھ ٹیگور تھا۔ وہ ٹیگور جو ادیب بھی تھا اور شاعر بھی، ڈرامہ نگار بھی تھا اور موسیقار بھی، مصوّر بھی تھا اور ریفارمر بھی۔ ایسا ہمہ صفت انسان دنیا میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتا ہے۔

رابندرا ناتھ کے ان تمام اوصاف پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میں اس مضمون میں صرف ان کی شاعری پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالنا چاہوں گا۔

اس حقیقت سے انکار محال ہے کہ ٹیگور کو جو شہرت انکی شاعری کے ذریعہ ملی وہ ان کی دوسری کاوشوں سے کہیں زیادہ اہم ہے سیدھے سادے لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ اگر ایک طرف ان کی شاعری رکھی جائے اور دوسری طرف ان کی تمام تصنیفات تو بھی شاعری کا پلہ بھاری رہے گا۔ درحقیقت وہ ایک شاعر تھے اور مکمّل شاعر۔

اس سے پہلے کہ ٹیگور کی شاعری کے متعلق کوئی رائے دی جائے بہتر ہے کہ ہم اسے جانچیں اور جانچنے کے لئے ظاہر بات ہے کسی ترازو یا پیمائش کی ضرورت پڑے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ معیار پرکھنے کے لئے اردو

کے مشہور نقاد نیاز فتح پوری کے قول کو سامنے رکھیں۔ وہ کہتے ہیں،

"دو چیزیں شاعری کی جان ہیں۔ تخیل کی رنگینی مگر عمق کے ساتھ، زبان کا ترنم مگر سادگی لئے ہوئے۔ اور جس شخص کی شاعری میں یہ دونوں باتیں توازن کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اس کو ہم مکمل شاعر کہتے ہیں۔"
(گیتا نجلی۔ ترجمہ: نیاز فتحپوری)

چنانچہ اس نقطۂ نظر سے اگر ٹیگور کی شاعری کے معیار کو پرکھیں تو پتہ چلے گا کہ ان کی شاعری میں جہاں جذبات کی رنگینی اور تخیل کی بلند پروازی پائی جاتی ہے وہیں ان کی زبان بھی مترنم ہے جس میں سلاست اور روانی کے ساتھ ہی ساتھ موسیقیت کا عنصر بھی غالب نظر آتا ہے۔ اس طرح اس میں جدّت و تشبیہات ایک خاص لطف پیدا کر دیتی ہے جو ان کے کلام کو ایک رنگ عطا کرتا ہے۔ یہ خوبیاں بہت کم شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ رابندرا ناتھ ایک مکمل شاعر تھے۔

آپ نے ۸ سال کی مختصر سی عمر سے شاعری شروع کی تھی اور اپنے ساتھ ایک نیلے رنگ کی بیاض رکھتے تھے۔

ابتدائی دور کی شاعری میں آپ نے جندی داس اور دوائی پدی کی تقلید کی تھی لہٰذا اس دور کے کلام میں انہی حضرات کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ مذہبی شاعری کے آغاز میں آپ ایک غیر معروف شاعر بھنو سنگھ کے نام سے لکھنے لگے۔ ان کی مذہبی نظموں میں خیالات کی پاکیزگی اور زبان و اسلوب کی کہنگی اس حد تک تھی کہ عوام ان کی نظمیں پڑھ کر ایسا محسوس کرتے تھے جیسے کسی قدیم وشنو شاعر کا کلام ہو۔ آپ کے غیر معروف نام نے کافی مقبولیت حاصل کر لی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شری بشا کہتا چٹرجی نے اپنے تحقیقی مقالے میں جس کا عنوان تھا "بنگالی اور یورپی شاعری کا تقابلہ" میں بھنو سنگھ کا ذکر ایک قدیم شاعر کی حیثیت سے بڑی عزت سے کی۔ لیکن لبعد میں ان کے ہم وطنوں کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ بھنو سنگھ کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ وہ تمام کلام رابندرا ناتھ ٹیگور کے رشحاتِ قلم کے نمونے ہیں۔
چنانچہ اس واقعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ مذہبی نظمیں بھی لکھتے تھے جو وشنو شعراء کے کلام سے مشابہ ہے۔ اس وقت کے تمام کلام کا مجموعہ ۱۸۸۴ء میں بھنو سنگھ کے نام سے شائع ہوا۔

ٹیگور کو فطری مناظر سے عشق ہے۔ جب بہار کا موسم آتا ہے تو باغ میں شگفتگی آجاتی ہے۔ کلیاں چٹک کر پھول بننے لگتی ہیں اور پھولوں کی دلآویز خوشبو سے شاعر کی طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔ ایسے مدہوش کن منظر کو دیکھ کر شاعر بہت متاثر ہو جاتا ہے اور گلوں کی تعریف کرتے کرتے اس کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اس بات کا علم بھی رکھتا ہے کہ پھولوں کی خوبصورتی چند ساعت کے لئے ہے اور خوشبو بھی عارضی ہے۔ وہ اپنے معشوق سے گویا ہے،

"اس چھوٹے سے پھول کو توڑ لے اور لے لے دیر نہ کر!!
مجھے تو خوف ہے کہ وہ مبادا کمہلا جائے اور خاک آلود ہو جائے۔ وہ تیرے ہار میں جگہ نہ پائے لیکن اپنے دردمند ہاتھ کے مس سے اس کی عزت تو بڑھا دے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے آگاہ ہونے سے پہلے ہی دن ختم نہ ہو جائے اور نذر کا وقت گزر جائے۔ مانا کہ اس کا رنگ گہرا نہیں ہے۔ اس کی خوشبو کمزور ہے (لیکن کیا حرج) اپنی (پرستش) کے لئے اس کا پھول کو کام میں لا اور اسے توڑ لے جبکہ ابھی وقت ہے۔"
(گیتا نجلی)

آپ کی جواں عمری کے شاعرانہ کلام بھی ایک انفرادیت رکھتے ہیں۔ شاعر اپنے جذبات اور ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ شباب کا زمانہ ہر انسان کے لئے ایک یادگار زمانہ ہوتا ہے۔ یہاں رنگینی بھی ہوتی ہے اور سوزِ نہانی بھی۔ مسرت و شادمانی کے گیت بھی گائے جاتے ہیں اور حزن و ملال کی نوحہ خوانی بھی کی جاتی ہے۔ ان کی نظموں میں صبح کے گیت اور شام کے گیت، زمانہ شباب کی یادگار تخلیق ہیں۔ ان میں شاعر کے جذبات کے تلاطم کا اندازہ بھی ملتا ہے اور اس کے دل کی تڑپ اور درد بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ دراصل یہ ایک ایسا مرقع ہے جو شاعر کے شباب کی کُل کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے۔
ان نظموں کے علاوہ "نا امیدی امید"، "ایک ستارہ کی خودکشی" دعوتِ حزن، بے دل کی عورت، دل کا مرثیہ اور دیگر نظمیں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ان نظموں میں ٹیگور شاعرِ رومان معلوم ہوتے ہیں۔ حسن و عشق کے فلسفے پر اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں اور اپنے کلام میں حسن و عشق کی جلوہ سامانیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ وہ نہایت ہی سادہ الفاظ میں محبوب کے احساس کی ترجمانی کرتے ہیں

جبکہ وہ اپنے عاشق کا انتظار بے صبری سے کر رہی ہو۔

"آج مجھے نیند نہیں آتی۔ گھڑی گھڑی بس میں دروازہ کھولتی ہوں اور اے محبوب! تاریکی میں باہر نگاہ دوڑاتی ہوں (لیکن) مجھے سامنے کچھ نظر نہیں آتا مجھے حیرت ہے کہ تیرا راستہ آخر ہے کدھر؟" (گیتانجلی)

ایک جگہ اور اسی انتظار کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں:

"صبح سے شام تک میں اپنے دروازے پر بیٹھی رہتی ہوں اور جانتی ہوں کہ خوشی کی گھڑی اچانک آجائے گی۔ اسی اثنا میں مسکرا اٹھتی ہوں" (گیتانجلی)

ٹیگور کے شباب کی نظموں میں جدت و ندرت کے علاوہ ایک خاص قسم کی انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ بنگال کے مشہور نقاد ڈاکٹر سہیل کا خیال ہے کہ یہ نظمیں موضوع اور جذبات کی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستانی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔

ٹیگور کے کلام کی پختگی، خیالات کی بلند پروازی اور فکر کی عرق ریزی آئینہ کی طرح جھلکتی ہے۔ صبح کے گیت کے مجموعہ میں ایک نظم محبت اور زندگی" بھی شامل ہے جس کے متعلق ڈاکٹر سہیل کہتے ہیں کہ یہ نظمیں اپنی وسعت کے اعتبار سے گوئٹے کی طرح Reverence سے کچھ ہی کم ہے۔

ٹیگور اپنے کلام کی بلندی کے سبب جلد ہی ارتقائی دور طے کرنے لگا۔ ان کے کلام ہندوستان کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے تھے لیکن اہل بنگال اپنے جوہر کی قدر نہ جان سکے اور انہیں وہ مقام اس وقت نہ مل سکا تھا جس کے وہ مستحق تھے۔ ایک بار کلکتہ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کے جلسہ میں یہ تجویز غالباً آسوتوش مکھرجی نے پیش کی تھی کہ ٹیگور کی شعری کاوشوں پر انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی جائے۔ لیکن ممبران کی اکثریت نے یہ کہتے ہوئے تجویز کو رد کر دیا تھا کہ وہ بنگلہ بھی صحیح نہیں لکھ سکتے۔ لیکن سویڈش کونسل نے اسی ٹیگور کو نوبل پرائز اس کی تخلیق پر دیا۔

"گیتانجلی" ان نظموں کا مجموعہ ہے جسے شاعر نے بڑے دردناک حالات میں قلم بند کئے تھے۔ وہ اپنی شریک حیات کی موت، بچوں کی موت اور والد کی موت سے دل شکستہ ہو گئے تھے۔ یہ نظمیں پریشانی، اداسی اور غم کی انتہائی عمیق حالت میں تخلیق کی گئی تھیں اور شاعر نے یہ محسوس بھی نہیں کیا گیا کہ ان نظموں کو شائع کر سکے گا۔ لیکن پھر اس کے دل و دماغ میں خیال پیدا ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا غم دوسروں کے لئے باعثِ سکون بن جائے۔ لہٰذا پہلے پہلے یہ بنگلہ زبان میں چھپی تھی۔ بعد میں انگریزی میں شاعر نے اسے ترجمہ کیا اور اپنے دوسرے مجموعے سے چند دوسرے کلام کو منتخب کر کے اسمیں شامل کر دیا۔ انگریزی گیتانجلی شاعر کے 103 چیدہ چیدہ کلام سے پُر ہے۔ اس انگریزی کتاب پر مسٹر ایٹس نے مقدمہ لکھا اور انڈین سوسائٹی لندن نے ڈرتے ڈرتے ہزار کاپیاں چھاپی تھیں۔ چنانچہ جب یہ کتاب شائع ہو گئی تو یورپ کی ادبی دنیا میں ایک ہلچل مچ گئی اور حلقہ ادب میں اس کا پر زور استقبال کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلا ایڈیشن فوراً ہی ختم ہو گیا جبکہ بنگلہ کا پہلا ایڈیشن ختم بھی نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جلد جلد اس کے کئی ایڈیشن چھپے۔ ٹیگور ان خوش نصیب انسانوں میں ہیں جنہوں نے ایشیا کی عظمت کو برقرار رکھا اور پہلی بار نوبل پرائز پاکر بین الاقوامی دنیا میں اپنی اہمیت منوالی۔ آپ کی اس عظیم کامیابی نے آپ کے اہل وطن کی خودداری کو جھنجھوڑا۔ انہیں احساس ہوا کہ وہ ایک جوہر قابل کی جائز قدر نہ کر سکے۔ یونیورسٹی کے ممبران اپنے کئے پر نادم و شرمندہ نظر آرہے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اگر ٹیگور ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری قبول کرلیں گے تو ان پر احسان کریں گے۔ نتیجہ کے طور پر ۱۹۱۴ء میں آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ آپ کے ہم وطنوں کے اس تغافل پر نیاز کے یہ جملے کتنے موزوں ہوتے ہیں:

"جس طرح اس سے زیادہ بدقسمت تغافل ایک کاشتکار کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اسے خود نہ معلوم ہو کہ اس کی پیداوار کیا ہے اور معلوم ہو بھی تو اجنبی کی زبانی۔ اسی طرح اس سے زیادہ بدمذاقی ایک ملک کی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے ہاں کے جوہر قابل سے بے خبر ہو اور آگاہ بھی ہو تو ایک غیر ملک کے کہنے سے جس کو صورتاً اور سیرتاً اس سے ایک تعلق بعید ہو" (گیتانجلی (اردو) مقدمہ نیاز فتحپوری)

ٹیگور خود بھی اہل بنگال کی اس بدمذاقی سے واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انعام کی خبر پانے کے بعد جب وفد کا وفد ان سے ملاقات کو جانے لگا تو انہوں نے کہا تھا کہ "اس وفد میں ہزاروں لوگ ایسے

ہیں جو محض غیر ملکی عوام کی تصدیق اور تعریف کی رو میں چلے آئے ہیں"
بقول مخدوم محی الدین ان کے یہ الفاظ ہندستانیوں کے ہر شعبہ پر بہت خوبصورت طنز ہے۔ ٹیگور نے انعام پانے کے فوراً بعد کہا تھا :

"I shall never get any peace again, I shall be worried with appeals, all kinds of people will be writing to me My heart sanks." (SPAN, jan 61)

گیتانجلی کے مقدمے میں انگریزی کے ماہر نقاد نے لکھا تھا :

" یہ نظمیں نہ تو خوشنما جلدوں میں خواتین کی میز کی رونق ہو سکتی ہیں۔ ایسی خواتین جن کے سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ مضمحل ہاتھوں سے ورق گردانی کرنا اور اپنی زندگی پر ٹھنڈی سانسیں بھرنا ہی مآلِ زندگی ہے۔ اور نہ متعلقین یونیورسٹی ان کو اپنے ساتھ رکھیں گے کیونکہ جب عملی زندگی پر انہیں درس دیا جائے گا تو وہ سوائے اس کے کہ اسے اٹھا کر طاق پر رکھ دیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک وہ زمانہ آئے گا جب راستہ پر چلنے والے انہیں راہ میں گنگنایا کریں گے اور کشتیوں کے اوپر ملاح انہیں الاپا کریں گے۔ ایک عاشق اپنے معشوق کے انتظار میں، ایک محبوبہ اپنے محبت کرنے والے کی یاد میں انہیں گائے گی۔ اور محبت حقیقی کے اس طلسمی چشمے میں جو ان کے اندر پنہاں ہے ان کے جذبات ڈوب ڈوب کر تجدیدِ شباب کا لطف اٹھائیں گے۔"

ٹیگور نے بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ ان کا شعری کارنامہ کافی ضخیم ہے۔ ان کی نظموں کی تعداد تقریباً تین ہزار ہیں جن کے مصرعوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ضرور ہو گی۔ گیتانجلی کے بعد آپ کا دوسرا مجموعہ "گارڈنر" (باغبان) شائع ہوا۔ اگر گیتانجلی کو شاعر کی مناجاتیں کہی جائیں تو باغبان کو غزلیں کہا جا سکتا ہے۔ باغبان کے علاوہ "کریسنٹ مون" بھی کافی مقبول ہو چکا ہے۔ گیتانجلی کا ترجمہ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں ہو چکا ہے اور آہستہ آہستہ ان کے دوسرے کلام بھی دوسری زبانوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اس طرح ان کی بین الاقوامی شہرت کو سندِ دوام حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ ان کی صد سالہ سالگرہ تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں منائی جا رہی ہے اور یہ حقیقتاً ان کی شہرت اور مقبولیت کا بیّن ثبوت ہے۔

بین الاقوامی دنیا میں آپ کی شہرت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ وہ چیزیں انگریزی ادب کو بخشی ہیں جو اس میں نہیں تھیں اور جس کا اقرار May Sinclair نے اپنے مقالہ میں کیا ہے جو 'North America Review' میں شائع ہوا تھا۔ مندرجہ ذیل سطور میں ٹیگور سے خطاب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

" You have put into English which is absolutely transparent in its perfection, things it is despaired of ever seeing written in English at all or in any western Language (SPAN. Jan 61)

ٹیگور کی شاعری مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ کی شاعری میں دلی تاثرات کو اتنی سادگی سے بیان کرتے ہیں کہ بے ساختہ زبان سے دادِ تحسین نکل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کلام میں نزاکتِ معنوی کے علاوہ جدت آفرینی بھی پائی جاتی ہے جس سے تخیل کی بلند پروازی کا پتہ چلتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ مناظرِ قدرت سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ وہ قدرت کی رنگینیوں و نیرنگیوں، موسم کی تبدیلیوں، بہار کی شادابی اور خزاں کے پت جھڑ کے مناظر کو نہایت ہی چابک دستی سے الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔ بقول فراق گورکھپوری۔ "کالی داس کے بعد مناظرِ فطرت کا اتنا عظیم عکاس ایشیا میں پیدا نہیں ہوا تھا۔" (آجکل ٹیگور نمبر) ——— مزید براں ٹیگور صرف ایک فقرہ میں ایسی باتیں کہہ ڈالتے ہیں جن کے اظہار کے لیے صفحات کے صفحات بھی ناکافی ہوں اور طرۂ امتیاز یہ ہے کہ ہر موضوع اپنی جگہ منفرد ہے اور اپنے اندر ایک خاص قسم کا انوکھا پن رکھتا ہے۔

ٹیگور کی شاعری ایک نظریاتی اور مقصدی شاعری تھی۔ انہوں نے اپنے نظریات اور خیالات کی ترجمانی کے لیے شاعری کا دامن تھاما تھا اور اس صنفِ ادب کو مالا مال کر دیا تھا۔ ان کی شاعری صرف گل و بلبل کی شاعری نہیں تھی بلکہ ان کا اپنا بھی ایک فلسفہ تھا۔ ایک نصب العین تھا جس کی خوبصورت عمارت "عالمگیر انسانیت" کی بنیاد پر قائم تھی۔ عالمگیر انسانیت پر ان کا زبردست اعتقاد تھا۔ وہ سائنس اور اس کی نئی نئی ایجادات کے معترض یا مخالف نہیں تھے بلکہ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ سائنس کی ایجادات انسان سے انسانیت کا دامن نہ

چھوڑ دیں۔ مانگے امن و سکون کی دنیا میں آگ نہ لگا دیں اور سائنس کی
بے پناہ طاقتیں کہیں انسان کو تباہی کی منزل کی طرف نہ لے جائیں۔ بلکہ
ان کی خواہش یہ تھی کہ سائنس کی تمام تر قوتیں انسانیت کی تکمیل کے
لئے وقف ہو جائیں اور انسانی عظمت و حقیقی مسرت عام ہو جائے۔ وہ
دیکھتے تھے کہ اس دور کا انسان (Humanism) کی اعلیٰ قدروں کو
چھوڑ رہا ہے اور مادیت کی قدروں کو قبول کر رہا ہے۔ لیکن وہ اس سے
ناامید نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسانیت سورج کی طرح اٹل ہے جس
پر بادل تو چھا سکتے ہیں لیکن وہ فنا نہیں ہو سکتی۔ وہ انسانوں کا میل
ملاپ چاہتے تھے، ایسا میل ملاپ جو کسی ذاتی مفاد پر نہ ہو بلکہ سراسر
انسانی ہمدردی، بے لوث محبت، بے غرض خلوص اور روحانی ہم آہنگی
پر مبنی ہو۔ لہٰذا انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ یہ پیغام عام کیا۔

ٹیگور کی شاعری صرف پرانی روایتوں اور پرانی قدروں کی علمبردار
نہیں ہے بلکہ نئی تحریکوں، نئی ایجادات اور نئی روایتوں کا بھی گہرا اثر
ان کی شاعری اور شخصیت پر پڑا ہے۔ ٹیگور راجہ رام موہن رائے اور ان
کے فلسفہ سے کافی متاثر ہیں۔ فارسی کا گہرا مطالعہ بھی کیا ہے۔ حافظ
و رومی کے اشعار سے روشنی بھی حاصل کی ہے۔ ویدوں اور اپنشدوں
کو بھی پڑھا ہے اور بدھ دھرم کی طرف بھی نظر رکھی ہے۔ قدیم یونانی
فلسفہ اور بائبل کی ورق گردانی بھی کی اور اس کے اثرات بھی قبول کئے
ہیں۔ انگریزی ادب سے بھی خاص دلچسپی رہی ہے۔ کم عمر ہی میں
شیکسپیر کے ڈرامہ میکبتھ کا بنگالی ترجمہ بھی کیا ہے۔ ملٹن اور مارکس
کو بھی سمجھا ہے۔ مغرب کے مفکروں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ڈارون کی
تھیوری "ظہور انسان" اور نطشے کا فلسفہ "آدرش" کو بھی نظر انداز نہ کر
سکے ہیں۔ غرض کہ فلسفے کی کثرت مطالعہ نے ٹیگور کے مذہبی ارتقا اور
ادب کی تخلیقی قوتوں کو اجاگر کرنے میں ناقابل فراموش رول انجام دیا ہے۔
ٹیگور کی ادبی صلاحیتوں کو پرکھنا آسان نہیں ہے۔ کبھی وہ شیکسپیر معلوم
ہوتے ہیں، کبھی اقبال، کبھی ورڈز ورتھ تو کبھی حافظ و رومی، کبھی شیلی و
کیٹس تو کبھی ایلیس۔ غرض کہ ان کی شخصیت کی تخلیق میں مختلف
عناصر کارفرما ہیں۔

ٹیگور ایک بین الاقوامی شاعر تھے۔ ان کی وسیع النظری کے سبب
دنیا کے تمام ممالک ان کے لئے ایک جیسے تھے۔ وہ قوم پرست فرد

تھے لیکن لفظ قومیت ان کے یہاں بڑے وسیع معنوں میں استعمال
کیا گیا ہے۔ وہ صوبہ پرستی، فرقہ پرستی اور ملک پرستی سے بالاتر تھے۔
بنگال میں پیدا ضرور ہوئے تھے لیکن وہ صرف بنگال کے شاعر نہیں تھے
اگر ایسا ہوتا تو پنجاب کے تاریخی حادثہ سے اس قدر کیوں متاثر ہوتے؟
اور "سر" کا اعلیٰ ترین خطاب کیوں واپس کرتے؟ ٹیگور کی شاعری
بلا امتیاز اِیں و آں تمام انسانوں کے لئے تھی۔ وہ خود بھی من و تو کا فرق
مٹانا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا: "میں تو اس مستقبل کا منتظر ہوں
جب انسان انسان کے ساتھ محبت کے ڈورے میں بندھ جائے گا۔
اور ملک و وطن، قوم و نسل کے امتیاز مٹ جائیں گے اور جب انسان
"میں" اور "تم" کے بجائے اپنے آپ کو "ہم" کہہ کر پکارا کرے گا۔"
(ٹیگور نمبر۔ آجکل)

ایسے عظیم اور لافانی شاعر کی شاعری کسی ایک خاص طبقہ یا فرقہ
یا ملک و قوم کی جاگیر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام دنیا کے لئے امن و شانتی
اور محبت و اخوت کا ایک پیغام ہے اور بقول YEATS ستاروں
کی طرح ہر ایک ملک کا سرمایہ ہے۔

ٹیگور کے گیت

پلب سین گپتا

جوڑاسانکو میں ٹھاکر خاندان کا مکان علم وادب اور ثقافت کا مرکز تھا۔ اس ادبی وثقافتی ماحول میں رقص وموسیقی اور گیت وسنگیت کی تہذیب کا پنپنا فطری عمل تھا۔ گیت وسنگیت کی فضا نے اس گھر کو ثقافتی دولت سے مالامال کر رکھا تھا۔ کلاسیکی موسیقی کے وشنوپور حلقہ کے مشہور گویے جادو بھٹ، وشنو چکرورتی، شری کانتھ سنگھا اور اس وقت کے تقریباً تمام مشہور گویوں نے ٹیگور گھرانے کو کلاسیکی موسیقی سے سرشار رکھا۔ جیوتیندرا ناتھ ٹیگور نے یورپی موسیقی سیکھنی شروع کردی اور آکشے چودھری کی شکل میں انہیں ایک پُرخلوص اور اچھا شاگرد ملا۔ چونکہ ٹیگور برہمو سماج سے وابستہ تھے اس لئے برہمو سماج کے مذہبی گیت ٹیگور خاندان میں بہت مقبول تھے۔ وہاں لوک موسیقی اور کرناٹک موسیقی کا ذکر ہوا کرتا تھا۔

غائر مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ٹیگور کے گیتوں میں ترقی کے تین دور تھے۔ پہلے دور میں ان کے گیتوں میں کلاسیکی سنگیت، مارگہ سنگیت بہت نمایاں ہے۔ دوسرے دور میں پہلے دور کے سنگیت میں بنگال کی بہت سے اقسام کی لوک موسیقی میں گھل مل گئی ہے۔ اس دور میں مغربی موسیقی اور علاقائی موسیقی کی دھن سے بھی وہ کافی متاثر ہوئے۔ تیسرے دور میں ٹیگور کے گیت اور سنگیت عالمی نوعیت کے ہوگئے کیوں کہ ان میں دلوں کو بیدار کرنے کی اپیل ابھرتی ہے۔ شمالی اور جنوبی ہندستان کی کلاسیکی موسیقی، بنگال کے لوک سُر، ہندستان کے دیگر علاقوں کے علاقائی گیتوں کے سُر، مغربی موسیقی اور بہت سارے ایشیائی ملکوں کے گیتوں کے سُر — ان تمام سُروں کو انہوں نے اپنے گیتوں میں جگہ دے کر ایک سُر میں [illegible] کردیا۔ اس نقطہ پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ٹیگور کے گیت بے نظیر اور دلکش پھولوں کی طرح کھل گئے۔ موسیقی کے مکمل طور پر ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اس نے اپنا سفر اُس امن کی طرف شروع کیا جو آزادی کے پیغام سے ہمکنار رہا تھا۔ یہاں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نئی زندگی اور نئے خیالات جو انیسویں صدی میں بنگال کے ثقافتی انقلاب کے شاعرانہ وجدان اور تخلیقی تحریک سے رونما ہوئے تھے، ٹیگور کے گیتوں میں بام عروج تک پہنچ گئے۔

ٹیگور کے بہت سارے گیتوں کو کلاسیکی ہندستانی موسیقی کے مساوی سمجھا جاسکتا ہے لیکن ہمیں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ٹیگور خاندان میں کلاسیکی موسیقی کے فروغ میں وشنوپور مسلک (گھرانے) کو

کافی دخل حاصل تھا۔ گرچہ ہندستانی کلاسیکی موسیقی کے ایک ممبر ہونے کے علاوہ وشنو پور اسکول کی اپنی چند خصوصیات تھیں اور یہ خصوصیات خاص طور پر بنگال کی سرزمین سے وابستہ تھیں۔ وشنو پور کلاسکس میں قواعد سے زیادہ جذبات کو دخل تھا۔ بنگال کا جمالیاتی ذوق زندگی کے سیدھے سادے معصوم اور شفاف نظریہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وشنو پور کلاسیکی گیتوں کے بنگال کے لوک گیتوں کے سروں سے ملے ہوئے ہیں۔ اس لئے گرچہ ٹیگور نے کلاسیکی موسیقی سے آزادانہ فیض حاصل کیا تاہم ان کا بنگال کے جذبات سے گہرا رشتہ قائم تھا۔ مشرقی ہندستان کے گیتوں کے سروں کے راگ اور لے میں آزاد تحریک سرایت کر چکی تھی اور ٹیگور کے گیتوں میں یہی بنیادی جذبہ نظر آتا ہے۔ اس جذبے سے سرشار ہو کر کلاسیکی موسیقی کو اس کے خشک قواعد کی جال صاف کر کے ہمارے سامنے بہت دل کش اور متاثر ڈھنگ سے پیش کیا۔ اس جذبے نے انہیں مشرق و مغرب کے مختلف لے اور سروں کو یکجا کرنے میں مدد دی۔ اس نے ان میں یہ ہمت پیدا کر دی کہ انہوں نے دیگر موسیقی کاروں سے مشورہ کئے بغیر اپنے طور پر راگ اور راگنی کو ایک لے میں پرو دیا۔ اسی لئے ان پر الزام عائد کیا گیا تھا کہ انہوں نے روایتی رسم و رواج سے انحراف کیا ہے۔ انہوں نے زندگی کے سچے جذبات کو اجاگر کرنے کی کوششیں کیں اور اس کام میں ان کا تخلیقی جذبہ ایک مسلسل طاقت ثابت ہوا۔ اس سے قبل استادوں نے موسیقی کے قواعد کے دائرے میں رہتے ہوئے ناتراشیدہ عناصر کو یکجا کر کے کلاسیکی موسیقی میں نئی روح ڈال دی تھی۔ ٹیگور کو اس سے الگ رکھا جا سکتا ہے کیوں کہ انہوں نے قواعد کی جھاڑ کو توڑ کر کلاسیکی موسیقی کے افق کو وسیع بنا دیا۔

لوک گیتوں میں "بادل اور بھٹیالی" نے انہیں بہت متاثر کیا۔ اس کے علاوہ جاری ساری کرتن، رام پرشادی سیر گمبھیرا، جھارگنی، مرشدی، درحقیقت ان تمام لوک گیتوں کو ٹیگور نے اپنے نغموں میں جگہ دی جو سیکڑوں برسوں سے لوک گیت کی ثقافت کو اجاگر کر رہے تھے۔ یہ گیت تو لوگوں کے اندرونِ قلب سے رونما ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کے آنسو اور مسکراہٹ، ان کے احساسات، جذبات اور امنگیں ان تمام باتوں کو بنگال کے بے شمار شاعر اور گیت کاروں نے زندہ و

جاوید رکھا ہے۔ تاریخ انہیں فراموش کر سکتی ہے لیکن بنگال کے عام لوگ ان کی شاندار تخلیقات کی پوجا کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام ملکوں میں تمام ادوار میں لوک گیتوں کا یہی کرشمہ رہا ہے۔ اس میں ٹیگور نے بنگلہ موسیقی کی بنیاد کو دریافت کیا یہی وجہ ہے کہ وہ گھر کے اور باہر کے اتنے سارے کلاسیکی اور ہلکے پھلکے سروں کو یکجا کر سکے اور انہیں ایک شکل میں ڈھال سکے۔ اسی وجہ سے ان کے گیتوں کے دھن اور سروں میں لوک گیتوں کا پرتو نظر آتا ہے۔

مادرِ وطن کی ثقافت سے گہری محبت نے ٹیگور کے گیت کو، اپنی اپیل کی وجہ سے عالمی اور بین الاقوامی بنا دیا۔ "بین الاقوامیت قومی آرٹ کے پھولوں میں پیدا ہوتی ہے۔" اس حقیقت کو فراموش کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس رہنما ستون کو کھو دیا جائے، اپنی ذاتی شخصیت کو کھو دیا جائے اور بے گھر شہری ہو جایا جائے۔ صرف وہی قوم جس کی اپنی اعلیٰ ترقی یافتہ موسیقیانہ ثقافت ہے دیگر لوگوں کی موسیقی کو سراہ سکتی ہے۔ ایک شخص اپنے ملک کا صحیح محبِ وطن ہوتے ہوئے بغیر موسیقی میں یا کسی دوسری شاخ میں بین الاقوامی نہیں بن سکتا۔" (۱۹۴۸ء میں ماسکو میں سوویت موسیقار کانفرنس میں مسٹر اے ژداو کی تقریر سے اقتباس)

اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ٹیگور اپنے خاندان کی موسیقیانہ فضا میں مغربی موسیقی سے روشناس ہوئے اور نوجوانی میں ان کے انگلینڈ کے سفر نے ان میں مغربی موسیقی کے شوق کو جلا بخشی۔ اس وقت یورپی ثقافت کی احیائے نو اور تجدید کے لئے ایک مہم چلائی گئی تھی، یہ تو قدرتی بات تھی کہ اس کا اثر یورپی موسیقی پر بھی ہوا۔ گرچہ بورژوائی آرٹ کی نوعیت کے مطابق یہ انقلابی رجحان بعد کے دور کے مصنوعی اور رجعت پسند موسیقی کے درمیان غائب ہو گئے، گرچہ ابتدائی دور میں یہ اصول ثابت ہوئے تھے۔ روایتی طریقہ کی موسیقی سازی کی مخالفت میں یہ تحریکیں شروع کی گئی تھیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس تحریک کے چند سربراہ جیسے اسٹراسیس یا ڈیبوسی نے بہت حد تک مشرقی سروں پر انحصار کیا۔ مشرقی سر ٹیگور کے گیتوں میں پائے جاتے ہیں اور جو لوک گیتوں کی ثقافت کے عین مطابق ہیں۔ مثال کے طور پر میں آئرلینڈ کے گیتوں کا ذکر کر سکتا ہوں۔ اس سے قبل اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام ملکوں میں لوک گیتوں کے مقاصد ایک جیسے ہوتے ہیں اس لئے ٹیگور نے

دیگر ممالک کے لوک گیتوں سے کافی فیض حاصل کیا۔ ٹیگور کے گیتوں میں مختلف سُروں کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے۔ ٹیگور نے آسامی بن گیت بار گیت سے میسور، پنجاب، گجرات اور دیگر علاقوں کے گیتوں کے سروں سے بنگلہ موسیقی کے خزانہ کو مالا مال کیا۔ موسیقی کی دنیا کی تاریخ میں اتنے اقسام کے اتنے سارے سروں کے یکجا ہونے کی مثال شاید ہی کہیں ملے۔

لَے کی اس وسعت کے ساتھ ساتھ بحر اور اشعار سے بھی ٹیگور نے گیتوں میں روایت کے پھندوں سے خود کو آزاد کیا۔ اس لئے ہم ٹیگور کے گیتوں میں بنگلہ کلاسیکی اور لوک موسیقی کی راگ کی بہت ساری بحریں پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان گیتوں میں علاقائی گیتوں کے بحر اور سُر بھی ہیں نیز ٹیگور نے پرانے بحروں کو از سرِ نو منظم کر کے نئی نئی اچھی بحریں ایجاد کیں۔ بحروں کے انتظام میں ٹیگور کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے گیتوں کی بحریں ایک جیسی نہیں اور اسی وجہ سے انکی بحروں میں ایک جدت پیدا ہو گئی ہے۔

ایک گیت کے لئے بحر یا سُر زیادہ کون اہم ہے۔ اس سوال پر برسوں سے بحث ہو رہی ہے لیکن ہندستانی موسیقی کے پس منظر میں کلاسیکی گیتوں میں بحر کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے لیکن لوک گیتوں میں بحروں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ ٹیگور ہی ہیں جنہوں نے دونوں ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات پیدا کر دئے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ انہوں نے موسیقی کی بابت اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ ایک گیت وہاں مکمل ہو جاتا ہے جہاں گیت سُر سے مل جاتا ہے۔ ان کے گیتوں میں ایسے ملاپ کی جھلک نظر آتی ہے اور بحر اور سُر ایک دوسرے پر فدا ہو جاتے ہیں۔ اسی کو موسیقی کا گلستان کہہ سکتے ہیں۔

ٹیگور کے گیتوں پر جہاں بحث و مباحثہ ہوتا ہے وہاں لامحالہ ناچ کا ذکر بھی آجاتا ہے کیوں کہ دونوں میں ایک بنیادی رشتہ ہے۔ اینا پرلودا اور اودے شنکر نے، جنہیں ہندستان کے کلاسیکی ناچ کی تجدید کا علمبردار کہتے ہیں، اس صدی کی پہلی چوتھی کے دور میں ناچ میں شدت پیدا کرنے کا کام شروع کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ اسی عرصہ میں بنگال میں ٹیگور اور ٹراونکور۔ کوچین میں ملیالی شاعر والاتھولے بھی اس کوشش میں شامل ہو گئے۔ ۱۱۰۱۔ شنکر نے بھارت ناٹیم اور کتھک، جو کلاسیکل شکل کی موہنی ہے، کی طرف دھیان دیا اور ٹیگور اور والاتھولے نے علی الترتیب لوک ناچ سے ملتا جلتا منی پوری اور کتھا کلی کی طرف ——— ٹیگور کے گیت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں راجنی سین، دیوجیندر لال، اتول پرشاد اور نذرل کی یاد آتی ہے۔ اسی طرح ٹیگور کی ناچ تحریک پر بحث کرتے ہوئے اننا، شنکر اور والاتھولے کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔ دورِ وسطیٰ کے بعد ناچ امراء کے محلوں سے باہر نکل آیا۔ اس وقت بہت سارے قبیلے اور گروہ تھے جن میں لوک خصوصیات تو تھیں، لیکن انہوں نے کلاسیکل ناچ کے مذکورہ طور پر دھیان نہیں دیا اور نہ ہی ان کے ناچ نے فنی لطافت کو اجاگر کیا۔ ایسی صورت حال کے پیشِ نظر مذکورہ بالا لوگوں نے ناچ کے آرٹ کو اوپر اٹھایا اور اسے عزت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

ان میں ٹیگور نے اس آرٹ کے مزاج کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، اس کی بہتری کے کام میں نمایاں حصہ لیا۔ منی پور ناچ بذاتِ خود لوک ناچ کی طرح ہے۔ اس ناچ میں ہاتھ پاؤں کو ہلانے سے زیادہ فنکارانہ مٹھاس کی اپیل ہے۔ ٹیگور نے اس ناچ کو اور بھی عالمگیر بنا دیا۔

لیکن یہ سب باتیں کافی نہیں ہیں۔ ٹیگور نے ہندستان کے مختلف لوک ناچوں کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنے ناچ۔ ناٹکوں میں چار اقسام کے ناچ ——— منی پوری، کتھا کلی، کتھک اور بھارت ناٹیم ——— کی ٹکنیک سنتھالی، رائبنش اور گورلبو، ناچوں کی ٹکنیک کے ساتھ ملا کر پیش کیا۔ ناچ کے سلسلے میں اپنے تجربات میں انہوں نے ہنگری کے کسانوں کے ناچ، سری لنکا کے کندری ناچ، انڈونیشیا کے لوک ناچ بھی شامل کیا۔

ٹیگور کے گیتوں کی لَے نے لوگوں کے رجحانات کے اصل دھارے کی پیروی کی، جیسا کہ میں اس سے قبل ذکر کر چکا ہوں، ان کے گیتوں میں انسانیت کا جذبہ کار فرما ہے کیوں کہ ان کے گیت ملک کی ثقافت کو اجاگر کرتے ہیں۔ انہوں نے ہندستانی رزمیہ پر مبنی اپنی لکھی کہانیاں میں یورپی۔ گرجا۔ موسیقی، ہندستانی بھجن یا ہنگری کے لوک ناچ اور آئرلینڈ کی موسیقی، ان تمام تکنک کی آمیزش پیش کی ہے۔ سنگیت کے اس ملاپ کی وجہ سے ان کے گیتوں میں سادگی ہے، معصومیت ہے اور نغموں کی شادمانی ہے یا ابراہام کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں:

"ٹیگور کے گیتوں میں مذہبی سادگی ہے:

فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بے آہنگی اور ٹیگور

اپوربو کمار رائے

جب جذبات مذہب کا لبادہ اوڑھ کر
انسان کے دل و دماغ پر سوار ہو جاتے ہیں
تو انسان جذبات میں اندھا ہو جاتا ہے
صرف تباہی و بربادی مچاتا ہے اور خود بھی فنا ہو جاتا ہے
ایک ملحد بھی خدا کے رحم و کرم سے مستفیض ہوتا ہے
کیونکہ وہ مذہب کی بے جا نمائش نہیں کرتا ہے۔"

اپنی زندگی کے آخری عہد کے دوران ٹیگور نے اپنی نظم "دھرما موہا" (مذہبی جذبات) میں مذکورہ بالا باتیں کہیں جبکہ سارا ملک فرقہ پرست طاقتوں کے ہاتھوں تہس نہس ہو رہا تھا۔ انتہائی غم و غصہ سے مغلوب ہو کر شاعر چیخ اٹھتا ہے۔ "وہ ملک نہایت بدنصیب ہوتا ہے جہاں کچھ اور نہیں صرف مذہب ہی انسان اور انسان کے درمیان اتحاد کا سبب بنتا ہے۔ بہر کیف کچھ ممالک میں اس طرح کے رجحان نہیں پائے جاتے ہیں۔" پھر شاعر جذبات سے عاری ہو کر کہتا ہے:
"سوویت روس نے مذہب پرستی کے خلاف جنگ کرنے کی ٹھان لی ہے اور میکسیکو میں انقلاب رومن چرچ پر حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہے۔"

رواں صدی کے آغاز کے دوران ہی جبکہ فرقہ پرستی کا ناگ اپنا پھن اٹھائے ہوئے زہرافشانی کر رہا تھا اس وقت "نیشان کی" (قوم کیا ہے) کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا تھا۔ اس میں شاعر موصوف نے آرٹسٹ رینن کے اس نظریہ کی حمایت کی تھی جس میں رینن نے فرمایا تھا کہ قوم مذہب اور مذہبی اتحاد سے رتر ہے۔ اپنے اس مقالہ میں ٹیگور کہتے ہیں کہ نہ ہی مذہب اور نہ ہی زبان کو ایک قوم کی تشکیل میں لبطور لازمی عناصر تسلیم کرنا چاہئے۔ کوئی قوم ابھر کر اس وقت سامنے آتی ہے جب ایک مخصوص خطۂ ارض پر بود و باش اختیار کرنے والے ایک ساتھ اور آپس میں مل جل کر کسی سانحہ پر آنسو بہاتے ہیں، کسی خوشگوار موقع پر قہقہے لگاتے ہیں اور خوش آئند مستقبل کی تمنا کرتے ہیں۔ اور ہندوستان کثرت میں وحدت کی اپنی قدیمی روایات سے مالامال رہا ہے۔ شاعر

موصوف مزید فرماتے ہیں کہ قرنِ وسطیٰ کے دوران بھی ہندوستان اتحاد کے اسی دھاگے کی کھوج میں نہایت ہی سرگرم تھا۔ اپنی تصنیف بعنوان "آتما شکتی" (روحانی قوت) میں شاعر موصوف فرماتے ہیں کہ قرنِ وسطیٰ کے دوران ہندوستان میں مسلم اور ہندو سماج کے درمیان حائل امتیاز و تفریق کی دیوار بڑی تیزی سے ڈھائی جا رہی تھی۔ اس سلسلے میں آپ نانک، کبیر اور ان کے پیروکاروں کی سرگرمیوں کی جانب ہماری توجہ مبذول کرتے ہیں۔ قومیت پر اپنی بحث کے دوران بعد میں بھی آپ یوں گویا ہوئے ہیں کہ ہندوستان نے اپنے یہاں بود و باش اختیار کرنے والوں کے درمیان رائج حقیقی اختلافات کو تسلیم کرنے کی غرض سے آپس میں ایک سمجھوتہ کرنے اور ایک سلجھاؤ لانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور آج بھی اتحاد کی مخصوص بنیاد کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہندوستان کی تمام نسلوں کو خدائے واحد کی تبلیغ کرانے والے نانک، کبیر، چیتنیہ اور دیگر جیسے سنت اور ولیوں کے ذریعہ

17

یہ مخصوص بنیاد وجود میں آیا۔ اپنے ایک مقالہ بعنوان "بڑی ہستار بھارت" (عظیم تر ہندستان) جو جلد بعنوان "کمالنتر" (تعبیر) میں شامل ہے، میں ایک بار پھر آپ ہماری توجہ ہندستانی سماج میں رفاقت کے اس رجحان کی جانب مبذول کراتے ہیں کہ ہندستان پر مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں بھی چند مسلمان حکمرانوں کے خلاف ہندوؤں کے مذہبی تنازعہ کے باوجود عام انسانوں کے درمیان میل ملاپ میں ان کے ہندو یا مسلمان ہونے والے نام کبھی حائل نہیں ہوتے۔ آپ کے خیال کے مطابق وجہ یہ تھی کہ اس دور کے لوگ دخل در معقولات یا سیاسی اتحاد کے راستے پر گامزن نہیں ہوا کرتے تھے اور یہی سچا ہندستانی مذہب ہے۔

دراصل ہماری تاریخ سلطنتوں کے عروج و زوال اور سیاسی برتری کے حصول کے لئے جنگ و جدال کی روداد نہیں رہی ہے۔ ہمارے ملک میں ان قدیم عہد کے وقائع نگار کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور فراموش کر دیا گیا ہے کیوں کہ وہ واقعات ہمارے آباء و اجداد کی مسلسل تاریخ کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں۔ ہماری تاریخ ہماری سماجی زندگی اور روحانی مطمح نظر کی حصولی (قومیت) کا آئینہ ہے۔

اس طرح ہم لوگ ان مغلوں اور پٹھانوں کے حملوں سے بھی واقف ہیں جو ہندستان پر حملہ آور ہوتے تھے لیکن ہم لوگ انہیں محض انسانی نسل کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان کے بھی اپنے مذہب اور اپنے رسم و رواج تھے ان کے اندر بھی پسند اور ناپسندی کا جذبہ موجزن تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم لوگوں نے انہیں کبھی بھی ایک قوم تسلیم نہیں کیا۔ اس طرح ساکاؤں، ہنوں، پٹھانوں اور مغلوں نے بھی ہندستان پر حملہ کیا تھا اور یہ سب کے سب تاریخِ ہند میں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ رابندر ناتھ فرماتے ہیں کہ اس ملک کی اصل تاریخ سلطنتوں اور اقتداروں کے عروج و زوال کے لرزہ خیز وقائع پر مبنی ہے۔ ان واقعات کے مطالعہ کے بعد ہر کوئی سوچ سکتا ہے کہ اس وقت بھارت ورش کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ دھول میں لپٹا اور خون آلودہ جھنڈا لہراتے ہوئے سب فاتح پٹھانوں اور مغلوں کے نعرۂ یلغار گرجتے ہوئے بگولوں کی طرح فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ اس وقت بھی ہمارے ملک کا وجود بالکل ٹھوس حقیقت تھا۔ اگر صورت حال اس کے برخلاف ہوتی تو کبیر، نانک، چیتنیہ اور تکا رام جیسی عظیم شخصیتیں اس ملک سے کچھ کم جنم نہیں لیتیں۔ اس سلسلہ میں آپ مزید فرماتے ہیں کہ آج کے تعلیم یافتہ ہندستانی جنہوں نے انگریزی اسکولوں سے تاریخِ ہند پر اسباق یاد کئے ہیں ہمارے ملک کے اندر اس وقت وقوع پذیر ہونے والی اہم سماجی تبدیلیوں کے داخلی دھاروں

سے ناواقف تھے۔ یہ سماجی تبدیلیاں ہمارے مادرِ وطن کی بقا و ترقی کے لئے نہایت ہی اہمیت کی حامل تھیں۔

فطری طور پر تاریخِ ہند کی انگلیسی شہنشاہی تشریح کو ہر حال میں متعصب ہونا ہی تھا۔ ملک الشعراء ٹینی سن جو انگلیسی شہنشاہیت کا مشہور حمایتی تھا، نے بعنوان "خوابِ اکبر" (اکبرس ڈریم) ایک نظم کہی۔ اس نظم میں اس نے ہندستان پر حکمرانی کرنے والے ان انگلیسی اشخاص کے کردار کی قصیدہ خوانی کی ہے جنہوں نے اکبر کے خواب کو حقیقت کا روپ دیا تھا۔ اپنے درجِ ذیل اشعار میں شاعر موصوف اس تصور میں گم ہیں کہ ایک متحد اور سیکولر ہندستان کے اپنے خواب کی تکمیل پر اکبر نے اپنی قبر سے اظہارِ اطمینان کیا:

"دعا کیلئے اٹھنے والے وہ تمام ہاتھ جو اللہ کے ہی ثناخواں ہیں
میری زندگی کا مشن بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔"

اپنے مقالہ "انگریز اور بھارت ورش" (انگریز اور ہندستان) جسے انہوں نے گزشتہ صدی کے آخر میں ضبطِ قلم کیا تھا، میں ٹانی سن پر تنقید کی ہے اس میں آپ نے اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ اکبر کے ایک سیکولر اور متحدہ ہندستان کے خواب / نظریہ کی بنیاد انسانیت اور پیار پر قائم تھی۔ اکبر ہندستان میں مختلف مذاہب کا امتزاج قائم کرنا چاہتا تھا۔ مذکورہ بالا مقالہ میں رابندر ناتھ فرماتے ہیں کہ انگریز حکمرانوں نے انگلیسی شہنشاہی مفاد کی بقا و فروغ کے لئے سماجی اتحاد کی ہماری قدیم روایت ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے ان دو بڑے مذہبی فرقوں کے درمیان شک اور جلن کے بیج بوئے۔ آپ کے خیال کے مطابق یہ بالکل فطری امر ہے کہ بیرونی حکومت ہمیشہ ہندستان میں مقیم ان دو مذہبی فرقوں کی بے اطمینانی اور بیر کے احساس کو تقویت پہنچائے گی تاکہ ان کی گرفت اس کالونی پر زیادہ عرصہ رہے اور کسی طرح اسے نقصان نہیں پہنچے۔

بہرکیف فرقہ وارانہ عدم آہنگی کی جڑیں کہیں اور بھی ہیں۔ ہم لوگ ہندستانی آبادی کے ترقی یافتہ فرقوں انگریزوں کی "ڈیوائیڈ اینڈ رول" (لڑاؤ اور حکومت کرو) کی پالیسی پر کڑی تنقید کرتے ہیں لیکن ہم لوگ کٹر مذہبی جنون میں مبتلا افراد اور غیر ذمہ دار مفاد پرستانہ سیاست کے ذریعہ بھڑکائے گئے ہمیشہ نقطۂ عروج پر پہنچنے والے مذہبی جذبات کے خاتمہ کے بارے میں بالکل نہیں سوچتے ہیں۔ ہندستان میں فرقہ وارانہ مسئلہ پر مباحثہ کے دوران اپنے مقالہ بعنوان "سمسیہ" جو جلد "کالانتر" میں شامل

ہے۔ میں ربندرانا تھ فرماتے ہیں کہ اگر تیسری جماعت ہماری دشمن ہے تو ہمیں اپنے دماغ میں یہ بات گرہ باندھ لینی ہوگی کہ وہ لوگ ہمارے شگاف یا دراڑ کو پاٹنے کے لئے طوفاں کی شکل میں نہیں آتے ہیں۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ایک مذہبی فرقہ کا دوسرے فرقہ کے خلاف برانگیختہ ہونا نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہاں ہم پر یہ لازمی ہے کہ ہم لوگ اپنے عیوب خود تلاش کریں۔

ربندرانا تھ نے سیاسی اتحاد سے زیادہ سماجی میل جول پر زور ڈالا ہے۔ بنگال کی تقسیم کے سوال پر ہم لوگوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو انگریزوں کے متحد کرنے کی کوشش کی تھی۔ بنگال کا تعلیم یافتہ طبقہ خصوصاً ہندو انگریزوں کی حکومت کے ظلم وستم کے خلاف بڑی سرگرمی کے ساتھ آگے آئے۔ کچھ عرصہ تک ربندرانا تھ نے بھی اس تحریک میں نمایاں رول ادا کیا۔ اپنی تقاریر، مقالے اور نغموں کے ذریعہ آپ نے اپنے ہم وطنوں کو متحرک کرنے کی کوشش کی۔ اور از را پاؤنڈ کا آپ کے متعلق بعد میں یہ فرمانا غلط نہیں ہے — "ٹیگور کی نغمہ سرائی نے بنگال کو ایک قوم بنا دیا۔" گرچہ اس تحریک نے بنگال یا ہندستان کو ہندستان میں نہ ہی قومی اور نہ ہی سماجی اتحاد کی حصولی میں کامیاب بنایا۔ ٹیگور کی سوانح حیات کی مصنفہ کرشنا کرپلانی نہایت ہی تکلیف کے ساتھ کہتے ہیں کہ بنگال کی تقسیم کا اعلان اس ملک میں مقیم دو بڑے مذہبی فرقوں کے درمیان بغض وحسد اور جنگ وجدال کی شروعات تھی۔ اس نے ملک میں ایک پرتشدد اور ہولناک ماحول پیدا کیا جس کی مثال تاریخ ہند میں نہیں ملتی ہے۔

ماضی کی ورق گردانی کرتے ہوئے نہایت ہی اندوہ کے عالم میں ٹیگور مذکورہ تحریک کی ناکامی کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے مقالہ "سودا پائے" (موزوں تدارک) میں وہ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے غلط طریقۂ عمل کی وجہ سے مسلمانوں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کو اپنا حمایتی بنانے میں ناکام رہے۔

اپنی طویل زندگی کے دوران ربندرانا تھ نے کبھی بھی بے اصول سیاسی اتحاد کی کسی شکل میں بھی حمایت نہیں کی۔ اپنے مقالہ "سمتیہ" میں آپ ہمیں اس خلافت تحریک کی ناکامی کی یاد دلاتے ہیں جس نے نہایت ہی کم عرصہ کے لئے ہندو مسلم دوستی کا سہارا لیا۔ ایک جگہ اور اپنے مقالہ "ہندو مسلماں" مجموعہ کلام بعنوان "کلنتار" میں شائع ہوا۔ میں اب اسی ساز پر نغمہ سرائی

کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی تالی اور چپی خصوصاً باہر سے کبھی بھی پائیدار ثابت نہیں ہو سکتی ہے اور سیاست میں بھی ہم لوگ یہ توقع نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ تالی اور چپی زیادہ عرصہ کے لئے سود مند ثابت ہوگی۔ شاعر کی چیخ وپکار بالکل رائیگاں گئی۔

پُرفکر شاعر نے آگاہ کیا کہ ان دو فرقوں کے درمیان سماجی اور معاشی دیواروں کو گرائے بغیر ہم لوگ اس پرانے فرقہ وارانہ مسئلہ سے مستقبل کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس لئے اپنی آزادی کی حصولی کے بعد ہی سے اکثر و بیشتر یہ ملک فرقہ پرست جنونیوں کی گرفت میں چلا جاتا ہے اور پہلے کی طرح جب بھی یہ ملک مذکورہ جنونیوں کی گرفت میں آتا ہے تو شیطان کے چیلے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔

اور آج ہم پر یہ قومی فرض بنتا ہے کہ ہماری آزادی کی چند دہائیوں کے بعد آج ہم لوگ زمانہ قدیم سے چلی آرہی شرمناک روایت سے ملک کو نجات دلائیں۔

اور اپنے سر یوں بلند کریں
کہ وہ بیکراں آسمان کی بلندیوں کو چھو لے
وہ پرفیض نور تک جا پہنچے
اور ہر طرح کی کثافت سے پاک ماحول سے سرشار ہو جائے ..

ٹیگور بحیثیت مصوّر

رابندرناتھ ٹیگور نے جہاں شعر و ادب کی دنیا میں عالمگیر شہرت حاصل کی، مذہبیات، اخلاقیات، سیاسیات اور سماجیات سے مدبّر اعلیٰ کے طور پر اپنا لوہا منوایا، تعلیم کے میدان میں بنیادی تجربات اور عملی اقدامات کے ذریعہ ایک عالم کو متوجہ کیا اور جہاں ہزاروں ہزار بیقرار دلوں کو اپنے گیتوں کی رم جھم سے سرشار کیا وہیں انہوں نے آڑی ترچھی لکیروں سے بنی تصویروں کی نمائش سے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

۱۹۳۰ء میں سب سے پہلے ٹیگور کی مصوری کی نمائش فرانس کے شہر پیرس میں ہوئی۔ اس سے قبل خود ہمارے ملک میں انکی اس خوبی سے بہت سے لوگ واقف نہیں تھے۔ لیکن جب ان کی اس نمائش کی خبر اخبارات میں چھپی تو لوگ حیرت زدہ ہوئے۔ اس نمائش میں ان کی مصوری کے ۱۲۵ نمونے رکھے گئے تھے۔ پیرس میں ٹیگور اور ان کی مصوری کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ اس کے بعد برمنگھام، انڈیا ہاؤس لندن، برلن (جرمنی) اور ماسکو، امریکا کے شہر بوسٹن اور نیویارک میں انکی تصویروں کی نمائش ہوئی جس سے ٹیگور کو جدید ہندستان کا پہلا بین الاقوامی مصور ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ممتاز مصور نند لال بوس لکھتے ہیں کہ گرودیو نے ابتدائے جوانی میں ایک بار تصویر بنانے کی کوشش کی تھی لیکن جم کر مصوری میں انہوں نے ہاتھ اس وقت لگایا جب وہ تقریباً ستر سال کے تھے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ وہ حسن کے دلدادہ تھے لہٰذا ہر چیز میں صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اپنی تحریر کے کسی حصے میں کاٹ چھانٹ کرنے کے لئے وہ ان الفاظ پر سیاہی پوت دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے دیکھا کہ اس کاٹ چھانٹ میں ایک تصویر سی ابھر آتی ہے اور ان کو یہاں وہاں، ذرا سی قلم کی نوک سے حرکت دی جائے تو وہ پھول، پرندیا کوئی اور جانور کی شکل میں نمودار ہو سکتے ہیں۔ بس یہی تھا وہ خیال جس کے عمل نے رفتہ رفتہ ان کو مصوّر بنا دیا۔

پہلے دور کی مصوری میں رنگین عکاسی بہت نمایاں ہے کیونکہ اس دور میں انہوں نے اس دنیا کی مخلوقات کو، ہوا اور پانی کو اپنی مصوری میں جگہ دی دوسرے دور میں خشکی کے مناظر کی بھی عکاسی کی ہے۔ بچپن ہی میں ٹھاکر کو قدرتی مناظر سے ایک لگاؤ پیدا ہو گیا تھا اور شیلائی داہ اور شانتی نکیتن کے ماحول نے اس لگاؤ کو اور بھی مستحکم کیا۔ تیسرے دور کی مصوری میں انہوں نے انسانی چہروں کو پیش کیا۔ اس دور کی تصویروں میں انسانی جذبات کا اظہار ہے۔ انہوں نے عورتوں کی تصویریں بنائیں جن کے چہرے کی بے رونقی اور زردی آج بھی سربستہ راز ہے۔ ان تصاویر کی خاموشی ایک خاص جذبہ کو ابھارتی ہے ٭٭
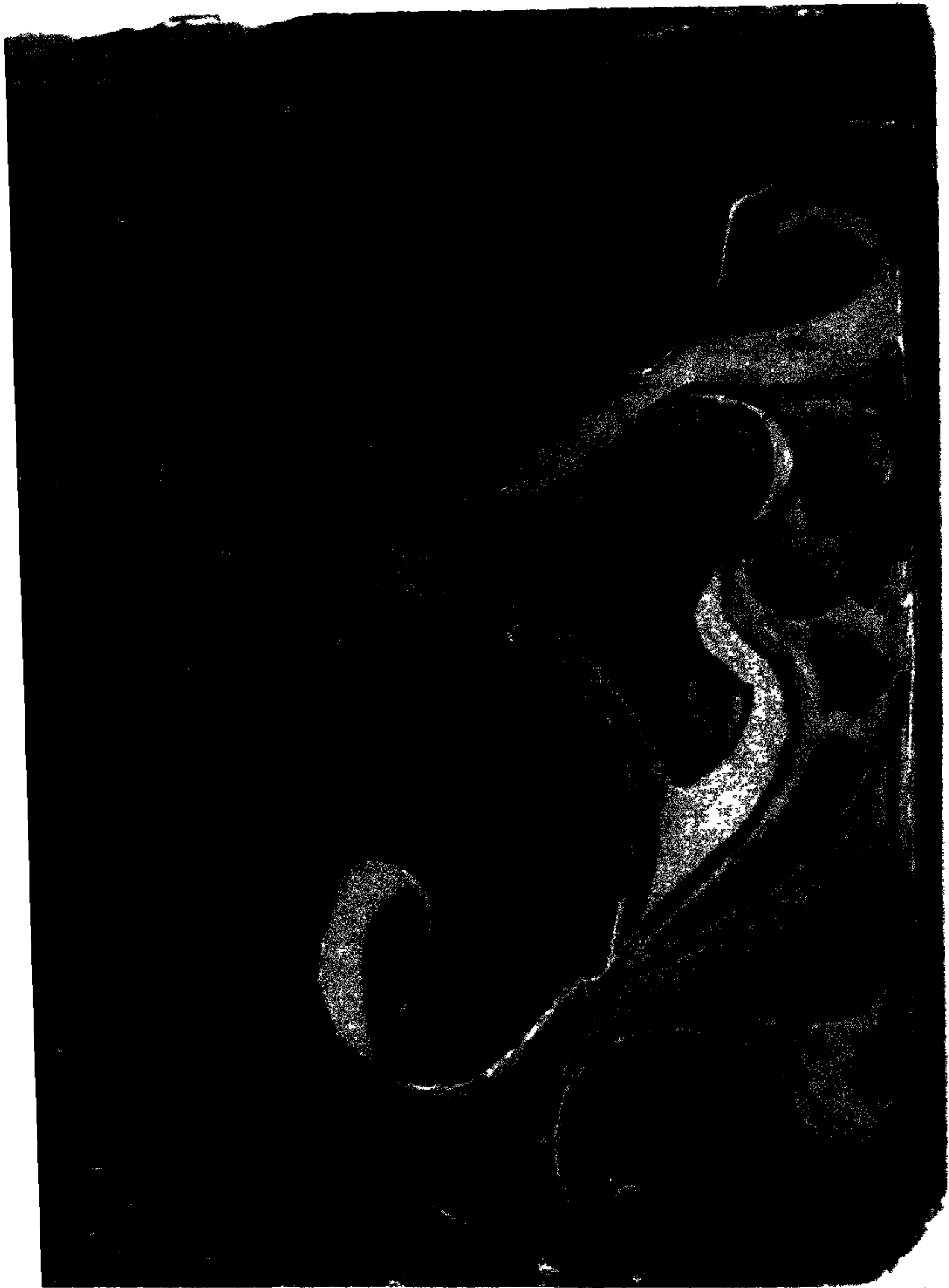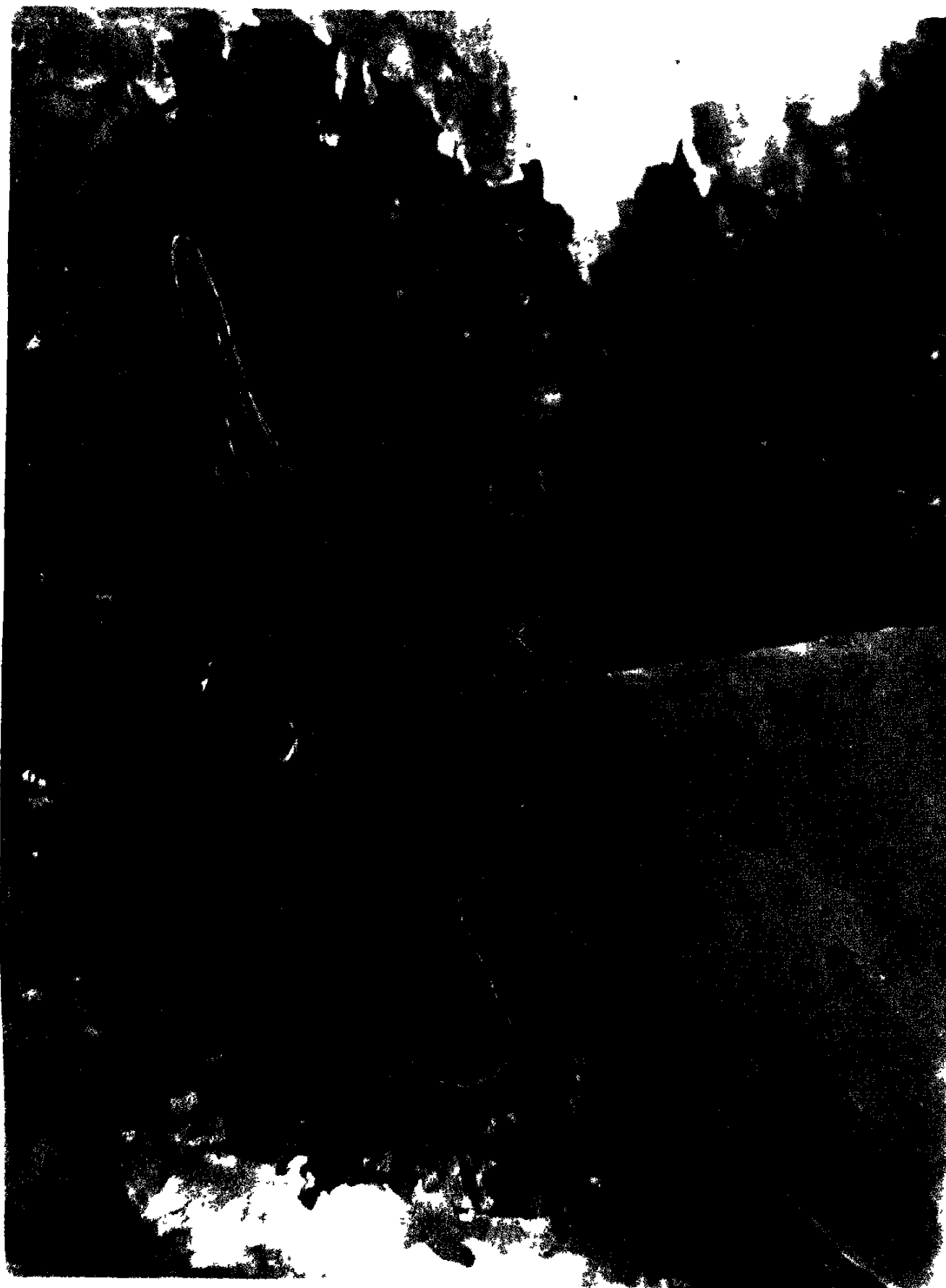
ٹیگور کے ناول اور افسانے

شانتی رنجن بھٹاچاریہ
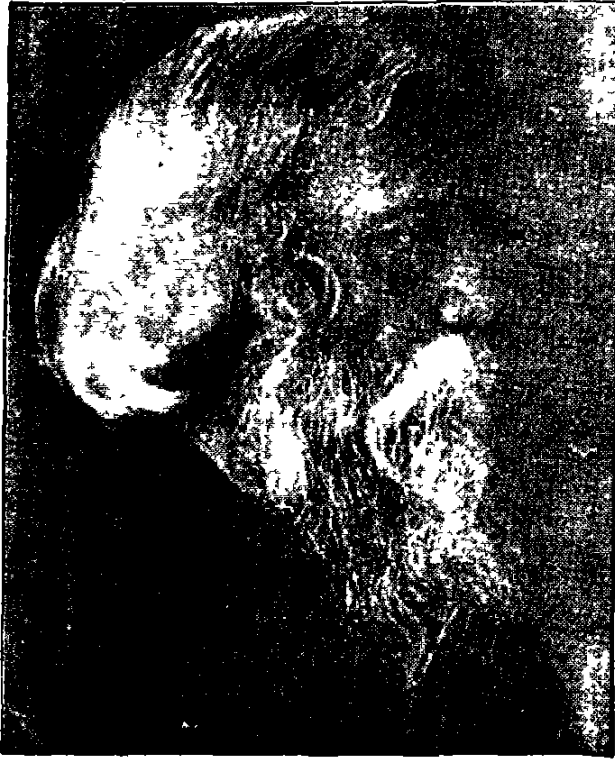
کئی قلم کاروں نے ربندرا ناتھ کو بنگلہ افسانے کا موجد قرار دیا ہے۔ لیکن تحقیق کی روشنی میں یہ درست نہیں ہے۔ بنگلہ زبان کا پہلا افسانہ "مدھومتی" جو شری پوہ کی تخلیق ہے ماہنامہ "بنگ درشن" ۱۲۸۰ بنگلہ سنہ مطابق ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اور اس کے بعد چند افسانے شائع ہوئے لیکن بطور ایک افسانہ نگار کے بنگلہ ادب میں کوئی فرد واحد ابھر کر ربندرا ناتھ سے پہلے نہیں آسکا ہے لہٰذا ربندرا ناتھ بنگلہ زبان کا پہلا تسلیم شدہ افسانہ نگار ہیں جن کے افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔

ربندرا ناتھ نے اس جدید فن کو اتنی ترقی دی کہ آج کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے موجودہ افسانہ نگار تقریباً ایک صدی کے طویل سفر کے بعد بھی ٹھاکر کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ناول میں جس طرح مکمل طور پر کرداروں کو ابھار کر پیش کیا جا سکتا ہے، جس طرح زندگی کو میدان میں دکھایا جا سکتا ہے، اس طرح افسانہ زندگی کی مکمل کہانی نہیں ہوتا، بلکہ وہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل، معمولی مسائل، اڑتے ہوئے لمحات کسی ایک خیال یا جذبے کا ترجمان ہوتا ہے۔ ربندرا ناتھ کے الفاظ میں ایک ذرا لمس، صرف چھو لینا، ایک افسانے کی تخلیق کے لئے کافی ہے۔ ٹھاکر نے زندگی کے ایسے ہی لمحوں کو، چھوٹے چھوٹے واقعات کو، ایک ایک لمس کو، چھوٹی سی بات کو، ٹکڑے ٹکڑے ادھورے اور بکھرے خیالات کو، وقتی جذبات کو، اپنے افسانوں میں سمو لیا۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا کہ کسی افسانے کے مرکزی خیال کو بعد میں انہوں نے کسی ناول میں وسعت دی اور پھر ایسا بھی ہوا کہ کسی ناول کو بعد میں انہوں نے ڈرامے کی شکل دے کر اسٹیج پر پیش کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ بار بار وہ اپنی تخلیقات میں کاٹ چھانٹ کرتے رہے، تبدیلیاں کرتے رہے، لہٰذا ان کی زندگی میں ان کی تخلیقات خاص کر ڈرامے کے جو نئے ایڈیشن شائع ہوتے رہے ہیں ان میں ہم بے شمار تبدیلیاں پاتے ہیں۔

ربندرا ناتھ سے پہلے بنگلہ ادب میں فن ناول نگاری نے ایک روپ پا لیا تھا اور بنکم چٹرجی نے تاریخی ناول نگاری کو ایک شکل دی تھی۔ ٹھاکر کے ابتدائی ناولوں پر بھی بنکم چٹرجی کے اثرات ہیں۔

ناول ہوں یا افسانے ربندرا ناتھ نے ہمیں جو نئی چیز دی ہے وہ عام لوگوں کا ذکر ہے۔ ٹھاکر سے پہلے ہم ناولوں اور افسانوں میں زمیندار پاتے ہیں، رئیس پاتے ہیں، راجے مہاراجے پاتے ہیں لیکن کہیں کوئی عام آدمی کا کردار ابھر کر نہیں آتا۔ کسی کسان یا مزدور کا ذکر نہیں آتا۔ ٹھاکر نے ہمیں ایسے لوگوں کی زندگی سے پہلی بار آگاہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سے یہ نچلے طبقے کے لوگ ادب میں ابھر آئے۔ ٹھاکر نے

ان لوگوں کو "پندرہ آنے والے" کہا ہے۔ یعنی ایک روپیہ، جو اُن دنوں سولہ آنے کا ہوتا تھا ان میں یہ لوگ ہی "پندرہ آنے" کے برابر ہیں۔ یعنی یہ کہ سماج میں ان کی بھاری بھرکم اکثریت ہے۔ ٹھاکر نے بتایا کہ اب وقت آ گیا ہے "پندرہ آنے" والوں کا ساتھ دینے کے لئے اور اب یہ اجاگر کرنا چاہیئے کہ "ایک آنہ" والے کس طرح "پندرہ آنہ" والوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں یعنی ٹھاکر نے بتایا کہ محض کسی عام آدمی کو لانا ہی ترقی پسندی نہیں ہے بلکہ ترقی پسندی اس میں پوشیدہ ہے کہ کس طرح اسے پیش کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو کسانوں میں کسی کھیت کے بٹوارے پر جھگڑا ہو جائے اور ایک دوسرے کو قتل ہی کر دے۔ اگر کہانی کا پلاٹ یہی ہے تو وہ کسانوں کو پیش کرتا تو ہوا لیکن یہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک کسان گھرانے کا بالکل نجی یا انفرادی معاملہ ہے۔ یہ دونوں لڑنے والے سماج کے مظلوم طبقے کے فرد ہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی طبقاتی کشمکش نہیں ہے۔ ایسی آپسی دشمنی سے تو یہ بڑا دشمن یعنی زمیندار ہی فائدہ مند ہوتا ہے۔ بڑے لوگ تو غریبوں کو آپس میں لڑا کر ہی اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں جس طرح ایک مفاد پرست حکومت عوام کے مختلف طبقے میں اختلافات کو پروان چڑھا کر آرام سے حکومت کرتی ہے لیکن اگر کوئی معمولی کسان زمیندار کے مظالم کے خلاف لڑتا ہے اور دوسرے کسانوں کو بھی اس لڑائی میں شامل کرتا ہے تو وہ اپنے وطن کے لئے قربانی دیتا ہے چاہے اس کی قربانی کی شکل کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ مگر اس میں ایک مقصد ہے۔ اس قربانی کی قدر و قیمت ہے اور اس مقصد قربانی کو اجاگر کرنا ہی فنکار کے سماجی شعور کی دلیل ہے۔ رابندرا ناتھ کی خوبی یہی ہے کہ انہوں نے ایسی قربانیوں کو اجاگر کیا ہے

شری الوکے چٹو پادھیائے نے ٹھاکر کے افسانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ۱۸۹۱ء سے ان کی کہانیاں بنگلہ ہفتہ وار "ہیتو بادی" میں شائع ہونے لگی تھیں لیکن اس بیان سے اگر یہ سمجھا جائے کہ ۱۸۹۱ء سے قبل ٹھاکر نے افسانے نہیں لکھے تو غلط ہوگا۔ رابندرا ناتھ نے ۸۵-۱۸۸۴ء (بنگلہ سنہ ۱۲۹۱) سے افسانہ لکھنا شروع کیا اور ان کا پہلا افسانہ "گھاٹیر کتھا" (گھاٹ کی بات) ماہنامہ "بھارتی" ماہ کارتک کے شمارے میں شائع ہوا۔ لیکن جیسا کہ شری کمار سندو پادھیائے نے لکھا ہے ۱۸۹۱ء سے قبل کا دور ٹھاکر کے ابتدائے عشق کا زمانہ تھا اور بطور افسانہ نگار ان کا پہلا دور ۱۸۹۱ تا ۱۹۱۷ء ہے۔ اس کے بعد وہ مکمل ۸ سال تک افسانوں کی دنیا سے دور رہے اور پھر ۱۹۲۵ء سے افسانے لکھنے لگے اور آخر دنوں تک وہ اس میدان میں شاعری، گیت، مصوری، مضامین اور ناول نگاری کے ساتھ چلتے رہے۔

رابندرا ناتھ کے افسانوں کو الوکے چٹو پادھیائے نے تین دور میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور سنہ ۱۹۰۱ء تک، جس دور میں انہوں نے ۶۵ افسانے لکھے۔ دوسرا ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک اور تیسرا ۱۹۲۵ء کے بعد کے افسانے۔ پہلے دور کے افسانوں کا موضوع عموماً گھریلو مسائل ہیں لیکن اس دور کے دو افسانے نہایت مشہور ہوئے اور یہ افسانے ٹھاکر کے بہترین افسانوں میں شمار ہوتے ہیں مثلاً "پوسٹ ماسٹر" اور پھر ان کا بین الاقوامی شہرت یافتہ افسانہ "کابلی والا" ۔۔ "کابلی والا" کا شمار دنیا کی بہترین کہانیوں میں کیا جاتا ہے۔ اس افسانے میں نہ صرف پدری محبت کو اجاگر کیا گیا ہے بلکہ یہ افسانہ ملک کی سرحدوں کو، مذہب اور رنگ و نسل کے بندھنوں کو توڑ کر یہ بتاتا ہے کہ جذبۂ محبت لامحدود اور عالمگیر ہے۔ انسان ہر ملک میں ہے اور اس انسان کے دل میں محبت ہے۔ یہ افسانہ آج بھی ہند اور افغانستان کے درمیان محبت کی ایک نشانی ہے۔ ایسا عظیم افسانہ رابندرا ناتھ جیسا عظیم فنکار ہی تخلیق کر سکتا ہے ۔ "ایک رات، مہامایا، درشٹی دان، مالیہ دان، مان بھنجن ادھیاپک، ستیشر رازی" وغیرہ بھی کامیاب افسانے ہیں۔

پہلے دور کے افسانوں میں قدرتی مناظر کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ افسانے دیہی بنگال، دریائے پدما کے کنارے کنارے دیہاتوں کے مناظر پیش کرتے ہیں۔ چونکہ ان دنوں رابندرا ناتھ شلائی داہ کے دیہی علاقوں میں تھے۔ ان افسانوں میں گاؤں کے لوگوں کی زندگی، ان کے مسائل، ان کی سادگی، ان کا دکھ درد سب کچھ بالکل فطری طور پر آیا ہے۔

"کھودی تہ پاشان" (بھوکے پتھر) "نشی تھے" (رات میں) "منی ہار" ۔۔ جیسے افسانے کو بعض نقاد نے بھوتوں یا روحوں کی کہانیاں قرار دیا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ افسانے بھوتوں کے سلسلے میں نہیں ہیں اور دراصل ٹھاکر بھوتوں کے قائل بھی نہیں تھے۔ کبھی کبھی کسی

فرد کے دل و دماغ پر کوئی گہرا نقش کسی خاص وجہ سے جم جاتا ہے
کہ ایک خیال دل و دماغ پر چھا جاتا ہے اور وہ خیال اسے پریشان
کرتا ہے، وہ خیال بار بار ابھر آتا ہے، وہ خیال سے باتیں کرتا ہے
اور ایسی حرکتیں کرتا ہے جو عام حالات کے تحت کوئی آدمی نہیں کرتا۔
یعنی یہ ایک طرح سے دماغی کمزوری کی علامت ہے۔ اس قسم کے
کامیاب افسانے لکھنا نہایت دشوار کام ہے۔ ادب اور مصوری
میں فنکار کی اس ذہنی کیفیت کو "سرریلزم" (Sur Realism)
کہتے ہیں اور یہ بذاتِ خود ایک بڑی فنکاری ہے۔ "کھودی تہ پاشان"
جیسا کامیاب افسانہ ربندرا ناتھ کے بعد اور کوئی لکھنے میں کم از کم
بنگلہ ادب میں کامیاب نہیں ہوا۔ ایسے افسانے لکھنے کے لئے اس
ڈھنگ کا بین الاقوامی شہرت یافتہ افسانہ نگار کولیرج کو بھی غیر
فطری طور پر سنسان گھنے جنگل اور روحوں کی دنیا بسانی پڑی لیکن
ربندرا ناتھ نے نہایت کامیابی اور فن کاری سے ایک محل کی چار دیواری
میں ایسا ماحول پیدا کر لیا۔ افسانہ "نشی تھے" بھی اسی ڈھنگ کا افسانہ
ہے۔ پہلی بیوی سے شوہر نے جو ناانصافیاں کی تھیں وہ ناانصافیاں
شوہر کے دل و دماغ میں ہلچل مچاتی ہیں۔ اسے بار بار اپنی ناانصافیوں
کا خیال ستاتا ہے۔ بسترِ مرگ پر پڑی پہلی بیوی جو بار بار اپنے شوہر
سے سوال کرتی تھی ــــ "وہ کون ہے، کون ہے، کون ہے وہ" ــــ
یہی سوال شوہر کے دل پر نقش بن کر رہ جاتا ہے اور یہی سوال اسے
ہمیشہ پریشان کرتا ہے ــــ افسانہ "منی ہار" پڑھنے کے بعد دیر تک
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ" میں جاگ رہا تھا یا خواب دیکھ رہا تھا"
ــــ "کھودی تہ پاشان" اور "نشی تھے" کی طرح یہ بھی ایک شوہر کی
کہانی ہے۔ ان افسانوں کی زبان خاص کر "کھودی تہ پاشان" کی زبان،
اندازِ بیاں، ماحول کی عکاسی اور اس کا ہر لفظ ایک ایسا ماحول پیدا
کرتا ہے جو ایک عظیم فنکار ہی پیدا کر سکتا ہے۔

دوسرے دور کے افسانوں میں "بیوی کا خط" پہلا نمبر، سہاپتی،
میگھ و ردّر، ماسٹر جی، راش منی کا بیٹا، ٹھاکردا اور ہالدار گھرانہ اہم
ہیں۔ اس دور کے بیشتر افسانوں کا تعلق شہری زندگی سے ہے۔
اس عہد میں سیاست کو آج کی طرح اہمیت حاصل نہیں تھی، پھر
بھی ٹھاکر کے کئی افسانوں میں ان دنوں کی سیاسی کشمکش صاف ملتی

ہے مثلاً ایک رات، میگھ و ردّر، راج ٹیکہ، دھنگشا، سنسکار،
بدنام، شیش کتھا وغیرہ ــ "بیوی کا خط" کا موضوع سیاست
نہیں ہے لیکن اس میں بھی سماجی اور سیاسی مسائل آ ہی گئے ہیں۔
انگریز مخالف شرت، عورت ذات کی بے عزتی کو برداشت نہیں کر
پاتا ہے جبکہ گھر کے دیگر افراد سماج کی قدامت پسندی کا ساتھ دیتے
ہیں اور وہ لوگ صاحب لوگوں (انگریزوں) کی خوشامد بھی کرتے
ہیں۔ "دھنگشا" (تباہی) کا پس منظر دوسری جنگِ عظیم ہے جس میں
جنگ سے ہونے والی تباہی و بربادی کو پیش کیا گیا ہے۔ اس سے
جنگ کے خلاف نفرت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں لکھا ہوا
افسانہ "سنسکار" میں غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ اور ہریجن لوگوں کو
سماج میں مقام دینے کی وکالت کی گئی ہے۔ افسانوں کا مجموعہ "لی پی کا"
کا افسانہ "بی درشک" جو قدیم بادشاہی عہد کے پس منظر میں لکھا گیا
ہے۔ اس میں سامراجیت کے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی
دیتی ہے۔ بی درشک کہتا ہے ــــ میں مر بھی نہیں سکتا اور
قتل و خون بھی نہیں کر سکتا۔ بھگوان کی کرپا سے میں صرف ہنس سکتا
ہوں۔ لیکن اگر میں مہاراجہ کے دربار میں رہا، ان کی محفلوں میں رہا تو
میں اپنی ہنسی بھول جاؤں گا، مسکرانا بھول جاؤں گا۔ سامراج کے
لالچ میں راجا ہنسی کا خون کر رہا ہے ــــ "درشا" تاریخی رومانی
افسانہ ہے اس کے باوجود اس میں سیاست شامل ہے کیوں کہ
اس میں سپاہیوں کی بغاوت (غدر) کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔
ٹھاکر کے دور کے بنگالی دانشوروں نے غدر کی اہمیت کو تسلیم نہیں
کیا تھا۔ ایسی حالت میں ۱۸۹۸ء میں ٹھاکر نے اس افسانے میں
بغاوت کو جو اہمیت دی ہے وہ نہایت اہم اور قابلِ قدر جذبہ ہے
افسانے کا ایک اور کردار کیشر لال کہتا ہے ــــ "اب گائے کھانے
والے گوروں کو ہندوستان سے دور کر کے پھر سے ایک اور بار ہندو
مسلمان کو تختِ شاہی پر بٹھانا ہوگا" ٹھاکر کے اسی افسانے پر
روشنی ڈالتے ہوئے اور کیشر لال کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے شری
کھیتر گپت نے لکھا ــ "اس عہد کے بنگالی دانشوروں کے مقابلہ
میں رابندر ناتھ کے افسانوں میں تاریخی شعور بہت زیادہ واضح اور
فکر انگیز ہے" ــ میگھ و ردّر، نامنظور اور شیش کتھا کے ہیرو

انقلابی ہیں، باغی ہیں۔ یہ باغی انفرادی طور پر بغاوت کرتے ہیں۔ کسی انگریز کا خون کرنا یا کسی پولس کا خون کرنا ان کا کام ہے۔ ٹھاکر نے ایسے باغیوں کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کی بغاوت سے آزادی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے لیکن ٹھاکر بغاوت کے مخالف نہیں ہیں۔ وہ انفرادی ہیرو پرستی اور دہشت پسندی کی تائید نہیں کرتے۔ چونکہ ان کے خیال سے اس راستے پر چل کر آزادی حاصل نہیں کی جا سکتی ہے لیکن وہ ایسے باغیوں کے دلی جذبات کی قدر کرتے ہیں اور بغاوت کے جذبے کو عوام میں بیدار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ تحریک کی ضرورت کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے مذکورہ افسانوں سے یہ بھی نمایاں واضح ہو جاتا ہے کہ "تحریک" سے ان کا مطلب "اہنسا یا عدم تشدد" نہیں ہے۔ وہ ضرورت پڑنے پر "ہنسا" یا "تشدد" کے قائل تھے لیکن یہ تشدد ایک منظم تحریک کی شکل میں ہو۔ ہتھیار بند عوامی جنگ ہو۔ کم از کم ان کا افسانہ "بدنام" سے یہی ظاہر ہوتا ہے

رابندرناتھ نے کتنے افسانے لکھے کہا نہیں جا سکتا۔ سوکمار سین نے لکھا ہے کہ ان کے افسانوں کی تعداد لگ بھگ ایک سو ہے۔ لفظ "لگ بھگ" سے صاف ہے کہ انہوں نے صرف ایک اندازہ لگایا ہے لیکن یہ اندازہ درست نہیں ہے۔ افسانوں کے مجموعے "گلپا گوچھ" (مختلف حصے) اور مجموعہ "تین سنگی" میں ۹۳ کہانیاں ہیں اور "لی پی کا" سے اور "گلپا سلپا" سے ۵۲ افسانے ہیں۔ اس طرح ان کے افسانوں کی تعداد ۱۴۵ ہوتی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ چند اور افسانے بھی ہوں جو کسی مجموعے میں شامل نہیں ہو سکے۔ بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹھاکر نے ۱۵۰ کے قریب افسانے لکھے ہیں۔

رابندرناتھ کے ناولوں کی تعداد (جو کتابی طور پر شائع ہوئے) ۱۳ ہیں۔ انہوں نے شاعری اور ناول نگاری تقریباً ساتھ شروع کی تھی۔ ان کا پہلا ناول "کرونا" قسط وار رسالہ "بھارتی" میں بنگلہ سن ۱۲۸۴ مطابق ۱۸۷۷ء شائع ہوا لیکن غالباً یہ مکمل نہیں ہو پایا تھا لہذا کتابی طور پر یہ ناول شائع نہیں ہوا۔ اس کے بعد اسی رسالے میں "بو ٹھاکرانیر ہاٹ" (۱۸۸۱ء) شائع ہوا۔ یہ دونوں تاریخی ناولیں ہیں اور ان پر ناول نگار بنکم چٹرجی کا نمایاں اثر ہے لیکن ٹھاکر نے اس کے

بعد ہی اپنی راہ نکال لی۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ تاریخی ناولیں، تاریخ نہیں ہوتی ہیں بلکہ ناول کی ضرورت کے مطابق تاریخ کو محض پس منظر کے طور پر کام میں لایا جاتا ہے۔ اس طرح یہ ناولیں ستور یا ترپورہ کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ "راجرشی" کے بعد طویل سات سال تک رابندرناتھ نے کوئی ناول نہیں لکھا۔ اس کے بعد ان کا دوسرا قدم "چوکھیر بالی" (۱۹۰۲ء) اور "نوکا ڈوبی" (۱۹۰۶ء) آتے ہیں لیکن یہ ناولیں بھی ایسے نہیں ہیں جن کا خاص طور پر ذکر کیا جائے بلکہ کئی نقادوں کا خیال ہے کہ "نوکا ڈوبی" رابندرناتھ کا سب سے کمزور ناول ہے۔

رابندرناتھ کے ناولوں میں "گھرے بائرے" (۱۹۱۶ء)، "چتررنگ" (۱۹۱۶ء)، "جوگا جوگ" (۱۹۲۹ء) اور "شیشر کوبیتا" (۱۹۳۰ء) ایسے ہیں جو مقبول ہوئے۔ "گھرے بائرے" اور "چار ادھیائے" (۱۹۳۴ء) دونوں کا موضوع دہشت پسند بغاوت کی تحریک ہے۔ "جوگا جوگ" ایک مکمل ناول ہے۔

ٹھاکر کے تمام ناولوں میں "گورا" سب سے ضخیم اور اہم ترین ناول ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ "گورا" کی تخلیق کا زمانہ ۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۱ء ہے۔ "گورا" کی طرح ایک مکمل ناول جو اپنے سماج اور وقت کا ہر لحاظ سے ایک عظیم کردار ہے۔ محب وطن، مظلوموں کا ساتھی، ظلم کے خلاف جہاد کرنے والا، انسانیت کا پجاری، بیباک اور نڈر سپاہی، ہندو مسلم اور دیگر تمام مذاہب کے اتحاد کا اچھوتا نمونہ، آزادی کا متوالا، انسان دوست ––– "گورا" کی یعنی ہیرو گورا کی پیدائش غدر کے زمانے میں (۵۸-۱۸۵۷ء) ہوئی۔ وہ جب ۲۲، ۲۳ برس کا جوان ہوا تب تک کانگریس کا جنم نہیں ہوا تھا۔ یعنی کردار گورا سے گورا کی تخلیق کرنے والا فنکار ٹھاکر صرف تین چار سال کا چھوٹا رہا ہے۔ گورا کے مطالعہ سے واضح ہے کہ رابندرناتھ نے اس کی کہانی میں اپنے سیاسی، سماجی اور تاریخی شعور کو بھرپور استعمال کیا ہے اور اپنے ذاتی تجربات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "گورا" ان کا کامیاب ترین ناول ہے۔ بنگلہ ناول نگاری کے میدان میں گورا ہی پہلا کردار ہے جو غریب کسانوں کا ساتھی ہے جو کسانوں کے حق کے لئے انگریزی

حکومت سے ٹکرّ لیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک پولس کو مار کر ایک ماہ جیل کی سزا تک پاتا ہے۔

آج ہم فخر سے بنگلہ افسانے اور ناولوں کو دنیائے ادب کے سامنے پیش کرتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنگلہ زبان میں کئی ایسی کہانیاں اور کم از کم ایک ناول ہے جس کا شمار دنیا کے بہترین افسانوں اور ناولوں میں کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس فخر کو حاصل کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ ربندرا ناتھ کا ہے۔ شری دیبندر ناتھ بندوپادھیائے نے لکھا ہے ـــــ "افسانوں کی دنیا میں ربندرا ناتھ سے تعلیم حاصل کرکے آج آخرکار ہم ان سے آگے نکل جا سکے ہیں لیکن ناول کے میدان میں آج بھی یہ ممکن نہیں ہو سکا لہٰذا گورا آج تک بنگلہ زبان کا بہترین ناول ہے۔

"بہرحال دنیائے افسانہ اور ناول میں ربندرا ناتھ نے بنگلہ ادب کا سر اتنا بلند کر دیا کہ ان کا مقابلہ دنیا کے دیگر عظیم فنکاروں مثلاً موپاساں، ایلن پو، چیکوف، ٹالسٹائی اور گورکی وغیرہ سے فخر سے کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں حق بجانب ہیں ••

ٹیگور اور اُن کے چند مشہور مجموعہ ہائے کلام

مصطفیٰ اکبر

رابندرا ناتھ ٹیگور کی عظمت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ ان کا نام آتے ہی ذہن میں ایک شخصیت کے کئی روپ اُبھرنے لگتے ہیں۔ ناچ، ناٹک، سنگیت، مصوری، افسانے، ناول، شاعری ایک ہی شخص سے منسلک اتنے پہلو کہاں سب کو نصیب ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ روشن و تابناک پہلو شاعری کا ہے جس کے متعلق انہوں نے خود اظہار کیا ہے:

میرا ایک ہی تعارف ہے
سوائے اس کے اور کچھ نہیں
(کہ) میں صرف شاعر ہوں

ٹیگور بنیادی طور پر ایک شاعر تھے۔ زندگی میں انہوں نے جتنے مشاہدے اور تجربے کئے اور جو کچھ محسوس کیا، انہیں دلکش پیرائے میں اپنی شاعری میں پیش کیا۔ انہیں تو شاعری سے والہانہ لگاؤ تھا۔ شاعری تو زندگی کے ہر دور میں ان کے ساتھ رہی۔ ان کی زندگی میں کیسے واقعات رونما ہوئے، کتنے حالات بدلے۔ بدلتے ہوئے حالات کے تحت شاعری کے موضوعات بدلے لیکن ہر حالت میں شاعری کا آہنگ نہیں بدلا۔ وہی لے اور نغمگی، وہی کیف و مستی، وہی سرورِ زندگی انکی شاعری میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

ٹیگور نے اپنی ۶۸ سالہ ادبی زندگی میں بے شمار نظمیں اور گیت لکھے ۶۵ سے زائد مجموعہ ہائے کلام شائع ہو کر مقبولِ عام ہوئے۔ یہاں پر کچھ شعری مجموعوں کا سرسری جائزہ لینا ہی مقصود ہے

ٹیگور کی شاعری کا باضابطہ آغاز ۱۸۸۲ء کے بعد سے ہوتا ہے شاعر نے خود اس دور کو حقیقی معنوں میں اپنی شاعری کا ابتدائی دور تسلیم کیا ہے۔ اس سے قبل ۱۱ سال کی عمر میں ان کی پہلی کاوش "ابھیلاش" کی اشاعت ہوئی۔ ۱۲ سال کی عمر میں "پرتھوی راج پراجے" اور ۱۴ سال

کی عمر میں "ہندو میلہ" منظرِ عام پر آئیں۔ ان کتابوں پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے کوبی کا ہینی (۱۸۷۸ء)، اور بن پھول (۱۸۸۰ء)، کورونا، بھگنو ہردے (۱۸۸۱ء) میں شائع ہوئیں۔ ان کی کتابوں اور ان کی نظموں میں ٹیگور کی اپنی کوئی انفرادیت نظر نہیں آتی مگر ان کاوشوں کی بدولت وہ ادبی دنیا میں متعارف ضرور ہوئے۔ ان نظموں میں فطری، مذہبی اور قومی تصورات کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ ۱۸۸۲ء سے ٹیگور کی شاعری ایک نئے رنگ و معانی کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ اس دور سے ٹیگور کے کچھ مختلف مجموعہ ہائے کلام کا مختصر تعارف ملاحظہ

فرمائیے:

سندھیا سنگیت (شام کے نغمے):

۱۸۸۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس میں شاعر کے جوان دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں جن میں میٹھا میٹھا درد بھی ہے اور لذت آمیز سوز و گداز بھی ہے۔ اگرچہ فنی و فکری اعتبار سے اس میں بہت کچھ خامیاں ہیں لیکن ان خامیوں سے قطعِ نظر اس میں شاعر کے ذہنی ارتقا کو پرکھا جا سکتا ہے۔

پربھات سنگیت (صبح کے گیت):

یہ ٹیگور کی دوسری شعری کتاب ہے جو ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں شاعر کے دل کو درد و غم اور سوز و گداز سے مکتی ملتی ہے اور وہ حسن و عشق کی مستی اور سرخوشی کی لذتوں میں مستغرق نظر آتا ہے۔ یہاں شاعر کو زندگی کی غنائیت اترتی چڑھتی سانسوں کی لَے میں خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

چھبی-و-گان (تصویر اور نغمہ):

ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو ۱۸۸۴ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس میں عشق کے بیتاب جذبات، برسات کی سرور انگیز راتیں، چلچلاتی دھوپ میں سکوت آمیز دوپہر اور ایسی فطری قوت کے کتنے نقوش اس مجموعہ میں نظر آتے ہیں۔ شاعر اپنی متجسس نگاہوں سے دنیا کی نیرنگیوں اور رعنائیوں کو دیکھتا ہے اور ان کی تہہ دار لذتوں میں لطف اندوز ہوتا ہے۔

کوڑی-و-کومل (ساز کے سخت و نرم تار):

۱۸۸۶ء میں شائع۔ اس میں شاعر زندگی کے تلخ حقائق سے دوچار ہو کر اپنے بیرونی احساسات کو روحانی احساسات سے ہم آہنگ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں شاعر ظاہری حسن کی رعنائیوں میں باطنی حسن کا پرتو تلاش کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن ہر حال میں روح کی پاکیزگی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ شاعر یہاں پورے طور پر جذباتی نظر آتا ہے۔ یہیں سے ٹیگور کی شاعری میں جذبۂ رومانیت جنم لینے لگتا ہے جو اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ روحانیت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔

مانسی (روحانی):

۱۸۹۰ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں شاعر کا ذہنی ارتقا انتہائی تیز نظر آتا ہے۔ احساسات زیادہ شدید ہو گئے ہیں۔ یہاں شاعر حقیقی مسرت کی تلاش میں حسن و رومان کی اس عظیم مملکت میں پہنچ جاتا ہے جہاں صرف احساس کی شدت ہے اور جذبات کی فراوانی ہے اور جب یہ احساسات و جذبات شعر و نغمہ کے خوبصورت پیکر میں ڈھلتے ہیں تو حسن و عشق کی ایک حسین کائنات کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہاں جذبۂ رومانیت پورے شباب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔ شاعر اپنی تصوراتی دنیا میں آشا کی گیلی مٹی سے ایک ایسا بت تراش لیتا ہے جو پریم کی حدت پاتے ہی بولنے لگتا ہے۔ فضاؤں میں مدھر راگنی بکھرنے لگتی ہے جسے سن کر وجود میں رومانی لذت کا احساس گہرا ہو جاتا ہے۔

سونار تری (سونے کی ناؤ):

۱۸۹۴ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس میں شامل نظموں میں قدرتی مناظر، انسانی اقدار، جمالیاتی زندگی کے رنگ و روغن اور ان سے شاعر کے لگاؤ کو اجاگر کیا گیا ہے۔ تجربات و مشاہدات عمیق ہیں لیکن ان کا ذریعۂ اظہار نرم و سادہ ہے۔ شاعر کی انفرادیت پورے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ "سونے کی ناؤ" علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ہندوستانی کسان اپنے جان توڑ محنت سے اناج کی صورت میں مٹی سے سونا اگاتا ہے اور انگریز اور سرمایہ دار اسے سونے کی ناؤ میں بھر کر لے جاتا ہے۔ شاعر ایک ایسے محبوب کی راہ دیکھتا ہے جو شاعر زندگی کی رہزنی نہیں بلکہ زندگی کی پُرپیچ راہوں میں رہبری کرتا ہو۔

چترا (عجیب خاتون):

۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں رومان و تصوف کا دلکش امتزاج ہے۔ شاعر کی روحانی جستجو کا سلسلہ اس وقت ختم ہوتا ہے جب شاعر کی "ملکۂ تمنا" ازلی محبوبہ سونے کی ناؤ کو سمندر کے کنارے لا کر اپنے آپ کو دیرینہ عاشق کے حوالے کر دیتی ہے۔ ان کی نظموں میں انسانی دکھ درد کا عذاب اور محبت کی بے پناہ عنایت کا احساس شاعر کو روح کی ایک لافانی کائنات کی طرف لے جاتا ہے۔

چیتالی (سال کی آخری فصل):

۱۸۹۶ء کو اشاعت پذیر ہوا۔ اس کی نظموں میں عمر بھر کی جستجو کی تکمیل اور منزلِ مقصود کی حصولیابی کی مسرت اور قدرتی مصائب سے مکتی پانے کی خوشی جا بجا نمایاں ہے۔ ان نظموں میں قدرت کے مناظر، اس کی دلفریبیوں، دیہاتی زندگی اور اس کی نیرنگیوں کا برملا اظہار ملتا ہے۔

نئی زندگی، نئی تازگی شاعری میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

سمرن (یادیں):

اس مجموعہ میں ۱۹۰۳ء کی نظمیں ہیں جسے عہدِ رفتہ کی یادوں کا گلدستہ کہا جا سکتا ہے۔ نومبر ۱۹۰۲ء میں ان کی شریکِ حیات مرینالینی دیوی کا انتقال ہو گیا۔ غمِ فرقت نے شاعر کے احساسات کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ جدائی کے عالم میں پرانی یادیں کس قدر جاں گسل ہوتی ہیں شاعر نے انہیں جذبات کے زیرِ اثر اس کی نظموں کی تخلیق کی ہے لیکن غمِ جاناں غمِ جہاں کے روپ میں بھی رونما ہوا ہے۔

شیشو (بچّہ):

۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔ اس کی نظموں میں بچوں کی نفسیات اور احساسات کا برملا اظہار ملتا ہے۔ ان کی کئی ایک نظمیں بیوی کی موت کے بعد اس کے بچوں کی دلی و روحانی کیفیت کے زیرِ اثر لکھی گئی ہیں۔ انکی نظموں میں بچوں کی فطرت و خصلت، ان کی بول چال، ان کے جذبات و نفسیات کو ہو بہو ویسے ہی پیش کیا گیا ہے جو ہم عام بچوں میں دیکھتے ہیں۔

گیتانجلی (نذرانۂ عقیدت):

۱۹۱۰ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس میں کل ۱۵۷ گیت ہیں جو صوفیانہ ہیں جنہیں بھکتی گیت کہہ سکتے ہیں۔ اس کا انگریزی ترجمہ (Song offering) کے نام سے اسی سال کیا گیا لیکن انگریزی میں صرف ۱۰۳ چیدہ گیت شامل کئے گئے ہیں۔ ٹیگور کا یہی معرکۃ الآرا مجموعۂ کلام ہے جس پر انہیں ۱۳ر نومبر ۱۹۱۳ء کو دنیا کا سب سے بڑا ادبی انعام نوبل پرائز ملا۔ اس مجموعہ کو عالمی شہرت حاصل ہوئی۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اردو میں اس کے کئی تراجم ہوئے سب سے پہلا ترجمہ نیاز فتحپوری نے "عرضِ نغمہ" کے نام سے کیا۔ اس مجموعہ میں شاعر اس دنیا سے بیزار ہو کر روحانیت و معرفت کے بیکراں سمندر میں غوطہ زن نظر آتا ہے۔ اب ٹیگور کے نزدیک "روحانی آزادی ہی حقیقی آزادی ہے۔ اس مجموعہ میں شاعر نے مختلف کیفیاتِ قلب کے ساتھ انسان اور خدا کے باہمی تعلق کا اظہار کیا ہے۔ اس میں جابجا استعارات و کنایات کا لطیف استعمال ہوا ہے۔

"گیت مالیہ" (گیتوں کا مالا، ۱۹۱۴ء) اور "گیتالی" (مدھر گیت، ۱۹۱۴ء) وغیرہ میں شامل تخلیقات انہی محرکات کی دین ہے۔ ان نظموں میں بھی روحانیت غالب ہے۔

بلاکا (بگلا، ۱۹۱۶ء):

فنی اعتبار سے ٹیگور کا بہترین شعری مجموعہ ہے۔ نئی ٹیکنیک نئی بحریں، استعاروں کی کاریگری، پُرشکوہ الفاظ کا برمحل استعمال، ہر شعر میں بلا کی موسیقیت اس کی نظموں کی خوبیاں ہیں۔ اس مجموعہ میں فلسفۂ تناسخ کے اثرات کارفرما ہیں۔ شاعر نے اس فلسفہ کو تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا میں ہر چیز بار بار جنم لیتی ہے۔ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، ایک رکتا ہے تو دوسرا شروع ہوتا ہے۔ جس طرح بگلے شام کے وقت دن بھر کا سفر پورا کر کے ایک قافلہ کی صورت میں جنگل کی طرف واپس جاتے ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا ہے اور رات کی تاریکی میں یہ سلسلہ چلتے چلتے ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ چلتی ہے چلتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوتی ہے۔ اس میں خیال بہت جدید ہو گیا ہے شاعر نئی نسل کو ابھارتا ہوا نظر آتا ہے، نوجوانوں کے لئے ایک ولولہ انگیز آواز ابھرتی ہے کہ تم آگے بڑھو، نئی زندگی نئی امنگوں کے ساتھ توہم پرست سماج کے فرسودہ رواج اور بے جان اصولوں کو توڑ دو۔ یہ یاد رہے کہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

شیشو بھولاناتھ:

۱۹۲۲ء کی نظمیں "شیشو" کی نظموں کی طرح بچوں کے لئے کہی گئی ہیں۔ یہاں بھی بچوں کے جذبات، احساسات اور انکی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی نظمیں اگرچہ بچوں کے لئے ہیں لیکن یہ نظمیں "شیشو" کی نظموں سے اس لئے الگ ہیں کہ اس میں شاعر کی شاعرانہ فکر فلسفیانہ ہے۔ شاعر اس دنیا میں خود کو ایک بچہ کی طرح سمجھتا ہے۔ جہاں وہ اپنی خوشی کے مطابق اپنی خواہش کے مطابق آزادی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ حسرت ہی حسرت اس کا مقدّر ہے۔

پوربی (مشرقی گیت، ۱۹۲۵ء):

اس مجموعہ کی نظمیں جنوبی افریقہ کے سمندری سفر کے دوران کہی گئی ہیں۔ ان نظموں میں شاعر کا جوش گھٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ مایوسی، غم و حسرت اور اداسی کے سایے بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس سایے میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے اور ایک روحانی فرحت

حاصل ہوتی ہے۔

مہوا:

۱۹۲۹ء میں عالمِ تحریر میں آیا۔ یہ پریم گیتوں کا مجموعہ ہے جو آخری عمر کے تجربے اور ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے۔ رومانیت یہاں بھی موضوعِ سخن ہے لیکن کچھ سرد لہجہ کے ساتھ۔

پری شیش (انجام):

۱۹۳۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ ان نظموں میں عہدِ ماضی کی یادوں کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ نظموں کا پیرایۂ اظہار انتہائی سادہ لیکن پُرکیف ہے۔ نظموں کا ظاہری اور باطنی حسن سحر انگیز ہے۔

پونش چہ (پھر سے، ۱۹۳۲ء)، شیش سپتک (آخری دشمنی ۱۹۳۵ء)، پتر پٹ (پتوں کا پیالہ، ۱۹۳۶ء) اور شیاملی (شیام کی طرح ۱۹۳۶ء) کی نظمیں خالص تجرباتی ہیں۔ یہاں ٹیگور کا آہنگ پھر کچھ بدل جاتا ہے۔ نظموں میں غنائیت اور شعریت کا فقدان ہے۔ شاعر نے اپنے تجربات و خیالات کے اظہار کے لئے نثری اسلوب کا استعمال کیا ہے لیکن وہ نثری ہونے کے باوجود بے لطف نہیں ہے۔ شاعر نے لفظوں کی نشست اور اس کی لطافت برقرار رکھی ہے۔

پرانتک (حاشیائی، ۱۹۳۸ء)، سیجوتی (شام کی بتی، ۱۹۳۸ء)، آکاش پردیپ (قندیلِ آسمان، ۱۹۳۹ء)، سانائی (شہنائی، ۱۹۴۰ء) مجموعے (جنم دن پر ۱۹۴۱ء)، شیش لیکھا (آخری تحریر ۱۹۴۱ء) میں ٹیگور کے آخری دنوں کی تخلیقات ہیں۔ یہ ٹیگور کی شاعری کا حقیقت پسند دور ہے۔ یہ اس دور کی کڑی ہے جہاں شاعر یہ سوچتا ہے کہ اسے ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا ہے اس تجرباتی دنیا میں۔ شاعر کی زندگی اور شاعری دونوں میں مکمل پختگی آجاتی ہے۔ شاعری پر تصورات کی جگہ حقیقت کا رنگ غالب ہے اور حقیقت کے اظہار میں شاعری آزاد اور نثری ہوگئی ہے۔ یہاں شاعر میں حقیقت پسندی، وجودیت اور معرفت کے امتزاج سے ایک دلکش رنگ و آہنگ ابھر کر سامنے آیا ہے جو ایک ضعیف العمر حساس طبیعت شخص کے ذہن و دل کی پیداوار ہو سکتی ہے۔ ان مجموعوں کے کلام میں شاعر دنیا سے انتہائی محبت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے دل میں دنیا کی محبت بڑھ جاتی ہے کہ وہ مرنا نہیں چاہتے۔ وہ اپنے رب کریم سے دریافت کرتا ہے کہ دنیا کی یہ خوب صورتی کیا مرنے کے بعد بھی دیکھنے کو ملے گی۔ مرنے کے بعد تو وہ ایک ایسے اندھکار میں کھو جائے گا جہاں کائنات کا مقناطیسی حسن، قدرت کے نظر نواز نظارے، محبوب کا جلوۂ نورانی کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ "نوجاتک" اور "سانائی" میں جنگِ عظیم کی پیش گوئی کی گئی ہے اور اس کی تباہ کاریوں کا بیان ہے لیکن ان سب کے پیچھے جینے کی تمنا کارفرما ہے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور : ایک شاعر ایک فنکار

—— سنی سی بینہ سنا ستیں

رابندرا ناتھ ٹیگور بنگلہ ادب کے ایک ایسے عظیم فنکار ہیں جنہیں کسی خطے، کسی فرقے یا کسی سرحد کی زنجیروں میں نہیں جکڑا جا سکتا۔ ان کی شخصیت ان تمام بندھنوں سے آزاد ہے۔ انسانیت سے ان کا رشتہ اٹوٹ ہے اور اسی رشتے نے عالمی سطح پر ٹیگور کو اس کائنات کے چپے چپے سے جوڑ دیا ہے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور نے بے شمار نظمیں، گیت، افسانے، ناول، ڈرامے اور مختلف موضوعات پر بہت سے مضامین سپردِ قلم کئے اور وہ اس مقام کو پہنچ گئے جہاں کچھ ہی ہستیاں پہنچ سکیں۔

رابندرا ناتھ نے قدیم تہذیبی ورثہ سے رشتہ توڑے بغیر ہی اپنے عہد کے تقاضوں کو قبول کیا۔ وہ زندگی کے ان آدرشوں سے متاثر تھے جو قدیم تہذیب کا ورثہ ہیں۔ صحیح معنوں میں انہوں نے اپنی قوم کی انتہائی داخلی زندگی اور محرکات کے ساتھ اپنا مضبوط رشتہ جوڑ کر قوت و توانائی حاصل کی۔ ادب کے مختلف میدانوں میں انہوں نے غیر معمولی اثر چھوڑا۔ ان کا تخیل ہمہ گیر تھا۔ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی بے شمار نظموں اور گیتوں میں بنی نوع انسان کے لئے اپنی محبت کا چشمہ جاری کر دیا ہے۔ محبت کے جذبوں سے سرشاری نے ہی ان کی تصنیف میں وسعت پیدا کر دی ہے۔

رابندرا ناتھ کے یہاں "رومانیت" بھی ہے اور "روحانیت" بھی۔ فلسفہ" بھی ہے اور جذبات کی دلآویزی بھی۔ ان کے فن کا خمیر بنگال کی مٹی سے بنا تھا۔ ٹیگور کا دائرۂ فکر محدود نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹیگور ایک ایسے فن کار ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے ملک کے لئے لکھا بلکہ سارے عالم انسانیت کے لئے لکھا۔ ان کی تخلیق کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر زمانے میں اور ہر نسل کیلئے زندہ و جاوید ہے۔

ٹیگور کی شاعری اور گیت دونوں کا تعلق بہت گہرا ہے۔ انہوں نے دن اور رات اور ہر موسم کی نغمہ سرائی کی ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں بنگال کے مناظر اور اس کی روح کو وجدان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ٹیگور نے اس دھرتی کی خوشبو، بھیگی اور سوندھی مٹی سے اُگی ہوئی ہری ہری گھاس، کالی گھٹا، صبح کی شفاف روشنی، شام کے سحر انگیز سایے، رات کے سناٹے، بارش کی رم جھم، انسانی زندگی کی لوچ اور ان تمام چیزوں میں زندگی کی تھرتھراہٹ اور دکھ سکھ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ انہوں نے فطرت کو انسان کی دلی کیفیات کا آئینہ بنا دیا جس میں زندگی کی حرارت و حرکت اور جذبۂ عمل کی تحریک کے ساتھ ان کا تخیل آنکھ مچولی کھیلتا نظر آتا ہے۔ انسانی زندگی کی شاید ہی کوئی ایسی آرزو، تمنا، دکھ سکھ، درد اور خواب و حسرت ہو جس نے ان کے تخیل اور

وجدان میں تھرتھری نہ پیدا کی ہو۔ انہوں نے فطرت کو جذبات سے متحرک کر کے پیش کیا ہے۔

شاعری میں رابندرا ناتھ کے خاص کارنامے ان کے گیت ہیں۔ رابندرا ناتھ نے کتنے گیت لکھے اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔ گیتانجلی جو ان کے گیتوں کا مجموعہ ہے اس پر ٹیگور کو نوبل پرائز ملا تھا۔ یعنی گیت کے فن سے ہی انہوں نے نہ صرف بنگالیوں کا بلکہ ساری دنیا کا دل جیت لیا تھا۔ "جن گن من ادھینایک" رابندرا ناتھ کا ہی وہ گیت ہے جو آج ہمارا قومی ترانہ ہے۔ رابندرا ناتھ نے کلاسیکل سنگیت کو لوک گیتوں سے ملا کر عوام کے لئے انوکھے انداز کے گیت پیش کئے۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے جن گیتوں کی تخلیق کی انہیں "سُر" دے کر ہندستانی سنگیت میں ناقابلِ فراموش اضافہ کیا۔ یہ گیت ٹیگور کی زندگی ہی میں مقبول ہو گئے تھے۔

رابندرا ناتھ نے افسانے، ناول اور ڈرامے کے فن کو بھی قابلِ قدر ترقی دی۔ انہوں نے زندگی کے مختلف لمحوں، چھوٹے چھوٹے واقعات، چھوٹی چھوٹی باتوں کو، منتشر خیالات اور وقتی جذبات کو اپنے فن کا موضوع بنایا۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیگور نے ادبی دنیا میں بنگلہ ادب کا سر اتنا بلند کر دیا ہے کہ کسی بھی دوسری زبان کے عظیم فنکار کے ساتھ ان کا نام ہم فخر سے لے سکتے ہیں اور ان کی تخلیقات کا مقابلہ کسی بھی زبان کے شہ پاروں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے

لیکن رابندرا ناتھ کی شاعری ان کے تمام کارناموں سے بلند مقام رکھتی ہے۔ رابندرا ناتھ کے اندر حبِ وطن اور انسان سے محبت ایک فطری جذبہ تھا جس کا اظہار ان کے گیتوں میں جا بجا ہوتا ہے۔ لیکن ٹیگور کی ایک خاصیت یہ بھی ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے کہ دوسرے ملکوں اور قوموں سے نفرت کا جذبہ ان کی تخلیقات میں کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ ان کی یہی سنجیدہ محبت تمام نوعِ انسانی کے لئے ایک بحرِ بیکراں کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنے گیتوں میں ہر جگہ نسلِ انسانی کا خیر مقدم کیا ہے۔

انسان کے لئے رابندرا ناتھ ٹیگور کا یہ جذبۂ محبت انہیں خدا سے قریب کرتا ہے۔ ان کے یہاں بنی نوعِ انسان کی محبت ہی نے عشقِ حقیقی کا روپ دھار لیا ہے۔ اس طرح ان کے تخیل اور فن میں زندگی کی محبت کے تصور کا جوارتقا ہوا ہے اس میں مناظرِ فطرت اور انسان ایک ہو گئے ہیں۔

ٹیگور تمام عمر صداقت کے متلاشی رہے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں ہمتِ مردانہ اور بلندیٔ تخیل کی وہ صفات ملتی ہیں، جو ان کی تخلیق میں طمطراق پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی کامیابی اس بات میں ہے کہ وہ اپنی ذاتی تکالیف اور سنسار کے بے پناہ کرب پر فتح حاصل کر لے۔

ٹیگور نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ انسان کی فلاح و بہبود کی شمع روشن کی ہے۔ وہ رنج و الم اور نفرت و عداوت کی دیوار کو مسمار کر دینا چاہتے ہیں۔

کسی بھی شاعر یا ادیب کی شہرت کا اور اس کے زندہ و جاوید ہونے کا ذریعہ اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ ٹیگور کی تخلیق انسانی جوہر کی تخلیق ہے، جو ہمیشہ قائم رہے گی، خواہ زمانہ لاکھ کروٹیں بدلے، یہ حقیقت ہے کہ ٹیگور کی تخلیق نے ان کو امر بنا دیا ہے۔

ٹیگور کی ادبی اور فنی صلاحیت کو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ ان کی تخلیق کا مطالعہ انسان دوستی کا پتہ دیتا ہے۔ ان کی تحریروں میں گاؤں، گلی کوچے، ندی کے کنارے، درخت کی چھاؤں، بے کراں سمندر، ساحل سے ٹکراتی لہریں، ہوا کے جھونکوں سے جھومتی کلیاں، شہر کی بھیڑ، خلوت و جلوت، خوشی اور غم کا امتزاج موجود ہے۔

لہٰذا انہی اوصاف کی بناء پر ادب کی دنیا میں ٹیگور کو بے مثال عظمت حاصل ہے ●●

آؤ اے آریے، آؤ اے غیر آریے، ہندو مسلمان
آؤ آؤ آج تم، اے اہلِ فرنگ آؤ، آؤ اے عیسائی
آؤ اے برہمن پاکیزگیٔ قلب کے ساتھ سب کے ہاتھ پکڑو
آؤ اے پست اقوام کے لوگو! دور کرو اپنی توہین کا بوجھ
ماں کی آغوشِ محبت میں آؤ جلد آؤ منگل گھٹ ابھی بھرا نہیں
سب کے چھوئے ہوئے پاک تیرتھ کے جل سے
ہند کی عظیم امنڈتی ہوئی آبادی کے سمندر کے ساحل پر

"بھارت تیرتھ" از گیتانجلی ——— ترجمہ: فراق گورکھپوری

41

ٹیگور کے ڈرامے اور رقص ڈرامے

ڈاکٹر سوکمار سین

انگلستان سے واپسی کے فوراً بعد ۱۸۸۱ء میں ٹیگور نے پہلا ڈرامہ لکھا۔ یہ "والمیکی پرتیبھا" تھا جس کی کہانی رامائن سے ہے یعنی ایک ڈاکو (والمیکی) آخر کار پہلا شاعر بن جاتا ہے۔ ہندو کالج اور پریسیڈنسی کالج کے قدیم طلباء کا یوم ملاپ کی دوسری برسی کے موقع پر (مارچ ۱۸۸۱ء) اس ڈرامہ کو ٹیگور گھرانے کے اسٹیج پر پیش کیا گیا۔ ٹیگور نے والمیکی کا پارٹ ادا کیا اور ان کے بھانجے بھتیجوں نے دیگر رول کئے۔ "والمیکی پرتیبھا" سنگل اوپیرا (opera) کے لئے نئی چیز تھی جس میں گانے صرف مکالموں کے خیال کو دہراتے نہیں ہیں بلکہ گانے اور مکالمے مل کر کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں اور مکمل کرتے ہیں۔ اسٹیج پر یہ حرف کامیاب ہوا اور اس کے ناظرین میں کلکتہ کے کئی ادباء و شعراء اور نامی گرامی شہری تھے۔

"کال مرگیہ" (موت کا شکار ۱۸۸۲ء) بھی نقشِ ثانی نقشِ اول کے طور پر لکھا گیا اور اس کی کہانی بھی رامائن سے لی گئی۔ لیکن راجا دشرتھ کا شکار پر جانا اور سادھو سدھو کے بچے کو ہرن سمجھ کر شکار کرنا ہے۔ یہ ڈراما بھی کامیابی سے مذکورہ انجمن کی تیسری سالگرہ کے موقع پر پیش کیا گیا

ٹیگور کا تیسرا ڈرامہ "پرکرتیر پرتیشودھ" (قدرت کا بدلہ ۱۸۸۴ء) بمقام کاروار (دکن) لکھا ہوا ہے لیکن اس کے گیت بعد میں لکھے گئے۔ زندگی سے متعلق ٹیگور کے خیالات کی پہلی جھلک ہم اس میں پاتے ہیں۔ یہ محبت اور فرض میں ایک تصادم ہے، ٹکراؤ ہے جس میں پیار کی چاشنی، مٹھاس اور رس ہے۔ اس میں محبت سے فرار ہو جانا، سماجی زندگی سے گریز کرکے جوگی بن جانے کو، مسئلہ کا حل نہیں بلکہ اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کامیاب انسان وہی ہے جو سنسار اور سماجی ذمہ داریوں کو قبول کرے اور دنیاداری

کے راستے پر چلے۔ یہ نثری سے زیادہ منظوم ڈرامہ ہے اور اسے کبھی اسٹیج پر کھیلا نہیں گیا۔

اس کے بعد ڈرامہ "نلنی" (۱۸۸۴ء) کی کہانی ان کی منظوم داستان" بھگنا ہردے" (ٹوٹا ہوا دل ۱۸۸۱ء) سے لیا گیا ہے۔ اسے بھی اسٹیج پر پیش نہیں کیا گیا۔

"راجا و رانی" (۱۸۸۹ء) پانچ ایکٹ کا ٹریجڈی (المیہ) ہے یہ بمقام سولاپور (دکن) لکھا گیا۔ اس کے مرکزی خیال کا جوہر مجموعہ کلام "مانسی" کی نظم "نسپھل کامنا" (امیدِ بے ثمر) سے لیا گیا ہے۔ راجہ وکرم دیو اپنی رانی سمترا کا اتنا دیوانہ ہے کہ راج پاٹ

کے ضروری کام کاج تک سے وہ غفلت برتتا ہے۔ رانی سمترا راجا کو اس غفلت سے جگانے کی کوشش کرتی ہے۔ چونکہ اسے یقین ہے کہ اس طرح راج پاٹ کے کاموں سے غفلت کا اثر بُرا ہوگا اور اس والہانہ محبت کا انجام خطرناک ہوگا۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ حقیقی محبت انسان کے فرائض میں رکاوٹ بن کر کھڑی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا رانی سمترا، راجا کو اپنے دامِ محبت میں اس طرح پھانس کر رکھنا نہیں چاہتی کہ راجا اپنے کام بھول جائے، لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتی ہے اور راجہ جوں کا توں عشق کا دیوانہ رہتا ہے اور آخر کار فرض و والہانہ محبت کے اس ٹکراؤ کا نتیجہ افسوسناک نکلتا ہے ــــ اس ڈرامہ میں ایک ضمنی کہانی کمار سین اور ایلا کی محبت ہے لیکن اس کا مرکزی کہانی سے ضروری ربط نہیں ہے اور اس کا ہنگامہ خیز انجام بھی ناگوار اور نامعقول ہے۔

ان خامیوں کے باوجود "راجا و رانی" بنگلہ میں لکھے گئے ڈراموں میں ایک اچھی ٹریجڈی ہے۔ اسے بار بار اسٹیج پر پیش کیا گیا اور یہ خوب کامیاب رہا۔ اسی نے ٹیگور کو پہلی بار ایک کامیاب ڈرامہ نگار کے طور پر نامور کیا۔ ڈرامہ دیکھنے کے شوقین ٹیگور کے نام سے آگاہ ہوگئے۔ ان کے ناول "بوٹھاکرانیر ہاٹ" (۱۸۸۳ء) کو کیدار ناتھ چودھری نے ڈرامہ کے طور پر لکھا اور ٹیگور نے اس کے لئے گیت لکھے۔ یہ ڈرامہ (راجہ بسنت رائے) بھی اسٹیج پر مقبول ہوا۔ ۱۹۰۹ء میں ٹیگور نے پانچ ایکٹ کا ایک ڈرامہ "پرائشچت" اسی ناول کی بنیاد پر لکھا۔ عرصہ بعد (۱۹۲۹ء) اس کا ایک تصحیح شدہ ایڈیشن "پری تراں" (نجات) کے نام سے شائع ہوا۔

چالیس سال بعد ٹیگور نے پھر سے "راجا و رانی" کو ترتیب دیا۔ اس بار انہوں نے اس کی ضمنی کہانی اور چند دیگر بے ربط باتوں کو نکال کر دو نئے کردار شامل کئے اور اسے "تپتی" کے نام سے ۱۹۲۰ء میں شائع کیا۔ درحقیقت "تپتی" ایک نیا ہی ڈرامہ ہے۔ منظوم ٹریجڈی "وسرجن" (غرقِ دریا ۱۸۹۰ء) ٹیگور کا ایک بہترین ڈرامہ ہے۔ اسٹیج پر بھی یہ کامیاب ہوا۔ اس کی کہانی ان کے

ناول "راجشی" (۱۸۸۹ء) سے لی ہوئی ہے جس کا مرکزی خیال سترہویں صدی کی تاریخ تر پورہ سے ہے۔ اس کی خوبی اور دلچسپی، اس کے گہرے جذبات، بلند مقاصد، فرسودہ خیالات کی مخالفت، فرض شناسی اور آزاد زندگی کی تائید وغیرہ میں ہے۔ کردار نگاری بھی خوب ہے۔

"چترانگدا" (۱۸۹۲ء) "بدائے ابھیشاپ" (وقتِ رخصت بد دعا دینا۔ ۱۸۹۴ء) اور مالنی (۱۸۹۵ء) طویل ڈرامائی نظمیں ہیں۔ "مالنی" کی کہانی بدھ مت کی کتاب "مہا بھاستو" سے لیا گیا ہے لیکن اس کو ٹیگور نے نیا روپ دیا ہے اور اس کا خاتمہ اس خواب پر ہے جو انہوں نے لندن میں ایک رات اپنے دوسرے سفر (۱۸۹۰ء) کے دوران دیکھا تھا۔

۱۸۸۵ء تا ۱۸۹۷ء ٹیگور نے کئی مزاحیہ ڈرامے اور خاکے لکھے جن میں سے دو "گوڑائے گلد" (بنیادی غلطی۔ ۱۸۹۲ء) اور "بیکنٹھ ر کھاتا" (بیکنٹھ کا مسودہ ۔ ۱۸۹۷ء) مزاحیہ خاکے ہیں۔ "گوڑائے گلد" کو پھر سے لکھ کر "شیش رکھا" (بخیر انجام ۔ ۱۹۲۸ء) کے نام سے شائع کیا گیا۔ ایسے طویل اور مختصر ڈراموں اور خاکوں میں ٹیگور کی نکتہ سنجی اور لطیف ظرافت کافی دلچسپ ہے اور وہ سدابہار پھول ہیں۔ "گوڑائے گلد" کو پہلی بار سنگیت سماج کے اسٹیج پر پیش کیا گیا اور خود مصنف نے ہدایت کار کا فرض انجام دیا۔ یہ ہندستانی اسٹیج اور اداکاری کے سلسلے میں ایک تاریخی اہمیت کا دن رہا ہے۔

"چرا کمار سبھا" (ہمیشہ کے کنواروں کی محفل) ایک پُرلطف مزاحیہ ڈراما ہے۔ پوری کہانی کو کالموں کے ذریعہ ادا کیا گیا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں اسے پھر سے ڈرامے کے طور پر لکھا گیا۔ پہلے یہ قسط وار (۱۹۰۰-۱۹۰۱ء) رسالہ "بھارتی" میں شائع ہوا لیکن کتابی شکل میں اس کا نام "پرجاپتی ریر نربندھ" (شادی کی دیوی کی ضد ۱۹۰۱ء) رکھا گیا۔ "کرم پھل" (کرنی کا پھل ۔ ۱۹۰۳ء) "چرا کمار سبھا" کے نمونے پر لکھا ہوا ایک اور مختصر تصنیف ہے۔ اسے بھی بعد میں از سرِ نو "شودباد" (سب برابر ۱۹۲۶ء) کے عنوان سے لکھا گیا۔ "چرا کمار سبھا" اور "شودباد" دونوں اسٹیج پر کامیاب رہے۔

شانتی نکیتن میں آکر مقیم ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد ٹیگور موسیقی آمیز ڈرامے لکھنے لگے جن میں تصوف اور روحانیت کا جذبہ شامل رہا ہے۔ اس طرح کے ابتدائی ڈراموں میں "شرد اتسو" (بہار کا تہوار - ۱۹۰۸ء)، "پھالگونی" (پھاگن - ۱۹۱۵ء) اور "بسنت" (۱۹۲۲ء) ہیں جو مختلف موسموں میں قدرت کی رنگارنگی کا دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔ موسمی تبدیلی سے انسان دلی طور پر متاثر ہوتا ہے یہ وہ علم حاصل کرتا ہے کہ "تیاگ" (جذبۂ قربانی) ہی "آنند" (حقیقی مسرت) کا سرچشمہ ہے۔ "شرد اتسو" کا ہلکا سا تعلق ایک لوک کہانی سے ہے اور یہ بہت کچھ جاتا کے طرز پر ہے۔ "پھالگنی" کی لطیف کہانی بدھ مت کی تاریخی "مکھا دیو" (جیسا کہ یہ مہاوستو میں ہے) سے لی گئی ہے۔ کہانی کا جوہر ان کی نظم "بلاکا" سے ملتا ہے۔ اس صدی کی ڈرامائی تاریخ میں مارچ ۱۹۱۵ء میں کلکتہ کے اسٹیج پر خود ٹیگور کا یہ ڈرامہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں، شانتی نکیتن کے ٹیچروں اور طلباء کی مدد سے پیش کرنا اور اسٹیج کی زینت بڑھانا ایک تاریخی یادگار ہے۔ خود شاعر نے یہاں ڈبل رول (دو کردار کا ادا کرنا) یعنی نوجوان کوی شیکھر اور بوڑھے باؤل کا پارٹ ادا کیا ہے۔

ٹیگور نے ۱۹۱۰ء میں پہلا اشاری طرز کا ڈراما "راجہ" لکھا۔ بدھ مت کی تصنیف "مہاوستو" کا کردار راجا کش کو لے کر یہ ڈرامہ لکھا گیا۔ راجہ کو مختصر کرکے "اروپ رتن" (انمول موتی - ۱۹۲۰ء) کے نام سے شائع کیا گیا جس کے ڈرامہ میں دیباچہ میں اشاریت پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جب شاعر پھر سے ایک بار وسط شمالی بنگال میں تھا تب راجہ اور "اکلایاتن" دونوں (۱۹۱۱ء) کو صرف آٹھ ماہ کی مدت میں انہوں نے مکمل کیا۔ "اکلایاتن" کی کہانی مکمل طور پر ان کی اپنی تخلیق ہے اور اس کا ماحول تاریخی ہے اور زندگی کو متحیر کرتی ہے۔ ۶۰۰ تا ۱۳۰۰ء مشرقی ہند میں مہایانہ بدھ مت میں فلسفہ "وجرایان" اور "منتریان" اصولوں کی ترقی کا ایک عجیب دور رہا ہے۔ کئی بدھ مت کے مٹھ (آشرم یا خانقاہ) قائم ہوئے جہاں فلسفہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ تعلیم سنجیدگی سے دی جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی سخت ریاضت سے مخفی اصولوں کو جاننے اور فوق الفطرت طاقت

حاصل کرنے کا ایک عقیدہ بھی عام ہوا اور اسے ہی لوگ اپنی منزلِ مقصود اور مقصدِ حیات سمجھنے لگے۔ یہ عام خیال تھا کہ اسی میں روحانیت کی ترقی کا راز ہے۔ اس سے سماج میں ذی فہم لوگوں کا فقدان ہوا اور یہی روحانی تضحیک کی وجہ بھی بنی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ آخر کار اس نظریے نے پورے ملک کو روبہ زوال کیا اور سماج پر ایک جمود اور ناامیدی کی فضا چھا گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں کے لئے ہندستان نے اپنی آزادی کھو دی۔ "اکلایاتن" میں ٹیگور نے ایسے سماج ہی کی تصویر کھینچی ہے جو تصویر خیالی ہوتے ہوئے بھی ایسے سماج کی حقیقی شکل کو سامنے لے آتی ہے اور جمود کو توڑ کر، جھنجھوڑ کر عقل کو بیدار کرتی ہے۔ ڈرامہ ظاہر کرتا ہے کہ ٹیگور نے نہ صرف بدھ مت کے ادب و فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا بلکہ یہ بھی کہ وہ حقیقی تاریخ کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ "اکلایاتن" ایک متاثر کرنے والا ڈرامہ ہے اور ساتھ ہی یہ تانترک بدھ مت کا عروج و زوال، آریہ اور غیر آریائی تہذیب میں تصادم اور آخر کار ملاپ و اتحاد اور نئی تہذیب کے ابھرنے کی داستان کو پیش کرتا ہے۔

"گرو" (۱۹۱۸ء) میں اس ڈرامہ کو مختصر کرکے شانتی نکیتن کے طلباء کے لئے پیش کیا گیا۔

"ڈاک گھر" (۱۹۱۲ء) اشاری طرز کا بہترین ڈرامہ ہے۔ تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ڈرامہ سے زیادہ داستان ہے۔ شاعر نے اسے ڈرامہ کے اسلوب میں "منظوم" نثر قرار دیا ہے۔ حالانکہ اسے اسٹیج پر پیش کرنا مشکل ہے پھر بھی اسے شانتی نکیتن اور دیگر جگہ پیش کیا گیا ہے اور کچھ حد تک یہ کامیاب بھی رہا ہے۔

"ڈاک گھر" ایک انفرادی روح کی بیتابی کو پیش کرتا ہے اور اس کے برعکس "مکت دھارا" (آزاد دھارے - ۱۹۲۲ء) میں ٹیگور نے پورے سماج کو جھنجھوڑ کر رکھا ہے۔ اس میں ٹیگور وفاداری اور وطن پرستی کے نام پر مفاد پرستوں کے مظالم اور جابرانہ اقدامات کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور ان پر نیک بندوں کی فتح مندی کا پرچم بلند کرتے ہیں۔ ایک طرح سے "مکت دھارا" دوسری عالمگیر جنگ (جنگ عظیم) کی ہولناکیوں کو اجاگر کرتا ہے، وہ جنگ جو چند سالوں

بعد ہی شروع ہونے کو تھی - جب یہ ڈراما لکھا گیا تب ہندستان میں عدم اتحاد کی تحریک شباب پر تھی اور اس تحریک کی پرچھائیاں اس کے پلاٹ میں پائی جاتی ہیں ۔

آخری اور غالباً ٹیگور کا سب سے زیادہ مثالی ڈرامہ ۔ "رکت کربی" (سُرخ پھول ۱۹۲۴ء) ہے ۔ اس کے سب کردار پُرجوش انسانی کردار ہیں ۔ یہ ڈرامہ نہایت بے باک طور پر لکھا گیا ۔ دولت و طاقت کی اندھی لالچ جو تہذیب یافتہ دنیا کی قسمت کو آج اپنے چنگل میں لئے ہوئے ہے اور عوام جو ذات، ہتک، بے عزتی اور مجبور و لاچار کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اسی کی اس میں عکاسی کی گئی ہے ۔ ڈرامہ یہ اجاگر کرتا ہے کہ انسانیت کی نجات دولت میں نہیں بلکہ سادگی میں ہے، چونکہ سادگی قدرت کے ساتھ ہم آہنگ ہے ۔

اس کے بعد ٹیگور کا ڈرامہ "گرہا پربیش" (گھر میں داخلہ ۱۹۲۵ء) ہے ۔ اس کا پلاٹ ان کی مختصر کہانی "شیشر راتری" (آخری رات) سے لیا گیا ہے اور یہ ایک سیدھا سادا ڈرامہ ہے جو اسٹیج پر خوب کامیاب رہا ۔

"نیٹر پوجا" (رقاصہ لڑکی کی عبادت ۔ ۱۹۲۶ء) موسیقی اور رقص سے بھرپور ڈرامہ ہے جس میں رقص و موسیقی دونوں کی اہمیت مساوی ہے ۔ اس کا پلاٹ اسی بودھی دیومالا پر ہے جس کی بنیاد پر شاعر نے اپنی نظم "پجارینی" کہی تھی ۔ یہ ٹیگور کا ایک مقبول منظوم ڈرامہ ہے ۔ اس کی نئی ٹکنیک رقص اور موسیقی کی آمیزش ہے ۔ "چنڈالیکا" (اچھوت لڑکی ۔ ۱۹۳۳ء) بھی ایک رقص اور موسیقی سے پُر مکمل ڈراما ہے ۔ اس کی کہانی بھی ایک بودھی دیومالا سے لی گئی ہے ۔ "چترانگدہ" سے یہ کچھ مناسبت رکھتی ہے ۔ "چترانگدا" میں ہیروئن جادو منتر اور دعا تعویذ کے بل پر اپنے محبوب کا دل پانے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اسی وقت کامیاب ہوئی جب اس نے جنتر منتر کا سہارا ترک کر دیا اور خلوص دل سے محبوب کو چاہنے لگی ۔ "چنڈالیکا" میں اچھوت لڑکی سادھو آنند کو پانے کی کوشش کرتی ہے اور اپنی ماں کی مدد سے وہ بھی منتر اور تعویذ وغیرہ اسی مقصد کے لئے حاصل کرتی ہے ۔ لیکن آخر کار اسے بھی ہوش آتا ہے ۔ چونکہ وہ دیکھتی ہے کہ وہ صرف آنند کے جسم کو پانے میں کامیاب ہوئی ہے لیکن تعویذ اور منتر وغیرہ سے وہ اس کا دل جیت نہیں سکی لہٰذا وہ اپنی ماں سے کہتی ہے کہ یہ جادو منتر وغیرہ کی راہ کو چھوڑ کر راہِ راست کو اپنا لیا جائے ۔

ڈرامہ "تاسیر دیش" (تاش کا ملک ۱۹۳۳ء) کی بنیاد ان کے ایک مجازی افسانے پر ہے ۔ یہ ناچ گانوں سے بھرپور ایک دلچسپ ڈراما ہے ۔ "بانسری" (۱۹۳۳ء) کا موضوع عشق و محبت ہے ۔ اس میں مکالمے زیادہ اور اداکاری کم ہے لیکن اس سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوا کیونکہ اسے اسٹیج پر کبھی پیش نہیں کیا گیا ۔

ڈراموں کے سلسلے میں ٹیگور کی آخری تصنیفات تین رقص والے (DANCE - DRAMA) ڈرامے "چترانگدا" (۱۹۳۶ء)، "چنڈالیکا" (۱۹۳۸ء) اور "شیاما" (۱۹۳۸ء) ہیں ۔ ان میں سے آخری ان کی نظم "پری شودھ" کی بنیاد پر لکھا گیا ہے ۔ رقص والے یہ ڈرامے اس میدان میں ان کے عروج کی انتہا ہے ۔ یہاں یہ رقص محض گیتوں کی زینت نہیں ہیں ۔ بلکہ رقص کے ماتحت ہی ڈرامے کی کردار نگاری اور جذبات ہیں ۔ ان رقص والے ڈراموں میں ٹیگور نے جذبات کی نمائندگی کا ایک نیا پہلو پیش کیا ۔ یہاں شاعری اور موسیقی رقص کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں اور تینوں (شاعری، موسیقی اور رقص) ایک دوسرے سے گھل مل کر نیا تاثر پیدا کرتے ہیں ٭٭

امداد باہمی

تعلیم یافتہ اور زیرِ تعلیم لوگوں کو اپنے قرب وجوار کے دیہاتوں کیساتھ تعاون کرنا چاہئے، کاشتکاری کرنی چاہئے، مویشیوں کی پرورش کرنی چاہئے، کپڑا بُننا چاہئے، انہیں اپنی ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزوں کو خود تیار کرنا چاہئے، بہترین خام اشیاء تیار کرنی چاہئے اور جدید سائنس کی مدد لینی چاہئے۔ ان تمام باتوں کی امداد باہمی کے اصول پر کی گئی صنعتی سرگرمیوں کی کامیابی پر انحصار ہونا چاہئے اور امداد باہمی کے اصول ہی دیس میں رہنے والے تمام طلبہ و طالبات اور دیہی باشندوں کو سرگرم عمل رکھیں گے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم امداد باہمی کے طریقہ کار کو اپنائیں اور ہماری محنت کو اس ڈھلوان سطح سے جو ملوں کے گودام تک جاتی ہے، پھسلنے سے روکیں، مزدوروں کے کام کاج میں آسانی کے لئے جدید آلات کو استعمال کرنا چاہئے اور ایسا امداد باہمی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

—— رابندرا ناتھ ٹیگور
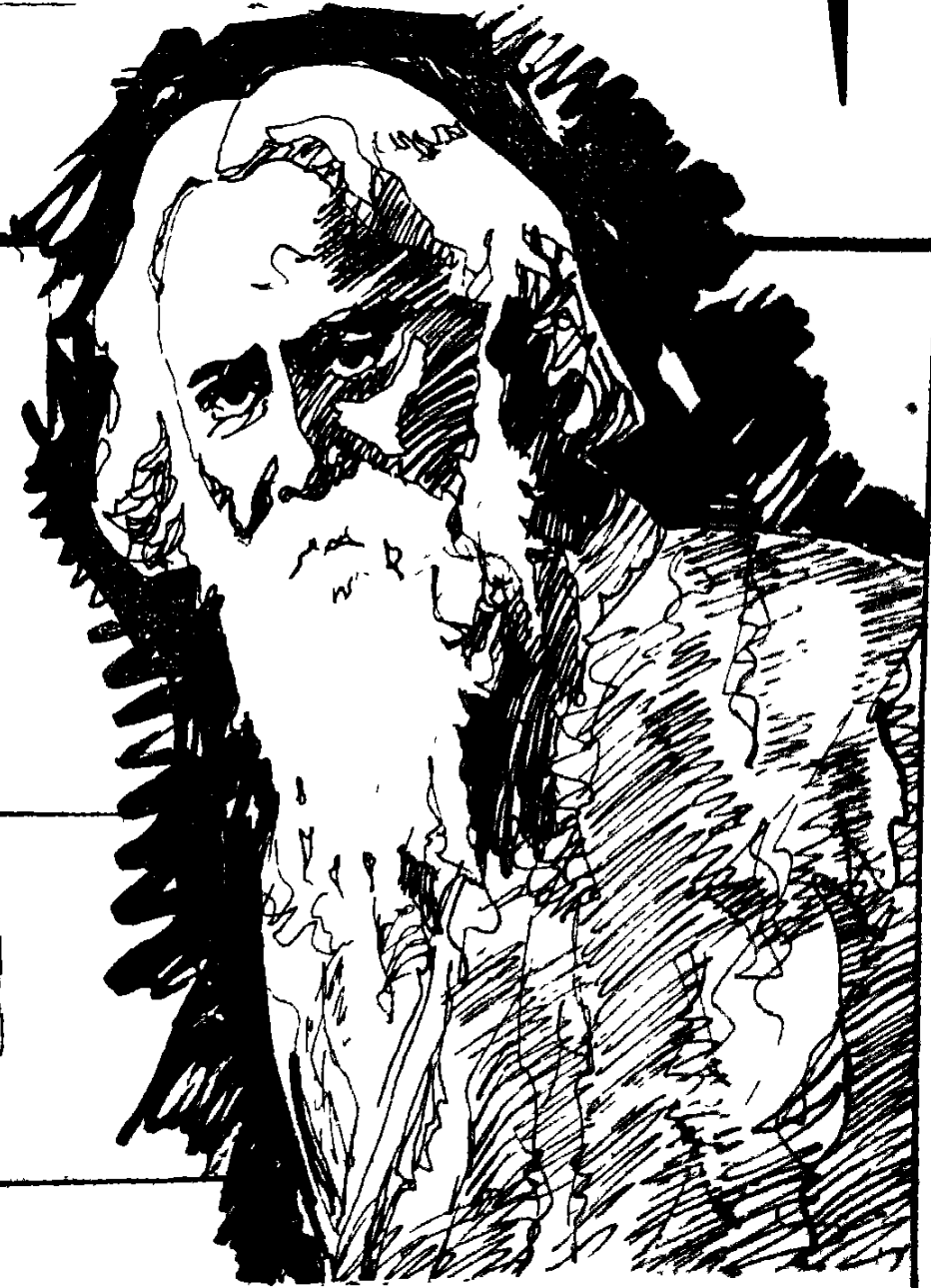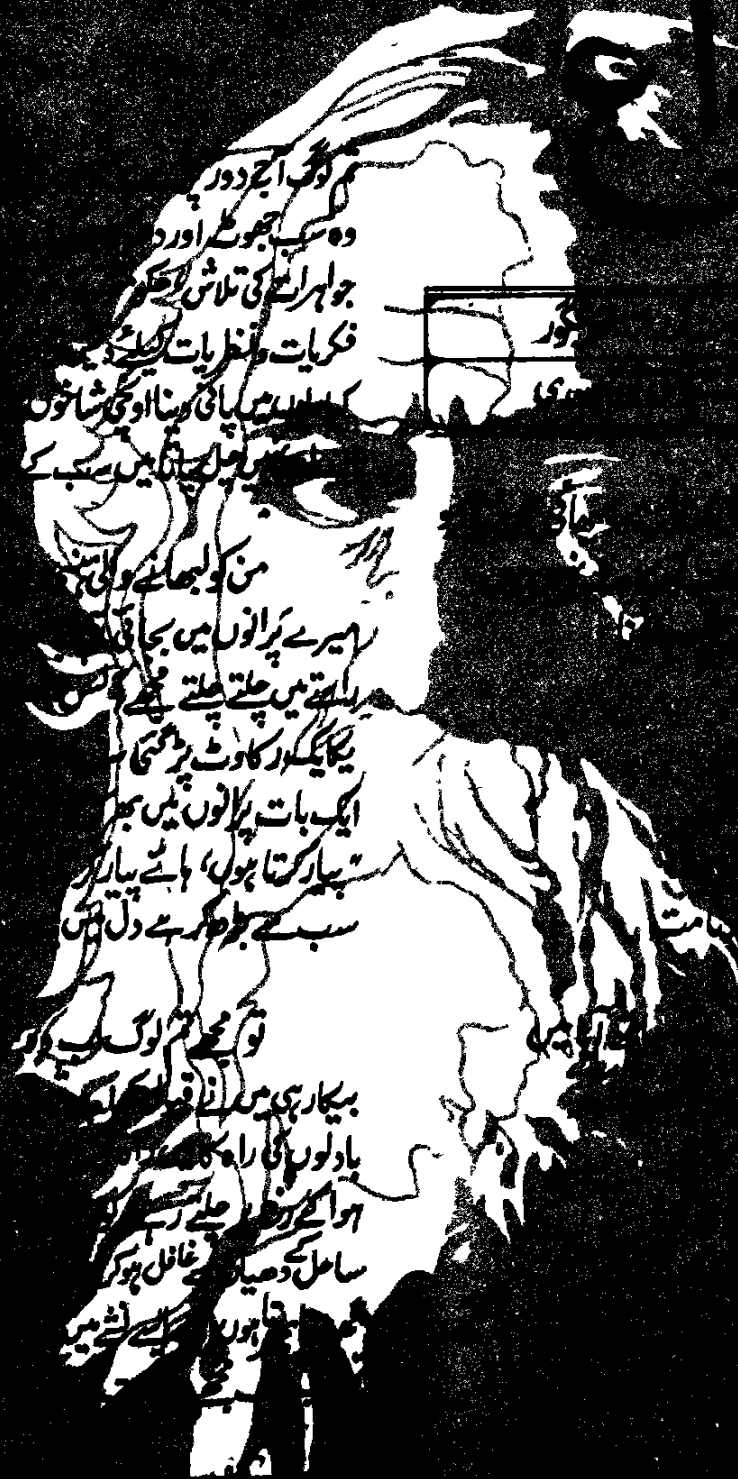
من کو لبھانے والی
یکایک رکاوٹ پڑ گئی
ایک بات پرانوں میں
بیکار ہی میں

رابندرا ناتھ ٹیگور ایک نظر میں

پورا نام : رابندرا ناتھ ٹھاکر
معروف بنام : ٹیگور
والد کا نام : دیبندرا ناتھ ٹھاکر
والدہ کا نام : ساروداد یوی
جائے ولادت : کلکتہ
تاریخ ولادت : ۷ رمئی ۱۸۶۱ء مطابق ۲۵ر بیساکھ سکہ سال ۱۲۶۸
تاریخ وفات : ۷ راگست ۱۹۴۱ء مطابق ۲۲ ساون بنگلہ سال ۱۳۴۸
بیٹوں کے نام : رتیندرا ناتھ، سمیندرا ناتھ
بیٹیوں کے نام : مادھوری لتا، میرا دیوی، رینوکا
بھائیوں کے نام : دیجندرا ناتھ، ستیندرا ناتھ، ہیمندرا ناتھ، جوتیندرا ناتھ، گگنیندرا ناتھ، اوبانیندرا ناتھ (کل ۱۴ بھائی بہن)
تعلیم : اسکول اور کالج کی سطح پر نامکمل
سنہ شادی : ۹ ردسمبر ۱۸۸۳ء
اہلیہ کا نام : مرینالینی دیوی
مشغلہ : شاعری، ناول نگاری، موسیقی، رقص، ڈراما، ڈراما نگاری، اداکاری، مصوری، درس و تدریس وغیرہ۔
سیاحت و سفر : انگلینڈ، کناڈا، روس، جرمنی، امریکہ، اٹلی، ایران، چین، عراق، جاپان وغیرہ

مشہور تصانیف

شاعری : بھانو سنگھ پداولی، سندھیا گیت، پربھات سنگیت، کوڑی و کومل، سندھرا، کنی کا، پوربی، مہوا، سونار تری، چھوبی و گان، سونار توری، شیتو بھولا ناتھ، چترا، چیتالی، کلپنا، کتھا کاہینی، نوئے ودیہ، کھیا، گیتالی، گیتا مالو، گیتانجلی، بلاکا، اروگیہ، پونش چا، مانسی، آکاش دیپ، شانائی، جنمے دینے، شیش لیکھا وغیرہ

ناول : گورا، چوکھیر بالی، نوکا ڈوبی، چترنگ، تیستر کو بیتا، گھورے باہیرے، جوگا جوگ، چار ادھیائے، دوئی بون وغیرہ

افسانے : کابلی والا، چھوٹی، گیت دھن، پوسٹ ماسٹر وغیرہ

ڈرامہ : رودر چنڈ، کال مرگیا، پرکرتیر پرتیشودھ، بسرجن، راجا، ڈاک گھر، مکتا دھارا، رکت ربی، راجا و رانی۔

رقص ڈرامہ : چترانگدا، والمیکی پرتیبھا، شیاما، چنڈالیکا، شاپ موچن، بستر پوجا

دیگر : یورپ یر باتیر پترا، روس کے خطوط، یورپ کے سفر کی ڈائری، جیون سمرتی، لوک ساہتیہ وغیرہ

تعمیری خدمات : شانتی نکیتن، شری نکیتن کو چالو کیا، مہاجتی سدن (کلکتہ) کا سنگ بنیاد رکھا، راکھی تہوار کا رواج قائم کیا، جد و جہد آزادی میں حصہ لیا وغیرہ وغیرہ

انعامات و اعزازات : نوبل پرائز (۱۹۱۳ء)، کلکتہ یونیورسٹی کی طرف سے ڈی لٹ کی ڈگری (۱۹۱۳ء)، بنارس یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹری کی ڈگری (۱۹۳۵ء)، آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹری ڈگری (۱۹۴۰ء)، تری پورہ کے راجا کی طرف سے بھارت بھاسکر کا خطاب (۱۹۴۱ء) اور حکومت ہند کی طرف سے سر کا خطاب (مگر انہوں نے جلیانوالہ باغ کے دلدوز واقعہ کے خلاف اسے احتجاجاً واپس کر دیا)۔

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ر جون و یکم جولائی ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۲ اور ۱۳

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمّد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ★ نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ۔

بزنس منیجر،

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۶/۱ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،

کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومتِ مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext: 710

شمال مشرقی خطہ میں توانائی کی پیداوار کے امکانات پر کنونشن :

شری جیوتی باسو نے توانائی کے بہتر انتظام پر زور دیا

شری جیوتی باسو مشرق اور شمال مشرقی خطہ میں توانائی کے امکانات پر منعقدہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے۔

مرکز کو ملک میں توانائی کی پیداوار اور تقسیم کاری پر ایک مربوط اور جامع پالیسی کے ساتھ سامنے آنا چاہئے ساتھ ہی ساتھ اس سلسلے میں ریاستوں کے درمیان تال میل ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ باتیں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ سوموار کو کلکتہ کے سٹی میں منعقدہ ایک کنونشن میں کہیں۔ اس کنونشن کا انعقاد شمال مشرقی علاقہ میں توانائی کی پیداوار کے امکانات پر سائنسدانوں، انجینئروں اور ماہرین ٹیکنالوجی کے فورم کے زیر اہتمام کیا گیا تھا۔

شری باسو نے اپنی تقریر میں ملکی قدرتی وسائل اور انسانی قوت کے عظیم استعمال کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ توانائی سیکٹروں کو صرف تجارتی پہلوؤں سے نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ عوام کے مفادات پر بھی مناسب دھیان دیا جانا چاہئے کیونکہ آج بجلی کسی بھی سماج کی بنیادی ضرورت ہے۔

شری باسو نے توانائی کے سیکٹر میں بیرونی سرمایہ کاری پر انحصار کرنے کی مرکزی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے ملک میں توانائی کی پیداوار میں متواتر اضافہ کے امکانات پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے بی ایچ ای ایل، این ٹی پی سی اور ریاستی الیکٹریسٹی بورڈوں جیسے بڑے عوامی سیکٹروں کی زبوں حالی پر بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

عالمی بینک کی حالیہ شائع شدہ رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے شری باسو نے کہا کہ توانائی کے سیکٹر میں بیرونی سرمایہ کاروں کو کم از کم سولہ فیصد منافع کی ضمانت دینے کی مرکزی پالیسی کو ان لوگوں نے نامنظور کر دیا ہے۔

بائیں محاذ حکومت کے طریق عمل کی وضاحت کرتے ہوئے شری باسو نے بتایا کہ ریاست میں فاضل توانائی کے باوجود حکومت صنعت کاری پر زور دینے کی مانگوں کو پورا کرنے کے لئے ایک طویل المدتی پالیسی مرتب کر رہی ہے۔

شری باسو نے مزید کہا کہ مرکز کی طرف سے کوئلہ اور دیگر خام اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کے یک طرفہ فیصلے سے توانائی کی پیداوار کی لاگت میں اضافہ ہوگا اور عام لوگ بری طرح متاثر ہوں گے۔

وزیر توانائی شری شنکر سین نے بھی اس کنونشن میں تقریر کی۔ دوسرے مقررین میں میزورم کے وزیر اعلیٰ شری لال تھان والا نے شمال مشرقی خطہ کے لئے توانائی کی پیداوار پر ایک مربوط پروگرام کی ضرورت پر زور دیا ●●

ریاستی بک بورڈ کا جشنِ سیمیں:

ریاستی گورنر شری رگھوناتھ ریڈی نے تقریبات کا افتتاح کیا

ریاستی گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گزشتہ ۲۳ جون کو کلکتہ کے سیسر منچ میں مغربی بنگال ریاستی بک بورڈ کی ۲۵ ویں سالگرہ کی تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اس بورڈ نے ۱۹۷۰ء میں اپنی تشکیل کے وقت سے ایک طویل مسافت طے کی ہے۔ گزشتہ ۲۵ برسوں کے دوران مختلف موضوعات جیسے معاشیات، تواریخ، فزکس، کیمسٹری، موسیقی اور دیگر بہت سے موضوعات پر علمی کتابیں شائع کی ہیں۔ گورنر موصوف نے کہا کہ ریاستی بک بورڈ بنگلہ میں کتابیں شائع کرنے کے خاص مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا لیکن طلباء، گارجین اور اساتذہ حضرات نے اعلیٰ تعلیم کو بنگلہ زبان میں دئے جانے کے خیال کو منظور نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ کتابیں گزشتہ کئی برسوں سے بہت زیادہ مہنگی اور ناقابلِ خرید ہو گئی ہیں۔ گورنر موصوف نے بتایا کہ وہ حضرات جو کتابیں لکھتے ہیں اور شائع کراتے ہیں ان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ طلباء کے لئے کم قیمتوں پر کتابیں مہیا کرنے کی صورت نکالیں۔

اس افتتاحی تقریب کے مہمانِ اعلیٰ شری ہیرن مکھرجی نے اپنی تقریر میں کہا کہ علم کی حصولیابی کا ممکن وسیلہ مادری زبان ہے لیکن ہندوستان میں علاقائی زبانوں میں تعلیم دینے کے خیال کی پذیرائی نہیں کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ میں سرکاری کام کاج کو بھی محدود رکھا گیا ہے۔ گزشتہ ۲۵ برسوں سے بورڈ نے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں پھر بھی بنگلہ میں تمام موضوعات پر کتابیں شائع کرنا بورڈ کے لئے ممکن نہیں ہوا ہے۔ اس نے کچھ بے کار کتابوں کی اشاعت سے گریز کیا ہے۔ شری مکھرجی نے تمام لوگوں سے درخواست کی ہے کہ وہ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ آئیں اور اعلیٰ تعلیم کی قندیل کو روشن کریں۔

اس تقریب کے مہمانِ خصوصی شری آنند شنکر رائے نے اپنی تقریر میں کہا کہ بک بورڈ کو چاہئے کہ وہ بنگلہ کتابوں میں زیادہ سے زیادہ کتابوں کی اشاعت کرے۔ انہوں نے مصنفوں اور ناشروں سے درخواست کی کہ وہ صحیح ڈھنگ سے اپنی خدمت انجام دیں۔

ریاستی وزیر برائے اعلیٰ تعلیم اور مغربی بنگال ریاستی بک بورڈ کے چیئرمین شری ستیہ سادھن چکرورتی نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ تعلیم کے میدان میں زبردست تبدیلی آئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب تعلیم پر چند لوگوں کی اجارہ داری نہیں رہی۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ اگرچہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ۱۴ سال تک کے تمام بچوں کو تعلیم یافتہ کرے لیکن فنڈ کی کمی کے باعث یہ نہ ہو سکا لیکن انہوں نے کہا کہ گزشتہ کئی برسوں سے تعلیم کافی حد تک پھیلی ہے اور تعلیم کی وسعت کے ساتھ کتابوں کی مانگ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

ووٹروں کے شعور و بیداری کو فروغ دیا جائے گا

آئندہ انتخابات میں ووٹروں کو ان کی رائے دہندگی کے حقوق سے مطلع کرنے کے لئے ایک کل ہند پروگرام کے طور پر مغربی بنگال میں ووٹروں میں شعور و بیداری کو فروغ دینے کے لئے الیکشن کمشنر غیر سرکاری اداروں کو کام میں لگائیں گے۔

چیف الیکشن کمشنر مسٹر ٹی این سیشان نے گزشتہ ۲۴ جون کو ریاست کے چیف الیکٹورل افسر مسٹر ترون دتہ کے ساتھ اپنی ایک میٹنگ میں اس اسکیم کو روبہ عمل لانے کے خاکے کی وضاحت کی۔

وزیراعلیٰ نے فولاد واسپات کے ایک نئے پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد رکھا

تصویر میں وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو، وزیر توانائی شری شنکر سین اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے چیئرمین شری سومناتھ چٹرجی

وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۴ رجون کو درگاپور میں فولاد اور اسپات کے ایک نئے پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں کہا کہ پروجیکٹ کے کام کو مقررہ وقت کے اندر مکمل کردیا ہوگا۔ یہ پروجیکٹ درگاپور پروجیکٹ لمیٹیڈ اور برلا ٹیکنیکل سروس کی مشترکہ بھٹرا ہے۔ اس پروجیکٹ کے ایک نمائندے نے بتایا کہ پروجیکٹ کا پہلا مرحلہ ساڑھے تین برسوں کی مدت کے اندر مکمل ہوجائے گا۔ پہلے مرحلے میں اس پروجیکٹ سے ایک لاکھ ۳۵ ہزار ٹن کے دانہ دار سلیگ اور تین لاکھ لوہا کی پیداوار کرے گا دوسرے مرحلہ میں فیکٹری کو مزید جدت کاری کی جائے گی اور اسپات کی پیداوار کیلئے اسے ترقی دیجائیگی اس پروجیکٹ کے مکمل ہونے کے بعد درگاپور پروجیکٹ لمیٹیڈ (ڈی پی ایل) کو اپنے کوک کے لئے ایک بہت بڑا بازار مل جائے گا۔ اس مشترکہ پروجیکٹ کی وجہ سے امید کی جاتی ہے کہ درگاپور علاقہ میں وسیع پروجیکٹ دائرے کیساتھ بکھری نئی صنعتیں ابھریں گی۔

وزیراعلیٰ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ اس پروجیکٹ سے ۲۵۰۰ ورکروں کو روزگار کے مواقع ملیں گے اور بہت سے لوگ اس پروجیکٹ سے منسلک صنعتوں میں برسرِ روزگار ہوں گے۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ مال کے کرایہ کی برابری کی پالیسی کی جزوی چھوٹ اور لائسنسنگ سسٹم میں رعایت کے باعث ریاست میں نئی صنعتوں کو قائم کرنے کے مواقع پیدا ہوئے ہیں اور حکومت اس موقع کا استعمال کرتے ہوئے صورت حال کا بھرپور فائدہ اٹھائے گی۔ صنعت کار حضرات تاخیر سے ہی سہی مغربی بنگال میں سرمایہ کاری کرنے کے سلسلے میں دلچسپی لے رہے ہیں اور حکومت غیر مقیم ہندستانیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ صنعت کاروں کو متوجہ کرنے کیلئے انہیں ممکنہ حد تک بنیادی سہولتیں فراہم کرے گی۔ ریاستی حکومت اس بات پر بھی نظر رکھے گی کہ ریاستی حکومت کے مفادات کے تحفظ کے ساتھ صنعت کاروں کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔

ریاستی وزیر توانائی شری شنکر سین نے اپنی تقریر میں کہا کہ درگاپور پروجیکٹ لمیٹڈ کی بتدریج جدت کاری ہورہی ہے۔ اسے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انہوں نے کاروباریوں سے درخواست کی کہ وہ ورکروں کی قابلیت کی بہتری کیلئے مختلف تربیتی مراکز قائم کریں

اس موقع پر ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے چیئرمین اور ایم پی شری سومناتھ چٹرجی، ڈی پی ایل کے چیئرمین شری ایس داس گپتا، برلا گروپ کے نمائندے شری بی مجمدار اور ضلع سبھادھی پتی شری مدن گھوش نے بھی شرکت کی۔

مرکزی وزیر برائے اسپات شری سنتوش موہن دیب نے اپنے ایک ارسال کردہ پیغام میں پروجیکٹ کی کامیابی کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا ٭٭

دوردرشن کو علاقائی زبانوں میں زیادہ سے زیادہ پروگراموں کو پیش کرنا ہوگا

بدھادیب بھٹاچاریہ

گزشتہ ۹ مئی کو ربندرناتھ ٹیگور کے یوم پیدائش کے موقع پر ربندرا سدن کے سامنے میدان میں منعقدہ ایک تقریب میں امسال کے ربندر اپرسکار دینے کا اہتمام کیا گیا۔ امسال ایوارڈ پانے والوں کے نام ہیں شکتی چٹو پادھیہ (ابدازمرگ)، پراتول چندرارکشت، نارائن چندرا چیدرا اور جینتو بوس۔

شکتی چٹوپادھیہ کی اہلیہ شریمتی میناکشی چٹوپادھیہ نے وزیر اطلاعات ثقافتی امور سے اپنے شوہر کی جگہ ایوارڈ قبول کیا۔ وزیر موصوف نے شری رکشت کو بھی ایوارڈ دیا۔ دوسرے ایوارڈ یافتگان نے وزیر اسکولی تعلیم شری کانتی بسواس ایوارڈ حاصل کئے۔

وزیر موصوف شری بھٹاچاریہ نے اپنی تقریر میں ٹیگور کے یوم پیدائش کو تمام بنگالیوں کے لئے ایک اہم دن قرار دیتے ہوئے کہا کہ دوردرشن پر بنگلہ میں دکھلائے جانے والے پروگراموں میں تیزی سے ہونے والی کٹوتی کے خلاف احتجاج بلند کرنے کیلئے ایک مثالی دن ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ آزاد طبع اور غیر جانبدار ہونے کے باوجود مغربی بنگال کے عوام نے محسوس کیا ہے کہ قومی پروگرام کی نشرو اشاعت میں زبان کی بنیاد پر ہونے والا امتیاز حد سے زیادہ تجاوز کرتا جارہا ہے۔ شری بھٹاچاریہ نے مزید بتایا کہ دوردرشن کو علاقائی زبانوں میں زیادہ سے زیادہ پروگراموں کو پیش کرنا ہوگا۔

وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی، وزیر اسکولی تعلیم شری کانتی بسواس شعبۂ تعلیم کے اعلیٰ افسران اور ایوارڈ یافتگان نے بھی اس موقع پر تقریریں کیں۔

برقیاتی ذرائع ابلاغ ثقافتی تنزلی کے ذمہ دار ہیں: بدھادیب بھٹاچاریہ

برقیاتی ذرائع ابلاغ سماج کی ثقافتی اساس کو تباہ کرنے کے درپے ہیں اور سماج کو سنگین ثقافتی تنزلی کی طرف لے جارہے ہیں۔ یہ باتیں وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے گزشتہ ۲۷ مئی کو کلکتہ کے سیسر منچ میں منعقدہ ایک تقریب میں آرٹسٹوں کو شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے ایوارڈ دیتے ہوئے کہیں۔ سال ۱۹۹۴ء کے لئے ابانیندرا پرسکار نیتر بیمن چودھری کو دیا گیا۔ کلاسیکی موسیقی میں نمایاں کارکردگی کے لئے علاؤالدین ایوارڈ جامنی گنگو پادھیہ کو دیا گیا جبکہ لوک سنگیت اور رقص کے لئے لالن پرسکار سے سندھو بالا دیوی کو سرفراز کیا گیا اور پہلی بار دئے گئے ادے شنکر پرسکار سے منجوشری چاکی سرکار کے ڈانسرس گائیڈ کو ان کی پیش کش "چوراتی بوتی" کے لئے نوازا گیا۔

وزیر موصوف شری بھٹاچاریہ نے انعام کے حق داروں کو اسناد وصف، یادگاری نشانیاں اور ایوارڈ کی رقوم سے نوازا۔ جاری کردہ سبھا ایوارڈ، ادے شنکر پرسکار" ۱۰ ہزار روپئے کا ہے جبکہ باقی دیگر ایوارڈ کے لئے فی کس ۱۵ ہزار روپئے کی رقم ہے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف شری بھٹاچاریہ نے بتایا کہ ۲۱ ویں صدی کی دہلیز پر پہنچ کر دنیا کے عوام عالمی جذبہ اور عالمی ثقافتی قدروں کو فروغ دے کر قریب تر ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کے منفی اور مثبت دونوں ہی پہلو ہیں کیونکہ برقیاتی میڈیا ثقافتی وراثت کو تباہ کر رہا ہے اور دیسی تہذیب پر برا اثر ڈال رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اسی لئے حکومت مغربی بنگال دیسی تہذیب و ثقافت پر قائم آرٹسٹوں کے لئے ایوارڈ دے رہا ہے۔

اس ایوارڈ کو آرٹ اور آرٹسٹوں کو تسلیم کرنے کی علامت کے طور پر بتاتے ہوئے شری بھٹاچاریہ نے آرٹ اور کلچر کی روایت کے تحفظ کے لئے ریاستی حکومت کے مطمح نظر کو دہرایا۔

ایوارڈ یافتگان نے اپنی اپنی تقریر میں حکومت کا شکریہ ادا کیا اور زیادہ ذمہ داری کے ساتھ اپنے کام کو انجام دینے کا عہد کیا۔

راجر ہاٹ میں نئے نگر کا قیام

ریاستی حکومت کلکتہ ایئرپورٹ اور سالٹ لیک کے درمیان شمالی ۲۴ پرگنہ کے راجرہاٹ میں ایک نئے نگر کا قیام عمل میں لائے گی۔ یہ بات وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے حال ہی میں کلکتہ کے سدن میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں صحافیوں کے ساتھ بات چیت کے دوران بتائی

گزشتہ یکم جون کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اس پروجیکٹ کے کام کی شروعات کے طور پر مجوزہ نگر کے ساتھ بدھان نگر کو جوڑنے کیلئے ایک پل کا سنگ بنیاد رکھا۔ شیل ملڈنگ کنسٹرکشن کارپوریشن آف انڈیا کو نکو پارک کے پیچھے کسٹو پور نہر کے اوپر شش رخی پل کی تعمیر کا کام سونپا گیا ہے۔ اس پل کی تعمیر کی لاگت تقریباً ۱۸ کروڑ روپئے ہوگی۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ نیا نگر تقریباً ۲۷۵۰ ہیکٹائر کے علاقے پر تعمیر کیا جائے گا جو سالٹ لیک کی بہ نسبت علاقے کے اعتبار سے تقریباً تین گنا بڑا ہوگا۔ اس نگر میں ہر سطح کے تقریباً ۹ لاکھ عوام کے لئے رہائشی مکانات فراہم کئے جائیں گے۔ اس پروجیکٹ میں ۵۰۰۰ کروڑ روپئے کی اصل ملکیت کی سرمایہ کاری اور دس ہزار کروڑ روپئے کی تجارتی و صنعتی سرمایہ کاری شامل کی جائے گی۔ علاوہ ازیں غیر مقیم ہندستانیوں اور بیرونی سرمایہ کاروں، متعدد سرکاری سیکٹر یونٹیں جیسے شیل بلڈنگ کنسٹرکشن کارپوریشن آف انڈیا، کول انڈیا اور اسٹیل اتھوریٹی آف انڈیا نے پلاٹ کے لئے حکومت سے رجوع کیا ہے۔ شری باسو نے بتایا کہ اس پروجیکٹ کے لئے قطعاتِ آراضی کی حصولیابی کا کام باضابطہ طور پر شروع کیا جا چکا ہے اور اس سلسلے میں اب تک کوئی مقدمہ نہیں ہوا ہے۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت جلد ہی ایک کمپنی قائم کرے گی جو ایک سرپرست ایجنٹ کے طور پر خدمت انجام دے گی۔ اس پروجیکٹ میں مشمول مختلف ایجنسیوں کے کام کاج میں تال میل قائم رکھے گی۔

اس پریس کانفرنس میں وزیر اطلاعات شری بدھادیب بھٹاچاریہ، وزیر مکانات شری گوتم دیب اور وزیر ریاست برائے مکانات شری کھگندر ناتھ سنہا نے بھی شرکت فرمائی ٭٭

اسکو کی جدت کاری کے لئے ریاست بھی ایک فریق ہوگی : وزیر اعلیٰ

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۳ مئی کو وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ کے نام ارسال کردہ اپنے خط میں کہا ہے کہ ریاست اسکو (IISCO) کی جدت کاری کے لئے اپنائے گئے پروجیکٹ میں حصہ لینا چاہتی ہے۔ شری باسو نے کہا کہ ریاستی حکومت ہندستان کے صنعتی ترقیاتی بینک (آئی ڈی بی آئی) کی تجویز کے مطابق چھ فیصد شیئر خریدے گی اور سرکاری سیکٹر یونٹ، اسکو کے احیائے نو اور جدت کاری کے لئے پروجیکٹ میں شریک ہوگی۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے خط میں وزیر اعظم شری نرسمہا راؤ سے احیائے نو کے کام کو فوری طور پر شروع کرنے کے لئے ضروری مالی امداد فراہم کرنے کی درخواست کی ہے ٭٭

قومی اقلیتی کمیشن

اسپاٹ جائزہ / مباحثے کے مسلسل جاری مشق کے دوران قومی کمیشن برائے اقلیت نے کلکتہ کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل کے دربار ہال میں ۳ اور ۴ مئی ۱۹۹۵ء کو مغربی بنگال، بہار اور اڑیسہ کے ہمراہ اپنے دوسرے مقامی جلسہ کا انعقاد کیا۔ تین ریاستی حکومتوں کے حکام کے علاوہ بہار و مغربی بنگال کے ریاستی اقلیتی کمیشنوں کے چیئرمین اور بہار کے ریاستی اقلیتوں کے مالی کارپوریشن کے چیئرمین نے اس جلسہ میں شرکت کی۔ قومی اقلیتوں کے ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر اس نشست کے مہمانِ خصوصی تھے۔ کلکتہ میں قائم تین قومیائے گئے بینک — یوکو بینک، الہ آباد بینک اور یونائیٹڈ بینک آف انڈیا کے چیف ایگزیکیوٹیوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مغربی بنگال وفد کی قیادت چیف سکریٹری شری این کرشنا مورتھی نے کی۔

قومی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جسٹس محمد سردار علی خاں نے شرکاء کا خیر مقدم کیا اور ابتدائی مشاہدات کا اظہار کیا۔ مغربی بنگال کے وزیر برائے اقلیتی امور شری محبوب زاہدی نے بھی جلسہ کو خطاب کیا اور سرگرم طور پر مذاکرات میں حصہ لیا۔ وزیر موصوف نے اپنی حکومت کی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ان کی حکومت اقلیتی فرقوں کی ترقی کے تمام فوائد بہم پہنچانے کے لئے تمام تر کوششیں کر رہی ہے۔

اقلیتوں کے متعدد نمائندوں نے اس امر کو تسلیم کیا کہ مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ صورت حال نہایت ہی پرامن اور اطمینان بخش رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے ایسے بہتیرے اقدامات کی شروعات کی ہے جو اس ریاست کی اقلیتوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کئے ہیں۔ حال ہی میں ان لوگوں نے ریاستی سطح پر ایک اقلیتی کمیشن کا قیام عمل میں لایا ہے اور شری محبوب زاہدی کے مطابق ریاستی حکومت بڑی سرگرمی کے ساتھ ریاستی اقلیتی ترقیات اور مالی کمیشن تشکیل کرنے کی تجویز پر غور کر رہی ہے۔ کمیشن ہذا میں ایک سکھ اور بدھ مت کے فرقہ کے ایک کارکن کی تقرری کی تجویز زیر غور ہے۔

مغربی بنگال میں اقلیتوں کی آبادی ۲۲ فیصد ہونے کے باوجود یہاں کی پولس فورس میں ان کی ۹ فیصد تقرری کو ناکافی تصور کیا گیا۔ ریاست کے ۱۸ میں سے ۱۲ اضلاع میں ضلع سطح پر اقلیتوں کے لئے نظر ثانی / شکایت کمیٹیاں قائم ہیں۔ درخواستوں کی ایک کثیر تعداد جن میں اقلیتوں کے زیر نگرانی چلنے والے تعلیمی اداروں کو تسلیم کئے جانے کی گزارش کی گئی ہے جو ریاستی حکومت کے پاس منظوری کے لئے پڑی ہوئی ہیں اور ان متعلقہ کاموں میں تیز رفتاری لانے کی ضرورت ہے۔ اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں مرکزی حکومت کے رہنما اصولوں کو اب تک مغربی بنگال میں اپنایا نہیں گیا ہے۔ چند مثبت اقدامات کی شروعات اقلیتوں کی گھنی آبادی والے علاقوں میں پولی ٹکنکوں کے قیام سے ہوئی ہے۔ مولانا آزاد کالج میں یو جی سی کی جانب سے اسپانسر کوچنگ اسکیم کو مزید مضبوط اور سرگرم بنانے کی ضرورت ہے۔ بیشتر انتخابی کمیٹیوں کے اندر (سوائے ریاستی پی ایس یونٹوں کے) اقلیتی کمیٹیوں کے نمائندے موجود ہیں۔

ایسا دیکھا گیا ہے کہ اقلیتی فرقوں کی جانب کریڈٹ کا بہاؤ ان کی آبادی / ضرورت کے عین مطابق نہیں ہے کیوں کہ ریاست کے تمام تر قرض کریڈٹ تناسب میں تیزی سے گراوٹ آئی ہے لہٰذا چھوٹے کاروبار اور خود روزگاری کے لئے پیش روی اور بینک سے قرض کی حصولی کے سلسلے میں کمزور طبقوں کے درمیان ایک بیداری پیدا کرنے کی خاطر ایک پرزور مہم چلانے کی ضرورت ہے۔

اڑیسہ کے تمام اضلاع میں سوائے نئی تشکیل پانے والے اضلاع کے اتحادی کمیٹیاں قائم ہیں۔ یہ کمیٹیاں اقلیتی مسائل کے سلسلے میں شکایات دور کرنے والے فورموں کے طور پر کام کرتی ہیں۔ برسوں سے یہ ریاست فرقہ وارانہ فسادات یا تناؤ سے دور رہی ہے۔

اقلیتوں میں سے ۲ء۳ فیصد کی تقرری ریاستی پولس میں کی جاتی ہے اور یہ تسلی بخش امور ریاست کی نشاندہی کرتا ہے۔ اقلیتوں کو اب تک ۳۰ء۱۵ کروڑ روپئے بطور کریڈٹ الاؤنس دئے جا چکے ہیں۔ ریاستی حکومت نے ایس سی / ایس ٹی مالی ترقیات کارپوریشن کو نامزد کرنے

کا فیصلہ لیا ہے۔ کارپوریشن ہذا اقلیتوں کو ایڈوانس قرضوں کی فراہمی کے سلسلے میں این ایم ڈی ایف سی کو روبہ عمل لانے کے لئے بطور ایک واسطہ کار ایجنسی کے کام کرے گا۔ اس ریاست میں ۴۸ مدرسے ہیں جنہیں ریاست کی جانب سے امداد ملتی ہے اور جنہیں تعلیمی بورڈ کی جانب سے تسلیم بھی کیا گیا ہے۔ یہ ریاست اقلیتوں کو ملنے والے فوائد کا جائزہ لینے کے لئے ایک سروے بھی کر رہی ہے۔

اگرچہ ریاستی حکومت نے فی الحال کسی ریاستی اقلیتوں کے کمیشن کی تشکیل کرنے کے سلسلے میں فیصلہ کیا ہے تاہم انہیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی صلاح دی گئی ہے۔ اور ایک کمیشن یا ایک بورڈ کے قیام کو عمل میں لانے کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کیوں کہ یہ عمل اقلیتوں کے مفاد کی دیکھ ریکھ کے لئے ایک اہم نکتہ ہے۔

بہار کے نمائندوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے کی اپنی حکومت کی کوششوں سے جلسہ کو مطلع کیا۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران بہار میں فرقہ وارانہ فسادات اور کشیدگی سے آزاد رہا ہے۔ ان لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ اردو کو فروغ دینے اور اس کی ہمت افزائی کے لئے متعدد اقدامات روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ مذکورہ ریاست میں پنجابی اکیڈمی کے قیام کی بھی تجویز رکھی گئی ہے۔ بدھ مت کے ماننے والوں کی مانگ کے پیش نظر 'بدھ پورنیما' کے دن سرکاری تعطیل کا اعلان کیا گیا ہے۔ اقلیتوں کی تمام رفاہی اسکیموں پر عمل درآمد پر دیکھ ریکھ کے لئے حال ہی میں اقلیتی رفاہ کا ایک نیا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔

اس ریاست کی ۱۵ فیصد اقلیتی آبادی کے مقابلے میں ۶ فیصد اقلیتی کام کا جوں کے لئے کریڈٹ کا بہاؤ رہا ہے۔ مذکورہ امر بہار کے تمام تر کم کریڈٹ ڈپازٹ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اقلیتوں کی جانب سے کریڈٹ کے بہاؤ کو بہتر بنانے کے سلسلے میں اقدامات کئے جائیں گے۔ متعدد مختلف اسٹاف سلیکشن کمیٹیوں میں مستقل طور پر اقلیتی فرقوں کے نمائندوں کو تقرری دی جا رہی ہے۔

۱۹۸۹ء کے بھاگل پور فسادات پر رپورٹ تیار کی جا رہی ہے اور نتائج تحقیقات / سفارشات پر زور دار فیصلے لئے جائیں گے۔

اقلیتی کمیٹیوں کے نمائندوں کے ساتھ نشست:

مغربی بنگال کے مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں کے علاوہ بدھ مت، جین مت اور احمدی فرقہ کے نمائندوں کی ایک کثیر تعداد نے کمیشن سے ملاقات کی اور انہیں معروضات پیش کیں۔

مسلمان: (الف): ۱۹۲۴ء سے مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ امن اور سکون بحال ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی آبادی ۲۶ فیصد ہے (ب): روزگار۔ ریزرویشن کی مانگ، ڈبلیو بی سی ایس یونین میں یہ لوگ صرف ۴ فیصد ہیں۔ (پ)، تعلیمی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت ۱۹۴۷ء سے خراب ہوئی ہے۔ (ت): اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ کے لئے ریزرویشن کی مانگ۔ (ٹ)، ۵ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد نہیں کیا جا رہا ہے۔ (ث)، ۴۵ تا ۵۰ مساجد پر ناجائز طور پر قبضہ ہے۔ (ج): اردو میڈیم اسکولوں کی مانگ۔ (چ): تناسب نمائندگی کی مانگ۔ (ح): آئی اے ایس امتحانوں میں عربی اور فارسی کو پہلے کی طرح جاری رکھنا چاہئے۔ (خ): اسکولوں کی منظوری کی درخواستیں سرکار کے یہاں پڑی ہوتی ہیں۔ (د): پولس اور پیرا ملٹری فورس میں مسلمانوں کی ضرورت سے کم نمائندگی۔ (ڈ) ایمپلائمنٹ ایکسچینجوں کی جانب سے اسامیوں کے نام نہیں بھیجے گئے۔ (ذ): مغربی بنگال کے مخصوص علاقوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت۔ (ر): رہائشی مسائل کو حل کرنے کے لئے کثیر المنازل عمارتی کمپلکسوں کی تعمیر۔ (ڑ)، بنگالی مسلمانوں کی کثیر تعداد کو ستانا اور مہاراشٹر سے انہیں نکال باہر کرنا اور مغربی بنگال میں ان کی آمد۔ (ز)، پولس کی غیر قانونی حراست میں پولس کے ہاتھوں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد پر ظلم و ستم اور قتل کے سلسلے میں تفتیش کا آغاز اور (ژ)، مغربی بنگال میں مسلمانوں کے تناسب کو مد نظر رکھتے ہوئے دوردرشن کو چاہئے کہ وہ اردو کو فروغ دے۔

عیسائی: (الف): تعلیمی امور مثلاً اساتذہ حضرات کی تقرری (کچھ جگہیں ۸ تا ۲۰ برسوں سے خالی پڑی ہیں) کے سلسلہ میں ریاست کی مداخلت۔ (ب): وہ تعلیمی ادارے جنہیں اقلیتی فرقہ کے لوگ چلاتے ہیں، کی عدم منظوری۔ (ت): چند اسکولوں کو اضافہ شدہ مہنگائی بھتہ کا نہ ملنا۔

بدھ مذہب والے: (الف): "بدھ پورنیما" بطور عوامی تعطیل کا اعلان۔ (ب)، قدیم بدھ مت کے صحیح صحیفوں / ادب اور متبرک مقامات کا مناسب تحفظ۔ (ت): تعلیمی اداروں میں نشستوں کا

(باقی ص... پر)

ماحولیات کے تحفظ اور قدرتی وسائل کی حفاظت پر سرکاری پالیسی کی وضاحت
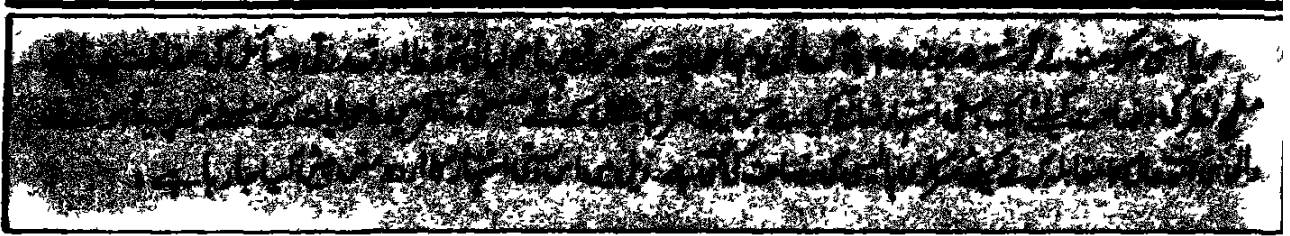
۱۔ حکومت مغربی بنگال ریاست میں ماحولیاتی تحفظ اور قدرتی وسائل کی حفاظت سے متعلق امور میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ صنعتی ترقیات ہر حال میں (ستمبر ۱۹۹۴ء میں) جاری کردہ پالیسی بیان کے مطابق ریاست میں بہت ہی جلد بڑی تعداد میں ترقیاتی پروجیکٹوں پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔ اس سے پہلے ہی دباؤ میں پڑے ماحولیاتی نظام پر نیا دباؤ پڑے گا اور نئے اثرات مرتب ہوں گے۔

۲۔ ماحولیات کے تحفظ اور آلودگی کی روک تھام کی ذمہ داری ایک ہی شعبہ پر نہیں ہے اور نہ ہی یہ ریاستی حکومت کا تنہا کام ہے۔ اس کی ذمہ داری سرکاری شعبوں اور ایجنسیوں، پنچایتوں اور میونسپلٹیوں جیسے سرکاری اداروں، پولس، صنعتی اکائیوں، غیر سرکاری اداروں اور فرقہ پر مبنی تنظیموں ــ سبھوں پر عائد ہوتی ہے۔ ماحولیات کے مسائل سبھی سکیٹروں کے ہیں اس لئے ہر سطح پر فیصلہ سازی کے طریقہ کار میں ماحولیاتی وچاروں کو جوڑنا اس کا مقصد ہے۔ آنے والے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صاف ستھرے ماحول کی حصولیابی میں عوامی تعاون انتہائی ضروری ہے۔

۳۔ اسی روشنی میں ترقیات پسند اور ماحولیات پرست مقاصد کے ساتھ تال میل قائم رکھنے کے لئے ریاستی حکومت کی طرف سے ماحولیاتی تحفظ اور قدرتی وسائل کی حفاظت پر اس پالیسی بیان کو اپنایا گیا ہے مندرجہ ذیل اس کی اہم خصوصیات ہوں گی۔

۳/۱: ممکنہ حد تک پانی ہوا اور شور کی آلودگی پر قابو رکھنے کے لئے سرگرمیوں کو تیز کیا جائے گا۔

۳/۲: منظم صنعتوں کی طرف سے اور قائم شدہ صنعتی علاقوں میں پیدا شدہ خاص ماحولیاتی آلودگی کے مسائل کو متعلقہ ایکشن پلان تیار کرنے کے بعد دس سالہ پروگرام میں کنٹرول کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۳/۳: ریاست کی ندیوں، ریزروائروں، آبی ساختوں اور واٹرشیڈوں کو ماحولیاتی توازن قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے جبراً دخل سے محفوظ رکھا جائے گا تاکہ زراعت، آبپاشی، پینے کے پانی، صنعتی اور دیگر شہری مقاصد کے لئے انہیں مہیا کیا جاسکے۔

۳/۴: جامع ساحلی زون انتظامی منصوبوں کے تحت ریاست میں مدنا پور سے سندربن تک تقریباً ۲۲۰ کیلومیٹر کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ساحلی زون کی مختلف مرحلوں میں محافظت اور بحالی کی جائے گی۔

۳/۵: جنگل کاری، بنجر زمینوں کی ترقی، حیاتیاتی کثرت اور جنگلاتی زندگی کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی افزائش کو تیز کیا جائے گا اور مخصوص اور محفوظ جنگلات کو معیاری تولیدی ترقیات سے مالا مال کیا جائیگا۔

۳/۶: ریاست کے شہروں اور نگروں کی موجودہ ماحولیات کی بہتری کے لئے مختلف مرحلوں میں ایکشن پلان تیار کیا جائے گا تاکہ ان کی اہلیت، پیداواریت، صحت میں اضافہ کرنے اور ان کے خطرات و بحران کو کم کرنے کے ذریعہ انکی بقائیت میں بہتری لائی جاسکے۔

۳/۷: موجودہ ضابطوں اور اس پالیسی کے مطابق ماحولیاتی اثرات کے قبل از وقت محاسبہ کے ساتھ صنعتوں کا قیام، شہری ترقیات، دیگر بڑی لازمی اور شہری سہولتوں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔

۳/۸: مانگوں کے انتظامات، از سر نو گردش اور دوبارہ استعمال کے سائنٹفک طریقہ کار کے ذریعہ پانی اور فضلہ کے انتظامات پر خصوصی زور دیا جائے گا۔

۳/۹: ریاست کے سبھی ماحولیاتی پروجیکٹوں میں تعاون حاصل کرنے، زیادہ سے زیادہ بیداری پیدا کرنے اور سرگرم شرکت کو فروغ دینے کے لئے حکومت

صنعت، عوامی۔نجی، صنعت۔ تعلیم، این جی او/سی بی او۔ سرکاری۔ نجی، سرکار۔ ذرائع ابلاغ وغیرہ کے مابین کارکردگی کے تعلقات کو قائم کرنے اور انکی حوصلہ افزائی کرنے کو اہمیت دی جائے گی اور اقدامات کئے جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے خاص ذمہ داریوں اور فرائض ادا کرنے کے لئے مختلف درجوں کے عوامی اداروں اور سماجی تنظیموں کو طاقت ور بنایا جائے گا۔

۱۰/۳ : سماج کے وسیع مفادات کے پیش نظر ماحولیاتی تحفظ اور قدرتی وسائل کی حفاظت سے متعلق قانون اور ضوابط میں زیادہ آسانی، آسانی سے قابل نفاذ اور لائق فہم بنانے کے لئے ترمیم کیا جائے گا۔

۱۱/۳ : ماحولیات کا تحفظ، قدرتی وسائل کی حفاظت، آلودگی کی روک تھام اور ماحولیاتی بیداری کے فروغ کے لئے مختلف سرکاری شعبوں جیسے محکمات، زراعت، آبپاشی، صنعت، بلدیاتی امور اور شہری ترقیات، صحت، عوامی صحت، ترقیات و منصوبہ بندی، ٹرانسپورٹ، دیہی ترقیات پنچایت، سائنس اور ٹکنالوجی، ہوم، قانون، اطلاعات و ثقافتی امور وغیرہ کے مابین آپسی تال میل کی ایک مشنری، خصوصی ایکشن پلانوں کی تیاری، شعبہ جاتی تال میل کے قیام اور اس پالیسی بیان کی سرپرستی، ترقی اور تکمیل کے لئے قائم کی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے شعبہ ماحولیات مرکزی محکمہ کی حیثیت سے کام کرے گا۔

۱۲/۳ : ریاستی حکومت قومی اور بین الاقوامی مالیات کا بندوبست کرے گی اور اس پالیسی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خاطر خواہ فنڈ مہیا کرے گی

۱۳/۳ : اس پالیسی پر بنیادی زور اس بات کی ضمانت دینے پر ہے کہ ماحولیات کے تحفظ اور قدرتی وسائل کی حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماحولیاتی سرگرمیوں کے رجحان کو بڑھاوا دیا جائے اور انہیں سہولتیں فراہم کی جائیں۔

بقیہ : قومی اقلیتی کمیشن

دیہی روزگار اسکیم ... ریزرویشن۔ (ث) : بدھ مت کے مطالعات کے ذریعہ تعلیم دینے کے لئے پالی ٹولوں کا انعقاد اور آئی اے ایس داخلہ امتحان کے نصاب میں پالی کی برقراری۔

سکھ : (الف) : مغربی بنگال میں سکھ خود کو نہایت ہی غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ (ب) : مغربی بنگال اقلیتی کمیشن میں ایک سکھ رکن کی تقرری۔ (ت) : ہیم کنڈ ایکسپریس کلکتہ سے لدھیانہ جانے میں پہلے ۴۴ گھنٹے لیتی تھی جسے بڑھا کر فی الحال ۴۲ گھنٹے کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا اضافہ میں کمی لانی چاہیئے اور یہ ٹرین روزانہ چلنی چاہیئے۔ (ٹ) : ریاستی قانون ساز مجلس میں ایک یا دو سکھ اراکین کی نامزدگی۔ (ث) : سکھ عورتوں کو ہلمٹ پہننے سے مستثنیٰ رکھا جائے اور (ج) : پولس اور فوج میں سکھوں کا تناسب بڑھا کر ۱۹۴۷ء کی سطح تک لایا جائے۔

جین مت والے : (الف) : ایک علیحدہ مذہبی اقلیت کے طور پر جینیوں کو تسلیم کیا جائے اور (ب) : انکے تعلیمی معاملات میں ریاستی امداد۔

احمدیہ : ہم مذہب والوں کی جانب سے احمدیوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و تفریق کی روک۔

مذکورہ بالا مسائل اور مانگوں کے جواب میں کمیشن ہٰذا کے اراکین نے اقلیتی کمیٹیوں پر زور ڈالا کہ وہ اپنے فرقے کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ اپنی مدد آپ کریں اور خود ساختہ گوشہ نشینی سے باہر آئیں۔ تعلیم اور تکنیکی ہنر کے حصول پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ خاطر خواہ روزگار کے مواقع مل پائیں۔ نمائندوں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وزیر اقلیتی امور، مغربی بنگال نے ایک سکھ اور ایک بدھ مت کے پیروکار کو ریاستی اقلیتی کمیشن میں تقرری دینے کا یقین بھی دلایا ہے۔ جینیوں کی مانگوں کے جواب میں مطلع کیا گیا ہے کہ کمیشن نے قبل ہی مذکورہ معاملہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور انہیں ایک علیحدہ اقلیتی فرقہ اعلان کئے جانے کے سلسلے میں سرکار کو مثبت سفارش بھی کی تھی۔ دیگر مانگوں کے جواب میں نمائندوں کو یہ اطلاع دی گئی کہ متعلقہ حکام مذکورہ معاملات سے نپٹیں گے۔

ماحولیات کے تحفظ کیلئے سرکاری اقدامات

جون ۱۹۷۲ء کے دوران اسٹاک ہوم میں منعقدہ ماحولیات کے موضوع پر اقوام متحدہ کی کانفرنس کے اعلانیہ سے ماحولیاتی تحفظ کا تصور وجود میں آیا۔ بعدازاں پانی (آلودگی کے انسداد اور روک تھام) ایکٹ برائے ۱۹۷۴ء ہوا (آلودگی کے انسداد اور روک تھام) ایکٹ برائے ۱۹۸۱ء اور ماحولیاتی تحفظ ایکٹ برائے ۱۹۸۶ء سے لفوذ عمل میں آئے۔ ان ایکٹوں کے تحت ایسے قوانین بھی وضع ہوئے جو ماحول کے تحفظ کیلئے متعدد اقدامات کے روبہ عمل لانے کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مغربی بنگال آلودگی روک تھام بورڈ ایک ایسی نمایاں تنظیم ہے جس کے توسط سے ان ایکٹوں کو روبہ عمل لایا جاتا ہے۔ ریاستی آلودگی روک تھام بورڈ کا قیام پانی (آلودگی انسداد اور روک تھام) ایکٹ برائے ۱۹۷۴ء کے تحت ۱۹۷۴ء میں عمل میں آیا۔ شعبۂ ماحولیات کی تشکیل ۱۹۸۲ء میں ہوئی۔ اس شعبہ کے قیام کا مقصد ماحول کے تحفظ کو موزوں اہمیت بخشنا اور ریاستی آلودگی روک تھام بورڈ کے کام کاج

کی نگرانی کرنا بھی تھا۔ رایو ارض جرنی / رایو ارتھ سمٹ کانفرنس جس میں ہماری ریاست کے سابق وزیر مرحوم ڈاکٹر امبریش مکھرجی نے بھی ہندستان سے ایک نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی تھی ہمیں اس موضوع اعلانیہ کیساتھ ایجنڈا ۲۱ شامل تھا کہ ماحولیاتی تحفظ کو ترقیاتی پروگراموں کے ساتھ قابلِ لحاظ امر کے طور پر رکھنا چاہئے۔

ہمارے یہاں ماحولیاتی مسائل بے شمار ہیں۔ ان مسائل کی جسامت کے مقابلے میں مذکورہ شعبہ اور بورڈ دونوں کے ہی وسائل نہایت ہی محدود ہیں۔ جو کچھ بھی مذکورہ وسائل دستیاب ہوتے ہیں اسے ریاستی حکومت انسدادی اقدامات کو روبہ عمل لانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو پاتا ہے کام میں لانے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ ماحولیات کے میدان میں کارگر پالیسیوں اور اسکیموں سے وابستہ ریاستی اور مرکزی حکومت کے متعدد شعبوں اور ایجنسیوں کے درمیان تال میل پیدا کرنے کے لئے شعبۂ ہذا کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ قانونی حکمنامہ کے تحت ہر شعبہ کو کسی اسکیم کے یا پروجیکٹ پر اسی وقت تک انتظامی منظوری عطا نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اسے شعبۂ ماحولیات کی جانب سے رضامندی مل چکی ہو۔ مختلف نظامتوں اور شعبوں سے موصول متعدد رپورٹوں پر مبنی مغربی بنگال میں ریاستی ماحولیات پر شعبۂ ہذا نے ایک رپورٹ پیش کی ہے۔ ۱۹۸۶ء کے آخری دور میں ایک چھوٹے تکنیکی سیل کی تشکیل شعبۂ ہذا میں کی گئی اور اس کا کام تکنیکی مسائل سے نمٹنا تھا۔ ۱۹۸۷ء کے دوران شعبۂ ہذا نے ماحولیاتی رہنما اصول کا ایک کینیڈیم نکالا ہے۔ اس میں دیگر ماحولیاتی مسائل سے وابستہ مختلف نوعیت کے پروجیکٹس اور رہنما اصول سے متعلق ماحولیاتی رہنما اصول پیش کئے گئے ہیں۔ ان رہنما اصول کے تحت صنعتوں کو نئی صنعتوں کے قیام اور موجودہ صنعتوں میں توسیع کے لئے "نو آبجکشن سرٹیفکیٹ" اور "سائٹ کلیرنس" کے کاغذات حاصل کرنے ہوں گے۔ اوسطاً ۷۰ صنعتوں کے لئے "این او سی" اور اتنی ہی تعداد کی صنعتوں کے لئے "سائٹ کلیرنس" سالانہ جاری کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح تجارتی پیداوار کے میدان میں داخلہ کے لئے صنعتوں کو پانی اور ہوا کی منظوری سند بھی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اوسطاً ۲۵۰ حالتوں اور ۱۲۵ حالتوں کو سالانہ طور پر بالترتیب پانی اور ہوا کی منظوری سندیں دی جا چکی ہیں۔ سوچنا بیمانے پر نشر و اشاعت کی وجہ سے اب صنعتیں ماحولیاتی

کلیرنس کی حصولی کے سلسلے میں اچھی خاصی جانکاری رکھتی ہیں۔ فی الحال یہ لوگ کثیر تعداد میں مذکورہ کلیرنس کی حصولی کے لئے آرہے ہیں۔

۱۹۸۷ء کے دوران شعبۂ ہذا نے پُرخطر کیمیاوی اجزاء کے مینجمنٹ اور مغربی بنگال میں واقع ۳۲ منتخب پُرخطر صنعتوں کے لئے پلان سیفٹی پر ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ اس مدت کے دوران شعبۂ ہذا نے گنگا پروجیکٹ نظامت، وزارتِ ماحولیات و جنگلات پر یک جانب اور سی ایم ڈی اے، سی ایم ڈبلیو ایس اے، پی ایچ ای، آئی اینڈ ڈبلیو، ایل جی یو ڈی، میونسپل انجینئرنگ نظامت، کلکتہ میونسپل کارپوریشن وغیرہ جیسی عمل درآمد کرنے والی ایجنسیوں کے درمیان دوسری جانب تال میل پیدا کرنے کے لئے بحیثیت نوڈل ڈپارٹمنٹ کام کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۹۲ء سے بورڈ شعبہ یہ کام انجام دیتا آرہا ہے۔ بہرکیف مغربی بنگال کی آلودگی پھیلانے والی مجموعی طور پر ۲۹ صنعتی اکائیوں کی آلودگی روک تھام کی کارکردگی پر مغربی بنگال آلودگی روک تھام بورڈ نگرانی کرتا آرہا ہے۔

محصور ہوا معیار نگرانی کی اسکیم پر نگرانی کے مقصد کے لئے بڑی توجہ دی گئی ہے اور سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے والے شہری مراکز ہوڑہ اور ہگلی اور کلکتہ میں واقع ۲ نقل و حمل کے چوراہوں پر محصور ہوا کے معیار کے تعین پر بھی کافی توجہ دی گئی ہے۔ آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف ہائجین اینڈ پبلک ہیلتھ اسی ایس ایم ای اور سی ایم ای آر آئی درگاپور جیسے سائنسی اداروں کو مذکورہ طرز کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہے۔ آلودگی کے انسداد کے سلسلے میں مزید موزوں روک تھام کے اقدامات پر سہل تر عمل درآمد سے متعلق عمیق مطالعہ کے لئے دراصل پہلے سے جمع کردہ خاطر خواہ اعداد و شمار کا دارومدار بورڈ ہذا کی سپردگی پر ہے۔

علاوہ ازیں حکومتِ ہند نے قومی محصور ہوا معیار نگرانی نیٹ ورک کو اسپانسر کیا ہے جس کے تحت بورڈ ہذا نے ہوڑہ کے ۴ مقامات اور ہلدیہ کے ۲ مقامات پر مذکورہ پروگرام کے ایک جز کی حیثیت سے ہوا معیار نگرانی شروع کر دی ہے۔ سالِ رواں کے دوران بورڈ ہذا نے منتخب مقامات سے جمع کردہ ۱۰۰ نمونوں سے زیادہ ہوا کے نمونوں کا تجزیہ کیا ہے اور زیرِ غور سال کے دوران پیرامیٹروں کے ۶۰۰۰ نمونے (ہر نمونہ میں ۶ پیرامیٹر) کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ بورڈ ہذا نے شہر

کے بہتیرے مقامات پر آواز کی آلودگی کا بھی سروے کیا ہے۔ دور رس آواز آلودگی کے ذریعہ پیدا شدہ آلودگی کے حجم کے مقابلہ میں اسکے انسداد کے سلسلے میں کوئی خاص کام نہیں کیا گیا ہے۔ بورڈ ہذا جامع سروے اور آواز کی آلودگی کی نگرانی کرنے کے لئے بے شمار جدید ترین آلات کی حصولی کا نشانہ تیار کرتی ہے۔

سال ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران جاری وساری گنگا نگرانی پروجیکٹ کے تحت زیادہ سے زیادہ ۱۱۶ نمونے برہم پور، بالت، دکھینشور، الوبیڑیا اور ڈائمنڈ ہاربر جیسے معینہ تعداد کے مقامات سے جمع کئے

میں روک تھام اقدامات کے نفاذ پر بورڈ ہذا کی توجہ مبذول ہو رہی ہے۔ کلکتہ میٹروپولیٹن علاقوں میں خصوصاً کلکتہ اور ہوڑہ میونسپل کارپوریشن علاقوں میں گاڑیوں سے پیدا ہونے والی ہوا اور شور آلودگی کی سطحیں خطرناک حدوں تک پہنچ گئی ہیں اور اس کی تصدیق اس میدان کے ماہر انجینیوں کی سائنسی تحقیقات کے ذریعہ ہوئی ہے۔ ہر روز ہی بے شمار افراد اور اداروں کی جانب سے روز بروز بڑھتی ہوئی موٹر گاڑیوں سے نکلنے والے کثیف دھوئیں اور شور آلودگی کے خلاف بے شمار شکایتیں موصول ہو رہی ہیں۔ جاڑے کے

جا چکے ہیں۔ ان مشاہدات کی بنیاد پر بورڈ ہذا وہاں صنعتی دستاویز کو فروغ دے رہی ہے جہاں گنگا کا پانی زبردست تباہی کی چھاپ بہت پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔ یہ اسکیم اس پروگرام کے تحت چل رہا ہے جیسے گنگا پروجیکٹ نظامت نے اسپانسر کیا ہے۔ بورڈ ہذا چند دیگر مقامی ندیوں کو بھی مذکورہ مطالعہ کے تحت لانے کی کوششیں کر رہی ہے۔ کچھ عرصہ سے اجوئے، اچھامتی، چرنی وغیرہ جیسی ندیوں

مہینوں کے دوران خصوصاً انفرادی تجربے کچھ اپنی علیحدہ ہی کہانیاں سناتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اخبارات کے صفحات لوگوں کی شکایات سے بھرے ہوتے ہیں۔ سرکاری بسیں، منی بسیں، پرائیوٹ بسیں، لاریاں، ٹرک، ٹیکسیاں، پرائیوٹ کاریں، تین اور دو پہیوں والی گاڑیاں ہی اس طرح کے کثیف دھوئیں سے ماحولیاتی آلودگی پیدا کرتی ہیں۔ جہاں تک شور کی آلودگی کا تعلق ہے

ہارن کی آواز (خصوصاً ہوائی ہارن) جسے مذکورہ گاڑیاں پیدا کرتی ہیں' لاؤڈ اسپیکروں کا استعمال، ڈیزل سے چلنے والی مشینوں کی آواز اور رہائشی علاقوں میں واقع کارخانوں کی سرگرمیاں آواز کی آلودگی پیدا کرتی ہیں۔

ہوائی آلودگی کی روک تھام کرنے کے لئے جو گاڑیوں کے کثیف دھوئیں سے پیدا ہوتی ہیں ۴۶ آٹو امیشن ٹسٹنگ مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ ہر چھ ماہ کے وقفہ پر آٹو امیشن کی جانچ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ متعلقہ شعبہ آٹو امیشن کے معاملے میں بالکل چوکنا ہے۔ کلکتہ علاقہ سے ہوائی ہارن کو اٹھا لیا گیا ہے اور اسی طرح کے ہدایات پر عمل کرنے کی بابت اضلاع میں بھی اسی طرح کے احکامات جاری کئے جا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ذیل میں درج علاقوں کو خاموش زون قرار دیا گیا ہے:

<u>۱۰۰ میٹر کے قرب وجوار تک کا رقبہ:</u>

۱: بنوئے بادل دینیش باغ ۲: رائٹرس بلڈنگس ۳: راج بھون ۴: ہائی کورٹ ۵: اسمبلی ہاؤس ۶: کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے دائرۂ عمل کے اندر واقع اسپتال۔

مخصوص ایکشن پوائنٹس بھی مناسب کارروائی کے لئے متعلقہ شعبوں کو بتائے گئے ہیں

مغربی بنگال کے ہوڑہ اور درگاپور کے علاقے کو خطرناک حد تک آلودگی سے پُر علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ آلودگی کی روک تھام حکمت عملیوں کی تشکیل و ترتیب کے نظریے کو مدنظر رکھتے ہوئے ان علاقوں میں آلودگی کی صورت حال پر ایک رپورٹ تیار کرنے کے لئے ایک ماہر کو مقرر کیا گیا ہے۔ مغربی بنگال کے ان دو علاقوں کی ایک جامع آلودگی اسروے اسی میدان میں دوسرے علاقوں میں تجربہ کار مشیروں کے ہاتھوں کرایا جائے گا۔ ہوڑہ میں واقع فاؤنڈریوں کو ایک منفرد و مخصوص جماعت کی صنعتوں سے وابستہ آلودگی کے ایک بڑے کسٹرس بیورٹر کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ مذکورہ طرز کی صنعتوں کی تعداد ایک تخمینہ کے مطابق ۰۰۰ تک پہنچ چکی ہے جو ان اطراف کے متعدد مقامات پر واقع ہیں۔ ہوڑہ میں کئے گئے جامع آلودگی سروے میں محور ہوا معیار حیثیت اور فاؤنڈریز، رولنگ ملز، ایندھن اور نقل وحمل کی گھریلو اور حرارتی خاکستری جیسی مختلف مخصوص صنعتوں کے درمیان کنٹری بیوشن شامل کئے جائیں گے۔ اس طرز کی تمام صنعتوں کی فہرست ان کے مقامات اور ان کی صلاحیتوں کے ساتھ تیار کی جائیں گی اور مشیرکاران اکائیوں سے پیدا ہونے والی آلودگی کے خاتمہ کے لئے سفارشیں بھی پیش کریں گے۔

درگاپور میں تمام آلودگی پھیلانے والی صنعتوں کی نشاندہی کی جائے گی اور مشیرکار آلودگی روک تھام حکمت عملی کی سفارش کے لئے ان تمام مذکورہ بالا صنعتوں میں کمپونینٹ خامیوں کی فہرست تیار کریں گے۔ ان علاقوں پر ایک قیمتی رپورٹ توقع کی جاتی ہے کہ بہت جلد پیش کی جائے گی۔

مغربی بنگال آلودگی روک تھام بورڈ خطرناک فضلہ پیدا کرنے والی اکائیوں کی فہرست سازی کا کام ہو رہا ہے۔ خطرناک فضلہ کے اخراج کے لئے ایک مقام ہلدیہ میں بتایا گیا ہے۔ ماحولیاتی تصادم، محاسبہ اور مقام کے لئے آراضی بھرتی منصوبہ کی تیاری کے کام این ای ای آر آئی کو سونپے جا چکے ہیں۔ خطرناک فضلہ کی اخراج کے سلسلے میں چند مزید مقامات کی نشاندہی کے لئے حکومت بھی مختلف ضلع حکاموں سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔

گھریلو اور صنعتی وسائل سے آلودگی کے خاتمہ کے لئے دامودر کے گھنے طور پر آلودہ علاقوں میں آلودگی انسدادی کاموں کو ان کاموں میں شامل کیا گیا ہے جو گنگا ایکشن پلان کے مغربی بنگال سگمنٹ کے اس مرحلہ - II کے تحت ہیں جو آخر کار قومی ندی ایکشن پلان کا ایک جز بننے والا ہے۔

دامودر ندی بیسن کی بہالے جانے کی صلاحیت جو بنیادی طور پر سرگرمیوں میں مختلف تلچھٹوں سے پیدا ہونے والی آلودگی کے سلسلہ میں آراضی پر مبنی تحقیقات کو این ای ای آر آئی، ناگپور کو سونپ دیا گیا ہے۔ مذکورہ مطالعہ شہروں اور قصبوں کی نشاندہی' صنعتی آلودگی کی کثرت، میونسپل قصبہ وار آلودگی کی کثرت' ندی میں تلچھٹ جمع ہونے کی صلاحیت، ڈیموگرافک' ٹوپوگرافک اور قصبہ وار طرز پر آراضی کا استعمال، مطلوبہ آلودگی روک تھام اقدامات کی نشاندہی کم لاگت والی حفظانِ صحت اسکیموں کے

لئے اعداد وشمار کی حصولی، لانس بھٹی اور ٹھوس فضلہ مینجمنٹ، شجر کاری اور آبی جانوروں کی زندگی سے متعلق مطالعے پر مشتمل ہوگا۔ ان مطالعوں کی بنیاد پر این ای ای آر آئی حکومت ہند کی گنگا پروجیکٹ نظامت کے ساتھ صلاح و مشورہ سے سہل العمل و کارآمد رپورٹ تیار کرے گی۔

دامودر میں رواں اخراج شدہ مادہ کی نگرانی کے لئے ایک دوسرے پروگرام کو جی۔ پی۔ ڈی تجویز کے تحت روبہ عمل لایا گیا ہے۔ تمام دہانوں یا نکاسیوں سے نکلنے والے اخراج شدہ مادہ کو ہر اس نالے میں جمع کیا جاتا ہے جو دامودر میں گرتا ہے اور ان نکات سے جہاں نالے دامودر میں گرتے ہیں جیسا کہ نکاسیوں سے براہ راست طور پر اخراج شدہ مادہ ندی میں گرتا ہے گھریلو اخراج شدہ مادہ کو بھی مقررہ نکاسیوں سے جمع کیا جاتا رہا ہے۔ موزوں نکات سے ندی کے پانی کے مخلوط نمونے بھی جمع کئے جاتے رہے ہیں۔ جمع کردہ اخراج شدہ مادوں کے نمونوں کا تجزیہ درگاپور اسٹیل پلانٹ کی لیباریٹری میں کیا جاتا رہا ہے۔ تجزیہ کی رپورٹ میں پائے گئے تحقیقاتی نتائج کی بنیاد پر ندی کی آلودگی کے خاتمہ کے کاموں کے سلسلے میں سہل العمل اور کارآمد تیار کئے جائیں گے۔

مادوں کی روانی کے بارے میں تخمینات کرنے کے عمل کے ساتھ جڑے عملی مسائل پر ایک جامع نظر ڈالنے کے لئے اور ان علاقوں پر جہاں فضلہ میں کمی لانا اور لاگت میں بچت کرنا ممکن ہے خصوصی توجہ مبذول کرانے کے لئے ماحولیاتی آڈٹ کا نفاذ عمل میں لایا گیا ہے۔ اب تک ۲۵۰ صنعتی اکائیوں نے ماحولیاتی آڈٹ روداد جمع کیا ہے۔ مذکورہ روداد کے جمع نہ کر پانے کی وجہ سے صنعتوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی جائے اس سے پہلے ہی مذکورہ روداد جمع کر دینے کے سلسلے میں ہماری کوششیں صنعتوں کو راضی کرنے کیلئے جاری ہیں۔

پبلک لائبلیٹی انشورنس ایکٹ کے تحت ہر اس مالک کیلئے جو کسی بھی خطرناک مادہ کے استعمال سے جڑا ہوا ہے لازمی ہے کہ اگر مذکورہ خطرناک مادہ کے استعمال کے دوران کوئی حادثہ ہو جاتا ہے تو اس حادثہ کے شکار اشخاص کو فوری راحت کی فراہمی کے مقصد کے لئے اسے پبلک لائبلیٹی انشورنس لے لینا چاہئے۔ ضلع حکام کو مذکورہ ایکٹ نافذ کرنے کے اختیارات دئے گئے ہیں۔ اب تک ان شناخت شدہ کے بعد ۱۱۵ مالکوں میں سے) ۵۴ مالکوں نے انشورنس پالیسیاں لی ہیں۔
ہم لوگ ضلع حکاموں کی توجہ اس امر پر مبذول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان تمام صنعتوں کے مالکان کو جنہوں نے ابتک مذکورہ انشورنس پالیسیاں نہیں لی ہیں مذکورہ انشورنس پالیسیوں کے تحت لایا جائے۔ ۱۹۹۲ء کے دوران مرکزی میکانیکل انجینئرنگ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، درگاپور کو آف سائٹ ایمرجنسی پلان تیار کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ مذکورہ پلان سال ہٰذا کے دوران تیار کیا جا چکا ہے اور فی الحال زیر غور ہے۔

ہماری ایما پر حکومت ہند نے تھوڑے دن ہوئے ہوڑہ، ہگلی اور مدناپور ضلع کے لیے مذکورہ طرز کے آف سائٹ ایمرجنسی پلانوں کی تیاری کے سلسلے میں ایک مشورہ گیر کی تقرری کی ہے۔ ریاستی حکومت مذکورہ بالا علاقوں کے لئے آف سائٹ پلانوں کی جلد از جلد تیاری کے لئے حکومت ہند پر دباؤ ڈال رہی ہے۔

قومی جھیل تحفظ پروگرام کے تحت اس ریاست کے مختلف حصوں میں بکھرے سات عدد جھیلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ دارجلنگ میں واقع میرک اور سنچل جھیلوں کی ترقی کے پروجیکٹ کی تجویز کو حال ہی میں منظوری اور فنڈ کی فراہمی کے لئے مرکزی حکومت کے پاس بھیجا جا چکا ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کے مختلف پہلوؤں پر مطالعہ کرنے کے سلسلے میں سائنس دانوں کی ہمت افزائی کے لئے شعبہ ہٰذا تحقیقی اسکیموں کو اسپانسر کر رہی ہے تاکہ ماحول پر آلودگی کے اثرات کا محاسبہ ہو پائے۔ اب تک آٹھ عدد تحقیقاتی اسکیموں کو مالی امداد دی جا چکی ہے اور دیگر دو اسکیمیں زیر غور ہیں۔ مطالعہ کے نتائج کی جانچ کے بعد ان کی بابت متعلقہ شعبوں اور ایجنسیوں کو ان پر عمل درآمد کے لئے مطلع کیا گیا ہے۔

جاپان کی حکومت او ای سی ایف کے ذریعہ آلودگی روک تھام بورڈ کے ادارہ جاتی ترقی، آلودگی کی روک تھام کرنے والی انفرادی صنعتی اکائیوں میں سرمایہ کاری اور دیگر تکنیکی امدادی امور کے لئے امدادی قرض فراہم کرنے کے سلسلے میں راضی ہوئی ہے۔ پی سی بی کی ادارہ جاتی ترقی کے لئے درج شدہ مخصوص رقم ۴۴ کروڑ روپئے ہوتی ہے۔ دیگر دو آئٹموں کے سلسلے میں او ای سی ایف نے حکومت کو یہ

یقین دلایا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مطلوبہ فنڈ کی فراہمی وہ لوگ کریں گے۔ قرض ہٰذا کے سلسلے میں بات چیت دسمبر ۹۴ء کے دوران ہوئی۔ کریڈٹ کے نفاذ کی شروعات فروری/مارچ ۱۹۹۵ء میں ہو جائے گی۔ قرض ہٰذا ریاست کو مع مرکزی امداد واجب الادا بنیاد پر دستیاب کرائی جائے گی۔

جرمنی کی حکومت جی ٹی زیڈ کے ذریعہ ڈبلیو بی پی سی بی کی مرکزی تجربہ گاہ میں استعمال میں آنے والے متعلقہ آلات کی فراہمی کے لئے ۲۰ لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے پر راضی ہوئی ہے۔ ملنے والے آلات کے آئٹموں کی نشاندہی کی جا چکی ہے اور انہیں منظوری بھی دی گئی ہے۔ مذکورہ عطیہ کے عہد نامہ پر جلد ہی دونوں فریقین جی او آئی/مرکزی آلودگی بورڈ اور جی او جی/جی ٹی زیڈ دستخط کریں گے۔ آلات ہٰذا کے نصب کرنے کی لاگت بھی اسی امداد کے تحت دستیاب ہو جائیگی۔

ممالک متحدہ کی حکومت او ڈی اے کے ذریعہ بڑے شہروں میں منفصل ماحولیاتی حالات پر ۱۸ ماہی ایک مطالعہ چالو کرنے کے سلسلے میں ۴.۷۰ کروڑ روپئے بطور عطیہ سرمایہ کاری کرنے اور ایک سرمایہ کاری پلان تیار کرنے پر (اگرچہ اب تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا ہے) راضی ہوئی ہے۔ حالیہ جانکاریوں کے مطابق برٹش ٹیم کے ساتھ مزید گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کا انعقاد آئندہ چند مہینوں کے دوران کیا جائے گا اور تب دسمبر ۱۹۹۴ء یا جنوری ۱۹۹۵ء کے دوران کام شروع ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔

آسنسول۔ درگاپور علاقہ، وٹ لینڈس، جھیلیں اور اس سیکشن کے دیگر متعلقہ پروجیکٹوں کے لئے مخصوص سرمایہ کاری پروجیکٹوں کے سلسلے میں دیگر ایجنسیوں سے خارجی فنڈنگ کی حصول کی خاطر مسلسل کوششیں بھی کی جا رہی ہیں۔

چند مخصوص علاقوں میں اپنے صنعتی اجتماع کے ساتھ ریاست مغربی بنگال صنعتی میدان میں ملک کی دیگر ریاستوں میں نہایت ہی ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔ بہ مخصوص علاقے کلکتہ، ۲۴ پرگنہ، ہوڑہ، ہگلی، کلیانی، ہلدیہ اور درگاپور۔ رانی گنج/آسنسول کے قرب و جوار

کے مقامات ہیں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ کلکتہ اور ۲۴ پرگنہ جو صنعتی علاقہ ہے، میں بے شمار بڑی بڑی صنعتیں قائم ہیں۔ اب تک اس نتیجے پر پہنچا جا سکا ہے کہ ۱۱۷ صنعتیں ہوا اور پانی دونوں کو، ۸۷ صنعتیں علیحدہ طور پر صرف پانی کو اور ۱۲ صنعتیں منفرد طور پر محض ہوا کو آلودگی کا شکار بناتی ہیں۔ ہوڑہ، ہگلی صنعتی علاقہ میں ۵۶ صنعتوں میں سے ۹ صنعتیں گیس دار اور سیال اخراج دونوں پیدا کرتی ہیں۔ ۳۵ صنعتیں صرف بے کار پانی کا اخراج کرتی ہیں اور ۱۲ صنعتیں ہوائی کثافت چھوڑتی ہیں۔ کلیانی صنعتی علاقہ میں اب تک تسلیم شدہ ۱۴ صنعتوں میں سے ۱۲ صنعتیں آبی آلودگی میں اضافہ کرتی ہیں جبکہ ان میں سے ۲ صنعتیں ہوائی کثافت پھیلاتی ہیں۔ ہلدیہ میں واقع ۷ صنعتوں میں سے ۴ صنعتیں ہوائی اور آبی دونوں طرح کی آلودگیاں پھیلا رہی ہیں۔ باقی ایک آبی آلودگی اور بقیہ دو ہوائی کثافت پھیلا رہی ہیں۔ درگاپور اور آسنسول صنعتی علاقہ میں ۱۳ صنعتوں کو آبی اور ہوائی دونوں طرح کی آلودگی پھیلانے کا ذمہ دار پایا گیا ہے۔ ان صنعتوں کی نگرانی کا کام جاری ہے۔

سپریم کورٹ کے حکم نامہ کی رو سے صنعتی آلودگی کے خاتمہ کے تحت ان صنعتوں جن کی نکاسی گنگا بیسن میں ہو رہی ہے، پر باقاعدگی کے ساتھ ترجیحی بنیاد پر نگرانی کی جا رہی ہے۔

ماحولیاتی بیداری آلودگی کو ختم کرنے کے لئے اول اور لازمی ضرورت ہے۔ آلودگی کی ہولناکی کے بارے میں بڑے پیمانے پر لوگوں کو بتانے کے سلسلے میں ریلی، سیمینار، ورک شاپ وغیرہ کا انعقاد کرنے کے لئے علامتی عطیہ کے ذریعہ غیر سرکاری تنظیموں کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ این جی اوز کی سرگرمیاں صرف شہری علاقوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ دور دراز کے گاؤں اور دیہاتوں تک پہنچ چکی ہیں اور مقامی پنچایتوں کو بھی ان میں شریک کیا گیا ہے۔ جیسے جیسے سال گزر رہے ہیں ویسے ویسے اس کے نتائج بڑے پیمانے پر مل رہے ہیں اور اس کھاتہ پر بجٹ گنجائش میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ ایک امر مسلسل ہے اور اسے ماحول کی بہتری کے لئے جاری رکھنا ہوگا ٭ ٭

مغربی بنگال

بلدیاتی انتخابات نمبر

۱۵ جولائی ۹۵ء • شمارہ نمبر ۱۴

25-560

سالٹ لیک اور کلکتہ میں پُرامن بلدیاتی انتخابات

سالٹ لیک (بدھان نگر) میونسپلٹی کے ۲۳ میں سے ۲۲ وارڈوں میں گزشتہ ۸ جولائی اور ۹ جولائی کو کلکتہ کارپوریشن کے ۱۴۱ وارڈوں میں انتخابات پُرامن ہوئے۔ دونوں علاقوں کے وارڈوں میں ووٹ مجموعی طور پر ۷۵ تا ۸۰ فیصد پڑے۔ پولنگ ساڑھے سات بجے شروع ہوئی جو ساڑھے تین بجے تک جاری تھی۔

وزیر بلدیات شری اشوک بھٹاچاریہ نے ۸ جولائی کی سہ پہر کو رائٹرس بلڈنگس میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ سالٹ لیک میونسپلٹی کے انتخابات میں کل ۷۵ تا ۸۰ فیصد ووٹ پڑے۔ انہوں نے بتایا کہ پولنگ پُرامن رہی اور کسی بھی جگہ سے ناخوشگوار واقعہ کی رپورٹ موصول نہیں ہوئی۔ انہوں نے پُرامن انتخابات کے لئے سالٹ لیک کے عوام کو مبارکباد دی اور کہا کہ عوام نے پُرامن چناؤ کے ذریعہ اپنے حق کا استعمال کرکے ثابت کردیا کہ مغربی بنگال میں پُرامن چناؤ کی روایت برقرار ہے۔ وزیر اطلاعات وثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے بھی سالٹ لیک میں پُرامن انتخابات کیلئے عوام کو مبارکباد دی۔ شری بھٹاچاریہ نے دوسرے دن کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے انتخابات کے خاتمہ کے بعد رائٹرس بلڈنگس میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ کارپوریشن الیکشن مجموعی طور پر پُرامن رہا۔ کوئی بڑا ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔ انہوں نے پُرامن انتخابات کے لئے، انتظامیہ، پولس اور عوام کا شکریہ ادا کیا۔

ریاستی الیکشن کمشنر شری ترون دتہ نے بتایا کہ انتخابات کے دوران مقرر کئے گئے ۳۷ انتخابی مشاہدین نے اپنی رپورٹ انہیں داخل کی ہے جس میں انہوں نے انتخابات کو پُرامن، آزادانہ اور منصفانہ قرار دیا ہے۔

دوسری جانب کلکتہ پولس کے کمشنر شری توشار تعلقدار نے بتایا کہ پولس نے مکمل طور پر غیر جانبدارانہ کردار ادا کیا ہے اور تمام سیاسی پارٹیوں نے پولس سے ساتھ تعاون کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ الیکشن پُرامن اور منصفانہ ہوا ہے۔

واضح رہے کہ ریاستی حکومت نے سالٹ لیک کی نومولود میونسپلٹی اور کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے انتخابات پُرامن، آزادانہ اور منصفانہ ڈھنگ سے کرانے کے لئے ہر ممکنہ انتظامات کئے تھے۔ شہر کے مخدوش علاقوں میں پولس کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا اور کلکتہ اور ریاستی پولس کے ساتھ مرکز کے نیم عسکری دستے متعین کردئے گئے تھے۔

کلکتہ کارپوریشن کے انتخابات میں کل ۸۷۱ امیدواروں

میں سے ۲۸۵ امیدوار خواتین ہیں۔ حکومت مغربی بنگال نے کلکتہ اور سالٹ لیک دونوں میونسپلٹیوں کے لئے امسال سے ۳۳ فیصد نشستیں خواتین کے لئے مخصوص کردی ہیں۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے لئے ووٹوں کی گنتی چناؤ کے دن پولنگ کے فوراً بعد پولنگ بوتھ میں ہی شروع ہوئی۔ سالٹ لیک کے لئے بھی ووٹوں کی گنتی اس کے چناؤ کے دوسرے دن یعنی ۹ جولائی

کو شروع کی گئی۔ اسی دن رات گئے دونوں میونسپلٹیوں کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔

سالٹ لیک نوٹیفائیڈ علاقہ میں کل ۲۳ وارڈوں میں ۲۲ وارڈوں میں انتخابات ہوئے جن میں بایاں محاذ نے ایک حمایتی آزاد امیدوار سمیت ۱۳ اور کانگریس[i] نے ۹ وارڈوں پر اپنی برتری قائم کی۔ ان میں وارڈ نمبر ۶ کا چناؤ ایک امیدوار کی موت کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے ۱۴۱ وارڈوں میں سے بائیں محاذ نے ۷۰ وارڈوں میں، کانگریس[i] نے ۶۶ وارڈوں میں اور بی جے پی نے ۲ وارڈوں میں کامیابی حاصل کی جبکہ ۳ نشستوں میں آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔ ان ۳ آزاد امیدواروں میں سے ۲ امیدواروں نے کانگریس[i] اور ایک امیدوار نے بائیں محاذ کی حمایت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس طرح پوری اکثریت سے بائیں محاذ کی طرف سے بورڈ کی تشکیل کی امید کی جا سکتی ہے۔ بائیں محاذ نے دوبارہ سری پرشانت چٹرجی کو کلکتہ کارپوریشن کا میئر منتخب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔
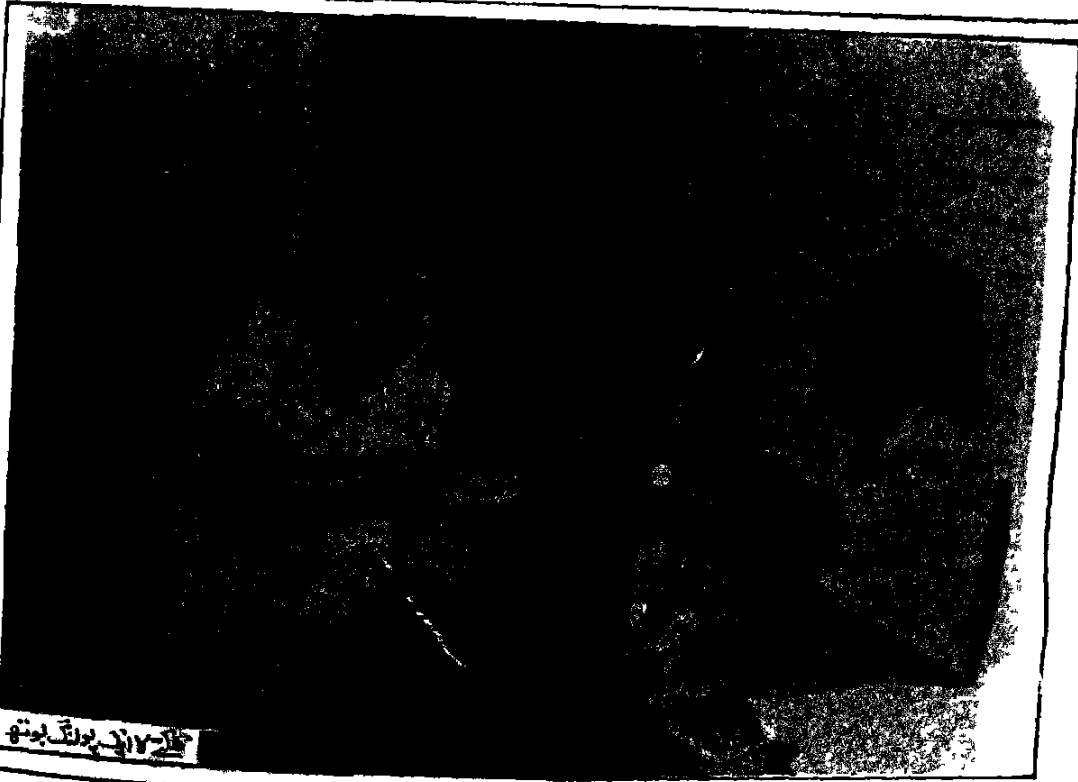
کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے

منتخب امیدوار

وارڈ	امیدوار	پارٹی
۱	انیتا رائے	سی پی ایم
۲	شانتا پال	" " "
۳	ستیہ بنرجی	" " "
۴	دلیپ بنرجی	" " "
۵	ترون ساہا	کانگریس
۶	سمن سنگھ	" " "
۷	سلیل چٹرجی	سی پی ایم
۸	دیپنکر سین گپتا	بائیں محاذ کے حمایت آزاد
۹	مالاتی کار	کانگریس
۱۰	پرنب رو سین گپتا	سی پی آئی
۱۱	پرابیر منڈل	کانگریس
۱۲	سمرجیت بھٹاچاریہ	" " "
۱۳	شرمشٹھا بھٹاچاریہ	سی پی ایم
۱۴	کلیان مکھرجی	آر ایس پی
۱۵	سادھن ساہا	کانگریس (I)
۱۶	شکلا بھور	" " "
۱۷	اشوک گنگولی	سی پی ایم
۱۸	کرشنا سرکار	" " "
۱۹	شوبھا چندرا	" " "
۲۰	سدھا انسو سیل	" " "
۲۱	پریتل بسواس	" " "
۲۲	پروہت مینا دیوی	بی جے پی
۲۳	بانکے سنگھ	سی پی ایم
۲۴	ہیمر کمار ساہا	کانگریس
۲۵	سمیتا بخشی	کانگریس
۲۶	پولک چندر داس	" " "
۲۷	راج کشور گپتا	" " "
۲۸	تنوی سانیال	سی پی ایم
۲۹	سپنا داس	کانگریس
۳۰	سپن سمدر	" " "
۳۱	سنجے منڈل	" " "
۳۲	پرشانتا چٹرجی	سی پی ایم
۳۳	پورنا بسواس	کانگریس
۳۴	لیلا دے	فارورڈ بلاک
۳۵	سندھیا دتی	سی پی ایم
۳۶	چنچل گھوش	سی پی آئی
۳۷	دلیپ منڈل	سی پی ایم
۳۸	سپن دتہ	کانگریس
۳۹	رخسانہ جمیل	سی پی ایم
۴۰	آرتی مہنتی	کانگریس
۴۱	امیش چودھری	بیلپی بنگلہ کانگریس
۴۲	سنیتا دیوی جھاور	بی جے پی
۴۳	اخلاق احمد	سی پی ایم
۴۴	نبی حسین انصاری	" " "
۴۵	نرملا پانڈے	کانگریس
۴۶	پربھاکر منڈل	سی پی ایم
۴۷	دلو پاسوان	کانگریس
۴۸	تاپشور رائے	" " "
۴۹	پدما کھستگیر	" " "
۵۰	پردیپ گھوش	کانگریس
۵۱	انجیل ساؤ	" " "
۵۲	سنیتا ساہا	" " "
۵۳	امل دتہ	" " "
۵۴	ابوسفیان	سی پی ایم
۵۵	دیپالی داس	کانگریس
۵۶	دیبی داس گھوش دستیدار	سی پی ایم
۵۷	بیرن چکرورتی	مارکسی فارورڈ بلاک
۵۸	لکھی مونی بنرجی	سی پی ایم
۵۹	جے شری دیب نندی	" " "
۶۰	سعیدالدین احمد	" " "
۶۱	رخسانہ رحمان	کانگریس
۶۲	اقبال احمد	" " "
۶۳	راجیب دیب	" " "
۶۴	ستی جہاں	" " "
۶۵	نیل رتن سنہا	آر ایس پی
۶۶	جاوید احمد خاں	آزاد
۶۷	گھید داس گپتا	سی پی ایم
۶۸	دیندر ناتھ بخش	" " "
۶۹	سوشوبھن باسو	کانگریس
۷۰	ارپنا نیوگی	" " "
۷۱	پارتھو رائے چودھری	" " "
۷۲	اشوک کمار باگچی	" " "
۷۳	کاجل بنرجی	" " "
۷۴	دیب کمار گھوش	" " "
۷۵	ظہور الحق	سی پی ایم
۷۶	روما بوس	کانگریس
۷۷	محمد الیاس اصلاحی	فارورڈ بلاک
۷۸	محمد یعقوب	" " "
۷۹	پاروتی دیوی	کانگریس

نمبر	نام	پارٹی
۸۰	رام پیارے رام	کانگریس
۸۱	تلسی داس مکھرجی	〃 〃 〃
۸۲	روبی دتہ	〃 〃 〃
۸۳	دلیپ مجمدار	〃 〃 〃
۸۴	انوپ چٹرجی	〃 〃 〃
۸۵	لیشودھا گھوش	〃 〃 〃
۸۶	درگا پرشاد مکھرجی	〃 〃 〃
۸۷	نریندر موہن چٹرجی	〃 〃 〃
۸۸	مالا رائے	〃 〃 〃
۸۹	نریندر ناتھ بنرجی	〃 〃 〃
۹۰	دیبندو لبسواس	〃 〃 〃
۹۱	انا پورنا داس	سی پی ایم
۹۲	پنا لال سکدر	سی پی آئی
۹۳	رتن دیب	کانگریس
۹۴	اینما داس گپتا	آر ایس پی
۹۵	سنجے بنرجی	سی پی ایم
۹۶	کلینندو سرم	〃 〃 〃
۹۷	کرنا سین گپتا	〃 〃 〃
۹۸	ارجنا بھٹاچارجی	〃 〃 〃
۹۹	وشوانند داس گپتا	آر ایس پی
۱۰۰	مینو رس	سی پی ایم

نمبر	نام	پارٹی
۱۰۱	چندن گھوش دستیدار	سی پی ایم
۱۰۲	سمریندر باسو	〃 〃 〃
۱۰۳	سگمتا گھوش	〃 〃 〃
۱۰۴	باباچرن چکرورتی	آر ایس پی
۱۰۵	سنیل چکرورتی	سی پی ایم
۱۰۶	منجو دے	آر ایس پی
۱۰۷	گنیش گوہا ٹھاکرتا	سی پی ایم
۱۰۸	ساتی پکوشن گنگو پادھیہ	〃 〃 〃
۱۰۹	نیرتی داس گپتا	〃 〃 〃
۱۱۰	اچل چٹوپادھیہ	〃 〃 〃
۱۱۱	سریندر ناتھ گھوش	〃 〃 〃
۱۱۲	موسمی داس گپتا	فارورڈ بلاک
۱۱۳	گوپال رائے	کانگریس
۱۱۴	امل مترا	سی پی ایم
۱۱۵	رتنا سور	کانگریس
۱۱۶	تارک سنگھ	〃 〃 〃
۱۱۷	سیلن داس گپتا	〃 〃 〃
۱۱۸	اشوکا منڈل	〃 〃 〃
۱۱۹	بھولاناتھ مکھرجی	〃 〃 〃
۱۳۰	سرشا تر گھوش	〃 〃 〃
۱۳۱	شربانی رائے	〃 〃 〃

نمبر	نام	پارٹی
۱۲۲	جناردھن لبسواس	سی پی ایم
۱۲۳	سمر رائے چودھری	〃 〃 〃
۱۲۴	رما داس	〃 〃 〃
۱۲۵	چترنجن داس	کانگریس
۱۲۶	بیلپ گوہا ٹھاکرتا	سی پی آئی
۱۲۷	رینا دھر	سی پی ایم
۱۲۸	رتنا رائے مجمدار	〃 〃 〃
۱۲۹	انجنی داس	کانگریس
۱۳۰	سریلا بنرجی	〃 〃 〃
۱۳۱	رادھا رمن گھوش	〃 〃 〃
۱۳۲	سرودن چٹرجی	〃 〃 〃
۱۳۳	کلپنا مجمدار	سی پی ایم
۱۳۴	سلطان حسین	کانگریس
۱۳۵	شمس الزماں انصاری	〃 〃 〃
۱۳۶	شکلا داس	〃 〃 〃
۱۳۷	محمد امین انصاری (جعفری)	آزاد
۱۳۸	اقبال حسین	سی پی ایم
۱۳۹	سلمٰی خاتون	〃 〃 〃
۱۴۰	عبدالعلی	〃 〃 〃
۱۴۱	اناتھ بندھو مائتی	آزاد

سالٹ لیک میونسپلٹی کے منتخب امیدوار

نمبر	نام	پارٹی
۱	اوشا داس	کانگریس
۲	گوپا بنرجی	〃 〃 〃
۳	سبیر پل	〃 〃 〃
۴	ستی پتی چٹرجی	سی پی ایم
۵	شیکھا داس گپتا	〃 〃 〃
۶	[اس وارڈ کا انتخاب ملتوی کر دیا گیا]	
۷	ارون کمار گنگولی	کانگریس

نمبر	نام	پارٹی
۸	ایلا گوسوامی	کانگریس
۹	نند گوپال بھٹاچاریہ	سی پی ایم
۱۰	سبیہ ساچی دتہ	کانگریس
۱۱	انیتا منڈل	〃 〃 〃
۱۲	لبسواجیون مجمدار	سی پی ایم
۱۳	ایس ایس گنگولی	سی پی ایم کے حمایتی (آزاد)
۱۴	چمیلی لنکر	کانگریس

نمبر	نام	پارٹی
۱۵	دلیپ گپتا	سی پی ایم
۱۶	چندن گھوش	〃 〃 〃
۱۷	ایلا نندی	〃 〃 〃
۱۸	تپن تعلقدار	〃 〃 〃
۱۹	رادھا ناتھ چاند	〃 〃 〃
۲۰	پریتوش مترا	〃 〃 〃
۲۱	پانچالی بسو رائے چودھری	کانگریس
۲۲	اشیم گوہا	سی پی ایم
۲۳	رینجن بوز	〃 〃 〃

سالٹ لیک میونسپل انتخابات ۹۵ء کے مفصل نتائج

وارڈ نمبر ۱ :

جائز ووٹ : ۲۷۵۸

شریمتی مانو رانا (سی پی آئی-ایم) ۹۹۸

* شریمتی اوشا داس (کانگریس) ۱۷۶۰

وارڈ نمبر ۲ :

جائز ووٹ : ۲۶۱۳

ڈاکٹر ادویتی گھوش (سی پی آئی-ایم) ۷۸۱

* شریمتی گوپا بنرجی (کانگریس) ۱۴۳۰

شریمتی اسمیتا میری وشنو (بی جے پی) ۴۰۲

وارڈ نمبر ۳ :

جائز ووٹ : ۲۹۰۰

* ڈاکٹر تشیر بل (کانگریس) ۱۲۹۱

شری منجو لال دیب (سی پی آئی-ایم) ۹۴۸

بھوپندرا ناتھ چٹرجی (بی جے پی) ۲۵۶

شری رشمی کیش کور (آزاد) ۳۰۶

شری جیبن مورے گانگولی (آزاد) ۱۰۹

وارڈ نمبر ۴ :

جائز ووٹ : ۳۳۵۵

* ڈاکٹر ستی پتی چٹرجی (سی پی آئی ایم) ۱۴۴۸

شری گوتم بھومک (کانگریس) ۱۳۹۹

شری سوشانت مجمدار (بی جے پی) ۳۱۵

شری دیپنکر مکھرجی (آزاد) ۱۴۲

شری جوہر کور (آزاد) ۰۶

شری گوپال چندر باگ (آزاد) ۰۵

وارڈ نمبر ۵ :

جائز ووٹ : ۲۷۷۲

* شریمتی شیکھا داس گپتا (سی پی آئی ایم) ۱۱۷۰

شریمتی دیپن نیتا رائے (کانگریس) ۱۱۰۹

شریمتی نویتا سامنتو (بی جے پی) ۴۹۳

وارڈ نمبر ۶ :

ایک امیدوار کی موت سے انتخاب ملتوی کر دیا گیا۔

وارڈ نمبر ۷ :

جائز ووٹ : ۲۴۴۶

* شری ارون کمار گانگولی (کانگریس) ۱۲۰۵

شری بھکتی رنجن گوہا رائے (سی پی آئی) ۴۶۸

شری بھولا ناتھ آینچ (آزاد) ۳۰۸

شری راجت ساہا (آزاد) ۳۵۰

شری پران گوپال پال (آزاد) ۳۱

شری انل بھومک (آزاد) ۸۴

وارڈ نمبر ۸ :

جائز ووٹ : ۲۱۸۵

* شریمتی ایلا گوسوامی (کانگریس) ۱۱۶۴

شریمتی شیکھا گھوش (آر ایس پی) ۳۷۹

شریمتی شیفالی چکرورتی (بی جے پی) ۳۲۱

شریمتی چھایا رائے چودھری (آزاد) ۲۵۵

شریمتی شکنتلا گانگولی (آزاد) ۲۸

وارڈ نمبر ۹ :

جائز ووٹ : ۴۳۷۵

* شری نند گوپال بھٹاچاریہ (سی پی آئی-ایم) ۲۴۵۸

شری مانک دتہ مجمدار (کانگریس) ۱۸۰۳

شری اشوک ساہا (آزاد) ۲۱

شریمتی نویتا رائے چودھری (بی جے پی) ۹۳

وارڈ نمبر ۱۰ :

جائز ووٹ : ۲۵۴۶

* شری ستو سا چودھری (کانگریس) ۱۱۸۹

شری سوریندر اکمار بوس (فارورڈ بلاک) ۵۵۶

شری ہمنت لال داس (بی جے پی) ۴۵۱

شری سودیر ساہا (آزاد) ۲۶۴

شری اشوک ساہا (آزاد) ۰۶

وارڈ نمبر ۱۱ :

جائز ووٹ : ۲۴۰۴

* شریمتی انیتا منڈل (کانگریس) ۱۲۳۴

شریمتی شاسوتی منڈل (سی پی آئی-ایم) ۹۳۱

شریمتی ایلا دتہ (بی جے پی) ۲۳۹

وارڈ نمبر ۱۲ :

جائز ووٹ : ۲۷۵۳

* شری لبو جیون مجمدار (سی پی آئی-ایم) ۱۲۹۷

شری سدیپ دے (کانگریس) ۱۲۴۱

شری اتپل کمار سارنگی (بی جے پی) ۲۰۱

شریمتی غیتا رائے چودھری (آزاد) ۱۳

وارڈ نمبر ۱۳ :

جائز ووٹ : ۲۱۷۹

* شری سودھانگشو شیکھر گانگولی (آزاد) ۱۰۰۶
(سی پی ایم کے حمایتی)

شری ریانند الوس (کانگریس) ۹۹۹

شریمتی شوبھا بنرجی (بی جے پی) ۱۷۴

وارڈ نمبر ۱۴ :

جائز ووٹ : ۳۶۲۹

* شریمتی چمپا لنکر (کانگریس) ۱۸۹۳

شریمتی میرا لسراس (سی پی آئی-ایم) ۱۵۱۹

شریمتی شیامل پرمانک (بی جے پی) ۲۰۰

شریمتی کلپنا پرامانک (آزاد) ۱۱۷

وارڈ نمبر ۱۵ :

جائز ووٹ : ۳۷۰۸

٭شری دلیپ گپتا (سی پی آئی-ایم) ۱۸۰۲

شری سرسکانتو مترا (کانگریس) ۱۱۵۷

شری مانش داس (بی جے پی) ۷۰۰

شری سبرتا پال (آزاد) ۴۹

وارڈ نمبر ۱۶ .

جائز ووٹ : ۳۰۳۰

٭شری چندن گھوش (سی پی آئی-ایم) ۱۳۲۸

شری ابھیجیت مکھرجی (کانگریس) ۱۰۱۶

شری بورن کمار ساہا (بی جے پی) ۴۳۱

شری بانی برتا سرجی (آزاد) ۲۵۵

وارڈ نمبر ۱۷ :

جائز ووٹ : ۳۲۱۱

٭شریمتی ایلا نندی (سی پی آئی-ایم) ۱۳۸۵

شریمتی نیلیما بوس (کانگریس) ۱۳۸۳

شریمتی گائتری مجمدار (بی جے پی) ۴۵۶

شریمتی مو کل ملک (آزاد) ۲۷

وارڈ نمبر ۱۸ :

جائز ووٹ : ۳۰۲۹

٭شری تپن تعلقدار (سی پی آئی-ایم) ۱۷۱۴

شری او بی گھوش بالدار (کانگریس) ۱۰۸۸

شری کانتی لال مجمدار (بی جے پی) ۲۲۷

وارڈ نمبر ۱۹

جائز ووٹ : ۳۲۱۴

٭شری رادھا ناتھ چاند (سی پی آئی-ایم) ۱۹۶۷

شری سرلیش سنگھ (کانگریس) ۱۲۱۲

شری سرن منڈل (آزاد) ۲۰

شری آرک داس (آزاد) ۱۵

وارڈ نمبر ۲۰ :

جائز ووٹ . ۴۸۸

٭شری پریتوش مترا (سی پی آئی-ایم) ۱۸۵۵

شری دلیپ چکرورتی (کانگریس) ۱۸۴۸

شری مور کس داس (بی جے پی) ۳۰۱

شری لسسٹھ داس (آزاد) ۸۴

وارڈ نمبر ۲۱ :

جائز ووٹ : ۴۰۸۰

٭شریمتی پیالی بوس رائے چودھری (کانگریس) ۲۱۰۸

شریمتی ریتا موئترا (سی پی آئی-ایم) ۱۶۷۸

شریمتی منجوت پانڈے (بی جے پی) ۲۸۷

شریمتی پرنیا پال (آزاد) ۰۷

وارڈ نمبر ۲۲ :

جائز ووٹ : ۳۲۹۲

٭شری اشیم گوہا (سی پی آئی-ایم) ۲۰۲۱

شری ارون چودھری (کانگریس) ۸۴۶

شری دلال منڈل (آزاد) ۴۱۲

شری راناجیت رانا (آزاد) ۱۳

وارڈ نمبر ۲۳ :

جائز ووٹ : ۵۷۱۲

٭شری رمیش بور (سی پی آئی-ایم) ۳۱۲۰

شری بگشی منڈل (کانگریس) ۲۵۲۰

شری نریندر ناتھ مجمدار (آزاد) ۴۴

شری سوتانا داس (آزاد) ۲۸

سالٹ لیک کے ایک بوتھ پر ووٹروں کی قطار

کلکتہ میونسپل کارپوریشن انتخابات ۹۵ء کے مفصل نتائج

واسڈ نمبر ۱: (ایس سی خواتین)

کل ووٹ: ۴۳۱۴۸
دئے گئے ووٹ: ۳۵۲۳۵
جائز ووٹ: ۳۴۳۹۵
باطل ووٹ: ۸۴۰
*۱: انیتا رائے (سی پی آئی ایم) ۱۸۵۶۶
۲: سیتا جیسوال (کانگریس) ۱۵۶۷۹
۳: سشمیتا پترا (آزاد) ۱۵۰

واسڈ نمبر ۲: (مخصوص برائے خواتین)

کل ووٹ: ۳۹۴۲۹
دئے گئے ووٹ: ۳۲۴۰۲
جائز ووٹ: ۳۱۸۴۴
باطل ووٹ: ۵۵۸
۱: انیتا چکرورتی (آزاد) ۵۲
۲: مادھوی گھوشال (آزاد) ۴۶
۳: لتیکا منڈل (کانگریس) ۱۳۸۶۹
۴: راکھی رائے (بی جے پی) ۱۲۰۸
*۵: شانتا پال (سی پی آئی ایم) ۱۶۶۶۹

واسڈ نمبر ۳:

کل ووٹ: ۴۲۴۵۵
دئے گئے ووٹ: ۳۴۳۲۱
جائز ووٹ: ۳۳۳۵۷
باطل ووٹ: ۹۶۴
۱: ارون کمار خاصنویس (کانگریس) ۱۴۴۸۴
۲: دلیندر چترویدی (بی جے پی) ۱۷۵۸
*۳: ستیہ بنرجی (سی پی آئی ایم) ۱۷۱۱۵

واسڈ نمبر ۴:

کل ووٹ: ۳۵۲۲۶
دئے گئے ووٹ: ۲۸۹۴۰
جائز ووٹ: ۲۸۴۳۲
باطل ووٹ: ۵۰۸
۱: اتل چندر سرکار (آزاد) ۳۹
۲: گوتم ہالدار (کانگریس) ۱۲۱۲۴
*۳: دلیپ بنرجی (سی پی آئی ایم) ۱۵۲۷۱
۴: دیبوترش پودار (بی جے پی) ۹۰۶
۵: بیدانتا ناتھ ساہا (آزاد) ۳۵
۶: سائبل بوس (آزاد) ۳۲
۷: سمر کور (آزاد) ۲۷

واسڈ نمبر ۵:

کل ووٹ: ۲۰۰۰۹
دئے گئے ووٹ: ۱۴۹۹۷
جائز ووٹ: ۱۴۷۱۷
باطل ووٹ: ۲۸۰
*۱: تردون ساہا (کانگریس) ۹۲۱۴
۲: تاپش منڈل (بی جے پی) ۷۶۲
۳: سہادیو داس (سی پی آئی ایم) ۴۶۸۹
۴: دولیش داس (آزاد) ۲۱
۵: منوج ہاجرا (آزاد) ۲۱
۶: انیل ہالدار (آزاد) ۱۰

واسڈ نمبر ۶: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۳۳۲۷۹
دئے گئے ووٹ: ۲۳۰۵۰
جائز ووٹ: ۲۲۵۳۸
باطل ووٹ: ۵۱۲
۱: گیانتی سنگھ (آزاد) ۳۸۶۷
۲: پشپا دوبے (آزاد) ۱۰۳
۳: پرمیلا سنگھ (بی جے پی) ۴۷۸۵
۴: نیلہ سنگھ (آزاد) ۲۰
۵: منجو ساؤ (آزاد) ۳۱
۶: مٹھو داس (آزاد) ۴۷
۷: روبی رائے چودھری (سی پی آئی) ۶۲۹۳
۸: سلمیٰ بیگم (آزاد) ۵۳
*۹: سمن سنگھ (کانگریس) ۷۳۲۷
۱۰: سرنا سنگھ (آزاد) ۱۲

واسڈ نمبر ۷:

کل ووٹ: ۱۶۸۵۱
دئے گئے ووٹ: ۱۳۱۹۸
جائز ووٹ: ۱۲۹۶۶
باطل ووٹ: ۲۳۲
۱: اجے پاترا (کانگریس) ۶۱۲۹
۲: اجے پال (اے بی ایچ ایم ایس) ۷۳
۳: تپ جیت رائے (آزاد) ۱۲
۴: مدن موہن پال (آزاد) ۳۶
*۵: سلیل چٹرجی (سی پی آئی ایم) ۶۷۰۲
۶: سپن رائے (آزاد) ۱۴

واسڈ نمبر ۸:

کل ووٹ: ۱۷۰۸۸
دئے گئے ووٹ: ۱۳۴۸۱
جائز ووٹ: ۱۳۲۶۲
باطل ووٹ: ۲۱۹
۱: انجنی بنرجی (اے بی ایچ ایم ایس) ۳۳
*۲: دیپنکر سین گپتا (سی پی آئی ایم) ۶۶۶۵
۳: نیپال چندرا سیل (کانگریس) ۶۰۹۹
۴: پرتوش مکھرجی (آزاد) ۱۰
۵: رنجن دتہ (آزاد) ۰۶
۶: رنجیت بھومک (بی جے پی) ۳۹۳
۷: سنجے سنگھ (آزاد) ۴

۸: شنبتو چترجی (آزاد) ۲۱
۹: سوشانتہ داس (آزاد) ۳۱

وارڈ نمبر ۹: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۸۱۱
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۲۳۸
جائز ووٹ: ۱۳۰۳۹
باطل ووٹ: ۱۹۹
۱: اریتا دتہ (آزاد) ۱۵
۲: اریتا بھٹاچاریہ (آزاد) ۱۸
۳: اشیما داس (آزاد) ۱۱
۴: کلیانی مترا (سی پی آئی ایم) ۶۴۳۰
۵: مادھوری دتہ (آزاد) ۳۷
۶: نندن ساؤ (آزاد) ۱۴
۷: مالاتی گور (کانگریس) ۶۳۴۲
۸: میرا دے (آزاد) ۶۲

وارڈ نمبر ۱۰:

کل ووٹ: ۲۱۷۹۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۶۹۸۳
جائز ووٹ: ۱۶۶۹۵
باطل ووٹ: ۲۸۸
۱: اشوک چکرورتی (آزاد) ۵۰
۲: پرشدو سین گپتا (سی پی آئی) ۹۳۹۹
۳: منتوش چترجی (کانگریس) ۷۱۵۱
۴: راجیو ساہا (آزاد) ۳۷
۵: سجل بوس (آزاد) ۴۲
۶: شبیر داس (آزاد) ۱۶

وارڈ نمبر ۱۱: (برائے شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ: ۱۷۴۹۵
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۱۲۱
جائز ووٹ: ۱۲۸۱۳
باطل ووٹ: ۳۰۸
۱۰: پرابیر منڈل (کابلو) کانگریس ۷۸۷۶
۲: بھولا پرشاد شنکر (فارورڈ بلاک) ۴۵۸۱
۳: موہن داس (بی جے پی) ۳۰۵
۴: راجیو لال شنکر (آزاد) ۵۱

وارڈ نمبر ۱۲:

کل ووٹ: ۱۸۲۴۲
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۸۲۸
جائز ووٹ: ۱۳۵۴۹
باطل ووٹ: ۲۷۹
۱: تاپش بھٹاچاریہ (سی پی آئی) ۳۴۷۹
۲: سکندر اگروال (سی پی آئی ایم ایل) ۱۲۳
۳: سنیل کار رائے چودھری (آمرا بنگالی) ۴۹
۴: سپن بھومک (بی جے پی) ۱۰۰۶
۵: سرجیت بھٹاچاریہ (کانگریس) ۸۸۸۰
۶: حبیب الحق (آزاد) ۱۲

وارڈ نمبر ۱۳: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۴۱۷۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۹۸۷۷
جائز ووٹ: ۱۹۵۵۱
باطل ووٹ: ۳۲۶
۱: انجنا گھوش (بی جے پی) ۴۱۴
۲: آرتی چکرورتی (آزاد) ۵۵
۳: چندنا چکرورتی (کانگریس) ۹۲۸۶
۴: دتہ انجورانی (آزاد) ۴۹
۵: بیلا بوس (آزاد) ۲۸
۶: لکشمی گپتا (آزاد) ۷۸
۷: سرشٹھا بھٹاچاریہ (سی پی آئی ایم) ۹۶۴۱

وارڈ نمبر ۱۴:

کل ووٹ: ۴۰۸۴۶
دیئے گئے ووٹ: ۳۳۷۴۶
جائز ووٹ: ۳۳۱۳۴
باطل ووٹ: ۶۱۲
۱: امل چکرورتی (کانگریس) ۱۵۲۴۰
۲: اشیت سنگھ (آزاد) ۴۱۶
۳: کلیان دتہ (آزاد) ۲۰۸
۴: کلیان مکھرجی (آر ایس پی) ۱۶۱۶۴
۵: گوپال چکرورتی (آزاد) ۴۱
۶: واسودیو چکرورتی (ایس یو سی آئی) ۳۰۴
۷: رتنا منڈل (آزاد) ۱۳
۸: شبیر بھٹاچاریہ (آزاد) ۴۶
۹: ہیمیندر کمار ناگ (ڈرگادا) بی جے پی ۷۰۴

وارڈ نمبر ۱۵:

کل ووٹ: ۲۰۷۶۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۸۱۶
جائز ووٹ: ۱۵۴۸۰
باطل ووٹ: ۳۳۶
۱: آسوتوش بھٹاچاریہ (آزاد) ۶۴
۲: گنیز پرتو چندا (بابل) بی جے پی ۱۵۹۴
۳: رجت کار پال (آر ایس پی) ۴۲۰۳
۴: سادھن ساہا (کانگریس) ۹۶۲۱

وارڈ نمبر ۱۶: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۷۳۰۵
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۰۸۱
جائز ووٹ: ۱۲۸۲۷
باطل ووٹ: ۲۵۴
۱: اروناداس (آزاد) ۳۰۴
۲: اوشا بیرا (آزاد) ۳۲
۳: اوشا ساؤ (سی پی آئی ایم) ۳۷۷۴
۴: کلپنا سامنتا (بی جے پی) ۵۴۱

۵: پرنیما سوم (آزاد) ۱۰
۶: ملیا کیڈیا (آزاد) ۱۲۷
۷: شمپا ساہا (آزاد) ۲۴
*۸: شکلا بھور (کانگریس) ۷۹۷۴
۹: شانتا بھٹاچاریہ (آزاد) ۱۱

وارڈ نمبر ۱۷:

کل ووٹ: ۲۰۴۴۵
دئے گئے ووٹ: ۱۵۸۲۳
جائز ووٹ: ۱۵۵۷۶
باطل ووٹ: ۲۴۷
*۱: اشوک گانگولی (سی پی آئی ایم) ۸۰۵۸
۲: اروپن داس (کانگریس) ۷۴۱۴
۳: شیو ناتھ دے (آزاد) ۴۰
۴: شیو شنکر کور (آزاد) ۲۲
۵: شیام سندر دتہ (آزاد) ۲۲
۶: سپن چکرورتی (آزاد) ۲۰

وارڈ نمبر ۱۸:

کل ووٹ: ۲۰۴۴۹
دئے گئے ووٹ: ۱۶۱۸۹
جائز ووٹ: ۱۵۸۵۵
باطل ووٹ ۳۳۴
۱: ابھیجیت باسک (آزاد) ۱۸
۲: اروبند ساؤ (آزاد) ۴۲
۳: ارون بھٹاچاریہ (کانگریس) ۵۱۷۸
*۴: کرشنا سرکار (سی پی آئی ایم) ۱۰۱۸۴
۵: تارک ناتھ باسک (آزاد) ۱۷
۶: پرن سنگھا (آزاد) ۱۰
۷: بلرام ساہا (آزاد) ۰۶
۸: بابر داس (آزاد) ۰۴
۹: جادو ناتھ باسک (آزاد) ۰۶
۱۰: راجکمار بھٹاچاریہ (آزاد) ۰۶
۱۱: سبھاش گپتا (بی جے پی) ۳۶۸
۱۲: سومناتھ بنرجی (آزاد) ۰۸
۱۳: سپن پارل (آزاد) ۰۶

وارڈ نمبر ۱۹: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۸۷۴
دئے گئے ووٹ: ۱۳۸۲۶
جائز ووٹ: ۱۳۶۱۲
باطل ووٹ: ۲۱۴
۱: اشٹمی مودک (آزاد) ۲۱
۲: دیپیکا پال (آزاد) ۲۴
۳: پاروتی مکھرجی (آزاد) ۱۶
۴: ممتا فوجدار (آزاد) ۳۰
۵: مالا چکرورتی (آزاد) ۵۵
*۶: ڈاکٹر شوبھا چندرا (سی پی آئی ایم) ۷۴۴۸
۷: سونندا داس (کانگریس) ۶۰۱۸

وارڈ نمبر ۲۰:

کل ووٹ: ۱۷۱۱۵
دئے گئے ووٹ: ۱۲۲۵۴
جائز ووٹ: ۱۱۹۹۰
باطل ووٹ: ۲۶۴
۱: آنند کمار تیواری (آزاد) ۱۸
۲: اتپل چندرا (آزاد) ۰۸
۳: کھاندیل وال شیام سندر (بی جے پی) ۴۵۰
۴: تارک پال (کانگریس) ۴۲۵۶
۵: دلیپ سنگھ (آزاد) ۱۶
۶: ونود پرساد گپتا (آزاد) ۰۸
۷: شنکر کمار پالت (آزاد) ۱۹
*۸: سدھانگشو بل (سی پی آئی ایم) ۷۲۵۱

وارڈ نمبر ۲۱:

کل ووٹ: ۲۰۶۶۹
دئے گئے ووٹ: ۱۳۰۱۸
جائز ووٹ: ۱۲۷۱۸
باطل ووٹ: ۳۰۰
۱: اشیما نندا منڈل (آزاد) ۴۱۵
۲: کرشن پال سنگھ (آزاد) ۲۱
۳: کرشنا پرتاپ سنگھ (آزاد) ۲۳۶
۴: دیپک گھوش (آزاد) ۱۳
۵: نرسریا ستی پرشاد (آزاد) ۱۱
*۶: پرمیل لبراس (سی پی آئی ایم) ۷۰۰۵
۷: مدھو سودن ساہا (آزاد) ۰۷
۸: رودرا اشوک (بی جے پی) ۱۰۶۳
۹: شنکر گپتا (کانگریس) ۳۹۲۵
۱۰: شنکر ساہا (آزاد) ۰۹
۱۱: شیاما لیندو پال (آزاد) ۱۳

وارڈ نمبر ۲۲: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۹۶۶۵
دئے گئے ووٹ: ۱۱۰۸۰
جائز ووٹ: ۱۰۸۲۱
باطل ووٹ: ۲۵۹
۱: انجو جین (آزاد) ۱۹
۲: کرن دیوی جین (آزاد) ۲۷
۳: جھن جھن والا ساریکا دیوی (آزاد) ۲۲
*۴: پروہت سینا دیوی (بی جے پی) ۶۰۶۸
۵: پشپا جین (کانگریس) ۴۳۶۵
۶: بیلا بھومک (جنتا دل) ۳۲۰

وارڈ نمبر ۲۳:

کل ووٹ: ۲۲۰۶۶
دئے گئے ووٹ: ۱۵۷۲۸
جائز ووٹ: ۱۵۴۳۷

9

باطل ووٹ: ۲۹۱

۱: اشوکا پانڈے (آزاد) ۱۴

۲: اوم پرکاش پودار (سوشلسٹ) ۶۰۳۲

۳: گردھاری لال ورما (آزاد) ۳۰

*۴: بانکے سنگھ (سی پی آئی ایم) ۶۵۹۳

۵: بنسے ناتھ چودھری (آزاد) ۱۶

۶: ونود کمار سونی (آزاد) ۴

۷: وشنو کمار مودی (آزاد) ۷

۸: مدھو سدن گوئنکا (آزاد) ۱۶

۹: ستی کانت یادو (آزاد) ۲۷۶

۱۰: راجندر سنگھ (آزاد) ۰۶

۱۱: رادھے شیام سونی (بی جے پی) ۲۴۲۹

۱۲: شیام سندر چودھری (آزاد) ۰۶

۱۳: ستیہ نارائن سنگھ (آزاد) ۰۸

<u>وارڈ نمبر ۲۴:</u>

کل ووٹ: ۱۷۹۶۰

دیے گئے ووٹ: ۱۱۷۸۶

جائز ووٹ: ۱۱۵۳۳

باطل ووٹ: ۲۵۳

۱: انیل کمار رائے (آزاد) ۱۰۰

۲: اشوک گھوش (آزاد) ۳۸

۳: گوپال کور (آزاد) ۵۱

۴ گوسرائی شیاما پدو (آزاد) ۱۶

۵: نارائن داس سونی (بی جے پی) ۳۲۴۹

۶: نِمل داس (آزاد) ۶۲

۷: وشنو دیال پانڈے (آزاد) ۱۳

*۸: سبیر کمار ساہا (کانگریس) ۶۲۲۸

۹: رتیبریا دینیش کمار (آزاد) ۱۸

۱۰: ربندر ناتھ اچاریہ (فارورڈ بلاک) ۱۷۵۸

<u>وارڈ نمبر ۲۵:</u> (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۸۴۳۹

دیے گئے ووٹ: ۱۹۵۳۳

جائز ووٹ: ۱۹۲۰۴

باطل ووٹ: ۳۲۹

۱: کلا بنرجی (آزاد) ۱۰۹

۲: نیلیما گوہا (فارورڈ بلاک) ۴۹۶۹

۳: مدھولیکا اچاریہ (آزاد) ۵۵

۴: راجشری کنوڑیا (آزاد) ۳۲۶

۵: شپرا مکھرجی (آزاد) ۹۲

*۶: سیتا بخشی (کانگریس) ۱۳۶۵۳

<u>وارڈ نمبر ۲۶:</u>

کل ووٹ: ۲۲۷۵۳

دیے گئے ووٹ: ۱۷۱۴۸

جائز ووٹ: ۱۶۷۸۷

باطل ووٹ: ۳۶۱

۱: اجیت رائے (سی پی آئی ایم) ۶۷۱۹

۲: امیت گھوش (آزاد) ۲۰

۳: ارون سرکار (آزاد) ۴۳

۴: گوپال دتہ (آزاد) ۵۹

۵: گوتم دتہ (ایس جے پی) ۲۰

۶: دلیپ کمار سنگھ (آزاد) ۳۱

*۷: پولک چندر داس (کانگریس) ۹۱۱۸

۸: لیزونتو سنگھ (بی جے پی) ۷۱۳

۹: ریتا ساہا (آزاد) ۳۳

۱۰: سبراتک مکھرجی (آزاد) ۱۱

<u>وارڈ نمبر ۲۷:</u>

کل ووٹ: ۲۰۱۴۱

دیے گئے ووٹ: ۱۴۷۹۰

جائز ووٹ: ۱۴۵۲۶

باطل ووٹ: ۲۶۴

۱: آشا دیوی جیسوال (بی ایس پی) ۱۱۴

۲: گوتم (آزاد) ۲۸

۳: تاپشی پال (سی پی آئی) ۴۹۳۸

—۴: دیوی داس رائے (آزاد) ۳۳

۵: پربھات مکھرجی (آزاد) ۳۳

۶: پرمود کمار سنہا (آزاد) ۱۶

*۷: راج کشور گپتا (کانگریس) ۸۷۷۴

۸: شری دھر گپتا (بی جے پی) ۵۹۰

<u>وارڈ نمبر ۲۸:</u> (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۳۱۲۱۶

دیے گئے ووٹ: ۲۳۳۰۹

جائز ووٹ: ۲۲۷۱۴

باطل ووٹ: ۵۹۵

۱: انیما پال (آزاد) ۴۱

۲: چھایانیکا باسو (آزاد) ۱۹۱

*۳: تنوی سانیال (سی پی آئی ایم) ۱۱۰۶۸

۴: ترشنا سادھو خاں (بی جے پی) ۶۲۱

۵: دیپتی پرمانک (آزاد) ۳۳

۶: میتا کنڈو (آزاد) ۹۰

۷: سمیتا باسو (آزاد) ۱۱۷

۸: ماشی بھٹاچاریہ (کانگریس) ۱۰۵۵۳

<u>وارڈ نمبر ۲۹:</u> (برائے ایس سی خواتین)

کل ووٹ: ۳۶۵۷۲

دیے گئے ووٹ: ۲۵۸۶۲

جائز ووٹ: ۲۴۷۵۶

باطل ووٹ: ۱۱۰۶

۱: لکشمی داس (آزاد) ۳۰۰

۲: شکھا شنکر (آزاد) ۳۷۹

۳: سندھیا داس (فارورڈ بلاک) ۱۱۲۶۳

*۴: سپنا داس (کانگریس) ۱۲۸۱۴

وارڈ نمبر ۳۰:

کل ووٹ: ۲۱۷۹۶
دیئے گئے ووٹ: ۱۸۶۲۸
جائز ووٹ: ۱۸۳۸۱
باطل ووٹ: ۲۴۷
۱: امیت چکرورتی (آزاد) ۱۶
۲: اربندو داس (آزاد) ۳۹
۳: اروپ کار چندرا (سی پی آئی ایم) ۸۵۸۲
۴: پتن داس (بی جے پی) ۶۳۲
۵: نند کشور شروف (آزاد) ۲۱
۶: ہلیب پودار (آزاد) ۴۰
۷: سوم ناتھ گھوش (آزاد) ۴۳
*۸: سپن سمدر (کانگریس) ۸۹۹۸

وارڈ نمبر ۳۱: (برائے شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ: ۲۷۱۶۵
دیئے گئے ووٹ: ۲۰۷۳۰
جائز ووٹ: ۲۰۳۲۹
باطل ووٹ: ۴۰۱
۱: نند کشور اگروال (سی پی آئی ایم) ۷۳۶۳
۲: نرلیش بیدیہ (بی جے پی) ۷۶۹
*۳: سنجے منڈل (کانگریس) ۱۲۱۷۰
۴: سنیل سانترا (آزاد) ۲۷

وارڈ نمبر ۳۲:

کل ووٹ: ۳۳۰۳۷
دیئے گئے ووٹ: ۲۵۹۴۹
جائز ووٹ: ۲۵۴۸۶
باطل ووٹ: ۴۶۳
۱: کمل داس (بی جے پی) ۸۸۰
۲: دیب توش چکرورتی (آزاد) ۳۱
۳: دیپا شیش نندی (آزاد) ۳۶
*۴: پرسانتا چٹرجی (سی پی آئی ایم) ۱۳۸۲۸
۵: سنیل کار ساہا (کانگریس) ۱۰۶۶۴
۶: سپن بسواس (آزاد) ۲۷

وارڈ نمبر ۳۳: (برائے شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ: ۳۳۰۷۱
دیئے گئے ووٹ: ۲۶۷۰۳
جائز ووٹ: ۲۶۱۳۳
باطل ووٹ: ۵۷۰
۱: کالی پدو سردار (آزاد) ۲۱۸
*۲: پورتر بسواس (کانگریس) ۱۳۲۹۶
۳: بالو لال داس (آزاد) ۹۸
۴: راجیو بسواس (سی پی آئی) ۱۲۴۸۲
۵: ہیرالال داس (آزاد) ۶۹

وارڈ نمبر ۳۴: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۷۰۴۳
دیئے گئے ووٹ: ۲۲۷۹۰
جائز ووٹ: ۲۲۴۵۲
باطل ووٹ: ۳۳۸
۱: اپرنا گانگولی (کانگریس) ۱۱۰۵۴
*۲: لیلا دے (فارورڈ بلاک) ۱۱۲۹۲
۳: شنکری چندا (آزاد) ۱۰۶

وارڈ نمبر ۳۵: (برائے ایس سی خواتین)

کل ووٹ: ۲۸۴۳۲
دیئے گئے ووٹ: ۲۴۴۸۲
جائز ووٹ: ۲۴۰۶۶
باطل ووٹ: ۴۱۶
۱: اینتا ہالدار (آزاد) ۲۴۵
۲: کلی جانا (کانگریس) ۱۰۱۴۶
*۳: سندھیا دلوئی (سی پی آئی ایم) ۱۳۶۷۵

وارڈ نمبر ۳۶:

کل ووٹ: ۲۳۹۸۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۴۹۱۸
جائز ووٹ: ۱۴۳۶۸
باطل ووٹ: ۵۵۰
*۱: چنچل کنال گھوش (سی پی آئی) ۸۲۷۸
۲: بدھو بھوشن بھومک (آزاد) ۲۳
۳: محمد حدیث (کانگریس) ۵۳۵۱
۴: محمد فہیم الدین (آزاد) ۴۶
۵: محمد عمران (آزاد) ۳۹
۶: شیام بہاری رائے (بی جے پی) ۶۱۴
۷: شوما ساہا (آزاد) ۱۷

وارڈ نمبر ۳۷: (برائے شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ: ۳۰۱۸۵
دیئے گئے ووٹ: ۱۴۷۷۶
جائز ووٹ: ۱۴۴۴۶
باطل ووٹ: ۳۳۰
۱: کرشنا گھوش (آزاد) ۳۱
*۲: دلیپ منڈل (سی پی آئی ایم) ۷۱۱۶
۳: روہت داس (بی جے پی) ۶۴۷
۴: شیامل مہوری (کانگریس) ۶۶۳۴
۵: شبھجیت کمار داس (آزاد) ۱۸

وارڈ نمبر ۳۸:

کل ووٹ: ۲۹۸۰۲
دیئے گئے ووٹ: ۲۱۰۰۵
جائز ووٹ: ۲۰۴۵۰
باطل ووٹ: ۵۵۵
۱: اشیش داس گپتا (آزاد) ۲۳
۲: بھونیشور داس (آزاد) ۱۹۴
۳: شیشر ساہا (آزاد) ۳۱
۴: سبھاشیش باسو (آزاد) ۴۳

۵: سلیل چکرورتی (سی پی آئی ایم) ۸۹۶۲
۶: سوشانتہ باسو (بی جے پی) ۴۳۴
۷: سپن دتہ (کانگریس) ۱۰۷۶۷
۸: سپن سنہا (آزاد) ۱۲

وارڈ نمبر ۳۹: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۳۳۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۲۲۱۳
جائز ووٹ: ۱۱۸۹۹
باطل ووٹ: ۳۱۴

۱: قمر رشید (آزاد) ۲۴۲
۲: گائتری رائے (بی جے پی) ۱۱۵۲
۳: گائتری دیوی سنگھ (آزاد) ۱۰
۴: ناظمہ بیگم (آزاد) ۱۷
۵: پکھراج شاہجہاں (آزاد) ۳۵۳
۶: فرحت بانو (آزاد) ۲۹
۷: میرا شری واستو (آزاد) ۷
۸: ریکھا شرما (آزاد) ۳۹
۹: ریکھا سنگھ (آزاد) ۱۷
۱۰: رخسانہ جمیل (سی پی آئی ایم) ۹۷۳۳
۱۱: صفیہ حسن (کانگریس) ۳۳۰۰

وارڈ نمبر ۴۰:

کل ووٹ: ۲۱۳۹۷
دیئے گئے ووٹ: ۱۴۸۲۶
جائز ووٹ: ۱۴۸۲۶
باطل ووٹ: —

۱: آشا مہنتی (کانگریس) ۹۲۱۲
۲: کمل کمار لاہیری (آزاد) ۳۲۴
۳: رما داس (آر ایس پی) ۴۶۴۲
۴: شیام سندر گھوش (بی جے پی) ۶۴۸

وارڈ نمبر ۴۱:

کل ووٹ: ۱۸۵۶۱
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۱۹۱
جائز ووٹ: ۱۲۸۳۹
باطل ووٹ: ۳۵۲

۱: بجے ناتھ پانڈے (آزاد) ۰۶
۲: اشوک کمار سنگھ (آزاد) ۵۳
۳: آسوتوش شاہ (آزاد) ۱۶
۴: اجیش چودھری (سی پی آئی ایم) ۸۹۱۰
۵: پون کمار بنسل (کانگریس) ۲۳۷۰
۶: جیش ٹھاکر (آزاد) ۱۵
۷: شری کرشنا شروف (بی جے پی) ۱۳۱۵
۸: رام شریش (آزاد) ۰۳
۹: شیو رتن شرما (آزاد) ۴۵
۱۰: شیامل سانگی (آزاد) ۲۴
۱۱: شیل سنگھ (آزاد) ۸۴

وارڈ نمبر ۴۲: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۲۸۸۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۲۱۵۹
جائز ووٹ: ۱۱۹۱۵
باطل ووٹ: ۲۴۴

۱: آرتی دھر (جنتادل) ۱۵۵۰
۲: آشا اوجھا (آزاد) ۲۳
۳: بیگم حسینہ (آزاد) ۱۱
۴: چاندک رکمنی دیوی (آزاد) ۱۱
۵: چاندک سشیلا (آزاد) ۴۳
۶: پشپا دیوی پودار (کانگریس) ۵۱۰۴
۷: منجو دیوی ترشنی والا (آزاد) ۰۴
۸: ریلیا دیوی سنگھ (آزاد) ۲۵
۹: ساوتری جوشی (آزاد) ۱۷
۱۰: سیتا دیوی جھاور (بی جے پی) ۵۱۱۶
۱۱: سنیتا شرما (آزاد) ۱۱

وارڈ نمبر ۴۳:

کل ووٹ: ۲۴۴۰۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۷۳۳
جائز ووٹ: ۱۳۳۸۹
باطل ووٹ: ۳۴۴

۱: اشوک کمار گپتا (آزاد) ۴۰
۲: آفتاب عالم (کانگریس) ۵۳۰۵
۳: اخلاق احمد (سی پی آئی ایم) ۵۳۱۸
۴: خواجہ محمد ارشد (آزاد) ۰۷
۵: جے گوپال گپتا (بی جے پی) ۱۶۹۷
۶: جالان نریش (آزاد) ۱۰
۷: تیواری دینیش (آزاد) ۵۲
۸: نجم الہدیٰ (آزاد) ۹۳۷
۹: شیشا ناتھ مشرا (آزاد) ۱۵
۱۰: سجاد محبوب (آزاد) ۰۸

وارڈ نمبر ۴۴:

کل ووٹ: ۳۱۳۱۱
دیئے گئے ووٹ: ۱۹۴۱۶
جائز ووٹ: ۱۸۸۹۷
باطل ووٹ: ۵۱۹

۱: ادوینا کمار نندی (بی جے پی) ۶۲۵
۲: کمل کشور شروف (آزاد) ۳۸
۳: جگدیش چندر مترا (کانگریس) ۸۰۶۱
۴: نبی حسین انصاری (سی پی آئی ایم) ۹۰۹۶
۵: دیپ نارائن رانا (آزاد) ۳۷۵
۶: پروین کمار برلا (آزاد) ۱۶
۷: محمد عرش الزماں (آزاد) ۱۴
۸: محمد شوکت علی (آزاد) ۹۳۵
۹: راجندر پرشاد پودار (آزاد) ۱۱

۱۰: سکھداس (آزاد) ۳۶

واسڈ نمبر ۴۵: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۶۹۹
دئے گئے ووٹ: ۱۰۱۸۸
جائز ووٹ: ۹۹۵۵
باطل ووٹ: ۲۳۳

۱: انیتا سین (آزاد) ۱۳
۲: اوجیا گیتا دیوی (آزاد) ۱۷
۳: ٹھاکر کسم بین (بی جے پی) ۱۲۸۸
۴: پانڈے درگاوتی (آزاد) ۷
۵: پانڈے نرملا (کانگریس) ۳۲۲۳
۶: پشپا دیوی شنکر (آزاد) ۱۲۳۹
۷: پریا چورسیا (سی پی آئی ایم) ۱۳۷۹
۸: للیتا تھاپا (آزاد) ۶۵
۹: میگھنا تی مترا (آزاد) ۳۶۸۹
۱۰: سنگیتا [illegible] (آزاد) ۹

واسڈ نمبر ۴۶:

کل ووٹ: ۲۱۷۵۹
دئے گئے ووٹ: ۱۳۳۶۷
جائز ووٹ: ۱۳۱۵۳
باطل ووٹ: ۲۱۴

۱: کپور حقیقت رائے (بی جے پی) ۱۱۱۷
۲: خورشید علی افضل (آزاد) ۲۱
۳: ظہیر الدین خان (کانگریس) ۳۷۶۹
۴: تپن سنہا (آزاد) ۱۹
۵: پربھاکر منڈل (سی پی آئی ایم) ۷۳۷۷
۶: بجن بہاری داس (آزاد) ۰۹
۷: محمد ساجد [illegible] (آزاد) ۵۵۰
۸: محمد شعیب رضوی (آزاد) ۳۳
۹: رضوان الحق صدیقی (آزاد) ۳۹

۱۱: سیپبردا (آزاد) ۰۸

واسڈ نمبر ۴۷: (برائے شیڈولڈ کاسٹ)

کل ووٹ: ۱۹۹۸۶
دئے گئے ووٹ: ۹۸۹۱
جائز ووٹ: ۹۶۴۲
باطل ووٹ: ۲۴۹

۱: پربھات داس (آزاد) ۳۳
۲: نونیپا سوان (کانگریس) ۳۸۰۵
۳: روما ناتھ (بی جے پی) ۱۰۵۸
۴: سنتوش پنڈت (آزاد) ۳۰
۵: سجیت منڈل (جنتا دل) ۳۷۱۳
۶: سدلیش داس (آزاد) ۱۲

واسڈ نمبر ۴۸:

کل ووٹ: ۲۰۶۷۰
دئے گئے ووٹ: ۱۳۹۸۵
جائز ووٹ: ۱۳۸۹۷
باطل ووٹ: ۸۸

۱: ارون کمار داس (آزاد) ۶۴
۲: اشیش داس (آزاد) ۴۴
۳: تاپش رائے (کانگریس) ۱۰۳۱۰
۴: دلیپ منڈل (آزاد) ۲۴
۵: بمل کمار ملک (آزاد) ۳۰
۶: سوستو بنرجی (شیھو) (سی پی آئی ایم) ۳۳۰۵

واسڈ نمبر ۴۹: (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۳۱۵
دئے گئے ووٹ: ۱۱۳۶۰
جائز ووٹ: ۱۱۱۹۷
باطل ووٹ: ۲۶۳

۱: چھایا سمدر (آزاد) ۱۶
۲: پدما شنکر (کانگریس) ۶۸۲۳

۳: مولی دیپا سنہا رائے (آزاد) ۲۱
۴: میرا چڑجی (سی پی آئی ایم) ۳۹۶۷
۵: سنگیتا بھٹاچاریہ (آزاد) ۰۸
۶: شکلا سرکار (بی جے پی) ۳۳۶
۷: سندھو مشرا (آزاد) ۰۹

واسڈ نمبر ۵۰:

کل ووٹ: ۱۸۳۶۸
دئے گئے ووٹ: ۱۳۷۱۳
جائز ووٹ: ۱۳۳۴۵
باطل ووٹ: ۳۶۸

۱: اجیت چندرا (آزاد) ۱۰۷
۲: ارون پال (سی پی آئی ایم) ۳۳۵۴
۳: ارون پالدار (آزاد) ۲۷
۴: پردیپ کمار گھوش (کانگریس) ۹۸۳۴
۵: پردیپ بھٹاچاریہ (آزاد) ۳۳

واسڈ نمبر ۵۱:

کل ووٹ: ۱۴۸۳۶
دئے گئے ووٹ: ۱۰۸۸۳
جائز ووٹ: ۱۰۶۷۷
باطل ووٹ: ۲۰۶

۱: اجے کمار گپتا (آزاد) ۰۶
۲: اجیت پال (آزاد) ۱۱
۳: امیت بھٹاچاریہ (پردیپ) بی جے پی ۸۹۵
۴: اپل ساؤ (کانگریس) ۵۷۸۴
۵: گنیش دیو چودھری (آزاد) ۱۰
۶: گنیش دھر (آر ایس پی) ۳۷۶۵
۷: گنیش شرما (آزاد) ۴۱
۸: لبو اجیت داس (آزاد) ۱۳
۹: سجل رائے (آزاد) ۱۹
۱۰: سشانتا بیرا (آزاد) ۱۲

۱۳

وارڈ نمبر ۵۲: (برائے خواتین)

کُل ووٹ: ۱۹۱۱۷
دیئے گئے ووٹ: ۱۲۹۲۴
جائز ووٹ: ۱۲۶۷۱
باطل ووٹ: ۲۵۳

۱: انجنا منا (آزاد) ۱۳
۲: میتھو گھوش (آزاد) ۱۷
۳: مریدولا گپتا (بی جے پی) ۱۱۰۴
۴: لیلا انس (فارورڈ بلاک - ایس) ۴۴
۵: ثروت نگار (فارورڈ بلاک) ۴۶۱۰
*۶: سمیتا ساہا (کانگریس) ۶۸۸۴

وارڈ نمبر ۵۳:

کُل ووٹ: ۲۵۶۶۷
دیئے گئے ووٹ: ۱۷۰۶۳
جائز ووٹ: ۱۶۷۵۵
باطل ووٹ: ۳۰۸

*۱: اطل دتہ (کانگریس) ۱۱۲۲۳
۲: اکمل حسین (آزاد) ۲۵
۳: الک چٹرجی (آزاد) ۱۴
۴: اُجّل بنرجی (آزاد) ۲۲
۵: گرتم داس گپتا (آزاد) ۴۱
۶: چندن سنہا (سی پی آئی ایم) ۴۶۴۵
۷: دلیپ سین (سی پی آئی ایم ایل) لبریشن ۱۳۰
۸: تاکی داس (آزاد) ۴۸
۹: نور محمد (ایس جے پی) ۱۲
۱۰: بشیر الرحمٰن ملک (آزاد) ۱۰
۱۱: وشوا ناتھ مکرجی (بی جے پی) ۵۴۴
۱۲: سنجیب مکرجی (آزاد) ۳۲
۱۳: سنیل دتہ (آزاد) ۰۹

وارڈ نمبر ۵۴:

کُل ووٹ: ۳۲۱۵۲
دیئے گئے ووٹ: ۲۳۷۷۵
جائز ووٹ: ۲۳۲۶۰
باطل ووٹ: ۵۱۵

۱: انور عالم (آزاد) ۴۸
*۲: محمد ابوسفیان (سی پی آئی ایم) ۱۵۰۰۴
۳: محمد الیاس سکندر (آزاد) ۱۳
۴: عشرت نظیر آزاد (کانگریس) ۷۱۳۱
۵: خالق انصاری (آزاد) ۱۶۳
۶: برج کانتی گھوش (آزاد) ۸۸
۷: محمد منظر حسین (آزاد) ۶۶۳
۸: محمد لائق خان (پی ایس پی) ۶۴
۹: محمد شاہد اقبال (آزاد) ۸۶

وارڈ نمبر ۵۵: (برائے خواتین)

کُل ووٹ: ۲۸۱۴۲
دیئے گئے ووٹ: ۲۱۲۰۰
جائز ووٹ: ۲۰۶۹۵
باطل ووٹ: ۵۰۵

۱: اپرنا نندی (آزاد) ۹۴
۲: کرشنا دتہ (سی پی آئی ایم) ۸۴۲۱
۳: گوری میںوال (آزاد) ۱۸
*۴: دیپالی داس (کانگریس) ۱۰۹۵۵
۵: بیساکھی بوس (آزاد) ۶۱
۶: مالاتی گھوش (آزاد) ۲۶
۷: مالا پال (آزاد) ۲۰۲
۸: شری لیکھا سین (سی پی آئی ایم ایل) ۱۲۴
۹: شرگندھا گھوشال (بی جے پی) ۷۹۴

وارڈ نمبر ۵۶:

کُل ووٹ: ۳۱۰۳۱
دیئے گئے ووٹ: ۲۴۶۸۸
جائز ووٹ: ۲۴۰۶۸
باطل ووٹ: ۶۲۰

۱: محمد ذاکر حسین (پی ایس پی) ۴۰۴
۲: دیپک پال (آزاد) ۳۵
*۳: دیپی داس گھوش دستیدار (سی پی آئی ایم) ۱۲۵۷۶
۴: نیل کمل مکرجی (بی جے پی) ۷۸۵
۵: ملائے سکدر (آزاد) ۷۸
۶: شمبھو چکرورتی (آزاد) ۱۴۰
۷: سادھن گنگولی (کانگریس) ۱۰۰۵۰

وارڈ نمبر ۵۷:

کُل ووٹ: ۳۶۰۸۷
دیئے گئے ووٹ: ۲۷۷۷۲
جائز ووٹ: ۲۷۱۳۴
باطل ووٹ: ۶۳۸

۱: گنیش منڈل (آزاد) ۱۰۹
۲: نرمل کمار باگچی (بی جے پی) ۹۰۴
*۳: بیرن چکرورتی (سی پی آئی ایم) ۱۳۷۲۱
۴: ستیہ رنجن چندا (آزاد) ۵۰
۵: سمیر دے (آزاد) ۴۸
۶: سروج دیو (کانگریس) ۱۲۳۰۲

وارڈ نمبر ۵۸: (برائے خواتین)

کُل ووٹ: ۵۰۴۳۰
دیئے گئے ووٹ: ۴۱۳۶۰
جائز ووٹ: ۴۰۲۱۷
باطل ووٹ: ۱۱۴۳

۱: ارچنا بھٹاچاریہ (آزاد) ۹۷
*۲: انجنا دے (کانگریس) ۱۶۸۴۸
۳: جیا سرکار (آزاد) ۳۲۵
۴: جیوتسنا رانا (بی جے پی) ۸۰۶
۵: بینا منڈل (آزاد) ۶۹

۶: نورجہاں منڈل (آزاد) ۴۴
۷: رتنا گھوش (آزاد) ۷۰
۸*: لکشمی مانی بنرجی (سی پی آئی ایم) ۲۱۹۶۸

وارڈ نمبر ۵۹:

کل ووٹ : ۴۶۲۴۹
دیئے گئے ووٹ : ۳۶۵۰۶
جائز ووٹ : ۳۵۵۴۱
باطل ووٹ : ۹۶۵

۱: انیل کمار داس (آزاد) ۶۳
۲: کاجل کرموکار (کانگریس) ۱۴۱۹۱
۳: گوپال نیوگی (سی پی آئی ایم ایل) ۲۱۲
۴*: جے شری دیب نندی (سی پی آئی ایم) ۱۹۱۵۰
۵: شیخ جہانگیر (بی ایس پی) ۱۰۵۲
۶: نرمل سنگھ (بی جے پی) ۸۴۶
۷: بجے بھوشن رائے (آزاد) ۲۷

وارڈ نمبر ۶۰:

کل ووٹ : ۳۷۱۳۷
دیئے گئے ووٹ : ۲۴۱۱۴
جائز ووٹ : ۲۳۳۸۵
باطل ووٹ : ۷۲۹

۱: عبدالقیوم خاں (آزاد) ۲۸
۲: ایس ایم ابراہیم (آزاد) ۴۵۹
۳: محمد ظفر علی (آزاد) ۳۴
۴: ممتاز عالم (کانگریس) ۱۱۳۰
۵: محمود عالم (آزاد) ۱۳
۶: محمد شمیم اختر (آزاد) ۶۰
۷: راجیش سام (آزاد) ۴۷
۸: ریاض الدین (آزاد) ۱۰۴
۹*: سعید الدین (سی پی آئی ایم) ۱۱۲۵۲
۱۰: سدھیر کمار داس (بی جے پی) ۳۵۸

وارڈ نمبر ۶۱: (برائے خواتین)

کل ووٹ : ۳۱۲۸۹
دیئے گئے ووٹ : ۱۹۰۲۴
جائز ووٹ : ۱۸۵۰۰
باطل ووٹ : ۵۲۴

۱: کیہ اجرا چودھری (آزاد) ۴۲
۲: گلشن آرا (آزاد) ۴۳
۳: چندرا کلا گپتا (بی جے پی) ۵۸۵
۴: درخشاں (آزاد) ۴۳
۵: بملا گھاٹ (آزاد) ۰۹
۶: مالی دھر (آزاد) ۲۵
۷*: رخسانہ (کانگریس) ۸۱۵۳
۸: رخسانہ بیگم (آزاد) ۵۰
۹: شبانہ ظہیر (آزاد) ۲۱۶۵
۱۰: شہناز نبی (سی پی آئی ایم) ۷۳۸۵

وارڈ نمبر ۶۲:

کل ووٹ : ۳۷۳۰۲
دیئے گئے ووٹ : ۲۱۶۷۱
جائز ووٹ : ۲۱۱۳۲
باطل ووٹ : ۵۳۹

۱: افسر علی (آزاد) ۲۷
۲*: اقبال احمد (کانگریس) ۷۹۷۸
۳: جان محمد (آزاد) ۵۱۰۱
۴: پروین احمد (آزاد) ۳۶
۵: محمد رفیق (بی جے پی) ۱۳۲
۶: محمد منیر الدین (آزاد) ۱۱
۷: محمد رضوان (سی پی آئی ایم) ۷۳۸۹
۸: محمد شمیم (آزاد) ۱۲
۹: محمد ابراہیم (بی ایم ایس ایم) ۷۴
۱۰: محمد فاروق علی (آزاد) ۵۱
۱۱: محمد قاسم (آزاد) ۲۰۳
۱۲: محمد ملازم (آزاد) ۴۷
۱۳: روشن علی (آزاد) ۱۸
۱۴: شیخ اکبر (آزاد) ۳۷
۱۵: حاجی اشتیاق احمد (آزاد) ۱۶

وارڈ نمبر ۶۳:

کل ووٹ : ۲۹۷۵۷
دیئے گئے ووٹ : ۱۳۵۷۲
جائز ووٹ : ۱۳۲۵۶
باطل ووٹ : ۳۱۶

۱: محمد اسیر الدین (جنتادل) ۲۲۳۳
۲: کویتا رحمٰن (آزاد) ۱۷۳
۳: کشور زاویری (آزاد) ۱۰۷
۴: شیخ جلال (آزاد) ۱۰
۵: فتح چند اگروال (بی جے پی) ۲۵۶۲
۶: فیروز احمد (آزاد) ۳۳
۷*: راجیو دیب (کانگریس) ۷۹۴۱
۸: راجیش واگھنی (آزاد) ۱۱
۹: شیخ صنم (آزاد) ۱۰
۱۰: سادھو سرن رائے (آزاد) ۱۳
۱۱: سریندر کمار تیواری فارورڈ بلاک (ایس) ۶۳

وارڈ نمبر ۶۴: (برائے خواتین)

کل ووٹ : ۳۱۰۳۴
دیئے گئے ووٹ : ۱۹۹۴۲
جائز ووٹ : ۱۹۳۳۶
باطل ووٹ : ۶۰۶

۱: زہرہ رحمٰن (بی ایس پی) ۱۳۸
۲: لیلی دیب (سی پی آئی) ۹۰۵۴
۳*: ستی جہاں (کانگریس) ۱۰۰۸۵
۴: حسینہ بیگم (آزاد) ۵۹

واسڈ نمبر ۶۵

کل ووٹ: ۵۹۲۴۱
دیئے گئے ووٹ: ۳۵۰۱۶
جائز ووٹ: ۳۳۸۶۶
باطل ووٹ: ۱۱۵۰

۱: کرشنا گوپال کرپلی (بی جے پی) ۱۳۷۸
★ ۲: نیل رتن سنہا (آر ایس پی) ۱۷۵۷۳
۳: فیروز احمد (آزاد) ۸۶۰
۴: محمد علی (کانگریس) ۱۳۴۲۷
۵: شیخ عبدالرزاق (آزاد) ۵۱۱
۶: سپن بروا (آزاد) ۵۸
۷: ہیرن ساہو (آزاد) ۳۹

واسڈ نمبر ۶۶

کل ووٹ: ۵۳۱۸۳
دیئے گئے ووٹ: ۳۹۶۳۷
جائز ووٹ: ۳۸۵۱۲
باطل ووٹ: ۱۱۲۵

۱: ارون چودھری (آزاد) ۶۰
★ ۲: جاوید احمد خاں (آزاد) ۱۶۰۱۲
۳: ترشار کانتی گوہا (سی پی آئی ایم) ۱۴۹۱۲
۴: نرمل بوس (بی جے پی) ۷۴۱
۵: پنچ چندر داس (آزاد) ۶۴
۶: محمد عبدالصمد (آزاد) ۶۱
۷: محمد طارق علی (بی ایم ایس ایم) ۹۹
۸: رتن چٹرجی (آزاد) ۳۴
۹: شنکر گھوش (کانگریس) ۶۵۲۹

واسڈ نمبر ۶۷ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۴۱۵۸۵
دیئے گئے ووٹ: ۳۳۱۲۴
جائز ووٹ: ۳۲۲۸۳
باطل ووٹ: ۹۴۱

۱: کرشنا چکرورتی (کانگریس) ۱۳۶۱۷
★ ۲: کیا داس گپتا (سی پی آئی ایم) ۱۷۵۲۶
۳: جیوتسنا برمن (بی جے پی) ۱۰۳۱
۴: شانتا ہلدار (آزاد) ۱۰۹

واسڈ نمبر ۶۸

کل ووٹ: ۲۲۱۱۸
دیئے گئے ووٹ: ۱۴۵۰۳
جائز ووٹ: ۱۴۲۷۵
باطل ووٹ: ۲۲۸

۱: کمل کرشنا سرجی (بی جے پی) ۹۰۶
★ دھیرندر ناتھ بخشی (پانو) (سی پی آئی ایم) ۷۰۱۲
۳. بادل گیری (آزاد) ۵۷
۴: رپندرا ناتھ رس (کانگریس) ۶۳۰۰

واسڈ نمبر ۶۹

کل ووٹ: ۳۸۳۱۳
دیئے گئے ووٹ: ۲۳۶۵۴
جائز ووٹ: ۲۲۱۵۸
باطل ووٹ: ۱۴۹۶

۱: امیت چودھری (آزاد) ۱۵
۲: کارتک داس (آزاد) ۷۳
۳: دلیپ کمار سنگھ (سی پی آئی ایم) ۸۰۳۲
۴: دلیپ رائے (آزاد) ۱۹
۵: دلیپ سرکار (آزاد) ۸۲۸
۶: دلیپ سنگھ (آزاد) ۴۹
۷: ڈلال داس (آزاد) ۱۷
۸: دیبیش مجمدار (بی جے پی) ۱۱۴۳
۹: بمل بسواس (آزاد) ۱۸
۱۰: رام سوبھیت ماتو (آزاد) ۱۵
۱۱: شبجوئے گانگولی (آزاد) ۲۰
۱۲: شبراجی دے (ایس یو سی آئی) ۸۹۳
★ ۱۳: شنتو بمن باسو (کانگریس) ۱۱۰۱۶

واسڈ نمبر ۷۰ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۱۸۸۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۳۴۷۴
جائز ووٹ: ۱۳۲۶۸
باطل ووٹ: ۲۰۶

★ ۱: اپرنا نیوگی (کانگریس) ۷۶۴۰
۲: آشا مہتہ (آزاد) ۲۳
۳: اوشا دوشی (بی جے پی) ۷۹۹
۴: کیا سرکار (آزاد) ۲۶
۵: چھبی بنرجی (آزاد) ۲۴
۶: چھبی لاہا (آزاد) ۲۹
۷: پولی مجمدار (سی پی آئی ایم) ۴۷۲۰
۸: پرتیما بانک (آزاد) ۷

واسڈ نمبر ۷۱

کل ووٹ: ۳۱۲
دیئے گئے ووٹ: ۲۱۸۲۶
جائز ووٹ: ۲۱۴۶۶
باطل ووٹ: ۳۶۰

۱: گوتم بنرجی (سی پی آئی ایم) ۷۱۲۵
۲: تپن دھر (بی جے پی) ۹۳۰
۳: پریش چکرورتی (آزاد) ۵۶
★ ۴: پارتھا رائے چودھری (کانگریس) ۱۳۳۲۵
۵: رنجن کمار داس (آزاد) ۳۰

واسڈ نمبر ۷۲

کل ووٹ: ۲۳۳۳۷
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۰۸۸
جائز ووٹ: ۱۴۸۵۹
باطل ووٹ: ۲۲۹

۱*: اشوک کمار باگچی (کانگریس)	۱۰۲۱۷
۲: جھرنا دھارا داس (بی جے پی)	۸۳۰
۳: پورنیما داس (آزاد)	۲۲
۴: پردیپ چکرورتی (آزاد)	۱۶
۵: رتن مجمدار (سی پی آئی ایم)	۳۷۴۷
۶: سنیپ کمار رائے (آزاد)	۱۹
۷: سپن داس (آزاد)	۱۸

وارڈ نمبر ۷۳ (برائے خواتین)

کل ووٹ:	۲۳۸۸۴
دئے گئے ووٹ:	۱۷۱۶۳
جائز ووٹ:	۱۶۸۷۶
باطل ووٹ:	۲۸۷
۱: انجنا مکھرجی (بی جے پی)	۶۷۴
۲*: کاجل بنرجی (کانگریس)	۱۰۴۵۷
۳: دیبیش میتادے (آزاد)	۲۴
۴: برلو چٹرجی (آزاد)	۳۲
۵: بھارتی سین گپتا (سی پی آئی ایم)	۵۶۵۴
۶: سشمیتا داس (آزاد)	۱۰
۷: شرما بنرجی (آزاد)	۱۵

وارڈ نمبر ۷۴

کل ووٹ:	۳۴۹۰۰
دئے گئے ووٹ:	۱۸۵۰۹
جائز ووٹ:	۱۸۵۰۵
باطل ووٹ:	۰۴
۱: گیتا بھوٹے (آزاد)	۴۹
۲: تپن کمار شیل (آزاد)	۲۱
۳*: دیپ کمار گھوش (کانگریس)	۱۱۴۷۴
۴: نائک سارنگ (آزاد)	۱۱۰
۵: پردیپ کمار ساؤ (آزاد)	۲۱
۶: پرد بھاش ادھیکاری (آزاد)	۹
۷: پریم سنگھی (فارورڈ بلاک)	۴۸۷۹
۸: وشوا ناتھ پال (آزاد)	۹۱
۹: رتن رائے (سی پی آئی - ایم ایل)	۳۳۰
۱۰: شیامل کمار داس (آزاد)	۵۵
۱۱: سنیل کمار سومانی (بی جے پی)	۱۴۰۱
۱۲: ہریندر ناتھ سنگھ (فارورڈ بلاک - ایس)	۱۲۵

وارڈ نمبر ۷۵

کل ووٹ:	۲۱۰۸۴
دئے گئے ووٹ:	۱۴۲۷۴
جائز ووٹ:	۱۳۹۴۰
باطل ووٹ:	۳۳۴
*۱: ظہور الحق (سی پی آئی ایم)	۷۳۳۴
۲: دل سنگار یادو (کانگریس)	۲۷۶۶
۳: پرمود کمار گپتا (آزاد)	۲۸
۴: بھکاری پرساد سنگھ (آزاد)	۳۰
۵: ایم اے چاند (آزاد)	۱۹۷
۶: محمد مصطفیٰ (آزاد)	۲۰
۷: رادھے شیام سنگھ (بی جے پی)	۳۵۷۵

وارڈ نمبر ۷۶ (برائے خواتین)

کل ووٹ:	۲۱۹۷۱
دئے گئے ووٹ:	۱۵۶۰۰
جائز ووٹ:	۱۵۲۹۹
باطل ووٹ:	۳۰۱
۱: اپیتا بنرجی (آزاد)	۱۲۰۰
۲: آرتی گپتا (بی جے پی)	۲۲۶۱
۳: پاپیا گھوش (آزاد)	۵۵
۴: مہوا مکھرجی (سی پی آئی ایم)	۴۶۷۴
۵: مینا دیوی سنگھ (آزاد)	۲۳
۶*: رما بوس (کانگریس)	۷۰۵۱
۷: رشیدہ اسرائیل (آزاد)	۱۴
۸: شرمیلا بوس (آزاد)	۴
۹: شہانی بیگم (آزاد)	۱۹

وارڈ نمبر ۷۷

کل ووٹ:	۳۷۶۳۴
دئے گئے ووٹ:	۲۷۰۸۷
جائز ووٹ:	۲۶۴۱۳
باطل ووٹ:	۶۷۴
۱: کمال احمد خان (کانگریس)	۷۷۱۰
۲: پردیپ کمار سنگھ (بی جے پی)	۱۲۴۵
۳*: محمد الیاس اصلاحی (فارورڈ بلاک)	۱۳۹۶۴
۴: محمد شبیر احمد (آزاد)	۲۰۹۴

وارڈ نمبر ۷۸

کل ووٹ:	۴۳۲۰۹
دئے گئے ووٹ:	۲۹۶۱۳
جائز ووٹ:	۲۸۷۴۲
باطل ووٹ:	۸۷۱
۱: اودیش کمار گوڑ (آزاد)	۵۴۹
۲: عنایت مولا (کانگریس)	۸۴۶۳
۳: قطب الدین انور (بی جے پی)	۵۵۸
۴: زاہد اختر (ایس یو سی آئی)	۱۱۹۲
۵: محمد انیس الدولہ (آزاد)	۲۶۰۲
۶*: محمد یعقوب (فارورڈ بلاک)	۱۱۶۵۴
۷: حوصلہ پرساد (آزاد)	۳۷۲۴

وارڈ نمبر ۷۹ (برائے خواتین)

کل ووٹ:	۳۳۶۹۶
دئے گئے ووٹ:	۱۹۵۲۵
جائز ووٹ:	۱۸۹۲۸
باطل ووٹ:	۵۹۷
۱: وحیدہ رحمٰن (سی پی آئی ایم)	۴۱۱۲
۲: پاپیا گھوش (آزاد)	۲۴۹۱

٭۳: پاروتی دیوی (کانگریس) ۸۴۶۵
۴: شری داستو مجزا (بی جے پی) ۳۶۰۵
۵: رام ازیادیوی (آزاد) ۲۰۳
۶: سنیا بادھوری (آزاد) ۵۲

وارڈ نمبر ۸۰

کل ووٹ: ۲۹۶۸۳
دیے گئے ووٹ: ۱۷۷۵۹
جائز ووٹ: ۱۷۲۳۴
باطل ووٹ: ۵۲۵
۱: اوپیندر ناتھ رائے (سی پی آئی ایم) ۳۷۳۸
۲: کیدار ناتھ اپادھیائے (فارورڈ بلاک سوشلسٹ) ۸۱
۳: چندن شرما (آزاد) ۷۸
۴: ترون کنڈال (آزاد) ۱۹
۵: رجت کمار سین (آزاد) ۳۲
۶: رام اوتار سین (آزاد) ۲۹
۷: رام ناتھ یادو (بی جے پی) ۱۴۱۰
٭۸: رام پیارے رام (کانگریس) ۱۱۵۱۱
۹: شر بجا پرشاد رام (ایس یو سی آئی) ۱۷۹
۱۰: سلیش کمار سنگھ (آزاد) ۱۵۷

وارڈ نمبر ۸۱

کل ووٹ: ۳۳۴۷۱
دیے گئے ووٹ: ۲۳۷۴۸
جائز ووٹ: ۲۳۱۸۱
باطل ووٹ: ۵۶۷
۱: اشیش باسو (آزاد) ۱۱۶
۲: گوتم چودھری (بی جے پی) ۲۴۵۲
۳: گوتم موگھی (آزاد) ۹۱
۴: جیتو ساہا (آزاد) ۱۲۵
٭۵: تلسی داس مکھرجی (کانگریس) ۱۰۴۰۵
۶: پرشانت کمار گھوش (آزاد) ۱۱۷
۷: سنیل کمار کور (سی پی آئی) ۹۸۷۴

وارڈ نمبر ۸۲ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۳۴۶۳۷
دیے گئے ووٹ: ۲۶۱۱۰
جائز ووٹ: ۲۵۴۹۵
باطل ووٹ: ۶۱۵
۱: ارچنا دتہ (آزاد) ۳۶
۲: اولیا داس (سی پی آئی) ۱۱۲۴۵
۳: ڈالی دتہ (بی جے پی) ۹۹۸
٭۴: روبی دتہ (کانگریس) ۱۳۱۶۴
۵: شرما دے (آزاد) ۵۲

وارڈ نمبر ۸۳

کل ووٹ: ۲۱۷۹۰
دیے گئے ووٹ: ۱۵۸۸۹
جائز ووٹ: ۱۵۶۴۴
باطل ووٹ: ۲۴۵
٭۱: دلیپ مجدار (کانگریس) ۱۰۰۸۱
۲: رتھندرا گوین (آزاد) ۱۶۸
۳: شمبھو ناتھ باگ (آزاد) ۲۶
۴: سدھا دیپ مجدار (بی جے پی) ۴۹۹
۵: سخیب گھوش (آزاد) ۲۳
۶: ہیالشر چکرورتی (سی پی آئی ایم) ۴۸۴۷

وارڈ نمبر ۸۴

کل ووٹ: ۱۷۹۳۹
دیے گئے ووٹ: ۱۲۸۵۰
جائز ووٹ: ۱۲۵۸۲
باطل ووٹ: ۲۶۸
٭۱: انوپ کمار چٹرجی (کانگریس) ۸۱۷۵
۲: تاپش بنرجی (آزاد) ۲۸
۳: بمل چکرورتی (سی پی آئی ایم) ۳۶۸۴
۴: بیرلیش گوہا (آزاد) ۴۰
۵: مرلی داس (بی جے پی) ۶۶۷
۶: شیو پرشاد ساؤ (آزاد) ۸

وارڈ نمبر ۸۵ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۷۰۹۴
دیے گئے ووٹ: ۱۸۴۹۵
جائز ووٹ: ۱۸۰۴۶
باطل ووٹ: ۴۴۹
۱: کرشنا داس گپتا (آزاد) ۴۴۲۷
۲: پوترا چٹرجی (آزاد) ۲۶۹
٭۳: یشودھا گھوش (کانگریس) ۷۴۴۴
۴: ریتا تیرلوال (چکرورتی) (بی جے پی) ۱۰۱۱
۵: لکشمی اگنی ہوتری (فارورڈ بلاک) ۴۷۹۵
۶: صوود یتا داس (آزاد) ۷۳

وارڈ نمبر ۸۶

کل ووٹ: ۳۱۲۵۰
دیے گئے ووٹ: ۱۲۹۵۷
جائز ووٹ: ۱۲۶۷۷
باطل ووٹ: ۲۸۰
۱: گوتم ساہا چودھری (آزاد) ۳۳
۲: دگ بجے رائے چودھری (بی جے پی) ۱۰۱۵
۳: دیپک بندو پادھیائے (سی پی آئی ایم) ۳۳۳۲
٭۴: درگا پرساد مکھرجی (کانگریس) ۸۲۸۱
۵: بلائی چٹرجی (آزاد) ۱۶

وارڈ نمبر ۸۷

کل ووٹ: ۱۴۸
دیے گئے ووٹ: ۹۲۴۹
جائز ووٹ: ۹۰۷۳
باطل ووٹ: ۱۷۶
٭۱: نریندر موہن چٹرجی (کانگریس) ۵۱۷۶

۲۔ بمان کمار مترا (سی پی آئی ایم) ۱۹۵۸
۳: مرنال کانتی داس (بی جے پی) ۱۹۳۹

واسڈ نمبر ۸۸ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۱۸۰۳
دئے گئے ووٹ: ۱۷۰۶۵
جائز ووٹ: ۱۶۷۰۵
باطل ووٹ: ۳۶۰
۱: جے شری دتہ (سی پی آئی ایم) ۸۰۱۰
★۲: مالا رائے (کانگریس[آئی]) ۸۵۸۶
۳: رونا باسو (آزاد) ۴۴
۴: ساسوتی دے (آزاد) ۳۷
۵: شیلا داس (آزاد) ۲۸

واسڈ نمبر ۸۹

کل ووٹ: ۲۱۷۷۸
دئے گئے ووٹ: ۱۶۸۷۲
جائز ووٹ: ۱۶۵۸۰
باطل ووٹ: ۲۹۲
۱۔ تپن ملک (بی جے پی) ۱۳۲۶
★۲: رینیدرا ناتھ بنرجی (کانگریس[آئی]) ۷۵۹۷
۳ ڈاکٹر پرسند وجھا (سی پی آئی ایم) ۷۱۹۸
۴: ربندرا ناتھ چکرورتی (آزاد) ۴۵۹

واسڈ نمبر ۹۰

کل ووٹ: ۱۸۹۴۹
دئے گئے ووٹ: ۱۲۷۸۶
جائز ووٹ: ۱۲۵۱۹
باطل ووٹ: ۲۶۷
★۱۔ دیبندو لبسواس (کانگریس[آئی]) ۸۰۲۲
۲۔ پران کرشنا دتہ (آزاد) ۵۸
۳: ابیدیہ ناتھ باسک (آزاد) ۷۴
۴ بھاسکر داس گپتا (سی پی آئی) ۴۳۶۵

واسڈ نمبر ۹۱

کل ووٹ: ۲۹۹۰۷
دئے گئے ووٹ: ۲۳۳۱۸
جائز ووٹ: ۲۲۹۹۵
باطل ووٹ: ۳۲۳
۱: انجنا دتہ (بی جے پی) ۱۰۷۴
★۲: اناپرنا داس (سی پی آئی ایم) ۱۲۹۸۷
۳: بندنا پال (آزاد) ۹۸
۴: سدیپا گپتا (کانگریس[آئی]) ۹۸۳۶

واسڈ نمبر ۹۲

کل ووٹ: ۳۲۹۸۵
دئے گئے ووٹ: ۲۴۹۱۳
جائز ووٹ: ۲۴۴۳۵
باطل ووٹ: ۴۷۸
۱: ارون گھوش (آزاد) ۶۵
۲: کاویری لبراس (آزاد) ۷۹
۳: نارین پائن (سی پی آئی۔ ایم ایل) ۴۸۹
★۴: پنالال سکدر (سی پی آئی) ۱۲۰۳۸
۵: وکاش دیبناتھ (بی جے پی) ۱۳۰۲
۶: ساہا دیلو چٹرجی (کانگریس[آئی]) ۱۰۴۶۲

واسڈ نمبر ۹۳

کل ووٹ: ۴۲۰۱۳
دئے گئے ووٹ: ۲۸۸۷۸
جائز ووٹ: ۲۸۲۸۲
باطل ووٹ: ۵۹۶
۱: امبر رائے چودھری (سی پی آئی ایم) ۱۱۸۲۹
۲: مدن لال ساہا (بی جے پی) ۲۷۲۸
★۳: رتن دے (کانگریس[آئی]) ۱۳۶۲۷
۴: سجیت داس (آزاد) ۹۸

واسڈ نمبر ۹۴ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۹۷۲۹
دئے گئے ووٹ: ۱۴۵۲۷
جائز ووٹ: ۱۴۲۵۱
باطل ووٹ: ۲۷۶
★۱: اپیما داس گپتا (آر ایس پی) ۶۲۳۴
۲: منورا چودھری (بی جے پی) ۱۸۳۶
۳: مینو گائن (کانگریس[آئی]) ۶۱۸۱

واسڈ نمبر ۹۵

کل ووٹ: ۲۶۰۹۹
دئے گئے ووٹ: ۱۹۶۷۹
جائز ووٹ: ۱۹۳۶۵
باطل ووٹ: ۳۱۴
۱: اتپل گوہا (کانگریس[آئی]) ۸۲۹۱
۲: کیشب ساہا (بی جے پی) ۱۱۰۶
★۳: سنجے بنرجی (سی پی آئی ایم) ۹۹۶۸

واسڈ نمبر ۹۶

کل ووٹ: ۲۵۸۵۴
دئے گئے ووٹ: ۲۰۴۷۰
جائز ووٹ: ۲۰۲۲۸
باطل ووٹ: ۲۴۲
★۱: کلیندو شوم (سی پی آئی ایم) ۱۰۱۱۸
۲: دیپک مجمدار (کانگریس[آئی]) ۸۴۹۶
۳: بمل مجمدار (آزاد) ۲۳
۴: رمیش سرکار (بی جے پی) ۸۷۲
۵: سچن سین (آزاد) ۵۷۳
۶: شانتی گھوش (ایس یو سی آئی) ۱۳۹
۷: شانتی چکرورتی (آزاد) ۰۷

واسڈ نمبر ۹۷ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۷۹۵۶
دئے گئے ووٹ: ۲۱۳۰۹

جائز ووٹ : ۲۰۹۱۹
باطل ووٹ : ۳۹۰
۱۔ الیشانی لاہری (بی جے پی) ۱۳۷۶
۲۔ گریتا سین گپتا (سی پی آئی ایم) ۱۰۱۷۷
۳۔ ڈاکٹر (مس) ایلیا چکرورتی (کانگریس) ۹۳۶۶

وارڈ نمبر ۹۸
کل ووٹ : ۲۳۲۸۰
دیے گئے ووٹ : ۱۸۶۸۹
جائز ووٹ : ۱۸۳۹۷
باطل ووٹ : ۲۹۲
۱۔ ارچنا بھٹاچاریہ (سی پی آئی ایم) ۱۰۷۱۶
۲۔ رنتو گپتا (بی جے پی) ۷۲۱
۳۔ سبلش رنجن سین گپتا (کانگریس) ۶۹۶۰

وارڈ نمبر ۹۹
کل ووٹ : ۱۹۷۱۳
دیے گئے ووٹ : ۱۵۷۴۳
جائز ووٹ : ۱۵۴۵۹
باطل ووٹ : ۲۸۴
۱۔ ابھیجیت گپتا (آزاد) ۴۹
۲۔ نیلے چودھری (کانگریس) ۵۹۳۰
۳۔ واسودیو کرمکار (آزاد) ۵۰
۴۔ وشونندا داس گپتا (آر ایس پی) ۸۵۶۶
۵۔ سدیپتا مجمدار (بی جے پی) ۸۶۴

وارڈ نمبر ۱۰۰ (برائے خواتین)
کل ووٹ : ۲۳۷۱۵
دیے گئے ووٹ : ۱۷۵۷۶
جائز ووٹ : ۱۷۲۹۵
باطل ووٹ : ۲۸۱
۱۔ اوپرجیتا چکرورتی (کانگریس) ۷۶۰۰
۲۔ منجو بوس (سی پی آئی ایم) ۸۷۵۵
۳۔ مدھومیتا بھٹاچاریہ (بی جے پی) ۹۴۰

وارڈ نمبر ۱۰۱
کل ووٹ : ۲۵۰۰۱
دیے گئے ووٹ : ۲۰۸۷۵
جائز ووٹ : ۲۰۶۳۶
باطل ووٹ : ۲۳۹
۱۔ چندن گھوش دستیدار (سی پی آئی ایم) ۱۱۹۸۲
۲۔ بادل مجمدار (آزاد) ۱۰۹
۳۔ مرتیونجے منڈل (کانگریس) ۷۴۱۱
۴۔ شیامل سمدر (بی جے پی) ۱۴۳۴

وارڈ نمبر ۱۰۲
کل ووٹ : ۱۵۳۱۰
دیے گئے ووٹ : ۱۲۹۷۹
جائز ووٹ : ۱۲۷۸۱
باطل ووٹ : ۱۹۸
۱۔ گوپی کرشن گھوش (کانگریس) ۴۴۴۴
۲۔ روپا نکر چٹوپادھیائے (آزاد) ۳۷
۳۔ سانتونو چکرورتی (بی جے پی) ۷۱۰
۴۔ سمریندرا باسو (سی پی آئی ایم) ۷۵۹۰

وارڈ نمبر ۱۰۳ (برائے خواتین)
کل ووٹ : ۱۸۶۵۹
دیے گئے ووٹ : ۱۵۳۵۷
جائز ووٹ : ۱۵۰۴۴
باطل ووٹ : ۳۱۳
۱۔ سجھنا گھوش (سی پی آئی ایم) ۸۳۲۴
۲۔ بیلا ڈے (کانگریس) ۶۷۲۱

وارڈ نمبر ۱۰۴
کل ووٹ : ۲۲۹۴۰
دیے گئے ووٹ : ۱۷۹۹۶
جائز ووٹ : ۱۷۷۰۹
باطل ووٹ : ۲۸۷
۱۔ اشوک کرشنا چودھری (بی جے پی) ۷۳۹
۲۔ پردیپ مترا (کانگریس) ۹۷۸۵
۳۔ باباجن چکرورتی (آر ایس پی) ۱۰۰۰۵
۴۔ مالینا بخشی (سی پی آئی ایم ایل) ۱۹۰

وارڈ نمبر ۱۰۵
کل ووٹ : ۱۴۸۲۳
دیے گئے ووٹ : ۱۲۶۸۰
جائز ووٹ : ۱۲۵۰۳
باطل ووٹ : ۱۷۸
۱۔ انل کرشنا ملک (آزاد) ۱۷۹
۲۔ ربی داس (سی پی آئی ایم ایل) ۲۳۰
۳۔ سبیتا ٹھاکر (کانگریس) ۵۱۲۵
۴۔ سنیل چکرورتی (سی پی آئی ایم) ۶۹۶۸

وارڈ نمبر ۱۰۶ (برائے خواتین)
کل ووٹ : ۱۹۰۹۱
دیے گئے ووٹ : ۱۵۹۳۰
جائز ووٹ : ۱۳۶۲۹
باطل ووٹ : ۳۰۱
۱۔ میرو دے (آر ایس پی) ۷۹۷۷
۲۔ شیبانی مکھرجی (کانگریس) ۷۲۸۵
۳۔ سبیتا ہالدار (آزاد) ۳۶۷

وارڈ نمبر ۱۰۷
کل ووٹ : ۲۰۸۸۸
دیے گئے ووٹ : ۱۶۱۳۶
جائز ووٹ : ۱۶۷۵۱
باطل ووٹ : ۳۸۵
۱۔ کرشنا پدو مجمدار (بی جے پی) ۱۵۸۳
۲۔ گنیش گوہا ٹھاکرتا (سی پی آئی ایم) ۹۸۹۲
۳۔ شیتل دے (کانگریس) ۵۲۷۶

وارڈ نمبر ۱۰۸

کل ووٹ: ۱۱۱۷۲
دیئے گئے ووٹ: ۹۸۹۸
جائز ووٹ: ۹۷۲۷
باطل ووٹ: ۱۷۱
۱: انیمیش سرکار (بی جے پی) ۲۰۷
۲*: شانتی بھوشن گنگوپادھیائے (سی پی آئی ایم) ۶۰۰۷
۳: بولائی سماج پتی (کانگریس) ۳۳۹۷
۴: ہارن بیراگی (بی ایس پی) ۱۱۶

وارڈ نمبر ۱۰۹ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۸۹۶۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۶۰۲۰
جائز ووٹ: ۱۵۷۶۰
باطل ووٹ: ۲۶۰
۱: اوما چٹرجی (بی جے پی) ۵۰۱
۲: جے شری بھٹاچاریہ (کانگریس) ۵۳۹۷
۳*: بیوتی داس گپتا (سی پی آئی ایم) ۹۷۰۵
۴: پارول ہالدار (آزاد) ۱۵۷

وارڈ نمبر ۱۱۰

کل ووٹ: ۱۲۲۴۰
دیئے گئے ووٹ: ۹۸۲۶
جائز ووٹ: ۹۶۷۲
باطل ووٹ: ۱۵۴
۱*: اجول چٹوپادھیائے (سی پی آئی ایم) ۵۸۲۰
۲: گروپدو سین گپتا (کانگریس) ۳۳۵۵
۳: درگا پرشاد بیدیہ (بی جے پی) ۳۵۹
۴: مایا منڈل (آزاد) ۳۰
۵: سریندرناتھ بنرجی (آزاد) ۱۰۸

وارڈ نمبر ۱۱۱

کل ووٹ: ۱۸۳۸۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۵۹۴
جائز ووٹ: ۱۵۳۷۱
باطل ووٹ: ۲۲۳
۱: ریندرناتھ کنڈو (آزاد) ۲۵۸
۲: نریش مجمدار (آزاد) ۶۳۶
۳: پردیپ دتہ چودھری (کانگریس) ۴۹۳۰
۴*: بیریندرناتھ گھوش (سی پی آئی ایم) ۹۵۴۷

وارڈ نمبر ۱۱۲ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۹۱۵۷
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۰۸۰
جائز ووٹ: ۱۴۷۹۸
باطل ووٹ: ۲۸۲
۱: آرتی کنڈو (بی جے پی) ۱۱۰۷
۲: بینا گوہا (کانگریس) ۶۱۳۲
۳: بھدرانی دتہ (آزاد) ۲۰۰
۴*: کرشمی داس گپتا (فارورڈ بلاک) ۷۳۵۹

وارڈ نمبر ۱۱۳

کل ووٹ: ۱۹۰۲۰
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۸۰۹
جائز ووٹ: ۱۵۵۶۳
باطل ووٹ: ۲۴۶
۱*: گوپال رائے (کانگریس) ۷۲۴۴
۲: پروبھاش رائے (آزاد) ۱۸۷
۳: پرومود رنجن تعلقدار (سی پی آئی ایم) ۷۲۲۷
۴: مرن موئے داس (آزاد) ۳۳
۵: رام پرشاد بوس (بی جے پی) ۸۷۲

وارڈ نمبر ۱۱۴

کل ووٹ: ۲۰۳۰۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۷۸۶۲
جائز ووٹ: ۱۷۵۲۷
باطل ووٹ: ۳۳۵
۱*: امل مترا (سی پی آئی ایم) ۱۱۳۱۴
۲: بمل بسواس (آزاد) ۲۶۹
۳: ہارادھن بھٹاچاریہ (کانگریس) ۵۹۴۴

وارڈ نمبر ۱۱۵ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۳۱۸۲۳
دیئے گئے ووٹ: ۱۸۴۵۶
جائز ووٹ: ۱۸۱۷۵
باطل ووٹ: ۲۸۱
۱*: رتنا سور (کانگریس) ۸۷۰۷
۲: شیکھا کور (سی پی آئی ایم) ۸۲۲۲
۳: شرینی گھوش (بی جے پی) ۱۲۴۶

وارڈ نمبر ۱۱۶

کل ووٹ: ۲۰۲۵۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۵۳۹
جائز ووٹ: ۱۵۲۸۴
باطل ووٹ: ۲۵۵
۱: تپن مکھرجی (ایس یو سی آئی) ۶۰۸
۲*: تارک سنگھ (کانگریس) ۸۱۹۰
۳: پردیپ چکرورتی (سی پی آئی) ۶۴۸۶

وارڈ نمبر ۱۱۷

کل ووٹ: ۱۶۸۰۴
دیئے گئے ووٹ: ۱۲۹۳۶
جائز ووٹ: ۱۲۷۲۷
باطل ووٹ: ۲۰۹
۱: گوپال بارک (سی پی آئی ایم) ۵۲۹۲
۲: بھانو سمدر (بی جے پی) ۴۱۰
۳*: شیلی داس گپتا (کانگریس) ۷۰۲۵

وارڈ نمبر ۱۱۸ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۷۹۵۵

دیے گئے ووٹ : ۱۵۴۲۳
جائز ووٹ : ۱۵۱۴۰
باطل ووٹ : ۲۸۳
* ۱: اشوک منڈل (کانگریس) ۸۶۹۳
۲: کرشنا باسو (سی پی آئی ایم) ۵۷۵۲
۳: تمن تمن رائے (بی جے پی) ۴۴۲
۴: شرگد صادتہ (ایس یو سی آئی) ۲۵۳

وارڈ نمبر ۱۱۹

کل ووٹ : ۱۴۹۲۲
دیے گئے ووٹ : ۱۱۷۷۰
جائز ووٹ : ۱۱۶۰۶
باطل ووٹ : ۱۶۴
۱: باردبرن گوہا (بی جے پی) ۵۴۹
* ۲: بھولاناتھ سکھرجی (کانگریس) ۷۰۱۷
۳: ڈاکٹر ستیہ براتا کور (سی پی آئی ایم) ۴۰۵۰

وارڈ نمبر ۱۲۰

کل ووٹ : ۱۸۰۵۱
دیے گئے ووٹ : ۱۴۷۲۴
جائز ووٹ : ۱۴۴۸۶
باطل ووٹ : ۲۳۸
۱: پریش چٹرجی (سی پی آئی ایم) ۵۸۷۶
۲: بل مترا (ایس یو سی آئی) ۲۲۷
۳: سنتوش بسواس (بی جے پی) ۴۷۹
* ۴: ششانتو گھوش (کانگریس) ۷۹۹۴

وارڈ نمبر ۱۲۱ (برائے خواتین)

کل ووٹ : ۲۱۳۱۴
دیے گئے ووٹ : ۱۷۸۲۱
جائز ووٹ : ۱۷۵۶۲
باطل ووٹ : ۲۵۹
۱: کلپنا دتہ (آزاد) ۳۸
۲: تورشا رکانا چٹرجی (بی جے پی) ۶۵۴
۳: شکلا سین (سی پی آئی ایم ایل) ۱۴۳
۴: کرشنا بھٹاچاریہ (سی پی آئی ایم) ۸۲۷۷
* ۵: شربانی رائے (کانگریس) ۸۴۵۰

وارڈ نمبر ۱۲۲

کل ووٹ : ۲۳۰۳۹
دیے گئے ووٹ : ۱۹۸۶۵
جائز ووٹ : ۱۹۶۱۶
باطل ووٹ : ۲۴۹
۱: انوپ داس (بی جے پی) ۶۸۴
* ۲: جنار دھن بسواس (سی پی آئی ایم) ۱۰۱۰۷
۳: تپن دے (کانگریس) ۸۶۵۶
۴: ربندرا ناتھ چٹرجی (آزاد) ۱۷۱

وارڈ نمبر ۱۲۳

کل ووٹ : ۲۱۳۸۵
دیے گئے ووٹ : ۱۷۶۷۷
جائز ووٹ : ۱۷۳۷۴
باطل ووٹ : ۳۰۳
۱: دویجندر موندار (کانگریس) ۷۱۸۹
* ۲: سمر رائے چودھری (سی پی آئی ایم) ۹۴۵۸
۳: سوشیل برہما (بی جے پی) ۷۲۷

وارڈ نمبر ۱۲۴ (برائے خواتین)

کل ووٹ : ۲۲۵۸۶
دیے گئے ووٹ : ۱۸۹۹۲
جائز ووٹ : ۱۸۷۷۲
باطل ووٹ : ۲۲۰
۱: ڈالی مردھا (آزاد) ۵۰
۲: بیشاکھا ہلدار (بی جے پی) ۹۵۰
۳: ملیکا سرکار (کانگریس) ۸۱۶۳
* ۴: رما داس (سی پی آئی ایم) ۸۹۵۵
۵: ہیم پروبھا مجمدار (بی ایس پی) ۶۵۴

وارڈ نمبر ۱۲۵

کل ووٹ : ۲۷۰۲۲
دیے گئے ووٹ : ۲۲۳۸۰
جائز ووٹ : ۲۲۰۵۸
باطل ووٹ : ۳۲۲
* ۱: چترنجن داس (کانگریس) ۱۰۹۴۱
۲: نیوکمار بسواس (سی پی آئی ایم ایل) ۱۲۰
۳: پرنب کارپال (بی جے پی) ۸۲۴
۴: بلو پال (ایس یو سی آئی) ۱۳۱
۵: موہندرا ناتھ سمدر (بی ایس پی) ۱۷۸
۶: سرتھ رنجن گھوش دستیدار (سی پی آئی ایم) ۹۸۵۴

وارڈ نمبر ۱۲۶

کل ووٹ : ۲۱۹۲۱
دیے گئے ووٹ : ۱۷۸۵۵
جائز ووٹ : ۱۷۶۰۴
باطل ووٹ : ۲۵۱
۱: بکاش رائے چودھری (بی جے پی) ۶۰۹
* ۲: بپلب گوہا ٹھاکرتا (سی پی آئی) ۸۷۲۱
۳: شیاما داس رائے (کانگریس) ۸۲۷۴

وارڈ نمبر ۱۲۷ (برائے خواتین)

کل ووٹ : ۲۴۹۳۳
دیے گئے ووٹ : ۲۰۷۶۲
جائز ووٹ : ۲۰۴۸۸
باطل ووٹ : ۲۷۴
۱: پردیپتی کور (بی جے پی) ۵۰۱
۲: برناشری چکرورتی (ایس یو سی آئی) ۲۸۳
۳: میرا باسو (کانگریس) ۹۶۶۲
* ۴: رینا دھر (سی پی آئی ایم) ۱۰۰۴۲

وارڈ نمبر ۱۲۸

کل ووٹ: ۲۲۰۸۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۸۴۵۷
جائز ووٹ: ۱۸۱۹۲
باطل ووٹ: ۲۶۵
۱: امل سیناپتی (کانگریس) ۶۷۷۴
*۲: رنجنا رائے مجمدار (سی پی آئی ایم) ۱۰۰۹۹
۳: شیخ شاہ عالم علی (سی پی آئی ایم ایل) ۱۱۸
۴: ہیرک چکرورتی (بی جے پی) ۱۲۰۱

وارڈ نمبر ۱۲۹

کل ووٹ: ۲۷۵۵۶
دیئے گئے ووٹ: ۲۳۵۹۷
جائز ووٹ: ۲۳۲۲۴
باطل ووٹ: ۳۳۳
*۱: انجن داس (کانگریس) ۱۱۷۹۴
۲: دلیپ چکرورتی (بی جے پی) ۶۲۸
۳: دیپک گوہا (سی پی آئی ایم) ۱۰۳۶۰
۴: دھیرج بنرجی (آزاد) ۵۷
۵: پریتوش بھٹاچاریہ (سی پی آئی ایم ایل) ۱۰۱
۶: بیجون باجرا (ایس یو سی آئی) ۲۹۲

وارڈ نمبر ۱۳۰ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۲۰۹۰۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۶۴۸۹
جائز ووٹ: ۱۶۲۸۸
باطل ووٹ: ۲۰۱
۱: ممتا مترا (بی جے پی) ۶۵۲
۲: ماسری چٹرجی (آر ایس پی) ۷۰۹۱
*۳: شری لا بنرجی (کانگریس) ۸۵۲۹
۴: شیلا گھوشال (آزاد) ۴۶

وارڈ نمبر ۱۳۱

کل ووٹ: ۲۳۳۱۳
دیئے گئے ووٹ: ۱۸۶۴۴
جائز ووٹ: ۱۸۳۸۰
باطل ووٹ: ۲۶۴
۱: ادھیر کمار رائے (سی پی آئی ایم) ۷۷۶۳
۲: امل بوس (بی جے پی) ۶۸۳
*۳: رادھا رمن گھوش (کانگریس) ۹۹۳۴

وارڈ نمبر ۱۳۲

کل ووٹ: ۲۲۰۶۳
دیئے گئے ووٹ: ۱۷۹۷۷
جائز ووٹ: ۱۷۶۹۳
باطل ووٹ: ۲۸۶
۱: آنند کمار سنگھ (بی جے پی) ۴۶۹
۲: نیائی گنگولی (آزاد) ۳۹
*۳: شانتی رنجن پال (سی پی آئی ایم) ۷۷۱۸
*۴: ترون چٹرجی (کانگریس) ۹۴۵۳
۵: سپن کمار چٹرجی (آزاد) ۱۴

وارڈ نمبر ۱۳۳ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۳۸۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۴۳۵۶
جائز ووٹ: ۱۴۰۳۰
باطل ووٹ: ۳۲۶
*۱: کلپنا مجمدار (سی پی آئی ایم) ۷۳۹۸
۲: ریتا سنکر (کانگریس) ۶۱۴۴
۳: شکھا چکرورتی (بی جے پی) ۴۸۸

وارڈ نمبر ۱۳۴

کل ووٹ: ۲۴۷۶۰
دیئے گئے ووٹ: ۱۶۹۰۰
جائز ووٹ: ۱۶۳۴۴
باطل ووٹ: ۵۵۶
۱: اکبر (آزاد) ۲۵۰
۲: عزیز الحق (آزاد) ۲۸
۳: انعام الرحمٰن (آزاد) ۱۱۹
۴: وجے گپتا (بی جے پی) ۲۳۵
۵: محمد عالم (اے این پی) ۴۴
۶: سمیع حسین (ڈبلیو پی ایم ایل) ۳۴
*۷: سلطان حسین (کانگریس) ۸۳۸۷
۹: حبیب الرحمٰن (سی پی آئی ایم) ۷۱۵۹
۸: سیوا لال (بی ایس پی) ۸۸

وارڈ نمبر ۱۳۵

کل ووٹ: ۲۱۲۵۹
دیئے گئے ووٹ: ۱۵۳۱۷
جائز ووٹ: ۱۴۸۲۶
باطل ووٹ: ۴۹۱
۱: اندرانیل چکرورتی (اے این پی) ۶۹
۲: ایچ ایم نظیر الدین (سی پی آئی) ۳۲۲۰
۳: خلیل قمر (آزاد) ۳۸
۴: جاوید (آزاد) ۷۵۱
۵: محمد رفیق انصاری (آزاد) ۳۷
۶: مجتبیٰ عالم (آزاد) ۶۰۱
*۷: شمس الزماں انصاری (کانگریس) ۱۰۱۱۰

وارڈ نمبر ۱۳۶ (برائے خواتین)

کل ووٹ: ۱۶۴۷۵
دیئے گئے ووٹ: ۱۲۷۵۳
جائز ووٹ: ۱۲۴۶۸
باطل ووٹ: ۲۸۵
۱: درگا گھوش (بی جے پی) ۴۲۵
*۲: شکلا داس (کانگریس) ۶۱۱۰
۳: سندھیا سرکار (سی پی آئی ایم) ۵۹۲۳

وارڈ نمبر ۱۳۷

کل ووٹ: ۱۴۱۹۵

دیے گئے ووٹ:	۱۰۵۷۲
جائز ووٹ:	۱۰۲۵۳
باطل ووٹ:	۳۱۹
۱: عبدالمنان (سی پی آئی)	۳۵۵۹
۲: مشرا پادھیا ناتھ (آزاد)	۶۶
۳*: محمد امین انصاری (آزاد)	۵۳۱۹
۴: رینو کماری رائے (بی جے پی)	۵۸۱
۵: شیو نرائن سنگھ (کانگریس)	۷۲۸

وارڈ نمبر ۱۳۸

کل ووٹ:	۱۹۰۳۵
دیے گئے ووٹ:	۱۳۶۳۵
جائز ووٹ:	۱۳۲۵۷
باطل ووٹ:	۳۷۸
۱: عبدالحنان (آزاد)	۹۴۵
۲: علاء الدین ملا (اے این پی)	۳۴۱۸
۳*: اقبال حسین (سی پی آئی ایم)	۵۷۸۳
۴: تپن مکھرجی (آزاد)	۸۱
۵: محمد امین (کانگریس)	۲۸۸۳
۶: مصباح الدین منڈل (آزاد)	۱۴۷

وارڈ نمبر ۱۳۹ (برائے خواتین)

کل ووٹ:	۲۲۲۳۸
دیے گئے ووٹ:	۱۶۵۲۶
جائز ووٹ:	۱۶۱۲۷
باطل ووٹ:	۳۹۹
۱: بی بی (پی ایم ایس ایم)	۱۱۸
۲: رنگیلا بانو (آئی یو ایم ایل)	۲۶۸
۳: رابعہ خاتون (اے این پی)	۲۲۸۳
۴: شبنم بیگم (کانگریس)	۳۳۷۴
۵*: سلمیٰ (سی پی آئی ایم)	۱۰۰۸۴

وارڈ نمبر ۱۴۰

کل ووٹ:	۱۶۳۴۵
دیے گئے ووٹ:	۱۳۳۱۶
جائز ووٹ:	۱۲۹۴۸
باطل ووٹ:	۳۶۸
۱: آفتاب عالم (آزاد)	۲۵۶
۲*: عبدالعلی (سی پی آئی ایم)	۷۱۲۰
۳: زین العابدین (اے این پی)	۳۵۷۶
۴: ملا اکبر (کانگریس)	۱۹۹۶

وارڈ نمبر ۱۴۱

کل ووٹ:	۱۷۴۸۴
دیے گئے ووٹ:	۱۴۲۳۹
جائز ووٹ:	۱۳۹۴۶
باطل ووٹ:	۲۹۳
۱*: ڈاکٹر اناتھ بندھو مائتی (آزاد)	۳۴۴۷
۲: ایس ایم رفیق الاسلام (کانگریس)	۲۶۳۷
۳: جیوتی پرکاش سرکار (سی پی آئی)	۱۸۱۴
۴: نمائی لسکر (آزاد)	۴۶
۵: معین الحق چودھری (اے این پی)	۳۱۴۶
۶: سپن کمار پال (آزاد)	۲۸۵۶

نوٹ:

اے بی ایچ ایم ایس	اکھل بھارتیہ ہندو مہاسبھا	سی پی آئی ایم	کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (مارکسی)
اے این پی	عوامی نیشنل پارٹی	سی پی آئی ایم ایل	〃 〃 〃 〃 (مارکس لینن)
بی جے پی	بھارتیہ جنتا پارٹی	آئی یو ایم ایل	انڈین یونین مسلم لیگ
بی ایس پی	بہوجن سماج پارٹی	آر ایس پی	ریولیوشنری سوشلسٹ پارٹی
کانگریس	آئی این سی، انڈین نیشنل کانگریس	ایس یو سی آئی	سوشلسٹ یونٹی سنٹر آف انڈیا
سی پی آئی	کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا	ڈبلیو بی ایم ایل	ویسٹ بنگال مسلم لیگ

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ یکم اگست ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۵

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ: دس روپئے ★ نصف سالانہ: پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶/۲ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext: 710

ترتیب

وزیراعلیٰ کی سفر بیرون سے واپسی

۳۴۰۰ کروڑ روپئے کے معاہدوں پر دستخط ہوئے

۱: ڈسلڈورف میں ۱۴ر جون ۱۹۹۵ء کو ریلائنس انڈسٹریز لمیٹڈ اور آئی جی ایچ نے ٹکنالوجی، آلات، کنورٹرس وغیرہ کی فراہمی کے سلسلے میں تقریباً ۱۱۵ ملین ڈالر پروجیکٹ کردہ سرمایہ کاری کے ساتھ کھڑگپور کے قریب ایک ۳۰۰۰ ٹن انٹیگریٹیڈ اسٹیل پلانٹ کے لئے ایک سمجھوتہ پتر (ایم او یو) پر دستخط کیا ہے۔

۲: لندن میں ۱۸ر جون ۱۹۹۵ء کو جامپڈانی انڈسٹریز لمیٹڈ اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے تقریباً ۸ ملین ڈالر کی لاگت پر دارجلنگ ضلع میں ڈومینی ہائیڈل پروجیکٹوں کی تعمیر کے سلسلے میں ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۳: لندن میں ۱۹ر جون ۱۹۹۵ء کو آر پی جی گروپ۔ رولس رائس اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے ۱۱ ملین ڈالر کی لاگت پر ایک پاور پلانٹ سیمولیٹر کے قیام کے سلسلہ میں ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۴: لندن میں ۱۹ر جون ۱۹۹۵ء کو آر پی جی گروپ اور اے این زیڈ گرنڈلیز بینک نے مغربی بنگال میں بال گڑھ پاور پلانٹ کے لئے ۲۲۵ ملین ڈالر کی لاگت پر مذکورہ بالا بینک کی جانب سے آر پی جی گروپ کو سپلائرس کریڈٹ کے سلسلے میں ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔ اس موقع پر وزیراعلیٰ مغربی بنگال، مسٹر لیکر ڈینڈھم، وزیر تجارت دولت مشترکہ (یونائیڈ کنگڈم) اور رولس رائس کے نمائندے موجود تھے۔

۵: بی او سی انڈیا لمیٹڈ اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے تقریباً ۲۰ ملین ڈالر کی سرمایہ کاری پر مغربی بنگال میں ایک صنعتی گیس بنانے والی اکائی کے قیام کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۶: پراکسیئر انک اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے تقریباً ۳۵ ملین ڈالر کی لاگت پر مغربی بنگال میں ایک صنعتی گیس بنانے والی اکائی کے قیام کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۷: ریلائنس انڈسٹریز لمیٹڈ اور بی او سی انڈیا لمیٹڈ نے تقریباً دس ملین ڈالر کی لاگت پر کھڑگپور کے قریب مجوزہ ۱۵۰۰۰ ٹن انٹیگریٹیڈ اسٹیل پلانٹ کی ایک ریفائنری کے سلسلے میں ایک آکسیجن پلانٹ کے قیام کے لئے ایک دورخی سمجھوتہ پر دستخط کیا ہے۔

۸: ٹیک کارپوریشن اور پیئرلیس جنرل فینانس اینڈ انوسٹمنٹس لمیٹڈ نے تقریباً ۱۰ ملین ڈالر کی لاگت پر ایک فوڈ پروسیسنگ یونٹ کے قیام کے لئے دورخی بنیاد پر ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۹: ٹیک کارپوریشن اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے تقریباً ۸ ملین ڈالر کے خرچ پر مغربی بنگال میں پروسیسڈ فوڈ پلانٹ کے قیام کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۱۰: یونیورسل انفرااسٹرکچرس لمیٹڈ (کناڈا لمیٹڈ) اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے ۳۰۰ ملین ڈالر کی مجوزہ سرمایہ کاری پر کلپی مائنر پورٹ کے مقام پر ایک ۳۰۰ میگاواٹ پاور پلانٹ کی تعمیر کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۱۱: یونیورسل انفرااسٹرکچرس لمیٹڈ اور ڈبلیو بی آئی ڈی سی نے اس ریاست میں بی او ٹی سوپر ایکسپریس ویز کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے (بہرکیف اس سمجھوتہ پتر کی رو سے ڈبلیو بی آئی ڈی سی یا ریاستی حکومت کو اس ریاست میں کہیں بھی دیگر ایجنسیوں کے ساتھ مذکورہ بالا طرز کے پروجیکٹوں پر عمل کرنے پر کسی طرح کی کوئی روک یا بندش نہیں لگے گی۔

۱۲: آر پی جی گروپ اور شینس ریٹا الیوسی ایٹس نے ۱۰ ملین ڈالر کی مجوزہ سرمایہ کاری پر کلکتہ میں ایک آنکھ کے اسپتال کے قیام کے لئے

ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا گیا ہے۔

۱۳: وپل اور شیلی ڈیک یو ایس اے نے تقریباً ۵ ملین ڈالر کی مجوزہ لاگت پر اطلاعاتی ٹکنالوجی اور ملٹی میڈیا کے سلسلے میں کلکتہ میں ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۱۴: ٹیٹاگرھ اسٹیلس لمیٹڈ اور یو ایس اے کے کرین والوس نے گھریلو اور بیرونی بازار کے لئے صنعتی والوس اور کنٹرول آلات بنانے کے سلسلے میں ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔ مذکورہ یونٹ مغربی بنگال میں قائم کی جائے گی اور اس پر ۳۵ ملین ڈالر کی لاگت آئے گی۔

۱۵: پیرلیس جنرل فنانس اینڈ انوسٹمنٹس لمیٹڈ نے رقم کی انتقال پذیری / منتقلی اور دیگر مالی خدمات میں مزید اضافے کے سلسلے میں وسٹرن یونین فنانشیل سروسز لمیٹڈ کے ساتھ ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۱۶: سریٹی انٹرنیشنل اور ڈیلٹا کارپوریشن یو ایس اے نے صنعتی والوس بنانے کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔ مذکورہ یونٹ فالتا میں قائم کی جائے گا اور اس پر ۱۵ ملین ڈالر کی لاگت آئیگی۔

۱۷: بنگال واٹر پروف اور میڈروڈ کے بیج مل گروپ مغربی بنگال میں ایک ۵۰ ملین ڈالر ملٹی میڈیا پروجیکٹ قائم کرنے پر راضی ہوئے ہیں۔

۱۸: پیرلیس گروپ نے اس علاقہ میں ایک طویل مدتی ہمکاری / شراکت کے سلسلے میں سوفٹ ویئر میں ڈیل کرنے والی امریکہ کی ایک کمپنی بنام میکسیجن ایس آئی اروَن کے ساتھ اپنے تعلقات میں مزید اضافہ کیا ہے۔ پہلے سال کے دوران تقریباً ۸ ملین ڈالر کی سوفٹ انڈسٹری کی درآمد کے سلسلے میں کی مینجمنٹ گروپ، نیویارک اور پیرلیس گروپ نے انتظامات کو حتمی شکل دی۔ تیسرے سال کے دوران اس کی وجہ سے اس علاقہ میں ۳۰ ملین ڈالر کے اضافہ کی توقع کی جاتی ہے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ کلکتہ میں پیرلیس کے اس قیام سے کم از کم ۲۰۰ فٹ ویئر انجینئروں کو ملازمت ملے گی۔

۱۹: ایسٹ انڈیا فارماسیٹیکلس نے ۲٫۵ ملین ڈالر والی ایک مشترکہ مہم پر میڈیکل بینڈل سپلائرس بنانے کے لئے ایک یو ایس کی کمپنی کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے۔ مذکورہ یونٹ کے قیام سے تقریباً ۱۵۰ افراد کو ملازمت ملے گی۔

۲۰: پیرلیس اور کارڈبرج یو ایس اے نے ویدیکا نند اسیتو کے قریب ایک مقام پر ہگلی ندی پر ایک تیسرے پل کی مشترکہ تعمیر کے لئے ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کئے ہیں۔ کارڈبرج نے پہلے ہی حکومت ہند کی سرفیس ٹرانسپورٹ کی وزارت سے لازمی ایل او آئی حاصل کرلیا ہے۔ اس پروجیکٹ پر تقریباً ۲۰۰ ملین ڈالر کی لاگت آئے گی۔

۲۱: ڈیولپمنٹ کنسلٹنٹس لمیٹڈ ہوراٹن پبلیشرس نے کلکتہ سے رسائل کی اشاعت کے سلسلے میں ایک سمجھوتہ پتر پر دستخط کیا ہے۔

۲۲: چندہ کیمیکلس لمیٹڈ نے تقریباً ۳ ملین ڈالر کی پروجیکٹ کردہ لاگت پر ایملشن اڈھیسیو بنانے کے لئے ایک یو ایس کی فرم کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے۔

۲۳: پی سی چندرا گروپ نے تقریباً ۵ ملین ڈالر کی پروجیکٹ کردہ لاگت پر ایک گولڈ جیولری برآمداتی یونٹ کے قیام کے سلسلے میں ایک امریکی کمپنی کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے۔

۲۴: اے جی سی انڈیا لمیٹڈ نے مغربی بنگال سے برآمدات کے واسطے سامانوں کی لوجسٹکس اور ملٹی ماڈل ٹرانسپورٹ سے متعلق ٹیکنیکل اشتراک کے لئے کے اوجی ٹرانسپورٹ انک کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کیا ہے۔

۲۵: آئی ایف بی لمیٹڈ ایک یو ایس کی کمپنی کے اشتراک سے ہلدیہ میں تقریباً ۱۰۰ ملین ڈالر کی پروجیکٹ کردہ لاگت پر ایک پیٹرو کیمیکل ڈاؤن اسٹریم یونٹ قائم کرنے والی ہے۔

۲۶: الیکٹرانکس، سافٹ ویئر، آئرن اور اسٹیل تیار کرنے اور پر مبنی اکائیوں، ہسپتالوں، تربیتی اداروں، سولڈ ویسٹ ٹریٹمنٹ، غیر رسمی انرجی وغیرہ کے علاقوں میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی ہیں اور جلد ہی ان تجاویز پر کارروائیاں کی جائیں گی۔

مذکورہ بالا مخصوص پروجیکٹوں کو تقریباً ۴٫۱ ملین ڈالر کی مجوزہ لاگت پر ۲ / جولائی ۱۹۹۵ء تک مختلف سکٹروں سے منسلک کردیا گیا ہے

پروجیکٹوں کی بروقت تکمیل کے لئے نگراں کمیٹی کی تشکیل

ریاست میں مقررہ مدت کے اندر متعدد پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک لانے کے لئے ایک مخلوط نگراں کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی آئی ڈی سی کے چیئرمین شپ میں شعبۂ صنعت کے ڈائرکٹر، وزیر اعلیٰ کے سکریٹری، بنگال چیمبر آف کامرس، انڈین چیمبر آف کامرس اور کنفیڈریشن آف انڈین انڈسٹریز (ایسٹرن ریجن) کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی جو لئے گئے پروجیکٹوں کی مقررہ مدت کے اندر تکمیل کے لئے کاموں کی دیکھ ریکھ کرے گی۔

مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (ڈبلیو بی آئی ڈی سی) کے چیئرمین شری سومناتھ چٹرجی نے وزیر اعلیٰ کے سفر بیرون سے واپسی کے بعد کلکتہ میں اس بات کا اعلان کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس سے مغربی بنگال میں صنعت کاری کی رفتار کو تیز کئے جانے اور قومی تناسب کے ۴۰ فیصد دستخط شدہ معاہدوں میں جس پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے تیزی لانے کا عمل آسان ہوگا۔

شری سومناتھ چٹرجی نے امید ظاہر کی ہے کہ اس ٹاسک فورس سے اس بات کی ضمانت دی جائے گی کہ پروجیکٹوں کی تکمیل میں کسی قسم کی تاخیر کی اجازت نہیں ہوگی۔ چیف سکریٹری یہ دیکھیں گے کہ کمیٹی کی معرفت جانے والی تمام تجاویز کمیٹی نے چلتا کر دیا ہے۔

ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے چیئرمین شری سومناتھ چٹرجی وزیر اعلیٰ کے ساتھ بیرون سفر جانے والوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تجارتی وفد اس نقطۂ نظر سے کم و بیش کامیاب ہے کہ اس نے مغربی بنگال کو سرمایہ کاری کے قابل ریاست کے طور پر پروجیکٹ کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مشہور بین الاقوامی مشیر مسٹر آر تھرڈی لیسٹل جنہوں نے حال ہی میں ریاست میں سرمایہ کاری کے ماحول کا جائزہ لیا تھا مغربی بنگال میں ضروری بنیادی سہولتوں کا جائزہ لینے کے لئے راضی ہو گئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ کا آشا پرنا دیوی کی موت پر اظہارِ تعزیت

۱۹۲۲ء سے مسلسل ساٹھ برسوں سے زائد عرصہ تک لکھنے والی مشہور بنگالی ادیبہ آشا پرنا دیوی کا حال ہی میں انتقال ہو گیا۔ انہوں نے ۱۷۶ سے زائد ناول لکھے اور متعدد افسانوں کی تخلیق کی۔ انہوں نے بچوں کے لئے بے شمار کہانیاں اور نظمیں بھی لکھیں۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں مردوں کی اجارہ داری میں چلنے والے سماج میں عورتوں کی سرگزشت کو بڑے قاعدے سے پیش کیا ہے جس میں اپیل ہے پورے سماج کو جھنجھوڑ دینے والا احتجاج۔ انہوں نے متوسط طبقہ کی بنگالی خواتین کی زندگی کا خاکہ جس طرح اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثال بنگلہ ادب میں نہیں ملتی۔ ان کی تحریر میں انسانیت کا درد جا بجا مضمر نظر آتا ہے۔

ان کی موت بنگلہ ادب کا ایک عظیم نقصان ہے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مشہور ادیبہ آشا پرنا دیوی کی موت سے بنگلہ ادب میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ان کا انسانی نظریہ اور یگانہ طرزِ تحریر بنگلہ ادب کے سرمایہ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے ان کے سوگوار خاندان کے افراد کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

وزیر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے بھی ان کی موت پر اپنے پیغام تعزیت میں کہا ہے کہ مجھے نامور بنگلہ ادیبہ آشا پرنا دیوی کے گزر جانے کی خبر سے انتہائی صدمہ ہوا۔ انہوں نے اپنی پوری ادبی زندگی میں بڑی مہارت کے ساتھ متوسط طبقہ کے بنگالیوں کی زندگی کی تصویر پیش کی ہے۔ ان کی ہمدردی کا احساس اور پھر اس کی قوت اظہار نے ان کو بے پناہ شہرت بخشی۔

بچہ مزدور کے استحصال کو دور کرنے کیلئے خصوصی اقدامات کی ضرورت ہے

مغربی بنگال کے وزیر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے گزشتہ ۶ر جولائی کو سلی گوڑی کے دینابندھو منچ میں بچہ مزدور پر منعقدہ ایک سیمینار کا افتتاح کیا۔ اس سیمینار کا انعقاد ریاستی شعبہ محنت نے کیا تھا۔ سیمینار میں گورنر موصوف کے علاوہ وزیر بلدیاتی امور شری اشوک بھٹاچاریہ، وزیر ریاست برائے حیوانی وسائل شری تامنگ دادالاما، انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کے نمائندے شری ہیرک گھوش، شعبہ محنت کے پرنسپل سکریٹری شری پی چودھری اور لیبر کمشنر شری سرلشی داس نے شرکت کی۔

گورنر شری کے وی رگھوناتھ ریڈی نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ بچہ مزدوروں کا نظام دنیا بھر میں رائج ہے۔ یہ لوگ تعلیم، غذائیت اور زندگی کی بنیادی تفریحات سے محروم ہیں۔ انہیں ان تمام بنیادی چیزوں سے مستفید کرنا چاہیئے جو دستورِ ہند کے ہدایاتی اصولوں میں موجود ہیں اور انہیں تمام زیادتیوں سے محروم رکھنا چاہیئے۔ ان کی غربت کو دور کرنے کے لئے خاص اور موثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ ریاستی حکومت نے بہت سے خصوصی اقدامات کئے ہیں اور اس سلسلے میں ایک مشاورتی کمیٹی بھی بنائی ہے۔ گورنر موصوف نے آئی ایل او کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نجی تنظیموں کو اس سماجی لعنت کو دور کرنے کے لئے خصوصی پروگراموں کے ساتھ آگے آنا چاہیئے۔

اس موقع پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے ارسال کردہ ایک پیغام میں کہا کہ موجودہ سماجی۔ معاشی حالات میں بچہ مزدوری نظام زوروں سے رائج ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہ سیمینار ان مسائل کے حل پر روشنی ڈالے گا۔

ریاستی وزیر شری شانتی گھٹک نے اپنی تقریر میں کہا کہ بچہ مزدور ملک بھر میں مختلف تجارتی کاموں میں سرگرم عمل ہیں۔ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کی جانب سے پیش کردہ بچہ مزدور ایکٹ، ۱۹۸۱ء پر سبھی ملکوں میں عمل نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سبھوں کو بچہ مزدور نظام کے خاتمہ کے لئے حتی الامکان کوشش کرنی ہے لیکن یہ ایک دن میں نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ بچہ مزدور ان کے لئے مخصوص ترقیاتی کاموں سے مستفید نہیں ہو پاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں ضلع پریشدوں، میونسپل بورڈوں، صحت، محنت اور اطلاعات و ثقافتی امور کے شعبوں پر مشتمل ایک کمیٹی کو تشکیل دی جائے گی۔

انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے نمائندے شری ہیرک گھوش نے کہا کہ فیکٹری ایکٹ، ۱۸۸۱ء میں پہلی بار بچہ مزدوروں کی عمر کم از کم سات سال مقرر کی گئی تھی۔ اس کے بعد اس ایکٹ میں کئی بار تبدیلی لائی گئی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ چائے باغات سے بچہ مزدوروں کے استحصال کو دور کیا جاسکے گا۔

شری تامنگ دادالاما نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ریاستی حکومت نے بچہ مزدوری اور ان کے استحصال کو ختم کرنے کے لئے مختلف اقدامات کئے ہیں۔

شری اشوک بھٹاچاریہ نے کہا کہ اس ملک میں ایک ہزار بچوں میں سے اسّی بچے بے توجہی کی وجہ سے مرجاتے ہیں اور دنیا بھر میں تقریباً چالیس ہزار بچوں کی اندرونی بیماریوں کی وجہ سے موت ہوجاتی ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں رضاکار تنظیموں سے تعاون کی درخواست کی اور دستورِ ہند میں درج ہدایاتی اصولوں کو سختی سے اپنانے کی ضرورت پر زور دیا۔

سیمینار کے بعد ضلع پریشدوں کے منتخب امیدواروں، میونسپل بورڈوں اور شمالی بنگال کے ضلع انتظامیہ کے ساتھ بات چیت کے لئے ایک نشست منعقد ہوئی جس میں اہم شخصیتوں نے شرکت کی ●●

آمدنی وروزگار کے مواقع پیدا کرنے کی اسکیموں پر زور دینے کی ضرورت ہے

گزشتہ ۱۴ جون کو نئی دہلی کے وگیان بھون میں ریاستی وزرا کی قومی کانفرنس میں گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے ریاستی وزیر شری پرابیر سین گپتا نے جو تقریر کی تھی اس کا متن اختصار کے ساتھ پیش ہے۔ شروع میں وزیر موصوف نے اس مخصوص پہلو پر روشنی ڈالی جس نے نہ صرف مغربی بنگال میں روبہ عمل لائی جانے والی پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیم کی کامیابی پر بلکہ ہندستان کے ایس ایس آئی سکٹر کی آئندہ صحت سے متعلق امور پر بھی اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے؛

ایس ایس آئی سیکٹر کی حریت پسندی و مستقبل: ایس ایس آئی سیکٹر کو ہماری معیشت میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ زرعی میدان کے باہر یہ روزگار اور خود روزگار (شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں) کے لئے زیادہ سے زیادہ ممکن مواقع فراہم کرتا ہے۔ مذکورہ سیکٹر کے پاس مضبوط اور خود بقا بخش معاشی نشوونما کی تشکیل کے لئے عظیم ترین امکان ہے اور ہمارے پیداواری سامانوں میں ۴۰ فیصد زائد اور ہماری برآمدات میں تقریباً ۳۴ فیصد میں یہ اپنا تعاون پیش کر چکا ہے۔

ہندستانی معیشت کی حریت پسندی اور گلوبالائزیشن کی جانب حالیہ فیصلوں نے نہایت ہی تشویشناک مسائل پیدا کئے ہیں ہم مجبور ہیں یہ فرض بنتا ہے کہ ہم سب مذکورہ مسائل کو واضح طور پر سمجھیں۔ مذکورہ فیصلے جیسا کہ کہا جاتا ہے ایس ایس آئی سکٹر کے لئے عظیم ترامکانوں کے لئے راہیں کھول دیں گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عظیم تر گھریلو اور کثیر الاقوامی کے درمیان زبردست رقابت بھی پیدا کریں گے۔ مذکورہ بالا کثیر الاقوامی کمپنیاں ٹکنالوجی، مارکٹنگ، ایڈورٹائزنگ اور فنڈ کی دستیابی کے لئے بڑا ادھم مچائیں گی۔ اس گھنامنے منظر نامہ میں ایس ایس آئی متعلقہ سیکٹروں کی آئندہ نشوونما اور اُن کی بقا کا دار و مدار تنقیدی طور پر ٹکنالوجیکل فروغ، ڈائورسیفیکیشن اور بہتر پروڈکٹ مکس، معیار میں بہتری، ڈیلیوری کے اوقات میں سدھار، گھریلو اور برآمداتی بازاروں میں داخلہ، اسٹریم لائنڈ مینجمنٹ اور شاپ فلور مشقوں پر ہے۔ ایس ایس آئی اور کے وی آئی سیکٹروں کو چاہیئے کہ وہ صرف پورے طور پر مذکورہ اسباب سے نپٹنے کی ہی کوشش نہیں کریں بلکہ یہ ان پر لازم بنتا ہے کہ وہ یونین حکومت کی ایجنسیوں اور قرض دینے والے اداروں کو یہ باور کرائیں کہ انہیں فی الحال معاون کردار ہی ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

میں اس بات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ حریت پسندی کے اول تین برسوں کے دوران رہائشی اخراجات ایس ایس آئی سیکٹر میں غریبی اور بیماریوں کے حملوں میں ملک میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس حقیقت کی نشاندہی ملک میں کئے جانے والے متعدد سروے نے کیا ہے۔ آج تک یونین حکومت یا قرض دینے والی ایجنسیوں کی جانب سے ایسا کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے جو بیمار ایس ایس آئی اکائیوں کی حاجتوں کی بحالی اور تکمیل کے لئے مالی تعاون فراہم کرتا ہو یا ایس ایس آئی اکائیوں کو معینہ مدت کے اندر خاطر خواہ فنڈ فراہم کر پائے۔ ایس ایس آئی کی بحالی کے لئے ایک بی آئی ایف آر طرز کے میکانزم کے قیام کی آج اشد ضرورت ہے اور اس میں قرض دینے والے اداروں کو شرکت کرنی ہوگی۔ مغربی بنگال (جو ملک میں بیمار ایس ایس آئی اکائیاں دوسری عظیم ترین نمبر پر ہے) میں مذکورہ صورت حال خراب تر ہے۔ جہاں تک کریڈٹ کا تعلق ہے ڈپازٹ کا تناسب قومی اوسط سے بھی نیچے ہے۔ زیادہ سے زیادہ فنڈ ہماری ریاست سے باہر چلا جاتا ہے اور ہمارے کاروباریوں کو مذکورہ فنڈ فراہم نہیں کئے جاتے ہیں۔

مزید برآں اس سلسلے میں درج ذیل فوری اقدامات لینے چاہئیں:

(الف) ایس ایس آئی اکائیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے مرکزی پبلک سکٹر انڈرٹیکنگس وغیرہ کے نظامی انیسلاریزیشن کو منظم کرنا ہوگا۔

(ب)، چھوٹ، کوٹا اور ترغیبات کے ذریعہ ایس ایس آئی برآمدات کو آگے بڑھانا ہوگا۔

(پ)، کنٹرولڈ نرخوں پر اور خاطر خواہ مقدار میں لازمی خام اشیاء وضروریات دستیاب کرنے ہوں گے۔ اور

(ٹ)، ایس ایس آئی سیکٹروں کے لئے مخصوص علاقوں پر بڑی بڑی اکائیوں کے قبضہ کو سختی سے روکنا ہوگا۔

پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں پر اپنے مباحثوں کے ساتھ میں ان اسباب کو بطور پس منظر تعبیر کرتا ہوں کیوں کہ آج ایس ایس آئی سیکٹر کو پیش آنے والے مواقع اور رکاوٹیں بھی پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں کی نشاندہی کریں گے۔

کھادی اور دیہی صنعتیں:

مختلف قسم کی قابلِ عمل سرگرمیوں کی ایک بڑی کثیر تعداد کو کے وی آئی اسکیموں کے ذریعہ بڑھاوا دیا جا سکتا ہے لیکن بینکوں کو عہد کرنا ہوگا کہ وہ پورے طور پر مالی تعاون دیں گے۔ کے وی آئی سی اپنی اسکیموں میں ریاستی حکومت سے مضبوط عہدوں اور شرکت کی خواہاں ہے لیکن مذکورہ نوعیت کی توقعات اسے بینکوں کی جانب سے نہیں مل پا رہے ہیں اور ان کی شرکت کے بغیر مذکورہ بالا اسکیمیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو پائیں گی۔ یہ حقیقت منتخب اضلاع (ہماری ریاست میں بیربھوم) میں چلائے گئے کے وی آئی سی کے خصوصی روزگار پروجیکٹوں پر ہی صرف صادق نہیں آتی ہے بلکہ منتخب آر پی ڈی ایس بلاکوں (ہماری ریاست میں ۹) پر بھی پوری اترتی ہے۔ مرکزی حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ ان ایس ای پی اور آر پی ایس علاقوں میں مقیم شناخت کردہ مستفیضوں کو مالی تعاون دینے کے سلسلے میں بینکوں کو راضی کریں اور ان کی شاخ سطح کام کو اسٹریم لائن کرنے کے سلسلے میں بھی انہیں تیار کریں تاکہ مستفیضوں کو ٹھیک وقت پر ان سے مطلوبہ فنڈس دستیاب ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ چند اسکیموں، اپنے اداروں کے ذریعہ اور دیگر اسکیموں کو ریاستی کے وی آئی بی اداروں کے ذریعہ براہِ راست

طور پر مالی امداد پہنچانے کے عمل کو فوراً روک دینا چاہئے کیوں کہ مذکو[ر] مشق صرف انتشار ہی نہیں پیدا کرتی ہے بلکہ ایک ایسے احساس کو بھی جنم دیتی ہے کہ امکانی طور پر مستفیض ہونے والے اشخاص کو ریاستی کے وی آئی بی تنظیموں کی بہ نسبت کے وی آئی سی کے ذریعہ بہتر خدمات حاصل ہوں گے۔

مزید برآں چوں کہ مذکورہ اسکیموں پر براہِ راست طور پر اور ریاستی کے وی آئی بینر کے ذریعہ دونوں ہی طریقہ سے کے وی آئی سی کی حالیہ مشق کو غور و فکر کرنا ہے اس لئے ہماری ریاستی کے وی آئی بی سے علیحدہ کروانے اور کے وی آئی سی کے تحت براہِ راست طور پر لانے کے سلسلے میں اداروں کو راغب کرنے کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان تمام غیر صحت مند رجحان کو دور کرنے کے لئے میں بہ شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ تمام اداروں کو صرف ریاستی کے وی آئی بینر سے جوڑا جانا چاہئے اور تمام کے وی آئی سی اسکیموں اور پروجیکٹوں کو ریاستی کے وی آئی سی کے ذریعہ بس اب اکھاڑ پھینکنا چاہئے۔

مغربی بنگال میں تمام دیہی ترقیاتی اسکیمیں پنچایتوں کے گھنے اشتراک سے روبہ عمل لائی گئی ہیں اور ہماری ریاست میں لامرکزیت کے جیسے جائے اس عمل کو کے وی آئی سی کی جانب سے تسلیم کیا جانا چاہئے اور تمام کے وی آئی اسکیموں کے سلسلے میں پنچایتوں کے ساتھ این جی اوز کے برابر کا سلوک کے وی آئی سی کی جانب سے کیا جانا چاہئے۔ کے وی آئی سی اسکیموں کو اس وقت تک مقبول اور کامیابی کے ساتھ روبہ عمل نہیں لایا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ پنچایتیں مذکورہ کام میں پورے طور پر شریک نہیں ہوتی ہیں اور جب تک امکانی فوائد دور دراز تک نہیں پہنچ جاتے ہیں۔

کے وی آئی سی اور ہمارے ریاستی کے وی آئی بی کے درمیان ایک قریبی تال میل پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کے وی آئی بی اداروں اور پنچایتوں کو پورے طور پر خود روزگار اور کے وی آئی سی کی لاتعداد اسکیموں کے ذریعہ روزگار کے بے شمار امکانات سے آگاہ رکھا جا سکے۔ مذکورہ اسکیمیں پرکشش پیکج پیش کرتی ہیں۔ ان کی سود کی شرحیں کم ہیں۔ یہ بہت ساری چھوٹ دیتے ہیں، بہت ساری امداد فراہم کرتے ہیں۔ الغرض آلات، مارکٹ سپورٹ، ٹیکنیکل بیک اپ وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔

آخر کار چونکہ کے وی آئی سی کے ذریعہ انفرادی اسکیموں اور ادارہ جاتی معاملوں دونوں کو ہی سرانجام پہنچانا ہے اس لئے ادارہ جاتی معاملوں کو ہر حال میں ترجیح دینے پر زور ڈالے گئے ہیں گرچہ انفرادی اسکیموں کی تجویز ہماری ریاست میں کثیر تعداد میں رکھی گئی ہے۔ کے وی آئی سی کو سختی سے لیاقت کی بنیاد پر ہی تمام معاملوں پر خواہ وہ انفرادی ہوں یا ادارہ جاتی غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔

پی ایم آر وائی اور خود روزگار مواقع:

جب مرکزی حکومت پی ایم آر وائی کو ملک کے خاص خود روزگار پروجیکٹ کے طور پر زور و شور کے ساتھ ترجیح دیتی ہے تو شریک بینکوں کی کارکردگی مغربی بنگال میں بالکل دھیمی پڑ جاتی ہے تاکہ ۹۵-۱۹۹۴ء کے دوران اسپانسر کردہ ۲۴۵۸۶ معاملوں میں (ہمارے نشانہ ۲۲۹۰۰ کے مقابلہ میں) متعلقہ بینکوں نے صرف ۶۸۱۷ معاملوں کو منظوری دی جو ۲۰ فیصد کے برابر ہوتے ہیں۔ ان ہی بینکوں کی کارکردگی یہاں نہایت ہی دھیمی رفتار رہی لیکن اس کے برعکس دیگر ریاستوں جیسے مہاراشٹر، راجستھان، اترپردیش، تامل ناڈو، مدھیہ پردیش اور کرناٹک میں انکی کارکردگی نہایت ہی تیز اور چست رہی اور وہاں نتائج بہتر اور ہمت افزا رہے۔

ستمبر ۱۹۹۳ء سے ہی (جبکہ پی ایم آر وائی جاری ہوا تھا) ہم لوگوں نے ہر سطح پر کوشش کی کہ بینک مانیٹرنگ پڑتال، تحقیقات، اسپانسر کرنے اور پی ایم آر وائی معاملوں کو وضع کرنے کے سارے کام سے جڑے رہیں تاکہ متعلقہ بینک شاخوں کے منیجر حضرات جلد اور آسانی سے فنڈس کی منظوری کے مراحل کو نپٹائیں۔ بدقسمتی سے یہ ساری کوششیں بے کار گئیں۔ شاید بینکوں کو یہ خوف لاحق رہا کہ پی ایم آر وائی سے مستفیض ہونے والے اشخاص ان کے دیئے گئے قرضوں کی ادائیگی نہیں کریں گے اور اس لئے نن پرفارمنگ اثاثے (این پی اے ز) بے کار ثابت ہوئے۔ چونکہ بینکوں نے این پی اے ز پیدا کرنے کے اس غیر حقیقی خوف کی نشاندہی کہیں بھی نہیں کی اور مذکورہ معاملوں کو رد کرنے کے لئے بینک شاخوں کے منیجروں نے غیر سنجیدہ وجوہات پیش کی ہیں۔ گرچہ ٹاسک فورسیز (پی ایم آر وائی معاملوں کو اسپانسر کرتے ہوئے) اپنے اندر بینک کے نمائندوں کو بھی شامل کیا ہے۔ بینکوں کے ساتھ ضلع اور ریاستی سطح پر

بار بار کی جانے والی نظرثانیاں پیش روی میں ناکام رہیں۔

میں بینک نمائندوں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ آج ہی یہ جاننے کے لئے کانفرنس میں شرکت کریں کہ ہماری ریاست میں اسپانسرڈ معاملوں کی یہ ۸۰ فیصد رد کر دینے والی شرح کے نتائج ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(i): خود روزگار پروجیکٹوں میں بے روزگار نوجوانوں کی دلچسپی اور شمولیت کو بڑھاوا دینے والی مشنری کی کریڈیبلٹی کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور

(ii): اس نے اس یقین کو زبردست دھکا لگایا ہے کہ قومیائے گئے بینک قومی سطح پر اپنائی گئی اسکیموں کے تحت اسپانسرڈ معاملوں میں فنڈ کی ضرورت کا خیال رکھیں گے۔

دراصل ایک قومیائے گئے بینک کے ایک اعلیٰ افسر نے (دسمبر ۱۹۹۴ء کے دوران ایس ایس آئی پر نئی دہلی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں جس کا افتتاح وزیر اعظم نے کیا تھا) قرض دینے والے اداروں کی رائے کو واضح طور پر پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ فنڈس صرف تجارتی طور پر قابل عمل مقاصد کو ہی بلا کسی سماجی یا سیاسی ترجیحات کے دیا جائے گا۔

میں اس امر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے پی ایم آر وائی کے بیشتر معاملوں کو تین بینکوں (بنام یونائیٹڈ بینک آف انڈیا، یونائیٹڈ کمرشیل بینک آف انڈیا اور الہ آباد بینک) نے اسپانسر کیا ہے کیوں کہ یہ تینوں بینک ایکسٹینسیو برانچ نیٹ ورک سے زیادہ ترسلک ہیں، ان کے صدر دفاتر کلکتہ میں واقع ہیں اور یہ ہمارے لیڈ بینک بھی ہیں۔

جب تک مذکورہ بینک اپنے نقطہ نظر کو نہیں بدلتے اس وقت تک ہم یہ نہیں دیکھ پائیں گے کہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران پی ایم آر وائی معاملوں کو رد کر دینے والی شرح موجودہ ۸۰ فیصد سے نیچے جاتی ہے گرچہ اپنے ۲۲۹۰۰ نشانہ کے لئے میں شری اروناچلم سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ مغربی بنگال میں پی ایم آر وائی کا ایک خصوصی جائزہ لیں تاکہ یہ پتہ چلے کہ تشفی بخش کارہائے نمایاں کے لئے جلد از جلد کیا کرنے کی ضرورت ہے۔

۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران منظوری پانے والے ۲۲۹۰۰ پی ایم آر وائی

معاملوں کے نشانہ کی حصولی کے کام کو اسں وقت مانا جاسکتا ہے جب مرکزی حکومت بینکوں کی فوری شمولیت کے سلسلے میں راغب کرنے کے لئے اقدامات اٹھاتی ہے۔ تب ہم لوگ ہماری ریاست کے ایس ایس آئی والے اہم علاقوں میں شامل کرنے کے لئے پی ایم آر وائی کے تحت براڈبینگ پروجیکٹوں کو اسپانسر کرائیں گے۔ چمڑے اور چمڑے کی مصنوعات، سلے سلائے کپڑے، ٹیکسٹائیل (بشمول ہینڈلوم، پاور لوم اور سلک مصنوعات) پٹسن کی مختلف قسم کی مصنوعات، جواہرات، جڑاؤ زیورات، کھلونے اور کھیل کے سامان، اطلاعی ٹکنالوجی (بشمول کمپیوٹر ہارڈویئر اور سافٹ ویئر)، خوراک پروسیسنگ صنعتیں، انجینئرنگ اور فاؤنڈری مصنوعات، باغبانی (بشمول باغات)، ایکریلک اور سنتھیٹک فائبر ڈاؤن اسٹریم اکائیاں، کیمیکلس اور پیٹرو کیمیکلس، پٹسن / چائے انجینئرنگ صنعتوں اور پی ایس یوز / ریلویز / دفاع کی ضروریات کے لئے انسلری مصنوعات، ہوزری اور بُنے گئے کپڑے، ریشم و تسر، کوئر و شیلاک مصنوعات، جنگل سے دستیاب ہونے والی کارآمد مصنوعات (سال درخت کے پتے اور بیج، ببوئی گھاس وغیرہ) کاجو بادام، دھان کا بھوسہ، کھانے اور نہ کھانے والے تیل، دوا تیار کی جانے والی جڑی بوٹیوں کے پودے، کثافت کی روک تھام کے آلات، مینٹیننس اور سروسنگ کے سازوسامان وغیرہ اس زمرے میں آتے ہیں۔

ایس ایس آئی، پی ایم آر وائی اور کے وی آئی پر قومی اتفاق رائے کی ضرورت

کس طرح تب ہم لوگ عام طور پر ایس ایس آئی پر اور خاص طور پر پی ایم آر وائی اور کے وی آئی پر آج کی صنعتی ترقی کے سلسلے میں حکمت عملیوں کے لئے فوکس ڈالیں؟ بطور مثل کسی فرقہ کے لئے زرعی سرگرمیوں کے ذریعہ بڑھتی ہوئی اقبال مندی کو سختی سے کاشت کی آراضی کی توسیع اور فصل اگانے کی ٹکنالوجی کو بروئے کار لاکر محدود کیا گیا ہے۔ اسی طرح بڑے اور درمیانہ پیمانے کے منظم سکٹروں (طویل مدتی اقبال مندی کو گارنٹی بخشنے کے لئے) پر ضرورت سے زیادہ توجہ کی کامیابی کو ہمارے ملک میں خام مال کی دستیابی، ٹکنالوجیکل محدود مالیاتی وسائل اور گلوبل رقابت نے نہ صرف محدود نہیں کیا بلکہ ان کی اپنی بیداری میں بڑھتی ہوئی آمدنی اور مقاماتی نابرابری وغیرہ کی سماجی و معاشی الجھنیں بھی ظہور میں آئیں۔ ایس ایس آئی اور وابستہ سیکٹر میں ان دو سیکٹروں کے درمیان ایک قابلِ عمل رابطہ پیدا کرتے ہیں اور یہ بدلتے ہوئے حالات سے سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت اور لچک رکھنے والی چھوٹی انٹرپرائزوں سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں ممکنہ افراد کو آمدنی کے وسائل سے زیادہ سے زیادہ ممکنہ تعداد فراہم کرسکتے ہیں۔ پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں کی کامیابی کی حصولی ایسے دشوار گزار حالات میں نہایت پُر تنقید رہی۔

اس طرح ایس ایس آئی سکٹر کے لئے ایک قومی اتفاق رائے کی تشکیل ایس ایس آئی توقعات کی گنتی اور بیماری، ایس ایس آئی بحالی میکانزم کی شروعات، سامانوں اور مالیات کی ترجیح، تسلی بخش دستیابی، ایس ایس آئی برآمدات کو بڑھاوا دینے، ایس ایس آئی سکٹر کے لئے ٹھوس حمایتی خدمات اور زراعت، صنعت، خدمات اور معاشیات کے دیگر سیکٹروں اور ایس ایس آئی سیکٹر کے ساتھ اتحاد پر منحصر کرتی ہے۔ پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیموں کو حکمت عملی سے براہِ راست فائدہ پہنچے گا۔

اختتام پر میں اس امر پر زور ڈالنا چاہوں گا کہ ہمارے پاس اپنے ملک کی ضرورت سے زیادہ آبادی کی پیدا کردہ غربت اور بے روزگاری دور کرنے کا کوئی جادوئی حل نہیں ہے۔ اس لئے آمدنی کے مواقع پیدا کرنے کی جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنی چاہئے۔ آمدنی اور دولت کی نابرابری دونوں کو ہی کم کرنے اور مقامی نابرابری کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پی ایم آر وائی اور کے وی آئی اسکیمیں جو ایس ایس آئی سکٹر کا ایک اہم جز بنتی ہیں ہمیں یہ امکان پیش کرتی ہیں۔

جنگلات اور آب وہوا کے ظہور ترتیب کی ہماری زندگی میں اہمیت

بہار برنی

صاف ستھری آب وہوا خیال اور صحت مند زندگی کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔ صاف ہوا میں زندگی سانس لیتی ہے اور پانی اس کی نشوونما کرتا ہے اور یہ دونوں ضرورتیں ایسی ہیں جنہیں پیدا کرنے میں جنگلات باغات اور پودے بنیادی رول ادا کرتے ہیں لیکن یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ان سوتوں کو خشک کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جس تازہ ہوا میں سانس لے کر ہم اپنے جسم کو آکسیجن پہنچاتے ہیں اسی ہوا میں نائٹروجن کو اپنے جسم میں واپس کرتے ہیں اور جنگلات، باغات، پیڑ پودے اس نائٹروجن کو پھر آکسیجن میں بدل کر ہمیں واپس کر دیتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ زمین کی زرخیزی اسی پانی کی بدولت نظر آتی ہے جس کے ذخائر ہمیں جنگلات ہی کے سبب میسر آتے ہیں اس کے باوجود ہم جنگلات کو کاٹ کر میدانوں کو چٹیل اور پہاڑوں کو بے لباس بنا دیتے ہیں۔ اس طرح تازہ اور صاف وشفاف پانی کے چشموں اور جھرنوں کو پہاڑوں سے میدانی علاقوں کی طرف آنے سے روک دیتے ہیں اور محسوس بھی نہیں کر پاتے کہ ہم زندگی کو نا ہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ صاف ہوا اور صاف پانی قدرت کے یہ دو عطیات ایسے ہیں کہ جو زندگی کو خواہ وہ انسانی زندگی ہو حیوانی یا پھر خود نباتاتی رواں دواں رکھے ہوئے ہیں۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ صاف ہوا اور پانی زندگی کے عناصر ترتیبی کو فعال رکھنے کی ضمانت ہیں جن کے بغیر ترقیات کی طرف قدم بڑھانا ممکن ہی نہیں ہے۔ معاشی وسائل کو بڑھانے، قحط سالی کو روکنے اور ترقیات کے میدان میں قدم آگے بڑھانے کے لئے زندگی کے ساتھ جنگلات کے تعلق کا ادراک ضروری ہے اور دراصل یہی وہ تعلق ہے جو ہمیں جنگلات کے تحفظ اور مسلسل شجر کاری کے لئے دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام تنہا حکومت کے کرنے کا نہیں ہے۔ ہر فرد کی جس کی بیشتر ضرورتیں جنگلات، باغات اور نباتات پورا کرتی ہیں، یہ ذمہ داری

ہے کہ وہ اپنے اردگرد کی فضا کو آلودگی سے پاک اور صاف رکھنے کے لئے نہ صرف درختوں اور پودوں کا تحفظ کرے بلکہ شجر کاری کر کے ان میں اپنی بساط کے مطابق اضافہ بھی کرے۔ ہمارے بزرگوں کو شاید اس ضرورت کا ادراک تھا اسی لئے وہ آبادیاں بساتے وقت، نہ صرف آبادیوں کے اندر بلکہ اس کے نواح میں باغات لگاتے تھے، کھیتوں کی مینڈھوں پر ایسے درخت لگاتے تھے جو ان کے ایندھن اور تعمیر کی ضرورتوں کے کام آ سکیں پہاڑوں اور ترائیوں کے جنگلات محفوظ رہتے تھے۔ لکڑی ہماری ضرورت تو تھی کوئی مسئلہ نہ تھی۔

جنگلات کی حفاظت کرنا، درخت اور پودے لگانا، جنگلوں کی کٹائی سے ننگی ہونے والی پہاڑیوں کو پھر سے شاداب بنانے کی کوشش کرنا حکومت کے لئے ایک قومی اور تکنیکی مسئلہ ہے لیکن ایک عام آدمی کے لئے اس کی حیثیت شہ رگ کی سی ہے۔ ایک عام آدمی کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ جنگلات سے اسے صرف لکڑی نہیں ملتی بلکہ درختو کے پھل پھول، ان کی چھال، گودا اور ان کے تنوں سے ملنے والا رس اس کی زندگی کی ہر ضرورت میں کام آتا ہے۔ پاؤڈر، کریم اور لپ اسٹک سے لے کر صابن اور تیل تک بینائی اور آیورویدک دواؤں سے لے کر انگریزی ادویات تک، فرش وقالین سے لے کر فرنیچر تک اس کی ہر ضرورت جنگلات، باغات اور پودوں سے پوری ہوتی ہے۔ یہی جنگلات جب پہاڑوں میں ہوتے ہیں تو پہاڑوں کی مٹی کو بہنے سے روکتے ہیں، جھرنوں اور چشموں کو جنم دیتے ہیں۔ ترائی والے علاقوں میں ہوتے ہیں تو پہاڑوں سے میدانوں کی طرف بہنے والے بارش کے پانی کو معتدل اور کر کے ندیوں اور دریاؤں اور جھیلوں کی شکل میں ہم تک پہنچاتے ہیں یہی پانی جو کرۂ ارض پر موجود پانی کا تین فیصد ہے ہمارے پینے کے کام آتا ہے۔ دوہرہ دون اور دوسرے ایسے ہی مقامات پر تحقیقات اپنے تجربات کے ذریعہ جنگلات سے آراستہ جسم سے زیبائش حسن نک

اور کھانے پینے سے لے کر اوڑھنے بچھانے تک جو اشیاء تیار کرتے ہیں اس کا اندازہ انہیں دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ گویا جنگلات ہماری زندگی کا لازمی جزو ہیں۔ ان کو کاٹنا ایسا ہی ہے جیسے انسانی جسم سے اس کے کسی عضو کو کاٹ کر پھینک دینا۔

آزادی سے پہلے کی بات دوسری تھی۔ اس وقت آبادی بھی زیادہ نہیں تھی اور ضرورتیں بھی کم تھیں۔ دیہات میں ایندھن کے طور پر لکڑی سے کہیں زیادہ گوبر سے تیار کردہ اپلوں کا استعمال ہوتا تھا۔ تعمیرات میں مقامی لکڑی ہی کا استعمال زیادہ تھا۔ شہروں میں البتہ ایندھن کے طور پر لکڑی کا استعمال زیادہ تھا اور تعمیرات میں لکڑی باہر سے منگانی پڑتی تھی۔ پھر بھی جنگلات محفوظ تھے اور جنگلاتی زندگی میں کوئی خلل نہیں آیا تھا مگر آزادی کے بعد ہماری آبادی اور ترقیات کی رفتار میں اضافے کے ساتھ ساتھ لکڑی کا استعمال بھی بڑھا۔ ٹھیکیداروں نے بے رحمی کے ساتھ درختوں کو کاٹ کر پہاڑوں کو ننگا اور بے جان کر دیا۔ موسم پر اثر پڑا اور مانسونی ہوائیں بے برسے بادلوں کو اڑا کر لے جانے لگیں تو حکومتِ ہند نے شدت کے ساتھ صورت حال کی نزاکت کو محسوس کیا اور شجر کاری کی مہم شروع کی۔ ہفتے اور دن بنائے گئے جن سے عوام میں بھی درختوں کے تحفظ کا شعور جاگا تاہم دولت کی ہوس میں ٹھیکیداروں نے اپنا کام بند نہیں کیا۔ کہیں جنگل صاف کیے گئے تو کہیں پہاڑوں کو کھودا گیا۔ اس کی روشن مثال مسوری کے گرد و نواح کا علاقہ ہے جہاں اس صفائی اور کھدائی کے نتیجہ میں کتنے ہی چشمے اور جھرنے خشک ہو گئے۔ ہماچل پردیش، بہار، مشرقی ریاستوں، راجستھان، مدھیہ پردیش اور دوسری جنوبی ریاستوں میں یہی صورت حال پیش آئی۔

تاہم حکومت کی شجر کاری کی مہم اور تعمیرات میں لکڑی کے بجائے لوہے کے استعمال کے نتیجے میں صورت حال بدلی ہے اور بدل رہی ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر شجر کاری کے لئے جو کام ہوا ہے اس کے نتیجے میں عوام میں خاص طور پر عورتوں میں شجر کاری کا شعور جاگا ہے۔ دیہات میں کسان نے شجر کاری کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ حقیقت میں پچھلی دہائی میں لاکھوں کی تعداد میں پودے لگائے گئے ہیں۔ ننگی پہاڑیوں، سڑکوں، نہروں کے کنارے اور کھیتوں اور آبادیوں غرضیکہ سبھی جگہ شجر کاری کی گئی ہے اور کی جا رہی ہے۔ لکڑی کے استعمال میں کمی سے بھی صورت حال سدھری ہے لیکن تسلی بخش اب بھی نہیں ہے۔ مفاد پرست عناصر درختوں کی چوریاں اب بھی کرتے ہیں۔ ٹھیکیدار مالی مفاد میں جنگلات کو صاف کرنے کا کام اب بھی کر رہے ہیں۔ اسے روکنے کے لئے عوام میں بیداری کی ضرورت ہے، قانون کی مدد کرنے کی ضرورت ہے۔ جنگلات جو ہمارا قومی سرمایہ ہیں ہمیں صاف ستھری ہوا اور تازہ پانی مہیا کرتے ہیں۔ ہمارے گرد ماحول کو صاف ستھرا رکھتے ہیں جو ہمیں خام مال مہیا کرتے ہیں۔ ہماری اقتصادی، صنعتی اور سائنسی ترقی میں معاون ہیں، انہیں نہ صرف محفوظ رکھنا بلکہ بڑھانا بھی ہماری قومی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ایک مہم کی صورت میں پوری کرنی ہوگی ٭٭

(بشکریہ: پی آئی بی)

منشیات مخالف دن منایا گیا

ہوڑہ ضلع کی ایک ثقافتی تنظیم — گن آرکسٹرا اور اتر پاڑہ کوتڑنگ میونسپلٹی کی جانب سے عالمی منشیات مخالف دن کے موقع پر ہیارترا، ڈراما، سیمیناروں و دیگر ثقافتی پروگراموں کے ساتھ منشیات مخالف دن منایا گیا۔

اسی دن گنا بھون میں منعقدہ سیمینار میں میونسپلٹی کے چیئرمین شری شانتی پربھ داس گپتا نے اپنی استقبالیہ تقریر میں منشیات جیسی سماجی لعنت کے خلاف جدوجہد میں میونسپلٹی کے کردار پر روشنی ڈالی۔

منشیات کی لعنت کے موضوع پر منعقدہ مسابقتی پروگراموں میں کامیاب ہونے والوں کو انعامات سے نوازا گیا۔ سب سے آخر میں کنجڑاپاڑہ فینک گروپ کی جانب سے ایک منشیات مخالف ڈرامہ پیش کیا گیا ٭٭

منشیات کا غلط استعمال ــــــ کچھ حقائق

* مصنوعی طور پر تیار کردہ ایسی شے یا قدرتی طور پر واقع ہونے والی ایسی شے، جو ایک فرد کی جسمانی یا ذہنی کارکردگی تبدیل کر دیتی ہے، نشیلی شے کہلاتی ہے۔
* طبی مقاصد کے علاوہ زیادہ مقدار میں اور جلدی جلدی یا اس حد تک جس سے جسمانی اور ذہنی کارکردگی کو نقصان پہنچے، نشیلی شے کا استعمال منشیات کا غلط استعمال کہلاتا ہے
* جن منشیات کا غلط استعمال کیا جاتا ہے، ان کو ۵ بنیادی گروپوں میں زمرہ بندی کی جاتی ہے۔

(۱) نشہ آور اشیاء : وہ منشیات جن سے مرکزی نظام اعصاب کی سرگرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲) مسکن اشیاء : وہ منشیات جو مرکزی نظام اعصاب کی سرگرمی کو سست کر دیتی ہیں۔

(۳) نشیلی انلجیکس : وہ منشیات جو افیم یا مصنوعی طور سے تیار کردہ ایسی متبادل اشیاء سے حاصل کی جاتی ہیں جن سے افیم جیسے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

(۴) ہیلو سینوجینس : وہ منشیات جن سے ذہن پر اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے سمجھ اور حس میں تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور

(۵) کینابس : گانجہ، حشیش اور بھنگ جیسی منشیات۔

کسی بھی نشیلی شے کے مستقل اور ضرورت سے زیادہ استعمال کی وجہ سے جسمانی اور نفسیاتی انحصار پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں جسمانی اور ذہنی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔

تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ ان افراد کی کوئی مخصوص قسم نہیں ہے جو منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ تنہا، دوستانہ، سرکش، ذہین، بے تاب، ناخواندہ ــ غرض یہ کہ ہر قسم کا شخص منشیات کی عادت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

منشیات کی عادت ایک بیماری ہے اور کسی بھی مرحلے پر اس کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ علاج اس صورت میں آسان ہو جاتا ہے جب ابتدائی مرحلے میں ہی مدد حاصل کی جائے۔

منشیات کے غلط استعمال کی روک تھام کے لئے حکومت نے ایک تین پہلوئی حکمت عملی اختیار کی ہے :

(i) منشیات کے غلط استعمال کے اثرات کے بارے میں لوگوں میں بیداری پیدا کرنا اور انہیں تعلیم دینا۔

(ii) نشاندہی، ترغیب، مشورے، علاج اور باز آبادکاری کے ایک بہتر پروگرام کے ذریعہ منشیات کے عادی لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ اور

(iii) اس مسئلے سے نمٹنے والے ارکان اور غیر سرکاری ارکان کی تربیت۔

* منشیات کے غلط استعمال کی روک تھام اور باز آبادکاری کے پروگراموں کے لئے بجٹی امداد ۹۱-۱۹۹۰ء میں ۶ر۴ کروڑ سے بڑھا کر ۹۴-۱۹۹۳ء میں ۸ر۱۲ کروڑ روپئے کر دی گئی ہے۔
* اس وقت ۲۷۲ غیر سرکاری تنظیمیں ایسی ہیں جو ملک بھر میں مشورہ دینے کے ۱۵۴ مراکز، منشیات کی عادت چھڑانے کے ۱۰۵ مراکز اور بعد میں دیکھ بھال کرنے کے ۱۴ مراکز چلاتی ہیں۔
* اب تک ان مراکز میں منشیات کے عادی ۲۶۱۲۴۴ لوگوں کی یہ عادت چھڑائی جا چکی ہے
* حکومت منشیات کے غلط استعمال کی روک تھام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کو مالی امداد دیتی ہے اور انضباطی ٹاسک فورس سات سال (۲۰۰۰-۱۹۹۴ء) کی مدت کے لئے منشیات پر کنٹرول کا ایک جامع ماسٹر پلان وضع کر رہی ہے۔ (بشکریہ، یوجنا)

آلودگی سے پاک پٹرول : ہوا کی صفائی کیلئے ایک اہم قدم

ایک قطرہ تیل کے ساتھ سبز درخت کی علامت (جو سیسہ آلودگی سے پاک پٹرول کی نشاندہی کرتا ہو) فی الحال ہمارے چار بڑے شہروں۔ بمبئی، کلکتہ، مدراس اور دہلی کے ۱۵۴ پٹرول پمپوں پر دستیاب ہے اور اس پٹرول میں سیسہ کا عنصر بالکل نہیں ہے۔ دسمبر ۱۹۹۶ء تک ملک کے مختلف پٹرول پمپوں پر غیر آلودہ پٹرول دستیاب ہوں گے۔ پٹرولیم اور نیچرل گیس کی وزارت ایسے اقدامات اٹھا رہی ہے کہ سنہ ۲۰۰۰ء بعد از مرگ عیسیٰ تک پورے ملک میں بنا سیسہ آمیز پٹرول کی سپلائی ممکن ہو پائے۔

یکم اپریل کے بعد کسی بھی کار کو اس وقت تک رجسٹرڈ نہیں کیا جائے گا جب تک اس کے پاس کیٹلیٹک کنورٹر (سی۔سی) کی موجودگی کا یقین نہ ہو جائے۔ سی سی لگی کار بنا سیسہ آمیز پٹرول سے ہی چل سکتی ہے۔ بنا سیسہ آمیز پٹرول کو رائج کرنے کے لئے جو فیصلہ لیا گیا ہے اس کے پیچھے ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ سیسہ کے اخراج کی بڑھتی ہوئی سطحوں کی پیدا کردہ ہولناک/خطرہ پر قابو پایا جا سکے۔ فی الحال بڑے شہروں میں مذکورہ بالا ہولناکی/خطرہ پیدا کرنے والی کثافت ۱٫۵ ایم۔جی/سی ایم ہے اور یہ جائز سطح سے کافی زیادہ ہے۔

کار سے نکلنے والا سیسہ آمیز دھواں ماحولیاتی آلودگی کا ایک بڑا ماخذ ہے۔ اپنی آمیزش کے دوران متعدد مدارج پر ہوموگلوبین کی سطح کو متاثر کرتا ہے۔ اینیمیا/خون کی کمی واقع ہو سکتی ہے اگر خون میں سیسہ کی سطح ۵۰ مائیکروگرام/۱۰۰ ایم ایل سے بلند جاتی ہے۔ یہ ہمارے جسم کے کیمیائی خمیر چھوڑنے والے نظام پر دھیرے دھیرے اثرانداز ہوتے ہیں۔ بہرکیف مذکورہ اثرات غیر معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ سیسہ کی نہایت ہی بلند سطح سے دوچار ہونے کے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ مذکورہ شخص کے گردہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ مذکورہ گردہ کام کرنا بالکل بند کر دیتا ہے۔

تصوراتی طور پر موٹر کار کے اخراج شدہ دھوئیں کے اندر صرف کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی ہوتا ہے لیکن ایک انجن کی اوسط حرارت بجلی کی گنجائش صرف ۱۰ فیصد ہے لہٰذا موٹر کار کے انجن میں موجود ۳۰ تا ۴۰ فیصد ہائیڈرو کاربن ہی گیسولین میں جلتا ہے۔ نارمل/حسب معمول گیسولین (سیسہ آمیز پٹرول) کی مکمل افروختگی سے ہی سیسہ مرکبات کے علاوہ کاربن مونو آکسائیڈ اور نائٹروجن آکسائیڈ جیسی گیسوں کا اخراج ہوتا ہے۔

عالمی صحت تنظیم کے مقالہ (۱۹۹۱ء) کے مطابق بمبئی میں ۱۹۸۰ء سے اب تک فضا میں سیسہ کا اجتماع دوگنا ہو گیا ہے اور یہ عالمی صحت تنظیم کی ۰٫۵ ایم جی/کیوبک میٹر کی قابل قبول سطح سے تجاوز کر گیا ہے۔ اسی طرح کی ایک رپورٹ بنام ہائیڈرو کاربن پرسپکٹو آشکار کرتی ہے کہ ہندوستان میں سال ۲۰۱۰ء تک کاربن ڈائی آکسائیڈ اور سلفر آکسائیڈ کا اخراج دگنا ہو جائے گا۔

دہلی میں ایک تخمینہ کے مطابق ۲۰۰۰ میٹرک ٹن کثافت آمیز دھوئیں کا اخراج روزانہ فضا میں کیا جاتا ہے اور اس میں ۱۰۶۳ ایم ٹی کاربن آکسائیڈ، ۳۲۳ نائٹروجن ۳۲۰ ایم ٹی ہائیڈرو کاربن اور ۱۷۹ ایم ٹی سلفر آکسائیڈ کے ذرات ہوتے ہیں۔ کیٹالیٹک کنورٹرس (سی سی) کے موٹر کاروں میں استعمال سے مذکورہ بالا اول تین گیسوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ کنورٹرس باہر دھواں پھینکنے والی نلی میں نصب کئے جاتے ہیں اور اس کا کام ہائیڈرو کاربن مونو آکسائیڈ اور نائٹروجن آکسائیڈ کو کاربن ڈائی آکسائیڈ، پانی اور نائٹروجن میں تبدیل کرنا ہے۔

ایک کیٹالیٹک کنورٹر میں ہنی کومب میٹالک یا سیرامک ڈسک لگا ہوتا ہے اور اس پر پلاٹینم جیسی دھاتوں کی قلعی ہوتی ہے۔ جب کثافت آمیز گیس اس پر سے گزرتی ہے تو یہ انہیں کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن اور پانی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مذکورہ دھات کی قلعی مذکورہ ڈسک کے ایک اچھے خاصے بڑے رقبہ پر پھیلی ہوتی ہیں جس

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

چائے کی مسرت بخش پیالی

سپرنا ٹھاکر

چائے کی صنعت کا آغاز ہندستان میں ڈیڑھ سو برس پہلے ہوا اس کا شمار ان صنعتوں میں ہوتا ہے جو پوری طرح منظم صنعتوں کے روپ میں ہیں اور جو کافی عرصہ سے چلی آ رہی ہیں۔ شروع میں چائے کی کاشت منظم پیمانے پر تجارتی سرگرمیوں کی شکل میں کی گئی۔ پہلے پہل ۱۸۲۹ء میں آسام کی ریاست نے اس میدان میں قدم رکھا۔ رفتہ رفتہ گزشتہ صدی کے وسط میں اس کی کاشت مغربی بنگال تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد یہ تامل ناڈو، کرناٹک اور کیرل میں بھی اس کی کاشت ہونے لگی۔

اگرچہ چائے کی کاشت کے لئے پہاڑی علاقے بہترین سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ میدانی علاقوں اور ۸ ہزار فٹ کی بلندی والے علاقوں میں بھی اگائی جاتی ہے۔

چائے کے زیر کاشت رقبے اور اس کی پیداوار کے لحاظ سے ہندستان دنیا میں اوّل نمبر پر ہے۔ ہندستان میں ۴ لاکھ ۲۵ ہزار ہیکٹر آراضی پر چائے کی کاشت ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ چائے آسام میں پھر مغربی بنگال میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد تامل ناڈو اور کیرالا کا بالترتیب نمبر آتا ہے۔ ہندستان میں چائے کی پیداوار کا ۹۸ فیصد حصہ انہیں ریاستوں سے آتا ہے۔ چائے کی جس قدر رقبے پر کاشت ہو رہی ہے اس کا ۹۷ فیصد رقبہ انہیں ریاستوں میں ہے۔ دیگر جن ریاستوں میں چائے پیدا ہوتی ہے ان میں تری پورہ، ہماچل پردیش، اتر پردیش، بہار، اڑیسہ، سکم، اروناچل پردیش اور ناگالینڈ شامل ہیں۔

چائے کی صنعت قومی معیشت میں اپنی اہمیت پہلے ہی منوا چکی ہے۔ پچھلے ۵۰ برسوں میں چھوٹے کسانوں نے چائے کی کاشت شروع کی ہے اور وہ مقابلتاً اس میدان میں نئے ہیں۔ جن رقبوں پر چائے کی منظم طریقے پر کاشت ہو رہی ہے ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں مقابلتاً پس ماندہ اور سماجی طور پر کمزور طبقات کے لوگ شامل ہیں اور اس طرح دس لاکھ سے زیادہ کو اس کاروبار میں روزگار ملا ہوا ہے۔ اس سے زرمبادلہ کی کافی آمدنی ہوتی ہے اور بہت کم مقدار میں چائے باہر ملکوں سے منگانا پڑتی ہے۔ اس طرح کے ذریعہ سے بھی مرکزی اور ریاستی خزانوں کو کافی آمدنی ہوتی ہے اور شمال مشرقی ریاستوں کے پس ماندہ علاقوں میں مواصلات، ٹرانسپورٹ، صحت، تعلیم جیسی بنیادی سہولتوں کی فراہمی ممکن ہو سکی ہے۔

پیداوار اور ترقی : چائے کی صنعت نے گزشتہ ۴۰ برسوں میں مسلسل نہ صرف پیداوار نہ صلاحیت بڑھائی ہے بلکہ ہمہ جہت ترقی کی ہے۔ بالحاظ ترقی اس شعبہ کو معیشت کے ان شعبوں میں شمار کیا گیا جو انتہائی امید افزا شعبے خیال کئے جاتے ہیں۔

ہندستان میں ۱۹۹۳ء میں ۷۵ کروڑ ۸۰ لاکھ کلوگرام چائے پیدا ہوئی جو اپنی جگہ ایک ریکارڈ ہے۔ زیر کاشت رقبے میں ۱۳٫۳۴ فیصد کا اضافہ ہوا اور چائے کے باغات کی تعداد ۶۲۱۴ سے بڑھ کر ۱۳۸۶۱ ہو گئی اور چائے کی پیداوار ۱۹۵۱ء سے ۱۹۹۳ء کے درمیان ۱۷۵٫۶۱ فیصد بڑھی اور اسی وجہ سے چائے کی پیداوار میں یہ اضافہ دیکھنے کو ملا۔ ۱۹۵۱ء میں چائے کی پیداوار ایک ہیکٹر آراضی سے صرف ۹۰۱ کلوگرام ملتی تھی، جو بڑھ کر ۱۹۹۳ء میں ۱۷۸۴ کلوگرام فی ہیکٹر ہو گئی۔

ہندستانی چائے کی مقبولیت میں اضافہ : ٹی بورڈ کا ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ دوسرے ملکوں میں ہندستانی چائے کو مقبول بنائے۔ اس کام کے لئے ماسکو، لندن، برسلز، نیو یارک اور دبئی میں ٹی بورڈ کے دفاتر قائم ہیں جن کی مدد سے یہ کام انجام پاتا ہے۔ ہندستان میں چائے کی کوالیٹی بتانے، اس کی پہچان کرانے اور ہر قسم کی الگ الگ صفات بیان کرنے کے لئے ٹی بورڈ نے تین ناموں سے اس کی شناخت کرائی ہے یعنی آسام ٹی، دارجلنگ ٹی اور نیلگری چائے۔ اس بات کی زبردست کوشش کی جا رہی ہے کہ ہندستانی چائے دوسرے ملکوں میں برآمد کی جائے اور چائے کی برآمدات سے ہندستان کو زرمبادلہ کی آمدنی بڑھے چنانچہ ٹی بورڈ کے وہ دفاتر جو بیرونی ملکوں میں قائم ہیں ایسی مہمات چلا رہے ہیں جن سے چائے کے ہندستانی برانڈ دنیا میں چھا جائیں اور اس جنس کو پوری دنیا میں مقبولیت حاصل ہو اور دوسرے ملکوں میں یکساں طور پر فروغ حاصل ہو سکے۔

چائے کی پیداواری صلاحیت بڑھانے اور اسے زیادہ سے زیادہ حصوں میں مقبول عام بنانے میں ٹی بورڈ نے بہت سی ترقیاتی اسکیمیں شروع کی ہیں۔ یہ اسکیمیں روایتی اور غیر روایتی علاقوں میں چائے کو مقبول عام بنا رہی ہیں۔ پیداوار بڑھانے کے لئے صرف ترقیاتی اسکیموں کی سرمایہ کاری ۴۰ کروڑ روپئے سے زیادہ ہے۔

برآمدات: صرف ایک چائے کی برآمد سے ہی ملک کو برآمداتی کل آمدنی کا ۲۵ر۲ فیصد حصہ مل جاتا ہے۔ زیادہ تر برآمدات بڑے پیمانے پر برآمد کی جانے والی چائے کی شکل میں ہیں۔ ہندستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں سے چائے کی مختلف اقسام برآمد کی جاتی ہیں۔ دارجلنگ کی خوشبودار چائے سے لے کر آسام کی کڑک چائے اور نیلگری کی گولڈن چائے تک کی اقسام دنیا کو برآمد کی جاتی ہیں۔ اس طرح ہندستانی چائے کا عالمی منڈی میں ایک نمایاں مقام ہے۔ ہندستان سے ۸۰ ملکوں کو چائے برآمد کی جاتی ہے۔

۹۴-۱۹۹۳ء کے مالی سال کے دوران ہندستان نے ۱۶ کروڑ ۱۱ لاکھ ۷۰ ہزار کلوگرام چائے جس کی مالیت ۱۰ ارب ۸۰ کروڑ ۱۰ لاکھ روپئے بنتی ہے برآمد کی جبکہ ۹۳-۱۹۹۲ء میں ۱۸ کروڑ ۶ لاکھ ۹۰ ہزار کلوگرام چائے جس کی مالیت ۱۰ ارب ۵۸ کروڑ ۷۰ لاکھ روپئے بنتی ہے برآمد کی گئی تھی۔ جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۴ء کے درمیانی عرصے میں ہندستان نے ۶ کروڑ ۱۷ لاکھ ۸۰ ہزار کلوگرام چائے جس کی مالیت ۴ ارب ۶ کروڑ ۸۷ لاکھ روپئے بنتی ہے باہر ملکوں کو بھیجی گئی جبکہ ۱۹۹۳ء کے مماثل عرصے میں ۷ ارب ۵ کروڑ کلوگرام چائے جس کی مالیت ۴ ارب ۸۴ کروڑ ۵۶ لاکھ روپئے بنتی تھی باہر ملکوں کو ارسال کی گئی تھی۔

(بشکریہ: پی آئی بی)

کی وجہ سے اخراج شدہ گیس اور کیٹالسٹ کا مسٹرن آپس میں بہت اچھی طرح ہوتا ہے۔ ایک سہ رخی کیٹالیٹک نظام میں پلاٹینم، پیلاڈیم اور سوڈیم وہ دھات ہیں جو تمام تین کثافتوں کو بیک وقت دور کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

بنا سیسہ آمیز پٹرول کی قیمت مع سیسہ پٹرول کے برابر ہی رکھا گیا ہے۔ اگر ریفائنری میں پٹرول سے سیسہ علیحدہ کرنے کے عمل میں توانائی ضروریات۔ تکنالوجیکل تبدیلیاں اور مزید خام تیل کی شکل میں کافی اخراجات آتے ہیں۔

مستقبل قریب میں ہمارے ملک کے اندر تمام پٹرول پمپوں پر بنا سیسہ آمیز پٹرول دستیاب کرائے جائیں گے۔ یہ ماحولیات دوست قدم اپنی رو بہ عملی کے دوران ہی اس ہوا کے معیار کو جسے ہم لوگ سانس کے ذریعہ اپنے اندر لیتے ہیں، بہتر بنائے گا اور اس طرح ماحولیاتی کثافت سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی وقوع پذیری میں بھی کمی آئے گی۔

ریاستی اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کے قیام کی تجویز کی منظوری

گزشتہ ۳۱ر جولائی کو وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو کی صدارت میں منعقدہ کابینہ کی میٹنگ میں مغربی بنگال کی اقلیتوں کی معاشی ترقی و مالی امداد کی فراہمی کے لئے ریاستی مالیاتی و ترقیاتی کارپوریشن کے قیام کی تجویز کو منظوری دے دی گئی ہے۔ کارپوریشن کے قیام کے سلسلے میں ریاستی اسمبلی میں جلد ہی ایک بل پیش کیا جائے گا۔ کارپوریشن کے چیئرمین اور دیگر ممبروں کے ناموں کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ ریاست میں اقلیتی کمیشن کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ اس کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر ظفر اوگانوی ہیں۔

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ راگست ۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۶

مدیر اعلیٰ : آنند گھوش ہاجرا

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: دس روپئے ★ نصف سالانہ: پانچ روپئے
فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

اس خصوصی شمارے کی قیمت: ایک روپیہ

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ:

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ؛
کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

فون: 25-5601/3371 Ext: 710

۱۵ اگست
۱۹۹۵ء
"جہاں مردہ عادات کے بے کیف صحرا میں شعور وادراک کے
صاف وشفاف چشمے نے اپنی راہ نہیں کھوئی ہے"
یوم آزادی کا خواب
حکومتِ مغربی بنگال

وزیراعلیٰ نے بدھان نگر میں عالمی تجارتی مرکز کا افتتاح کیا

مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۹ جولائی کو بدھان نگر کے سیکٹر V میں عالمی تجارتی مرکز کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ مرکز کی طرف سے اپنائی گئی بازار کی آزاد معیشت کی پالیسی ہمیشہ نجی سیکٹر کے تحت موجودہ یونٹوں کے بند ہونے کا تقاضہ نہیں کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک متواتر تحقیقی کاموں کے ذریعہ خود۔ کفالت کے لئے ضروری اقدامات نہیں کئے جاتے صنعتوں کو غیر مساوی مسابقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وزیراعلیٰ موصوف نے ریاست میں صنعت کاری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ وسیع انسانی وسائل کی زرخیزی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے باہر کے جدید (ترقی یافتہ) ٹکنالوجی کو اپنانا ہوگا۔

شری باسو نے امید ظاہر کی کہ عالمی تجارتی مرکز عالمی تجارتی اداروں سے منسلک دنیا کے ۸۲ ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات کے فروغ میں مددگار ثابت ہوگا۔ انہوں نے سرکاری حکام کی افسرشاہی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان کی وجہ سے ایک پرائیویٹ سیکٹر کمپنی ڈیولپمنٹ کنسلٹینٹس (ڈی سی ایل) لمیٹڈ کے ذریعہ زمین کی حصولیابی میں کافی تاخیر پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈی سی ایل انتظامیہ نے مقررہ وقت کے اندر پروجیکٹ کو پورا کرنے کے لئے خاکہ متعین کیا ہے۔

اس تقریب میں مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے چیئرمین شری سومناتھ چکرورتی، ریاستی وزیر صحت شری پرسنتا سور، یو ایس کے قونصل جنرل مسٹر رابرٹ بوگس، بدھان نگر میونسپلٹی کے چیئرمین شری دلیپ گپتا اور عالمی تجارتی مرکز کلکتہ کے ڈائرکٹر شری ٹی وی بال کرشنن بھی موجود تھے۔

عام لوگوں کے مفادات کے تحفظ کے بغیر کوئی بھی ترقی ممکن نہیں

وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۱۵ اگست کی صبح کو ۴۸ ویں یوم آزادی کے موقع پر آکاش وانی کلکتہ اور دوردرشن سے اپنے نشر کردہ پیغام میں عوام کو دلی مبارک بادپیش کرتے ہوئے اس یقین کا اعادہ کیا کہ وہ بہادر مجاہدین آزادی حوب الوطنی، دلیری، قربانی اور اپنے نصب العین کی روشن مثال چھوڑ گئے ہیں۔ ان کا جذبہ موجودہ نسل کو حوصلہ اور شکتی عطا کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ قدیم ہندستان عالمی امور میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ ہم مختلف مقاصد اور اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مستحکم ہندستان کی بنیاد مضبوطی کے ساتھ قائم کر سکیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آزادی کے بعد بھی ملک سیاسی، سماجی اور معاشی میدان میں مسائل و تکالیف سے پریشان ہے۔ مختلف شر پسند رجحانات بتدریج سر اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے کہا کہ ملک کے اتحاد و یکجہتی، دوامی نظام جمہوریت اور سیکولر اصولوں کو آج مختلف دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ علیحدگی پسندی، بنیاد پرستی اور فرقہ پرستی اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ انہوں نے عوامی زندگی میں اقدار کی گراوٹ پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے جرائم کی دنیا کے سیاسی دنیا کے ساتھ قریبی تعلقات قائم ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ عوامی بیداری کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے شری باسو نے کہا کہ ان سب مسائل سے نپٹنے کے ساتھ ساتھ ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے مستحکم اور مثبت سیاسی و انتظامی اقدامات کی ضرورت ہے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مزید کہا کہ قومی پالیسی میں صحیح ہدایت کی کمی اور غلط ترجیحات کی وجہ سے کافی مدّت و قوت برباد ہو رہی ہے۔ ملک کی معیشت کو کچھ اس طرح ٹھیک کیا گیا ہے کہ آبادی صرف ۱۵ فیصد عوام پیداواری افزائش سے مستفید ہو پا رہے ہیں جبکہ باقی عوام کی اکثریت معاشی بدحالی کی شکار ہو رہی

ہے۔ اس کی وجہ سے امیر اور غریب کے درمیان خلیج بڑھ گیا ہے۔ روز افزوں افراطِ زر اور لازمی اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اور متعدد نجی و سرکاری صنعتی یونٹوں کی زبوں حالی کا حوالہ دیتے ہوئے شری باسو نے بتایا کہ مناسب منصوبہ بندی کی تشکیل اور ترجیحاتی کاموں کی شناخت کے بغیر صورت حال اور بھی خراب ہو سکتی ہے۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے مرکز۔ ریاست تعلقات کی از سرِ نو تشکیل کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس کے بغیر علیحدگی پسند قوتیں اپنے پاؤں جمانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

شری باسو نے مزید کہا کہ عام لوگوں کی حوصلہ افزائی کے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں ہے اس لئے اصلاحاتِ آراضی، دیہی معیشت کی ترقی، جمہوری لامرکزیت، پنچایت کے اختیارات کی توسیع وزی توجہ کے متقاضی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ زرعی سیکٹر کا فروغ حتیٰ کہ صنعتی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے ـــــ انہوں نے ترقیاتی مقاصد کے لئے دیسی تکنالوجی اور مقامی وسائل کے استعمال پر بھی زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ مخصوص علاقوں میں بیرونی ٹکنالوجی کا خیر مقدم کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس سے قومی مفادات کو نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ شری باسو نے نجی اور سرکاری دونوں صنعتوں کے احیائے نو پر زور دیا اور ترقیات کی تیز رفتاری کے لئے تحقیقات کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنے پیغام میں مختلف جماعتوں کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی روایت کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں مغربی بنگال کے ریکارڈ کا ذکر کیا اور اپنی حکومت کے جمہوری کردار کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کی حکومت نے اپنے ۱۸ سالہ دورِ حکومت میں مقررہ وقت پر مقامی اداروں کے لئے

انتخابات کرائے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت نے تمام شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے عوام کے لئے ترقیاتی پروگراموں کی افادیت اور ہر کسی کے لئے شہری حقوق کی ضمانت دی ہے۔

زرعی سیکٹر میں اپنی حکومت کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے شری باسو نے کہا کہ ریاست میں اصلاحات آراضی اور سہ درجاتی پنچایتی نظام کی وجہ سے متعدد دیہی عوام ترقیاتی کاموں میں شامل ہو سکے ہیں اور ماہی پروری، مویشیاتی وسائل اور دیگر جیسے میدانوں میں وہ برسر روزگار ہوئے ہیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ ان کی حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد متوسط اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی کے لئے اقدامات کئے۔ اب بڑی صنعتوں کی ترقی کے لئے بھی خصوصی زور دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت نے مرکز کی نئی معاشی اور صنعتی پالیسی کی سختی سے مخالفت کی ہے تاہم مال کرایہ کی مساویت کاری اور لیسنس نظام کی منسوخی کی وجہ سے کچھ نئی راہیں کھلی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انکی حکومت ایسی صورت حال کا فائدہ اٹھانے کے لئے مصروف عمل ہے نیز ریاستی حکومت مغربی بنگال میں خوشگوار ماحول تیار کرنے میں کامیاب ہوئی ہے جس کی وجہ سے بدیسی اور دیسی سرمایہ کاروں کو متوجہ کیا جا سکا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ریاست نے تعلیمی میدان میں کافی کامیابی حاصل کی گئی ہے اور یہاں جلد ہی ایک نئی سرکاری انجینیرنگ ادارہ قائم کیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ خواندگی پروگرام میں بھی قابل قدر کامیابی ہوئی ہے۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے اقلیتی فرقوں اور پست ماندہ اور پچھڑے ہوئے طبقوں اور پہاڑی عوام کی ترقی وبہبود کے لئے پروگرام مرتب کرنے پر بھی زور دیا ٭٭

وزیر اعلیٰ نے کلکتہ میں نیکلیائی مخالف ریلی سے خطاب کیا

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۶ اگست کو کلکتہ کے نیتاجی انڈور اسٹیڈیم میں یوم ہیروشیما کی ۵۰ ویں سالگرہ منانے کے لئے آئے ایک ریلی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امریکی سامراجیت کی جانب سے بنی نوع انسان کے خلاف کئے گئے جرائم لامتناہی ہیں۔ انہیں دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی پر پہلے دو نیکلیائی بموں کو گرانے کے فیصلہ کے لئے بالکل افسوس نہیں ہے۔ انہوں نے نیکلیائی ہتھیاروں کے تخریبی ردعمل سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ عوام کو چاہئے کہ وہ اپنے مفادات کے لئے عالمگیر نیکلیائی مخالف تحریک میں شامل ہوں ———— وزیر اعلیٰ موصوف نے ترقی پذیر ملکوں پر معاہدہ کو زبردستی لاگو کرنے کی کوششوں کی سختی سے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ نیکلیائی اسلحات کی تخفیف کے معاہدہ کی اس وقت تک سختی سے مخالفت کرنی چاہئے جب تک کہ وہ خود نیکلیائی مرکز کو ختم نہیں کر دیتے۔ انہوں نے بتایا کہ ایسے میں امریکہ کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے متعلق بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے امریکہ کی طرف سے ویٹ نام کی جنگ میں نیپام بموں کے پھینکنے کا بھی حوالہ دیا۔ امریکہ نے ویٹ نام کو مالی امداد روک دینے کے لئے بھی اے ڈی بی پر اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کیا تھا۔ شری باسو نے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے بہانے چین کے لئے امریکہ کے نام نہاد معاشی معاہدہ کا مذاق اڑایا۔

جاپان کے ٹریڈ یونین کے نائب صدر مسٹر توسکو شیرو تانے امسال نومبر میں اقوام متحدہ کے سامنے جاپان کے ایک ہزار سے زائد ٹریڈ یونینوں کے زیر اہتمام نیکلیائی مخالف احتجاجی ریلی کے لئے ہندوستان کی حمایت کا سراہنا کی۔ انہوں نے دوسری جنگ عظیم میں اس کے بدترین نتائج کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ملک کے کردار پر اظہار افسوس کیا۔

مذکورہ تقریب متعدد ٹریڈ یونین اداروں کی جانب سے منعقدہ ملک گیر نیکلیائی مخالف ریلی کی ایک کڑی کے طور پر منعقد کی گئی تھی۔ اس تقریب کی صدارت مغربی بنگال کے سی آئی ٹی یو کے صدر شری نیرین گھوش نے کی۔ جلسہ میں سی آئی ٹی یو (مغربی بنگال کمیٹی) کے سکریٹری شری چتو براتو مجمدار نے قرارداد پڑھ کر سنایا۔ اس موقع پر ہیروشیما اور ناگاساکی میں مرنے والوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی ٭٭

یک جہتی ـــــ ہماری قومی بیداری کی علامت

پی۔ بی۔ ٹھاکر

بھارت تقریباً نصف صدی سے ایک آزاد اور جمہوری ملک رہا ہے۔ اس کی تاریخ اور تہذیب تقریباً ۵۰۰۰ سال پرانی ہے جو مختلف قسم کے چیلنجوں سے ہو کر گزری ہے۔ بعض اوقات ہم نے بحران کا سامنا کیا ہے لیکن صدیوں سے ملک مستحکم رہا ہے

آزادی کے ۴۷ برسوں کے دوران ملک نے دکھایا ہے کہ ملک میں قائم رہنے اور آگے بڑھنے نیز بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

ثقافت کا امتزاج:

بھارت کی ثقافت امتزاج پر مبنی ثقافت ہے۔ مختلف ثقافتی اور مذہبی دھارے قومی زندگی کے اصل دھارے میں مل گئے ہیں۔ زمانہ قدیم سے بھارتی سماج نوعیت کے اعتبار سے گوناگوں رہا ہے جس میں امن نیز سب کے لئے عبادت اور اظہار رائے کی آزادی کو یقینی بنایا گیا ہے۔ یہ فن، ادب، زبان اور نسل کے لحاظ سے بھی گوناگوں ہے۔ ہمارے یہاں ۱۷ تسلیم شدہ زبانیں ہیں جو شاید کسی ملک کے لئے سب سے زیادہ ہیں۔ خود اپنے طریقے سے فروغ پانے کے لئے مقامی نسلی ثقافتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے لیکن اس قسم کے ظاہری فرق سے بھارتی سماج تنگ نظری کا شکار نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

بھارت کے نظام حکومت کو سیکولر جمہوریت قرار دیا جاتا ہے۔ ایک شہری کی نجی زندگی میں بلاشبہ مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن مملکت اور مذہب ایک دوسرے سے بندھے ہوئے نہیں ہیں۔

وقتی اختلاف رائے:

اگرچہ ہمارے مقاصد اعلیٰ ہیں لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ کبھی کبھی اختلاف رائے بھی پیدا ہو جاتا ہے، جو نسلی، مذہبی اور لسانی جھگڑوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتوں سے ہمیشہ سبھی لوگوں کو بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا

گزشتہ ۴۷ برسوں کے دوران اگرچہ ملک نے اقتصادی ترقی اور جدید کاری کے سلسلے میں بہت زیادہ پیش رفت کی ہے لیکن اس کے لاکھوں لوگ اب بھی غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بھارتی رہنما اس بات سے پوری طرح باخبر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو دوران کے بعد شریمتی اندرا گاندھی نے پیداوار کے ذرائع اور مالی اداروں پر سماجی کنٹرول کے ایک عمل کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ انہوں نے قومی دولت کی مساوی تقسیم کرنے کا کام بھی شروع کیا تھا۔

قومی یک جہتی:

کچھ عرصے سے لوگوں کے مختلف گروپوں میں مذہبی پہچان کے نام پر فرقہ پرستی کا نظریہ پیش کرنے کا بڑھتا ہوا رجحان دیکھنے میں آیا ہے۔ نسلی جھگڑے، زبان پرستی کا اظہار اور خود اپنے انتظامیہ میں رائے دینے کے زیادہ سے زیادہ حق کی مانگ ملک کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ کچھ علاقوں میں اس قسم کے علاقائی جذبات کا اظہار تشدد اور سرکشی کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی مانگیں پیدا ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری ترقی اب متوازن نہیں رہی ہے۔ ایک طرف کچھ علاقوں میں ترقی ہوئی ہے تو دوسری طرف دیگر علاقوں میں معیشت ساکن رہی ہے جس کے نتیجے میں یہاں کے لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس عدم توازن اور اقتصادی عدم مساوات کو ختم کرنا ہوگا۔ ہمارے آئین کے ڈھانچے کے اندر خود اپنی پسند کے انتظامیہ کے لئے لوگوں کی سیاسی آرزو کو یقینی بنانا ہوگا۔ قومی یک جہتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو صرف نعروں اور تقریروں سے پیدا کی جائے۔ اس کو عوام کے دلوں میں پیدا کرنا ہوگا

بنتی کے دو بول

قیصر شمیم — کلکتہ

برسوں ہاتھ بندھے تھے اپنے
اور انہی ہاتھوں کو اٹھا کر
ہم نے کیسی کیسی دعائیں مانگی تھیں
برسوں ہم نے کیسی کیسی جانیں بھینٹ چڑھائی تھیں
تب کرنوں کے زینے سے
اتری تھی وہ
(اور ہمالے کی چوٹی پر چمکا تھا اک راج مکٹ)
گنگا جل جیسے اشکوں سے
اس کے پاؤں کو دھو کر ہم نے
بنتی کی :
دیوی تیرے آنے سے اتنا تو ہوا
ایک بدیسی اندھا سورج ڈوب گیا
ایک پرائے اندھیارے کی مات ہوئی
گھاٹ گھاٹ پر سنکھ بجے
اور ہمارے دریاؤں میں پوجا کے کچھ دیپ جلے
زخمی ہاتھوں کے بندھن بھی ٹوٹ گئے
لیکن دیوی،
یگ یگ سے ہم ساتھ لئے چلتے آئے ہیں وہ اندھیارے،
جن کو ہم نے نادانی میں پال پوس کر بڑا کیا ہے
اب ہیں ان کے ہاتھ —— ہماری گردن پر
پاؤں —— ہمارے سینے پر
دیوی ہم کو اپنے ان اندھیاروں سے بھی مکتی دے!
برسوں بیت گئے ہیں، لیکن
آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں
ذات پات کی وہی ہے دلدل
بھید بھاؤ کے وہی وِشیلے پھیلے جنگل
وہی اندھیرے!
اور ہماری بنتی کے وہ بول
ہمارے کانوں میں ایسے بجتے ہیں
جیسے بول ہوں گالی کے !!

مجاہدِ آزادی — رابندرا ناتھ ٹھاکر

رئیس الدین فریدی

جن ہندستانیوں نے ملک اور قوم کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کی جدوجہد میں حصہ لیا ان کے تین اہم درجے ہیں :

(۱) شہدائے جنگِ آزادی۔ ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے کیوں کہ ان میں سراج الدولہ، ٹیپو سلطان اور ان کے رفقائے جنگ کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی پہلی عوامی جنگِ آزادی کے ہزاروں کیا لاکھوں شہید بھی شامل ہیں۔ موجودہ صدی ہی میں ہزاروں انقلابی انگریزوں سے لڑتے ہوئے جان دے چکے یا ان کے ہاتھوں پھانسی پر چڑھے۔ کانگریس کی جدوجہد خصوصاً ۱۹۴۲ء میں بھی ہزاروں ہندستانی شہید ہوئے اور اسی زمانے میں سب سے بڑے جانباز مجاہدِ آزادی نیتاجی سبھاش چندر بوس ہوئے جنہوں نے برما میں جاپان کے قیدی بنے ہوئے مختلف مذہبوں اور حلقوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں ہندستانی مردوں اور عورتوں کو منظم اور مسلح کر کے آزاد ہند فوج کے نام سے ہندستان کی آزادی کی جنگ میں شامل کر دیا حالانکہ اس زمانے میں ہی ملک میں دو قومی نظریے کا زہر پھیل چکا تھا اور ان میں سے اکثر وہ تھے جو انگریزوں کے پشتینی وفادار تھے اور تاجِ برطانیہ کی حفاظت کے لئے جان دینے کے حلف لے چکے تھے۔ ایسا انقلاب نیتاجی کے سوا کوئی نہ کر سکا اور انہی کی جدوجہد کی وجہ سے برطانوی بحریہ اور ہوائی فوج میں بھی بغاوت پھیلی جس نے انگریزی راج کی کمر ہی توڑ دی۔ آزاد ہند فوج کے ذریعہ خود نیتاجی اور ان کے ہزاروں جاں نثار بھی شہدا کی طویل فہرست میں شامل ہو گئے۔

(۲) مجاہدینِ آزادی وہ ہیں جو برطانوی پولس اور فوج کی گولیوں اور لاٹھیوں سے زخمی ہوئے۔ جیلوں یا قید خانوں میں زندگی کے ماہ و سال کاٹے، جرمانے بھرے، کھیت، گھر اور مویشی ضبط کرائے۔ ان کی تعداد کا اندازہ کرنا ہی ناممکن ہے۔

(۳) مبلغینِ آزادی۔ ان میں وہ ادیب، مصنف، مولف، شاعر اور صحافی شامل ہیں جنہوں نے قوم میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا، شہدا اور مجاہدین کے حوصلے بڑھائے۔ ان میں خود شناسی اور خود اعتمادی کا جوہر پیدا کیا۔ انگریزوں کے آنے کے بعد سے ان کے جانے کے وقت تک ایسے لوگ بھی لاکھوں نہیں تو ہزاروں کی تعداد میں ضرور پیدا ہوئے۔ فخر کی بات ہے کہ ان سب درجوں کے وطن دوست اور سرفروش ہندستانیوں میں بنگال کے باشندوں کی تعداد کم نہیں دوسرے صوبوں سے زیادہ ہی رہی اور آج بھی انقلابی ذہن کے لوگ مغربی بنگال ہی میں زیادہ پائے جاتے ہیں جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ برسوں سے سب سے کم فرقہ وارانہ فسادات اسی صوبے میں ہوئے ہیں۔ نہ صرف بنگال اور مغربی بنگال بلکہ سارے ملک میں آزادی سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کو اولیں قومی ضرورت قرار دیا گیا تھا۔ مگر انگریزوں نے سب سے زیادہ کلہاڑی اسی تصور کی جڑ پر چلائی۔ اگرچہ ملک کے شاعرِ اعظم رابندرا ناتھ ٹھاکر نے بھی اس سازش کی کاٹ کرنے میں کسر نہ چھوڑی تھی جو جیل جانے والے مجاہدِ آزادی نہ سہی پھر بھی انہوں نے زبان، قلم اور عمل سے قوم میں جہادی روح پھونکی اور جلیان والا باغ کے قتلِ عام کے بعد ان کا انگریزوں کا دیا ہوا سر کا خطاب اس زور سے ان کے منہ پر مارا تھا کہ اس کی آواز ساری دنیا میں سنی گئی تھی۔ مگر افسوس کہ آزادی کے بعد ملک کا چہرہ جس طرح مسخ کیا جا رہا ہے وہ تمام شہیدوں اور مجاہدوں کی تعلیمات کے برعکس ان کے خوابوں کو ملیامیٹ کرنے سے کم نہیں۔

ہندستان اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدیوں میں بھی جو برطانوی غلامی کا زمانہ تھیں، سیکڑوں مایہ ناز مدبر اور دور اندیش انسان پیدا ہوئے جنہوں نے ذہنی، علمی، شعوری، ادبی، سیاسی اور سماجی میدانوں میں ملک کو بیدار کرنے، صحیح راستے پر چلنے، اس میں غیرت و حمیت اور اتحاد پیدا کرنے اور غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکنے کا سامان کرنے میں اہم حصہ لیا۔ ایسے بزرگوں اور محبوبوں کا نام گنانے کے لئے نہ وقت ہے نہ اس کی ضرورت۔ تاریخ

ان کے ناموں سے بھری پڑی ہے اور وہ اس میں آفتاب و ماہتاب اور دوسرے روشن ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں ۔

ان میں ایک روشن نام رابندر ناتھ ٹھاکر (ٹیگور) کا ہے جو بے شک و شبہ موجودہ اور پچھلی صدی میں دنیا خصوصاً اپنے ملک کی رونق اور عزت بڑھانے والوں کے گل سر سبد اور آسمان کے آفتاب عالم تاب ہیں ۔

دوسرے اکابر میں کچھ محدود خوبیاں ہی تھیں ۔ کوئی سیاسی رہنما تھا، کوئی سیاسی مُصلح، کوئی شاعر اور کوئی ادیب تو کوئی مفکر مگر رابندر ناتھ ٹھاکر تو گوناگوں خوبیوں، صلاحیتوں، علوم و فنون کا ایسا خزانہ تھے جس کا ہر موتی اور گوہر ذہن اور روح کی آرائش و زیبائش کا زیور بے بہا تھا ۔

عالمگیر شہرت کے مالک مادری زبان کے شاعر جن کی روحانی، ذہنی اور اخلاقی اصلاح و ترقی کے پیغام نے ساری دنیا کی واہ واہ سنی ۔ اہل ملک کو ان کی دیرینہ عظمت کو ضروری اصلاحات اور موزوں اضافے کے ساتھ بیدار اور بروئے کار کرنے کا سبق دیا ۔ ملک کے حسن و جمال سے پردے اٹھائے اور اہل ملک کو اس سے محبت کرنے کا دلکش اور شیریں سبق دیا ۔ لوگوں کو تنگ نظری اور مذہبی نفرت پسندی سے بچنے پر آمادہ کرنا چاہا ۔ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سماج کی دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھی ۔ مزدوروں اور عورتوں، بچوں، کسانوں اور غریبوں کی غم گساری کی اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی ۔ اصلاح پسندانہ اور نصیحت آمیز ناول اور افسانے لکھے ۔ مصوری بھی کی ۔ ناٹک نہ صرف لکھے بلکہ ان کی ہدایت کاری بھی کی اور اداکاری کے جوہر بھی دکھائے ۔ دسوں ملکوں کے سفر کئے ۔ وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرکے وہاں کے لوگوں کو مفید مشورے دئے ۔ وہاں جو اچھی باتیں دیکھیں ان کو اپنے اپنے ملک میں رواج دینے اور ان کی برائیوں سے اپنے ملک کو بچانے کی کوشش کی ۔ دنیا کے بہت سے ملکوں کے بڑے لوگوں سے ملے اور تبادلۂ خیال کیا اور مفید خط و کتابت کی ۔ تعلیمی اصلاحات سے بھی غافل نہیں رہے اور نمونے کے تعلیمی ادارے بین الاقوامی نوعیت دے کر کھولے ۔ وہ نہ صرف بڑے آدمی تھے بلکہ اچھے آدمی کے قدردان بھی تھے چاہے وہ کچھ بھی ہوں اور کوئی بھی نہیں ۔ درحقیقت وہ اچھے انسان تھے اور دنیا بھر کے انسانوں کے دوست اور بہی خواہ تھے ۔ ہم جیسے چھوٹ بھیّوں کے لئے ان کی رفعت و عظمت کے کمترین حصے کو دیکھنا بھی ناممکن ہے ، سمجھنا بڑی بات ہے ۔

یہ بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ٹھاکر اور گاندھی کا ملک پہلے فرقہ پرستی میں مبتلا ہو کر، آگ اور خون کے طوفان سے گزر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا اور پھر ایک ہولناک فرقہ پرستی اسے اس سے بھی بدتر حالات میں مبتلا کرنے پر تُلی ہوئی ہے اس لئے آج صرف یہ بتلانے پر اکتفا کر رہا ہوں کہ فرقہ پرستی اور مذہبی نفرت انگیزی کے بارے میں ٹھاکر کے خیالات کیا تھے اور وہ آج بھی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہمیں ملک اور قوم کو تباہی سے بچانا مقصود ہو ۔ ٹھاکر نے اس وقت ہوش سنبھالا تھا جب انگریزوں نے فرقہ پرستی پھیلا کر ملک کو تباہی کے جہنم میں ڈال کر اسے سوختہ جان کرنے کا کام پوری شدت سے شروع کیا تھا اس لئے ٹھاکر کے خیالات سے ہم چاہیں تو آج بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔ بنگلہ ماہنامہ "پرباشی" میں انہوں نے ۱۹۳۱ء میں لکھا :

> "ہندو اپنے آپ کو اپنے مذہب کا اور مسلمان اپنے مذہب کا پابند کہتے ہیں ۔ اس طرح دونوں کی زندگی کا بہت کم حصہ مذہب کے دائرے سے باہر رہتا ہے ۔ اس لئے یہ دونوں اپنے اپنے دھرم کے نقطۂ نظر سے ایک دوسرے کو اور پھر جہاں تک ہو سکے دنیا کے دوسرے لوگوں کو بھی حتی الامکان دور ڈھکیل دیتے ہیں ۔ اس سے ان میں انسانیت کا پھیلاؤ ہونے میں رکاوٹ پڑتی ہے ۔"

اس سلسلے میں وہ آگے چل کر ہر سیاسی انقلاب کو بھی مذہب کی شدت پسندی میں کمی کا ضروری نتیجہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

> "تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی کسی ملک میں سیاسی انقلاب آیا تو اس کے ساتھ ہی مذہبی کٹر پسندی پر سخت وار کیا گیا ۔"

لیکن ہمارے ملک میں سب سے بڑی مصیبت یہی ہوئی کہ یہاں آزادی کے بعد سیکولرزم اور رواداری اور مساوات کو بڑھانے کے بجائے سارا زور مذہبی کٹرپن میں اضافے پر لگایا ۔

ربندرا ناتھ ٹیگور نے جب دیکھا کہ اونچی ذات کے ہندو مسلمانوں کی طرح طرح سے تذلیل کرتے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے قریب لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ایک ہندو مجسٹریٹ نے ان کی ضلع راج شاہی کی زمین داری میں جانے کے بعد لکھا،

"ربندرا ناتھ کی موٹر بوٹ کشتی جس میں وہ رہتے اور سفر کرتے تھے، اس کے تمام ملازم مسلمان تھے۔ یہی ربندرا ناتھ کے لئے کھانا بناتے تھے اور انہوں نے ہی ہمارے لئے کھانا بنایا۔"

اس موضوع پر انہوں نے خود بھی لکھا،

"میرے کردار میں اور عملی زندگی میں ہندو اور مسلمان میں کوئی بھید بھاؤ نہیں تھا۔ دونوں پر ہونے والے ظلم اور ناانصافی سے مساوی طور پر شرمندہ ہوں۔ ہندو مسلمان میں ہر قسم کی فرقہ پرستی کو پورے ملک کے لئے باعثِ شرم سمجھتا ہوں۔"

اور اب آخری تنبیہہ جو آج بھی قابلِ غور اور لائقِ عمل ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہماری آزادی بیمار بنی ہوئی ہے۔

"ہم (ہندو اور مسلمان) سیکڑوں سال سے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ایک ہی کھیت میں فصل اگاتے ہیں، ایک ہی ندی کے پانی اور ایک ہی سورج کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں۔ ایک ہی طرح کے دکھ سکھ پاتے ہیں اور اس کے باوجود پڑوسی سے پڑوسی کا جو رشتہ ہونا چاہئے وہ ہم میں نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بنگال میں کئی مقامات پر ہندو اور مسلمان ایک فرش پر نہیں بیٹھتے۔ گھر میں مسلمان آئیں تو ان کے بیٹھنے کا الگ انتظام کیا جاتا ہے، حقے کا پانی پھینک دیا جاتا ہے۔ اگر یہی شاستر کا قانون ہو، یہی اصول ہو تو ایسے شاستر کو لے کر، ان اصولوں پر چل کر کبھی سودیشی راج اور سوراج قائم نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور جگہ انہوں نے لکھا:

"کس کی تاریخ کو ہندستان کی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ پہلے زمانے کی بات ہے کہ گوری چمڑی والے آریاؤں نے ہندستانی تاریخ کی بنیاد رکھی تھی لیکن وہ کبھی یہ اعلان نہیں کر سکتے تھے کہ ہندستان صرف ہمارا ہے۔"

جب ہندو بھارت کے راجپوت راجہ ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے تھے اس وقت اس ملک میں مسلمان داخل ہوئے تھے اور پوری زمین پر پھیل گئے تھے۔ سنگینی گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی ملک میں رہے۔ اس طرح انہوں نے صحیح معنوں میں اس ملک کو اپنا گھر بنا لیا۔ جب ہم اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر یہ کہنے کے قابل ہو جائیں گے کہ ہم ہندستانی ہیں تب ہی ہم اس زمین کے صحیح مالک کہلانے کے قابل ہوں گے ٭٭

ریاستی وزیر شری بنوئے کرشنا چودھری گزشتہ ۹ اگست کو یوم شہداء کے موقع پر بنوئے، بادل اور دینیش کی شبیہات پر گلہائے عقیدت چڑھاتے ہوئے۔

★

قومی یک جہتی اور خطباتِ آزاد

ڈاکٹر سلیم احمد، گورکھپور

مولانا ابوالکلام آزاد کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ وہ سیاسی، سماجی، عمرانی اور قومی یک جہتی کے میدان میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ ان کے ذکاوفہم کا یہ عالم تھا کہ سولہ سال کی عمر میں عربی اور فارسی، ریاضی اور فلسفہ پر قدرت حاصل کرلی تھی۔ ان کا یقین تھا کہ تمام مذہب کے پیشوا چاہے وہ جس دور میں آئے ہوں خدا کے پیغام کے ساتھ ساتھ آپسی میل محبت اور اخوت کا پیغام دیتے رہے۔ الغرض تمام مذاہب دلوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں نہ کہ دلوں کو توڑنے کا۔ مختلف مذاہب کے عقیدت مندوں کا تقدس جذبہ قومی یک جہتی کے زمرے میں آتا ہے۔

دراصل قومی یک جہتی کی ضرورت اس جگہ پڑتی ہے جہاں کئی مذاہب کے ماننے والے ہوں، مختلف قومیں ہوں، زبانیں الگ الگ ہوں، رسم و رواج اور تیوہار یں الگ ہوں وغیرہ وہیں آپسی اختلافات بھی ہونگے اور جب اختلافات ہوں گے تو وہیں قومی یک جہتی کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ چوں کہ ہندستان ایک ایسا ہی ملک ہے جہاں پر مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے رسم و رواج، کلچر، تیوہار، عبادتیں اور مذہبی تبلیغ واشاعت کا کام پوری پوری آزادی کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہندستان میرے آباء و اجداد کی میراث ہے اور پورے ملک میں ایک مذہب، ایک زبان اور ایک رسم و رواج ہو تو وہ اپنے آپ کو بڑا فریب دے رہا ہے۔ اس سے تو صرف ٹکراؤ کا ہی راستہ کھلے گا نہ کہ اتحاد و اتفاق کا۔ اگر ہمیں آپسی اتحاد و اتفاق کو قائم رکھنا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام کرنا ہوگا۔ ہندستان تو ایک ایسے ملک کا نام ہے جس نے اپنی آغوش میں آریوں، مغلوں، پرتگالیوں، منگولوں، فرانسیسیوں اور انگریز جیسی مکار قوموں کی پرورش کی۔ ہندستان میں قومی یک جہتی کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب یہاں پر برطانوی سامراج تسلط ہوا۔ چونکہ انگریز ایک مکار اور غدار قوم تھی۔ وہ اپنے مفاد اور اپنی حکومت کو منظم اور مستحکم بنانے کے لئے دو بڑی قوم ہندو مسلم کو آپس میں لڑانے کا کام کیا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ صدیوں سے قائم آپسی میل و محبت اور بھائی چارے کی جو آہنی دیوار تھی دھیرے دھیرے منتشر ہوتی گئی اور یہیں سے مذہبی اور قومی اختلافات پیدا ہوئے۔ الغرض یہ کہا جائے کہ ہندستان میں مذہبی اور قومی اختلافات کی بنیاد انگریزوں نے رکھی تو غلط نہ ہوگا۔

انگریزوں سے قبل ہندستان میں مغلوں کی حکومت تھی جو آئے تو اسلحے کی طاقت پر تھے لیکن انہوں نے ہتھیار کے زور پر حکومت نہیں کی بلکہ محبت اور اخوت، اتفاق و اتحاد اور سبھی مذہب کا احترام ہی ان کی حکومت کی بنیاد تھی۔ بابر نے ہندستان پر اختیار حاصل کرنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ یہاں کے ہندوؤں کا احترام کرتے ہوئے گاؤکشی پر پابندی لگادی اور یہ پابندی آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے عہد تک قائم تھی۔ اسی طرح ہندو راجاؤں میں بھی ایسے ہی اتحاد کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ تاریخ کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مالوجی (شیواجی کے دادا) جو احمد نگر قلع میں ایک فوجی کمانڈر کے عہدے پر تھے شادی کے دس برس تک جب انہیں کوئی اولاد نہیں ہوئی تو انہوں نے قلع کے باہر مقیم شاہ شرف بابا کے مزار پر دعا مانگی اور انہیں ایک بیٹا نصیب ہوا جس کا نام شاہ جی رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد دوسرا بیٹا بھی ہوا اور اس کا نام شرف جی رکھا۔ شیواجی شاہ جی کے لڑکے تھے۔ شیواجی کی فوج میں بہت سے سپاہی اور کمانڈر مسلم تھے۔ مثلاً دریا خان اور دولت خان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شیواجی کے نجی سکریٹری ملا حیدر تھے جن کے پاس شیواجی کے تمام خفیہ کاغذات رہتے تھے۔ گرو گوبند سنگھ کی فوج میں نبی خان اور جنرل سید بیگ کے علاوہ مراٹھوں کی فوج میں بہت سے مسلم سپاہیوں کے کارنامے قابلِ ذکر ہیں۔ ٹیپو سلطان کی حکومت کے نظم و نسق میں پورنیا پنڈت کا جو دخل تھا وہ کسی مسلم عہدہ دار کو نہیں تھا۔ اگرچہ دورانِ جنگ کسی مندر کو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو اس کے پورے نقصان

11

کی تلافی کے لئے عطیات دیتے اور نقصان پہنچانے والے سپاہیوں کو سخت سزا۔ گاندھی "ینگ انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ،

"یہ بادشاہ (ٹیپو) جس قدر بہادر تھا اسی قدر غدار سے بے تعصب۔ اس کی نگاہ میں ہندو مسلم دونوں برابر تھے کسی مذہب سے وہ کوئی تعرض نہیں کرتا تھا"

سراج الدولہ کی فوج میں سپہ سالار میر مدن کی کارکردگی کو کون بھول سکتا ہے۔

اسی طرح گروگرنتھ صاحب بابا فرید کے شبد، شاہجہاں کے بیٹے داراشکوہ کا ویداور اپنیشدوں کا عالم اور مفسر ہونا۔ اس سلسلے میں مغل بادشاہ اکبر نے جو کردار اتحاد اور یک جہتی کا ادا کیا اسے ہندو مسلم دونوں بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا چند ایسی مثالیں ہیں جسے تاریخ پوشیدہ نہیں کرسکتی۔ یہاں پر جو بھی عظیم شخصیت گزری ہے چاہے وہ مذہب کے اعتبار سے رہی ہو یا سیاسی سماجی اعتبار سے سبھی نے اتحاد پر زور دیا۔ قومی یک جہتی کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تلقین کی۔ دورِ حاضر میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک رہے ہیں جنہیں ہم سماجی اور سیاسی رہنما کے ساتھ ساتھ قومی یک جہتی کے علمبردار کی حیثیت سے بھی یاد کرتے ہیں۔

مولانا دوراندیش اور بڑے سوجھ بوجھ والے انسان تھے۔ شروع میں وہ ادبی اور صحافتی زندگی سے وابستہ تھے لیکن صحافتی زندگی میں "الہلال" کی آتشیں تحریروں کی وجہ سے حکومت نے "الہلال" کی ضمانت ضبط کرلی اور آزاد کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبہ بدر کرکے رانچی میں نظربند کردیا گیا اور جب وہ ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے تو ادبی اور صحافتی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک سیاسی حیثیت سے میدان میں آئے اور ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی سے ملاقات کرکے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد ہندستان کے واحد سیاسی رہنما تھے جنہوں نے اپنی تمام سیاسی جماعتوں کے خطبوں میں قومی یک جہتی کا عکس بہر صورت اجاگر کیا۔

۱۹۳۱ء میں آگرہ کے ایک صدارتی خطبہ میں اتحاد پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ہندستان کے مسلمانوں کا یہ فرض شرعی ہے کہ وہ ہندستان

کے ہندوؤں سے کامل سچائی کے ساتھ عہد و محبت کا پیمان باندھ لیں اور ان کے ساتھ مل کر ایک نیشن ہو جائیں۔"

وہ قومی اتحاد پر نہ صرف سیاسی لحاظ سے زور دیتے ہیں بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی اتحاد پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"خدا کی آواز کے بعد سب سے بڑی آواز جو ہو سکتی ہے وہ محمدؐ کی آواز تھی۔ اس وجودِ مقدس نے عہدنامہ لکھا۔ یعنی یہ اس کے الفاظ ہیں۔ اِنَّہُمْ اُمَّۃٌ وَاحِدَۃٌ۔ ہم ان تمام قبیلوں سے جو مدینے کے اطراف میں بستے ہیں صلح کرتے ہیں، اتفاق کرتے ہیں اور ہم سب مل کر ایک امتہ واحدہ بننا چاہتے ہیں۔ اُمّۃ کے معنی ہیں قوم اور نیشن اور واحدۃ کے معنی ہیں ایک۔"

۱۹۲۳ء میں ایک اجلاس کے صدارتی خطبے میں انہوں نے اتحاد پر جو زور دیا اس کا ایک قابلِ تعریف ٹکڑا پیش خدمت ہے:

"... ایک لمحہ کے لئے اس حقیقت کو بھی یاد کر لیجئے کہ کامیابی کا دارومدار محض ہتھیاروں اور راستوں کی نوعیت پر نہیں ہے بلکہ خود فوج کی طاقت پر ہے یہ بات کہ ہتھیار کیسے ہوں؟ ایک دوسرے درجہ کا سوال ہے۔ اصلی سوال یہ ہے کہ سپاہی کیسے ہوں؟ ...... ایک متحدہ فوج خراب ہتھیاروں کے ساتھ بھی کامیاب ہو سکتی ہے لیکن اچھے سے اچھے ہتھیار بھی منتشر اور بے دل سپاہیوں کو جیت نہیں دلا سکتے ......"

مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبے کی ایک بہت بڑی خاصیت یہ ہے کہ وہ ماحول اور عوام الناس کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے خطبوں کو اگرچہ دیکھا جائے تو آزاد ایک جید عالم، معتبر مولانا اور مفتی کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ عربی کی آیتیں، پیچیدہ مثالیں، فتوے، حدیثوں کا حوالہ، مشکل الفاظ کی بندش سے خطبہ کی زینت بخشتے ہیں اور اگر خلافت کانفرنس میں ہوں تو تاریخِ اسلام پر ذکر، خلافت پر تفصیلی بیان، مسلمانوں کے فرائض اور قرآن و حدیث کے حوالے سے مدلل مباحثہ اور پارٹی کانفرنس کے خطبات میں ایسی شائستہ اور سلیس زبان کا استعمال کرتے ہیں جو عام فہم اور ہر طبقہ کے لوگ بہ آسانی سمجھ سکتے

ہیں لیکن ان خطبات کی تحریروں میں جذبات اور انانیت کا عنصر
حد درجہ ملتا ہے لہٰذا کہاں اور کس جگہ کیسے خطبے پڑھے جائیں مولانا
یہ اچھی طرح جانتے تھے۔ خود لکھتے ہیں:

"تقریر کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تقریر تو وہ ہے جس کا
مقصد ہے کہ آپ سے اپیل کی جائے۔ آپ کے دل کو متوجہ
کیا جائے۔ آپ کے احساسات کو اکسایا جائے اور آپ کے
جذبات سے کھیلا جائے۔ دوسری تقریر وہ ہے جس کا تعلق
دماغ سے ہے اس لئے ضرورت اسکی ہے کہ آپ کا دماغ اس
طرف متوجہ ہو، کان سُنے، دماغ سوچے اور فیصلہ کرے کہ
کہاں تک حقیقت کو پا رہا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مولانا اس بات کا بہرحال خیال رکھتے تھے کہ کس مجمع
میں اور کس طرح کے لوگوں کو کیسے اپنی باتوں سے اور اپنے خیالات سے
متوجہ کیا جائے اور ان کے دل و دماغ پر اپنی بات کو کس طرح سے پیوست
کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہنر مولانا کے علاوہ کسی اور سیاسی رہنما میں
دیکھنے کو نہیں ملتا۔

مولانا آزاد نے ۱۹۲۳ء میں دہلی کے ایک خصوصی اجلاس کے
صدارتی خطبہ میں اتحاد پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

"آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور
قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج ۲۴ گھنٹے
کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے
دستبردار ہو جائے تو میں سوراج سے دستبردار ہو جاؤں گا
مگر اس سے دستبردار نہ ہوں گا...."

اسی خطبے میں ایک جگہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق قائم رکھنے
کی اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں آج اس پلیٹ فارم سے جو ہندوستان کی متحدہ قومیت
کا گہوارہ ہے تمام ہندو مسلمانوں سے وطن کے نام پر اپیل کرتا
ہوں کہ وہ اس کی امیدوں کو اس بے دردی کے ساتھ پامال
نہ کریں۔ اور بلا اس بحث کے کہ اب تک کیا ہو چکا ہے آئندہ
کے لئے ان تمام سرگرمیوں کو بند نہ کردیں جو شدھی مومنٹ
اس کی مدافعت اور فرقہ وارانہ تحریکوں سے تعلق رکھتی ہے اگر
بند کر دینے کے لفظ سے وہ متفق نہیں ہو سکتے تو کم از کم
ملتوی کر دیں۔"

ادھر مولانا آزاد ملک میں یک جہتی اور اتحاد قائم رکھنے کے لئے حتی الامکان
کوشش کر رہے تھے لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان
سے فرقہ پرستی کو ہوا مل رہی تھی تو دوسری طرف ہندوؤں کی شدھی
تحریک بھی سرگرم تھی جس کی وجہ سے فسادات لاحق تھے مسلمان بھی
مفاد پرست اور دور اندیش جناح کی ایک آواز پر لبیک کہنے کو تیار
تھے۔ مولانا اسے دقیانوسی تصور کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار
برس پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں تو انہیں معلوم ہونا
چاہئے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ کبھی پورا
ہونے والا نہیں۔ اسی طرح اگر ایسے مسلمان دماغ موجود
ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنی گزری ہوئی تہذیب اور معاشرت
کو پھر تازہ کریں، جو ایک ہزار برس پہلے ایران اور وسط
ایشیا سے لائے تھے، تو میں ان سے بھی کہوں گا کہ اس
خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں بہتر ہے کیونکہ
یہ ایک غیر قدرتی تخیل ہے......"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کا قومی یک جہتی کا
جذبہ راسخ اور درراست تھا۔ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد انہوں
نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ قومی یک جہتی کے جذبے کو عوام
میں جس کمال ہنرمندی سے بیدار کیا ہے وہ ہماری تاریخ کا ایک زریں
باب ہے۔

قطعہ

سُنو اے ساکنانِ بزمِ ہستی
ندا کیا آرہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیاتِ جاوداں سے

— جوش
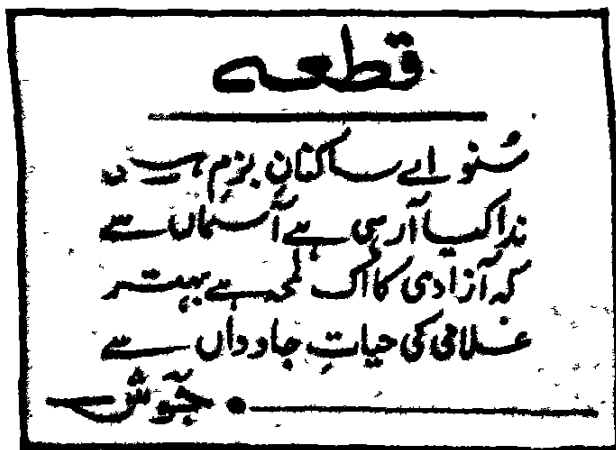
آندھی کی زد میں دیپ جلاتے چلے چلیں

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

فتح و ظفر کے گیت سناتے چلے چلیں
پرچم ترقیوں کے اڑاتے چلے چلیں
اپنے وطن کی شان بڑھاتے چلے چلیں
آندھی کی زد میں دیپ جلاتے چلے چلیں
کٹھنائیوں سے ہم کو نپٹنے کا شوق ہے

آزاد ملک و قوم کی ہم آن بان ہیں
ہم شیر دل ہیں، دیر ہیں بھارت کی جان ہیں
اپنے وطن کی خاک کے ہم پاسبان ہیں
بے باک ہیں نڈر ہیں شجاعت کی شان ہیں
دشواریٔ حیات پہ ہنسنے کا شوق ہے

خوف و خطر سے اور بھی بڑھتے ہیں حوصلے
اٹھتے ہیں دل میں عزم و جسارت کے ولولے
تھکتے نہیں سفر سے جیالوں کے قافلے
پھولوں کی سیج پر کہیں سوتے ہیں منچلے
پُرخار راستوں سے گزرنے کا شوق ہے

لہو ڈالو چراغوں میں

حلیم ضیا
بمبئی

نشانِ عزم پا لینا
بہت دشوار ہے لیکن
عمل کی حوصلے کی اور
شجاعت کی ضرورت ہے
اجالوں کی تمنا ہے؟
لہو ڈالو چراغوں میں
اندھیرے خود نہیں مٹتے
مٹائے جا تو سکتے ہیں
ستاروں پر کمندیں ڈالنا
نہیں آساں ہے لیکن
بدن خاکی سہی پھر بھی
خودی کا کارنامہ ہے
فلک کی آخری منزل پہ پہنچی ہے
سبق حاصل کرو یارو!
ہمارے روز و شب پر تو
فقط تاریکی چھائی ہے
مگر پھر بھی نہیں غیرت!!
نہ عزت ہے نہ عفت ہے!!
تماشا خود بھی ہم ہی ہیں
تماشائی بھی ہم ہی ہیں
اسی کا نام رفعت ہے؟
اسی کا نام وسعت ہے؟؟

اجالوں کی تمنا ہے
لہو ڈالو چراغوں میں
اندھیرے خود نہیں مٹتے
مٹائے جا تو سکتے ہیں

سیکولر ثقافت — بھارتی جمہوریت کا بنیادی اصول

پروفیسر رشید الدین خاں

ہندستان میں دنیا کی نمایاں تہذیب کے طور پر اپنے نشیبوں سے بار بار ابھرنے کی حیرت انگیز صلاحیت موجود ہے۔ ہندستان نے ایک مستقل پہچان کے طور پر ہمیشہ اپنی حیثیت منوائی ہے۔ اس سیاق و سباق میں یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ ۱۹۹۴ء سے ہندستان میں قومی ہم آہنگی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا پھر سے ایک نیا ماحول پیدا کرنے کی مہم جاری ہے۔ ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء کے پریشان کن واقعات — بابری مسجد واقعہ، نتیجتاً ملک کے بہت سے حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات اور بمبئی دھماکوں نے تمام مذہبی فرقوں سے تعلق رکھنے والے سیدھے سادے شہریوں کے ضمیر کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور منفی طاقتوں کا از سر نو جائزہ لینے کے لئے ایک موقع فراہم کیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ آج عام ہندستانی شہریوں اور رائے دہندگان کچھ گروپوں کے ذریعہ نفرت، ڈر و خوف اور پھوٹ کے پروپیگنڈے سے نجات پانا چاہتے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہم عصر ہندستان کے سیاسی نظام میں جمہوریت، سیکولر نظام حکومت، وفاقی قومی تعمیر، قانون کی برتری، کھلے سماج نیز تمام لوگوں کی بہبود اور خوشحالی کے لئے سماجی و اقتصادی تبدیلی کے سب سے اہم عمل کا اصل دشمن فرقہ پرستی کا وجود اور اس کا بڑھاوا ہے۔

فرقہ پرستی پھیلانے والے تمام لوگ خواہ وہ ہندو ہوں، مسلم ہوں، سکھ ہوں یا عیسائی ہوں، یکساں طور سے قابل مذمت ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور ایک جدید انسان دوست اور مثبت نیز کثیر مذہبی اور کثیر علاقائی بھارتی شناخت کے آہستہ لیکن مطلوبہ ظہور کو مجموعی طور سے علیحدہ علیحدہ کر دیتے ہیں اور اسے توڑ دیتے ہیں۔ فرقہ پرستی ملک کی توجہ اس قومی ایجنڈے کے اہم اور ضروری امور سے ہٹا دیتی ہے، جو غریبی کے خاتمے، روزگار کے مواقع میں اضافہ، حقیقی مجموعی اندرون ملک پیداوار میں اضافے، معیار زندگی میں بہتری نیز ان سب سے بڑھ کر خاص طور سے تعلیم، صحت، خاندانی منصوبہ بندی، پینے کے پانی کی دستیابی، ماحولیاتی آلودگی پر کنٹرول وغیرہ کے شعبوں میں انسانی وسائل کی ترقی و فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولیات جیسے تمام ترقیاتی امور پر مشتمل ہے۔ جس اقدام میں ترقی کے اس مرحلے پر ان امور کو ملک کی اہم تشویشات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اسی اقدام سے بھارت دنیا میں مطابقت اور اہمیت حاصل کرے گا۔

اس کوشش میں منفی سیاست اور فرقہ پرستی کے منکرانہ نظریے کا واحد حل اور اصلاح تمام متعلقہ شہریوں، جماعتوں اور حکومت کی مصمم اور جامع کوشش ہے تاکہ بھارت میں ایک لچکدار اور سیکولر ثقافت کی تعمیر کی جا سکے۔

سیکولر ثقافت میں ایک ایسا نظریہ اور ایک ایسا عمل مضمر ہے جس کے تحت شہری زندگی اور سیاسی ثقافت کی کچھ اقدار اور معیار پر زور دیتے ہوئے روایتی سماج کو جدید نظام حکومت میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اوّلین اور بہترین سیکولر ثقافت ایک ایسے عمل کے طور پر نمایاں اور مستحکم رہتی ہے، جس میں سیاست میں مذہب کے غلبے نیز واحد مذہبی مملکتی ڈھانچے کی تعمیر کی مخالفت کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی مذہبی مملکت کی مخالفت کرتی ہے، جس پر کسی مذہبی فرقے کا کنٹرول ہو اور جو اس کی زیر ہدایت کام کرتی ہو۔ سیکولر ثقافت شہریوں کو طبقوں، قبیلوں، ذاتوں اور مذہبی فرقے پر مبنی علیحدہ علیحدہ حلقۂ انتخاب میں تقسیم کرنے کے منفی منصوبے کو رد کرتی ہے کیوں کہ اس سے علیحدہ علیحدہ قوم پرستی کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو ایک مشترکہ اور مکمل قوم پرستی کی حقیقی ضرورت کے منافی ہے۔

زیادہ مثبت طور سے سیکولر ثقافت کا مطلب ایک طرف زندگی کے ذاتی پہلوؤں کے ایک حصّے کے طور پر مذہب اور عقائد کو تسلیم کرنا ہے، تو دوسری طرف تمام مذاہب اور عقائد کا یکساں احترام کرنا ہے۔ اس سے قومی اتحاد اور یک جہتی کے لئے مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان مفاہمت، ہم آہنگی اور تعاون کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس

پس منظر میں، یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ سیکولر ثقافت ہندستانی جمہوریت، قومی یک جہتی اور بھارتی ثقافتی شناخت کا بنیادی اصول ہے۔ یہ ایک بنیادی قدر ہے جو ہمارے آباؤ اجداد نے عطا کی ہے۔ بھارت ایک سیکولر نظام حکومت کے تئیں اپنے غیر متزلزل عزم کے بغیر بھارت نہیں رہے گا۔ یہ دادا بھائی نوروجی، گوکھلے، گاندھی جی، جواہر لال نہرو، ابوالکلام آزاد، بھگت سنگھ، امبیڈکر نیز ہماری قومی تحریک کے تمام روشن خیال اور آزاد خیال رہنماؤں کی درخشاں میراث ہے، چنانچہ اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ شہریوں، پیشہ ور گروپوں اور انجمنوں نیز ہمارے سیاسی نظام کے تمام آزاد خیال لوگوں کو بڑے پیمانے پر یکجا کیا جائے تاکہ ان بنیادی اقدار کے دفاع میں نئی قومی اتفاق رائے تیار کی جائے جو ہمارے آئین کی تمہید میں انتہائی مختصر اور جامع طور سے شامل ہیں۔

درحقیقت ان شہریوں کو سیکولر جمہوری ثقافت کا دفاع اور تحفظ کرنا چاہیئے اور اسے فروغ دینا چاہیئے، جو ہندوستان کے نصب العین اور اقدار میں یقین رکھتے ہیں ٭٭

ہمسفر کس کو کہیں

شفیق شاپاک

کلکتہ

ہم سفر کس کو کہیں اب ہم نوا کس کو کہیں
ہے کہاں اپنا کوئی، ہم آشنا کس کو کہیں

ہم نشیں جو تھے ہمارے، جاں کے دشمن ہو گئے
دل شکن کس کو کہیں ہم دلربا کس کو کہیں

دشمنوں نے گھر جلایا دوستوں نے دی ہوا
بے وفا کس کو کہیں ہم باوفا کس کو کہیں

ہے دِیا کا کام کہ یہ دور کر دے تیرگی
جب دیے سے گھر جلے تو پھر دیا کس کو کہیں

جس پہ کرتے ہیں بھروسہ دیتا ہے دھوکہ وہی
اب بُرا کس کو کہیں شاپاک بھلا کس کو کہیں

حکیم محمد اجمل خان

قومی اتحاد کے علمبردار

عفران احمد

برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی قومی جدوجہد میں جو شخصیتیں رہنمائی کا فرض ادا کر رہی تھیں ان میں حکیم محمد اجمل خاں کا نام سرِفہرست ہے۔ ہندستان کی جنگِ آزادی کی تاریخ میں انہیں قومی رہنماؤں کی صفِ اوّل میں جگہ ملنا چاہئے۔ حکیم اجمل خاں ان شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے ہندستان کی آزادی کے حصول کے لئے تحریک میں اصولوں کی نشاندہی کی اور یہ طے کیا کہ اس ملک کی آزادی ہی نہیں بلکہ اس کی فلاح و بہبود کا انحصار قومی اتحاد اور یک جہتی پر ہے۔ انہوں نے عدم تشدد کے ان اصولوں پر عمل کر دکھایا۔ حکیم اجمل خاں نے ۱۸۶۳ء میں دلی میں ایک عالی مرتبہ رئیس اور فنِ طبابت میں مشہور خاندان میں جنم لیا۔

یہ خاندان ان کے جدِ امجد حکیم محمد شریف خاں کے نام سے منسوب ہے جو شاہ عالم ثانی کے عہد میں اشرف الحکماء کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔ ان کے آباء و اجداد مغل بادشاہ بابر کے عہد میں ہندستان آئے تھے۔

حکیم اجمل خاں کے والد حکیم محمود خان اعظم بڑے خدا پرست انسان تھے۔ انہیں مغل حکومت سے حاذق الملک کا خطاب ملا تھا۔ ہندستان کی پہلی جنگِ آزادی یا غدر ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد انگریز حکام نے انہیں بھی گرفتار کر لیا لیکن بعد میں رہا کر دیا تھا۔ حکیم اجمل خاں کی پرورش اور تربیت والد کے زیرِ سایہ ہوئی جن کے بیشتر اوصاف حکیم صاحب میں آگئے۔ فنِ طب اپنے دور کے ماہرینِ فن سے حاصل کی، عملی تربیت اپنے والد اور بھائیوں سے حاصل کی۔ شعر گوئی کا ذوق فطری تھا۔ شیدا تخلص تھا۔ اردو اور فارسی غزلیات کا ایک مجموعہ یادگار چھوڑا ہے۔ ۲۸ اور ۲۹ دسمبر کی درمیانی رات کو رام پور میں انتقال کیا دلی میں تدفین عمل میں آئی۔

حکیم اجمل خاں کی مقبولیت، سیاست، طبابت اور تعلیم کے میدان میں تقریباً ۲۵ برس تک چھائی رہی۔ ان کی شخصیت غیر متنازعہ تھی۔ ہندو مسلمان اور تمام فرقوں کو ان پر مکمل اعتماد تھا۔ ہر مذہب اور عقیدہ کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ وہ ہندستان کی گوناگوں ثقافت اور قومی یک جہتی کے مظہر تھے۔ مہاتما گاندھی نے ان کے بارے میں ایک بار لکھا — "ہندو مسلم اتحاد ان کی روح میں پیوست ہے۔"

بیسویں صدی میں اہم مسیحی دانشور سی ایف اینڈریوز اسی طرح اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:— "حکیم صاحب کو دیکھ کر میرے ذہن میں وہ تصویر آجاتی تھی جس کے متعلق انجیل میں ذکر ہے:

"جب شام ہوئی تو اس (حضرت مسیح) کے پاس شہر کے تمام مریضوں کمزوروں اور ایسے بیماروں کو لایا گیا جو مرض الموت میں گرفتار ہو چکے تھے اور اس نے ان سب لوگوں کو شفا بخشی۔"

مرحوم صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں: "وہ ایک ایسی شخصیت تھی جس کے ہر جزو میں وہ تناسب اور ہمواری تھی کہ کسی کو ایک جزو بھی حاصل ہو جائے تو آدمی کو بڑا بنا دیتی ہے۔"

حکیم محمد اجمل خاں نے جو طبی اور تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ ایک طرف انہوں نے طبِ یونانی اور دیگر دیسی طبوں کو برطانوی حکومت سے قانونی طور پر منوایا اور دوسری طرف جامعہ ملیہ اسلامیہ کی سرپرستی کی اور قومی نظریہ تعلیم کو عملی جامہ پہنا کر ایک ایسے نظامِ تعلیم کی نشاندہی کی جو ہماری قومی ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

حکیم اجمل خاں کا تعلق تعلیم کی اس قومی تحریک سے تھا جو یہ چاہتی تھی کہ نظامِ تعلیم میں اس طرح کی اصلاح ہونی چاہئے جو ہماری قومی امنگوں اور ملکی ضروریات کے مطابق ہوں۔ اس تحریک کے نتیجہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے طلباء کا ایک طبقہ الگ ہوا۔ اس کے اس وقت کے قومی رہنما

مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے ایک درسگاہ کا آغاز کیا جس کا نام جامعہ ملیہ اسلامیہ رکھا گیا۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ ۲۱ر دسمبر ۱۹۲۱ء میں حکیم اجمل خاں نے جو اس کے سرپرست تھے اس کے پہلے جلسۂ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "میں بلاخوف تردید کر سکتا ہوں کہ ہم نے اصولی حیثیت سے تعلیم کو صحیح شاہراہ پر ضرور ڈال دیا ہے، اور ہم نے جہاں سچے مسلمان پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کی ہیں، وہاں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے کہ تعلیم و تربیت میں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے اور اسلامیت کے ساتھ ساتھ وطن کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا بھی ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ جہاں ہندو طلباء کو بہت سے اسلامی معاملات پر معلومات حاصل کرنا ضروری ہے وہاں مسلمان طلباء بھی اہم ہندو رسوم اور ہندو تہذیب و تمدن سے ناآشنا نہ رہیں کیوں کہ ایک متحدہ ہندستانی قومیت کی اساس محکم اسی افہام و تفہیم پر منحصر ہے۔"

ترک موالات (عدم تعاون) کی تجویز کی تائید کرنے والوں میں اجمل خاں نمایاں تھے۔ حکیم صاحب نے اپنا خطاب حاذق الملک واپس کر دیا۔ تحریک عدم تعاون کے پیچھے اصل تحریک برطانوی حکومت کی عہد شکنی تھی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے دوران اس نے ہندستانی عوام سے تعاون مانگا تھا۔ کچھ شرطوں کے ساتھ یہ تعاون اسے ملا تھا۔ جب جنگِ عظیم ختم ہو گئی تو برطانیہ نے تمام وعدے بالائے طاق رکھ دیے۔ رولٹ ایکٹ جیسا سخت قانون نافذ کیا۔ اور ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے خونیں واقعے نے حکومت کے عزائم کو بے نقاب کر دیا۔ ترکی کے معاملے میں برطانیہ نے اپنا کوئی وعدہ پورا نہیں کیا۔ ۱۹۲۱ء میں حکیم صاحب نے احمد آباد کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا:

"ہمارا ملک اس وقت درد و کرب کی حالت میں پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ مگر یہ پیش گوئی کرنے کے لئے کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں کہ یہ اس نوجوان ہند کی پیدائش کا درد ہے جو ہمارے قدیم ملک کی روایات کو اجاگر کر دے گی اور اقوام عالم میں اپنا بلند مقام حاصل کر لے گی۔"

حکیم محمد اجمل خاں کی شخصیت اتنی غیر متنازعہ اور تسلیم شدہ تھی کہ ہر فرقہ اور ہر سیاسی مکتب کے لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔

۱۹۱۹ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا پنڈت موتی لال نہرو کانگریس کے اور حکیم اجمل خاں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ حکیم صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی نہ کریں۔ مذہبی اعتبار سے ایسا کرنا لازم نہیں ہے۔ مسلم لیگ نے ایک قرارداد منظور کر کے حکیم صاحب کی اس تجویز کی تائید بھی کی۔

حکیم محمد اجمل خاں نے فنِ طب میں بہت سی یادگار کتابیں چھوڑی ہیں۔ ان کے سینہ میں ایک شاعر کا حساس اور گداز دل تھا۔ ملک کی غلامی کی حالت پر وہ کڑھتے تھے۔ یہاں ان کے کلام سے فارسی کا ایک شعر نقل کرنا موزوں ہوگا؎

زادم اینجا و بزرگانِ ہمہ زادند اینجا ◆ وندریں شہر مرا سایۂ دیوار نیست

ترجمہ: غم را کسی بیان کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ہمدرد و غم گسار نہیں میں اس جگہ پیدا ہوا اور میرے بزرگوں نے بھی سب نے یہیں جنم لیا اور اس شہر میں مجھے ایک دیوار کا سایہ بھی نصیب نہیں ہے ◆◆

احمد علوی

زباں پہ کچھ ہو مگر دل تو صاف رکھتا ہے
وہ تلخیوں کا لبوں پر غلاف رکھتا ہے

نہیں قبول اسے لمحہ بھر کی قربت بھی
دیا، ہوا سے بڑے اختلاف رکھتا ہے

کسی سے کیا کریں دورنگیٔ وفا کا گلہ
خدا بھی ہم سے کہاں دل کو صاف رکھتا ہے

سنہری دھوپ میں چمکے ہے جسم چاندی سا
وہ بہتے دریا سا اپنے کو صاف رکھتا ہے

مجھے اسی کی وفاؤں پہ ہے یقین بہت
جو اپنی رائے بھی میرے خلاف رکھتا ہے

نہیں ہے سجدے کا کوئی نشان ماتھے پر
کہ خود کو علوی بہت پاک صاف رکھتا ہے

اشہر ندیمی، بمبئی

نظر کو شوق، وہ منظر دکھائی دیتا تھا
خوشی کی صبح کا خاور دکھائی دیتا تھا

دیا جلا تھا بہت دن کے بعد جس گھر میں
کھلا ہوا کو وہی گھر دکھائی دیتا تھا

شجر ہے ایسا جہاں ہاتھ جا نہیں سکتے
ہمیں ثمر بھی اسی پر دکھائی دیتا تھا

عقیدتوں سے جسے پوجنے کی خواہش ہے
کسی جگہ تو وہ پتھر دکھائی دیتا تھا

بھٹک رہا تھا کوئی تشنگی کے صحرا میں
کہیں پہ کوئی تو ساغر دکھائی دیتا تھا

طواف کرنے کی خواہش جوان ہے اشہر
حسین کوئی تو محور دکھائی دیتا تھا

عظیم سنتھال بغاوت ۱۸۵۵ء کی یاد میں

شری بھوپیش چکرورتی

ھندستان کی آزادی اور عوامی تحریک کی تواریخ میں ۳۰ جون کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ہر سال اسی دن ہم یوم ہول مناتے ہیں۔ اس کے پیچھے کیا اسباب کارفرما ہیں؟ یہ تحریک برٹش کی پیدا کردہ انٹرمیڈیاریز کے ظلم و ستم کے خلاف چلی تھی یعنی ۸۰ تا ۱۰۰ انٹرمیڈیاریز جو چیف زمیندار، گاؤں کے مالکان، زمین کے حقیقی جوتنے والوں، لگان محصول کرنے والوں، گاؤں کے مہاجنوں، ریلوے کنٹراکٹروں اور دیگر بے شمار استحصال کرنے والوں پر مشتمل تھی، کے خلاف اور خصوصاً اس وقت کے سرمایہ دار نو آبادیاتی حکام کے خلاف یہ تحریک اٹھی تھی۔ آج سے ایک سو چالیس برس پہلے آج ہی کے دن دشمن طبقہ کے خلاف ایک زرعی تحریک (جسے عام طور پر ۱۸۵۵ء کی سنتھال بغاوت کے نام سے جانا جاتا ہے) کا آغاز لازمی طور پر دو بھائیوں سیڈو مرمو اور کانہو مرمو جنہیں ان کی ابتدائی مہم اور بہادرانہ جدوجہد کے لئے آج بھی تیسرا عظیم ترین قبائلی فرقہ ہی نہیں بلکہ ملک کے تمام افراد عزت و فخر کے ساتھ یاد کرتے ہیں، کی رہنمائی میں ہوا تھا۔ آج بھی ریاست بہار کے سنتھال پرگنہ کے ضلع کے بھگنا دیہی گاؤں میں ان دو مہان جاں بازوں کی یاد میں ایستادہ روایتی شہیدی مینار کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ یہاں اس امر کا ذکر خارج از فوائد نہیں ہوگا کہ برٹش انتظامیہ کے اس بے مثال مقابلہ سے قبل بھی مقامی اور علاقائی رہنماؤں کی سرپرستی میں اس نوعیت کی مزاحمت کی کوششیں ہوئی تھیں لیکن ان کے کوئی خاطرخواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ بہرحال یہ مزاحمتیں اور ۱۸۵۵ء کی یہ عظیم سنتھال بغاوت بے کار نہیں گئیں بلکہ ان اسباب نے جیسا کہ ہمارے ملک کی تواریخ ہمیں بتاتی ہے ۱۸۵۷ء کی وسیع تر تحریک جسے عام طور پر لوگ سیاسی بغاوت کے نام سے جانتے ہیں، کے لئے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ برٹش شہنشاہیت کے خلاف آزادی کی یہ پہلی تحریک تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۱۷۷۸ء (برٹش حکومت کے خلاف بہار کے پہاڑیا سرداروں کی بغاوت) اور ۷۱-۱۹۶۷ء (نکسل بغاوت) کے درمیان ملک میں وقوع پذیر ہونے والے قبائلی بغاوتوں میں ۱۸۵۵ء کی عظیم سنتھالی بغاوت (ہل) کی حیثیت سلسلہ وار طور پر ۴۷ ویں ٹھہرتی ہے۔ صرف ریاست بہار ہی میں اس نوعیت کی ۲۴ بغاوتیں وقوع پذیر ہوئیں۔ ۱۸۵۵ء کی عظیم سنتھال بغاوت کا خود یہ دعویٰ ہے کہ اس نوعیت کی یہ دسویں بغاوت تھی لیکن اس وقت کے حکام نے پچھلی تین سلسلہ وار بغاوتوں جو ۱۸۱۱ء، ۱۸۲۰ء اور ۱۸۳۱ء میں وقوع پذیر ہوئیں، سے شاید کچھ بھی نہیں سیکھا۔ ان تمام بغاوتوں کو غلط طور پر "امن و امان کے مسائل" سے تعبیر کیا گیا۔ ۱۸۵۵ء کی عظیم سنتھالی بغاوت کو جیسا کہ پروفیسر سی وان ہیمنڈ دوف فرماتے ہیں روکا جا سکتا تھا اگر برٹش انتظامیہ سنتھالوں کی حقیقی شکایت کو سنتے اور ان میں سدھار لاتے۔

پرمانٹ زمین داری سٹلمنٹ کے قیام کے ساتھ ساتھ ۱۷۹۳ء کے دوران وہ قطعات آراضی جو روایتی طور پر قبائلیوں کی ملکیت تھے مارکیٹیبل اشیاء بن گئے اور تقریباً راتوں رات وہ زمین داروں اور انکے ماتحتی انٹرمیڈیاریز کے حوالے کر دئے گئے۔ مزید برآں محاسبہ شدہ آراضی کے لگان کو غیر ضروری طور پر (چھ آنہ سے چھ روپئے تک) بڑھا دیا گیا۔ سماجی مقاصد کی سرمایہ کاری کے لئے مذکورہ اضافہ شدہ لگان کی نقدی وصولی اور تقریباً تشدد کے ساتھ چندہ کی وصولی نے صورتحال کو مزید بگاڑ ڈالا۔ قبائل جو کھنٹکاٹی دار (اصلی باشندے) تھے اس دوران انٹرمیڈیاریز کے تحت ٹینٹس بن گئے تھے اور ان کے سربراہ کو چیف زمین دار کہتے تھے جو غیر حاضر زمین دار کا بلند ترین عہدہ ہے۔

"پہاڑیا" میں سے ایک مخالف جماعت بنام دامن کوہ (یہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پہاڑ کا دامن یعنی پہاڑ کی ڈھلان یا ڈھلوان کے ہوتے ہیں) کا قیام حالیہ سنتھال پرگنہ ضلع کے شمال مشرقی

علاقہ میں ۱۸۳۲ء میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام میں لانے کے سلسلے میں محنت کش سنتھالوں نے درختوں کو گرانے اور جنگلوں کو صاف کرنے کے کام میں بڑی مدد کی تھی۔ ڈیکو (لفظ ڈاکو سے مستعار ہے معنی استحصال کرنے والا) کی سازش اور دھوکہ دہی کی وجہ سے کھنکٹی سنتھالوں کو منصوبہ بند طریقہ سے اس زرخیز قطعات آراضی سے بے دخل کیا گیا تھا جس کے یہ کبھی مالک تھے۔ بعد میں ان لوگوں نے بھاک چاسی (برگہ داری) کے پیشہ کو اپنا کر ایک نئی طرزِ زندگی شروع کی۔ پیداوار انکے وطن سے باہر یہاں تک کہ انگلینڈ بھی جاتی تھی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ زمین کے حقیقی کاشتکار اور غریب ہو گئے اور غربت اور لاچاری کی زندگی بسر کرنے پر انہیں مجبور کر دیا گیا جبکہ وہ دور خوش حالی کا تھا۔ موجودہ صورت حال نے ان میں سے بہتوں کو بطور زرعی مزدور خوب سیراب ان قطعات آراضی میں کام کرنے پر مجبور کر دیا تھا جو کبھی ان کے تھے۔ اس کے برعکس بہاری اور غیر بہاری ڈیکو لوگوں کو نقدی اور اشیاء دونوں کی شکل میں بتدریج قبائلیوں کا نقصان کر کے بہت فائدے ہوئے۔

ایسی صورت حال کے دوران سنتھال پرگنہ اور بیربھوم کے وسیع علاقوں کے قبائلی افراد ایس او ایس (سیوس آور سولس یعنی ہماری مدد کو آئے) دیوگھر میں تعینات ضلع حکام کو یکے بعد دیگرے برسوں تک روانہ کرتے رہے اور اس کی نقلیں بھی بنگال صوبہ کے لفٹننٹ گورنر کو بھیجتے رہے۔ لیکن ان لوگوں کی جانب سے کسی طرح کی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ انتظامیہ نے غریب قبائلیوں کو تحفظ دینے کے بجائے ان کا استحصال کرنے والوں کی طرفداری کی اور معاشی اور سماجی طور پر ان قبائلیوں کو دبایا۔ نتیجہ کے طور پر صورت حال مزید گمبھیر ہو گئی۔ لچھم پور کے کسی بیر سنگھ کی رہنمائی میں سنتھالوں کی ایک خفیہ نشست کا انعقاد ہوا اور اس کے بعد پاکر راج نے اس پر بھاری جرمانہ عائد کیا اور اسے بڑی بے رحمی سے پیٹا گیا۔ آخر میں بدمعاش داروغہ مہیش لال دتہ نے انہیں کچلنے یا دبانے کے لئے جو اقدامات اٹھائے اس نے جلنے پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ تقریباً چھ تا سات ہزار لوگ جن کا تعلق زیادہ تر چھوٹا ناگ پور، بیربھوم اور بانکوڑا سے تھا اپنے ساتھیوں پر ڈھائے گئے ظلم کا بدلہ لینے کی غرض سے ایک جگہ جمع ہوئے اور قانون

کو اپنے ہاتھوں میں لینے کا فیصلہ سال پتہ کی تمثیل کے ذریعہ سنایا۔ مذکورہ پتہ اتحاد کی نشاندہی کرتا ہے۔ جہاں تک ہم لوگ جانتے ہیں اس سے پہلے ظلم وستم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی گئی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں عدم تشفی کے جو طوفان دبے ہوئے تھے اب زور و شور کے ساتھ پہلے استحصال کرنے والوں کے خلاف اور بعد میں برٹش انتظامیہ کے خلاف پھوٹ پڑے۔ بعد کے مراحل کے دوران یہ تحریک ہندستان میں برٹش دشمن تحریک میں بدل گئی اور "ابوگ راج" (اپنی حکومت) کا قیام اس کا مقصد بن گیا۔

یہ یوں وقوع پذیر ہوا کہ مذہب نے اوسط عوام میں ایک عظیم ہمت افزا قوت کے طور پر کام کیا اور سِدھا کرکی کرشمہ خیزی اور فوری حکم الٰہی نے سنتھالوں کو بھاناڈیہی کے سیڈیو اور کانہو کے ذریعہ اپنی مشکلات کو دور کرنے کے لئے دشمنوں کے جدید اور کارگر ہتھیاروں کے مقابلہ میں اپنے روایتی ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے سلسلے میں بڑھاوا دیا۔ اس حکم الٰہی کو سنتے ہوئے ان کے ساتھیوں میں خوشی کی لہر پھوٹ پڑی۔ دونوں رہنماؤں کی تقریر نے ان کے ساتھیوں کے دلوں میں انقلاب کی آگ بھڑکا دی اور نتیجہ کے طور پر سنتھال ہزاروں کی تعداد میں برٹش راج کی غیر منصفانہ حکمرانی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے نکل پڑے لیکن اس وقت بھی ان کی عرصہ دراز سے چلی آرہی مانگوں پر توجہ نہیں دی گئی۔ حکومت کی سرد مہری نے اس احتجاج میں مزید شدت پیدا کی۔ آخرکار ۳۰ رجون ۱۸۵۵ء کو سیڈو اور کانہو نے ان دس ہزار لوگوں کے سامنے حکم الٰہی سنایا جو بھگنا ڈیہی گاؤں میں سال کے درختوں سے گھرے ایک سبزہ زار میدان میں جمع ہوئے تھے اور وہیں سے ان لوگوں نے تاریخی ہُل (انقلاب) کا اعلان کیا تھا۔ نہایت ہی باقاعدہ طور پر قبائلی پہلے پہنچ گئے جہاں دو غیر مساوی فوجوں کے درمیان جھڑپیں وقوع پذیر ہوئی تھیں، اکی جانب بڑھے۔ اس غیر مساوی جنگ کے باوجود سنتھال نہایت ہی ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمنوں کی فوج کو پانی پلا دیا۔ سیڈو اور کانہو بڑی بہادری سے لڑے اور بہتوں کو جامِ شہادت پینا پڑا۔ ٹھیک اس کے فوراً بعد ہی جنگ کے شعلے (پاکرکہ) دلدلی پہاڑ، دامنِ کوہ کے برہیت (پہاڑوں کا بڑا شہر)، برہاروا، راج محل، اوپار ڈانگا بزد کمر آباد (بیربھوم کا) سیتھیہ اور ریردوان ضلع کے چند دیگر جگہوں میں بھڑک

لٹھے۔ بعد میں دیگر غیر قبائلی حکمرانوں نے بھی ان کا ہاتھ مضبوط کیا گرچہ ملک کے بقیہ حصے میں بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ملک کی فوج کو ان کے خلاف یہ بہانہ بنا کر حرکت میں لایا گیا کہ یہ لوگ مہاجنوں اور دیگر عملوں (سرکاری نوکروں) پر انسانیت سوز ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں اس لئے انہیں دبایا جانا چاہئے۔ اس دوران انتظامیہ نے پہلی دہقان تحریک کو کچل ڈالا۔ دوسری جنگ کے دوران عظیم رہنما سیدھو کی موت واقع ہو گئی (یا مار ڈالا گیا) جبکہ اسی طرح کی ایک مڈبھیڑ میں ۱۸۵۶ء کے فروری کے دوران اوپر بنڈھو کے قریب (جو جامتاڑا کے شمال مشرق میں واقع ہے) دوسرا رہنما اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ پکڑا گیا۔ ایک خاص مقصد کے تحت ان تمام لوگوں کو زنجیر میں باندھ کر بھاگناڈیہی گاؤں میں ایک ازدہام کے سامنے پھانسی دینے کے لئے لایا گیا تھا۔ فروری ۱۸۵۶ء کے تیسرے ہفتہ کے دوران آنسوؤں سے لبریز بہت ساری آنکھوں کے سامنے انہیں پھانسی دی گئی۔ تاناشاہوں کی بربریت یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ۳۰ تا ۵۰ ہزار دہقانی فوج کے نصف کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا گیا۔ انتظامیہ نے بلا کسی روک ٹوک نو تا دس برس کے اسکولی بچوں کو کوڑے لگائے اور بہتوں کو جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ قیدیوں کا مستقبل بالکل تاریک تھا کیوں کہ ان کے پاس کورٹ ریکارڈس

نامکمل تھے۔ ان لوگوں کو حسب توقع یا تو کسی نامعلوم منزل (آسلم یا دور دراز کے چائے باغات) کی جانب زندگی بھر کے لئے روانہ کر دیا گیا یا انہیں بنا انصاف کے جیل میں اس وقت تک سڑنے کیلئے چھوڑ دیا گیا جب تک کہ وہ مر نہ گئے۔

برٹش حکومت نے خصوصی طور پر سنتھالوں کو کچھ رعایتیں عطا کیں۔ دامن کوہ کو سنتھال پرگنوں کے نو ساختہ اضلاع کے انتظامی دائرۂ اختیار کے تحت لایا گیا تھا۔ ڈپٹی کمشنر کو اس کا سربراہ بنایا گیا اور چند معاون کمشنروں (مع دیوانی و فوجداری اختیارات) کو ان کا ماتحت عہدہ دار مقرر کیا گیا۔ بنا عملوں کے کسی مداخلت کے متعلقہ معاون کمشنر کو زبانی طور پر بھی شکایت کی گئی۔ مزید برآں سنتھالیوں کو بحیثیت ایک اقلیتی فرقہ تسلیم کیا گیا اور چند اضافی سہولتوں سے مستفیض ہونے کا اہل بنایا گیا۔

ایک سو تیس برس گزر جانے کے بعد بھی ایگالیٹیرین سماج یعنی استحصال سے مبرا سماج میں بھی ۱۸۵۵ کی عظیم سنتھال بغاوت کے اثرات پائے جاتے ہیں لیکن جب سے مذکورہ بالا سماج کا قیام عمل میں آیا ہے اس وقت سے حاکم اور محکوم دونوں ہی طبقوں نے امیروں اور غریبوں کے درمیان معاشی خلا کو کم کرنے کے کاذ کو فروغ دیا ہے ؂ ؂ ٦

ریاستی وزیر شری پرستا سوریم ہول کے موقع پر سیدھو کانو ڈھر میں شہیدوں کی یادگار پر گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے۔

مغربی بنگال اسمبلی نے او بی سی بل کو پاس کر دیا

مغربی بنگال پس ماندہ طبقات ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن بل گزشتہ ۲ راگست کو مغربی بنگال اسمبلی میں منظور کر لیا گیا جس کے تحت دیگر پس ماندہ طبقات کے ممبروں کو فنڈ مہیا کرنے کے لئے ۲/۵ کروڑ روپئے کی منظوری دی گئی ہے۔

یہ اطلاع وزیر مالیات برائے شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب نے دی۔ انہوں نے بتایا کہ او بی سی (دیگر پسماندہ طبقات) ریاست کی کل آبادی کا سات فیصد ہیں جو ریاست میں ۵ فیصد مخصوص نشستوں سے مستفید ہوتے ہیں۔

نصاب میں نظر ثانی کے لئے ایک ہفت رکنی کمیٹی کی تشکیل

ریاستی حکومت نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی نصاب میں عدم یکسانیت کو دور کرنے کی غرض سے اس نصابوں کے تمام موضوعات میں نظر ثانی کرنے کے لئے ایک ہفت رکنی خصوصی کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ ریاستی وزیر برائے ثانوی تعلیم شری کانتی بسواس نے یہ بات گزشتہ ۲ راگست کو ریاستی اسمبلی میں تقریر کے دوران بتائی۔

انہوں نے مزید بتایا کہ برطانیہ کے اوورسیز ڈیولپمنٹ ایڈمنسٹریشن بنیادی تعلیم کے معیار کو بڑھانے کے لئے ہندستان کی آٹھ ریاستوں کو مالی امداد فراہم کرے گی۔

شمالی بنگال میں سیاحت کے فروغ کے لئے مشترکہ پروجیکٹ

حکومت مغربی بنگال ایڈیشن چین آف ہوٹلس اور امریکہ کے گروپ سے شمالی بنگال میں مشترکہ پروجیکٹ کے تحت سیاحت کو فروغ دینے کے لئے بات چیت کر رہی ہے اور ریاست میں اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔ یہ بات ریاستی وزیر شری سبھاش چکرورتی نے گزشتہ ۱۰ راگست کو کرسونگ ٹورسٹ لاج میں فارسٹ فوڈ سنٹر کا افتتاح کرتے ہوئے بتائی۔

انہوں نے بتایا کہ ریاستی حکومت دارجلنگ کے ٹائیگر ہل اور تستا وادی علاقوں میں اور جلپائی گوڑی کے جھالا میں نجی اداروں کی مالی امداد سے بین الاقوامی معیار کا ایک سیاحتی مرکز قائم کرنے کے لئے ایک منصوبہ کو اپنایا ہے۔

شری چکرورتی نے مزید بتایا کہ ریاستی حکومت دارجلنگ گورکھا ہل کاؤنسل کے اشتراک سے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں سیاحت کو فروغ دینے کے لئے پوری طرح دلچسپی لے رہی ہے۔

تبصرہ کیلئے ہر کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے

نامِ کتاب : جذب عشق
مصنّف : حقیقت بریلوی
مرتّب : ڈاکٹر عبد الرؤف
ناشر : نصرت پبلیشرز، امین آباد، لکھنؤ
قیمت : ۴۰ روپئے

۱۲۰ صفحات پر مشتمل زیر نظر کتاب اردو کے ممتاز محقق اور استاذ زبان وادب ڈاکٹر عبد الرؤف کی تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے جس میں متن جذب عشق کے ساتھ ڈاکٹر سید محمود الحسن، صدر شعبۂ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی کا جامع پیش لفظ، میر حسین شاہ حقیقت کے نام ونسب سے متعلق تفاصیل، جذب عشق کا " اردو کی پہلی طبع زاد کہانی ہونے کی دلیل، کہانی کا خلاصہ، جذب عشق کے نادر نسخوں سے متعلق اطلاعات، اس کی تاریخی ولسانی اہمیت کی وضاحت اوراس کے سن اشاعت سے متعلق حوالہ جات بھی شاملِ کتاب ہیں۔ قابلِ قدر بات یہ ہے کہ اس کتاب کی اہمیت پر بحث کرتے وقت اس کے تاریخی پس منظر کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے جس سے اس دور کے سیاسی وسماجی حالات کے خد وخال نمایاں طور پر اجاگر ہوئے ہیں۔

حقیقت کے آباد واجداد خوست (بلخ) سے ۱۷۱۹ء میں لاہور آئے۔ ان کے والد شاہ عالم کے دور میں دہلی پھر بریلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہیں پر حقیقت ۷۳-۱۷۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ جب انہوں نے ہوش سنبھالا لکھنؤ فیض آباد کی جگہ شعروادب کا امتیازی مرکز بن کر ابھرا تھا۔ شعروادب کی ساری محفلیں سمٹ کر لکھنؤ آگئی تھیں۔ حقیقت بھی ۲۰ سال کی عمر میں لکھنؤ پہنچے۔ یہاں انہوں نے اردو کے شعراء وادباء کی بھیڑ میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوالیا اور جلد اپنی انفرادیت قائم کرلی۔ حقیقت فطری طور پر شاعر تھے اور جرأت لکھنوی کے چہیتے شاگرد تھے لیکن ان کی نثری تصانیف آج بھی خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ آٹھ کتابوں کے مصنف تھے جن میں ان کا دیوان ریختہ بھی شامل ہے۔

جذب عشق کے نسخہ کو مرتب کرکے ڈاکٹر عبد الرؤف نے ادبی مورخین کے لئے کئی ایک نئے گوشے اجاگر کئے ہیں جو عام طور پر محققین کی نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے مسودے کی ترتیب کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے علاوہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ اور پروفیسر مسعود حسن ادیب کے کتب خانے کے مخطوطات سے استفادہ کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں مرتب نے مندرجہ ذیل اہم نکات کی نشاندہی کی ہے۔

اوّل یہ کہ حقیقت کا نام حسین شاہ تھا کبھی وہ اپنے نام سے پہلے سیّد اور کبھی میر لکھتے تھے۔ ان کی جائے پیدائش دہلی نہیں بریلی ہے۔ دوئم یہ کہ جذب عشق حقیقت کا دیوان نہیں بلکہ نثری تصنیف ہے۔ سوئم یہ کہ یہ اپنے موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے دورِ حاضر میں اردو کی سب سے پہلی طبع زاد کہانی یا افسانہ کہلائے جانے کی مستحق ہے اور چہارم یہ کہ زمان ومکان کے پس منظر کے لحاظ سے اس کی کہانی سچے واقعات پر مبنی ہے۔

مرتّب جذب عشق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جذب عشق میں اپنے تمام تر ادبی لوازمات کے ساتھ ایک واقعہ بیان ہوا ہے جس کا رشتہ سماجی حقائق سے جڑا ہوا ہے۔ حقیقت نے داستانوں اور قصّوں کی روش سے ہٹ کر ایک انقلاب انگیز قدم اٹھایا ہے جو ان کی ذہانت اور تخلیقی شعور کا ضامن ہے ــــ ڈاکٹر سید محمود الحسن نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ "مرتب نے اس سلسلے میں نہایت دیدہ ریزی اور عرق فشانی سے کام لیا ہے۔ یہ ایک ایسا تحقیقی کام ہے جس کے ذریعہ ادبی نثر کے تاریخِ مطالعہ میں بڑی آسانی پیدا ہوگی اور ادبی مورخین کے لئے راستہ ہموار ہوگا۔

جذب عشق کا نسخہ آج نادر ونایاب ہوچکا ہے۔ اسکی پہلی اشاعت آج سے تقریباً ۱۴۲ سال قبل ہوئی تھی۔ اس کی تاریخی ادبی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی دوبارہ اشاعت انتہائی ضروری ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر عبد الرؤف نے اسے از سرِ نو مرتب کرکے نہایت "دیدہ ریزی" اور ادب نوازی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ وہ یقیناً اہم کام کے لئے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ نصرت پبلیشرز بھی قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس کی دوبارہ اشاعت سے اپنی ادب دوستی کا مظاہرہ کیا ہے ــــــ (مصطفیٰ اک

مغربی بنگال

جلد نمبر [illegible] * یکم ستمبر ۱۹۹۵ء * شمارہ نمبر ۱۷

ترتیب

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپے * نصف سالانہ : پانچ روپے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :
ڈائرکٹر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
[illegible] ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
* [illegible]

دفتر ادارت
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
[illegible]
[illegible]

25-5601/5571 Ext. [illegible]

شری جیوتی باسو "واشنگٹن پوسٹ" کے نامہ نگار کی بات چیت

مغربی بنگال کا ماحول صنعتی افزائش کیلئے سازگار ہے : وزیر اعلیٰ

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۰ جون تا ۳ جولائی ۹۵ کے دوران ایک اعلیٰ سطح کے صنعتی وفد کیساتھ صنعتی ترقیاتی مسافت کے طور پر امریکہ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کا دورہ کیا۔ اس دوران انہوں نے متعدد میٹنگوں اور پروگراموں میں شرکت کی اور مغربی بنگال میں سرمایہ کاری کے لئے بیرونی سرمایہ کاروں اور غیر مقیم ہندستانیوں سے بات چیت کی۔
ان کے اس دورے کے دوران بہت سے اخباروں اور جرائد کے نامہ نگاروں نے ہندستان اور خصوصی طور پر مغربی بنگال کی صنعتی ترقیات سے متعلق سوالات کئے۔ ایسے ہی "واشنگٹن پوسٹ" کے نامہ نگار نے وزیر اعلیٰ موصوف سے گزشتہ ۱۹ جولائی کو ان سے کچھ سوالات کئے جن کے جوابات قارئین کے دل چسپی کے لئے اردو متن میں پیش کئے جارہے ہیں جو حکومت مغربی بنگال کی طرف سے حال ہی میں شائع ہونے والے انگریزی کتابچہ "انڈسٹریلائزیشن اِن ویسٹ بنگال" سے ماخوذ ہے :

سوال: ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آپکے دورہ کا اصل مقصد کیا ہے؟

میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اپنے دورے کے دوران امریکی صنعت کے گروپوں کے ساتھ نیز غیر مقیم ہندستانیوں کے ساتھ مغربی بنگال میں مناسب سرمایہ کاری اور کاروباری مواقع کے فروغ کے لئے مختلف میٹنگوں اور پروگراموں میں شرکت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ایم پی اور مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے چیئرمین اور مغربی بنگال کے تجارتی وفد بشمول چیمبر آف کامرس کے بڑے بڑے صنعت کار اور نمائندے بھی ان میٹنگوں اور رائے مشوروں میں میرے ساتھ شامل ہوں گے۔ میں ۱۵ ویں شمالی امریکی بنگلہ کانفرنس میں بھی شرکت کروں گا اور تجارتی سمیناروں اور ہندستان میں دل چسپی رکھنے والے سرمایہ کار بنکوں اور اہم فورموں سے بھی خطاب کروں گا۔

سوال، مغربی بنگال میں خاص طور پر کیا چیز سرمایہ کاری کے لئے متوجہ کرسکتی ہے؟

مغربی بنگال سرمایہ کاری کے لئے بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ کلکتہ شمال۔ مشرق اور ایشیاء کی بحر الکاہل خطہ کا صدر دروازہ ہے۔ ہم نے ریاست میں صنعتی ترقیات کو بڑھاوا دینے کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ مغربی بنگال علاقائی اعتبار سے کلکتہ اور ہلدیہ کے بندرگاہوں، ریلوے کا جال اور سڑک کی آمدورفت، مستحکم توانائی صورت حال اور ترقی یافتہ برقی ذرائع ابلاغ نظام کی سہولتوں سے مالامال ہیں۔ ہم بہترین بنیادی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اور زیادہ قابل توجہ محرکات کی توسیع کے لئے اقدامات کو مربوط بنا رہے ہیں۔

ہمارے اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات کی وجہ سے زرعی سیکٹر نے زبردست افزائش کا ریکارڈ قائم کیا ہے جس نے ریاست میں صنعتی ترقیات کے لئے لازمی بنیاد تیار کی ہے۔ نتیجتاً ہمارے عوام کی قوتِ خرید میں اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح یہاں صنعتی اشیاء کے لئے بڑھتی ہوئی مانگ رہی ہے۔

مستحکم سیاسی صورت حال، ریاست میں آباد مختلف خطوں اور عقائد کے عوام کے درمیان ہم آہنگ تعلقات، قدرتی اور انسانی وسائل کی دستیابی، جدید ٹکنالوجی کے میلان کے ساتھ قوتِ محنت، نسبتاً کم قیمت کے اجرتی ساخت اور بہتر سماجی بنیادی سہولتیں وغیرہ کی وجہ سے صنعتی ترقیات کے لئے ہماری ریاست کی بنیادی قوتیں تیار ہوئی ہیں۔

یہ قابل ذکر بات ہے کہ ہمیں سرمایہ کاروں سے حوصلہ افزا جواب ملنے شروع ہو گئے ہیں۔ بہت سے معروف کثیر الاقوام اور ٹرانس نیشنل کمپنیاں مغربی بنگال میں قابل ذکر کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ ہم مغربی بنگال میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاروں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

سوال: کن کن سیکٹروں میں بیرونی سرمایہ کاروں کے لئے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور کیا فوائد متوقع ہیں؟

ہم نئی ٹکنالوجی اور بیرونی سرمایہ کاری کے لئے اس دائرہ عمل تک ہیں جہاں ان سے ہماری معیشت کو مدد ملتی ہے اور جو باہمی مفادات کے حق میں ہیں۔ پٹروکیمیکلس اور ان سے منسلک صنعتوں، بجلی اور اطلاعاتی ٹکنالوجی، لوہا اور اسپات، چمڑے، فوڈ پروسیسنگ، بنیادی ادویہ کی تیاری، کیمیائی اور دواسازی، بنیادی سہولتوں کی ترقیات جیسے سیکٹروں اور کچھ دیگر متعلقہ میدانوں میں مغربی بنگال میں بیرونی سرمایہ کاروں کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔ اب تک جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ان سیکٹروں میں متعدد بیرونی سرمایہ کاروں کی طرف سے جوابات کافی حوصلہ افزا ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رجحان اپنی پوری اہمیت کے ساتھ جاری رہے گا اور بڑھے گا۔

سوال: اس صنعتی ماحول کی طرف مزدور یونین کیسے راغب ہوں گے؟ کیا بیرونی سرمایہ کاروں کیلئے یہ ایک قابلِ فکر جواز ہے؟

مغربی بنگال کو تسلی بخش مقدار میں ماہر انسانی قوت کی دستیابی کا شرف حاصل ہے۔ کافی حد تک پیداواریت کا دارومدار مینجمنٹ کے نقطۂ نظر پر ہوتا ہے۔ مغربی بنگال میں اچھے منظم صنعتوں میں پیداواریت کی شرح نقطۂ عروج پر ہے۔ ہماری حکومت نے صنعت میں اپنی پالیسی دستاویز میں کہا ہے کہ ورکروں کو صرف اپنے مفاد نہیں دیکھنے چاہئیں بلکہ انہیں کمپنی کے بھی مفادات کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ وہ لوگ پیداوار اور پیداواریت میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں گے۔ خوش قسمتی سے ہماری حکومت کو ٹریڈ یونینوں کی اکثریت کی طرف سے ایک اچھی رپورٹ حاصل ہے اور یہ سب ہمارے مطمحِ نظر کو سمجھتے ہیں اور اس کی سراہنا کرتے ہیں۔ یہ سب حقیقت میں ریاست کی صنعتی افزائش کے خواہاں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ بیرونی سرمایہ کاروں کے لئے اس سلسلے میں تشویش کا کوئی جواز نہیں ہے۔

سوال: ان پروجیکٹوں کے لئے مالیات کہاں سے آئیں گے؟ کیا ملک کے سرمایہ دار بازاروں سے ضروری مالیات فراہم ہو پائیں گے؟

بڑے پروجیکٹوں کے لئے مالیات پروموٹروں، بینکوں اور ملک کے بڑے مالیاتی اداروں، بیرونی/ این آر آئی سرمایہ کاروں کی طرف سے

فراہم ہوں گے۔ مشترکہ سیکٹر- پروجیکٹوں کے معاملہ میں مالیات سرکار کی طرف سے بھی حاصل ہوں گے۔ ملک کے سرمایہ دار بازار اشیاء پروجیکٹ کی مالی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے پوری اہمیت کے ساتھ تیار ہیں وہاں کہ جہاں پروموٹرس نیک نام ہیں اور اچھے چال چلن کے ریکارڈ رکھتے ہوں۔

سوال: آپ ہندستان اور اپنی ریاست مغربی بنگال کے مستقبل کے بارے میں کیا پیش گوئی کرتے ہیں؟

ہندستان ۹۰ کروڑ عوام سے بھی زیادہ آبادی والا ایک وسیع ملک ہے۔ اس کے مسائل اور روشن امکانات دونوں ہیں۔ ایک ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے ہندستان کو فی الحال عوام کے وسیع طبقوں کے مفاد میں صاف واضح مقاصد اور ترجیحات کے ساتھ کچھ ٹھوس فیصلہ لینے کی ضرورت ہے۔ ایک ملک کی حیثیت سے خود کفالت ہمارا مقصدِ عمل ہونا چاہئے لیکن اس طریقۂ عمل میں ہمیں آفاقی حقیقت سے لاتعلق نہیں رہنا چاہئے۔ ہمیں باہر سے بالخصوص ٹکنالوجی کے میدان میں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے اور موافق میدانوں میں بیرونی سرمایہ کاروں کو متوجہ کرنا ہے۔ بیرونی تعاون کو حاصل کر کے اور اسے اختیار کر کے اور اپنی معیشت کو مضبوطی کے ساتھ تعمیر کر کے ہی ہندستان خوشحال ہو سکتا ہے۔

مغربی بنگال میں ہم گزشتہ ۱۸ برسوں سے ایک مستحکم حکمت عملی کی بنیاد پر رفتارِ ترقی کو تیز تر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے ہندستانی وفاق میں موجودہ مرکز۔ ریاست تعلقات کے دائرہ عمل میں رہ کر اصلاحاتِ آراضی، زرعی ترقی، منصوبہ بندی کی لامرکزیت پر خصوصی زور دیا ہے۔ چونکہ زراعتی ترقی صنعتی ترقی کے ساتھ غیر علیحدہ طور پر متعلق ہے اسلئے ابتدائی طور پر توانائی کے استعمال کو بہتر بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور ہم نے ایک ریاستی حکومت کی حیثیت سے وفاقی دستور کے تحت عمل میں لایا ہے اور ملک کی معاشی ترقی میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ ہماری پالیسی کے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اب مغربی بنگال صنعتی افزائش کے لئے متوازن ہو گیا ہے۔ مغربی بنگال کے صنعتی سیکٹر میں جو نئے امکانات پیدا ہوتے ہیں انکا پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔ ہم عرصہ دراز سے ایسے امکانات کے لئے دروازہ کھلا رکھنے کی وکالت کرتے آئے ہیں۔ ہمیں اعتماد ہے کہ ریاست مغربی بنگال صنعت کاری، اصلاحاتِ آراضی اور زراعتی ترقی کے ذریعہ پائیداری کیساتھ ترقی کرے گی ٭٭

مغربی بنگال میں نئی تخلیقی حسیت کا جواز

ڈاکٹر ظفر اوگانوی

نئے سماجی مسائل کا شعور ہی ایک فن کار کو وہ احساس جمال بخشتا ہے جس سے ایک تخلیق عبارت ہوا کرتی ہے۔ اس طرح فن کا موضوع صرف "میں" کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ وہ Whole people کو اپنا موضوع بنالیتا ہے۔ تخلیقی ادبیات کی تاریخ میں سماجی مسائل کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس کے شعور سے ہی فنکار نئے فورم یا نئی ہیئت کی تلاش میں گامزن ہوتا ہے یعنی سماجی مسائل کا شعور اس تخیل کو مہمیز کرتا ہے جس کی مدد سے ایک تخلیق میکانیکل ری پروڈکشن کے الزام سے بچ سکتی ہے۔ کوئی بھی تخلیق، شعور، تخیل اور احساسِ جمال کی تثلیث کے بغیر قابل اعتنا نہیں ہوسکتی اور یہ تینوں صلاحیتیں فن کار کو ہر دور میں وہ سماج بخشتی رہی جو ارتقا پذیر رہا ہے۔ اس ارتقا پذیری کے مراحل میں مسائل کی نوعیتیں تبدیل ہوتی رہی ہیں اور یہی وہ تبدیلی ہے جو آج تک تہذیب کی اقدار سازی بھی کرتی رہی ہے۔

بہرحال اس تنقیدی نقطۂ نظر سے ادبی تخلیقات کا محاسبہ کوئی بہت چونکا دینے والا نہیں ہے بس یہ ہے کہ مغربی بنگال کے تناظر میں اگر اردو کی ادبی تخلیقات کی تاریخ تیار کی جائے تو نثری اصناف میں صرف مختصر افسانے کو اور شعری اصناف میں نظم و غزل ہی کو ایک پُر وقار حیثیت دی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ شاعری مغربی بنگال میں نثری اصناف کے مقابلے میں زیادہ مرغوب و محبوب رہی ہے۔ حالانکہ نئی اردو نثر کلکتے میں روشناس ہوئی۔ فورٹ ولیم کالج میں نثری داستانیں اور دیگر اصنافِ نثر پر پہلی بار بھرپور توجہ کی گئی اس کے باوجود نساخ اور سید محمد آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے بعد کوئی بڑا نام اردو ادب کو میسر نہیں آیا۔ جہاں تک تنقید کا تعلق ہے وحشت کلکتوی نے شعری محاسن اور رموز و نکات پر اپنے مکتوبات یا علیحدہ مضامین میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ تنقیدی ضمن میں معرضِ بحث ضرور ہیں لیکن وہ تنقید بحیثیت فن اسلئے نہیں ہیں کہ تنقید صرف تشریحِ نکات کا نام نہیں ہے ———— بلکہ تنقید نظریات کی تشکیل و ترتیب کا نام ہے۔ غنیمت ہے کہ یہ صورت حال ۱۹۷۰ء تک بنی رہی اس کے بعد تو اردو تنقید کو کلکتے میں Explosion اور Bombing کا نام بھی دیا گیا نیز اردو کی زرد صحافت میں پرورش پانے والے بیمار اذہان نے اردو تنقید کو استاد کا ایک ایسا ڈنڈا بنا دیا جس سے ہر کس و ناکس خوف کھانے لگا۔

میری اس رائے سے مظفر حنفی بھی متفق ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس خطّے نے دو چار نقّاد بھی پیدا کئے ہوتے تو صورت حال یقیناً مختلف ہوتی۔"

لیکن میں اس رائے کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ اس طرح پڑھنا چاہوں گا:

"میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس خطّے نے ایک نقاد بھی پیدا کیا ہوتا تو صورت حال یقیناً مختلف ہوتی۔"

غرض کہ مغربی بنگال میں آزادی کے بعد تخلیقی رویے کی صراحت جس صنف میں سب سے زیادہ کی جا سکتی ہے وہ شاعری ہے۔ اس ضمن میں "روحِ ادب" کا "بنگال میں اردو شاعری نمبر" کا مطالعہ چند اہم نکات کی طرف ذہن کو مرکوز کرتا ہے مثلاً

مظفر حنفی درج ذیل شعراء کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

مغربی بنگال کی سرزمین، اس کے مسائل، اس کے عوام کے چہرے واضح نظر آئیں گے:

یہ آپڑے ہیں کہاں تجربوں کی دھوپ میں ہم
اب اعتبار کسی چھاؤں پر نہیں ہوتا
(اعزاز افضل)

ہمارے جسم کو موجیں نگل گئیں قیصر
کہ ساعتوں کا سمندر بڑے جلال میں تھا
(قیصر شمیم)

آج کے ٹوٹتے لمحوں کی ہے دھڑکن جس میں
عصر نو کا وہ سلگتا ہوا لہجہ ہوں میں
(علقمہ شبلی)

یہ اشعار عصری حسیت کی بہترین مثال ہیں لیکن تجربوں کی دھوپ میں آپڑنے کا احساس ندامت، جسم کو وقت کی موجوں کا نگل جانا اور ٹوٹتے لمحوں کی دھڑکن کا سلگتا ہوا لہجہ ہونا، کس طرح مغربی بنگال کی سرزمین، اس کے مسائل اور اس کے عوام کے چہرے کا عکاس ہو سکتا ہے جبکہ بنگلہ میں ترقی پسند شاعری کا لہجہ یہ ہے:

سوکھی لکڑی اور
لہکتی ہوئی آگ میں ہو جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے چاول
اس کے بعد سب کچھ جہاں جو ہے
ٹھیک ٹھیک
صاف دیکھ پائیں گے
(سبھاش مکھوپادھیائے)

آسماں در آسماں ستاروں کے بیچ
کون ہیں جو بغاوت کے راستے
روند ڈالتے ہیں
چیخ چیخ کر پکارتے ہیں دنیا کو،
جانتا نہیں کوئی
ولولوں سے عاری بے رنگ قید خانوں میں

جیسے پٹے بول کی مکھیاں بھگاتے ہیں
جو لوگ، وہی گاؤں گاؤں لئے پھرتے ہیں
روباہ صفت یادیں
(سوکانتو بھٹاچاریہ)

اس تجزیہ کا اہم پہلو یہ ہے کہ مغربی بنگال کی دیہی معیشت میں پروان چڑھنے والے کرداروں کا یا ان کے مسائل کا ہمیں وہ شعور حاصل نہیں ہے جو بنگالیوں کو ہے۔ جوٹ اور چائے یہاں کی cash crops ہیں۔ کوئلہ یہاں کی خاص کان ہے۔ ان سے متعلق مزدوروں کی نفسیات کیا ہو سکتی ہے۔ دھان یہاں کی عام فصل ہے۔ مچھلی غذا بھی ہے اور مال تجارت بھی۔ کیلا اور ناریل یہاں کے خاص پھل ہیں۔ تالاب، ندیاں اور ساحل سمندر بنگالیوں کے عام رہائشی نشانات ہیں۔ پھر دوسری طرف صنعتیں اور کارخانوں کی سرزمین ہے۔ علاوہ ازیں ایک ایسا تجارتی مرکز مہانگر کلکتہ ہے جس کی آبادی دن میں ایک کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے اور رات میں بیس لاکھ افراد اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ کلکتے میں دفتروں میں کام کرنے والے ہزاروں افراد آٹھ آٹھ گھنٹے صرف آمد و رفت میں ریل میں گزار دیتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی اس سرزمین کی شناخت ابھی دور تک اردو تخلیق کی گرفت سے دور ہے۔ اس کی ایک وجہ اور شاید بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو میں غزل ہی شاعری کا ماحصل ہے اور غزل کی اپنی علیحدہ جمالیات ہے۔ اس کا اپنا استعاراتی نظام ہے اور یہ نظام اس کلچر کا رہین منت ہے جو نرمی، شگفتگی، ایمائیت، اشاریت کا متقاضی ہے۔ جمال اس کی روح ہے لیکن انقلاب کی زبان بے باک ہوتی ہے۔ جلال اور بانکپن اس کے تقاضے ہیں اس لئے صنف غزل کے شاعر بہت دور تک انحرافات کی گنجائش نہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ اردو شاعری میں غالب کی بات کچھ اور تھی۔ اس نے اپنی بے انتہا ذہانت اور بے پناہ تخلیقی شعور کے ذریعہ اردو غزل کو تلوار کی دھار بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن انہی دنوں حالی نے سماجی ضرورت کی تکمیل کیلئے نظم کی صنف پر بالواسطہ زور دیا تھا۔ نتیجے میں اقبال اور

فیض نظموں کے ذریعہ ہی بڑے مقاصد کی تکمیل کر سکے ۔ مغربی بنگال میں پرویز شاہدی اپنی نظمیں "تثلیثِ حیات" اور "بے چہرگی" کی وجہ سے اردو شاعری میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعد کی نسل میں شمیم انور اور معین رشید کی آتش نوائی کا اظہار نظموں ہی میں ہوا ہے ۔ ایسا نہیں ہے کہ یہاں اور دوسرے شعراء نے نظمیں نہیں کہی ہیں یا ان کے یہاں معیاری غزلیں کمیاب ہیں ۔ یہ سب شعراء مغربی بنگال میں اردو شاعری کی آبرو ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعراء کیا یہ محسوس نہیں کرتے کہ تخلیقِ فن صرف فیشن کی تکمیل نہیں ہے یا عزّت افزائی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کا ایک اجتماعی مقصد بھی ہے ۔ اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ نئے سماجی مسائل کا ایک واضح شعور فن کار کو حاصل نہ ہو ۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اردو فن کار اپنے محفوظ جزیروں سے نکلنے کی کوشش کریں گے ۔ ان جزیروں سے باہر ایک سمندر ہے اور اس کے بعد ایک نئی دنیا ۔ ولولے، مسائل اور اپنی شناخت کے ساتھ ٹیگور اور نذرل کا بنگال ۔ آخر میں ناظر الحسینی کے مجموعۂ کلام "نکہت و نغمہ" کے دیباچے میں جمیل مظہری کے ان جملوں کے اعادے کی یہاں ضرورت محسوس ہو رہی ہے :

"کلکتے کی ادبی دنیا نے بدلتے ہوئے حالات کا بہت کم ساتھ دیا ہے ۔ اس میخانہ کا ہر بادہ خوار کم و بیش نئے گلاسوں میں پرانی شراب پینے اور پلانے کا عادی رہا ہے ۔"

اور اسی کے بعد مظہر امام کا یہ سوال ؟

"کیا یہ سچ ہے سوالات کئی ہیں ؟ اور آخری سوال یہ ہے کہ کیا ہم مغربی بنگال کے ایک ایسے اُردو شاعر کے انتظار میں ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے ۔" (روحِ ادب "اردو شاعری نمبر" ص ۲۰۵)

مظہر امام کے اس آخری سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جب تک اردو کے فن کار اپنے محفوظ جزیروں سے سمندر میں بے خطر کود جانے کی ہمّت نہیں کریں گے اس وقت تک مغربی میں نئی تخلیقی حسیت کا جواز فراہم نہیں ہوگا ٭٭ (بشکریہ : مغربی بنگال اردو اکاڈمی)

حکومت مغربی بنگال نے مدرسہ تعلیم کو زیادہ پُر وقار بنا دیا ہے ۔ گورنر

مغربی بنگال بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن کے زیرِ اہتمام گزشتہ ۲۹ راگست کو ہائی مدرسہ، عالم اور فاضل امتحانات، ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء میں نمایاں طور پر کامیاب ہونے والے طلباء کی حوصلہ افزائی کیلئے کلکتہ کے مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں ایک جلسہ تقسیمِ انعامات کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت وزیرِ ریاست برائے بنیادی و ثانوی تعلیم اور مدرسہ تعلیم شری انیس الرحمٰن نے کی ۔ اس تقریب میں مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر شری ہاشم عبدالحلیم اور وزیر بنیادی و ثانوی تعلیم شری کانتی بسواس نے مہمانِ اعزازی کی حیثیت سے شرکت کی جبکہ مغربی بنگال کے گورنر کے وی رگھوناتھ ریڈی مہمانِ اعلیٰ کی حیثیت سے شرکت فرما تھے ۔ گورنر موصوف نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ حکومتِ مغربی بنگال نے مدرسہ تعلیم اور امتحانات کے طریقۂ کار کو بدل کر طلباء کے بہترین مستقبل کے لئے زیادہ پُر وقار اور مستحکم بنا دیا ہے ۔ اس سے انکے اندر خود اعتمادی آئے گی ۔ انہوں نے اساتذہ حضرات سے طلباء کے اندر فرقہ پرست اور علیحدگی پسند قوتوں کے خلاف لڑنے کا رجحان پیدا کرنے کی اپیل کی ۔

اس موقع پر شری ہاشم عبدالحلیم، شری کانتی بسواس اور شری انیس الرحمٰن نے بھی اظہارِ خیال کیا ۔ شری انیس الرحمٰن نے اپنی تقریر میں کہا کہ بائیں محاذ کے دورِ حکومت میں مدرسہ تعلیم کو نئی زندگی عطا کی گئی ہے ۔ انہوں نے بتایا کہ مغربی بنگال کے گورنر نے اپنے فنڈ سے ہر سال مدرسہ بورڈ کے سرِ فہرست ۵ کامیاب طلباء کو انعام و اعزاز سے نوازنے کا فیصلہ کیا ہے ۔

تقریب کا آغاز مغربی بنگال مدرسہ بورڈ کے صدر شری مصطفیٰ بن قاسم کی استقبالیہ تقریر سے ہوا ۔ نقابت کے فرائض بورڈ کے سکریٹری جناب محمد ضیاء الدین حیدر نے انجام دئے ۔

آخر میں گورنر موصوف نے مدرسہ بورڈ کے ۵ طلباء و طالبات کو ایک ایک ہزار روپیہ کے انعام و اعزازی سپاس نامہ سے نوازا ٭٭

خود کو ڈھونڈیں یا کسی پرچھائیں کا پیچھا کریں
زندگی اے زندگی کچھ بول اب ہم کیا کریں

غیر کی عینک بہ ظاہر خوبصورت ہے مگر
کیوں نہ اس دنیا کو اپنی آنکھ سے دیکھا کریں

پھول والی ساعتوں نے کون سے تحفے دئے
ہیں تہی دامن تو اس موسم سے کیا شکوہ کریں

یہ سکھاتا تو نہیں سورج ہمیں شام و سحر
اپنے گھر میں ڈوب جائیں اپنے گھر ابھرا کریں

دوسروں کی عیب جوئی سے تو بہتر ہے یہی
گاہے گاہے آپ رونق آئینہ دیکھا کریں

کام کرنا ہے یہ کام کر جاؤں میں
رنگ بن کر فضا میں بکھر جاؤں میں

یہ بلندی مجھے راس آتی نہیں
یہ بھی ممکن نہیں اب اتر جاؤں میں

پیڑ ملتے تو ہیں راستے میں مگر
کوئی سایہ ملے تو ٹھہر جاؤں میں

بے گھری ایک آسیب کا نام ہے
گھر کی جانب جو دیکھوں تو ڈر جاؤں میں

کیوں نہ خود کو سنواروں ہے موقع ابھی
اس سے پہلے کہ رونق بکھر جاؤں میں

رونق نعیم

مغربی بنگال میں شیڈولڈ ٹرائب خواتین کی ترقیات کے رجحانات

امل کمار داس

تعارف : منصوبہ بندی کی میعادوں کی شروعات سے ہی عام پروگراموں اور خصوصی پروگراموں دونوں کے تحت خواتین کی فلاح وبہبود کی جانب دی گئی خاطر خواہ توجہ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے ۔ مذکورہ پروگراموں میں سے جن پر اب تک عمل درآمد شروع ہوا ہے وہ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں لہٰذا ان کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے :

اسکولوں میں لڑکیوں کے داخلہ میں اضافہ کے لئے خصوصی ترغیبات، بالغ خواتین کے لئے رسمی خواندگی، تمیز و تفریق کو ختم کرنے کے لئے مساوی تنخواہ، اکائیوں میں ملازمت کرنے والی خواتین کو زچگی اور دارالصبیان کی سہولت کی فراہمی کے سلسلے میں محنت قوانین اور دست کاری سے منسلک تربیتی پروگرام بشمول حاملہ خواتین اور پرورش وپرداخت کرنے والی مائیں، پانچ برس کی عمر والے بچّے اور پنچایتوں اور میونسپل کارپوریشنوں میں ریزرویشن کی شروعات ۷۱-۱۹۷۰ء کے دوران ہوئی۔

بیشتر مطالعے اور زود رو محاسبہ کی بنیاد پر ساتواں منصوبہ بند گروپ (۹۰-۱۹۸۵ء) یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ترقیاتی کوششیں خصوصاً رابطے کی رکاوٹوں، اطلاعات کے فقدان، خواتین تک مذکورہ پروگراموں کو لے جانے والی مناسب ایجنسیوں کی عدم موجودگی کی بنا پر قبائلی خواتین تک نہیں پہنچ پائیں ۔ بہرکیف کام کرنے والے گروپ کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ سماجی رفاہ کی وزارت کی جامع بچہ ترقیاتی اسکیموں نے قبائلی خواتین پر پُرحساس تاثر ثبت کیا ہے ۔

شیڈولڈ قبائلیوں کی ترقی و رفاہ، ۸ویں پنج سالہ منصوبہ پر کام کرنے والا گروپ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ خواندگی کی سطحوں پر منعکس شدہ تعلیم ایک ایسا علاقہ ہے جہاں شیڈولڈ ٹرائبس بقیہ آبادی کے مقابلے میں بلاشبہ بہت پیچھے ہیں۔

مقصد : اس قرطاس پر میں کچھ اعداد و شمار (آبادی، خواندگی، تعلیم، پیشہ) جن کا تعلق مغربی بنگال شیڈولڈ ٹرائب خواتین نسبتاً شیڈولڈ کاسٹ اور غیر شیڈولڈ کاسٹ (ایس سی اور ایس ٹی کو چھوڑ کر) ہے، پیش کرنے والا ہوں ۔ مذکورہ اعداد و شمار کامرانیوں کی نوعیت اور حد کے محاسبہ کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے اور شیڈولڈ ٹرائب عوام اور آبادی کے دیگر سیکٹر کے درمیان حائل خلا کی وضاحت بھی کریں گے ۔

آبادی : ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال کی کل آبادی ۶۸۰۷۷۹۶۵ ہے ۔ ان میں مردوں کی تعداد ۵۲ر۱۶ فیصد (۳۵۵۱۰۶۳۳) اور خواتین کی ۴۷ر۸۴ فیصد (۳۲۵۶۷۳۳۲) ہے ۔ مذکورہ اعداد و شمار مردوں اور عورتوں کے درمیان رونما ہونے والے ۴ر۳۲ نکاتی فرق کو واضح کرتے ہیں ۔ شیڈولڈ ٹرائب خواتین ۴۹ر۰۹ فیصد (۱۸۶۹۸۰۵) ہیں اور ان کے مردوں کی ۵۰ر۹۱ (۱۹۳۸۹۵۵) فیصد ہے ۔ الغرض ان دونوں کے درمیان ۱ر۸۲ نکاتی فرق ہے شیڈولڈ کاسٹ کے افراد اندر جنسوں کے درمیان ۳ر۵۶ نکتہ کا فرق ہے ان میں مردوں کی تعداد ۵۱ر۷۸ فیصد (۸۳۲۶۸۳۲) ہے اور عورتوں کی تعداد ۴۸ر۲۲ فیصد (۷۷۵۳۷۷۹) ہے ۔ غیر شیڈولڈ کاسٹ فرقہ کے اندر جنسوں کا حصہ (۲۵۲۴۴۸۴۶) : ۶۱ر۴۷ ہے ۔ یہ ان میں پائے جانے والے نکاتی فرق یعنی ۴ر۸۷ کو بھی واضح کرتا ہے ۔ اسی نوعیت کے رجحانات اگلی دہائیوں میں بھی دیکھے گئے ہیں جس کا مطالعہ جدول - I میں کیا جا سکتا ہے ۔

جدول I واضح کرتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائبس کے اندر جنسوں کے درمیان نکاتی فرق شیڈولڈ کاسٹ اور غیر شیڈولڈ کاسٹ افراد کے مقابلہ میں تمام دہائیوں (یعنی ۱۹۹۱-۱۹۶۱ء) کے دوران نہایت ہی کم رہا لیکن فرق کے رجحان میں دہائیوں کے دوران (سوائے ۱۹۸۱ء کے جب یہ ۱۹۶۱ء کے جیسا ہی رہا) خفیف سا اضافہ نظر آتا ہے جبکہ ان ہی دہائیوں کے دوران شیڈولڈ کاسٹ اور غیر شیڈولڈ کاسٹ کے اندر تخفیفی رجحان پایا گیا ہے ۔

جدول II یہ واضح کرتا ہے کہ قبائلی خواتین کی تعداد آبادی کے دیگر سیکٹروں کی خواتین کے مقابلے میں ان تمام دہائیوں کے دوران ہمیشہ ایک جیسی بلند رہی ہے :

جدول — I

متعدد دہائیوں کے دوران آبادی کے جنس وار فیصد کی تقسیم

سیکٹر	سال											
	۱۹۶۱			۱۹۷۱			۱۹۸۱			۱۹۹۱		
	م	خ	ف	م	خ	ف	م	خ	ف	م	خ	ف
شیڈلڈ ٹرائب	۵۰٫۷۸	۴۹٫۲۲	۱٫۵۶	۵۱٫۱۴	۴۸٫۸۶	۲٫۲۸	۵۰٫۷۸	۴۹٫۲۲	۱٫۵۶	۵۰٫۹۱	۴۹٫۰۹	۱٫۸۲
شیڈلڈ کاسٹ	۵۲٫۲۰	۴۷٫۸۰	۴٫۴۰	۵۱٫۹۰	۴۸٫۱۰	۳٫۸۰	۵۱٫۹۲	۴۸٫۰۸	۳٫۸۴	۵۱٫۷۸	۴۸٫۲۲	۳٫۵۶
غیر شیڈلڈ کاسٹ	۵۳٫۷۳	۴۶٫۲۷	۷٫۴۶	۵۳٫۲۹	۴۶٫۷۱	۶٫۵۸	۵۲٫۵۵	۴۷٫۴۵	۵٫۱۰	۵۲٫۳۹	۴۷٫۶۱	۴٫۷۸
مجموعی آبادی	۵۳٫۱۵	۴۶٫۸۵	۶٫۳۰	۵۲٫۸۹	۴۷٫۱۱	۵٫۷۸	۵۲٫۳۲	۴۷٫۶۸	۴٫۶۴	۵۲٫۱۶	۴۷٫۸۴	۴٫۳۲

م = مرد ، خ = خواتین ، ف = جنسوں کے درمیان نکاتی فرق

مذکورہ جدول دہائیوں کے دوران ان شیڈلڈ کاسٹ اور غیر شیڈلڈ کاسٹ افراد کے برعکس شیڈلڈ ٹرائب کے درمیان مردوں کے تناسب میں خواتین کے بڑھتے ہوئے رجحان کو واضح کرتا ہے جو ۱۹۶۱ء کے بعد سے خواتین کے بڑھتے ہوئے رجحان کو پیش کرتے ہیں۔

آبادی کے مختلف سیکٹروں کے اندر ۹۱-۱۹۶۱ء کی مدت کے دوران خواتین کی آبادی کی نشوونما کی جانچ پر ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ شیڈلڈ ٹرائب کی خواتین میں شیڈلڈ کاسٹ کی خواتین ۴۱٫۳۵ فیصد غیر شیڈلڈ کاسٹ کے ۸۲٫۹۰ فیصد اور مجموعی آبادی کے ۵م٫۹۹ فیصد کے مقابلہ میں ۹۴٫۸۴ کا اضافہ ہوا ہے۔ جدول III دیگر سیکٹروں کی خواتین کے مقابلے میں ۷۱-۱۹۶۱، ۸۱-۱۹۷۱، ۹۱-۱۹۸۱، ۸۱-۱۹۶۱ء اور ۹۱-۱۹۸۱ء کے دوران شیڈلڈ کاسٹ خواتین کی آبادی میں اضافہ رجحان کا ایک خاکہ پیش کرے گا۔

لہٰذا یہ دیکھا گیا ہے کہ تقریباً تمام دہائیوں کے دوران (سوائے ۸۱-۱۹۷۱ء اور ۹۱-۱۹۸۱ء کے جب غیر شیڈلڈ کاسٹ خواتین نے اپنی نشوونما کی شرح میں خفیف سی گراوٹ لائی تھی) شیڈلڈ ٹرائب خواتین کی صورت حال مختلف سیکٹروں کی آبادی کی نشوونما کی نسبت پست تر رہی ہے۔

خواندگی اور تعلیم : آئیے اب ہم لوگ مختلف دہائیوں کے دوران آبادی کے دیگر سیکٹروں کی خواتین کے مقابلہ میں شیڈلڈ ٹرائب خواتین کے اندر خواندگی/تعلیم کے میدان میں نشوونما کے طرز کی جانچ پڑتال کریں۔

خواندگی : شیڈلڈ ٹرائب خواتین کے معاملہ میں خواندگی کی اصطلاح میں نشوونما کی شرح غیر شیڈلڈ کاسٹ اور مجموعی آبادی کے مقابلہ میں تمام دہائیوں کے دوران بلند رہی ہے لیکن شیڈلڈ کاسٹ (۷۱-۱۹۶۱ء اور ۸۱-۱۹۷۱ء) سے خفیف سی کم تر رہی ہے۔ ۹۱-۱۹۶۱ء کے دوران شیڈلڈ ٹرائب خواتین کے درمیان اضافہ کی شرح کا مذکورہ اوسط ۲۲٫۳۲۵ فیصد تھا جبکہ شیڈلڈ کاسٹ کا ۹۵٫۲۰م فیصد اور مجموعی خواتین کا ۹۸٫۸۳م فیصد تھا۔ ۹۱-۱۹۸۱ء کے دوران شیڈلڈ ٹرائب خواتین نے بلند ترین اضافہ (۳۵٫۱۲۷ فیصد) ریکارڈ کیا ہے جبکہ اس دوران شیڈلڈ کاسٹ (۵۳٫۸۷) غیر شیڈلڈ کاسٹ (۷۱٫۸۷) اور کل خواتین کا (۴۲٫۹۲) فیصد درج کیا گیا ہے۔ جدول IV دہائیوں کے دوران مختلف سیکٹروں کی

خواتین کی تقابلی تصویر پیش کرتا ہے :

جدول ــــــ II

مختلف دہائیوں کے دوران فی ہزار مردوں پر خواتین

سیکٹر	۱۹۶۱ء	۱۹۷۱ء	۱۹۸۱ء	۱۹۹۱ء
شیڈولڈ ٹرائب	۹۶۱	۹۵۵	۹۶۶	۹۶۶
شیڈولڈ کاسٹ	۹۱۱	۹۲۷	۹۲۶	۹۳۱
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۸۶۱	۸۷۶	۹۰۲	۹۰۹
مجموعی/کل آبادی	۸۷۸	۸۹۱	۹۱۱	۹۱۷

معاملوں میں پایا گیا ہے۔ شیڈولڈ ٹرائب کے درمیان ۸۱-۱۹۶۱ء کے دوران یہ آبادی سے تقریباً ۲٫۶۱ گنا زیادہ ہے اور ۹۱-۱۹۶۱ء کے دوران ۴ا گنا زیادہ ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے درمیان مذکورہ بلندی نشوونما شرح کے پیچھے ان کی بھلائی اور بہبود کے لیے سرکار کی جانب سے روبہ عمل لائے جانے والے مختلف اقدامات اصل اسباب کارفرما رہے ہیں۔ مختلف رفاہ و ترقی کی اسکیموں کے مثبت اثرات کا اظہار نشوونما کی شرح کے رجحان سے اس طرح ہوتا ہے۔

جدول ــــــ III

مختلف دہائیوں کے دوران خواتین کی آبادی کا فرق

سیکٹر	فیصد کا فرق				
	۱۹۶۱-۷۱	۱۹۷۱-۸۱	۱۹۶۱-۸۱	۱۹۸۱-۹۱	۱۹۶۱-۹۱
شیڈولڈ ٹرائب	۲۲٫۴۰	۲۲٫۱۳	۴۹٫۴۹	۲۳٫۷۱	۸۴٫۹۳
شیڈولڈ کاسٹ	۲۸٫۷۵	۳۶٫۰۴	۷۵٫۱۵	۳۴٫۴۰	۱۳۵٫۴۱
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۲۸٫۰۶	۲۱٫۷۲	۵۵٫۸۷	۲۲٫۴۴	۹۰٫۸۲
مجموعی/کل آبادی	۲۷٫۸۶	۲۴٫۶۴	۵۹٫۳۶	۲۵٫۱۶	۹۹٫۴۵

خواتین کی آبادی اور ان کی خواندگی کی نشوونما کی جانچ کے بعد یہ دیکھا گیا ہے کہ خواندگی کے میدان میں حاصل کردہ نشوونما گوناگوں ہے اور یہ بیشتر شیڈولڈ ٹرائب اور شیڈولڈ کاسٹ کے مختلف دہائیوں کے دوران خواندگی کی توسیع کی حیثیت کا اظہار دیگر جہت سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جدول - V سے رجوع کیا جا سکتا ہے :

جدول ــــــ V

مختلف دہائیوں کے دوران خواندگان کی فیصد تقسیم

سیکٹر	مجموعی/کل				فرق	
	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱	۱۹۶۱-۸۱	۱۹۶۱-۹۱
شیڈولڈ ٹرائب	۶٫۵۵	۸٫۹۲	۱۳٫۲۱	۲۷٫۷۸	۶٫۶۶	۲۱٫۲۳
شیڈولڈ کاسٹ	۱۳٫۵۸	۱۷٫۸۰	۲۴٫۳۷	۴۲٫۲۱	۱۰٫۷۹	۲۸٫۶۳
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۳۵٫۲۴	۳۹٫۱۹	۴۸٫۱۲	۶۴٫۹۸	۱۲٫۸۸	۲۹٫۷۴
تمام فرقے	۲۹٫۲۸	۳۳٫۲۰	۴۰٫۹۴	۵۷٫۷۰	۱۱٫۶۶	۲۸٫۴۲

مرد

سیکٹر	مجموعی/کل				فرق	
	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱	۱۹۶۱-۸۱	۱۹۶۱-۹۱
شیڈولڈ ٹرائب	۱۱٫۲۰	۱۴٫۴۹	۲۱٫۱۶	۳۰٫۰۷	۹٫۹۶	۲۸٫۸۷
شیڈولڈ کاسٹ	۲۱٫۸۰	۲۵٫۷۸	۳۴٫۲۶	۵۴٫۵۵	۱۲٫۴۶	۳۲٫۷۵
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۴۶٫۹۴	۴۹٫۳۳	۵۷٫۸۲	۷۴٫۰۷	۱۰٫۸۸	۲۷٫۱۳
تمام فرقے	۴۰٫۰۸	۴۲٫۸۱	۵۰٫۶۷	۶۷٫۸۱	۱۰٫۵۹	۲۷٫۷۳

خواتین

سیکٹر	مجموعی/کل				فرق	
	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱	۱۹۶۱-۸۱	۱۹۶۱-۹۱
شیڈولڈ ٹرائب	۱٫۸۰	۳٫۰۹	۵٫۰۱	۱۴٫۹۸	۳٫۳۱	۱۳٫۱۸
شیڈولڈ کاسٹ	۴٫۶۱	۹٫۱۸	۱۳٫۷۰	۲۸٫۸۷	۹٫۰۹	۲۴٫۲۶
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۲۱٫۶۴	۲۷٫۶۲	۳۷٫۳۸	۵۴٫۸۵	۱۵٫۷۴	۳۳٫۲۱
تمام فرقے	۱۶٫۹۸	۲۰٫۳۷	۳۰٫۲۵	۴۶٫۵۶	۱۳٫۲۷	۲۹٫۵۸

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ۹۱-۱۹۶۱ء کے دوران شیڈولڈ ٹرائب کی خواتین کے مابین آبادی کی نشوونما دیگر سکٹر کی آبادی سے مقابلہ میں نہایت ہی پست ہے۔ اس کے برعکس خواندگی کے میدان میں شیڈولڈ ٹرائب اور شیڈولڈ کاسٹ عام طور پر اور خواتین خصوصاً نے غیر شیڈولڈ کاسٹ اور کل آبادی کے مقابلے میں بلند درجہ کی نشوونما پیش کیا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ شیڈولڈ کاسٹ کی خواتین کے درمیان خواندگی کی صورت حال بالکل تشفی بخش نہیں ہے۔ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۹۱ء کی دہائیوں کے دوران یہ لوگ آبادی کے دیگر سیکٹروں کی کامرانیوں سے بہت پچھڑے ہوئے ہیں۔ کامرانیوں کی سطحوں میں واقع موجودہ خلا کو پاٹنے کے لئے ایسے چند خوب سوچے سمجھے کارگر پروگراموں کو اضافی خوراک کے ساتھ روبہ عمل لانا چاہئے جو ان کی متعلقہ نشوونما کی شرح میں مزید تیز رفتاری لائے تاکہ شیڈولڈ کاسٹ خواتین اپنے مردوں کی مذکورہ سطح کو جتنی جلد ممکن ہو سکے پہنچ پائیں اور رفتہ رفتہ ایک متعین مدت کے اندر غیر شیڈولڈ کاسٹ فرقہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کی ترقی کی رفتار بڑھائی جا سکے۔

فی الحال یہ جانچنے کی تجویز پیش کی گئی ہے کہ مختلف دہائیوں کے دوران اپنی آبادی کے مقابلہ میں کس حد تک آبادی کے مختلف سیکٹروں نے ریاست کے خواندگان میں ساجھیداری کرنے کے اہل ہے ہیں۔ ان ہی کامرانیوں کی ڈگری کا محاسبہ کرنے کے لئے بطور ناپنے والے "یارڈ اسٹک" کے تسلیم کیا گیا ہے۔

جدول — VI

مختلف دھائیوں کے دوران مردوں اور خواتین کے درمیان آبادی اور خواندگی کا شمار

سیکٹر	کل آبادی میں آبادی کا فیصد				کل خواندگان میں خواندگان کا فیصد			
	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱
شیڈلڈ ٹرائب	۵٫۶۱	۵٫۵۳	۵٫۴۶	۵٫۴۶	۱٫۵۷	۱٫۸۷	۲٫۲۸	۲٫۶۰
شیڈلڈ کاسٹ	۱۹٫۳۴	۱۹٫۵۲	۲۱٫۸۲	۲۳٫۴۴	۱۰٫۵۲	۱۱٫۷۶	۱۳٫۷۴	۱۵٫۳۷
غیر شیڈلڈ کاسٹ	۷۵٫۰۵	۷۴٫۹۵	۷۲٫۷۲	۷۱٫۱۰	۸۷٫۹۱	۸۶٫۳۷	۸۲٫۹۸	۸۲٫۰۳
کل	۱۸۵۹۹۱۴۴	۲۵۴۳۵۹۸۷	۲۸۵۶۰۹۰۱	۳۵۵۱۰۶۳۳	۷۴۵۴۰۰۶	۱۰۰۳۱۸۰۱	۱۴۴۷۳۰۴۵	۲۴۰۷۹۷۶۷

خواتین

سیکٹر	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱
شیڈلڈ ٹرائب	۶٫۱۹	۵٫۹۳	۵٫۸۱	۵٫۷۴	۰٫۶۴	۰٫۸۲	۰٫۹۶	۱٫۴۸
شیڈلڈ کاسٹ	۲۰٫۱۷	۲۰٫۳۱	۲۲٫۱۷	۲۳٫۸۱	۵٫۴۷	۸٫۳۲	۱۰٫۰۴	۱۱٫۹۴
غیر شیڈلڈ کاسٹ	۷۳٫۶۴	۷۳٫۳۶	۷۲٫۰۷	۷۰٫۴۵	۹۳٫۸۹	۹۰٫۸۶	۸۹٫۰۰	۸۶٫۵۸
کل	۱۶۳۲۷۱۳۵	۲۰۸۷۶۰۲۴	۲۶۰۱۹۷۴۶	۳۲۵۶۷۳۳۳	۲۷۷۱۶۵۸	۴۶۷۷۸۴۸	۷۸۷۱۱۰۸	۱۵۱۶۳۳۴۹

مذکورہ بالا جدول یہ بتاتا ہے کہ غیر شیڈلڈ کاسٹ کے مرد تمام دہائیوں کے دوران اپنی آبادی کے شمار سے زیادہ خواندہ سے ساجھیداری رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف دہائیوں کے دوران اپنی آبادی کے کا درج سے تحقیقی رجحان اور خواندہ ساجھے داری بھی قابلِ غور ہیں۔

اگرچہ شیڈلڈ کاسٹ مرد اپنی آبادی کی کا درج کی مناسبت سے حروف شناسی یا خواندگی میں کم حصہ لیتے ہیں تاہم ان لوگوں نے دہائیوں کے دوران آبادی کا درج اور خواندگی کے کا درج کے بڑھتے ہوئے رجحان کو ظاہر کیا ہے۔

شیڈلڈ ٹرائب مردوں نے شیڈلڈ کاسٹ مردوں کے برعکس ایک درمیانی مقام برقرار رکھا ہے لیکن بہت حد تک غیر شیڈلڈ کاسٹ مردوں کی طرح شیڈلڈ ٹرائب مردوں نے خواندگی کے کا درج میں اضافے کے رجحان کا مظاہرہ کیا ہے۔

خواتین نے بھی مردوں جیسے رجحانات پیش کئے ہیں۔ شیڈلڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی خواتین نے آبادی کا درج میں بڑھتے ہوئے رجحانات اور خواندگی کے کا درج میں بڑھتے ہوئے رجحانات کی نمائش کی ہے لیکن آبادی کے دیگر سیکٹروں کے ساتھ موجودہ خلا کو پاٹنے کے لئے یہاں ایک متوازن نشوونما کی سخت ضرورت ہے۔ تمام دہائیوں کے دوران خواندگی میں ان کا حصہ ان کی آبادی کے کا درج سے بہت کم ہے۔ دہائیوں کے دوران اگرچہ شیڈلڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی خواتین نے آبادی اور خواندگی دونوں کے ہی کا درج میں بڑھتے ہوئے رجحانات دکھلائے ہیں۔ تاہم خواندگی کا کا درج انکی آبادی کے کا درج سے بہت کم ہے۔ غیر شیڈلڈ کاسٹ خواتین آبادی اور خواندگی کا درج کے بڑھتے ہوئے رجحانات ظاہر کرتے ہیں لیکن تمام دہائیوں کے دوران ان کا خواندگی کا حصہ ان کی آبادی کا درج سے زیادہ ہے۔

۱۹۶۱-۹۱ء کے دوران شیڈلڈ ٹرائب خواتین کی آبادی کا کا درج خواندگی کے ۸۴٫۰ نکات کی افزائش کے ساتھ ۴۵٫۰ نکات سے

اضافے کی نمائش کرتا ہے۔

جدول - VII کل آبادی میں آبادی اور خواندگی کے شمار کو پیش کرتا ہے۔ یہ آبادی اور آبادی کے مختلف سیکٹروں کے درمیان خواندگی کے شمار سے وابستہ تقریباً ایک جیسی ہی تصویر پیش کرتا ہے۔

۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران ۵۰ر۳۵ نکات کا اضافہ دکھاتی ہیں یہ ۷۴-۱۹۷۳ء تا ۸۰-۱۹۷۹ء کی مدت کے دوران اندراج کے اضافے پر غالب ہے۔ ۷۴-۱۹۷۳ء اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے درمیان یہ اضافہ کلی طور پر ۷۹ر۲۰۳ نکات پر بمقابلہ ۰۶ر۲۳ کے پہنچ گیا جبکہ مذکورہ مدت کے دوران شیڈولڈ کاسٹ سے

جدول - VII

کل آبادی میں آبادی اور خواندگی کا شمار

سیکٹر	کل آبادی میں آبادی کا فیصد کل آبادی				کل خواندگی میں خواندگی کا فیصد کل آبادی			
	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱	۱۹۶۱	۱۹۷۱	۱۹۸۱	۱۹۹۱
شیڈولڈ ٹرائب	۵ر۸۸	۵ر۷۲	۵ر۶۲	۵ر۶۰	۱ر۳۲	۱ر۵۴	۱ر۸۱	۲ر۱۷
شیڈولڈ کاسٹ	۱۹ر۷۳	۱۹ر۹۰	۲۱ر۹۹	۲۳ر۶۲	۹ر۱۵	۱۰ر۶۶	۱۳ر۰۹	۱۴ر۰۴
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۱۹ر۷۳	۷۴ر۳۸	۷۲ر۳۹	۷۰ر۷۸	۸۹ر۵۳	۸۷ر۸۰	۸۵ر۱۰	۸۳ر۷۹
کل	۳۴۹۲۶۲۷۰ (۱۰ر۰۰)	۴۴۳۱۲۰۱۱ (۱۰۰ر۰۰)	۵۴۵۸۰۶۴۷	۶۸۰۷۷۹۶۵	۱۰۲۲۵۶۶۳	۱۴۷۰۹۳۳۹	۲۲۳۴۱۱۵۳	۳۹۲۴۳۱۰۹

ابتدائی اور ثانوی اسٹیج میں اندراج: دوسروں کے مقابلہ میں شیڈولڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے طرز اندراج کو فی الحال ۷۴-۱۹۷۳ء اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے درمیان تعلیم کو ابتدائی اور ثانوی اعتبار سے جانچا جا سکتا ہے۔

ابتدائی اسٹیج: ابتدائی اسٹیج پر قبائلی لڑکیاں

تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے نکات ۰۸ر۱۰۰ کو اور غیر شیڈولڈ کاسٹ کے نکات ۱۱ر۱۷ اور ۷۹ر۵۳ کو پہنچ گئے۔ حوالہ کے تحت کل مدت کے دوران شیڈولڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے اندراج میں اضافہ کی شرح شیڈولڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والے لڑکوں سے بلند تر رہی ہے۔ جدول - VIII اس سلسلے میں ایک تفصیلی خاکہ پیش کرے گا۔

جدول - VIII

تعلیم کے ابتدائی اسٹیج کے دوران کل اندراج میں جنس وار اندراج

سیکٹر	۷۴-۱۹۷۳		۸۰-۱۹۷۹		۸۶-۱۹۸۵	
	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں
شیڈولڈ ٹرائب	۷۶ر۱۰	۲۳ر۹۰	۶۸ر۱۹	۳۱ر۸۱	۵۹ر۱۳	۴۰ر۸۷
شیڈولڈ کاسٹ	۶۹ر۸۴	۳۰ر۱۶	۶۶ر۸۷	۳۳ر۱۳	۶۳ر۰۰	۳۷ر۰۰
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۶۷ر۹۹	۳۳ر۰۱	۵۷ر۱۴	۴۲ر۸۸	۵۷ر۲۴	۴۲ر۷۶
تمام فرقے	۶۱ر۵۶	۳۸ر۴۴	۵۸ر۹۸	۴۱ر۰۲	۵۸ر۲۳	۴۱ر۷۷

جدول IX

مختلف سیکٹروں کے ذریعہ آبادی اور ابتدائی طلباء کا شمار

سیکٹر	کل آبادی میں آبادی کا فیصد (۱۹۷۱ء)			کل طلباء میں طلباء کا فیصد (۷۴-۱۹۷۳ء)			کل آبادی میں آبادی کا فیصد (۱۹۸۱ء)			کل طلباء میں طلباء کا فیصد (۸۶-۱۹۸۵ء)		
	مرد	خواتین	کل	لڑکے	لڑکیاں	کل	مرد	خواتین	کل	لڑکے	لڑکیاں	کل
شیڈلڈ ٹرائب	۵٫۵۳	۵٫۹۳	۵٫۷۲	۴٫۸۰	۲٫۰۵	۳٫۳۰	۵٫۴۶	۵٫۸۱	۵٫۶۲	۳٫۹۸	۳٫۸۵	۳٫۹۳
شیڈلڈ کاسٹ	۱۹٫۵۲	۲۰٫۳۱	۱۹٫۹۰	۱۶٫۲۹	۱۱٫۲۷	۱۳٫۳۶	۲۱٫۸۲	۲۲٫۱۷	۲۱٫۹۹	۱۷٫۰۴	۱۳٫۹۳	۱۵٫۷۴
غیر شیڈلڈ کاسٹ	۷۴٫۹۵	۷۳٫۷۶	۷۴٫۳۸	۷۹٫۶۳	۸۶٫۶۸	۸۳٫۳۴	۷۲٫۷۲	۷۲٫۰۲	۷۲٫۳۹	۷۸٫۹۸	۸۲٫۲۲	۸۰٫۳۳
کل	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰

جدول — IX یہ بتاتا ہے کہ سوائے غیر شیڈلڈ کاسٹ کے کوئی دوسرا سیکٹر اپنی آبادی کے شمار کے مطابق طلباء کے ساتھ کوئی ساجھے داری کر سکتا ہے لیکن ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران شیڈلڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے معاملے میں طلباء کا شمار ۳٫۳۸ نکات سے کم ہوتا ہے اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران مذکورہ خلا میں رفتہ رفتہ کمی واقع ہو کر یہ ۱٫۹۶ نکات پر ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح یہ متعلقہ کارگزاریوں کا ترقی پسند رجحان پیش کرتی ہے۔

جدول — X

مختلف سیکٹروں کے درمیان ثانوی اسٹیج پر لڑکوں اور لڑکیوں کا اندراج

سیکٹر	۷۴-۱۹۷۳ء تا ۷۸-۱۹۷۷ء کی مدت کے دوران اضافے کا فیصد			۷۸-۱۹۷۷ء تا ۸۶-۱۹۸۵ء کی مدت کے دوران اضافے کا فیصد			۷۴-۱۹۷۳ء تا ۸۶-۱۹۸۵ء کی مدت کے دوران اضافے کا فیصد		
	لڑکے	لڑکیاں	کل	لڑکے	لڑکیاں	کل	لڑکے	لڑکیاں	کل
شیڈولڈ ٹرائب	۱۴٫۸۴	۴۱٫۴۳	۴۱٫۷۵	۴۶٫۹۳	۱۵۱٫۲۷	۶۷٫۷۹	۱۰۸٫۴۰	۶۴٫۰۲	۱۳۷٫۸۶
شیڈولڈ کاسٹ	۴۷٫۶۳	۶۳٫۶۷	۵۱٫۶۵	۵۴٫۵۸	۷۲٫۹۵	۵۸٫۰۱	۱۲۸٫۲۱	۱۷۶٫۵۶	۱۳۹٫۶۶
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۳٫۰۱	۳٫۵۴	۳٫۱۹	۸۳٫۹۶	۱۳۸٫۵۶	۱۰۶٫۸۷	۹۸٫۵۰	۱۴۶٫۹۷	۱۰۹٫۳۶
تمام فرقے	۷٫۸۴	۲٫۴۵	۷٫۶۷	۷۹٫۳۲	۱۳۲٫۶۵	۹۷٫۱۱	۹۳٫۴۰	۱۴۹٫۷۰	۱۱۲٫۲۳

جدول — XI

آبادی اور ثانوی اسٹیج کے طلباء کا شمار

سیکٹر	کل آبادی میں آبادی کا فیصد (۱۹۷۱)			کل طلباء میں طلباء کا فیصد (۷۴-۱۹۷۳)			کل آبادی میں آبادی کا فیصد (۱۹۸۱)			کل طلباء میں طلباء کا فیصد (۸۶-۱۹۸۵)		
	مرد	خواتین	کل	لڑکے	لڑکیاں	کل	مرد	خواتین	کل	لڑکے	لڑکیاں	کل
شیڈولڈ ٹرائب	۵٫۵۲	۵٫۹۲	۵٫۷۲	۱٫۹۸	۰٫۹۹	۱٫۴۵	۵٫۴۶	۵٫۸۱	۵٫۶۲	۲٫۱۳	۱٫۲۱	۱٫۸۵
شیڈولڈ کاسٹ	۱۹٫۵۲	۲۰٫۳۱	۱۹٫۹۰	۹٫۱۱	۵٫۴۱	۷٫۹۴	۲۱٫۸۲	۲۲٫۱۷	۲۱٫۹۹	۱۰٫۷۶	۶٫۴۱	۸٫۹۷
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۷۴٫۹۵	۷۳٫۷۶	۷۴٫۳۸	۸۸٫۹۱	۹۳٫۶۰	۹۰٫۶۱	۷۲٫۷۲	۷۲٫۰۲	۷۲٫۳۹	۸۷٫۱۱	۹۲٫۳۸	۸۹٫۱۲
آبادی	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰

ثانوی اسٹیج : جدول X ہمیں یہ بتاتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب خواتین نے تعلیم کے ابتدائی اسٹیج کی طرح ثانوی اسٹیج میں مذکورہ رجحان کو تقریباً برقرار رکھا ہے۔ ۱۹۷۳-۷۴/۱۹۷۷-۷۸ کی مدت کے دوران شیڈولڈ ٹرائب لڑکیوں کا اضافہ ۴۱٫۴۳ فیصد تھا۔ یہ بڑھ کر ۱۵۱٫۲۷ فیصد ہوگیا اور ۱۹۷۳-۷۴/۱۹۷۷-۷۸ء تا ۱۹۸۵-۸۶ء کی مدت کے دوران ان میں ۱۰۹٫۸۴ نکات کا اضافہ ہوا۔ شیڈولڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کا تمام تر اضافہ ۱۹۷۳-۷۴ء تا ۱۹۹۵-۸۶ء کی مدت کے دوران

۰ر۶۴ تھا۔

جدول - XI مختلف سیکٹروں کے ثانوی اسٹیج کے طلباء اور بادی کو پیش کرتا ہے۔ مذکورہ جدول سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شیڈولڈ رائب لڑکیوں کے ۹۳ر۵ فیصد اپنی آبادی کا ویریج کے مقابلہ میں کل البات کے ۹۹ر۰ فیصد کو کور کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ۷۲-۱۹۷۳ء کے دوران ۹۴ر۴ کے خلا کو بھی برقرار رکھا۔ ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران یہ گھٹ کر ۴۰ر۴ نکات پر آگیا۔ ۸۶-۱۹۸۵ء کے دران شیڈولڈ ٹرائب لڑکیاں ۸۱ر۵ فیصد اپنی آبادی کا ویریج کے قابل میں کل طالباؤں کی ۴۱ر۱ فیصد کی حصہ دار بنتی ہیں۔ شیڈولڈ رائب لڑکے شیڈولڈ ٹرائب لڑکیوں سے زیادہ اچھی صورت حال سے دوچار ہیں۔ غیر شیڈولڈ کاسٹ لڑکے اور لڑکیوں کو ایسی صورت میں کافی بہتر مقام حاصل ہے۔

شیڈولڈ ٹرائب طالبائیں ہائر سکنڈری اسٹیج (کلاس XI اور کلاس XII کا پرانا اور نیا نصاب) میں اندراج شدہ کل طالباؤں اندراج میں شیڈولڈ ٹرائب لڑکیاں ۳ر۰۳ فیصد حصہ دار ہوئیں اور ان کی آبادی کا ویریج کے پیچھے ۷۸ر۲۷ نکات باقی بچے۔ شیڈولڈ ٹرائب لڑکے کل طلباء کے ۲۲ر۳ فیصد کے حصہ دار بنے اور یہ ان کی آبادی کے کاویریج سے ۱۴ر۲ نکات کم کی نشاندہی کرتا ہے۔ شیڈولڈ ٹرائب طلباء بحیثیت کل کل طلباء کے ۲۰ر۳ فیصد کو کاور کرتے ہیں اور یہاں آبادی کا ویریج کے ۴۲ر۲ نکات کا فرق بچ رہتا ہے۔

روزگاروں / کاروباروں کی صنعتی اقسام:

جدول — XII یہ بتاتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب اور شیڈولڈ کاسٹ افراد اپنی آبادی کا ویریج سے زیادہ کارکنان میں ساجھے داری رکھتے ہیں۔ شیڈولڈ ٹرائب خواتین اپنی آبادی کا ویریج سے اوپر کارکنان کے ۸۷ر۲۰ نکات کی ساجھیداری رکھتی ہیں جبکہ شیڈولڈ ٹرائب مردوں کے معاملے میں مذکورہ فرق صرف ۶۴ر۰ نکات کا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ افراد اپنی آبادی کا ویریج سے

جدول — XII

مختلف سیکٹروں کے درمیان آبادی و کارکنان (مرکزی و حاشیائی) کا شمار

سیکٹر	کل آبادی میں آبادی کے شمار کا فیصد (۱۹۸۱ء)			کل کارکنان میں کارکنان کے شمار کا فیصد (۱۹۸۱ء)		
	مرد	خواتین	کل	مرد	خواتین	کل
شیڈولڈ ٹرائب	۵ر۳۶	۵ر۸۱	۵ر۶۲	۶ر۱۰	۲۶ر۶۸	۸ر۷۲
شیڈولڈ کاسٹ	۲۱ر۸۲	۲۲ر۱۷	۲۱ر۹۹	۲۲ر۷۶	۲۵ر۱۱	۲۳ر۰۵
غیر شیڈولڈ کاسٹ	۷۲ر۷۲	۷۲ر۰۲	۷۲ر۳۹	۷۱ر۱۳	۴۸ر۲۱	۶۸ر۲۳
کل (ھزار میں)	۲۸۵ر۶۱	۲۶۰ر۲۰	۵۴۵ر۸۱	۱۴۳ر۶۶	۲۰ر۹۹	۱۶۴ر۶۵
	(۱۰۰ر۰۰)	(۱۰۰ر۰۰)	(۱۰۰ر۰۰)	(۱۰۰ر۰۰)	(۱۰۰ر۰۰)	(۱۰۰ر۰۰)

۷۱ر۰ فیصد کی حصہ دار بنتی ہیں۔ شیڈولڈ ٹرائب لڑکوں کا ذکرہ فیصد کل طالب علموں (لڑکوں) کا ۷۱ر۰ فیصد ہے اور یہ ۰ر۱ فیصد کا خسارہ ظاہر کرتا ہے۔

۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران ابتدائی اور ثانوی اسٹیجوں کے کل زیادہ کارکنان کا درجہ بھی کر چکے ہیں لیکن شیڈولڈ ٹرائب کے مقابلہ میں متعلقہ حد کا فرق کم ہے۔ لیکن غیر شیڈولڈ کاسٹ کے معاملہ میں کارکنان کا کاویریج ان کی آبادی کا ویریج سے بہت کم ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی کہی جا چکی ہے شیڈولڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے

والی کارکنان خواتین اپنی آبادی کا دریچہ سے ۲۳ر۸۱ نکات کم ہیں۔ یہ نکتہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ کاروباروں کے مختلف اقسام میں شیڈولڈ ٹرائب خواتین کی شرکت کی حد دیگر سیکٹروں کی خواتین کی آبادی سے ہی نہیں بلکہ ان کے مد مقابل مردوں سے بھی وسیع و عظیم تر ہے۔

شیڈولڈ ٹرائب خواتین کے مرکزی کارکنان میں تقریباً ۷۹ فیصد زرعی سیکٹر میں لگے ہوئے ہیں۔ کاشتکاروں کا ۱۸ر۴۴ فیصد اس میں ساجھیدار بنتا ہے اور ۶۰ر۲۰ فیصد زرعی کارکنان اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس سے موازنہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ زرعی سیکٹر میں شیڈولڈ کاسٹ کی خواتین کے مرکزی کردار کا ۶۹ فیصد شریک ہے۔ یعنی ۴۵ر۹ فیصد بطور کاشتکار اور ۵۹ر۹۸ فیصد بطور زرعی مزدور" کام کرتا ہے۔ غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین اس کے بالکل برعکس تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان میں کاشت کار ۱۵ر۲۰ فیصد زرعی مزدور ۱۴ر۹۱ فیصد ہیں یعنی ان کے مرکزی کارکنان کا ۳۰ فیصد زرعی سیکٹر سے لگا ہوا ہے۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب کے خواتین کارکنان کی تین چوتھائی سے زیادہ زرعی سیکٹر میں لگا ہوا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ خواتین کا حصہ اس میں کچھ کم ہے لیکن اس سیکٹر میں غیر شیڈولڈ کاسٹ کی خواتین کارکنان کا ایک تہائی سے بھی کم شریک ہے۔

گھریلو صنعت میں شیڈولڈ ٹرائب خواتین کارکنان کا ۱ر۳۷ فیصد مشغول ہے جبکہ شیڈولڈ کاسٹ کا ۶ر۵۶ فیصد اور غیر شیڈولڈ کاسٹ کا ۱۱ر۸۶ فیصد ہے۔

کاروباروں کے دیگر اقسام میں شیڈولڈ ٹرائب خواتین کا ۱۹ر۵۹ فیصد شریک عمل ہے جبکہ شیڈولڈ کاسٹ خواتین کا ۲ر۴۱ فیصد اور غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین کا ۵۸ر۰۳ برسر پیکار ہے۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب خواتین کارکنان پرائمری سیکٹر سے خصوصی طور پر منسلک ہیں جبکہ غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین زیادہ تر کاروباروں کے ثانوی اور تیسرے درجے کے سیکٹروں میں لگی ہوئی ہیں۔

جدول - XIII یہ بتاتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب خواتین کارکنان

کا تناسب زیادہ سے زیادہ ۳۴ر۴۵ فیصد ہے جبکہ شیڈولڈ کاسٹ اور غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین کا متعلقہ تناسب بالترتیب ۱۰ر۴۷ فیصد اور ۶ر۵۲ فیصد ہوتا ہے۔ اس سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شیڈولڈ کاسٹ خواتین کی شرکت کی حد ان کے مردوں کے مقابلے میں صرف زیادہ وسیع نہیں ہے بلکہ شیڈولڈ کاسٹ اور غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین سے بھی بہت زیادہ ہے۔

جدول - XIV یہ بتاتا ہے کہ شیڈولڈ ٹرائب خواتین کارکنان کا کا دریچہ زیادہ سے زیادہ ۲۹ر۰۵ فیصد ہے جبکہ ان کی آبادی کا کا دریچہ ۵ر۸۱ فیصد ہے۔ ان کے درمیان ۲۳ر۲۴ کا فرق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں شیڈولڈ کاسٹ خواتین کا مذکورہ کا دریچہ ۲۵ر۲۲ فیصد ہے جبکہ ان کی کا دریچہ ۲۲ر۱۷ فیصد ہوتا ہے اور ان میں فرق ۲ر۷۵ نکات کا ہوتا ہے)۔ غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین تصویر کا رخ اس کے برعکس پیش کرتی ہیں۔ یہ خواتین کی آبادی کے ۷۲ر۰۲ فیصد سے وابستہ ہیں جبکہ ان کے کارکنان کی شرکت کم سے کم ۴۳ر۵۳ فیصد ہوتی ہے اور اس میں ۲۹ر۲۶ نکات کا خلا پیدا ہوتا ہے۔

شیڈولڈ ٹرائب خواتین ریاست کی کل خواتین کاشتکاروں کے ۴۹ر۳۶ فیصد کی حصہ دار ہیں اور یہ ان کی آبادی کے کا دریچہ کا چھ گنا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین کاشتکاروں کی شرکت کی حد ان کی آبادی کے کا دریچہ سے زیادہ کم ہے۔ یہ شیڈولڈ کاسٹ خواتین کے معاملے میں ۹۵ر۵ نکات اور غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین کے درمیان ۲۴ر۷۳ نکات کم ہے۔

ریاست کی کل خواتین زرعی مزدوروں میں شیڈولڈ ٹرائب خواتین ۴۴ر۶۳ فیصد، شیڈولڈ کاسٹ خواتین ۳۸ر۰۹ فیصد غیر شیڈولڈ کاسٹ خواتین ۱۷ر۲۸ فیصد ہیں۔ غیر شیڈولڈ کاسٹ کے خواتین کے درمیان زرعی مزدوروں میں شریک ہونے والی تعداد ان کی آبادی کی کا دریچہ سے بہت کم ہے جبکہ یہ شیڈولڈ ٹرائب کے معاملوں میں تقریباً ۸ گنی اور شیڈولڈ کاسٹ کے معاملوں میں تقریباً ۲ گنی ہے۔

مغربی بنگال

۱۵/ستمبر ۱۹۹۵ء

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ
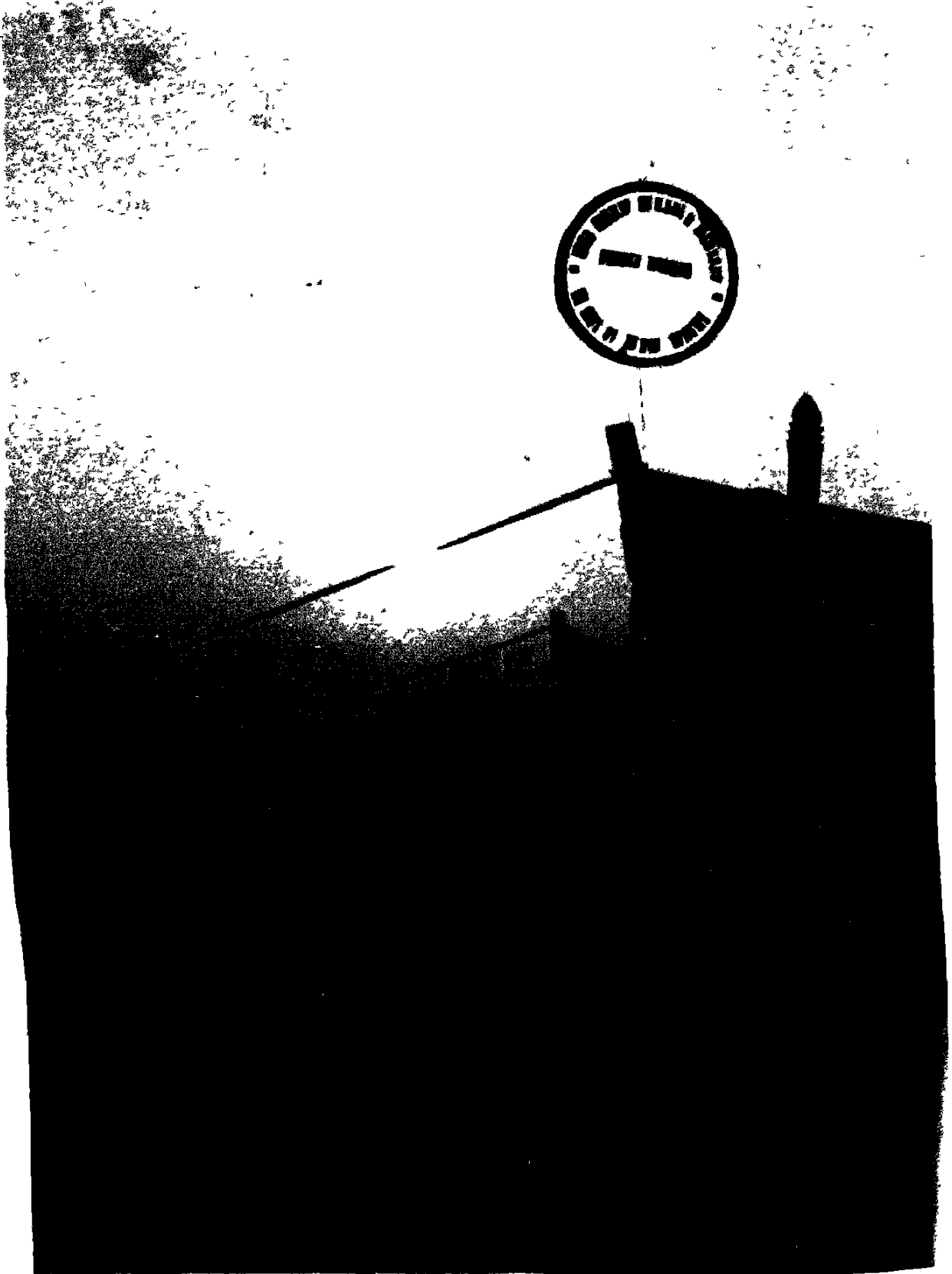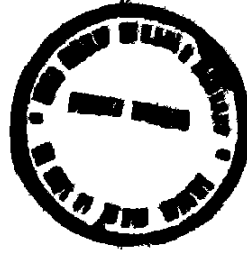
جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۸

مدیر اعلیٰ ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : دس روپئے ★ نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیل زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر!

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۶ سی کونسل ہاؤس اسٹریٹ،

کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفتر ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک - ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

25-5601/3511 Extn : 310 [illegible]

ٹیگور نے روایت اور جدّت کی آمیزش سے ایک جامع مرقّع تیار کیا ہے

جیوتی باسو

اس پرمسرت موقع پر میرا حاضر ہونا میرے لئے نہایت ہی خوشی اور فخر کا مقام ہے۔ یہ فقرہ ربندرا ناتھ ٹیگور کے نصف مجسّمہ جسے فنکار سومناتھ ہوڑ نے بنایا ہے، کی مذکورہ نہرو سنٹر میں نصب کئے جانے کے موقع پر کہا گیا ہے۔ مذکورہ سنٹر کو برطانیہ (یوکے) میں ہندستانی سفارت خانہ کا ایک اہم جز تصور کیا جاتا ہے۔

میں اس تقریب کا تذکرہ کرنا نہایت ہی لازمی سمجھتا ہوں جو اسٹراڈ فورڈ اوا ایون میں اس ماہ کی ۲۴ تاریخ کو منعقد ہوئی تھی۔ اس موقع پر جبکہ ولیم شیکسپیئر کی جنم بھومی اسٹراڈ فورڈ اون ایون میں شاعر رابندرا ناتھ کا مجسمہ نصب کیا جا رہا تھا میں حکومت مغربی بنگال کے نمائندہ کی حیثیت سے وہاں موجود تھا۔ مجسّمہ کے ساتھ شیکسپیئر کو ٹیگور کے منظوم خراج عقیدت کی حقیقی عبارت اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا گیا تھا۔ اس مقام پر ٹیگور کے مجسمہ کا نصب ہونا شیکسپیئر اور ٹیگور کے درمیان مشترکہ بندھن پر خصوصی روشنی ڈالے گا۔ مختلف ممالک کے لوگوں کی نسلیں ان کے خیالات و افکار سے متاثر اور فیضیاب ہوتی رہی ہیں۔

ربندرا ناتھ نے ہندستان کی ثقافت و روایت میں دلچسپی کے اہم مرقع کی تشکیل کی۔ ایک شاعر اور انسان دوست ہستی کی حیثیت سے آپ نے جدید اور قدیم رجحانات کے درمیان ایک مکمل امتزاج کی تشکیل کی۔ اس امتزاج میں مشرق و مغرب کی بہترین روایات کو یکجا کیا۔ آپ کو بنی نوعِ انسان سے پیار تھا اس لئے آپ نے عالمگیر محبت اور بھائی چارے کے پیغام کی تبلیغ کی۔ آپ بیک وقت ایک قوم پرست اور بین الاقوامی اتحاد کے ایک حامی دونوں ہی تھے۔ آپ کو اس وقت گہرا صدمہ پہنچا تھا جب آپ انسانیت کو کسی بڑے مسئلے سے دوچار دیکھتے تھے۔ آپ نے آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والی جملہ اقوام کی حمایت و ہمت افزائی کی۔

جبکہ آج نہرو سنٹر میں یہ تقریب منعقد کی جا رہی ہے ظاہر ہے ایسے موقع پر ہمیں پنڈت جواہر لال نہرو اور ٹیگور کے تعلقات کی یاد تازہ کرنی ہے۔ نہرو ٹیگور کے بڑے مدّاح تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ تین شخصیات جنہوں نے انہیں بہت زیادہ متاثر کیا۔ ان کے والد موتی لال نہرو، مہاتما گاندھی اور رابندرا ناتھ ٹیگور ہی ہیں۔ ایک طرف ٹیگور نے ہندستان کی تواریخ و وراثت کی نمائندگی کی اور دوسری طرف آپ نے ان نئے خیالات اور افکار کو گلے لگایا جو مختلف وسائل سے نکلے اور انہیں اپنی ذہانت کی الکیمیا سے ایک ترکیبی اصطلاح بخشی۔ کشادہ ذہن اور وسیع القلب شخصیت کی حیثیت سے ٹیگور نے ایک دوسرے ممتاز ہندستانی نہرو پر جن کے اندر ان کی زندگی کا اصل مقصد یعنی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ موجزن تھا، اپنے زبردست اثرات ثبت کئے۔

نہرو ٹیگور کے شانتی نکیتن کی تحریک، تسکین اور دلاسہ جیسے جذبات سے ہم کنار ہوئے۔ ٹیگور اور شانتی نکیتن کے بارے میں ان کے احترام کا انکشاف ایک مطالعے سے ہوتا ہے جو ان کی خود نوشت سوانح حیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"کلکتہ سے ہوتا ہوا میں شاعر رابندر ناتھ ٹیگور سے ملاقات کی غرض سے شانتی نکیتن پہنچا۔ آپ سے مل کر ہمیشہ مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ اور آپ کے اتنے قریب آجانے پر ہم آپ سے محروم ہونے کی خواہش بھی نہیں کر سکتے۔ اس سے پہلے میں بھی دو بار شانتی نکیتن جا چکا ہوں اور یہ کملا کا شانتی نکیتن کا پہلا سفر تھا اور وہ خصوصی طور پر اس مقام کو دیکھنے کیلئے آئی تھیں کیونکہ ہم دونوں اپنی بیٹی کو وہاں بھیجنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اس کے بعد جلد ہی اندرا میٹریکولیشن کا امتحان دینے والی تھی اور ہمیں اس کی آئندہ تعلیم کے مسائل پریشان کر رہے تھے ....."

ٹیگور نے پنڈت نہرو اور ان کی بیوی کملا کا استقبال نہایت ہی گرم جوشی اور محبت کے ساتھ کیا۔ دونوں کے اعزاز میں شانتی نکیتن میں ایک عوامی استقبالیہ کا انعقاد کیا گیا۔ ٹیگور نہرو کی حب الوطنی، ذہانت اور ان کے بین الاقوامی نظریے کے لئے ان کی بڑی تعریفیں کرتے تھے۔

نہرو کی خود نوشت سوانح حیات کے مطالعہ کے بعد ٹیگور بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ اپنے خط بنام پنڈت نہرو مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۳۶ء میں آپ فرماتے ہیں۔

"میں ابھی ابھی تمہاری عظیم کتاب پڑھکر اٹھا ہوں اور تم سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں اور تمہارے کارناموں پہ مجھے فخر ہے۔ اپنی تمام تفاصیل کے اندر انسانیت کی ایک لہر رواں دواں ہے اور حقائق کی پیچیدگیوں پر سے گزر کر اس شخص کی جانب ہماری نشاندہی کرتی ہیں جو اپنے اعمال سے بزرگ تر اور اپنے ماحول سے زیادہ سچا ہے۔"

یہ خط پنڈت نہرو کے بارے میں ٹیگور کے محسوسات و محاسبہ کا آئینہ دار ہے۔

جب آپ کو کملا نہرو کے انتقال کی پرملال خبر ملی تو ٹیگور کو بہت صدمہ پہنچا اور آپ نے کملا نہرو اور ان کے شوہر دونوں کو جدوجہد آزادی میں ان کے کردار اور ان کی سماج گذاریوں کے لئے اپنا پُرزور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ٹیگور نے ۱۹۳۹ء میں ہندی زبان و ادب کے مطالعہ کے بعد ہندی بھون کے قیام پر اس کے افتتاح کے لئے پنڈت نہرو کو شانتی نکیتن آنے کی دعوت دی۔ ٹیگور اور پنڈت نہرو کی ملاقات بارہا ایک دوسرے سے ہوئی اور ان ہنگامہ خیز واقعات کے پس منظر میں ان کے تفاعل نہایت ہی اہمیت کے حامل رہے جو تیسری دہائی کے دوران قومی اور بین الاقوامی دونوں ہی میدانوں میں وقوع پذیر ہو رہے تھے۔ ٹیگور کے انتقال سے پنڈت نہرو کے ذہن و

دماغ پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ۱۹۴۲ء کے دوران ٹیگور کی پہلی برسی پر اپنے پیغام میں نہرو فرماتے ہیں ——— "ایک سال پہلے جب میں دہرہ دون جیل میں تھا اس وقت میں نے گرودیو کے انتقال کی خبر سنی۔ اچانک اس وقت میں نے خود کو بالکل تنہا محسوس کیا کیونکہ دور افتادہ شانتی نکیتن میں آپ کی موجودگی میرے لئے ایک لازوال تسلی اور ہمت افزائی کی حیثیت رکھتی تھی۔"

نہرو نے مزید فرمایا ——— "آپ ایک عظیم شاعر، ایک عظیم فنکار اور ایک عظیم محب وطن ہی نہیں تھے بلکہ لوگوں کی دنیا میں آپ ایک قد آور انسان تھے" ——— وہ مزید کہتے ہیں۔ "ہندستان میں ٹیگور کی شخصیت نمایاں اور ممتاز تھی۔ آج کی وسیع دنیا میں بھی آپ جیسی شخصیت نایاب ہے اور کل کی دنیا بھی آپ جیسی شخصیت سے محروم رہے گی۔ آپ نے ہمیں دکھایا کہ انسان کس طرح شدت کے ساتھ قوم پرست بن سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا کو گلے لگا کر اپنی فکر اور ہمدردی کے ذریعہ بین الاقوامی شخصیت بن سکتا ہے۔ ہماری قومی جدوجہد کے دوران آپ نے بین الاقوام پرستی کی وہ علامت تشکیل کی جسے وشو بھارتی کے نام سے جانا جاتا ہے۔"

مذکورہ بالا طرز کا احترام پنڈت نہرو کے دل میں رابندر ناتھ ٹیگور کے لئے تھا۔ اگر ہم اپنے ذہن پر زور ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ۱۹۶۱ء کے دوران شاعر موصوف کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر اس وقت کے وزیر اعظم نہرو یا ہندستان نے اس عظیم تقریب کے شایانِ شان انعقاد میں نہایت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔

مجھے یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ ہم انگلستان کے ہندستانی طلباء نے لندن مجلس جس کا میں جنرل سکریٹری تھا، کے زیرِ سرپرستی پنڈت جواہر لال نہرو کو اس وقت ایک استقبالیہ دیا تھا جب وہ اسپین کو جا رہے تھے۔ اس وقت فرینکو اور اس کے جنگ پرست حامیوں نے، جنہیں ہٹلر اور مسولینی کا تعاون مل رہا تھا، اسپین کی جائز ری پبلکن حکومت پر حملہ کر دیا تھا۔ رابندر ناتھ نے بھی اس فاشزم کے خلاف اپنی مقتدر آواز بلند کی تھی۔

آج اس تقریب میں یو کے (برطانیہ) کے ساتھ ٹیگور کے تعلقات دہرانا بھی نہایت ہی اہم ہے۔ ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بارہا انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ پہلی بار آپ ۱۸۷۸ء میں اپنے تعلیمی مقصد

کے تحت اپنے بھائی سندرا ناتھ ٹیگور، آئی سی ایس کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ بعدازیں آپ ۱۸۹۰ء، ۱۳-۱۹۱۲ء اور ۱۹۲۰ء میں یہاں تشریف لائے تھے لیکن آپ نے ۱۹۳۰ء میں انگلستان کا آخری دورہ کیا۔ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء کے دوران انگلستان میں آپ کا قیام بارآور اور سودمند رہا کیوں کہ اس مدت کے دوران آپ نے صاحب کمال اور روشن خیال شخصیتوں — ڈبلیو بی ایٹس، رودھن اسٹین، ازراپاؤنڈ اور ایچ جی ویلز وغیرہ وغیرہ کے ساتھ رشتہ استوار کئے۔ ۱۹۱۳ء میں ٹیگور کو آپ کے مجموعہ کلام بعنوان "سانگس آف آفرنگ" (یعنی گیتانجلی) پر ادب کے لئے نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ آپ نے مذکورہ سفروں کے دوران انگلستان کی بے شمار معزز ہستیوں سے اپنے مراسم کو مضبوط بنایا۔ ۱۹۳۰ء کے دوران ٹیگور نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں مذہب انسان کے موضوع پر ایک خطبہ دیا۔ اس خطبہ کو عالملہ، ماہرین تعلیم اور دانش وروں نے بہت سراہا اور گراں مایہ بتایا۔ ٹیگور کا یہ دعویٰ تھا کہ آپ انگلستان میں بڑے پیار اور نہایت ہی احترام کے ساتھ یاد کئے جائیں گے

نہرو سنٹر میں منعقدہ آج کی تقریب ہندستان کے عوام میں جوش و ولولہ پیدا کرے گی۔ ہم پر فرض بنتا ہے کہ ہم لوگ ربندرا ناتھ ٹیگور کے پیغام کو زندہ رکھیں اور ایسے حالات پیدا کریں کہ جن میں آپ کا ادب پڑھا جائے اور دنیا بھر میں اس کی ستائش ہو ●●

ریاست میں بین الاقوامی یوم خواندگی منایا گیا

گزشتہ ۸ ستمبر کو ریاست بھر میں بین الاقوامی یوم خواندگی تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ اس موقع پر اس دن دوپہر کو کلکتہ کے تین مراکز سے پدیاترا کے جلوس نکلے جو ربندراسدن آکر ختم ہوئے۔ حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ توسیع عوامی تعلیم کی جانب سے اسی دن کلکتہ کے سیسر منچ میں ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس سمینار کا افتتاح ریاستی وزیر آراضی و اصلاحات آراضی شری بنوئے چودھری نے اپنی تقریر سے کی۔ اس سمینار میں وزیر اعلیٰ تعلیم شری ستیہ سادھن چکرورتی، وزیر ثانوی تعلیم شری کانتی بسواس، وزیر لائبریری خدمات شری تپن رائے، وزیر تکنیکی تعلیم شری بنگشو گوپال چودھری اور خواندگی پروگرام میں ملوث کارکن حضرات رضاکار تنظیموں کے نمائندے اور شعبۂ توسیع عوامی تعلیم کے افسران موجود تھے۔ سمینار کی نقابت کے فرائض وزیر توسیع عوامی تعلیم شریمتی انجو کور نے انجام دئے۔ سیمینار کے اختتام کے بعد شری بنوئے چودھری نے انفارمیشن سنٹر میں خواندگی پر ایک نمائش کا افتتاح کیا۔ اس سے پہلے خواندگی اور بعداز خواندگی پروگرام میں قابلِ تحسین خدمات کیلئے اسناد تقسیم کئے گئے۔

شری بنوئے چودھری نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ آزادی کے بعد بھی ساری دنیا کے ناخواندہ افراد میں تقریباً نصف سے زائد آبادی ہندستان میں ہے۔ اس سے زیادہ شرم کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ عوام میں تعلیم کے ذریعہ بیداری لانے کیلئے سماج کے سبھی شعبۂ حیات کے افراد کو آگے آنا ہوگا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اگرچہ ۱۹۶۶ء سے ساری دنیا کے ساتھ ہمارے ملک میں بھی ۸ ستمبر کو عالمی یوم خواندگی منایا جا رہا ہے لیکن اس ریاست میں ۱۹۹۰ء میں خواندگی کا اصل کام شروع ہوا۔ گزشتہ ۵ برسوں میں ریاست کی شرحِ خواندگی میں ۱۲ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ اس دوران قومی خواندگی کمیشن نے اس ریاست میں ۱۲ اضلاع کو جملہ خواندہ قرار دیا ہے۔ خواندگی تحریک کی اس رفتار کو جاری رکھتے ہوئے ۲۰۰۰ء تک ریاست کے تمام اضلاع میں ناخواندگی کو دور کرنا ہوگا۔ تنہا سرکار کی طرف سے یہ کام کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تمام غیر سرکاری اور رضاکار تنظیموں کو اس کام کیلئے آگے آنا ہوگا۔

شری ستیہ سادھن چکرورتی نے کہا کہ ریاست کے تمام لوگوں کو تعلیم کے دھارے میں لانے کیلئے بجٹ میں کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ ریاست کے ناخواندہ افراد کو خواندہ اور بیدار کرنے کیلئے گزشتہ ۵ برسوں میں بے شمار پروگرام لئے گئے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ایک ملک کی ترقی کے ساتھ خواندگی کا فروغ جڑا ہوا ہے۔

شری کانتی بسواس نے کہا کہ ہم پڑھے لکھے لوگوں کو ناخواندگی کیلئے شرمسار رہنا چاہئے۔ سماج کے سبھی ذمہ داریوں میں ہمیں ناخواندگی کو دور کرنے کے کام میں شامل ہونا ضروری ہے۔

شری تپن رائے نے کہا کہ ناخواندگی ایک قومی جرم ہے۔ ریاست کے کئی اضلاع میں ابتدائی مرحلے کا کام ختم ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نوخواندہ افراد کو خواندگی پروگرام کے تحت بیدار و باشعور کرنے کیلئے شعبۂ لائبریری خدمات نے مختلف پروگرام لئے ہیں ●

خواندگی مہم اور ہماری سماجی بیداری

کانتی بسواس

وزیر ثانوی تعلیم شری کانتی بسواس کا ایک مضمون گزشتہ سال عالمی یوم خواندگی کے موقع پر بنگلہ ہفت وار "پچھم بنگال" کے لئے موصول ہوا تھا۔ امسال بھی عالمی یوم خواندگی کے موقع پر اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر اور قارئین کی دلچسپی مطالعہ کے لئے اسے دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے:

اس دنیا میں ۹۱ کروڑ افراد ایسے رہتے ہیں جن کی عمر ۱۵ سال سے اوپر ہے اور جو اپنے خاندانی نام تک نہیں لکھ سکتے۔ ایسے افراد کو ناخواندہ قرار دیا گیا ہے اور ان کثیر التعداد ناخواندہ افراد میں ۵۹ کروڑ افراد جنس ثانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں ناخواندہ افراد کی تعداد ۸۸ کروڑ ہے جن میں ۵۷ کروڑ افراد کا تعلق جنس ثانیت سے ہے کتنی دردناک تصویر ہے یہ۔ ہم جو ہندستانی ہیں ہمارے لئے باعث شرم ہے کہ کسی بھی ملک میں ناخواندگی کی شرح اس قدر زیادہ نہیں ہے جس قدر ہمارے ملک میں ہے۔ ۲۹ کروڑ بالغ ہندستانی ایسے ہیں جو نہ ایک حرف لکھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کچھ پڑھ سکتے ہیں۔ ہندستان میں ناخواندہ افراد میں ۱۸ کروڑ افراد ہماری ماں بہنیں ہیں۔ اداروں میں جہاں ہم یہ سماجی ثبت دیکھتے ہیں تو مجھے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ہندستان میں اس تنزلی کا خاتمہ کب ہوگا؟ اتنی کثیر التعداد مسلمانوں کو ناخواندگی کی غلامی سے کب آزاد کرایا جائے گا؟ کب محنت کش مائیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے دوران یا اپنی گزر بسر کے لئے دن رات

کی محنت مزدوری کی مصروفیت میں اپنے بچوں کو خواندگی سے روشناس کرائیں گی؟

آج کا دور سائنس اور ٹکنالوجی کی حیرت انگیز ایجادات کا دور ہے۔ سائنس کی عظیم کامیابیوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انسانی تہذیب کو ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک لے جا رہی ہے۔ چاہے بحری و زمینی سطح کیوں نہ ہو۔ ۴۵ سال قبل جو سروے کیا گیا تھا اس میں بتایا گیا ہے کہ عالمی بالغ آبادی کا ۵۵ فیصد افراد اس وقت اپنے دستخط نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اتنے سال گزر گئے ہیں۔ ہم تہذیب کی سطح پر بہت ترقی کر چکے ہیں لیکن ابھی بھی عالمی بالغ آبادی کے ۲۶ فیصد عوام بنیادی تعلیم سے محروم ہیں اور ۳۳ فیصد بالغ ناخواندگان خواتین ہیں۔ ہندوستان میں یہ شرح آبادی بالترتیب ۵۲ اور ۶۶ فیصد ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے اہم بنیادی حقوق میں شامل تعلیم کے حق سے مستفید ہونے کے لئے کوئی بڑا قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس سلسلے میں ادارہ اقوام متحدہ گزشتہ ۵۰ برسوں سے مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ ملک ملک میں اس سلسلے میں پہل کی گئی ہے۔ ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کی تشکیل کے فوراً بعد تعلیم پر عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۱۹۶۳ء میں تعلیم کے حق کو بنیادی حق قرار دیا گیا۔ ۸ تا ۱۹ ستمبر ۱۹۶۵ء میں تہران میں عالمی وزرائے تعلیم کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ۲۷ وزرائے تعلیم اور مختلف ملکوں سے ۸۸ نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کے بعد سے ۸ ستمبر کو عالمی یوم خواندگی کے طور پر منایا جانے لگا۔ ۱۹۷۲ء میں تعلیم پر دوسری کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے بعد ایک اور کانفرنس فرانس کی راجدھانی پیرس میں ہوئی۔ ۱۹۹۰ء سال کو بین الاقوامی خواندگی کا دن قرار دیا گیا۔ اسی سال تھائی لینڈ میں ایک عالمی کانفرنس منعقد کی گئی "سب کے لئے تعلیم" جس کا نعرہ تھا۔ گزشتہ سال نئی دہلی میں ان ممالک کے نمائندوں کو لے کر ایک کانفرنس ہوئی جہاں ناخواندگی حد سے زیادہ ہے۔ اتنی کانفرنسیں، اتنے بحث و مباحثے، اتنے اخراجات اور اتنی کوششوں کے باوجود اتنے وسیع پیمانے پر ناخواندگی کیوں؟ کیا یہ مسئلہ بین الاقوامیت کی کمی کی وجہ سے ہے یا پھر انتظامیہ کی سیاسی عزم کی کمی کے سبب ہے۔

عالمی بینک کی رپورٹ میں اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ زرعی پیداوار میں اضافہ کے پیش نظر ان تمام افراد کو جو پیداواری اکائی میں ہیں ایک مخصوص سطح تک تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔ آزادی سے قبل ہمارے ملک کے صنعتی کمیشن نے کہا تھا کہ تعلیم پائیدار صنعتی افزائش کو یقینی بنانے میں ایک اہم کردار ادا کرے گی۔ ایک ملک کے تعلیمی معیار پر ہی اس کے جمہوری ڈھانچہ کی ترقی کا دارومدار ہوتا ہے۔

سماج میں ناخواندگی دور کرنے کی مہم جو کردار ادا کرتی ہے اسے سبھی مانتے ہیں۔ مغربی بنگال میں ہم نے گزشتہ کئی برسوں سے اس کا ایک واضح چہرہ دیکھا ہے۔ حاملہ ماؤں کی تندرستی، زچہ کی اموات کی شرح، بچوں کی صحت، خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ جیسے بہت سے معاملوں کے ساتھ عورتوں کی تعلیم کا تال میل رکھا گیا ہے۔ یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے۔ اس ریاست میں اس کے اہم ثبوت بھی ہیں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اہم تعلیم یافتہ اشخاص بھی تعصب اور توہم پرستی کے شکار ہیں۔ ایسی بہت سی دلیلیں ہیں کہ تعلیم انسان کو عدل و انصاف، عقلیت پسندی کی قوت سے مالا مال کرتی ہے اور اس کی سوچ کی سطح کو اونچی کرتی ہے۔ چھوت چھات آج ہندوستانی سماج کے لئے ایک دردناک ناسور بن گیا ہے۔ دنیا میں آج کہیں بھی اس طرح کا سماجی مسئلہ نہیں ہے۔ مذہبی جنون، فرقہ پرستی، ذات پات کے بھید بھاؤ جیسی تکلیف دہ بیماریاں آج بھی سماجی زندگی کو رہ رہ کر پریشان کر رہی ہیں۔ کبھی کبھی ہندوستانی زندگی درہم برہم ہو جانے کے درپے ہو جاتی ہے۔ عقلیت پسندی کی کمی ہندوستان کی ترقی کو دھچکا پہنچا دیتی ہے۔ خواندگی مہم صرف حروف شناسی کا ذریعہ نہیں ہے۔ خواندگی مشن کا مقصد صرف پرائمری سطح پر پڑھنے، لکھنے اور گننے کی تعلیم دینا نہیں ہے۔ یہ سب تو رہیں گے۔ اس کے ساتھ سماجی بیداری، سوچنے سمجھنے کا سائنٹفک طریقۂ عمل کو خواندگی مہم کی باشعور کوششوں کے ذریعہ ابھارا جاتا ہے۔ کم از کم اس ریاست میں تجربہ یہی بتاتا ہے۔

شاید اس سے بھی زیادہ اہم ایک حقیقت ہے۔ ناخواندگی سماج میں سب سے زیادہ پس ماندہ لوگوں کے اندر جڑ کئے ہوئے ہے۔ ان تمام باتوں کے اندر محرومی کا کرب ہے۔ سماج کے سربراہ طبقہ کے خلاف اگرچہ تنفر نہیں ہے غم و غصہ ضرور ہے جو کسی بھی معمولی بات پر دھماکہ خیز ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی مجروحی غم و غصہ کسی بھی واقعہ کے بہانے سے

آتش فشاں دھماکہ کی صورت میں پھٹتا ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ بہت معمولی ہوتا ہے۔ خواندگی مہم سماج کے اعلیٰ طبقہ اور پست طبقہ کے درمیان دوری کو کم کردیتی ہے۔ جب پڑھے لکھے خاندانوں کے نوجوان ہمدردی کے ساتھ ان مظلوم افراد کو ناخواندہ بنانے اور بیدار کرنے کے لئے آتے ہیں تو سماج ان کے آگے ایک نئے روپ میں سامنے آتا ہے۔ ان کا یہ احساس کہ مخالف طبقہ میں ان کے ہمدرد دوست بھی ہیں سماجی بے چینی کو کم کر دیتا ہے۔ خواندگی مہم کا دائرہ عمل وسیع ہوجاتا ہے۔ پچھڑے لوگوں کے اندر شعور کی بیداری مفاد پرست لوگوں کو خوف زدہ کردے گی۔ یہ فطری بات ہے۔ یہ حیرت زدہ ہونے کی بات نہیں ہے کہ وہ لوگ کسی نہ کسی بہانے سے خواندگی مہم کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں گے لہٰذا اسی طرح تعاون اور رکاوٹ کے دو متضاد کردار دوست دشمن ٹھیک کرنے کی راہ میں آسانی پیدا کردیں گے وہ لوگ جو ہمیشہ بے عزتی اور عدم توجہی کا شکار رہے ہیں اور ظلم و استحصال جن کی قسمت میں لکھا ہے خواندگی مہم کے ذریعہ ایک نئی دہلیز پر آکھڑے ہوتے ہیں لہٰذا یہ واضح کردیا چاہئے کہ خواندگی مہم کا دور رس سماجی اثر ہے۔

اب یہ سوال بتدریج سامنے آتا ہے کہ اس مہم کی ہندوستان بھر میں تشہیر کیوں نہیں ہوئی۔ بڑی بڑی ریاستوں میں جہاں ناخواندگی کی شرح بہت بیشی ہے وہاں اس کی کمی زیادہ دکھائی پڑتی ہے۔ ہندستان کے کمپٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل نے اپنی سالانہ رپورٹ میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ ۸۹-۱۹۸۵ء کے دوران سالانہ ۴۹ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ یہ اخراجات ۸۹-۱۹۸۸ء میں بڑھ کر ۸۹ کروڑ روپئے کردئے گئے لیکن ناخواندہ افراد کی سالانہ شرح ۴۹ لاکھ سے گھٹ کر ۴۲ لاکھ ہوگئی۔ اتنی بڑی تعداد میں ناخواندہ افراد کے رہتے ہوئے ایسی تنزلی کی کیا وجہ ہے

مغربی بنگال میں خواندگی کی شرح ۱۹۹۱ء کے مقابلے میں آج دس فیصد بڑھ گئی ہے مستقبل قریب میں ایک حیرت انگیز کامیابی کی توقع کی جاتی ہے کیوں کہ ریاست بھر میں خواندگی مہم پوری شد و مد کے ساتھ جاری ہے۔ صرف خواندگی ہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ سماجی بیداری، عقلیت پسندی، حفظانِ صحت کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ خواندگی مہم مغربی بنگال کے سماجی اصلاحی اور جمہوری تحریک کی روایت کو مزید تقویت بخشے گی ++

بقیہ : مغربی بنگال میں اردو نثر کا ارتقاء

ہندستان کے ہر علاقے کی مٹی کی سوندھی مہک ملنی چاہئے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہر علاقے کے ادیب اپنے علاقے کے گل بوٹوں سے اردو ادب کے گلستان کو مزین کرنے لگیں۔ یہ کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ہندی یا انگریزی کے توسط سے مدراس میں ایس ایم بادشاہ میاں کوئی ادیب بیٹھ کر بنگالی کے نمائندہ افسانوں کا اردو میں ترجمہ کرے یا دلی میں مظفر حنفی میاں کوئی ادیب بیٹھ کر اڑیا کے نمائندہ افسانوں کا اردو میں ترجمہ کرے۔ یہ حق تو ہر علاقے کے مقامی ادیبوں کا ہے۔ اس بات اردو کو جو سہولت حاصل ہے وہ کسی دوسری علاقائی زبان کو حاصل نہیں (یعنی ہر علاقے میں اس کے ادیبوں کا موجود ہونا) نہیں کہہ رہا ہوں کہ بنگالی سے اردو میں براہِ راست ترجمے بالکل نہیں ہوئے، ضرور ہوئے ہیں، لیکن جو کچھ ہوئے ہیں ان کے مقابلے میں بہت کچھ ہونے باقی ہیں۔ میرے نزدیک ترجموں سے بھی اہم چیز یہ ہے کہ بنگالی ادب میں جو نئے نئے رجحانات پرورش پانے لگتے ہیں اور جو نئے نئے تجربات انجام دئے جاتے ہیں، انہیں اردو ادب میں بھی ضم کرلیا جائے۔ یہ کام بنگال کے ادباء ہی خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں رابندرناتھ ٹیگور ایک طاقت ور آواز کے طور پر ابھرے۔ حالانکہ گیتانجلی کے ترجمے کے بعد اس کے اثر سے اردو ادب میں ادبِ لطیف کو فروغ حاصل ہوا لیکن اردو ادب پر ٹیگور کی نثری تخلیقات مثلاً ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑا۔ آزادی سے پہلے ٹیگور کے علاوہ اور بھی بہت سے بنگالی ادیب تھے جن کے تجربات کو اردو میں اپنایا جاسکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا غرض کہ ماضی میں اس پلیٹ اردو ادب کو جو محرومی نصیب ہوئی ہے اس کی تلافی اس طرح ہوسکتی ہے کہ بنگال کے موجودہ اردو ادیب بنگالی کے ان بڑے ادیبوں کے تجربات کا عرفان حاصل کرکے ان کی روح کو اردو میں داخل کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں ++

(بشکریہ، مغربی بنگال اردو اکاڈمی)

مغربی بنگال چھوٹی صنعت کارپوریشن نے بنگال پوٹریز لمیٹڈ کو خریدلیا

گذشتہ دو دہائیوں کے دوران ملک کی اوّل برتن بنانے والی اکائی بنگال پوٹریز لمیٹڈ مرکزی حکومت کی بے توجہی کی وجہ سے بُرے حالات سے دوچار رہی۔ ۱۹۸۷ء کے دوران آئی آر بی آئی نے مذکورہ بالا اکائی کی انتظامیہ کو واپس بلالیا اور مذکورہ اکائی کے احیائے نو کے سلسلے میں ہمارے وزیر اعلیٰ نے بارہا متعدد وزرائے اعظم سے گزارش کی مگر یہ توجہ سے مطلق محروم رہا۔ ٹاٹا کے مشیر کاروں نے مذکورہ اکائی کے احیائے نو کے سلسلے میں ۱۶ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کے ایک پیکج کی تجویز پیش کی تھی مگر اس پر بھی عمل درآمد نہیں ہوا۔ نتیجے کے طور پر مذکورہ اکائی ناقابلِ تلافی حد تک بیمار ہوگئی۔ اس کا دیوالیہ نکل گیا اور کورٹ میں اس کی نیلامی ہوگئی۔ اس کے خاص کریڈیٹرس (یعنی آئی آر بی آئی اور پنجاب نیشنل بینک) ۱۸۰ کروڑ روپئے بطور بقایاجات کے متلاشی تھے اور اس دوران آئی آر بی آئی نے مذکورہ اکائی کے ملازمین کے بقایاجات ادا کر دئے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کی ایک ڈویژن بنچ نے ۱۰ر۱۲ کروڑ روپئے کی قیمت پر مغربی بنگال چھوٹی صنعت کارپوریشن (ڈبلیو بی ایس آئی) کو مذکورہ اکائی کو فروخت کردیا۔ اس توثیق کے بعد مذکورہ کارپوریشن نے مذکورہ کورٹ میں کل ۲۵ر۴ کروڑ روپئے کا ایک بینک ڈرافٹ جمع کیا۔ کورٹ میں نیلامی کے دن کسی ادارے نے نہ ہی مذکورہ کارپوریشن کی بولی سے بڑھ کر بولی لگائی اور نہ ہی مذکورہ کورٹ میں مطلوبہ رقم جمع کی۔ مذکورہ اکائی کی حصولی میں مغربی بنگال چھوٹی صنعت کارپوریشن کی کامیابی وزیر مالیات کی جانب سے پیش کردہ تعاون کے ذریعہ ہی ممکن ہو پائی۔ وزیر موصوف نے گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے وزیر اور مغربی بنگال چھوٹی صنعت کارپوریشن کے چیئرمین کی گزارش پر فنڈ فراہم کیا۔

اثاثے جو تمام کے تمام شہر کلکتہ کے ہر ممکنہ طور پر نہایت ہی اہم ترین علاقوں میں واقع ہیں کیوں کہ شہر ہذا ہلکی اور عدم کثافت والی چھوٹے پیمانے کی صنعت (ایس ایس آئی) اور اس سے وابستہ سرگرمیوں کے لئے نہایت ہی موزوں ہے۔ بیلگاچھیا ڈانگا میں واقع تقریباً ۷۰۰ کٹھے، ٹینگرا میں واقع ۳۰۶ کٹھے اور تارا تلہ میں ۶۷ کٹھے پر مشتمل ہیں۔ بے شمار عمارتیں، شیڈس فیکٹری پریمیسس، مشینیں و آلات، اسکراپ وغیرہ مذکورہ بالا ۱۰۷۳ کٹھے کی جائیداد پر مبنی اثاثے پر مشتمل ہیں۔ اگر مذکورہ بالا اثاثے کو فروخت کیا جاتا ہے تو بلاشک وشبہ اس کی قیمت ۴۰۰ کروڑ روپئے ہوگی۔

سی اینڈ ایس ایس آئی شعبہ اور ڈبلیو بی ایس آئی سی بیلگاچھیا ڈانگا اور ٹینگرا کی جائیدادوں میں تقریباً ۱۵۰۰ — ۱۲۰۰ ہلکی ایس ایس آئی اور اس سے وابستہ عدم کثافت والی اکائیوں کے قیام کو عملی جامہ پہنانے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں تارا تلہ کی جائیداد ایک سیرامک اکائی کے قیام کے لئے زیر غور ہے۔ مذکورہ بالا بنگال پوٹریز لمیٹڈ (بی پی ایل) صنعتی اسٹیٹس سے توقع کی جاتی ہے کہ یہ ۲۰۰۰۰ (براہِ راست) اور ۱۶۰۰۰ (بالواسطہ طور پر) روزگار کے مواقع پیدا کرے گا۔ اور اس سے ۱۰۰ کروڑ روپے سے زائد سالانہ آمدنی بھی ہوگی۔ مذکورہ رقم سے کثیرالمنازل جدید صنعتی موڈیولس میں ایس ایس آئی کی اکائیوں کے قیام مشرقی ہند میں ایک لاثانی پیمانے پر عمل میں لایا جائے گا۔

چونکہ بی پی ایل کلکتہ میں تاریخی طور پر ایک مایہ ناز صنعتی ادارہ رہا ہے اس لئے بی پی ایل پر قبضہ کا ارادہ تعلقاتِ آراضی کے اسپیکولیٹروں کے ہاتھوں شکار بننے سے مذکورہ اثاثوں کو بچانا تھا اور اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ صنعتی اور متعلقہ سرگرمیوں کیلئے مذکورہ اثاثوں کو کام میں لایا جائے گا۔ مذکورہ طرز کی سرگرمیاں زیادہ سے زیادہ روزگار اور خود روزگار کے مواقع پیدا کرنے کیلئے نہایت ہی معاون ثابت ہونگے۔ یہ منصوبہ بنایا جارہا ہے کہ پورا کا پورا پروجیکٹ خود اپنی سرمایہ کاری پر کھڑا ہوگا۔ یہ ریاستی حکومت سے کسی طرح کی کوئی سبسیڈی نہیں لے گا کیوں کہ ایس ایس آئی اکائیاں خود بی پی ایل صنعتی اسٹیٹ کو فنڈس فراہم کریں گی اور اس طرح مذکورہ پروجیکٹ کو مجوزہ خاکوں، عمارتی منصوبوں وغیرہ پر تمام انفرا اسٹرکچر سہولتوں کے ساتھ روبہ عمل لایا جائے گا۔ ڈبلیو بی ایس آئی سی جلد ہی ایس ایس آئی کاروباریوں سے مذکورہ پروجیکٹ کی خوبیوں اور خصوصیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے جگہیں بُک کرنے کے سلسلے میں درخواست طلب کرے گی ٭٭

غزلیں

غلام حسین ایاز

شہر کی آنکھ کھُلے اور نہ صحرا جاگے
دور تک بس تری آنکھوں کا اُجالا جاگے

آج کی رات ذرا جاگتے رہنا یارو!
شاید اب پھر نہ کوئی جاگنے والا جاگے

ہیں کھڑے چاروں طرف لوگ قطاریں باندھے
شاید اس شہر میں پھر کوئی تماشا جاگے

کون ایسا تھا کہ جو بنتا حریفِ شبِ غم
اک ہمیں تھے جو ترے شہر میں تنہا جاگے

دب گئی دور تلک موجِ رواں کی آواز
اب سمندر کی کھُلے آنکھ نہ دریا جاگے

رات کے سرد بدن میں ذرا حدّت بھر جائے
پھر افق سے کوئی اک سُرخ سویرا جاگے

ہم کو احساس ہے بے چہرگیٔ غم کا ایاز
آئینہ ٹوٹ گیا عکس بھلا کیا جاگے

وحید عرشی

کیسے سناؤں غم کی کہانی، سانسوں پر ہے بار بہت
ماضی کہتا ہے کہہ جاؤ، حال کو ہے انکار بہت

آپ پشیماں آخر کیوں ہیں، مجھ کو کچھ بھی یاد نہیں
کس کی محبّت، کیسی کہانی، کس سے کیا تھا پیار بہت

ٹوٹا ماضی کا آئینہ، یادوں کی بکھری کرچیں
ذہن کے زخمی تلوے اب ہیں چلنے سے بیزار بہت

ٹوٹ پھوٹ پر کشتیٔ دل تھی ورطۂ ظلمت ہی میں ابھی
یوں تو چلائے شب کے سمندر میں ہم نے پتوار بہت

بھاگ چلوں یادوں کے زنداں سے اکثر سوچا لیکن
جب بھی قصد کیا تو دیکھا اونچی ہے دیوار بہت

ٹھٹھکا تو تھا پھر جانے کیا سوچ کے آگے بڑھتا گیا
پائے وفا میں یوں تو چبھے تھے تیری جفا کے خار بہت

ترکِ تعلق سے اک میرا دل ہی نہیں ہے کچھ زخمی
تیر ہوتے ہی ہوں گے تیرے سینے کے بھی پار بہت

بنگال میں اردو نثر کا ارتقاء

(۱۹۰۰ئ سے ۱۹۴۷ تک)

ڈاکٹر کرامت علی کرامت، کٹک

اردو ایک عجیب قسم کی زبان ہے ۔ یہ برصغیر کے ہر علاقے میں
ولی اور سمجھی جاتی ہے، لیکن اس کا اپنا کوئی علاقہ نہیں ہے یعنی ایسا کوئی
صوبہ نہیں جہاں اس کے بولنے والوں کی اکثریت ہو، کہا جاتا ہے کہ اردو
کا علاقہ وہی ہے جو ہندی علاقہ ہے، لیکن بعض سیاسی وجوہ سے جب
ہندی والوں کو اردو والوں سے الگ کر کے دکھایا گیا تو کہیں بھی اردو
بولنے والوں کی اکثریت نہ رہی اور یہ زبان اقلیت کی زبان ہو کے رہ گئی،
میری رائے میں یہ سوچنا درست نہیں کہ اب کہیں بھی اردو علاقہ نہیں
رہا۔ مجھے ڈاکٹر اختر اورینوی کے اس قول سے اتفاق ہے کہ ہر اس گلی،
ہر اس محلے یا ہر اس قصبے کو اردو علاقہ کہنا چاہئے جہاں اردو بولنے
والوں کی اکثریت ہے ۔ ان وسیع معنوں میں اردو علاقہ بنگال و اڑیسہ سے
لیکر پنجاب، گجرات، مہاراشٹر، آندھرا، تامل ناڈو اور کرناٹک تک ہندوستان
بھر میں پھیلا ہوا ہے ۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس زبان کے ارتقاء میں زمانہ
قدیم سے لے کر اب تک ہر علاقہ کے اردو داں طبقہ کا خونِ جگر شامل ہے
غالباً اسی وجہ سے جان بیمز نے (Journal of the Bengal
Asiatic society Vol 39 / 1886) میں کہا تھا :

"I consider Urdu as the most progressive and civilised form of the great and wide spread language of the "hordes". Not only is it compendous, eloquent, expressive and copious but it is the only form in which the legitimate development of the speech of the gangetic tribes could show itself."

یہ ضرور ہے کہ گنگا کے کنارے آباد ہونے والی قوم کی بولی سے اس
زبان کا آغاز ہوا، لیکن جہلم اور چناب سے لیکر کرشنا اور کاویری تک کے
علاقے کو لے کر یہ زبان پھیلی اور پھولی ۔ یہ زبان ہندوستان بھر کے لئے رابطہ
کی زبان بن گئی ۔ بالآخر (M Garcin De Tassy) گارساں دی
تاسی جیسے فرانسیسی اسکالر کو کہنا پڑا کہ "ہندوستان بھر میں اردو کو وہی مقام
حاصل ہے جو یورپ میں فرانسیسی زبان کو ہے ۔ اکثر لوگ اس زبان کا
استعمال کرتے ہیں ۔ یہ زبان کچہریوں میں بھی استعمال ہوتی ہے اور شہروں
میں بھی پڑھے لکھے لوگ اسی زبان میں اپنا تخلیقی جوہر دکھاتے ہیں، شعراء
اسی زبان میں ترنم ریز ہوتے ہیں نیز یہی زبان اہلِ یورپ سے تبادلۂ
خیال کرنے کا واحد ذریعہ ہے ۔"

غرض کہ دوسرے علاقوں کی طرح بنگال بھی شروع ہی سے اردو زبان
و ادب کے ارتقا میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کرتا رہا ہے ۔ یہاں میں اس
امر کا ذکر کرتا چلوں کہ ایک عرصے تک بنگال و اڑیسہ ایک ہی صوبہ تھا
اس لئے ان دونوں صوبوں کی ادبی تاریخ بہت دور تک ساتھ ساتھ
چلتی ہے اور اس کے بعد پھر اپنی راہ لیتی ہے ــ یہ میں اس لئے کہہ
رہا ہوں کہ ہردے رام جودت، والہ ہردی (شاگرد فیضی ہردی) وغیرہ
جن کا ذکر اڑیسہ کی ادبی تاریخ میں آتا ہے ۔ ان کا تعلق بنگال سے بھی
تھا ۔ اسی طرح ۵۰۷۱ء میں دنشی ولبھ گوسوامی کے ذریعہ "اڑیہ رسم الخط"
میں لکھا گیا ڈراما "مغل تماشہ" جسے سب سے پہلے راقم الحروف نے اپنے
مضمون "اڑیا زبان و ادب" (مطبوعہ زبان و ادب پٹنہ) میں اور پھر اس
کے بعد شیخ مبین اللہ نے اپنے مضمون "مغل تماشہ" (مطبوعہ آجکل، دہلی)
اور ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے ایم فل کے
مقالے "مغل تماشہ" میں اردو کا سب سے پہلا ڈرامہ قرار دیا ہے، اسے بھی
بنگال کی اردو نثر کی تاریخ میں مقام ملنا چاہئے ۔

حالانکہ بنگال کی علاقائی زبان بنگالی ہے ۔ لیکن بنگالی کے پہلو بہ پہلو
اردو زبان و ادب نے بھی یہاں اپنے طور پر ارتقائی مراحل طے کئے ہیں ۔ ادب
کا کوئی بھی مورخ فورٹ ولیم کالج، جان گلکرسٹ اور ان کے دیگر رفقائے

کار کی ادبی خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ آپ اردو کے سب سے بڑے پریس کا ذکر کریں گے تو فورٹ ولیم پریس اور سیرامپور پریس کا ذکر یقیناً آئے گا۔ سب سے پہلے اردو رسالے کی بات کریں گے تو اپریل ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے نکلنے والے ہفت روزہ "جام جہاں نما" کا نام آئے گا جس کا ذکر گارساں دی تاسی نے اپنے خطبات میں کیا ہے۔ سب سے پہلی انگریزی اردو ڈکشنری اور اردو کے قواعد کی کتاب یہیں لکھی گئی۔ فارسی، عربی اور سنسکرت سب سے پہلے نثر میں یہیں ترجمے کیے گئے۔

اس سرزمین سے مختلف عہد میں بڑے بڑے علماء و فضلاء وابستہ رہے ہیں۔ "برہان قاطع" اور "قاطع برہان" کا تنازعہ اس بات کا بین ثبوت ہے۔ انشاءاللہ خان انشاء کو سرزمین مرشد آباد نے جنم دیا۔ عبدالحلیم شرر جیسے معمار نثر کی ذہنی نشوونما سترہ سال کی عمر تک یہیں مٹیابرج میں مرزا محمد علی، مرزا امام بخش اور مرزا محمد جلال جیسے کامل اساتذہ کے زیر سایہ ہوئی۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ واجد علی شاہ کے مٹیابرج میں نظر بند ہونے کے بعد مٹیابرج اردو شعر و ادب کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ غرض کہ زمانۂ قدیم سے لے کر اب تک بنگال اردو زبان و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا ہے اور اس کے ارتقاء میں اہم حصہ لیتا رہا ہے۔ شروع ہی سے بنگال میں تین قسم کے ادباء پائے جاتے ہیں۔ اوّل اردو کے وہ بیرونی ادباء جو کسبِ معاش کے سلسلے میں یہاں آتے ہیں۔ اردو ادیبوں کی ایسی آبادی کو تیرتی ہوئی آبادی (Floating population) کہا جا سکتا ہے۔ دوم وہ جو یہاں آ کے مستقل طور پر بس جاتے ہیں یا پشت ہا پشت سے یہاں آباد ہیں۔ سوم وہ جو خاص مقامی لوگ ہیں جن کی مادری زبان بنگالی ہے، مگر جو اردو سے شغف رکھتے ہیں۔ بنگال کی ادبی تاریخ کے اوراق ان تین قسموں کے ادیبوں کے کارناموں سے روشن ہیں۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بنگال کے ادیبوں نے ہر دور میں اردو ادب کے بدلتے ہوئے رجحانات کا ساتھ دیا ہے۔ بیسویں صدی میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی، جدید علوم و فنون کی مقبولیت اور جنگ ہائے عظیم کی تباہ کاریوں نے ایک ذہنی انقلاب پیدا کر دیا جس کا اثر عالمی ادب پر بھی پڑا اور اردو ادب پر بھی۔ انگریزی ہی کے زیر اثر نئے انداز کے افسانے، ناول، مزاحیہ مضامین، ڈرامے، تذکرے، سفر نامے، تنقیدی و تحقیقی مضامین، مکاتیب وغیرہ لکھے گئے اور ان سب میں بنگال کا نثری ادب دوسرے علاقوں کے مقابلے میں کسی طرح سے کم نہیں خصوصاً آغا حشر کاشمیری اور ابوالکلام آزاد اس اثنا میں ابھرنے والی ایسی شخصیتیں ہیں جن کا ذکر اردو نثر کے معماروں میں ہوتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ اور بھی بہت سی اہم شخصیتیں بنگال میں ابھریں ہیں جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

اب آئیے سرزمینِ بنگال میں مختلف اصنافِ نثر کے ارتقاء کا جائزہ لیں۔

افسانوی ادب: بنگال کے افسانوی ادب کا ذکر ہوتے ہی ذہن میں ل۔ احمد، عندلیب شادانی، جمیل مظہری، سلیمان واصف، راحت آرا بیگم، یونس احمر، نشاط الایمان وغیرہ کا نام ذہن میں ابھرتا ہے۔ ل۔ احمد اکبر آبادی کا قیام اول ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۶ء تک کلکتہ میں رہا۔ ان کے رومانی دور کے کئی افسانے ان کے اسی عہدِ قیام کی یادگار ہیں (بعد میں وہ کلکتہ سے آگرہ چلے گئے اور پھر آزادی کے بعد ۱۹۵۰ء میں کلکتہ آئے)۔

۱۹۲۸ء سے عندلیب شادانی کا قیام ڈھاکہ میں رہا۔ انہوں نے بنگال میں افسانوی ادب کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ایک طویل عرصے سے "ساقی" دہلی کے لئے پریم پجاری کے روپ میں سچی کہانیاں لکھتے رہے۔ ان کے افسانوی مجموعے "نوشش ونیش" اور "جھوٹا خدا" چھپ کر قبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

جمیل مظہری کے کئی افسانے مثلاً "فرض کی قربان گاہ پر" "ایک ..." وغیرہ ان کے کلکتہ کے دورانِ قیام ہی لکھے گئے، خصوصاً اول الذکر افسانے کا ادبی حلقوں میں کافی چرچا رہا۔ یہ افسانہ ۱۹۳۰ء میں ماہنامہ ندیم پٹنہ کے بلد نمبر میں شائع ہو کر مقبول ہوا۔ یہ ایک نفسیاتی افسانہ ہے جس میں فرض اور محبت کی کشمکش دکھائی گئی ہے۔ زبان و بیان کی دل کشی اور اسلوب کی تازگی کی وجہ سے اردو کے بہترین افسانوں میں اسے جگہ مل سکتی ہے۔

محمد سلیمان واصف بھی اس زمانہ کے اچھے افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء سے نثر نگاری شروع کی۔ افسانہ نگاری کے علاوہ انہوں نے کئی ناول، ڈرامے، مزاحیہ نیز علمی و تاریخی مضامین بھی لکھے

اس دور کے دیگر افسانہ نگاروں میں جرم محمد آبادی، رضا مظہری، ابراہیم ہوش، محمد یونس احمر، حسن نجمی سکندر پوری، نظیر جمیلی، ساجن پردیشی، شائستہ اختر، راحت آرا بیگم، شاہ خلیل الرحمٰن لکھنوی، نشاط منظر پوری (نشاط الایمان) وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آزادی سے پہلے شبنم منظر پوری بھی کئی سال کلکتے میں تھے۔ محمد یونس احمر کا افسانوی مجموعہ "سنگریزے"، نظیر جمیلی کا مجموعہ "گوہر" شائستہ اختر کا مجموعہ "کوشش ناتمام" سالک لکھنوی کا "عذرا" اور دیگر افسانے (۱۹۴۳ء) اور راحت آرا بیگم (۱۹۱۰ء تا ۱۹۴۹ء) کے متعدد افسانوی مجموعے مثلاً "بانسری کی آواز" "شب کی پکار، دل نواز، بدوکی بیٹی، پریمی، انقلاب، غنچہ، افسانہ وغیرہ ادبی حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ جرم محمد آبادی کے افسانے دس ہزار کا نوٹ، انجان رشتہ دار، ماتم ہیں، کہانی وغیرہ ہفتہ وار نظام کلکتہ میں شائع ہو کر مقبول ہوتے ہیں۔

ناول نگاری: افسانہ نگاری کے پہلو بہ پہلو یہاں کے ادیبوں نے ناول نگاری کی طرف بھی خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ خواجہ عتیق اللہ شیدا کا ناول "عبرت" اور خواجہ محمد اشرف کا ناول "خونی قسمت" بہت مشہور ہے۔ شیدا (متوفی ۲۹-۱۹۲۸ء) نے کئی کامیاب جاسوسی ناول بھی لکھے ہیں جن میں سے "دیوی چودھرائن" اور "خدا کی شان" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سید بدر الزماں بدر ایک اچھے ناول نگار تھے اور ان کا ناول "احسن" بہت مشہور ہے۔ محمد سلیمان واصف نے "زنجیر محبت" نامی ایک ناول لکھا جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف مثلاً پرتھوی راج، جولیس سیزر، جنگِ روس و تاتار، شانتا اور ایک فلمی کہانی "عورت کا انتقام" بہت مشہور و مقبول ہیں۔

رضا مظہری نے آوارہ یا بدکار کے نام سے ایک ناول لکھا ہے۔ اس کے علاوہ خواجہ محمد اعظم کا ناول "بڑی بہو"، جمیلہ بیگم کا ناول "نوروزہ" لکھنوی اور دہلی کی خانگی زندگی پر مبنی محمودہ بیگم کا ناول "مونشنگ بیگم" اور سعیدہ اختر کا قومی اور اخلاقی ناول بنگال کے نثری ادب میں قابلِ قدر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ڈرامہ نگاری: آغا حشر کاشمیری اردو کی ڈرامہ نگاری میں بہت ہی قد آور شخصیت مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اردو کی ڈرامہ نگاری میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۲۷ء تک ان کا قیام کلکتہ میں رہا۔ یہاں الفریڈ تھیٹریکل کمپنی اور کورنتھین تھیٹرز وغیرہ سے وابستہ رہے۔ موصوف کی تخلیقی زندگی کا بیشتر حصہ کلکتہ میں گزارا۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ کورنتھین تھیٹرز کے لئے ڈرامے لکھتے اور ان کے رفیق کار میر محمود طرزی کے زیرِ ہدایت یہ ڈرامے اسٹیج ہوتے۔ خود آغا حشر نے بھی یہ ڈرامہ نگاری اور ہدایت کاری کے ذریعہ اردو اسٹیج کو سنوارا اور نکھارا اور اسے بنگالی اسٹیج کے برابر لا کھڑا کر دیا۔ ان کے اردو ڈراموں میں شہیدِ ناز، مریدِ شک، میٹھی چھری، خوابِ ہستی، ٹھنڈی آگ، اسیرِ حرص، تصویرِ وفا، نعرۂ توحید، صیدِ ہوس، سفید خون، خوبصورت بلا، خود پرست، سلور کنگ، شام جوانی، ترکی حور، ہندوستان قدیم و جدید، جرم نظر، آنکھ کا نشہ، یہودی کی لڑکی، رستم و سہراب وغیرہ اور ہندی ڈراموں میں سور داس، گنگا اترن، بن دیوی، سیتا بن باس، شراون کمار وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ چونکہ آغا حشر بنیادی طور پر شاعر تھے اس لئے وہ اپنے مکالموں میں شاعرانہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ ان کی نثر مقفیٰ، مسجع اور مرصع ہوتی ہے۔ مکالموں کو زوردار بنانے کے لئے قدم قدم پر ڈرامہ کے کرداروں سے شعر کہلواتے ہیں۔ آغا حشر کے بہت سے نقاد اس عمل کو غیر فطری قرار دیتے ہیں۔ بعض لوگ انہیں انڈین شیکسپیر کا لقب عطا کرتے ہیں تو بعض لوگ انہیں اردو کا مارلو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آغا حشر کے ڈراموں میں وہی عیب ہیں جو مارلو کے یہاں پائے جاتے ہیں یعنی جذبات کی شدت، ان کے اکثر ڈراموں میں دو الگ الگ پلاٹ ہوتے ہیں۔ ایک سنجیدہ، دوسرا مزاحیہ۔ ان دونوں پلاٹ کو وہ کسی نہ کسی سین میں جوڑ دیتے ہیں تاکہ دونوں پلاٹ مل کر ایک ہو جائیں۔ نقادوں کی نظر میں اس طرح دو پلاٹ کا بیک وقت قائم کرنا فنی عیب ہے لیکن سچ پوچھئے تو اس وقت کے اسٹیج کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آغا حشر نے ڈرامے لکھے تھے۔ وہ ناظرین کے مزاج کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے اپنے ڈراموں میں عوام کی دلچسپی کا سامان ضرور رکھتے تھے۔ لیکن کردار نگاری کا حسن، پلاٹ کے ارتقاء و عروج کا فنی اہتمام، مکالموں کا زور، خود کلامی سے ظاہر ہوتی ہوئی ذہنی کشمکش، الفاظ کی دروبست جیسے ہار میں موتی

پرو دئے گئے ہوں اور شاعرانہ زبان کی چاشنی جس سے غیر فطری واقعہ بھی فطری نظر آئے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو آغا حشر کو عظیم فنکار بناتی ہیں۔ انہوں نے ہندی میں جو ڈرامے لکھے ہیں وہ دراصل عام فہم اردو ہی میں ہے ان ڈراموں کے وجود سے ایک نیا اسلوب نثر وجود میں آتا ہے۔

یوں تو آغا حشر کے ڈرامے ہندستان بھر میں مقبول ہوئے لیکن اردو کے دوسرے ڈرامہ نگاروں پر ان کی طرز کا بہت کم اثر پڑا، کیوں کہ ان کی طرز پر لکھنا آسان کام نہیں تھا، البتہ اڑیسہ کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار امجد نجمی نے اسی طرز پر متعدد ڈرامے لکھے جو آندھرا اور اڑیسہ کے متعدد مقامات پر اسٹیج ہو کر عوام سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔

آغا حشر کے بعد بنگال کے ڈرامہ نگاروں میں آرزو لکھنوی کا ذکر آتا ہے۔ یوں تو آرزو نے چراغِ توحید، عمل کا پھل، حلیمِ زہر، صدائے درویش جیسے متعدد ڈرامے لکھے لیکن متوالی جوگن، دل جلی بیراگن، بات کا دھنی، حسن کی چنگاری اور چاند گہن — یہ ڈرامے اس زمانے کی مشہور کمپنیوں مثلاً پارسی تھیٹریکل کمپنی، کورنتھین تھیٹریکل کمپنی اور الفریڈ تھیٹریکل کمپنی کے ذریعہ اسٹیج ہو کر بے حد مقبول ہوئے۔

بنگال میں کئی اور لوگوں نے بھی ڈرامے لکھے ہیں جن میں محمد سلیمان واصف کا ڈراما، نادر شاہ، وحید النبی وحید کا ڈرامہ خیر و شر اور راحت آرا بیگم کا ڈرامہ "رادھا" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مزاحیہ ادب: بنگال کے مزاحیہ نگاروں میں نواب سید محمد آزاد کا ذکر خاص طور پر آتا ہے۔ موصوف اودھ پنچ، اودھ اخبار آگرہ وغیرہ کے لکھنے والوں میں سے تھے۔ ان کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ "خیالاتِ آزاد" (ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن) ۱۹۰۸ء میں رضوانی پریس کلکتہ سے شائع ہوا۔ آزاد کا ذکر رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب "A history of Urdu literature" اور آغا محمد باقر نے اپنی کتاب "تاریخ نظم و نثر" میں کیا ہے۔

محمد سلیمان واصف نے بھی متعدد مزاحیہ مضامین لکھے ہیں جو عصر جدید کلکتہ، خادم کلکتہ اور سرپنچ لکھنؤ وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ موصوف کے مزاحیہ مضامین میں سے "ہمارا سفر وار جلنگ" کیرپڈ

کا مجسمہ اور میں، تمسکار پارٹی، عبدیا امریکہ، چچا فرزود عیسو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ابراہیم ہوش ہند اور عصر جدید کے کالم میں "نالہ پابند نے نہیں ہے" کے عنوان سے کلکتے کی عام بول چال کی اردو میں جو مزاحیہ مضامین لکھ رہے تھے ان کی بڑی لسانی اہمیت ہے کیونکہ عوامی زبان ہمیشہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے۔ کلکتہ کے اردو بولنے والوں کی زبان کو ابراہیم ہوش نے اپنے کالموں میں محفوظ کر کے بڑی لسانی خدمت انجام دی ہے۔

علمی، ادبی اور تحقیقی مضامین: چونکہ بنگال شروع ہی سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اس لئے اس کا علمی، ادبی اور تحقیقی سرمایہ کافی وقیع ہے۔ خصوصاً بیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں آرزو لکھنوی، ناطق لکھنوی، مولانا ابو الکلام آزاد، عندلیب شادانی، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، خان بہادر عبدالمقتدر، عباس علی خاں بے خود، جمیل مظہری، رضا مظہری، حسرت نعمانی، پرویز شاہدی جیسے اکابر نے یہاں علم و ادب کی شمع روشن رکھی۔ اختر حسین رائے پوری جیسے مشہور ترقی پسند نقاد کلکتے کی ادبی فضا سے اس وقت متاثر ہوئے جب وہ ہندی میں لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ہندی میں ایک مضمون "تیموریہ گھرانے کی آخری جھلک" لکھا تھا دوستوں کے مشورے سے اردو میں منتقل کیا اور دیوان سنگھ مفتون کے "ریاست" میں چھپوایا۔ پھر وہ قاضی نذرالاسلام سے ملے تو انہوں نے ان کی بہت سی نظموں کو اردو میں منتقل کر کے "پیامِ شباب" کے نام سے چھپایا۔

آرزو لکھنوی نے "نظامِ اردو" اور "میزان الحروف" کے نام سے دو فنی رسالے لکھے "نظامِ اردو" میں مترادف الفاظ کے استعمال پر اور "میزان الحروف" میں "مقدارِ صوت" پر بحث کی گئی ہے۔ عندلیب شادانی نے انشائے ابوالفضل اور چہار مقالہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کی تصانیف "دورِ حاضر اور اردو غزل گوئی" قابلِ قدر تنقیدی کارنامہ ہے۔ حبیب الرحمٰن احسن (جنہوں نے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ سے "اخبار المشرق" جاری کیا) انہوں نے کئی معلوماتی اور تاریخی مضامین مثلاً "آسودگانِ ڈھاکہ اب سے ۵۰ برس پہلے"، "ڈھاکہ کی تاریخی عمارتیں" وغیرہ لکھے۔ ناطق لکھنوی نے "نظم اردو" کے عنوان سے اردو شاعری کی ایک منظوم تاریخ لکھی ہے لیکن حاشئے میں جو نوٹ لکھے ہیں وہ بذاتِ خود ا[illegible]

کی بہترین مثالیں ہیں جن کی تعریف اثر لکھنوی نے کی ہے۔ محمد سلیمان واصف کے مضامین "سیناحسین کی قربانی"، "ہندستان کی لنگوا فرینکا اور اس کا رسم الخط" اور نیاز فتح پوری پر تنقید خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ عبدالقیوم حسرت نعمانی نے تنقیدی اور تحقیقی مقالے لکھ کر شائع ہو کر ارباب علم وادب کی توجہ کا مرکز بنے ہیں۔ طاہر رضوی اور عبدالرحیم نے اسلامیات پر بہت کچھ کام کیا ہے۔ عبدالرحیم محمد علی جوہر کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کی کتابیں "سیرت رسولؐ" اور "کربلائے معلی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اشتراکیت اور جمہوریت پر بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ احسن احمد اشک نے قاضی نذرالاسلام پر جو تنقیدی کتاب لکھی ہے وہ اردو اور بنگالی ادب کو قریب لانے کی مستحسن کوشش ہے۔ سعیدہ اختر ۴۲ء میں چار ماہ تک قید بامشقت کی سزا بھگت چکی ہیں۔ قید سے رہا ہونے کے بعد انہوں نے "قید فرنگ" کے نام سے جو مضامین لکھے ہیں ان کی ادبی حیثیت مسلّم ہے۔

اختر حسین اختر نے حج بیت اللہ سے متعلق جو تاثرات قلمبند کئے ہیں وہ ہمارے سفرناموں میں قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاباں جمالی القادری نے کلکتہ کے ابھرتے ہوئے شعراء کا تذکرہ "جام نو" کے نام سے ۴۶ء میں قلم بند کیا ہے۔ حالانکہ وفا راشدی کی کتاب "بنگال میں اردو" ۵۴ء میں حیدرآباد (پاکستان) سے شائع ہوئی لیکن اس تالیف کا بیشتر حصہ آزادی سے قبل ہی مکمل ہو گیا تھا۔ غرض کہ ناسخ کی روایت کو وفا راشدی نے آگے بڑھایا۔

مکتوب نگاری کے فن میں نواب سید محمد آزاد، خالد بنگالی، ابوالکلام آزاد، وحشت کلکتوی وغیرہم نے اپنا کمال دکھایا ہے۔ نواب سید محمد آزاد نے چند فرضی خطوط لکھے ہیں جو گویا انگلستان میں بیٹھ کر کسی تعلیم یافتہ نوجوان نے ہندستان میں بسنے والی اپنی محبوبہ کے نام لکھے ہیں۔ یہ خطوط انشاء پردازی کی ایسی مثال پیش کرتے ہیں کہ ان پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں وفا راشدی اپنی کتاب "بنگال میں اردو" میں رقمطراز ہیں:

"یہ واقعہ ہے کہ آزاد نے سرزمین بنگال میں آنکھیں کھولیں اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔ ولایت اور یورپ تو کیا غالباً دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ کہیں اور جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

لیکن رام بابو سکسینہ نے A history of Urdu literature میں لکھا ہے:

"He went to England and his letters are extremely readable":

غالباً سکسینہ صاحب کے تتبع میں آغا محمد باقر نے بھی "تاریخ نظم ونثر اردو" میں لکھا ہے:

"وہ خطوط جو انہوں نے انگلستان جا کر بھیجے تھے نہایت دلچسپ ہیں۔"

یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے کہ سید محمد آزاد واقعی انگلینڈ گئے تھے کہ نہیں لیکن اردو کی مکاتیب نگاری کے سرمایہ میں ان کے یہ خطوط یقیناً خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ابوالکلام آزاد کے خطوط ان کے تبحر علمی پر دال ہیں۔ انہوں نے اپنے مکاتیب میں اپنے مخصوص شعری اسلوب کا سہارا لیا ہے جس کی تشکیل میں فارسی وعربی کے الفاظ کے برمحل، بے ساختہ اور برجستہ استعمال کو بڑا دخل ہے۔ وحشت کلکتوی نے اپنے شاگردوں کو جو ادبی خطوط لکھے ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ خصوصاً انہوں نے پیرزادہ سید ظفر ہاشمی کے نام جو خطوط لکھے ہیں وہ مخلصانہ جذبات پر مبنی ہیں اور ان کی علمی وادبی حیثیت مسلّم ہے۔

ترجمے: بنگالی نثر کے نادر نمونوں کو بہت کم اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ پھر بھی اس سلسلے میں رضا مظہری، سلیم اللہ فہمی، احسن احمد اشک، محمد یونس احمر اور راحت آرا بیگم کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ رضا مظہری نے شرت چندر چٹرجی کے ایک طویل ناول کا ترجمہ "چوری" کے نام سے کیا ہے۔ راحت آرا بیگم نے ٹیگور کے افسانے "ڈاک گھر" کا براہِ راست بنگالی زبان سے ترجمہ کیا ہے۔ سلیم اللہ فہمی، احسن احمد اشک اور محمد یونس احمر کو بنگالی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ ان تینوں کا ذکر محبوب العالم کی بنگالی کتاب "تشنگٹ کیٹے جا چھے" میں پایا جاتا ہے۔

صحافت: اردو صحافت کے میدان میں بنگال ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اس سے قبل کلکتے سے نکلنے والے ہفتہ وار رسالے "جام جہاں نما" کا ذکر آ چکا ہے جو ۱۸۲۳ء سے اردو ٹائپ میں چھپتا تھا۔ اس کو اردو کا سب سے پہلا اخبار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بیسویں صدی میں بھی بنگال میں اردو

صحافت کی روایت بہت عظیم رہی ہے۔ یہاں کے صحافیوں نے کئی نسلوں کے ذہنوں کی آبیاری کی اور یہاں کی نظم و نثر کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے روزنامہ "الہلال" جاری کیا جو ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک نکلتا رہا۔ لیکن اس اثناء میں اس میں اتنے بلندپایہ علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی مضامین شائع ہوئے کہ ادبی دنیا کی تاریخ میں "الہلال" کا نام حروفِ زریں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ مولانا نے اس جریدے کے ذریعہ قرآن حکیم کی تعلیم کی روشنی میں مسلمانوں کے اندر ایک نئی ذہنی بیداری پیدا کردی۔ مولانا کا اسلوبِ نثر ان کی فارسی اور عربی دانی کا مظہر ہے۔ انہوں نے جو اسلوب اپنایا وہ نہ ان سے پہلے کسی کو نصیب تھا نہ ان کے بعد کسی کو نصیب ہوا۔ غرض کہ وہ اپنی طرزِ اظہار اور بیان کی ابتدا بھی تھے اور انتہا بھی۔ ان کی تحریروں نے "الہلال" کو وقار بھی بخشا اور شہرتِ دوام بھی۔ مشہور ادیب اور صحافی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (جو عام طور پر صرف ملیح آبادی کے نام سے مشہور ہیں) مولانا آزاد کے ساتھ رہے۔ موصوف نے بھی "الہلال" سے وابستہ رہ کر علم و ادب کی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ بعد میں ۱۹۳۱ء سے ملیح آبادی صاحب نے "الہند" کی ادارت سنبھالی۔

۱۹۲۰ء سے پہلے کے روزناموں میں "الہلال" کے علاوہ حکیم رکن الدین کا "ازار الاخبار" (۱۹۱۲ء) اور کیفی چریاکوٹی کا "جمہور" (۱۹۱۸ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۰ء سے ۳۰ء کے درمیان میں شائع ہونے والے جریدوں میں شائق احمد عثمانی کے ہفت روزہ "عصرِ جدید" اور چراغ حسن حسرت نے ۱۹۲۹ء سے دو سال تک "آفتاب" نکالا۔ پھر وہ کچھ عرصہ "عصرِ جدید" کے ادارے سے وابستہ رہے۔ وہیں مظفر حسین شمیم (احسن حسین رائے پوری کے بڑے بھائی) بھی کام کرتے تھے۔ ۳۰ء سے ۴۰ء کے دوران کلکتے سے جتنے جریدے نکلے ہندستان کے غالباً کسی دوسرے شہر سے اتنی تعداد میں جریدے نہیں نکلے ہوں گے۔ اس مدت میں شائع ہونے والے روزناموں میں مولانا عبدالجبار لوروائی۔ کے طارق کا "مردوزگزٹ" ۳۲-۳۴ء اور ہفت روزہ رسالوں میں "نقاش" کے علاوہ وائلی کے طارق کا "ہنگامہ" (۳۰ء تا ۳۲ء) پرویز شاہدی کا "اردو" (۱۹۳۱ء) حامد مقصود صابری کا "مخدوم" (۳۳ تا ۱۹۳۶ء) ایس ایم جعفری اور ابراہیم ہوش کا خادم (۳۲ تا ۳۴ء)، عابد دانا پوری کا "چمن" (۱۹۳۴ء)، اسحٰق امرتسری، جمیل مظہری اور سہیل

عظیم آبادی کا "نادِ تمام" اور "آئینہ" (۱۹۳۵ء)، سرور انور کا "نغمۂ نور" (۱۹۳۶ء)، محمود طرزی کا "صبا" (۱۹۳۸ء) اور پرویز شاہدی، احسن احمد اشک اور یونس احمر کا "جدید اردو" (۱۹۳۸ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ "جدید اردو کا ٹیگور نمبر" (۱۹۴۱ء) اور "بنگال نمبر" (۱۹۴۵ء) ادبی دستاویزات کا درجہ رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے آزادی تک جو اہم ہفت روزہ رسالے نکلے ان کے نام یہ ہیں:

محمد رفیع کا "نورتن" (۴۱ تا ۴۳ء)، جوہر غازی پوری کا "عبرت" (۴۱ء)، ناظر الحسینی اور بخشی لاہوری کا "نئی منزل" (۴۲ تا ۴۵ء)، جہاں بی اے کا "نیا سنسار" (۴۲ تا ۴۵ء) اور ابراہیم ہوش اور شمیم پھلواری کا "ضربِ کلیم" (۴۲ء تا ۴۵ء)۔

اس اثنا میں جن ماہناموں نے ادبی خدمات کا بیڑا اٹھایا ان میں سے وفا راشدی کا "نئی دنیا" (۴۵ء تا ۴۷ء)، آصف بنارسی کا "انگڑائی" (۴۶ء)، ضیاء عظیم آبادی کا "تجلی" (۴۶ تا ۴۷ء)، لطیف الرحمٰن اور ادریس الحق کا "سیلاب" خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۳۶ء کے بعد جب ترقی پسند تحریک نے ہندستان گیر پیمانے پر زور پکڑا تو اس وقت بنگال سے نکلنے والے تمام رسالوں نے محض اس کا ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ اس کے فروغ کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا۔ یہاں ۱۹۳۸ء میں ترقی پسند مصنفین کی شاخ کی بنیاد پڑی تھی جس کے صدر پروفیسر ہیرن مکھرجی تھے اور کنوینر سبھاش مکھوپادھیائے تھے۔ اس میں کلکتے سے پرویز شاہدی، سالک لکھنوی اور لکھنؤ سے سردار جعفری اور مجاز وغیرہ شامل تھے۔ غرض کہ اصنافِ سخن کے تقریباً ہر شعبے میں بنگال کے اردو ادیبوں نے اپنے ماضی کی عظیم روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ مستقبل کا مؤرخ جس طرح بنگال کے ماضی کو فراموش نہیں کرسکتا، اسی طرح اس کے حال کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتا۔ یہاں کے ادیبوں نے ہمیشہ اردو کے عوامی دھارے (Main Stream) سے خود کو مربوط و منسلک رکھا اور یہ لوگ اس دھارے کے ساتھ اپنا خونِ جگر شامل کرتے رہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ لیکن ایک بات جو ہمیں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ بنگال کے اردو ادیبوں کو بنگالی ادب کی عظیم روایت کی تہہ تک پہنچ کر جس طرح اس کی روح کو اپنی تخلیقات میں سمو لینا چاہیے تھا ایسا انہوں نے نہیں کیا، چونکہ اردو ایک ہندستان گیر زبان ہے اس لئے اس کے ادب میں

 (باقی صفحہ پر)

پٹ سن کی صنعت : ایک مختصر جائزہ

روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے سلسلے میں پٹ سن صنعت شمال۔ جنوبی ریاستوں بالخصوص مغربی بنگال کی معیشت میں ایک انتہائی اہم رول ادا کرتی ہے۔ تاہم زراعت پر مبنی اس صنعت کو آزادی کے بعد سے ابھرتے ڈوبتے دیکھا گیا ہے۔ یہاں ایک مختصر رپورٹ پیش ہے :

پٹ سن (جوٹ) زراعت پر مبنی ایک صنعت ہے، برآمدات اور روزگار پیدا کرنے والی صنعت ہے جس نے عام طور پر ہندستان کی اقتصادی ترقی اور خاص طور پر مغربی بنگال کی معیشت میں ایک انتہائی بامعنی کردار ادا کیا ہے۔ تقریباً دولاکھ ورکر اس صنعت میں بلاواسطہ طور پر برسرِ روزگار ہیں اور لاکھوں عوام بالواسطہ طور پر اس سے اپنی روزی روٹی حاصل کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس صدی کی گزشتہ ۷ دہائی سے یہ صنعت اپنے اعلیٰ مقام سے بتدریج گرتی گئی ہے۔ روزگار کو دھکا پہنچ رہا ہے۔ بہت سی ملیں تالہ بندی کا شکار ہیں۔ ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ بڑے بڑے صنعتی ادارے اس صنعت سے کنارہ کشی اختیار کرتے جارہے ہیں اور مجموعی طور پر بہت سے نامساعد حالات نے پٹ سن صنعت کو گھیر رکھا ہے۔

پٹ سن صنعت کو بری طرح متاثر کرنے والے اسباب کا جائزہ لیتے وقت پٹ سن صنعت کی موجودہ حالت کے لئے منقلبانہ طور پر ذمہ دار کچھ بنیادی بیرونی حقائق ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

دوسرے ممالک جو پٹ سن کی پیداوار اور پٹ سن کی مصنوعات تیار کرتے ہیں بازار پر چھائے جارہے ہیں۔ مصنوعی پیداوار اور کاغذ کے بیگ وغیرہ پٹ سن پیداوار کے ارزاں متبادل کے طور پر برآمد ہوتے ہیں، بالخصوص کیمیائی صنعت کے لئے مصنوعی پیداوار میں بالخصوص پیٹرولیم صنعت کی ضمنی پیداوار بہت ہی سستی قیمت پر دستیاب ہو سکتی ہے اور جس نے بین الاقوامی اور قومی بازاروں میں بھی قدم جمالیا ہے۔ سابق یو ایس ایس آر (سوویت روس) کے متعدد سی آئی ایس ریاستوں میں انتشار نے اس کے بہترین ایکسپورٹس (ہائی ویلو) کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

مذکورہ بالا بنیادی حقائق جن کی وجہ سے قومی اور بین الاقوامی دونوں بازاروں میں پٹ سن کی صنعتی پیداوار کے لئے مانگ کو بری طرح متاثر ہوا ہے، کے علاوہ پٹ سن صنعت نے اپنی طویل سامت اور عرصہ سفر کے دوران اپنے تئیں متعدد مسائل کا سامنا کیا ہے جن کی وجہ سے صورت حال اور بھی خراب ہو گئی ہے۔ ان میں سے کچھ مسائل کو حسبِ ذیل اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

ایک پرانی صنعت ہونے کے ناطے پٹ سن صنعت افسوسناک طور پر حسبِ ضرورت جدت کاری کی رفتار سے محروم رہی جس کی وجہ سے پیداوار کی لاگت زیادہ سے زیادہ مہنگی ہوتی رہی اور متبادل پیداوار اس کی بہ نسبت سستی ہو گئی۔ اس صنعت کی بیماری کیلئے انتہائی اہم اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ صنعت میں منافع کی کاشت کاری مشکل سے ہو گئی ہے۔

خام پٹ سن کی فصل کا دارومدار قدرتی آب و ہوا پر ہوتا ہے قیمتوں کا اتار چڑھاؤ نے حقیقی طور پر فصل کی پیداوار کو متاثر کیا ہے۔ بھاری لاگت پر اگی فصل اور اس کی کم تر کوالیٹی کسانوں اور معمار فین ودنوں کے لئے نقصان کا باعث بنی ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے فی ایکڑ پیداوار جمود کا شکار ہو گئی ہے۔ متروک مشنری کی وجہ سے زیادہ لاگت پر پیداوار کی کم تر کوالیٹی ہوتی ہے۔ بوڑھے ورکروں کو رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور ملیں ان کے بقایاجات جیسے گریجویٹی وغیرہ کی ادائیگی نہیں کرتیں جس کا نتیجہ اعلیٰ شرح قیمت پر غیر مناسب پیداوار کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

پٹ سن کی کثیر حصولیابی کے لئے اقدامات میں جوٹ کارپوریشن آف انڈیا کی نااہلیت کی وجہ سے بنی تاجروں کی طرف سے قیمتوں میں من مانا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔

جدت کاری کے لئے اقدامات کی کمی ہے۔ تنوع کاری کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے اور صنعت کے لئے مناسب مالیات اور مہارت کی دستیابی ضروری ہے۔

ہندوستان میں ۷۳ پٹ سن ملوں میں ۵۹ ملیں مغربی بنگال میں واقع ہیں۔ ۳/۲ دنوں کے لئے واقع ہڑتال کے کچھ ہی نادر الوقوع واقعات کو چھوڑ کر جوٹ ملوں میں ہڑتال کی وجہ سے کبھی بھی کام بند نہیں ہوئے۔ ۱۹۹۴ء میں اور ۱۹۹۵ء کے جنوری تا جون مہینوں کے دوران مندرجہ ذیل بندی کے واقعات ہوئے۔

ماہ و سال	یونٹوں کی تعداد
جولائی ۱۹۹۴ء	۸
اگست ۱۹۹۴ء	۸
ستمبر ۱۹۹۴ء	۳
اکتوبر ۱۹۹۴ء	۵
نومبر ۱۹۹۴ء	۵
دسمبر ۱۹۹۴ء	۲
جنوری ۱۹۹۵ء	۳
فروری ۱۹۹۵ء	۱
مارچ ۱۹۹۵ء	۱
اپریل ۱۹۹۵ء	۱
مئی ۱۹۹۵ء	۶
جون ۱۹۹۵ء	۷
جولائی ۱۹۹۵ء (تاحال)	۷

خام پٹ سن کی پیداوار

	کل ہند (گانٹھ لاکھ میں)	مغربی بنگال (گانٹھ لاکھ میں)
۱۹۹۱-۹۲ء	۸۸۵۱	۶۲/۷۲
۱۹۹۲-۹۳ء	۶۹۰۰	۵۳/۴۷
۱۹۹۳-۹۴ء	۸۴۸۱	۵۵/۶۸
۱۹۹۴-۹۵ء	۸۲۰۰	۵۹/۳۴
۱۹۹۵-۹۶ (تخمینہ)		۵۲/۸۲ (تخمینہ)

پی ایف اور ای ایس آئی دان کے سلسلہ میں مغربی بنگال کے ملوں کے بقایاجات بالترتیب ۸۱ کروڑ (دسمبر ۱۹۹۴ء) اور ۳۵/۸۴ کروڑ (فروری ۱۹۹۵ء) تک ہیں۔

مندرجہ ذیل جوٹ ملیں صنعت وار معاہدہ مورخہ ۱۷/۳/۹۵ کے مطابق اجرتوں کی بجائے کم اجرت ادا کرتی ہیں۔

۱: پریم چند جوٹ ملس لمیٹڈ، چنگالی، ہوڑہ
۲: تیروپتی جوٹ اینڈ انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ گوسوری ہوڑہ (انکرپاڑہ)
۳: نیپکون انٹرنیشنل (ہوڑہ)
۴: امبیکا ملس
۵: بج بج جوٹ مل

صنعت وار شرح اجرت

بنیادی رقم	۴۰۶/۰۰ روپئے
مہنگائی بھتہ (ڈی اے)	۱۹۰۸/۲۰ روپئے
ماہانہ اجرت	۲۳۱۴/۲۰ روپئے مئی ۹۵ء
یومیہ اجرت	۸۹/۰۰ روپئے
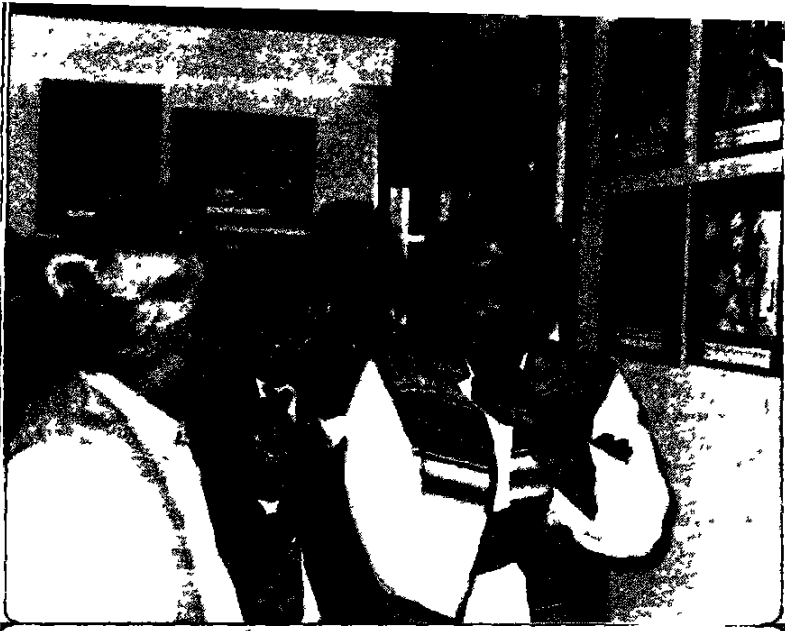
پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ شمارہ نمبر ۱۹ اور ۲۰
۱۵ ر اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۹۵ء

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپیے ★ نصف سالانہ : پانچ روپیے
فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۳ روپیے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext: 710

ترن کمار سنگھ دیو اور تری بدھا دیب بھٹاچاریہ ہندستانی سنیما پر ایک نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے

اس شمارے میں :

سنیما کے ۱۰۰ سال

سرورق عمل : رشنکر رائے ● تصاویر بشکریہ ندن، کلکتہ اور تولو داس ● کتابت : عبداللہ انصاری

سینما کا جشن صد سالگرہ یقیناً دنیا کے تمام ممالک کے لئے ایک یادگار واقعہ ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو پورے عرصۂ حیات میں صرف ایک بار ہی ظہور میں آتا ہے اور یہ پہلی بار ہوا کہ انسانی تجربہ کی تاریخ میں سب سے جدید ترین آرٹ کی شروعات کا جشن منایا جا رہا ہے۔ آرٹ کی دیگر شکلوں کی اپنی قدیم تاریخ ہے لیکن ان واقعات کی مخصوص تاریخوں (اوقات) کا پتہ لگانا مشکل ہے جب سینما ایجاد ہوا اس وقت ہندستان نوآبادیاتی حکمرانی کے شکنجے میں تھا۔ جو بھی ہو، سائنسی ایجادات پر مبنی اس نئے وسیلۂ ابلاغ کی صلاحیت اور ہمہ جہتی ایسی تھی کہ یہ ہم تک پہنچنے میں دیر نہیں کی۔

ہمارے ملک میں تقریبات کی شروعات ہو چکی ہے۔ حکومتِ ہند کی ایجنسیوں کی جانب سے مرتب کردہ پروگرام بھی جاری ہے۔ کلکتہ میں باضابطہ طور پر پروگراموں کی شروعات نندن میں گزشتہ سال کے اواخر میں ہوئی اور ان کا اختتام امسال کے اواخر میں ہوگا۔ عوامی شمولیت کے ساتھ جشن منانے کے لئے پورے سال کو وقف کر دیا گیا۔ عالمی فلموں کی اسکریننگ، نمائشوں اور عالمی سینما اور ہندستانی سینما کے مختصر خاکوں کی نمائش، غیر افسانوی فلموں، بچوں کے پروگرام، سیمینار اور انگریزی و بنگلہ وغیرہ میں کتابوں کی اشاعت کے پروگرام کو اس واقعہ کو یادگار بنانے کے لئے انتہائی خلوص کے ساتھ اپنایا گیا ہے۔ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور ضروری سہولتیں فراہم کرنے کے لئے آگے آیا ہے۔ صرف مذکورہ پروگراموں کی تکمیل کے لئے ہی نہیں بلکہ نندن کی رتک گھٹک میموریل لائبریری، آرکائیو اور سال کا فلم اپریسیئیشن کورس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس نے خصوصی دھیان دیا ہے۔ حتیٰ کہ سینما کی صد سالگرہ تقریبات کمپلکس جس میں ستیہ جیت رے آرکائیو، لائبریری ایک حرکاتی تصوراتی میوزیم اور ایک آرکائیو تھیئیٹر بھی شامل ہے تقریبات کو پائیدار بنانے کے لئے صد سالگرہ پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ مرکزی حکومت کی وزارتِ اطلاعات و نشریات نے حمایتی اقدامات کا یقین دلایا ہے۔

ریاستی حکومت نے ایک دہائی قبل نندن کے قیام کے بعد سے کلکتہ میں ایک مستقل سالانہ بین الاقوامی فیسٹیول کا سلسلہ شروع کیا ہے صرف عالمی سینما کی صد سالگرہ کو یاد کرنے کے لئے نہیں بلکہ نندن کی دسویں سالگرہ اور ستیہ جیت رائے کی ۷۵ ویں سالگرہ کا جشن منانے کے لئے بھی۔ ان تینوں واقعات نے مناسب طور پر آپس میں مل کر ہمیں حوصلہ بخشا ہے اور اس ماحول میں ہمارے عزم کو بلند کیا ہے، جب سینما کے مستقبل کو بے پناہ مشکلات کے پیشِ نظر بڑھتی ہوئی تکنیک کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔

——— (نندن کی انگریزی اشاعت '100 Years of Cinema' کے پیش لفظ سے ایک اقتباس)

کچھ سینما کی صد سالگرہ کے بارے میں

مرنال سین

سینما کے جنم کے سلسلے میں شروع سے کچھ باتیں اٹھی تھیں کچھ بحث ہوتے تھے، سینما کا جنم کب ہوا؟ اور اس کے جنم داتا کون ہیں؟ یہ بات ایک وقت عدالت تک پہنچ گئی تھی۔ آخرکار عدالت میں کافی بحث و مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا۔ کافی بحث و مباحثہ کے دوران مختلف خیالات کے ذریعہ یہ ٹھیک ہوا کہ سینما کا جنم ایک سو سال قبل ۱۸۹۵ء میں ہوا تھا۔ پیرس سے کچھ دور شہر لیوں میں اسی سال ۱۸ اور ۱۹ مارچ کو کچھ تصویریں اتاری گئی تھیں اور اس کے کچھ ہی ماہ بعد ٹکڑے ٹکڑے تصویروں کو جوڑ کر پیرس میں دکھایا گیا تھا۔ سینما کا ایک سو سال پورا ہو گیا ہے اور اس نے ایک سو ایک سال میں قدم رکھ دیا ہے۔

سینما کی صد سالگرہ کے موقع پر آج پوری دنیا سرگرم نظر آ رہی ہے۔ یونسکو سرگرم ہے۔ ہر ملک کے چھوٹے بڑے سینما کے مختلف ادارے سرگرم ہیں حتیٰ کہ غیر معروف شہروں کی فلمی سوسائٹیاں بھی سرگرم ہیں اور سنا جا رہا ہے کہ فرانس کے اسی لیون شہر میں اسی دو دنوں کو ۱۸۹۵ء میں شاید واپس لے جانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ اس شہر میں کچھ مدعوین کو داخل کیا جائے گا۔ وہ لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے شرکت کریں گے۔ سینما کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات ہیں۔ انہیں اس دن لومیئر برادران کی اگلی نسل کہا جائے گا اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ فطری طور پر مجھے خوشی ہے، فخر ہے۔

یہ کہا جا رہا ہے کہ دوسری صنف یا آرٹ کو لے کر ایسے کچھ کیوں نہیں ہو رہا۔ لفظوں، بولیوں اور سنگیت وغیرہ کا جنم کب ہوا تھا کیا کوئی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ فنِ مصوری، فنِ تعمیر کے سلسلے میں؟ کب، کس دن، کس وقت، کس کے منھ سے سب سے پہلے کس بولی میں بات نکلی تھی؟ یہ کوئی بھی نہیں جانتا؟ تاریخ میں کیا اس کا کوئی ثبوت نہیں؟ مشترکہ مہم میں جاترا (تھیٹر) یا اس طرح کے آرٹ کے سلسلے میں؟ آج کے تھیٹر کا ابتدائی روپ کیا تھا؟ یا اس سے قبل بھی یقیناً رقص زمانی کا آرٹ؟ لَے اور آواز میں کیا ہم آہنگی ہے؟ بے آواز حرکت و عمل میں کب اور کس وقت حیرت انگیز طور پر خوبصورت صدائیں جاگیں قصہ کہانیوں کی بات ہی کیوں نہ ہو۔ پہلے جس دن جب یہ بیان ہوا تھا، تحریری طور پر سب سے پہلے کس نے پیش کیا؟ رابندرناتھ کی زبان میں کیا غفتوں میں پلنے والی کسی مخلوق نے؟

ٹھیک ہی تو ہے! ان تمام متعلقہ وجوہات اور سب کے دن اوقات کی توضیح ممکن نہیں ہے لیکن سینما کے سلسلے میں بولنا ممکن ہوا ہے اور ممکن اس لئے ہوا کہ سینما کی بنیادی تعمیر اساسی طور پر سائنس پر مبنی تھی۔ دیگر سائنسی ایجادات کی طرح سینما کا آغاز بھی مستعمل سائنس اور جدت کاری کے ہی روپ میں ہوا۔ دن اور وقت کا تعین کافی بحث و مباحثہ کے بعد کیا گیا لیکن یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ سینما اپنے جنم کے وقت ایک آرٹ، ایک فن کے روپ میں نمودار نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ سینما کی چمک دمک لامتناہی تھی۔ یہ دن ناظرین کے لئے حیرت انگیز تھا۔ آہستہ آہستہ ایک ہی دن میں نہیں بلکہ کچھ دنوں کے بعد یہ ایک آرٹ، ایک فن بن کر نمودار ہوا۔ انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اس میں شامل ہوا من کا لگاؤ، تصور، عزم و جذبۂ علم و سائنس، نو بنو کارہائے نمایاں کا موزوں عمل۔ اب سینما کا فن دن بہ دن ترقی کی راہ پر آگے بڑھتا رہا۔ رنگ ڈھنگ فنکارانہ مہارت قابلِ اعتنا ہو کر نمودار ہوتی رہی۔ تجربہ اور مشاہدہ کا سلسلہ چلتا رہا، اصول مرتب ہوئے، اصول شکنی ہوئی اور کبھی کبھی تقلید کی دھن میں اپنی سرحدوں کو توڑ کر دوسری ریاست کے دوسرے آرٹ میں دخل اندازی کا سلسلہ کافی برسوں تک جاری رہا اور آج تک جاری ہے۔ اگرچہ ٹکنالوجی کی ترقی کا سفر رکا نہیں ہے، سماجی، سیاسی اور معاشی دشواریوں کے دباؤ میں بھی انسان کا عزم آگے بڑھ رہا ہے۔ سینما بھی اس دن سے ایک جگہ نہیں ٹھہرا ہے۔ اگرچہ اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں آئی ہیں، ابھی بھی آ رہی ہیں اور بھی بڑی شکلوں میں۔ کچھ دولت مند، غیر سماجی حتیٰ کہ غیر صحت مند ذہن کے تجارتی لوگوں کا ایک طبقہ سینما پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے آگے آیا ہے، تسلط بھی ہوا ہے تاہم ان ناسازگار دنوں میں بھی آزاد فلموں کا خاتمہ کبھی بھی نہیں ہوا۔ آج بھی پورے تنفس کے ساتھ ان کے سفر کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آج کیوں ساری دنیا اس سینما کی صد سالگرہ کے موقع پر اس قدر مستعد ہے۔ انتہائی خوشی کی بات ہے کہ بین الاقوامی سرگرمیوں میں مغربی بنگال فلم سنٹر نندن بھی شریک ہو گیا ہے ●●

* نندن کی مگلہ اشاعت "سینما کے ۱۰۰ سال میں بھارتی سینما" کے پیش لفظ سے ایک اقتباس

سینما ـــــ کامیابیوں سے پُر ایک صدی

سینما کے ۱۰۰ سال

ـــــ دیپو مجمدار

سینما کی سائنس اور فن کو ساتواں فن قرار دیا گیا ہے۔ زندگی سے اس فن کا گہرا تعلق ہے۔ تفریح کے ذریعہ کے اعتبار سے سینما بے مثل ہے۔ فلم سازی و فلم بینی کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ نئی صدی کی آمد پر سینما میں بھی بعض تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ یہ حقیقت ہے کہ سینما کی بالادستی ہمیشہ قائم رہے گی کیوں کہ کوئی اور ذریعہ زمان و مکاں کی مختلف جہتوں کو اتنے موثر انداز میں پیش نہیں کر سکتا۔ کسی اور فن میں اتنے زیادہ لوگوں کو مختلف طریقوں سے شریک کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس میں آنکھیں، کان، ذہن، دل اور پیٹ کی بھوک سبھی شامل ہیں

حقیقت کی تلاش کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی سینما کی۔ فرانس کے دو افراد لوئی لومیئر اور جارج میلیس نے جو متمول تاجروں کے بیٹے تھے فرانسیسی سینما کی بنیاد رکھی۔ لومیئر نے پہلی مرتبہ پیرس میں ۲۸ دسمبر ۱۸۹۵ء کو ایک جیکیڈ فلم دکھائی جس کے دیکھنے والوں نے فلم بینی کے لئے پیسہ ادا کیا تھا۔ اس سے بڑھکر اس نے سینما کو صنعت کے طور پر تصور کیا اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ اس کی فلمیں سینما میں حقیقت کی عکاسی کی اولین مثال تھیں

۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء کے عرصہ میں لومیئر برادران نے لوئی کی ایجاد کو یورپ اور مشرقی ممالک میں عام کیا۔ ان کا نمائندہ ۱۸۹۶ء میں ہندوستان آیا۔ اس فلم کو صدی کا عجوبہ قرار دیا گیا اور سب سے پہلے اہل بمبئی نے واٹسن ہوٹل میں فلم دیکھی۔ بعد میں یہ فلم نوولٹی تھیٹر میں دکھائی گئی۔ ہمارے ملک میں ٹی ایچ مدن اور عبدالعلی یوسف علی نے ۱۹۰۲ء میں بایوسکوپ سے فلموں کی نمائش شروع کی۔ ۱۸۹۷ء کے آخر تک چلتی ہوتی فلمیں مدراس اور کلکتہ میں بھی دکھائی۔

لوئی لومیئر کی ایجاد کو مستحکم بنیادوں پر ترقی دینے کا کام جارج میلیز نے انجام دیا۔ لومیئر نے خود کو ڈاکومنٹری فلموں تک محدود رکھا جبکہ میلیز نے سینما کو عوام سے قریب کیا۔ اس صدی کی ابتدا میں ہی اس نے ہالی ووڈ کے کلیدی کردار کی اہمیت کا احساس کیا۔ ڈیوڈ وارک گریفتھ نام کے ڈراما نگار نے ۱۹۰۷ء کے بعد فلم سازی کی رفتار میں اضافہ کیا۔

۱۹۱۳ء تک اس نے سینما میں تکنیک کے مختلف تجربے کئے۔ گو اس نے کوئی ایجاد نہیں کی مگر اس کے یہاں ڈرامائی شعور بہت گہرا تھا۔ اس کی فلمیں بہت مقبول ہوئیں۔ اس نے فلموں میں ایڈیٹنگ کی اہمیت کا بھی احساس کیا۔ اس کے ڈرامے، طربیے، جنگی فلمیں، انجیل پر مبنی رزمیے وغیرہ مقبول ہوئے۔ اٹلی کی فلموں کوویڈیس اور کیبیریا سے متاثر ہو کر اس نے خانہ جنگی پر فلم بنائی جس کا نام اس نے "ایک قوم کی پیدائش" رکھا۔ یہ فلم تھامس ڈکسن کے ناول اور خانہ جنگی کی کہانیوں پر مبنی تھی جو اس نے اپنے والد سے سنی تھیں۔ اس فلم پر کافی احتجاج ہوا کیوں کہ اس کا رجحان نیگرو مخالف تھا۔ رسالہ "ٹائم" نے اسے ایک مکمل فلم قرار دیا تھا۔ گریفتھ نے سینما کی سطح کو بلند کیا اور اسے ایک طاقتور ذریعہ اظہار بنایا

۱۹۰۸ء تک متعدد مقامات پر فلمی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ جیسے جیسے خاموش فلموں کا رواج کم ہوا اسٹوڈیو کا نظام شروع ہوا۔ ہالی ووڈ بڑے پیمانے پر فلموں کی فروخت کا مرکز بن گیا اور یورپ کے بہت سے ممالک کے لوگ ترک وطن کر کے یہاں آ گئے۔ کم لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان ہالی ووڈ کی اہم شخصیات غیر امریکی تھیں۔ جرمنی کا کارل لیملے فلموں میں آنے سے قبل کپڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ ہنگری کا اڈولف ڈیکور فر اسٹور میں صفائی کا کام کرتا تھا، پولینڈ کا سام گولڈون دستانے فروخت کرتا تھا۔ ہنگری کا ولیم فوکس بھی کپڑے کا کام کرتا تھا۔ اسطرح ہالی ووڈ میں مختلف مقامات سے تعلق رکھنے والے باصلاحیت افراد یکجا ہو گئے تھے۔

آخر میں ہم اس فن کے بارے میں ان شخصیات کی رائے پر بات کو ختم کریں گے جنہوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ چیپلین نے سینما کو ایک ایسی طاقت قرار دیا تھا جو انسانیت کی نجات کا باعث بن سکتی تھی۔ سرگئی آئیزنسٹین نے سینما کو سائنس اور فن کا امتزاج قرار دیا تھا۔ فرٹز لینگ نے سینما کو فنی ابعاد کا ذریعہ قرار دیا۔ اکیرا کروسوا کا خیال تھا کہ سینما بنیادی طور پر سینما ہے مگر اس میں ڈرامے، فلسفے، مصوری، مجسمہ سازی اور موسیقی کی بھی خصوصیات موجود ہیں۔ غرض کہ سینما مسلسل ارتقا پذیر ہے اور مستقبل میں بھی یہ وسیع امکانات کا حامل ہے ❖

بنگال میں فلمی صنعت

—— رئیس الدین فریدی

ایک زمانہ تھا کہ مغربی بنگال اردو یا ہندستانی زبان کی فلموں کا اہم اور رہنما مرکز تھا۔ خصوصاً نیو تھیٹرز کی قومی زبان کی فلمیں یہاں سے بن کر جاتی اور پورے ملک میں شوق سے دیکھی جاتی تھیں کیوں کہ ان دنوں فلم بینی کا شوق آج کل کی طرح بگڑا نہ تھا اور لوگ معقول، اصلاحی اور صاف ستھری فلموں کو بھی شوق سے دیکھتے تھے اور یہاں اسی قسم کی فلمیں بنتی تھیں۔ فلم ساز، ہدایت کار، اداکار سب شریف اور باوقار ہوتے تھے اور اسی معیار کے مطابق فلمیں بناتے تھے۔ یہاں کے ٹیکنیشین بھی ایسے ساز و سامان اور آلات سے، جن کو دیکھ کر آج کل کے غیر ملکی فوٹو گرافی، روشنی، صدابندی وغیرہ کا سامان استعمال کرنے والے دیکھیں تو صرف حقارت کے ساتھ مسکرانے لگیں، ایسی عمدہ فلمیں بناتے تھے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگتے تھے۔ آج کل کی طرح لاکھوں روپئے خرچ کر کے سیٹ بنانے کا رواج نہ تھا۔ معمولی جھونپڑوں یا مکانوں، تالابوں اور باغات سے بخوبی کام چلالیا جاتا تھا۔ اس زمانے کی کلکتہ میں بنی ہوئی فلموں کو باذوق لوگ آج بھی دیکھ کر ان کو بنانے والوں کی عظمت کے سامنے سجدہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نہ فضول چمک دمک، نہ شیطانی ناچ، نہ مغربی موسیقی کی بھونڈی موسیقی کا دھوم دھڑکا۔ نہ شاہانہ لباس، نہ اَپرا اور سوپر اسٹار۔ بس حسبِ ضرورت صاف ستھرے مناظر، شریفانہ اداکاری، نفیس گیت، ہندستانی طرز کے گانے، نصیحت آمیز یا دل چسپ اور حقیقت کے قریب کہانی اور مکالمے۔ ان سب کی ماہرانہ آمیزش سے دل فریب فلمیں۔ یہ تھا مغربی بنگال کا کمال۔ ان دنوں دوسرے فلمی مرکز بمبئی میں بھی کچھ ایسی ہی فلمیں بنتی تھیں۔ اسی لئے کلکتہ کے فلم ساز اور متعلقہ لوگ وہاں بھی جانے لگے۔ ہیمنسو رائے اور دیویکا رانی کی بمبئی ٹاکیز نے سب سے پہلے بمبئی میں کلکتہ کی شان دکھانے کا بیڑا اٹھایا اور 'اچھوت کنیا' جیسی اصلاحی فلم بنائی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی عمدہ فلمیں بنائیں۔ اشوک کمار، کشور کمار، سہگل، پرتھوی راج کپور، افتخار اور دوسرے سیکڑوں اہلِ ہنر کلکتے سے بمبئی گئے اور یہ سلسلہ لگاتار اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایس مکھرجی نے وہاں 'فلمستان' نام کا ایک شاندار اسٹوڈیو بھی قائم کر لیا۔ پھر فلم ساز بمل رائے، رشی کیس مکھرجی جیسے فلم ساز بھی وہاں پہنچے اور سلیل چودھری جیسے موسیقار بھی۔ اس طرح عملاً بمبئی کی فلمی صنعت بنگالیوں کے قبضہ میں آگئی اور انہوں نے شستہ اور شائستہ فلموں کے ڈھیر لگا دئے۔ اس سے فلم سازوں اور ان کے معاونوں کو فائدہ ضرور ہوا مگر مغربی بنگال کی ہندستانی زبان کی فلموں کی مارکیٹ ختم ہو گئی۔ حالانکہ مغربی بنگال خصوصاً کلکتہ بمبئی اور مدراس میں بننے والی ان فلموں کی سب سے بڑی اور نفع بخش نمائش گاہ ہے۔ یہاں وہ فلمیں جن کی زبان آزادی کے بعد ہندی قرار دے دی گئی ہے اس وجہ سے بہت کم بننے لگی ہیں کہ یہاں کے فلم سازوں اور اداکاروں کے مزاج جداگانہ ہیں اور اتنا سرمایہ لگانے والے نایاب ہیں، جتنا بمبئی اور مدراس کی فلموں کی ٹپ ٹاپ میں لگ جاتا ہے پھر بھی یہاں کے اداکار بمبئی کی فلموں میں بھی بڑے کامیاب ہیں۔ اشوک کمار اور میتھون سے کون ناواقف ہے۔

ہندی فلموں کی ترقی میں جسے میں تباہی کہہ سکتا ہوں حالاتِ زمانہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہندستان میں کافی لوگوں کے ہاتھوں میں بے محنت یا ناجائز سرمایہ بے حساب آگیا جسے انہوں نے فلم سازی کی طرف منتقل کر دیا۔ بعد میں اسمگلنگ اور سٹے بازی کے ذریعہ اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چونکہ صاف ستھری اور حقیقی زندگی کی ترجمان فلموں میں سے جن کو آرٹ کی فلمیں کہا جانے لگا تھا سرمائے کی بے حساب منافع کے ساتھ واپسی ناممکن تھی اسی لئے انہوں نے عریاں اور سفلی جذبات انگیز فلموں میں غوطہ لگا دیا۔ کام کرنے والوں خصوصاً اداکاروں کا معاوضہ جو شروع شروع میں سیکڑوں ہوتا اور تنخواہ کی صورت میں اور صرف ایک ہی کمپنی میں کام کرنے تک محدود تھا لاکھوں ہو گیا اور ایک ایک اداکار نے دس دس بیس بیس فلموں میں بیک وقت کام کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا۔ اداکاری کی جگہ کمائی نے لے لی شاہانہ مناظر، بے ہودہ ملبوسات اور ناچ گانوں کا عنصر

عالب آگیا۔ کہانی کی اہمیت ختم ہوگئی اور گیتوں اور مکالموں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جنگ کی وجہ سے ایک متوسط طبقہ ایسی فلموں کا رسیا ہوگیا اور اس کی دیکھا دیکھی عوام بھی اس گندے تالاب میں ڈبکیاں لگانے لگے اور اسے عمر غلط کرنے کا نام دے دیا گیا۔ ان حالات میں کلکتہ جو ابھی تک وضع دار لوگوں کی بستی ہے اور اپنے کلچر اور تہذیب کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے مدراس اور بمبئی کا مقابلہ کیسے کرتا۔ یہاں ستیہ جیت رائے، مرنال سین اور گرم کھوش جیسے فنکار سیلاب کے الٹے رخ پر کشتی رانی کر کے اپنے حوصلہ کرتے رہے اور بنگال کا نام روشن کرنے پر قائم رہے

بنگالی انقلاب: ۱۹۷۰ میں بنگال میں سیاسی انقلاب آیا اور یہاں کی حکومت کانگریس کی جگہ بائیں محاذ کے قبضے میں آگئی تو اس نے بنگال کی فلمی صنعت کو مزید زوال سے بچانے اور اسے ترقی کے راستے پر ڈالنے کے لئے سرکار کے نام سے ایک فلمی نمائش گاہ اور فلموں کی حفاظت گاہ قائم کی جس میں چار ہال ہیں اور جن میں ہندوستانی اور اہم فلم ساز ملکوں کی منتخب فلموں کی نمائش ہوتی ہے۔ ان کے فلمی میلے لگتے ہیں۔ دو دومی درجے کے بین الاقوامی فلم فیسٹیول بھی ہو چکے ہیں۔ فلموں سے متعلق لیکچر اور سیمینار لگاتار ہوتے رہتے ہیں۔ فلمی کتابوں اور رسالوں کی لائبریری ہے۔ پرانی فلموں کا محافظ خانہ بھی موجود ہے۔ الغرض اچھی فلموں کی نمائش اور مہذب فلم سازی کی تعلیم، تبلیغ اور تربیت کے مکمل انتظامات ہیں اور اس مرکز کی ساری دنیا میں دھوم ہے۔ اس کے ذریعہ صرف معیاری فلموں کی تخلیق کا سامان ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ فلم بینوں کے بگڑتے ہوئے شوق کو درست کرنے کا فرض بھی انجام دے رہا ہے۔

حکومت مقصدی فلموں کی تیاری میں بھی معاون ہو رہی ہے اور امید ہے کہ اگر یہ حکومت قائم رہی اور اس کی توجہ فلمی صنعت کی اصلاح کی طرف مبذول رہی تو کلکتہ نہ صرف بنگلہ بلکہ ہندی فلموں کی تیاری کے معاملے میں بھی انقلابی تبدیلی لے آئے گا اور نیو تھیٹر کی روایات کو نئے حالات کے مطابق زندہ کرے گا بلکہ صاف ستھری عوامی تفریح کی ذہنی روشنی کو بڑھانے والی فلموں کی تیاری میں بھی ملک کا رہنما ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ ندن کی شاخیں ہر ضلع میں قائم کر دی جائیں ••

مرنال سین آسترین کے لوکیشن میں

تھیٹر اور فلم

ظہیر انور، کلکتہ

تھیٹر اور فلم ایک دوسرے سے انتہائی مختلف وسیلۂ اظہار ہیں۔ دونوں ہی فنون کے عملی طریقۂ کار اور تحریری سطحیں مختلف ہیں لیکن بلاشک یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلم بناتے ہوئے ایک شخص تھیٹر کے قریب سے ہو کر گزرتا ہے اور تھیٹر کو وسیلۂ اظہار بنانے والے ڈرامانگار اور ہدایت کار فلم میڈیم کی گہری سوچ بوجھ سے اپنی پیش کش میں استفادہ کر سکتے ہیں۔۔۔ ——— ۔۔ ——— مختصر کہانی لکھنے والے طویل مختصر کہانی کے علاوہ ناول کے فن پر اپنی دسترس رکھتے ہیں۔ اسی طرح تھیٹر اور فلم کی دنیائیں قریب قریب ہیں پھر بھی دونوں کی صورتیں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ فلم کی ابتدا سو سال پہلے ہوئی ——— تھیٹر قدیم ترین فن ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کہانی کہتے کہتے کسی نے ناول لکھ ڈالا ہو۔ فلموں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے LUMIERE برادران کی ابتدائی خدمات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ تقریباً سو سال پہلے ۱۸۹۵ء میں ۲۸ر دسمبر کو LOUISE اور AGUSTE نے پہلی بار لمحہ بھر کے لئے تصویر نائی اور یہ فن اظہار کے افق پر سنگِ میل بن گیا۔ ٹھیک اسی طرح جب فرانس میں فلم کی تاریخ کے سنگِ اول کو رکھا گیا امریکہ، انگلستان، جرمنی وغیرہ ملکوں نے بھی اس فن کی باگ ڈور سنبھالی۔ تھیٹر کی بنیاد تو بقول ماہرین لفظوں کی شناخت سے پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ انسان اپنی زندگی میں رنگ و روغن کی آمیزش شعوری اور لاشعوری طور پر کرتا رہا ہے۔ جب اس نے گفتگو کی تو اسی کے ساتھ ساتھ شاید تصور کے جزیرے میں قدم رکھ دیا تھا۔ چوپالوں میں بیٹھ کر سادہ مگر اخلاق سے مزین کہانیاں کہنے سے لے کر حرکت و عمل سے لبریز خاکے تک تھیٹر انسانی سرشت میں داخل ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تھیٹر اظہار کے اہم قدر کے طور پر ابھرا۔ بالکل اسی طرح پہلی فلم کے بعد فلموں کے تیار کرنے میں اس کی تدریج و ترقی کے دوران لوگوں نے بے مثال تجربے کئے۔ فرانس کے جارجس میلیز نے ۱۹۰۲ء میں اپنی فلم " A TRIP TO MOON " بنائی۔ اس فلم کے ساتھ فلم کے

امکانات ظہور میں آئے۔ دوہرے اکسپوز، فیڈ ان، فیڈ آؤٹ، ایک تصویر پر دوسری تصویر کو چھاپ کرنے اور کولاز تیار کرنے کا کام شروع ہوا۔ پھر کیا تھا۔ خاموش فلموں کا عہد سامنے تھا ——— فلم میڈیم میں انقلابات کا دور شروع ہو گیا۔ ہر نئی فلم ایک نیا سنگِ میل ثابت ہوئی۔ نئی

تکنیک تیار کی گئی، کیمرہ تیزی سے رول کرنے لگا۔ مختلف مناظر کے درمیان مختلف زاویئے، سائے اور روشنی کا کھیل تماشا، دور اور قریب کے مناظر، کلوز اپ، ڈبلنگ، اداکار اور اداکاروں کا کمپوزیشن، سنز نقابوں کا استعمال اور فطری اداکاری ——— یہ ساری چیزیں سینما کو ایک زندہ اور امداد دیتے سے بھرپور وسیلۂ اظہار میں تبدیل کر گئیں۔

تھیٹر بھی اپنے گنوارپن (RUSTICITY) سے نکل کر عہدِ جدید کی نفاست (SOPHISTICATION) تک پہنچ گیا۔ ابتدا میں

دن کی روشنی، گیس لائٹ اور شام کے اندھیرے نیم مدھم اسطور میں لپٹی
کہانیوں والے ڈرامے اور تھیٹر ہوا کرتے۔ آہستہ آہستہ مختلف ماہرین
فن کے ہاتھوں یہ صنفِ ادب سرخرو ہو کر جدید انسان کی کہانیوں کیساتھ
الیکٹرو میکانیکل طریقۂ کار کے عہد تک پہنچتے پہنچتے ایک انتہائی مہذب اور
ترقی یافتہ صنفِ فن گیا۔

سینما اور تھیٹر، ان دونوں فنون کے وسیلے سے ہم زندگی کا عکس یا
بدل پیش کرتے ہیں۔ ہماری زندگی، زندگی میں پائی جانے والی سچائی یا جھوٹ
ہماری خوشی اور ہمارا غم فلم اور ڈرامے کے موضوعات ہیں۔ دونوں ہی
فنون کے زمرے میں آرٹ اور تجارتی خط حائل ہے۔ دونوں ہی فنون کی
بہترین کارگزاریوں کو دیکھکر ہمارا جی خوش ہوتا ہے۔ اسکرین کے پردے
پر گزرتے پھسلتے پیکروں کو دیکھ کر بھی ہمیں اتنی ہی خوشی حاصل ہوتی ہے
جتنی خوشی ہم اسٹیج کی زندہ کہانیوں دیتی ہیں۔ کہانی کا بانکپن دونوں
صورتوں میں عیاں ہے۔ جذبات و احساسات کی دنیا کو پیش کرتے ہیں
دونوں فنون کی کرشمہ سازیاں مسلم ہیں جن ان کی تسلسل میں پیش
کئے جانے والے واقعات، فن اور حقیقت کا امتزاج، موسیقی،
اداکاری، سب کچھ ہماری اجتماعی یاد کا حصہ بن جاتے ہیں۔ شمبھو مترا کی
ہدایت میں پیش ہونے والا ڈراما "رکت کرابی" یا بادل سرکار کا "مچھل" یا
پیٹر بروک کا مہا تھیٹر "مہابھارت" ہماری یاد کا حصہ ہیں بالکل اسی
طرح بمل رائے کی "دیوداس"، گووند نہلانی کی "دروہ کال"، یا اپرنا سین
کی "۳۶ چورنگی لین" ہماری اجتماعی یادداشت میں شامل ہیں۔ دونوں ہی
فنون کا مطالعہ ارسطو کے الفاظ میں تزکیۂ نفس کے لئے اہم ہے۔ فلم اور
ڈرامے کو دیکھتے ہوئے ہم صرف خوشی یا دکھ ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ اپنی
ذات، اپنے سماج اور اپنی کائنات کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ تاریخ کا حوالہ
بھی ڈراموں اور فلموں میں اسی سمت ہماری درستگی اور آدابِ زندگی کی
طرف اشارہ کرتا ہے۔ دلیپ کمار کی اداکاری جس قدر سحر انگیز ہے، اسٹیج
پر ریجنٹ کی مشہور زمانہ ہیروئن ہیلن ویگل کا بھی وہی چرچا ہے۔

ان سرسری باتوں کا باریکیوں کے ساتھ تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس
ہوتا ہے کہ فلم اور تھیٹر ہماری زندگی کے ذاتی تجربوں کے خزانوں کو مالا مال
کرتے ہیں۔ فنی اور تصوراتی سطح کی پیش کش ہماری ذاتی اور حقیقی دنیا
کے سنورنے بننے میں کس قدر معاونت کرتی ہیں اس کا اندازہ ہر ذی عقل

شخص لگا سکتا ہے۔ دونوں فنون کی قربت اور باطنی یکسانیت کا یہ عالم ہے
کہ اکثر ڈرامے کے تبصرہ میں ایسا فقرہ ملتا ہے کہ فلاں ڈراما کا اختتام بڑے
اور مشہور فلم ساز کے اختتام کی طرح ہے یا فلموں کے بارے میں یہ کہتے ہوئے
سنا جاتا ہے کہ فلاں فلم کا مخصوص منظر بڑا ڈرامائی اور تھیٹریکل ہے۔ ہمارے
عہد میں رتیک گھٹک کی فلمیں تھیٹر کے فن سے بہت قریب نظر آتی ہیں۔ جدید
ڈراموں میں کرداروں کی کمپوزیشن، بہاؤ اور روشنی کے نظم و ضبط کو دیکھ کر ہم
یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نئے ڈراموں میں روانی اور بے ساختگی فلم کا ایک حصہ
ہے۔ اسٹرن برگ اور میٹرلنک کے ڈراموں میں شاعری اور علامتوں کا استعمال
رینوئر کی فلموں کی شاعری اور سنجیدگی سے بہت دوری پر نہیں ہیں۔

تو پھر وہ کون سی شئے ہے جو تھیٹر کو فلم سے اور فلم کو تھیٹر سے اپنی تمام
تر قربت اور یکسانیت کے باوجود مختلف اور جدا کرتی ہے؟ عام سی بات
ہے کہ دونوں میں طریقۂ کار جدا جدا ہیں۔ دونوں کا مزاج الگ ہے۔ سینما
گھروں میں پردے پر کیمرے سے کھینچی گئی بولتی اور چلتی پھرتی تصویروں کو
ترتیب، فنی درک اور نظم و ضبط کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو وہ فلم کہلاتا
ہے۔ اسے ہم بار بار دیکھتے ہیں، تھیٹر میں دہرائے جانے کا عمل کم ہے خواہ
وہ اداکاری ہو کہ روشنی کی رفتار۔ فلم ایک بار بنی تو دیرپا ہوتی ہے
جبکہ تھیٹر ہمیشہ موجود لمحوں کی پروردہ ہے۔ سب کچھ "ابھی" اور "یہاں"
گزر رہا ہوتا ہے۔ تھیٹر کی بنیاد تو اسی لئے مستحکم ہے کہ یہ LIVE SHOW
ہے۔ اگر کہانی، موسیقی، اداکاری، مکالمے، منظر، کمپوزیشن، پلاننگ،
بلاکنگ میں کہیں کوئی کوتاہی یا تساہلی برتی گئی تو مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ
ہاتھ نہیں آتا اور برسوں یادیں بھوت بن کر پیچھا کرتی ہیں۔ سینما میں فلم کے
مناظر میں سدھار کا موقع ہے لیکن اگر ایک ہی کہانی کو فلم اور اسٹیج کے لئے
تیار کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ انارکلی ڈراما بھی ہے اور مغل اعظم کے
نام سے اس ڈرامے کی مدد سے فلم بھی بنی۔ انارکلی کم از کم کلکتہ کی حد
تک اسٹیج نہ ہو سکا لیکن کے آصف نے فلم "مغل اعظم" بنائی۔ دونوں فنون
میں چونکہ فرق ہے اس لئے ترمیم و تنسیخ کے بعد فلم کا حسن کہاں سے کہاں
پہنچا ہے۔ پرتھوی راج کپور، دلیپ کمار، مدھو بالا، سنگ تراش کمار اور
اجیت وغیرہ کی بے مثال اداکاری، جنگ کے مناظر، مغلیہ عہد کی بازیافت
سیٹ، کاسٹیوم وغیرہ ڈراموں سے قریب ہوتے ہوئے بہترین سینما کا
حق ادا کر گئے۔ تھیٹر میں ہر شام کے شو میں آپ کو فرق محسوس ہوتا ہے

اداکار ہر رات شو کرنے کے بعد دوسری رات تسلسل کے ساتھ اپنے رول کو دہراتا ہے تو خود اداکار کو فرق کا احساس رہتا ہے۔ روشنی کے ذمہ دار لوگ ہر رات اس فرق کو سمجھتے ہیں۔ فلم میں اگر منظر قابلِ اعتبار نہ ہو تو اسے پھر RETAKE کرتے ہیں۔ رستم بھروچہ نے اپنے مضمون "تھیٹر، سینما، گھٹک" کے ابتدائی جملوں میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تھیٹر میں ابتدائی حرکات و سکنات مختلف پیش کش کے عمل میں مرجاتے ہیں۔ سینما میں جذبات و احساس کا "اظہار" وقت کی سرحدوں پر ابدی ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ مثلاً دلیپ کمار جب "دیوداس" میں یہ فقرہ ادا کرتا ہے "اب تو بس یہی اچھا لگتا ہے کہ کچھ بھی اچھا نہ لگے" یا ستیہ جیت رائے کی فلم جہانگر میں آخری منظر دیکھتے ہیں تو آواز کا حسن، کردار کی کیفیت و نفسیات، فنکارانہ مہارت اور منظر کمپوزیشن ۱۹۶۰ء کے ناظرین کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۰ء کے ناظرین نے بھی دیکھا اور محسوس کیا۔ اس طرح حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ اسکرین یا سیلولائیڈ کی زبان کی تابندگی نادیر اور مختلف عہد تک سفر کرتی ہے لیکن شیکسپیر کے زمانے کا اوتھیلو یا لیئر ہمیں آج نہیں مل سکتا۔ (اگرچہ آج ریکارڈنگ کی آسانیاں دستیاب ہیں)۔ تھیٹر بلاشک مارٹن ایسلین کی زبان میں اپنی پوری سماجی، سیاسی اور اقتصادی شعور کے ساتھ ساتھ لمحۂ موجود میں زندہ ہے

ایک اور فلم کی مثال سے بات واضح ہو سکتی ہے۔ کلپنا لاجمی نے فلم کے پردے پر "رودالی" کی ہدایت دی اور اوشا گنگولی نے اسے اسٹیج پر پیش کیا۔ دونوں ہی پیش کش میں کہانی ایک ہے اور پیش کش کا طریقہ مختلف۔ دونوں میں اہم قدر رستم بھروچہ کی زبان میں SHARED SPACE کا شعور، یگانگت اور تضاد ہے۔ اسٹیج پر ڈراما "رودالی" اپنے تھیٹریکل حسن سے لبریز ہے۔ اداکار و اداکارائیں جو تھوڑی بہت تفریق کے ساتھ ماہرانہ فن کا اظہار کرتے ہیں، سیٹ، پراپ، ہدایت کاری اور موسیقی کا رس جس یہاں تک کہ ماقبل سینما کی تابناکی سے یہ ڈراما ایک ذاتی تجربہ میں بدل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دکھ درد اور سماجی بصیرت کے طور پر نیز نظر کی گہرائیوں میں سما جانے والے حسن سے یہ ڈراما ایک مخصوص بلندی پر پہنچ جاتا ہے جبکہ خوبصورت اداکاری، مدھر موسیقی، دور دراز کار ماحول کی تخلیق اور میکانیکل رنگ و روغن کے باوجود فلم "رودالی" ڈراما "رودالی" کے ناٹک کے قریب بھی نہیں ٹھہرتی۔

آج فلموں میں تھیٹر کا انداز اور لب و لہجہ ناظرین کے لئے خوشی کا سامان مہیا نہیں کرتا۔ تھیٹر کے سیٹ، اداکاری کا انداز، سامان اور روشنی کے آلوں کا اساسی انتظام و انصرام اور اس کا ٹھہرا ہوا حسن، سینما کے رواں چلتے پھرتے، لمبے اور مختصر شاٹ کی آسانیوں کے ساتھ میل نہیں کھاتے۔ لیکن دونوں فنون ایک دوسرے سے حسن اور کرافٹ مستعار لے کر اپنی اپنی جگہ پر بہتر کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ معاملہ صرف تربیت کا ہے اور تربیت سے حاصل شدہ نتیجے کے اطلاق کا ہے۔ BRESSION نے کہا ہے کہ سینما کی سچائی کبھی تھیٹر کی سچائی نہیں ہو سکتی اور یہ بھی کہ تھیٹر کی عادتوں سے سینما کو چھٹکارا پانا چاہئے۔ لیکن کیا یہ پورا سچ ہے؟ کیا مغلِ اعظم میں ایسے مناظر نہیں جو اسٹیج کی زینت بن سکیں؟ کیا ستیہ جیت رائے کی فلم "پتھیر پانچالی" جس نے سینما کے پردوں پر رواں شاعری کا چلن عام کیا، تھیٹر کی روایت سے یکسر خالی ہے؟ کیا "مدر انڈیا" کے بہت سارے مناظر ڈراماتی نہیں۔ رتیک گھٹک نے تو ڈراموں سے حاصل شدہ تجربات کو فلم کے پردے پر سلیقہ سے پیش کیا۔ ان کی فلمیں "ناگرک" سے لے کر "جکتی تکو ادگوتپو" تک تھیٹر اور فلم کے حسین امتزاج کی ایک زندہ مثال ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ گھٹک فلم کے لئے ہی پیدا ہوا تھا اور تھیٹر سے اس کا رشتہ گہرا نہیں تھا (اگرچہ اس نے اپٹا کے لئے "نبانا" میں اسٹیج اداکاری کی ہے) لیکن اس کی فلموں میں تھیٹر کا مطالعہ اور تجربہ یقیناً موجود ہے۔ آغا حشر کاشمیری نے تمام عمر اسٹیج اور ڈراموں سے رشتہ طے کیا اور جب فلم کی طرف رجوع ہوئے تو عمر نے وفا نہ کی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حشر دو چار فلمیں بنا لیتے تو ان کی حشر سامانیاں وہاں بھی رنگ لاتیں اور فلم و تھیٹر کے رشتے اور دونوں فنون کے درمیان ہم آہنگی کو سمجھنے میں اور بھی آسانی ہوتی۔ مغرب میں برگمان اس کی مثال ہے۔ صرف یہی نہیں پیکریت، اشاریت اور شدتِ اختصار دونوں میں مفہوم سے یکساں عبارت ہیں۔ فلم "انکور" یا "عمر مختار" کا آخری منظر یاد کیجئے اور کنگ لیئر یا ہیملٹ یا جسٹس کے آخری مناظر سوچئے۔ فلم "پارٹی" میں ہجوم کا کمپوزیشن دیکھئے اور پھر اسی کہانی کو جو پہلے ڈراما کے طور پر تخلیق کی گئی ڈراما میں دیکھئے۔ بہتیرے ایسے مقام آئیں گے جہاں فلم اور تھیٹر سائنس اور ادب کی طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنی اپنی رفتار سے گزرتے نظر آئیں گے۔

رتیک گھٹک — تھیٹر اور فلم کے مابین ایک پل

اس بات کو ماں لینے میں کوئی قباحت نہیں کہ فلم کا کینوس بہت وسیع ہے 'close encounter of the third kind' یا "Jurassic Park" اسٹیج پر کہاں ممکن ہے کیمرے کی آنکھ وہ دیکھ یا دکھا سکتی ہے جس کا اسٹیج متحمل نہیں ہو سکتا۔ لکھنؤ کی تہذیب کا ایک علامتی منظر اسٹیج تو پیش کر سکتا ہے لیکن فلم اس تہذیب کو پوری جزئیات کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ (شطرنج کے کھلاڑی) کیمرے کی آنکھ وسیع تر حقیقت نگاری کو اپنے دائرۂ اثر میں رکھتی ہے۔ اس کی وسعت کا

اندازہ اس کی ہمہ گیر مقبولیت اور محبوبیت میں پوشیدہ ہے۔ شہر ہو کہ گاؤں فلم یکساں طور پر ہر طبقے کو محظوظ بھی کرتی ہے اور متاثر بھی۔ صرف یہی نہیں اس کی زبان ترسیل و ابلاغ کے لئے مسئلہ پیدا نہیں کرتی جبکہ تھیٹر اشاروں کی زبان سے ہوتا ہوا آج کے جدید مشینی کرامات کے عہد میں صرف شہری تھیٹر ہے (فاک تھیٹر علاقائی اسطور، قصباتی ناچ وغیرہ اسٹیج پر شہر کے ناظریں) بلکہ محدود ناظرین کے لئے ہی ہوتے ہیں ورنہ کتنے سائیں سارنگی لئے بنارس

کی گلیوں میں گانے پھرتے ہیں، اس کا فن سامنے نہیں آتا، بلکہ شہر میں اس کا بدل بیچا جاتا ہے) دونوں کی زبان اور شعریات میں کافی فرق ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ تھیٹر کی زبان اس امریکی Accent کی طرح ہے جو کچھ کچھ سمجھ میں آتا ہے اور کچھ کچھ سمجھ لیا جاتا ہے (یعنی تھوڑی ذہنی ورزش کی ضرورت ہے) جبکہ سینما اور فلم کی زبان کی عام سہل پسندی اس کی محبوبیت کی ضمانت ہے۔ یہ اس ہندستانی انگریزی کی طرح ہے جو پوری کی پوری سمجھ میں آتی ہے ـــ دوسری طرف اداکاری بھی جو تھیٹر میڈیم کا اہم نکتہ ہے فلم کے پردے پر مختلف روپ میں حقیقت کا التباس پیدا کرتی ہے۔ اسٹیج پر میلو ڈرامائی / بلند بانگ اداکاری زندگی اور اس کی حقیقت کے زیادہ قریب ہوا کرتی ہے۔ شمبھو مترا اسٹیج پر اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے ایک مصور کی طرح لفظوں کو رنگوں کے ساتھ پیش کرتا ہے لیکن جب فلم میں اپنی قسمت آزماتا ہے تو ناکام ہو جاتا ہے۔ تھیٹر کا اختصار، رفتار اور اس کی بصری کیفیات فلم کے وسیع تر اظہار، رفتار اور بصری کیفیات کے آگے معمولی نظر آتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ BRESSON نے سینما کو تھیٹر کی عادتوں سے آزاد کرنے کی بات کی اور بادل سرکار نے تھیٹر اور فلم کے مقابلے کو معصوم نادانی پر محمول کیا۔ تاہم دونوں فنون کے آداب ایک دوسرے کو یقیناً SUPPLEMENT کرتے ہیں۔ اگر شمبھو مترا فلم میں اداکاری کرتا ہے تو اسٹیج کی اداکاری کی طرح بے مثال نہیں ہو پاتی لیکن جب فلم "جاگتے رہو" بناتا ہے تو اسٹیج اور فلم

ہندستانی تھیٹر کا ایک ستون آغا حشر کاشمیری

کے امتزاج سے فلم کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ اتپل دت اسٹیج اور فلم دونوں کے تجربے کو اپنے لئے مشعلِ راہ بناتا ہے۔ اسی لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں فن ایک دوسرے کی بہترین روایت اور تیکنیک سے فیض اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں علم ہونا چاہئے کہ خاموش اور بولتی فلموں نے تھیٹر تو تھیٹر ناول اور کہانیوں میں بیانیہ کے تصور کو بھی متاثر کیا ہے اور بیسویں صدی میں لکھی گئیں بہت ساری کہانیاں اور ناول نے بیانیہ کے مختلف لہجوں اور صورتوں کو اپنانے کے علاوہ شعور کی رَو کی تکنیک کا بھی استعمال کیا ہے ••

اتپل دت اور [illegible] "پدما ندیر ماجھی" میں

11

ہمارے عہد میں بائیسکوپ

چیرنجیب سین

پہلی بار ۱۹۲۰ء میں بردوان شہر میں مجھے بائیسکوپ دیکھنے کا موقع ملا۔ لفظ سنیما اس وقت مستعمل نہیں تھا۔ لوگ اسے بائیسکوپ کے نام سے ہی پکارتے تھے۔ کسی امیر شخص کے گھر میں تہوار کے موقع پر امریکی فلم کے تین چار ریل دکھلائے جاتے۔ مزاحیہ فلم، گھوڑ دوڑ یا پھر فلم کے کچھ حصے۔ گاؤں کے بازاروں میں کچھ گشتی سینما کے گروپ پہنچا کرتے تھے۔ وہ لوگ بائیسکوپ کو کم قیمت پر دکھاتے تھے۔ ہم سب حیرت سے اسے دیکھا کرتے۔ یہ ساری کی ساری خاموش فلمیں ہوا کرتیں۔ یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہی خاموش فلمیں کبھی بولتی تصویروں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء کے آس پاس بردوان گاؤں میں بائیسکوپ کو تسلسل کے ساتھ دکھائے جانے کا انتظام کیا گیا۔ مشہور راش بہاری گھوش کے ایک بھائی نے شروع شروع میں دلچسپی لی۔ بجوئے چند روڈ پر کالی مندر کے سامنے ایک خیمہ لگایا گیا۔ شہر کلکتہ میں بھی بائیسکوپ کو پہلی بار میدان میں تیار کئے گئے خیمے میں دکھایا گیا تھا۔ آتش فشاں کا ایک منظر تھا۔ فلم کا رنگ سرخ تھا۔ ناظرین خیمے سے بھاگنے لگے۔ انہوں نے سمجھا کہ خیمے میں آگ لگ گئی ہے۔

بردوان کے مائیسکوپ کا نام بردوان سینما رکھا گیا۔ بعد ازاں یہی سینما گھر راج پبلک لائبریری کے احاطے میں لے جایا گیا۔ پھر کچھ مسلسل سینما گھروں کی تعمیر کی گئی۔ جنریٹر نصب کئے گئے۔ خوش قسمتی سے فلمیں خاموش ہوا کرتی تھیں لہذا جنریٹر کی آواز کوئی مسئلہ نہ تھی۔ سیٹوں کیلئے چار قسم کی شرح تھی۔ نچلی منزل پر چار آنے کے ٹکٹ کے لئے کرسیاں تھیں اس کے پیچھے آٹھ آنے والوں کے لئے لکڑی کی کرسیاں تھیں۔ اوپری منزل پر ایک اور دو دو روپئے کے ٹکٹ خریدنے والوں کے لئے لکڑی کی کرسیاں تھیں۔ اوپری منزل پر الگ ایک کونے میں عورتوں کے لئے بھی انتظام ہوا کرتا تھا۔

ہر صبح ٹاؤن کے اہم راستوں پر کچھ تانگے گشت کیا کرتے۔ ان کی چھتوں پر ایک آدمی ڈھول پیٹتا اور دوسرا بانسری بجاتا۔ علاوہ ازیں ایک شخص گاڑی کے اندر سے رنگین دستی اشتہار تقسیم کرتا۔ یہ دستی اشتہار اس دن کی فلم کا اعلان ہوا کرتا تھا۔ بچے ان گاڑیوں کے پیچھے بھاگتے اور دستی اشتہار جمع کرتے۔ بعد میں ایک لڑکا جس کا نام ڈوما تھا اس دن کی فلم کے گیت گایا کرتا (تب تک بولتی فلمیں پہنچ چکی تھیں) یا پھر گاڑی کے اندر سے ہی فلم کے مکالمے دہراتا۔ جب ۱۹۱۳ء میں فلم All quite on the western front آئی تو اس نے ایک زبردست سنسنی خیزی پیدا کر دی۔ وہ چیخا کرتا "زمین پر لیٹ جاؤ" اور سڑکوں پر لیٹ کر بندوق چلانے کی حرکت کیا کرتا۔

مجھے یاد نہیں کہ بردوان سینما میں پہلی کون سی فلم دکھائی گئی تھی۔ لیکن یہ سینما گھر خاص طور پر خاموش امریکی فلموں کے لئے مخصوص تھا۔ اس وقت سلسلہ وار فلمیں (سیریل) سینما کے پردے پر چلنے لگی تھیں۔ ہر ریل کے بعد روشنی جلتی اور پھر دوسرے ریل کے لئے روشنی بجھا دی جاتی۔ فلمیں ایک بار چار، پانچ اور چھ قسطوں میں دکھائی جاتیں۔ یہ فلمیں ایسے مقام پر اختتام کو پہنچتی تھیں کہ ناظرین دوسری قسط کے لئے بے قرار رہا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر دشمن فلم کی ہیروئن کو ریلوے لائن پر باندھ کر فلم کے منظر سے نکل جاتے تو اس کے بعد ہوگا کیا؟

ان سلسلہ وار سیریل کا ہیرو چارلس ہیریسن ہوا کرتا تھا۔ ہم سب اسے اسپیڈ کے نام سے پکارا کرتے کہ وہ پہلے پہل اسپیڈ کے رول میں نمودار ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایڈی فیلو، نام میکس اور اس کا گھوڑا ٹونی، ایلمو لنچلو پہلا ٹارزن تھا اور ہیروئنوں میں پرل وائٹ تھی۔ مجھے سارے نام اب یاد نہیں رہے۔

اس زمانے میں مقبول ہیرو میں روڈلف ویلنٹینو، رمن نویدو جوہو اور لائنل بیری مور، ڈگلس فیربنک، جان گلبرٹ اور چارلس فیرل تھے ہیروئنوں میں گلوریا سوان سن، پولا نیگری، للین گش، میری پکفورڈ جو

امریکہ کے دل کی دھڑکن کے نام سے مشہور تھی۔ کلیرا باؤ جو "یہ لڑکی" کہلاتی تھی۔ سیکس اپیل" کی اصطلاح اس زمانے میں مقبول نہیں تھی۔ اس کے لئے "یہ" کا لفظ استعمال ہوا کرتا تھا۔

عام طور پر فلم سے پہلے دو ریل کی کوئی مزاحیہ فلم دکھائی جاتی۔ ان فلموں کے ہیرو چارلی چیپلن، ہیرولڈ لائیڈ، بسٹر کیٹن جیسے بر فیلے چہرے کا مزاحیہ اداکار کہا جاتا تھا کہ وہ خود کبھی مسکراتا نہیں تھا، فیٹی آربکل

ہوا کرتے تھے۔

یہ بات دلچسپی سے یکسر خالی نہیں کہ ہیرولڈ لائیڈ اس زمانے میں چارلی چیپلن سے زیادہ محبوب و مشہور اداکار تھا۔ عام ناظرین کے اندر چارلی چپلن کی کشش اور روزن کو سراہنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ نابغہ روزگار ہمیشہ اپنے زمانے سے پہلے ہی پیدا ہوا کرتا ہے۔

کچھ خاموش فلموں کی کشش اس قدر زیادہ تھی کہ ہم سب انہیں آج تک نہیں بھول پائے ہیں مثلاً Tol'able, over the hill, orphans of the strom, wages of Sin, David اور یقینی طور پر Way down East, The patriot چارلی چیپلن کی فلم The Kid ، The circus ، Gold Rush ، Seventh Heaven ، Street Angel اور دوسری فلمیں گریٹا گاربو اور میرلن ڈیٹ ریچ وغیرہ خاموش عہد میں وارد ہو چکی تھیں۔

بعد ازاں ان خاموش فلموں میں سے بہت سی فلموں کو بولتی ہوئی فلموں کا روپ دیا گیا لیکن خاموش فلموں کے ناظرین کو یہ فلمیں کبھی منظور نہ ہوئیں۔

اب ہم بردوان سینما کی طرف واپس چلتے ہیں۔ بولتی فلموں کی آمد سے پہلے سینما کے پردے پر لگاتار انگریزی عنوان اور الفاظ لکھے ہوئے آتے۔ ادھیڑ بابو سینما گھر کے پیچھے سے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ان انگریزی الفاظ کا بنگلہ میں ترجمہ کرتے۔ چھوٹے سے سینما گھر میں تمام لوگ اسے سن سکتے تھے۔ سامنے ایک موسیقی کا آلہ ہوا کرتا جس پر کبھی کبھی بادل دا فلم کی پس منظر موسیقی دیا کرتے۔

ان دونوں یکتائے روزگار نابادیب ہلدار جو اب تک مشہور نہیں ہوئے تھے کبھی کبھی اپنے دوستوں کے ساتھ فلمیں دیکھنے آیا کرتے تھے۔ اگر بادل دا اپنے آلے پر نہ ہوا کرتے تو وہ وقفے وقفے سے "جھومر" گیت اپنی مشہور اور مدھر آواز میں گنگنانے لگتے۔ اس قدر تیز نہیں کہ کچھ سنا نہیں جاتا۔ گرچہ فلم خاموش ہوا کرتی۔ اور اگر بادل دا سنگیت دے رہے ہوتے وہ انکے دھیان کو ہٹانے کے لئے تالیاں بجاتے اور چیخا کرتے "آپ بے سُرے ہیں۔"

سینما گھر میں زیادہ تر انگریزی فلمیں دکھائی جاتیں۔ مدن کمپنی کی بنائی ہوئی بنگلہ فلمیں بھی دکھائی جاتیں مثلاً درگیش نندی، دھرم پتنی، ماتری اسنیہ، شیو راتری، ہرش چندر، رام بن باس وغیرہ۔

ان فلموں کے عنوانات تین زبانوں میں ہوا کرتے۔ انگریزی، بنگلہ اور ہندی۔ اردو عنوانات بھی ہوا کرتے تھے اگر کہانی مغلوں کی ہوتی۔

اس زمانے میں بنگلہ فلموں میں بوسہ بازی کے مناظر نہیں ہوا کرتے۔ کچھ فلموں میں عریانی بھی نظر آتی جیسا کہ میں نے فلم دھرم پتنی یا ماتری اسنیہ میں دیکھا تھا لیکن ان میں شہوانیت نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس معاملے میں کوئی ہنگامہ نہ تھا۔ یقین کر لیا گیا تھا کہ سینما میں ایسے مناظر ہوں گے ہی۔ سینما میں سب کچھ ممکن تھا۔ اساطیری فلموں میں برقی تار اور کھمبے بھی دکھائی دیتے جاتے۔ یہاں تک کہ بدنما ناگے بھی گزرتے دکھائی دیتے۔ امریکی فلموں میں بھی ننگا پن ہوا کرتا۔

مدن کمپنی کی بیشتر ہیروئنیں اینگلو انڈین ہوا کرتیں۔ مقبول ترین ہیروئن کا نام Patience cooper تھا۔ دوسری ہیروئنوں کو ہندوستانی نام دیا گیا تھا مثلاً سیتا دیوی، اندرا دیوی (کپل کنڈلا)، للیتا دیوی (گری بالا) وغیرہ لیکن ہیرو بنگالی ہوا کرتے مثلاً درگا داس بندھو پادھیائے، تلسی بندو پادھیائے، رائے مکھوپادھیائے، امرت لال باسو نے بھی 'کرشن کانتیر دل' (کرشن کانت کا وصیت نامہ) میں کام کیا تھا۔ ششیر بھادری، نریش مترا، تن کاری چکرورتی، دھیرج بھٹا چاریہ اور دوسرے اداکار بھی بہت سی خاموش فلموں میں اداکاری کرتے تھے۔ میں نے داس بالو کو بھی ایک فلم میں دیکھا تھا۔

کبھی کبھی بمبئی کی بنی ہوئی فلمیں بھی ریلیز ہوا کرتی تھیں۔ بمبئی کی ہیروئنوں میں سلوچنا بہت مقبول ہیروئن تھی۔ سلوچنا بھی اینگلو انڈین طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا نام روبی مییر تھا۔ ہیروز میں ماسٹر نثار اور بیبی چندرا تھے جو ہندوستان کے ڈاگ لیس فیئر بینک کہلاتے تھے۔

دوسرے بائیسکوپ گھر کا جو "گورنگو رنگ منچ" کہلاتا تھا، دوسری دہائی میں اجرا ہوا تھا۔ اس بائیسکوپ کا مالک شہر کا مشہور حلوائی ہری داس مودک تھا۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ دونوں بائیسکوپ گھروں میں مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ میں نے درگا داس بنرجی اور نریش مترا کی خاموش فلم "چندر ناتھ" گرنگو رنگ منچ میں دیکھی تھی۔ فلم کے ابتدائی حصوں

میں سرت چندر بھی نمودار ہوئے تھے۔ لکھنے کی میز پر بیٹھے ہوئے انہوں نے اپنا چشمہ اتارا اور ناظرین کی طرف ایک نگاہ ڈالی تھی۔

بردوان سینما اور گورنگو رنگ منچ میں مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ ایک بار ایک مزیدار واقعہ پیش آیا۔ گورنگو منچ میں "روبنس کروسو" اور بردوان سینما میں پرل رائٹ کی فلم "دی بلیک سکریٹ" دکھائی جا رہی تھی۔ روبنس کروسو مقبول نہیں ہو رہی تھی، لہٰذا دو آنے والے ٹکٹ خریدنے والوں کے لئے چار آنے والے ٹکٹ والوں کے سامنے میں چٹائی بچھا دی گئی۔ بردوان سینما والے بھی کب پیچھے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی چٹائی بچھا دی۔ پھر گورنگو رنگ منچ کے مالک نے جن کی بڑی مٹھائی کی دکان تھی وقفے کے دوران دو آنے والے ٹکٹ کے ناظرین کو مفت مٹھائی کے پیکٹ تقسیم کرنے شروع کئے۔

بردوان سینما کے پردے پر ایک اشتہار دکھایا جانے لگا: اگر اپنی تجارت کو فروغ دینا چاہتے ہیں/ اس پردے پر اپنا اشتہار دیجئے/ مہینے میں پانچ بازی کے پیسے کے عوض/ آپ کی تجارت کو جلد ہی ترقی دوں گی (یہ اشتہار بحر میں تھا)

بولتی فلمیں ابھی کلکتہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ لیکن مدن تھیٹر کے پاس Warlitzer (ایک قسم کا ساز) تھا۔ اس ساز پر آپ بارش کی آواز سے لے کر سپاہیوں کے مارچ پر طوفان اٹھانے تک بہت کچھ بجا سکتے ہیں۔ جب خاموش فلم کپل کنڈلا ۱۹۲۸ء میں دکھائی جانے لگی تو اننت ناتھ بالو کو اسٹیج پر بیٹھ کر دو گیت گانے پڑتے تھے۔ ایک گیت فلم کے شروع میں اور دوسرا گیت (اے ماں کالی مجھے اپنی گود میں چھپا لے، رقت کے پہلو میں مجھے نہ چھوڑ) آخری منظر میں گانے پڑتے تھے۔

سینما کے نام پر کلکتہ میں اس وقت واحد کارنر اس تھیٹر (سری) تھا۔ بعد ازاں کراؤن سینما اور شو ہاؤس کا انعقاد عمل میں آیا۔ مرکزی کلکتہ میں مدن تھیٹر اور Palace of Varieties (ایلیٹ)، الفنسٹن پکچر پیلس (منروا / چیپلن)، امپائر تھیٹر (راکسی)، گلوب گرانڈ اوپیرا ہاؤس، پکچر ہاؤس (ماجیسٹک) اور البین (ریگل) سینما گھر تھے۔ جنوبی کلکتہ میں ایمپریس (روپالی) اور رسا تھیٹر (پورنا) تھے۔

مجھے اس زمانے کی فلموں کے نام یاد ہیں۔ بوربر بازار (دلہنوں کا بازار) ایک فلم تھی جس کی ہدایت دھیرن گنگولی (ڈی جی) نے دی تھی۔ اس کی

کہانی یہ تھی کہ کوئی بھی دلہا کو وزن کر کے ہاتھی بیگان سے حاصل کر سکتا تھا۔ اور پیمائش آٹے سے ناپ کر۔ ولیسے درزی پاڑہ میں مل جاتے تھے ایک بڑا پُر مزاح دور تھا۔

میں نے پہلی بولتی فلم کراؤن سینما میں دیکھی تھی۔ فلم شروع ہونے سے پہلے، بہو بازار کی ایک گانے والی، شاید کیشر بائی (وہ مشہور کیشر بائی کیکر نہیں) ایک کیرتن سناتی۔ بعد ازاں ۱۹۲۸ء میں ہی ہم لوگوں نے ایک بولتی فلم کراؤن (اتترا) میں دیکھی۔ اس فلم میں نذرل کی اپنی آواز میں نظم "ناری" (عورت) سنی تھی۔ گو کھلے گرلس اسکول کی طالبات نے گیت • پیارے نیجان ناچلے جکھون ہے نٹ راج، کو آرکسٹرا کی دھنوں سے سجایا تھا۔ بالآخر بولتی فلموں کی متواتر نمائش بنگلہ فلم "جمائی شاشٹی" سے شروع ہو گئی۔

غیر ملکی بولتی فلموں کی خاموش ضرورت (ورشن) جو سنٹرل کلکتہ چانلڈ سس میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی۔ شمالی کلکتہ کے سینما گھروں میں دکھائی جانے لگی۔ لفظ "ٹاکیز" (Talkies) ان سینما گھروں میں اب تک نہیں پہنچ پایا تھا کہ یہ سارے سینما گھر خاموش فلمیں دکھاتے تھے۔

مجھے آج بھی یاد ہے کہ ہر ریل کے بعد جب اندھیرے ہال میں روشنی ہو جاتی تو ہاکر "بیڑی پان، بیڑی سگریٹ" کی آوازیں لگاتے۔ یادیں ہمیشہ کے لئے ان خوشیوں کا خزانہ ہیں۔

ایک حادثاتی اطلاع — کلکتہ کے علاوہ بردوان کے ناگ اسٹوڈیو کے مالک اور مشہور فوٹو گرافر اروں ناگ نے ایک خاموش فلم بنائی تھی۔ "پرِ دشیا بھاگیم" یہ فلم نمائش کے لئے کلکتہ کے رین تھیٹر (جواہر) میں پیش کی گئی۔ لیکن یہ فلم اس قدر بے جان تھی کہ بردوان کے ٹاؤن میں بھی نہ چلی۔ کلکتہ کا ذکر ہی کیا۔ لیکن یہی کیا کم ہے کہ کسی نے کلکتہ سے دور ایک قصباتی علاقے میں فلم بنانے کی جرأت کی اور اس فلم کے اداکار و اداکارائیں سب کی سب اسی چھوٹے سے ٹاؤن کے لوگ تھے ••

(شکریہ سدن) — انگریزی سے ترجمہ: ظہیر انور

لومیئر کی فلم "ارائیول آف اے ٹرین" کا ایک منظر

سینما کے ۱۰۰ سال

سنیما کیا ہے؟

گیسٹون روبرج

سنیما کیا ہے؟ میری مراد ٹیلی ویژن کے دور میں سنیما کیا ہے؟ سے ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں فلم سے متعلق سوچنے اور لکھنے سے زیادہ فلمیں دیکھتا ہوں لیکن سینما سازیوں کا مطالعہ میرے لئے اس حد تک منافع بخش ثابت ہوا کہ میں بلا تامل دو فلموں کے بیچ ٹھہر جاتا ہوں اور سینما پر نظر ڈالتا ہوں۔ سینما ہوا میں جھولتا ہوا ایک روحانی تصور نہیں ہے۔ سینما ایسی فلموں کا مرکب ہوتا ہے جسے لوگ دیکھتے ہیں۔ اس میں ہر طرح کی فلم شامل ہوتی ہے۔ یہ پورے طور پر تجارتی ہوتی ہیں اور غیر تجارتی بھی۔ ایک عظیم فلم ساز کے نجی سینما کا مطالعہ ایک نجی دنیا کا اس وا کرنا ہے۔ پورے طور پر تجارتی فلموں کا مطالعہ درحقیقت کم منافع بخش نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ تمام جماعتوں کی مشترک دنیا کا افتتاح کرتا ہے۔

فلم پر غور و فکر کا میرے تجربے نے مجھے یہ باور کرایا ہے کہ یہ ساری اس طرح کرنی چاہئے کہ ان میں سنجیدہ مشاہدہ کا عکس پایا جائے۔ ہر کوئی یہ جاننا چاہتا ہے کہ فلمیں کس طرح لوگوں کو اپنی جانب راغب کرتی ہیں۔ کس طرح یہ فلمیں ان کی روح کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہیں۔ کس طرح یہ روزمرہ کی زندگی کی تصویر کشی کرتی ہیں اور کس طرح یہ فلمیں ہمیں ایسی کہانیاں سناتی ہیں جو ہم پر جادوئی اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ کس طرح یہ شعری عناصر میں رچ بس جاتی ہیں۔ کس طرح کے بعد اب کیوں کی پیش رفت ہوتی ہے۔ فلموں میں اتنا پیسہ کیوں ہے؟ کیوں فلموں کو بیشتر ریاستیں اپنی سخت گرفت میں رکھتی ہیں؟ کیوں ہر کوئی فلموں کی جانب اس قدر راغب ہے؟ ان سوالات کی اہمیت آج بہت زیادہ ہے کیونکہ سینما ٹیلی ویژن کی یلغار کے بیچ ایک مزید پختہ شکل میں بالیدگی و ترقی پائے گا یا بالکل غائب ہو جائے گا۔

سنیما کی ایجاد : مذکورہ سوالات کی جوابدہی کے سلسلہ میں یہ لازمی ہوتا ہے کہ غیر جانبداری کے ساتھ مذکورہ فلموں پر غور و خوض کیا جائے۔ اگر فلم بینی کے دوران یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم بعد ازاں ان پر ہر زاویہ سے تنقیدی اور غیر تنقیدی نگاہ ڈالنی چاہئے لیکن اس غیر جانبداری کو منصفانہ طور پر برقرار رکھنا ایک نہایت مشکل امر ہے کیونکہ فلم بین کو فلموں سے خصوصی انسیت ہوتی

ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ متحرک تصویروں کے دیکھنے میں بلاشبہ ایک قسم کی مسرت ملتی ہے خواہ وہ کسی طرح کی بھی تصویر ہو۔ پھر ان میں ایک طرح کی جادوئی کشش ہوتی ہے۔ کہانیوں کی سحر انگیزی، جذبات کی کارستانی، ان کو مشتعل کرنے والے مرحلوں میں ترتیب دینے کی پروگرامنگ وغیرہ کی کشش۔ ان سب کی حقیقت اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ لیکن غیر جانبداری کیوں مشکل ہے اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ خود کو اس فلم کا ایک جز اس وقت تک تصور کرتے ہیں جب تک وہ فلم جسے ہم لوگ پردہ پر دیکھ رہے ہوتے ہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے اور اسے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ وہ فلم ہمارے تصورات کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوتی ہے۔ صحیح معنوں میں متحرک تصویروں اور انسانی ذہن کے اوصاف سے مطابقت رکھنے والے پُرمعنی مرحلوں کی طرح یہ اپنے وجود کی معترض ہیں۔ پروجیکٹر کی کانپتی ہوئی روشنی میں فلم بین اپنے تصورات میں فلم تخلیق کرتے ہیں۔ لہٰذا ان متحرک تصویروں کا مطالعہ ایک طرح سے مطالعۂ خودی ہے اور ان کے بارے میں اپنی سوانح حیات لکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ دراصل کسی فلم کا ہم پر ردعمل وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اس میں تخفیف یا اضافہ کر کے اسے اپنی تصوراتی دنیا کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ اس طرح ایک فلم دیکھنے والے دو افراد کسی بھی حالت میں ایک فلم نہیں دیکھتے ہیں۔ المختصر فلمیں ذاتی تصورات و تجربات کا عکس ہیں اور تصورات آلات کے ایک سلسلہ کے تعاون کے بغیر سخت گیر تجزیہ کیلئے پیش کرنا زیادہ مشکل ہے اور یہ سارے کے سارے مخصوص ذاتی اسلوب سے فرار اختیار بھی نہیں کرتے ہیں۔

مزید براں اگر جن فلموں کو میں دیکھنے، یاد رکھنے اور اپنی سوانح حیات کے جزوی ڈھانچہ پر تبادلۂ خیال کرنے کے لئے انتخاب کرتا ہوں اور جن کو کوئی انجمن پیش کرتی ہے، ان کی نمائش کرتی ہے اور ان پر ناقدانہ رائے پیش کرتی ہے وہ ساری کی ساری اس انجمن کی تاریخ کے جزویات ہیں۔ نجی سطح پر مطلوب غیر جانبداری سماجی سطح پر مطلوبہ جانبداری سے کم نہیں ہے لیکن اسے سماجی سطح پر حاصل کرنا اب بھی بہت مشکل ہے کیونکہ وہ تمام اثرات جو

فیڈیریکو فیلینی کی فلم امرکنڈ کا ایک منظر

فلموں کی ماہیت اور ان کی تشریح پر کار فرما ہیں، ان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

۱۹۴۵ء کے دوران جب عالم آندرے بازن "فلم کیا ہے" پر اپنے تجسّس کا اظہار کرنا شروع کیا تو اس وقت سینما کے بمشکل پچاس سال پورے ہوئے تھے۔ آج مزید پچاس سال گزر چکے ہیں اور اب بھی ہم لوگ اسی سوال کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اس سینما کے بارے میں جو اس نئے فن کے آغاز سے کافی بڑھ چکا ہے، زیادہ سوچ اور فکر کے ذریعہ ہمارے سوال نے اسے زیادہ مشکل بنا دیا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں بتایا گیا ہے کہ سینما کی ایجاد ۱۸۹۵ء میں ہوئی تھی اور اسی سال پہلے سینما کی نمائش بھی ہوئی تھی لیکن ان تمام باتوں میں کہیں نہ کہیں کچھ مبالغہ آرائی بھی ضرور ہے۔

اوّل: سینما کی ایجاد کے قابلِ قبول دعوے متعدد لوگوں نے کئے ہیں۔ مثلاً پیرس کے لومیرے برادرس، امریکہ کے ٹامس الوا ایڈیسن، جرمنی کے ماکس اور ایمل اسکلاڈانسکی اور انگلینڈ کے ولیم گریز گرین وغیرہ خود کو سینما کا موجد کہتے ہیں۔ ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۱۸۹۵ء کے دوران اس کی ایجاد سے زیادہ کچھ واقع نہیں ہوا تھا۔ درحقیقت سینماٹوگرافک کیمرہ اور اس کے ساتھ پروجیکٹر کی ترقی ہی ٹیکنیکل کارناموں کی بھیڑ میں نمایاں تھی۔ اس کیمرے کی خاص بات کیا تھی وہ یہ کہ اس نے صنعتی طور پر فلموں کے پیش کرنے کو ممکن بنا ڈالا۔ چند برسوں کے بعد ہی سینما ایک عوامی میڈیم (اوسط) بن گیا۔

دوم: ۱۸۹۵ء میں ہونے والی سینما کی نمائشیں متحرک تصویروں کی پہلی نمائشیں نہیں تھیں، بلکہ یہ مزید ترقی یافتہ شکلیں تھیں۔ ۱۸۹۵ء سے بہت پہلے بھی متحرک تصویروں کی نمائشیں کی جا چکی تھیں۔ مذکورہ بالا نمائشیں مناظر / تماشے تھے۔ مروّجہ روایتی مناظر کے ذریعہ نو مولود سینما کا اغوا عمل میں لایا گیا تھا۔ کیمرہ کی ترقی اور پہلی سینماٹوگرافک فلمی نمائشوں کو سینما کی پیدائش کے ساتھ ملاتے ہوئے تاریخ دانوں نے ٹکنالوجی اور منظر کی حیثیت سے سینما کا جائزہ لیا ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کو سینی کیمرہ ایک جادوئی آلہ ایجنٹ بنا ڈالا تھا اور ایسا کرتے ہوئے مورخوں نے فلم کی میرو ڈکٹو ایجنسی کو اندھیرے میں روپوش کر ڈالا تھا۔ ان کے اشارے پر ہاتھ کی ہلکی سی حرکت ہمیشہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کیمرہ یہ کرتا ہے اور کیمرہ وہ کرتا ہے۔

منظر کی حیثیت سے بھی سینما وجود میں نہیں آیا تھا۔ ہو بہو یہ پلاٹو کے غار سے نمودار ہوا۔ پلاٹو کے لئے دنیا جیسا کہ انسان کے تخیل میں تھا، ایک اعلیٰ شعبدہ باز صنعت کی حامل متحرک تصویروں کا ایک منظر ہے۔

حقیقت کے برخلاف پلاٹو کے غار کی پشتی دیوار پر ڈالے گئے سائے دنیا کو جاننے کی ایک بھرپور تصویر پیش کرتے ہیں لیکن اس میں ایک رخ عیاں ہے۔ جب تک روشن خیالی نہیں آتی تھی اس وقت تک پلاٹو کے غار کے لوگ اس سے واقف نہیں تھے کہ وہ محض سائے کو دیکھ رہے ہیں۔ جدید انسان ایک سینما ہال کے غار میں بھی ہر وقت اس امر سے پوری طرح واقف ہوتا ہے کہ فی الحال وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے ایک فلم ہے (حقیقت نہیں)۔

سینما بذات خود اور سینما کی تاریخ میں ارتقا میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن آغاز سے ہی معاشرہ کی ضروریات مثلاً تجارتی طور پر وقت کی مورد میعاد، تھیٹر گوئی، حقیقت پسندی کی متعدد اشکال وغیرہ نے سینما کو اپنے طور پر آگے بڑھایا ہے۔ روس کی مثال کے طور پر فلم گرینڈ ۱۹۲۳ اپنی صورت میں آٹھ گھنٹے کی فلم تھی لیکن اس میں تخفیف لا کر اسے دو گھنٹے سے کم کی تجارتی میعاد میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح کی حقیقت اور رنگ کی تخمیص کو مشکل ہی سے مدیرانہ مدون کرنا کہا جاسکتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذکورہ اختصاری فلم اب گرینڈ نہیں بلکہ کوئی اور دوسری فلم بن گئی ہے۔

چند عالموں نے دعویٰ کیا ہے کہ دراصل قدیم زمانے سے ہی انسان کی خواہش رہی ہے کہ دنیا ایک کامل نقل کی تخلیق کی خواہش کا جسم ہی سینما تھا۔ کم مدت میں سینما کی اس اساطیری روح کو عملی شکل دینے میں ایک زبردست ترقی کی۔ مثال کے طور پر دنیا کی نقل پیش کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ایک ٹکنیک کی حیثیت سے سینما کی ایجاد ۱۹۰۰ تک کم و بیش تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ اسی سال پیرس کی ایک نمائش میں ۱۵×۲۱ میٹر کی ضخامت والے ایک بڑے پردے پر (الف) ۲۰ فلمیں دکھائی گئیں۔ ان فلموں کو پردے کے سامنے موجود ۲۵۰ ناظرین نے دیکھا۔ اس سینی اوراما ایک ایسا عجوبہ تھا جس میں دس پروجیکٹر اور ایک دائرہ نما پردہ لگا تھا اور (ج) ایک سدرہ منٹ کی فلم مع آواز و تصویر کی ہم وقت وقوع پذیری میں دکھائی گئی تھی۔ شروعات شروع ہی میں پرنٹس میں ہلکی سی رنگ کی آمیزش کے ذریعہ رنگ کا استعمال کیا گیا تھا۔ تکنیکی طور پر ۱۹۰۰ کے بعد سے ایجاد میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں رہ گئی تھی اور ایک سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی سینی کیمرہ اسٹاپ موشن کے اسی اصول پر کام کر رہا ہے۔ ۱۹۰۰ کے بعد سے دنیا کی ایک بھرپور نقل پیش کرنے کے سلسلے میں ٹکنالوجی کے امکان کو پوری طرح کام میں نہیں لایا جاسکا تھا۔ بہ الفاظ دیگر مجموعی سینما کی اس وقت تک ایجاد نہیں ہو پائی تھی۔ شاید نئی رابطہ ٹکنالوجی تقریباً اپنے مل لوتے پر اس خواب کو حقیقت میں بدل پائے گی۔

سینما کی ایجاد سے تقریباً پچاس سال قبل ایٹنی کاسپارڈ رابرٹسن کی حادثی لالٹین نے متحرک تصاویر کے عکس کی تخلیق کرنے کی صلاحیت کو کافی بلندی تک پہنچا دیا تھا۔ اس اختراع پسند ترین فنکار اور سائنس داں نے ایک تصویر بنائی جو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ناظرین کی جانب بڑھ رہی تھی یا ان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ پردے کی جانب بڑھنے یا پردے کے پیچھے کی جانب دور جانے کے اس عمل کو ایک متحرک سلائڈ پروجیکٹر کے ذریعہ حقیقی شکل دی گئی تھی۔ اس نے تصویر کی پشت پر روشنی کے ایک وسائل نقل مکانی کے ذریعہ پہلو بہ پہلو ایک تصویر کو حرکت میں بھی لایا تھا۔ اس نے بذاتِ خود تصویر کے اندر ایک بھرپور اور متحرک خاکہ کی بھی تشکیل کی تھی۔ اس کے بعد سینما سینی کیمرہ کے ساتھ وجود میں آیا۔ اگر ہم لوگ ایک طویل ارتقا کے صرف ایک مرحلہ کی حیثیت سے سینی کیمرہ کی ایجاد کا جائزہ لیں تب اس تصور کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہے گا کہ سینما کی ایجاد جیسا کہ اب تک تھی تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور اب دنیا کی تصویر کی تخلیق کی تکنیک میں مزید فروغ دینے کی کوئی گنجائش نہیں ملے گی۔ لیکن یہ اس تکمیلی ارتقا کو سینماٹوگرافی کے راستہ پر لایا نہیں جاسکے گا۔ سینماٹوگرافی اس دور سے تعلق رکھتی ہے جس پر مثلاً ٹرین کی طرح میکانیکل پرزوں کا غلبہ تھا۔ لیکن دوسری ٹکنالوجی بھی ظہور میں آئی اور اس نے دنیا کی نمائندگی دوسرے انداز میں ٹیلی ویژن سے کی۔ اس کا تعلق جیٹ ہوائی جہازوں اور الیکٹرونکس کل پرزوں والے علاقائی دور سے ہے۔

لیکن اس کا یہاں ایک اور مفہوم نکلتا ہے جسے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ سینما کی ایجاد اب تک نہیں ہوئی ہے: نام نہاد حقیقت کی نقالی کے وسائل کے طور پر سینما کو تصور میں لانے کے بجائے آپ کو اسے ایک زبان کی حیثیت سے تصور میں لانا چاہئے جس کے اظہار کا واسطہ تصاویر ہیں۔ یہ مادیت سے پاک ہیں اور ان کی وقوع پذیری اسی طرز پر ہوتی ہے۔ سینما کے اس استعمال کو فروغ دینے میں الیسنسٹین اور گوڈارڈ جیسے فلم سازوں نے نمایاں کام انجام دیا ہے لیکن بقیہ افراد نے اس سلسلے میں کسی طرح کی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ لہٰذا یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سینما بحیثیت زبان کا جنم اب تک ہوا ہی نہیں ہے اور اس طرح سینما کی ایجاد کی جانب ٹیلی ویژن کے بڑھتے ہوئے قدم بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔

سینما کی موت کا اعلان کرنے کے بجائے کیا کوئی فرد متحرک تصاویر کی تاریخ

میں ٹیلی ویژن کا ایک نئی منزل کی حیثیت سے خیر مقدم نہیں کر سکتا ہے؟ نہیں صورت حال ایسی بالکل نہیں ہے۔ سینی کیمرہ نے تصویروں کی صنعتی پیش کش کو ممکن بنا ڈالا تھا لیکن پھر بھی اس وقت تک سینما کی تصویر مخصوص ثقافت کی پیداوار تھی۔ ٹیلی ویژن اور انٹلینٹ سائٹ ٹیکنالوجیوں نے متحرک تصویروں کے پورے طور پر تجارتی اور عالمگیر بنانے کے عمل کو ممکن بنایا۔ اس کے بعد سے ٹیلی ویژن کی تصویر کو اس مخصوص ثقافت سے نہیں جوڑا جانے لگا۔ مزید براں اس کے بعد سے ٹیلی ویژن کی تصاویر کو اس حوالہ کی ضرورت نہیں رہی کہ وہ کس سے مشابہت رکھتی ہیں اور ان کی "زندہ صورت حال" کی صنعت ایک بہانہ ہے۔ ٹیلی ویژن کی تصاویر ذاتیات کے علاوہ کسی اور چیز کا حوالہ نہیں پیش کرتیں۔ اگر سینما اول ایک ایسا منظر تھا جو حقیقت کی نقالی کرتا ہے تو ٹیلی ویژن "ارفع حقیقت" کی تخلیق کرتا ہے۔ عدم حقیقت کو ہی حقیقت سے زیادہ قیمتی باور کرایا جاتا ہے۔ ہم لوگ ونڈ کے پار تھا: تماسو... ..... سے بگ بگ پیچھے ہیں۔

ٹیلی ویژن سینما کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے بلکہ یہ تصویر سازی کا ایک الگ آلہ ہے۔ ان دونوں واسطوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق واقع ہے۔ ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ دراصل جو صورت حال پیدا ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ٹیلی ویژن سینما کو تباہ کر رہا ہے۔ یہ سینما کی تصویروں کو چبا چبا کر ان کے پرخچے اڑا رہی ہے۔ ایسی صورت حال میں لوگ سینما کو فراموش ہی نہیں کر ڈالیں گے بلکہ ان کے ذہن میں سینما کے وجود کا تصور بھی نہیں رہے گا۔

اس نکتہ پر ان دو واسطوں کا تفصیلی تقابلی جائزہ لینا مفید ثابت ہوگا۔ میں سینما بذاتِ خود پر بحث کرنا مطلق پسند نہیں کروں گا کیونکہ سینما کی ایک عمیق سمجھ بوجھ ہی اس کی خصوصیت اور اہمیت کو سمجھنے میں تعاون دے سکتی ہے اور اس طرح اس کے اور ٹیلی ویژن کے مابین فرق بھی عیاں ہو جا سکتا ہے۔ میں اس امر کو قبول کرتا ہوں کہ نام نہاد سینما کی ایجاد، کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے اور جو امر اہمیت رکھتا ہے وہ ہے دریافت — جیسے افراد اور انجمنوں نے سینما کی تخلیق سے کی ہے۔ یہ دریافت بیداری کی ایک شکل ہے لیکن جیسا کہ ہم سب لوگ دیکھیں گے کہ یہ صرف کسی ٹیکنالوجی کی فنی ساخت کی بیداری نہیں ہے بلکہ یہ بیداری یہ بتاتی ہے کہ دنیا کس طرح ہی، اس کی نمائندگی کن لوگوں نے کی، اس کی تخلیق کا مقصد کیا تھا

اور یہ کن اثرات کے ساتھ وجود میں آئی۔ بلاشبہ سینما کی دنیا کی نمائندگی کا محض ایک انداز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صحافت، اشتہار بازی، فن، اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں درس و تدریس، سائنسی اصولوں ..... ان سب نے دنیا کی تخلیق اور اس کی نمائندگی کی ہے لیکن سینما نمائندگی کا سب سے زیادہ زود اثر آلہ ہے اور یقیناً یہ اپنے اندر تحمل کا بھی عنصر رکھتا ہے۔

سینما کی ذاتی دریافت : دراصل سینما سب سے پہلے ایک نجی تجربہ ہے اور اس نے مجھے بیشتر ترین طور پر اپنے تجربہ پر اور میرے کچھ جانے پہچانے طلباء کے تجربوں پر یقین کرنے پر مجبور کیا۔ اس کی بنیاد پر میں نے سینما کی نجی دریافت میں ۵ مدارج کی تفریق کی ہے۔ یہ کچھ یوں ہے کہ سینما کیا ہے؟ کے تحت ہر شخص کی بیداری ان مدارج کے ذریعہ نشو و نما پاتی ہے۔

فلم ایک تماشا ہے : پہلے مرحلہ کو سمبایوسس کے ایک دور سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس وقت ناظرین ناقدانہ طور پر فلمیں دیکھتے ہیں۔ اس فلم بینی کے پیچھے ان کا مقصد صرف تفریح ہوتا ہے۔ انہیں اس فلم بینی سے اسی طرح کی عنصر کی راحت ملتی ہے جیسے کہ شیر خوار بچے کو اپنی ماں کے پستان سے دودھ پینے کے دوران ملتی ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس مرحلے کو بعد میں آنے والے مرحلوں کی جگہ نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ یہ ہمیشہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ اسی طرح دوسرے مرحلے بھی اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ گریز حقیقت ہے۔ بعد میں آنے والے مرحلوں کے ذریعہ اس طرح کے مرحلہ کو کسی اصول یا قاعدے کے تحت لایا جاتا ہے۔

جب میں ایک اسکول میں پڑھنے والا لڑکا تھا اس وقت میں خود سینما کے ساتھ سمبایوسس کے ساتھ رہتا تھا۔ اس وقت وہاں ہر سنیچر کے دن فلم کی نمائشیں ہوا کرتی تھیں اور بیشتر لڑکے ان نمائشوں میں جاتے تھے۔ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے ہم لوگوں کو ویسٹرنس یا دوم شرح کی کاؤ بوائز فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھلائے جاتے تھے۔ یہ فلمیں سلسلہ وار قسطوں میں ہوتی تھیں اور ہم لوگ اس کے ہیرو سے اچھی طرح واقف ہوتے تھے۔ اگر اب بھی ماضی کے جھروکوں میں جھانکتا ہوں تو ذہن کے پردے پر اب بھی چند تصویریں تھرکنے لگتی ہیں۔ آج بھی میں دیکھ سکتا ہوں کہ اس فلم بینی کے تجربہ کے اندر کچھ مخصوص خصوصیات نہاں ہیں جن کے متعلق اس وقت سرے سے میں ناواقف تھا۔ وہ خصوصیات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

* وہ فلمیں نسل پرستی کے جذبوں سے معمور تھیں۔ ان میں ہمیشہ "ریڈ انڈین" کو بحیثیت دھوکہ باز، غدار، وحشی، ظالم اور بلا شبہ کمتر دکھایا جاتا تھا۔
* وہ لوگ مردانیت کے علمبردار ہوتے تھے۔ مردانیت کی بہت ساری علامتیں بنیادی طور پر بندوق وغیرہ کی نمائش کی جاتی تھی۔ ایک منظر جو آج بھی میرے ذہن کے پردے پر لرزاں و خیزاں ہے وہ یہ ہے کہ ایک سگ سکا، بوائے اپنے سفید و شفاف گھوڑے پر سوار جا رہا ہے اور اس امر سے ناواقف ہے کہ بُرا کاؤ بوائے ایک مکان پر سے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس وقت مذکورہ گھر کی دیوار کے ایک تنگ سوراخ سے وہ اپنی بندوق کی نلی آہستہ آہستہ باہر نکالتا ہے اور ہم سب بچے چیخ چیخ کر اس نیک کاؤ بوائے کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کر رہے ہوتے ہیں۔ ان فلموں میں ایسے کردار پیش کئے جاتے تھے جن کے اندر صرف اچھائی ہی اچھائی ہوتی تھی اور اگر برائی ہوتی تھی تو برائی ہی برائی ہوتی تھی۔

وہ تشدد پسند ہوتے تھے وہ لوگ ہر مسئلے کو جسمانی تشدد اور اسلحوں کے استعمال سے حل کرتے تھے جیسا کہ مشہور لاہے چہرہ والا کاؤ بوائے ڈبلیو۔ ایس (ایس شیکسپیئر اکم ہیں) ہارٹ ایک فلم ٹمس ہنجر ۱۰ وزنٹ کے قبضہ میں یوں کہتا ہے "پہلے گولی مارو اور پھر بعد میں تکرار کرو"۔ وہ لوگ تشدد پسند تھے اور شاید یہی ان میں یہی ایک خوبی تھی جس سے ان کے عیوب کی تلافی ہو جاتی تھی۔ اب بھی میرے ذہن کے پردے پر وہ منظر تصویر کی طرح عیاں ہے: کاؤ بوائے کی دوست لڑکی (وہ کوئی نائکہ نہیں تھی کیوں کہ ان فلموں میں نائیکائیں نہیں ہوتی تھیں، صرف نائیک ہوا کرتے تھے) کو ریڈ انڈینوں نے پہاڑ کی ایک چٹان کی چوٹی پر جانوروں کو پکڑنے والے ایک کمند کے ذریعہ پکڑا تھا۔ جب اس لڑکی کو پہاڑ کی چٹان کی اس چوٹی پر سے آہستہ آہستہ اٹھایا جا رہا تھا ٹھیک اسی وقت نیک کاؤ بوائے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ وہاں گھوڑا سواری کرتے ہوئے نمودار ہوتا ہے۔ وہ رسّی پر نشانہ بٹھا کر پستول داغ دیتا ہے۔ رسّی گولی سے کٹ جاتی ہے اور اس طرح وہ لڑکی اس کمند سے آزاد ہو جاتی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ لڑکی کمند کی رسی کے کٹ جانے کی وجہ سے آخر میں پر دھڑام کی آواز کے ساتھ گرنے لگتی ہے اور وہ زخمی کاؤ بوائے پہاڑ کی چٹان کی اس چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور درمیان میں ہی اس لڑکی کو وہ اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس کے اس عمل کو دیکھ کر ریڈ انڈینس

حیرت سے گونگے بن جاتے ہیں۔ بلا شبہ ان کے خیالی منصوبوں نے کبھی بھی ان کے حسبِ توقع کام نہیں کیا ہے۔ ہم سب بچے اس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ یہ ایک ناممکن امر ہے پھر بھی اب سوچ کر خوشی حاصل ہوتی تھی کہ وہی بات واقع ہونے والی تھی۔ اس طرح ہم لوگوں نے ممکن اور ظاہر داری کے درمیان دو ہزار سال سے بھی زیادہ قبل ارسطو کے بنائے ہوئے فرق کو اپنے تجربہ میں محسوس کیا۔ چونکہ وہ ظاہر داری خوش بختی ہے اس لئے اسے بحیثیت ممکن قبولیت ملی۔

اس دور میں فلمیں کھیل کود، تماشا اور تفریحی وسائل کے علاوہ اور کچھ تصور نہیں کی جاتی تھیں۔ تفریح کے علاوہ اس کی اور کسی دوسری حیثیت سے کوئی بھی بالکل واقف نہیں تھا لیکن اسی دوران سفید فام انگلو سکسن پروٹسٹنٹ دنیا کے نظریے ہمارے ذہن اور جذبات پر بڑا گہرا نقش مرتب کیا۔ بعد میں ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ حقیقی معنوں میں وہ بھڑ کے ڈنک تھے۔

جو فلمیں مزید انعام بخش رہی ہیں: سینما کی بنجی دریافت میں آنے والا دوسرا مرحلہ اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب ناظرین کو یہ پتہ لگنا شروع ہوتا ہے کہ چند فلمیں دیگر فلموں کے مقابلہ میں مزید انعام بخش/ثمر آور رہی ہیں، جیسا کہ تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ عنصری، احساتی فلم بینی کی خوشی باقی [illegible]تی ہے لیکن اس کی تکمیل چند دیگر خوشیوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے اور یہ خوشیاں متنوع طریقوں سے ہمارے تجربہ کو مزید انعام بخش/ثمر آور بناتی ہیں۔

وہ فلمیں جو اس کی دریافت کے دوران کسی مخصوص ناظر کو دستیاب ہوا کرتی تھیں، اتفاق کا معاملہ ہوا کرتی تھیں۔ میری رائے میں یہ حقیقت کوئی معنی نہیں رکھتی ہے کہ کون سی فلم دستیاب ہوا کرتی تھی۔ برسوں برس تک میں نے طلباء کو ایک طرح کی فلموں سے دوسری طرح کی فلموں کی جانب مبذول ہوتے نہیں دیکھا ہے بلکہ تمام فلموں میں عدم دلچسپی سے مزید دور رس و نکتہ سنج رجحان کی طرف راغب ہوتے دیکھا ہے۔ یہ تبدیلی اس حقیقت شناسی کی دین ہے کہ کچھ فلمیں دیگر فلموں کے مقابلہ میں مزید انعام بخش/ثمر آور رہی ہیں۔ اور کچھ ایسی فلمیں حسبِ معمول تجارتی حلقہ میں بھی دستیاب رہی ہیں۔

جب میں چودہ سال کا ہوا تو میں نے مزید انعام بخش فلمیں دریافت کیں اگرچہ میں اس وقت کسی سینما ہال میں داخل ہونے کے لئے بہت چھوٹا

تھا تاہم مجھے اس دن دکھائی جانے والی فلم دیکھنے کی اجازت مل جاتی تھی کیونکہ اس ہال کا منتظم میرے خاندان سے واقف تھا۔ سینما میں داخل ہونے سے قبل مجھے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ کون سی فلم دکھائی جائیگی۔ ان میں سے ایک فلم سمفونی پاسٹوریل (پاسٹورل سمفونی) تھی۔ اس کے ہدایت کار جین ڈیلا نوئے تھے۔ اس میں دو فرانسیسی اداکاروں — پیری بلانشتر اور میشالی مورگن نے کام کیا تھا۔ اس فلم میں آندرے گائیڈ کی کہانی کو ہو بہو پیش کیا گیا تھا۔ میں ان باریکیوں کو یقیناً پوری طرح نہیں سمجھتا تھا تاہم میں ان کو بلا شبہ بغور دیکھتا تھا۔ اور مجھے مسرت ہوتی تھی کہ میں نے وہ فلم دیکھی۔

کبھی فرانکوئس ٹروفاڈٹ نے ایک تشدد آمیز مقالہ کہانیوں کو اس طرز سے فلموں میں پیش کرنے کے خلاف تحریر کیا تھا۔ اسکول کے ایک طالب علم کی حیثیت سے بھی اس سلسلے میں میری اچھی خاصی جانکاری پیدا ہو گئی تھی۔

کم و بیش اسی دوران مجھے دیگر کیتھولک اسکول کے لڑکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہمارے مقامی بشاپ کے یہاں جانے اور کرسمس کی مبارک باد دینے کا موقع ملا تھا۔ مجھے یاد نہیں آرہا ہے کہ وہ کون سی بات تھی جس نے انہیں یہ کہنے پر راغب کیا تھا کہ مگر ایک نکتہ پر انہوں نے زور دے کر کہا تھا کہ اتوار یعنی روز خدا کو گناہ عظیم ہے۔ میں ان کی اس بات سے مطلق پریشان نہیں ہوا تھا لیکن ان کے اس بیان پر ضرور سنجیدہ ہو گیا جب انہوں نے فرمایا: "میری مثال لے لو، میں کبھی بھی فلمیں دیکھنے نہیں گیا۔" میں اپنے تجربہ سے یہ جانتا تھا کہ ہفتہ کے کسی بھی دن بشمول اتوار فلم بینی نے مجھے گراں قدر تجربے فراہم کئے تھے۔ لیکن بشاپ سے میری ملاقات مفید ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے یہ بتایا کہ مذہبی رہنما اس وقت اپنے کو نہایت مضحکہ خیز بنا ڈالتے ہیں جب وہ خود کو اس میدان میں جہاں ان کی شخصیت کسی بھی زاویے سے میل نہیں کھاتی ہے، موازناتی طور پر معیاری مثال کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

نکتہ یہ ہے کہ سینما کی دریافت کے اس مرحلے میں کوئی یہ جانتا ہے کہ چند فلمیں الہام بخش ہوتی ہیں اور کوئی بھی ان فلموں اور عام طور پر سینما کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔

بعض فلمیں زیادہ معنی خیز ہیں : سینما کی میری دریافت

کے تیسرے مرحلہ کا آغاز روسی فلم ساز ایس ایم ایسنسٹین کی فلم بیٹل شپ پوٹمکن (۱۹۲۵) کی نمائش سے ہوا۔ اس فلم نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اول یہ میرے لئے نئے طرز کی فلم تھی، دوم اس میں بڑی گیرائی تھی۔ اس کے کچھ مناظر ہفتوں سے زیادہ میرے ذہن کے پردے پر نمودار ہوتے رہے۔

برسوں بعد مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایسنسٹین نے اپنی تصویر کا انتخاب کیا اور انہیں اس طرح ترتیب دیا کہ وہ جتنی کہانی نہیں بیان کرتی ہیں اس سے زیادہ خطبہ یا وعظ کا شائبہ ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسنسٹین نے سینما کو دنیا کی نقل کے طور پر نہیں استعمال کیا تھا بلکہ اس نے اسے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے ایک نظام تصاویر کی حیثیت سے استعمال کیا تھا۔ اس نے اس واسطہ کو بحیثیت زبان استعمال کیا تھا۔ میں اس وقت اس کو اس طور پر نہیں لیا تھا لیکن میں سینما کے اس نئے استعمال سے واقف تھا اور اس کی جانب رجوع ہوا تھا۔ اس مرحلہ کے دوران ہر کسی کو اس امر کا علم ہوا کہ سینما کو زبان کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر کسی کے ذہن میں یہ بات بھی عیاں ہوئی کہ سینما کو بطور فن بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ گرچہ اس وقت شاید ناظرین نہیں جانتے تھے کہ کیا خصوصیت فلم کو فنکارانہ بناتی ہے تاہم وہ لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ فلم کی چند رسمی صفات کو کچھ اس طرح روبہ عمل لایا جاتا ہے کہ یہی صفات کسی فلم کے تمام تر تاثرات میں اضافہ کرتی ہیں۔

میرے لئے سینما کا جمالیاتی پہلو مرکزی بن گیا۔ اگر میں رابرٹ بریسن کی فلم "ان کونڈیمنے اے مورٹ سست ایشیپ" (یعنی ایک مفرور شخص کا) کے تجربے کو مد نظر رکھ کر یہ کہوں۔ یہ کوئی دوسری فلم بھی ہو سکتی تھی بشرطیکہ اس میں جمالیاتی امکانات موجود ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی فلموں کی نمائش کو سب ہی لوگ بڑی اہمیت کا حامل تصور کرتے ہیں خصوصاً نوجوانوں کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے تاکہ جتنی جلدی وہ ان جمالیاتی فلموں کا مزہ لوٹیں اور ان کی امتیازی علامت کو سراہیں بہتر ہے۔

المختصر پہلے مرحلہ کے دوران ناظرین فلم بینی کے دوران فلموں کے ساتھ سیمبایوسس میں ہوتے ہیں اور ان کو سراہتے ہیں کیوں کہ یہ فلمیں انہیں تفریح فراہم کرتی ہیں۔ دوسرے مرحلہ کے دوران ناظرین اپنے مشاہدے اور تاثرات کے اظہار میں جانبداری برتنے سے پرہیز کرتے ہیں اور اس حقیقت کو پہنچتے ہیں کہ دیگر فلموں کے مقابلہ میں چند مخصوص

فلمیں انعام بخش / ثمر آور ہوتی ہیں اور تیسرے مرحلہ کے دوران ناظرین اس امر سے واقف ہو جاتے ہیں کہ سینما کو زبان کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس آخری مرحلہ کے دوران فلمیں زیادہ پُرمعنی نظر آتی ہیں۔

سماج فلموں کا تعین کرتا ھے : لیکن فلم کی بیدار مغزی جیسے میں ابتک بیان کر چکا ہوں ناظرین و بذاتِ خود فلم کے درمیان تعلقات کی تنگ حدود کے اندر مضمر ہوتا ہے اور اس فلم کو جدا کردہ شئے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ یہ بیداری کی ایک شکل ہے۔ بیداری کی دوسری شکل اس وقت ارتقا پاتی ہے جب ناظرین اس حقیقت سے روشناس ہوتے ہیں کہ اس طرح کی علیحدگی میں فلمیں زندہ نہیں رہ سکتی ہیں۔ فلموں کو اسی وقت علیحدہ / جداگانہ اشیاء کی شکل میں پایا جا سکتا ہے جب ناظرین کا ذہن انہیں اسی انداز میں دیکھنا قبول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شئے ہر دوسری شئے سے وابستہ ہے۔ جس دنیا میں ہم لوگ رہتے ہیں وہ مسائل سے پُر ہے اور فلمیں اس صورت حال سے دوچار ہوتی ہیں۔ ان میں بھی مسائل ہوتے ہیں یعنی ان کا تعلق ایک یا دوسرے طرز کے مسائل کے جزئیات سے ہوتا ہے۔

جو لوگ فلموں کو علیحدہ رکھ کر سوچتے ہیں وہ لوگ حسبِ معمول اس امر سے ناواقف ہوتے ہیں کہ دیکھنے کے ان کے انداز کا کم از کم ایک متبادل بھی یہاں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ایسنسٹن مثال کے طور پر اس امر سے اچھی طرح واقف تھا کہ اس کی فلم دی بیٹل شپ پوٹمکن کو وہی شخص بنا سکتا ہے جو اپنے سماج میں رائج سوچ وچار کے مخصوص سانچے میں ڈھلے فلموں کے متعلق سوچتا ہے۔ اس نے بڑی حد تک یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ فلموں کو پیش کرنے کا اس کا انداز اس میدان کے پہلے امریکی ہم جو ڈی ڈبلیو گریفتھ جو، نے 'دی برتھ آف اے نیشن' (۱۹۱۵ء) اور انٹالیرنس (۱۹۱۶ء) جیسی عظیم فلمیں بنائی تھیں، کے اندازِ پیش کش سے بالکل مختلف تھا۔ ایسنسٹن نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ گریفتھ ہی اس طرز پر سوچنے والا تنہا شخص نہیں تھا جیسا کہ اس نے کر دکھایا تھا اور جس انداز سے اس نے فن کی تخلیق کی تھی۔ ایسنسٹن نے بتایا کہ گریفتھ نے ڈکنس کے طرزِ فکر پر اپنے خیال کے گھوڑے دوڑائے اور فلمیں بھی ڈکنس کے طرزِ تحریر پر بنائیں۔

المختصر ایسنسٹن کے نظریہ کے مطابق کسی فلم کی خصوصیات کا دار و مدار محض فلم ساز کی غیر معمولی ذہانت پر نہیں ہوتا ہے۔ اس کا دار و مدار کلّی طور پر اس سماج جس سے فلم ساز وابستہ ہوتا ہے، کی چیزوں کے دیکھنے کے انداز اور اس کی نمائندگی پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہالی ووڈ کا فلم ساز خود اس کی ذہانت جو کچھ بھی رہی ہو، فلم دی بیٹل شپ پوٹمکن کو کبھی بنا نہیں پاتا۔

سینما کی دریافت کے اس مرحلہ کے دوران ناظرین اس حقیقت سے روشناس ہوتے ہیں کہ وہ فلمیں جنہیں ناظرین دیکھتے ہیں ایک ایسے سماج کی مظہر ہوتی ہیں جہاں وہ بنتی ہیں۔ اس امر سے بھی انہیں واقفیت ہوگی کہ فلم بین انہیں شوق سے دیکھتے ہیں جو اس سماج کی عکاسی کرتی ہیں جہاں وہ خود رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے ایسنسٹن کی فلم بیٹل شپ پوٹمکن کا غلط محاسبہ کیا وہ دراصل ایک سماج جس سے ایسنسٹن وابستہ تھا، سے بالکل ناواقف تھے۔ یہ فلم ناظرین کے لئے براہِ راست ایک پکار تھی، انہیں انقلاب میں شریک ہونے کی دعوت دے رہی تھی۔ "بھائیو ہمارے ساتھ مل جاؤ" جیسے فقرے تین بار فضا میں گونجے اور ماہی جہازیوں نے رد در رد براہِ راست ناظرین کی جانب دیکھا۔ وہ ناظرین جو ایسنسٹن کے سماج سے وابستہ نہیں تھے اس فلم کو ایک انقلابی نظم کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جو پانچ ابواب میں بحُسن و خوبی منقسم ہے اور وہ جہازیوں کی پکار کو نہیں سن پاتے ہیں۔ ان کی نظر میں یہ فلم بحیثیت ایک فن پارہ تعریف کی بلاشبہ مستحق ہے مگر وہ اسے انقلاب کی پکار کی حیثیت سے کوئی بلند مقام نہیں دے پائے

فلمیں سماجی جد وجہد کا میدانِ عمل ھیں : فلم "دی بیٹل شپ پوٹمکن" نے میرے سینما سے متعلق شعور کو مزید ابھارنے میں بڑی مدد کی ہے۔ جب میں ۱۸ سال کا تھا اس وقت میں نے یہ فلم ایک فلم کلب کے ایک رکن کی حیثیت سے دیکھی تھی۔ فلم سازی کے اس انوکھے انداز جو میرے سامنے رونما ہوا تھا، نے مجھے محض حیرت میں ہی نہیں ڈالا تھا بلکہ اس نے مجھے کسی حد تک انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس سے قبل میں نے بہت ساری ایسی فلمیں دیکھی ہیں جنہوں نے مجھے بڑے گہرے طور پر متاثر کیا تھا لیکن ان فلموں نے مجھے اس حد تک بے چین نہیں کیا جتنا کہ پوٹمکن نے کیا اور میں اپنے اندر پوٹمکن کے پیدا کردہ احساس سے

نباہ نہیں کر پایا۔ اور وہاں کوئی دوسرا بھی نہیں تھا جس سے میں اس سلسلے میں بات کر پاتا۔ درحقیقت میں اس امر سے واقف نہیں تھا کہ وہ مخصوص بے چینی جو میرے زیرِ تجربہ آیا تھا، سے متعلق مجھے کسی سے بات بھی کرنی چاہئے تھی۔ لہٰذا میں نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہ کیا محسوسات تھے؟ اسے پہچاننے میں مجھے برسوں لگ گئے۔

ایسنسٹین نے بذاتِ خود اس امر کی وضاحت کی تھی کہ فلم سازی کے پیچھے موجزن اس کا مقصد "ایک مخصوص کلاس اور جنریشن کے ناظرین کے ذہنوں میں گہرائی تک پہنچنا ہے"۔ مثال کے طور پر ہچکاک کی فلموں کی طرح بہت ساری فلمیں آپ کے ذہن و دماغ کی تہوں تک پہنچی ہیں۔ لیکن بیشتر فلمیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ناظرین دیکھتے ہیں اور ان میں اپنے ماحول کی تصویر کشی سے مسرت ملتی ہے اور ان کے جذبات میں اُبال آتے ہیں لیکن ایسی فلمیں بہت کم بنتی ہیں جنہیں دیکھ کر ناظرین بے چینی یا انتشار کا شکار بنتے ہیں۔ ایسنسٹین کی فلم "دی بیٹل شپ پوٹمکن" نے "ایک مخصوص کلاس اور جنریشن" کے سلسلے میں میرے ذہن میں بڑی گہرائی سے کام کیا ہے۔ ظاہراً میں اس لائحہ عمل کے لئے بالکل تیار نہیں تھا اور یہی میرے انتشار کا سبب بنا۔

اس تنظیر سے یہ اخذ کیا جانا چاہئے کہ سماج میں جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے فلمیں اس کی پورے طور پر آئینہ دار نہیں ہیں بلکہ جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کا جزو ہیں۔ ایک بار ایک جماعت دوسری جماعت پر غالب ہو جاتی ہے۔ یہاں مغلوب لوگوں کے ذہن میں اس امر کی وضاحت لازمی بن جاتی ہے کہ ان پر دوسری جماعت کا غلبہ درست ہے۔ دوسری جانب اس طرح کی وضاحتیں مغلوب افراد کے ذہنوں میں داخل کرنا ممکن ہے۔ اور اسی طرح کی باتیں پوری دنیا میں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ مثال کے طور پر خلیجی جنگ کو لے سکتے ہیں۔ یہاں فوجی طاقت کا عظیم مظاہرہ کیا گیا اور اس طے شدہ یا منصوبہ بند مظاہرہ کا مقصد پوری دنیا کو یہ باور کرانا تھا کہ دیگر بڑی طاقتوں کے خاتمہ کے بعد اب امریکہ ہی واحد اور تنہا طاقت ہے جو ساری دنیا پر بھاری ہے۔ یہ جنگ خلیج میں اتنی نہیں لڑی گئی جتنی یہ دور دراز کے ناظرین کے ذہنوں میں لڑی گئی۔ جو لوگ اس جنگ کے دوران مارے گئے ان کو کسی اہمیت کا حامل ہی نہیں سمجھا گیا اور جن لوگوں نے جنگ آزادی لڑی ان کی عالمی ٹیلی ویژن پر بڑی شدومد کے ساتھ تشہیر ہوئی۔ اس طرح ٹی وی کی خبریں اتنی زیادہ اس جنگ کی نمائندہ نہیں رہی ہیں جتنی کہ خود جنگ خبروں پر مسلط تھی۔

اس مرحلہ میں اس امر سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے کہ دیگر ذرائع عوامی ابلاغ کی طرح سینما ایک ایسا کلاس میڈیم ہے جس کے اندر لوگوں کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے حالانکہ یہی لوگ پورے طور پر اسے سبسیڈائز کرتے ہیں۔

<u>ہندوستان: سینما سے ٹیلی ویژن کی پیداوار تک</u>: سینمائی بیداری کی نشوونما میں اس کے مختلف ادوار کا مطالعہ انفرادی طور پر ہندوستان میں مجموعی طور پر کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں سینما کی تاریخ جدوجہد آزادی کی تاریخ کے تقریباً ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے۔ آزادی سے قبل ۱۹۴۷ء تک کی جدوجہد اور تب نوآبادکاری کے خاتمہ کی کوششیں۔ جو بات ذہن کو پہلے لگتی ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہندوستان کی حکومتوں نے آزادی سے قبل اور اس کے بعد بھی سینما کو خصوصی توجہ کا مرجب قرار دیا گیا ہے۔ اشارہ یہ کہتا ہے کہ ان لوگوں نے سینما کی سیاسی اہمیت کو اپنے ذہن میں رکھا تھا۔

فلم کی پیش کش اور نمائش سے متعلق قوانین میں مداخلتوں کی تعداد حیرت انگیز ہے۔ میں ان میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں جو ۱۹۱۳ء کے بعد اہم ترین اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کی شروعات ہندوستانی فلم پروڈکشن راجا ہریش چندر سے ہوتی ہے۔

۱۹۱۸ء میں انڈین سینماٹوگراف ایکٹ روبہ عمل آیا۔ مذکورہ ایکٹ نے فلموں کی سنسرشپ اور سینما ہالوں کو لائسنس فراہم کرنے کی سہولت فراہم کی اور ۱۸۷۶ ڈرامائک پرفارمنس ایکٹ کی جگہ سینما پر مذکورہ بالا ایکٹ لاگو ہوا۔ ۱۹۲۷ء کے دوران انڈین سینماٹوگراف کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔

۱۹۴۰ء کے دوران فلم مشاورتی بورڈ قائم ہوا جس نے وار الیفورٹ فلم سازی اور اس کے پروڈکشن کو بڑھاوا دیا۔ ۱۹۴۳ء کے دوران حکومت کی جانب سے منظوری پانے والی فلموں کی لازمی نمائش عمل میں آئی۔ ۱۹۴۸ء میں فلم ڈویژن کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۴۹ء کے دوران فلم انکوائری کمیٹی بنی۔ حکومت کی جانب سے منظوری پانے والی فلموں کی لازمی نمائش عمل میں آئی۔ ۱۹۵۱ء میں فلم سنسرشپ کے مرکزی بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۵۲ء کے دوران

سینماٹوگراف ایکٹ پاس ہوا اور اس نے ۱۹۱۸ء کے ایکٹ کی جگہ لے لی۔ ۱۹۵۵ء کے دوران بچوں کی فلم سوسائٹی بنی۔ ۱۹۶۰ء کے دوران فلم فنانس کارپوریشن کا قیام عمل میں آیا۔

حکومت کی چند مداخلتوں کی وجہ سے ہی حکومت پر جماعتی دباؤ پڑے تھے مذکورہ جماعتیں یا تو حکومت کے ساتھ اشتراک سائے ہوئے ہیں یا حکومت کی مشنری کو ان کے اپنے مفاد کو فروغ دینے کے لئے کام میں لا رہی ہیں۔ دونوں ہی معاملوں میں سینما پر حکومت کے اختیارات کی تصدیق کی جا چکی ہے اور موجودہ اختیارات کی درستگی یا معقولیت کی بھی توثیق کی جا چکی ہے۔

دوسری جانب ہندستان میں کسی کسی کو معمولی فلم اسکالرشپ ملتی ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ علماء و فضلاء اب تک سینما کے اس مقام سے واقف نہیں ہیں جو ان کے درمیان حائل ہیں۔ مذکورہ بالا چار اور پانچ مرحلوں کی تفاصیل اب تک ان تک نہیں پہنچی ہے۔ اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ کچھ کارروائی بشمول سیلابار ار کے تقریباً ۵۰ برسوں کے بعد مرحوم ستیہ جیت رائے نے اس بات پر زور دیا کہ یہی موزوں وقت ہے جب سینما کو بطور مطالعات اپنے نصاب میں یونیورسٹیاں شامل کریں، کا آغاز ہوا۔ یہ وسط اسی کی دہائیوں کا دور تھا۔ اس کے بعد سے پھر کوئی کارروائی آگے نہیں بڑھی۔ لہٰذا آج ہندستان مطالعاتِ فلم کے میدان میں پیش رو ممالک سے کم از کم ۲۰ برس پیچھے ہے۔

فلم سوسائٹیوں کی تشکیل ۱۹۴۰ء کی آخری دہائیوں کے دوران ہوئی اور ان کی مفید کارگزاریاں آج ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ مں اور زبان (مرحلے دو اور تین جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) کی حیثیت سے سینما کی بیداری نے بڑی حد تک تعلیم یافتہ عوام میں فروغ پایا ہے لیکن مذکورہ سوسائٹیوں کی کمٹمنٹ میں کمی ہی وہ علامت ہے جس نے انہیں کچھ فلموں کی حمایت اور کچھ کی مخالفت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسی علامت کی وجہ سے ہمارے علماء و فضلاء اب تک سینما کی سیاسی فطرت سے ناواقف رہے۔ سماجی زندگی میں سینما کے حقیقی رول کی بیداریوں نے بذریعہ اگر کوئی اس کا محاسبہ سینما بحیثیت سماجی طاقت کے موضوع پر حال ہی کے دوران شائع ہونے والے چند مقالوں اور کتابوں کی بنیاد پر کر سکتا ہے، فروغ پانا شروع کیا ہے۔

عوام کے لئے وہ لوگ آج بھی انہیں دکھائے جانے والے فلموں کے

ساتھ سینما پرستی کے خوش کن دوڑ سے دوچار ہیں۔

قومی شناخت اور ہندستان کے سینما : ہندستانی سینما کے بابو دادا صاحب پھالکے نے نہایت ہی مؤثر انداز میں دعویٰ کیا ہے کہ ہندستانی فلم صنعت کی تخلیق میں ان کا ایک زبردست حصہ ہے جس کی ابتدا نیشنل لبریشن تحریک کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ بہر کیف اس وقت سے آزادی کی جد وجہد کے دوران تک ہندستانی قومی شناخت نام کی کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ سیاسی رہنماؤں کو اس شناخت کی تشکیل کرنی پڑی تھی۔ پھالکے اور ان کے جیسے بہتوں کے لئے شناخت محض طور پر ہندو تھا۔

پھالکے نے بین الاقوامی سطح پر سینما میں بیان و فرمائش کی کچھ ایسی شکلوں کو رواج دیا جو ہندستان میں کم از کم کچھ لوگوں کو بہت ہی عجیب غریب معلوم ہوئیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی فلموں میں ہندستانی رزمیہ ادب پاروں اور اساطیری خصوصیات کو خصوصی مقام بخشا جس درخت کے اس کی آبیاری و پرورش کی۔ یکے بعد دیگرے فلموں میں مذہب اور قومیت کی عکاسی کی جاتی رہی۔ مزید برآں قوم کی شناخت دیوی ماں سے کی گئی اور اس طرح ایک اعلیٰ اور بلند مرتبہ عورت کے کردار کو بھی پیش کیا گیا۔ ان تمام چیزوں نے ایک الجھاؤ سے بھری مائندگی کو پیش کیا جو قوم/عورت/ماں کے گرد رقص کرتی تھی۔ بار والے کو بھی ان لوگوں کی شناخت جن کو ہندستانی قرار دیا جا سکتا تھا اور ان کی جو سے ان کی ہندستانیت چھین لی گئی تھی، کی شناخت کو باور کرانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس طرح ایک مخصوص ریتوفوبیا کو فلموں میں داخل کر گیا تھا۔

پچھلے واقعات کا جائزہ لینے کے دوران یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ہندستانی شناخت کی تخلیق کی جستجو میں آزادی سے قبل ہندستان کے سیاسی رہنماؤں نے غیر دانستہ طور پر انگریزوں سے جنگ کے دوران انگریزوں کے کام کو جاری رکھا۔ انگریزوں کو اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ ہندستانیوں کو ایک شناخت میں ایمان رکھنے والا بنائیں۔ اس طرح کے عقیدہ سے پیدا شدہ ہندستان کو ایک دھاگہ میں پرو کر رکھنے کے لئے لازمی تھا اس لئے آزادی سے قبل کے ہندستانی رہنماؤں نے مذکورہ بالا عقیدہ کو قبول کیا اور فروغ دیا۔ لیکن عقیدہ نے اسی وقت تک ٹھیک سے کام دیا جب تک انگریز سلطنت کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کرنے کی بات برقرار

لیکن ہندستان کو آزادی مل جانے کے بعد قومی شناخت کے اس عقیدہ کو برقرار رکھنا بہت ہی مشکل ہو گیا۔

خصوصاً یہ بات جلد ہی واضح ہو جاتی ہے کہ عقلیت پسند اور ایتھنک گیٹر ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ چند ایتھنک جماعتوں نے قومیت کو تلاشا ہے تاکہ اپنی شناخت کو مضبوط بنا پائیں اور تحفظ دے پائیں۔ مذہبی جماعتوں کے علاوہ ہندستان میں بے شمار ایتھنک جماعتیں بھی ہیں۔ آج دنیا بھر میں نیشنل۔ اسٹیٹ سیاسی انٹیٹی کی حیثیت سے ٹھیک طور پر کامیاب نہیں ہو رہا ہے۔ نیشن۔اسٹیٹ کے ذریعہ ایک تصوراتی قومی شناخت کے تحفظ کی فراست کو لوگ آج تحیر کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ادائلی دنوں کے دوران نیشن۔ اسٹیٹ کے تصور کو وضاحت حوشاہی آئیڈیالوجی کی سرپرستی میں کی گئی تھی، کو سمجھنا آسان نظر نہیں آرہا تھا۔

یہ امر اس پس منظر کے برعکس ہے کہ اس طرح ہندستان میں ٹرانس نیشنل کارپوریشنس اور فلموں کی موجودگی خصوصاً سٹالیوں کے میدان میں مماسبہ کی طلب گار ہے۔ ان میڈیا مصنوعات کے سامنے ہندستانی قومی شناخت کے متعلق بڑی تشویش رہی ہے، جن کی بوچھار ہندستانی عوام پر ہو رہی ہے۔ فطری طور پر ٹرانس نیشنلس کسی بھی قوم سے وفاداری نبھانا پسند نہیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ کسی مخصوص ثقافت پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے ہیں۔ ثقافتی تخلیقات جنہیں یہ لوگ نشر کرتے ہیں سبھوں کے لئے اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہیں۔ ان کی جڑیں نہیں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ تمام افراد کو امکانی صارفین کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ بلاشبہ کسی دیگر شناخت کو استحکام نہیں بخشیں گے لیکن کوئی بھی ہندستان کے معاملہ میں یہ پوچھ ہی سکتا ہے کیسی شناخت؟ اور کون سی قوم؟ مزید برآں یہ امر فطری ممکن ہے کہ قومی شناخت کو تحفظ بخشنے کے عمل کو خالص اور سہل سنسر شپ کا دوسرا نام دیا جائے۔ اس میدان کے ایک ماہر نے حال ہی میں ہم لوگوں کو پیش آنے والے ایک مسئلہ کی تشکیل کی ہے۔

"ٹرانس نیشنل اختیار و ثقافت کی اس ترتیب میں مردہ علاقائی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر کس طرح خود کو رکھا جائے؟ اصلیت کی واپسی ایک بند راستہ ہے۔ دنیا کے زیادہ تر حصہ میں اب تک اس طرح کی کسی شئے کا وجود نہیں ہے۔ مقامی ثقافت اور تاریخ کی بقا کے ساتھ سیاحت کے واسطے اور عجائب خانوں میں انہیں بغیر مومیائے (مسالہ لگا کر محفوظ کئے) معیشت اور سیاست میں تب کس طرح توازن کا برقرار رکھنا ایک اہم ترین سوال ہے اور جس کا بہر حال اب تک کوئی جواب نہیں ملا ہے۔"

ٹیلی اسفیئر میں ہندستانی سینما : بلاشبہ سینما اور اس کے ساتھ ساتھ ہندستانی سینما جیسا کہ ہم لوگ جانتے ہیں ماضی کی ایک شئے ہے۔ بہر کیف یہ بڑی گراں قدر ہے۔ یہ آگے ترقی کے کن منازل کو طے کرے گی اس کے متعلق کچھ کہنا دشوار ہے کیونکہ وقت اور مقام اس کی راہ میں حائل نہیں ہیں۔ آج دنیا آپس میں سیٹلائٹس، ٹیلی فون، کیبل ہر قسم کے طاقتور کمپیوٹروں کی لہروں سے اس طرح جڑ گئی ہے کہ اب مقامی فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔ جگہ اور وقت کا تصور کم ہوتا جا رہا ہے۔ اب ہمارے پاس جینے اور بقا کے لئے نہ ہی وقت ہے اور نہ ہی مقام۔ اب ہمارے پاس وقت کی ترتیب کے لئے وقت نہیں ہے۔ نئی مشینوں اور ان سے ملنے والی ثقافتوں کی ترقی کی رفتار ہمارے اس سمجھنے بوجھنے کی رفتار سے بہت تیز ہے کہ وہ ہمارے لئے کیا کر رہے ہیں۔

اگرچہ یہ امر واضح ہے کہ شہنشاہیت اور نو آبادکاری جنہیں سینما سے زبردست قوت ملی تھی، ابھی فی الحال ٹیلی ویژن کی مدد سے مطلق العنان طور پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ گزشتہ ۴۰ سال یا اس سے بھی زیادہ پہلے سے انتظامی اور پیشہ ورانہ نو آبادیاتی نظام جس نے دنیا کے تقریباً ۷۵ فیصد حصہ پر نظم و نسق کا انتظام سنبھال رکھا تھا، نے زیادہ منافع بخش اور کارگر اور اس کے ساتھ ساتھ زیادہ پُر فریب استحصال کے طریقوں کو بڑھاوا دیا۔ تقریباً ۱۲۰ ممالک کو نام نہاد آزادی ملی۔ آزادی ملنے کے بعد انہیں پتہ چلا کہ وہ پہلے کے مقابلہ اب کسی دوسری طاقت کے زیرِ اثر زیادہ ہیں۔ چوں کہ اکثر لوگ شناخت نہیں کر پاتے ہیں اور طاقت کی حصولی کے لئے وہ تنہا آگے بڑھتے ہیں۔ اپنے گھر میں ایسے مسئلوں میں آپس میں الجھ پڑتے ہیں جن کا ان کی غلامی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت حال میں مقامی جاگیردار حضرات ان کے حالات سے شاید واقف ہوتے ہیں کہ نیشن اسٹیٹ اب بستر مرگ پر ہے اس لئے جو کچھ بھی دولت گھر میں موجود ہے اس پر قابض ہونا چاہئے۔ "باہر والے" بھی اب اندر

داخل ہو جاتے ہیں اور ان مقامی لوگوں میں خوب گھل مل جاتے ہیں جن کا مقصد ٹرانس نیشنل مقاصد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ گاندھی جی نے اپنے دور میں اس طرح کے واقعات کو وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور انہوں نے سختی سے اس کو خلاف آواز بلند کی تھی۔

سینما یہاں درج شدہ سیاق وسباق کے تحت دیکھا جانا چاہیئے۔ اس بات پر یقین کرنا مشکل ہے کہ سینما کی فرسودہ اور بے ڈول ٹکنالوجی اپنا وجود قائم رکھے گی۔ اسی دوران وہ حالات جن کے تحت فلمیں دیکھی جاتی تھیں ان میں زبردست طور پر تبدیلی گھر گھر میں ٹیلی ویژن کے داخلہ کے ساتھ آئی ہے۔ اس طرح ان حالات (بڑے پردے، پروجیکشن، ابہام، اجتماعی فلم بینی، ایسے ایک خصوصی مقام کی حیثیت سے سینما ہالوں میں فلم بینی وغیرہ) کے ساتھ دنیا کی نمائندگی کرنے والے ایک آلہ، قصہ گوئی کے ایک وسیلہ اور ان سبھوں سے اوپر دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے واسطہ کی حیثیت سے سینما ایک عہد پارینہ کا ایک عکس بن چکا ہے۔

فی الحال سینما کی بیداری کو ٹیلی ویژن کی بیداری تک توسیع دینی پڑے گی۔ اس سلسلے میں پہلے قدم کے طور پر شاید ٹیلی ویژن سے مبترا مقامات کی تشکیل کرنا ہوگی یا ان مقامات کو تحفظ بخشنا ہوگا خواہ وہ مقامات کتنے ہی چھوٹے اور تنگ کیوں نہ ہوں اور ان کے لئے افراد اور چھوٹی جماعتوں کو بھی یکجا کرنا ہوگا جو ان کا انتخاب کریں۔ طاقتوں کو عالمگیر بنانے کے سلسلے میں ٹیلی ویژن تمام لوگوں کو حاشیائی بناتا ہے۔ آج امید حاشیائیوں میں پنہاں ہے۔ حاشیائیوں میں مقیم لوگوں کو چاہیئے کہ وہ بذات خود ٹیلی ویژن کو حاشیائی بنانے کی کوشش کریں۔ ٹرانس نیشنلس نے کونیشن اسٹیٹ کو حاشیائی بنانے کا طریقہ دکھایا ہے لیکن جہاں کہیں بھی مناسب سمجھیں، اس کے قانونی اور ملٹری آلات کو استعمال میں لائیں۔ اسی طرح حاشیائی لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آئیڈیالوجیکل اور روحانی مقامات کے حاشیہ پر ٹیلی ویژن کو برقرار رکھیں لیکن جو کچھ فائدہ ٹیلی ویژن سے حاصل ہوتا ہے اسے اپناتے ہوئے اپنے استعمال میں رکھیں۔ اس دوران ٹیلی ویژن ایک ٹکنالوجی اور ایک ادارہ بن چکا ہے اور اس سے ایک نئے ثقافت کی نمود ہوگی۔ سطحی طور پر ٹکنالوجیکل ترقیات

"آیوان دا ٹیریبل" کا ایک منظر

کے ذریعہ اس کا محاسبہ کرنے کے لئے ٹیلی ویژن کی ایجاد شاید اب تک ہو ہی نہیں پائی ہے۔ لیکن سینما کے برعکس ٹیلی ویژن کی ایجاد ہو گئی ہے کسی کو خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹیلی ویژن ان انسانوں سے نہ تو بہتر ہی ہوگا اور نہ ہی بدتر جو اس کی تخلیق کرتے ہیں اور اسے استعمال میں لاتے ہیں۔

وہ مسائل جن سے سینما اور ٹیلی ویژن دونوں ہی دوچار ہیں، رائج الحال ٹرانس نیشنل کارپوریٹ عالمی بازار نظام کے قواعد و مفروضات پر مشتمل ہیں۔ یہ وہ امر ہے بالآخر جسے سینما سے وابستہ ہر کسی کو واقف ہونا چاہیئے اور یہ اپنی جگہ ایک عظیم تجربہ ہے۔ یہی تجربہ ٹیلی ویژن کو بھی ایک تجربہ بنانے کے لئے مطلوب عقل و فہم فراہم کرے گا ❖ ❖

اطلاع

قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ پوجا کی تعطیلات کی وجہ سے "مغربی بنگال" کا گذشتہ یکم اکتوبر کا شمارہ شائع نہ ہو سکا۔ (ادارہ)

اچھی فلم ـــــ بمقابلہ ـــــ بُری فلم

ـــــــــ راحت متراؔ

سینما کے ۱۰۰ سال

سچ تو یہ ہے کہ صرف دو طرح کی فلمیں ہوتی ہیں ـــ اچھی فلمیں اور بُری فلمیں۔ دوسری تمام قسمیں غیر متعلقہ ہو جاتی ہیں، اگر ہم حقیقت میں فلم کو اپنی زندگی سے وابستہ کرلینا چاہیں، صحیح طور پر اپنی زندگی کو مالا مال کرنے کے لئے۔ یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ فلم اپنی صد سالہ وجودیت کے باوجود اپنے عظیم مقام کو کھو دینے کے لئے منظرِ عام پر آرہی ہے۔ اس نے جو کوالیٹی ٹکنیک اور جمالیات دونوں میدانوں میں حاصل کی تھی اس میں اچانک تنزّلی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ فلم میں پبلک کی دلچسپی جو چند سال قبل تک اس کی سبیل میں تھی اب اس سے دور ہٹتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

اگر اس تنزّلی پر قابو نہیں پایا جاتا تو انسانی ثقافت اور انسانی تہذیب اس کی زبردست شکار بنے گی۔ سینما کے اس انحطاط کو اچھی فلموں کی جگہ بُری فلموں میں دیکھا جا رہا ہے۔

آیئے اب پرکھیں! اچھی فلمیں کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف آپ کیا کرتے ہیں۔ اچھی فلموں میں یقیناً کچھ ایسی مخصوص خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو واضح طور پر بری فلموں میں موجود خصوصیتوں سے مختلف ہیں۔ اچھی فلم کی ایک خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اسے بنانے کے پیچھے بنیادی طور پر پیسہ بنانے کا تصوّر بالکل کارفرما نہیں ہوتا ہے۔ اچھی فلمیں بنانے والا پروڈیوسر / ہدایت کار کے ذہن میں ان کے تجارتی پہلو کو ضرورت سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ایک مخصوص دور میں رائج عوامی مذاق کی مانگ کو بلاشبہ ذہن میں رکھتے ہوئے حقیقت پسندی یا متجب تصورات کے ذریعہ حقیقت پسندی پر غلبہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے سماجی و انفرادی مسائل کی جستجو کی مہم حقیقی معنوں میں چلاتا ہے۔ اس کی فلمیں کبھی حقائق کی تصویر کشی کرتی ہیں، کبھی تمثیلی طرز کا مظہر ہوتی ہیں یا علامتی۔ زندگی کے حقائق کو سمجھنے یا زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش اس کی فلموں میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

فن کے ہر قدم پر فروغ کو پُر یقین بنانے کے لئے تجربہ کا ہونا لازمی ہے۔ سینما کے میدان میں بھی یہ حقیقت پوری کھری اترتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں سینما بے شمار اور بیش بہا تجربات سے مالا مال ہوتا ہے۔ ان ممالک میں اطالوی نیورئیلزم (حقیقت پسندی) فرینچ نوویلے ویگ وغیرہ سے متعلق بے شمار تحریکیں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ ان تحریکوں میں شعراء، مصوّر، موسیقار، ادباء، ڈرامہ نگاروں اور دانشوروں نے مذکورہ تحریکوں کو مذکورہ ممالک کی عوام میں قابلِ قبول بنایا۔ الغرض آج وہی تحریکیں سینما کی تاریخ میں گراں قدر سنگِ میل کی حیثیت

رکھتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے لئے ہمارے سینما کو بڑی مشکل سے کسی گراں قدر تجربہ سے دوچار ہونا پڑا ہوگا۔ سینما ہمارے یہاں ایک ایسی سستی تفریح کا واسطہ رہا ہے جس نے ہمارے لوگوں پر جادو کر ڈالا ہے اور انہیں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتا ہے۔ دانشوروں نے بہت پہلے ہی اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے کیونکہ یہ سستی تفریح کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا ہمارے ملک میں اچھی فلموں کے تصور کو جنم لینے میں کافی عرصہ لگ گیا۔ بالآخر ۵۰ ویں دہائیوں کے دوران یہ نمودار ہوا اور گزشتہ ۴ برسوں تک رفتہ رفتہ ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا آج سینما ہماری موجودہ سینما کے مرحلہ کو آ پہنچا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس! قبل اس کے کہ یہ اپنی جڑیں دستیاب مٹی میں جاتے، الیکٹرانک میڈیا کی آمد نے اس کی اس مٹی کو تہس نہس کر ڈالا۔ اچھی فلمیں آج بھی لڑکھڑاتی اور گھسٹتی ہوئی بہت پیچھے رہ گئی ہیں

۴۰/۳۰ کی دہائیوں سے ہم لوگ اپنے سینما میں کچھ مختلف قسم کی فلمیں دیکھ پا رہے ہیں۔ ان کے پہلے لفظ میں 'بری' نہیں جوڑا جا سکتا ہے کیونکہ ان میں کبھی بھی عریانیت، بازاری پن اور تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا ہے انہیں "اچھی فلمیں" بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان فلموں میں سماجی قدروں، اخلاقیات اور جاگیردارانہ سماجی طرزِ زندگی کو تحفظ بخشنے کے بجائے ترقی پسند لائحہ عمل کی عکاسی کی گئی ہے۔ حسبِ معمول انکی مراد ایک بڑے اور مکمل خاندان سے خطاب کرنا اور سطحی طور پر ان پر بڑے اثرات کا ثبت نہ ہونا ہے۔ یہ رجحان ۷۰ ویں دہائی تک جاری رہا۔ سترویں اور اسی ویں دہائیوں کے اوائل میں ہم لوگوں نے اپنے ملک میں ایک مختلف صورت حال دیکھی ہے۔ عدم استحکام کی علامتیں سماجی اور سیاسی صورت حال میں دیکھی گئی ہیں۔ ان کی عکاسی اگرچہ ہماری فلموں میں خاطر خواہ طور پر نہیں ہو پائی ہے۔ کل منظر کو سامنے رکھا جائے تو شاید یہ دور ہماری اچھی فلموں کا بہترین دور گزرا ہے۔ فلم سوسائٹی تحریک نے فلم ثقافت کی توسیع میں اپنی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اس وقت تک ٹی وی اور ویڈیو سے فلم کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا اور الیکٹرانک میڈیا اس وقت تک کافی فاصلے پر تھا۔ ہمارے "دیگر سینما" اس وقت ایک خاص چمک دمک کے ساتھ رو بہ فروغ تھے اور سارے عالم سے داد و تحسین حاصل کر رہے تھے۔

۸۰ ویں دہائی کے اواخر اور نویں دہائی کے اوائل کے دوران مذکورہ صورت حال میں ایک بڑا بدلاؤ آیا۔ مذکورہ بالا عدم استحکام ہمارے سماجی اور سیاسی صورت حال میں داخل ہو چکا تھا۔ اخلاقی بحران ہم لوگوں پر غالب آ چکا تھا۔ عدم استحکام کی یہ صورت حال عالمگیر پیمانہ پر ایک حقیقت ہے۔ اس کی جھلک فلمی ثقافت میں بھی ملتی ہے۔ فلم بینی کے دن گزر گئے۔ فلموں کے جمالیاتی معیار میں یکایک گراوٹ قابلِ غور ہے۔ ہندوستان میں الیکٹرانک میڈیا نے خصوصاً اچھی فلم کو اس کی جڑوں سے ہلا ڈالا ہے۔ ہمارے سینما دیکھنے والے لوگوں کو جو اچھی فلموں کا مذاق اپنے اندر رکھتے ہیں اور وہ اب تک یہ فیصلہ نہیں لے پاتے ہیں کہ کیا اچھی فلمیں صحیح معنوں میں لوگوں کے لئے اچھی ثابت ہوتی ہیں اور بری فلمیں اتنی بری ہوتی ہیں کہ وہ ہمارے مذاق اور ثقافت کو سیاہ کاری کی جانب لے جاتی ہیں، بڑی الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کسی بھی اچھے مواد پر مبنی اچھی فلموں کو پس منظر میں ڈال دیا جاتا ہے۔

ہندوستان کے ہر بین الاقوامی میلے کا انعقاد ایک نہایت ہی اہم وقت پر کیا جاتا رہا ہے۔ ایک جانب کوئی بھی یہ غور کر سکتا ہے کہ اگر ہمارے ملک کے ہاتھوں میں ریاستی امور سونپے جاتے ہیں تو اس میلہ کا انعقاد ہمارے ملک میں زیادہ قابلِ قدر ہوگا کیونکہ ہمارے یہاں فلم کے شائقین زیادہ ہیں۔ دوسری جانب کوئی یہ سوال بھی اٹھا سکتا ہے کہ کیا ہمارے فلم بینوں اور فلم سازوں کو عالمی سینما کے ارتقاء سے دور رکھنا عقلمندی ہوگی؟ کیا یہ ہمارے "اچھے سینما" کے لئے اچھا ثابت ہوگا؟ خواہ کسی کے ملاحظ کچھ بھی ہوں مگر ہر کسی کو اپنے ذہن میں یہ بات صاف طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ (الف): ایک مفید فلمی ثقافت روبہ زوال ہو کر قریب مرگ تک جا سکتی ہے۔ (ب): اچھے سینما کو فلمی میلہ اور سال بھر فلموں کی نمائش کے ذریعہ فروغ دینا لازمی بن گیا ہے اور (ج): اس طرح کی فلمی سرگرمیوں کو سرکار کی قومی فلمی پالیسی کا ایک جزو بنانا چاہئے۔

آئیے! ہم لوگ فلمی بھائی چارگی اور اخوت کو چراغِ راہ بنائیں جیسے کہ یہ ہمارے ماضی میں رہا ہے ••

ستیہ جیت رے ـــــ قومی و بین الاقوامی شخصیت

ـــــــ کلیان بسواس

ابھی جب پوری دنیا میں سینما کی صد سالگرہ منائی جارہی ہے۔ ہمارا ملک ہندستان بالخصوص مغربی بنگال بھی سینما سے متعلق گوناگوں ثقافتی پروگراموں کے ذریعہ صد سالہ تقریبات میں شامل ہو گیا ہے اور آئندہ ۹ر نومبر ۹۵ء سے کلکتہ فلم فیسٹیول کا اہتمام بھی کرنے جارہا ہے۔ ایسی ہماہمی میں فلم کی شہرہ آفاق شخصیت ستیہ جیت رائے کی کمی کا احساس ہونا لازمی ہے۔ ستیہ جیت رائے اب ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی یاد آج بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس موقع پر ہم اس مضمون کی اشاعت کے ذریعہ انہیں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ ـــــــ ٭ ادارہ

۲۳ر اپریل ۱۹۹۲ء کی وہ اندوہ ربا شام کسے یاد نہیں ہے۔ اسی شام ۵ بجکر ۴۵ منٹ پر ہندستانی سینما کے مردِ آہن اور نشاۃ ثانیہ کے علمبردار ستیہ جیت رائے بے رحم موت سے زبردست جنگ لڑتے ہوئے یک لخت خاموش ہو گئے اور جیسے ہی یہ خبر پھیلی چاروں طرف غم واندوہ کے بادل چھا گئے اور شہر کا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو اپنی آنکھوں سے امڈتے ہوئے اشکوں کو روک پایا ہوگا۔

دراصل ربندرا ناتھ ٹیگور کے بعد بین الاقوامی ثقافتی نقشے میں رائے کی شخصیت بلاشبہ ایسی تھی کہ آج بھی ہندستان ان پر ناز کرتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ تاریخ میں ستیہ جیت رائے کا مقام ایک ایسے حساس فنکار کا ہے جو اپنے اردگرد کی اشیاء کے متعلق ایک آفاقی نقطۂ نگاہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رائے کی بنائی ہوئی ہر فلم نے دنیا بھر کے انعامات واعزازات

ستیہ جیت رائے ـــــــ ۱۹۹۲ - ۱۹۲۱ء

حاصل کئے ہیں اور تمام دنیا کے ناظرین کے دلوں کو چھوا ہے۔

رائے کی پیدائش ۲ر مئی ۱۹۲۱ء کو ہوئی تھی۔ ان کے والد کا نام شوکمار رائے تھا۔ آپ بھی بچوں کے ایک شہرہ آفاق ادیب تھے لیکن رائے کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب رائے کی عمر محض دو سال تھی۔ ستیہ جیت کی ابتدائی تعلیم کلکتہ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے پریسیڈنسی کالج سے گریجویشن کیا لیکن انہیں بچپن ہی سے مصوری اور تصویریں بنانے کا شوق تھا اسلئے ان کی والدہ نے انہیں فنونِ لطیفہ کی رسمی تربیت حاصل کرنے کیلئے شانتی نکیتن میں

داخل کرادیا۔ اور ۱۹۴۰ء میں انہوں نے شانتی نکیتن کے اُس کلا بھون
میں داخلہ لیا جہاں نند لال بوس اور خصوصاً بنود بہاری مکھرجی کی صحبت
کے اثرات نے ان کے فنونِ لطیفہ اور ہندستانی وراثت کے تصور کو مالا
مال کیا۔ مزید براں یہ وہ دور تھا جب انہوں نے اپنے تین ساتھیوں کے
ساتھ فنونِ لطیفہ سے متعلق عظیم ہندستانی روایات کے براہِ راست
تجربے کی حصولی کی غرض سے اجنتا، ایلورا، سانچی جیسے لاتعداد مقامات
کی سیر کی۔ اپنے ایک انٹرویو میں جو چند ماہ پہلے ایک جریدہ میں شائع
ہوا تھا، رائے نے تفصیل سے یہ بتایا تھا کہ مذکورہ بالا سیر و سیاحت نے
رائے کی مصوری سے متعلق تصورات کو کس طرح مالا مال کیا تھا۔ رائے
کے الفاظ میں وہ بصری فن کی بلند معیاری اور لطافت دیکھ کر بہت
متحیر ہو گئے کہ ہندستان کے ایسے اعلیٰ اقدار اور بیش قیمت فن کے
خزانے آج بھی محفوظ ہیں۔

شانتی نکیتن سے لوٹ آنے کے بعد جلد ہی رائے نے ایک
کمرشیل آرٹسٹ بننے کا فیصلہ کیا۔ الغرض رائے نے ایک لے آؤٹ
آرٹسٹ کی حیثیت سے برٹش ایڈورٹائزنگ فرم بنام ڈی۔ جے کیمر
میں نوکری کرلی۔ کیمر فرم میں رائے نے مشہور فنکار آنند منشی، جو بعد
میں فرم کے ڈائرکٹر بھی بنے، کی ماتحتی میں کام کیا۔ مذکورہ بالا فنکار نے
ستیہ جیت رائے کے کمرشیل آرٹ سے متعلق فکر و فن کو بہت متاثر
کیا۔ اس تاثر کی جھلک سگنٹ پریس میں کام کے دوران رائے کے
تیار کردہ ڈیزائن میں نظر آتی ہے۔

مصوری کے علاوہ ستیہ جیت مغربی کلاسیکل موسیقی اور فلموں
خصوصاً ہالی ووڈ کی فلموں کی جانب بہت زیادہ مائل تھے اور وہ بیشتر
انہیں دیکھنے جایا کرتے تھے۔ لہٰذا جب ۱۹۵۰ء میں کیمر کی انتظامیہ نے
ستیہ جیت کو اپنے لندن کے دفتر میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تو رائے کو
عالمی سنیما سے خود کو زیادہ قریب کرنے کا ایک سنہری موقع ملا۔ لندن
میں صرف نصف سال قیام کے دوران رائے نے تقریباً ۱۰۰ فلمیں دیکھیں
اور بے شمار فلمی ہستیوں سے ملے۔ لیکن سب سے زیادہ جس فلم نے انہیں
متاثر کیا وہ "ویٹوریو ڈی سائکا کی فلم "بائیسکل تھیف" تھی۔ رائے کے اپنے
الفاظ میں "مذکورہ فلم نے مجھے چاروں خانے چت کردیا اور ہر شئے سے
متعلق میرے تصورات میں ایک نیا انقلاب آیا۔"

اس تجربے نے رائے کو بحیثیت ہدایت کار سنیما کی دنیا میں داخل
ہونے کے اس کے ارادے کو تقویت بخشا۔ ہندستان لوٹتے ہوئے اپنے
سفر کے دوران بحری جہاز میں رائے نے اپنی فلم "پاتھر پانچالی" کا منظرنامہ
تحریر کیا جس کے بننے کے بعد ملک میں فلم کے تصور میں انقلاب برپا
ہو گیا اور ہندستانی سنیما کو بین الاقوامی سطح پر ایک نیا اور بلند مقام عطا
کیا۔ اس کے بعد سے رائے نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ رائے ایک کلاسکس
کے بعد دوسرا کلاسکس بناتے گئے اور اپنے ناظرین کو اپنی فنکارانہ تخلیق
سے متحیر کرتے گئے۔

لیکن راستوں میں محض پھول ہی نہیں ہوتے ہیں۔ آسانیوں کے ساتھ
ساتھ رکاوٹیں بھی آتی ہیں۔ انہیں بھی دشوار گزار راستوں پر چلنا پڑا اور
اپنی فلموں کے لئے فنڈس فراہم کرنے میں انہیں بے شمار دشواریوں کا سامنا
کرنا پڑا۔ انہیں "پاتھیر پانچالی" مکمل کرنے میں تقریباً تین سال لگ گئے
اور وہ بھی محض فنڈ کی قلت کی وجہ سے۔ یہی نہیں اس سلسلے میں رائے
کو اپنی بیوی کے زیورات بھی رہن رکھنے پڑے تھے۔ اس پر بھی بات نہیں
بن پائی — آخر میں جب حکومتِ مغربی بنگال نے فنڈ منظور کئے تو
مذکورہ فلم مکمل ہو پائی۔

منظرِ عام پر آتے ہی "پاتھیر پانچالی" کو کامیابی ملی۔ ۱۹۵۵ء میں منظرِ عام
پر آنے کے فوراً بعد ہی مذکورہ فلم نے ایک ہلچل پیدا کردی۔ سنیما بینوں اور
بیدار مغز لوگوں نے اس فلم کی بڑی ستائش کی۔ اخباروں اور جریدوں کے
تبصروں میں اس کی تعریف کے پل باندھ ڈالے۔ علاوہ ازیں انہوں نے
ہندستان میں فلم سازی سے متعلق فکر کی ایک نئی نہج کو جنم دیا۔ اس فلم کو
سال کی بہترین فلم قرار دے کر انعام سے نوازا گیا۔ اسے پریسیڈنس
گولڈ میڈل بھی ملے۔ فلم کو ہر طرف سے ملنے والی ستائش نے رائے کو اسے
۱۹۵۶ء میں منعقد ہونے والے کین فلم فیسٹیول میں شمولیت کے لئے بھیجنے
کی جرأت کی۔ اگرچہ وہاں اسے مقابلے میں شامل نہیں کیا گیا تاہم اسے
بہترین انسانی دستاویز انعام سے نوازا گیا۔

رائے کی ہدایت کار کی حیثیت سے دوسری کاوش "اپراجیتو"
تھی۔ یہ "پاتھر پانچالی" کی دوسری کڑی تھی۔ اس وقت تک رائے میں
کافی پختگی اور متعلقہ سوجھ بوجھ آچکی تھی اور جب ۱۹۵۷ء میں انکی فلم
"اپراجیتو" منظرِ عام پر آئی تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے مداحوں کی توقعات پر

کھرے اترے۔ متعدد نقادوں کے مطابق "اپراجیتو" ان کی بہترین فلم تھی۔ وسیع دنیا کو باہر آکر خود دریافت کرنے کی "اپو" کی خواہش اور اپنی ماں سے اس کے گہرے لگاؤ کے درمیان دقوع پذیر ہونے والے ٹکراؤ کو اتنی کریم النفسی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس نے سامعین کی حسیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ ۱۹۵۷ء میں جب فلم "اپراجیتو" وینس فلم فیسٹول میں دکھائی گئی تو جیوریوں کے لئے یہ ایک بے مثل تجربہ تھی اور اسے مقابلے کی بہترین فلم قرار دے کر "گولڈن لائن آف سنٹ مارک" کے انعام سے نوازا گیا۔ بہت سالوں بعد جب ۱۹۸۸ء میں مذکورہ فلم کو پہلی بار سان فرانسسکو میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی فلم فیسٹول میں دکھایا گیا تو اسے بہترین ہدایت کاری کے لئے انعام سے نوازا گیا۔ اسی دوران مذکورہ فلم نے بہت سارے انعامات اور سندیں حاصل کیں۔

"اپور سنسار" جو اس سلسلے کی تیسری اور آخری کڑی ہے، میں ستیہ جیت رائے نے انسان کی پیش رفت کی داستان بیان کی ہے۔ غربت، دل شکنی اور بدقسمتی کے باوجود "اپو" کے شکست خوردہ جذبے نے زندگی اور اس کی نیرنگیوں کے سامنے اسے گھٹنا ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آسان طرزِ بیان، جاندار تصویر کشی اور شاعرانہ تخیلات نے اسے ایک جیتی جاگتی انسانی دستاویز بنا ڈالا۔

"اپو" کی سہ الحیاتی کہانی کے علاوہ رائے نے اپنے فلمی کیریر جو سہ ونصف دہائی پر مشتمل ہے، کے دوران تقریباً ۲۹ فیچر فلمیں اور ۶ ڈاکومنٹری بشمول "سکم" جسے ہندستانی سنسر بورڈ نے پردہ سیمیں پر دکھانے کی اجازت نہیں دی تھی، بنائیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ رائے کی تمام فلمیں خصوصاً اوائلی دور کی بیشتر فلمیں بلند معیار اور اعلیٰ فنی لوازمات کی علمبردار ہیں۔ "اپو" کی سہ الحیاتی کہانی کے علاوہ رائے نے ۵۰ ویں دہائی کے اواخر میں مزید تین فلمیں بنائیں۔ ان کے نام پارس پتھر، جلسہ گھر اور دیوی ہیں۔ چھٹی دہائی کے دوران ستیہ جیت رائے نے دیگر فلموں کے ساتھ "تین کنیا" جو ٹیگور کے تین افسانوں پر مبنی ہے، "چارولتا"، "کنچن جنگا"، "نایک"، "مہانگر"، "کاپرش و مہاپرش" وغیرہ بنائیں۔ رائے نے بچوں کے لئے فلم "گوپی گاین باگھا باین" بنائی۔ انہوں نے پہلی بار بچوں کے لئے اس فلم کا اپنے فن کے بطور مظاہرہ کیا۔ بچوں کی فلم سازی میں اس فلم کو ایک شاہکار مانا گیا۔ اس کے بعد ستیہ جیت رائے نے بچوں کی دو اور فلمیں بنائیں۔ ان کے نام ہیں "سونار کلا" اور "جے بابا فیلو ناتھ"۔ ان دونوں فلموں کے کہانی کار بھی خود ستیہ جیت رائے ہیں۔

رائے دستاویزی فلم بنانے میں بھی ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ رائے نے پہلی دستاویزی فلم رابندر ناتھ ٹیگور پر بنائی اور وہ فلم اپنے آپ میں ایک شاہکار ثابت ہوئی۔ جس انداز سے رائے نے رابندر ناتھ کی حیات اور ان کے کارناموں کو محض ۵ ریل میں مقید کیا ہے وہ رائے کا اپنی جگہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔

جو بات ستیہ جیت رائے کو دوسرے مایہ ناز ہدایت کاروں میں ممتاز بناتی ہے وہ یہ ہے کہ رائے فلم سازی کے مختلف پہلوؤں کو عملی روپ دینے کے دوران خود بھی ان میں ملوث ہو جایا کرتے تھے۔ رائے نے اپنی تمام فلموں کے مکالمے بھی خود تحریر کئے ہیں۔ مزید برآں اوائلی دور کی فلموں کو چھوڑ کر رائے نے اپنی بیشتر فلموں کی دھنیں بھی خود بنائی ہیں۔ علاوہ ازیں رائے اڈیٹنگ کے کام میں خصوصی توجہ دیا کرتے تھے کیونکہ وہ ایڈیٹنگ کو فلم سازی میں نہایت اہمیت کا حامل سمجھتے تھے۔

ستیہ جیت رائے سینے میٹک کرافٹ کے بے تاج بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ رائے کی فلم سازی کی تکنیک، اس ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت، فلم سازی میں ان کا اچھوتا طریقہ عمل اور اس طرح کی ان کی بے شمار خصوصیات پر نقاد موٹی موٹی کتابیں تصنیف کر سکتے ہیں لیکن جو بات ستیہ جیت رائے کو ایک عظیم فنکار بناتی ہے وہ ان کا کریم النفسی کا وہ رویہ ہے جو وہ خواہ سماجی یا انفرادی مسائل کے ساتھ برتتے ہیں۔ تمام عظیم ہستیوں کی طرح ستیہ جیت رائے کو بھی اکثر و بیشتر مروجہ مسائل سے چشم پوشی کے لئے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ اگرچہ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ یہ بات درست نہیں تھی کہ ستیہ جیت رائے نے مروجہ مسائل سے چشم پوشی کی تھی بلکہ یہ ممکن ہے کہ ان مروجہ مسائل کو پیش کرنے میں رائے نے ضرورت سے زیادہ جوش و خروش سے کام نہ لیا ہو۔ رائے کے لئے اصل تشویش کا مرکز ہمیشہ انسان، اس کے مسائل اور جدوجہد رہے ہیں۔ رائے ایک عظیم شخص ہی نہیں بلکہ ایک حساس فنکار بھی تھے اور تمام عظیم فنکاروں کی طرح وہ ہمیشہ پُر امید رہے۔ ان کا ذہن ناامیدی سے پاک تھا۔ اپنے اطراف میں پھیلے ہوئے ناسازگار حالات کے سامنے

گھٹنا ٹیکنے پر وہ مطلق ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ انسان کی پہچان عزت و افلاس ہی میں ہوتی ہے۔

بلاشبہ رائے نے دنیا کو سینما کے ذریعہ اپنی بیش بہا خدمات پیش کی ہیں اور دنیا نے بھی انہیں ایک عظیم فلمی ہدایت کار کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ لیکن ہم بنگالیوں کے لئے ستیہ جیت بچوں کے ایک مایۂ ناز ادیب بھی ہیں۔ ان کے تخلیق کردہ کردار خصوصاً فیلو دا بچوں میں نہایت ہی ہر دل عزیز ہے۔ رائے کی بیشتر کتابوں کے ایک سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ایک بار انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ان کی آمدنی کا اصل ذریعہ ان کی کتابوں سے ملنے والی رائلٹی ہے۔

گزشتہ چند سالوں سے ستیہ جیت رائے دل کے مرض میں مبتلا تھے۔ فطری طور پر ان کی بیماری کی وجہ سے ان کی فلم سازی کی سرگرمیوں میں رکاوٹیں بڑی تھیں پھر بھی انہوں نے گزشتہ تین برسوں کے دوران گن شترو، شاکھا پرشاکھا اور آگن تک جیسی فلمیں بنائیں۔ ستیہ جیت کو جیتے جی ہی بہت سارے انعامات و اعزازات بشمول لیجن ڈی آنر آف فرانس، خصوصی آسکر اور بھارت رتن سے نوازا گیا تھا۔ لیکن انکے مداح انہیں ہمیشہ بحیثیت ایک ایسے شاعر اور سینی شاعر یاد رکھیں گے جس نے شاعری صفحۂ قرطاس پر نہیں کی بلکہ پردۂ سیمیں پر کی تھی ٭٭

ستیہ جیت رے کی مشہور فلم "پتھیر پانچالی" کا ایک منظر

سینما کے ۱۰۰ سال

ہمارے سماج پر ہندستانی فلموں کے اثرات

انیس دہلوی

بیسویں صدی سائنسی ایجادات اور انسانی ترقیات کے معاملہ میں انتہائی مالامال صدی ہے۔ اس صدی میں جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں ترقی ہوئی وہاں فلم بھی پیچھے نہیں رہی اور آج یہ عالم ہے کہ فلم ہماری زندگی کا اہم حصہ بن چکی ہے۔ آج ۸۰ کروڑ کی آبادی والا یہ ملک تقریباً پوری طرح فلم کی لپیٹ میں ہے۔ ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر قصبے میں سینما ہال موجود ہیں اور بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ سینما گھروں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے شہر میں بھی کئی کئی سینما گھر موجود ہیں جہاں امیر اور غریب، اونچے نیچے سبھی طبقوں کے لوگ خواہ وہ عورت ہوں یا مرد تفریح کی غرض سے فلم دیکھنے جاتے ہیں اور تین گھنٹے مزے لے کر گزار آتے ہیں۔ یوں تو بڑے پردے یعنی سینما کے ساتھ ساتھ چھوٹے پردے یعنی ٹی وی نے بھی تیزی سے اپنے پیر پھیلائے ہیں مگر بڑے پردے کی بات ہی کچھ اور ہے ظاہر ہے جب کوئی چیز زندگی میں اوڑھنے بچھونے کی طرح شامل ہو جاتی ہے تو اس کے اثرات ہمارے روزمرّہ کے افعال اور انداز پر بھی مرتّب ہوتے ہیں۔ ہماری تہذیب، ہمارا ادب، ہمارا مزاج، ہماری سوچ تک — متاثر ہوتی ہے۔

آج جب ہم اپنے سماج پر ہندستانی فلموں کے اثرات کے بارے میں سوچتے ہیں تو اچھے برے دونوں پہلو سوالیہ نشان بن کر سامنے آجاتے ہیں اور یہ عام سا سوال تشویشناک سوال بن جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس فلمی سفر میں کچھ پایا بھی ہے اور کھویا بھی ہے۔ پانے اور کھونے کے اس دلچسپ کھیل کی اگر تاریخ دہرائی جائے تو اچھے اور برے دونوں پہلو روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

۱۹ویں صدی کے شہری ناٹکوں سے ہندستانی سینما نے کہانی اور اسٹائل کے ساتھ ساتھ ناچ گانا اور ہنسی مذاق سیکھا۔ پھر جو فلمیں بننا شروع ہوئیں ان میں منورنجن یعنی تفریح کے ساتھ ساتھ مقصدیت بھی شامل ہو گئی۔ ان فلموں نے انسانی ذہن میں دیش بھگتی کی شمع بھی روشن کی اور انقلاب کے لئے نہ صرف راستہ ہموار کیا بلکہ غلامی سے نجات پانے کی جوت بھی جگائی فلموں میں لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ کر انگریزی سرکار کو تھوڑی سی تشویش ہوئی لہٰذا اس نے ۱۹۲۰ء میں سنسر بورڈ بنا دیا جس کا مقصد محض یہ تھا کہ سرکار مخالف تحریک زور نہ پکڑ سکے اور دیش بھگتی کی لہر پیدا ہو کر کہیں انقلاب نہ برپا کر دے۔ لہٰذا اس دور کی فلموں سے وہ سین کاٹ دئے جاتے تھے جن سے حب الوطنی کا جذبہ جاگتا تھا اور انگریزی بربریت کے خلاف دلوں میں طوفان اٹھنے کا امکان ہوتا تھا۔ حالانکہ اس زمانے میں خاموش فلمیں بنتی تھیں مگر تصویروں کے ذریعہ اپنی بات کہہ جانا بہر حال فن تو ہے اور وہ فن ہی کیا جو دل کو نہ چھوئے۔ انگریز اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ سماج پر اثر انداز ہونے والا نہایت طاقتور وسیلہ فلم ہے۔ یہ ایک ایسا سیلاب ہے جس کو روکنا نہایت مشکل کام ہے۔ بہر حال رکاوٹوں کے باوجود فلم کا کارواں بڑھتا رہا اور اس کے اثرات دھیرے دھیرے بڑھتے گئے۔

۱۹۳۱ء میں پہلی بولتی فلم عالم آرا بنی اور تفریح کا مزہ دوبالا ہو گیا۔ اس طرح فلم بینوں کا حلقہ تھوڑا وسیع ہوا۔ اس زمانے میں نہ تو شرفاء فلموں میں کام کرتے تھے نہ ہی دیکھنا اچھا سمجھا جاتا تھا ہیروئنوں کی جگہ ناچنے گانے والیاں اور ہیرو کی جگہ عموماً بھانڈ کام کیا کرتے تھے۔ لیکن بولتی فلموں میں وسعت آنے کے ساتھ ساتھ اچھے بھلے لوگ بھی اداکاری کی طرف مائل ہوئے اور ناچنے گانے والیوں کی جگہ عام لڑکیوں نے لینا شروع کر دی۔ سینما گھروں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور دیکھنے والوں کی تعداد بھی تیزی سے بڑھنے لگی۔ اداکاری کو ایک فن، ایک آرٹ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ تماشبین فلم آرٹسٹوں کو عزت اور پیار کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اپنے پسندیدہ اداکار کے اسٹائل کی نقل بھی اسی پیار کا نتیجہ کہی جا سکتی ہے۔ فلم "آوارہ" میں راجکپور نے ٹخنوں سے اوپر تک کی پتلون پہنی تو اس زمانے میں اونچی پتلونوں کا رواج نوجوانوں میں عام ہو گیا۔ دلیپ کمار کے بال کافی گھنے اور گدی سے نیچے تک بھرے ہوئے تھے جبکہ اس زمانے میں گدی صاف کرانے کا عام رواج تھا۔ عموماً سولجر کٹ بال چلتے تھے لیکن

دلیپ کمار کے بالوں کا اسٹائیل نوجوانوں کو اس قدر بھایا کہ "دلیپ کٹ" بال فیشن میں آگئے۔ اسی زمانے میں دیو آنند کے چھجے دار بالوں کے اسٹائیل کی نقل بھی خوب چلی۔ سادھنا نے فلم "لو ان شملہ" میں ماتھے پر بال بکھرائے تو یہ ادا نوجوان لڑکیوں کو اس قدر بھائی کہ انہوں نے سادھنا کٹ بال بنوانا شروع کر دیے۔ کچھ یہی صورت حال اداکاروں کے لباس کے معاملہ میں سامنے آئی اور آج تک آرہی ہے۔ دلیپ کمار نے فلم "لیڈر"
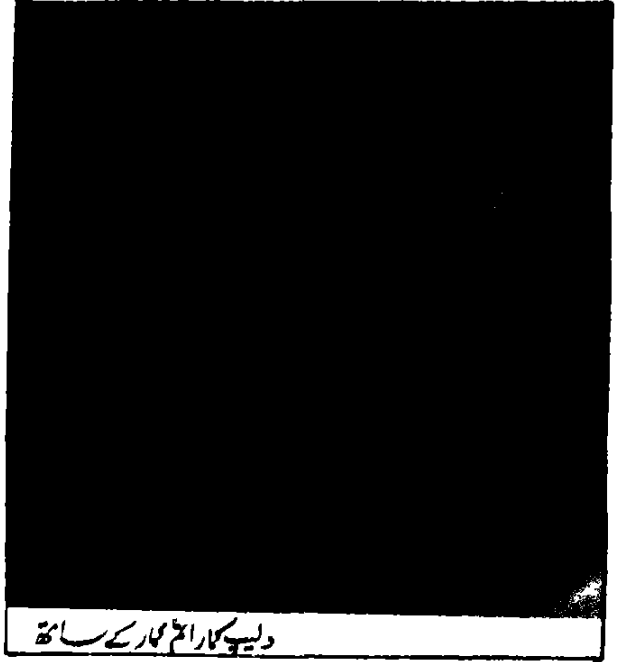
دلیپ کمار اکشے کمار کے ساتھ

میں پتلون پر کرتہ پہنا تو اچھا لگا۔ خاص طور سے راجیش کھنہ کی پہچان ہی کرتہ اور پتلون بن گئی تھی۔ کرتہ پر پتلون پہننے کا رواج بہت دنوں تک نوجوانوں میں ایک فیشن کی طرح چلا۔ کل کی طرح آج بھی بال اور لباس کا فیشن فلموں سے ہی عوام تک آتا ہے اور مقبول ہوتا ہے۔ یہاں امیتابھ بچن کے بالوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ بالوں سے کان ڈھکنے کا فیشن امیتابھ بچن کی ہی دین تھا۔ متھن چکرورتی نے فلمیں ختم کیں تو یہ بھی ایک فیشن بن گیا اور آج شاہ رخ خاں کے بالوں کا اسٹائیل نوجوانوں میں مقبول ہے تو اکشے کمار کی چست پتلون کا۔ یہ تمام مثالیں پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سماج پر فلموں کا خاصا اثر ہے۔ فلمیں نہ صرف بال اور لباس کا انقلاب لاتی رہی ہیں بلکہ ذہنوں میں تبدیلیاں بھی لاتی رہی ہیں۔ یہاں تک کہ حکومتوں کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہوئی ہیں۔ تیسری دہائی کی فلموں میں آزادی کی جھلک، حب الوطنی

کی تڑپ اور انگریزی حکومت کے خلاف ایک باغیانہ بے چینی کروٹیں لیتی محسوس ہوتی تھی اور اس کے مثبت اثرات ذہن پر مرتب ہوتے تھے۔ پھر جاگیردارانہ نظام کے خلاف دبی دبی آواز فلموں سے ہی اٹھی اور کارگر ثابت ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں انگریزی سامراج اور جاگیردارانہ نظام سے نجات مل گئی لیکن ابھی بہت سی لعنتیں ہمارے سماج میں اب بھی موجود ہیں جن سے چھٹکارا پانے کے لئے فلم کا وسیلہ سب سے موثر ہے۔ جس طرح محبوب خان کی "مدر انڈیا" جاگیردارانہ نظام کے منھ پر طمانچہ تھی اسی طرح راج کپور کی فلم "جس دیش میں گنگا بہتی ہے" ڈاکوؤں کو راہ راست پر لانے اور انہیں روشن سمت دکھانے کا ذریعہ بنی۔ اس سے کون واقف نہیں کہ جے پرکاش نارائن جی نے ڈاکوؤں کے مسائل پر ہمدردی سے غور کیا اور ان ہی کی کوششوں سے اپنے زمانہ کے خطرناک ترین ڈاکو اجتماعی شکل میں "خود سپردگی" کے لئے آمادہ ہوئے۔ دیو آنند کی فلم "ہرے راما ہرے کرشنا" میں منشیات کے خلاف آواز اٹھائی گئی جس کے نتیجے میں اس مہلک وبا سے نجات پانے اور اس کا توڑ کرنے کی مہم میں عوامی سطح پر تیزی آئی اور نشے کے خلاف جدوجہد کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ دیپک بلراج وجے کی نئی فلم "ڈانس پارٹی" نشیلی دواؤں کے خلاف اسی تدارک کی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سہراب مودی نے فلم "مرزا غالب" بنا کر ادیبوں، شاعروں اور دانش وروں کو جیسے سوتے سے جگایا۔ تب ہمیں مرزا غالب کی بھی یاد آئی اور غالب کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کچھ یادگاریں قائم کرنے کا بھی خیال آیا۔ بستی حضرت نظام الدین دہلی میں غالب اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد ایوانِ غالب بھی وجود میں آگیا۔

دلیپ کمار کی فلم "پیغام" مل مالک اور مزدور کے درمیان کمزور رشتے پر ایک لاجواب فلم تھی جس نے نہ صرف عوام بلکہ حکومت کو بھی چونکایا جس کے نتیجے میں مزدوروں کے مسائل پر مزید توجہ دی جانے لگی۔ اس طرح کی فلم "مزدور" بھی تھی جو مالک اور مزدور کے رشتے کی اہمیت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ فلم نیا دور سے "سڑکوں" کی تعمیر کی تحریک میں کچھ مزید تیزی آئی۔

شیام بینیگل کی فلم "منتھن" ایک ایسی کارآمد اور با مقصد فلم تھی جس نے کوآپریٹو سوسائٹیاں بنانے کے لئے کسانوں میں دلچسپی پیدا کی

اور آج لاتعداد کو آپریٹیو سوسائٹیاں کسانوں کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ آج کے ایک نہایت اہم مسئلے پر، ایسے دردناک مسئلے پر جو ہمارے سماج کے لئے ایک ناسور بنا ہوا ہے اور جس میں ایک کمزور طبقہ صدیوں سے پستا چلا آرہا ہے۔ برسوں پہلے ۲۰ویں صدی کی تیسری دہائی میں ایک فلم "اچھوت کنیا" بنائی گئی تھی۔ اس فلم کے ہیرو اشوک کمار تھے۔ یہ ایک ایسی چونکا دینے والی فلم تھی جس نے سماج اور سرکار دونوں کو بری طرح چونکا دیا جس کے نتیجے میں اس مسئلے پر باقاعدہ توجہ دی گئی اور آج تک دی جارہی ہے۔ بہرحال اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہ سہی کچھ نہ کچھ نکلا ضرور۔

اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ فلمیں سماج میں تبدیلی لانے کے واسطے ایک اہم کردار نبھا سکتی ہیں۔ دراصل فلمیں اگر مقصد سامنے رکھ کر بنائی جائیں تو تفریح کے ساتھ ساتھ ذہن کے دریچے بھی کھولتی ہیں اور ترقی کا راستہ بھی دکھاتی ہیں۔ یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ فلم صرف تفریح کا ذریعہ ہے اور لوگ اس سے قطعی سبق نہیں لیتے۔ لوگ سبق لیتے ہیں اگر انہیں سبق دیا جائے۔

آج کی بیشتر فلموں پر یہ الزام ہے کہ یہ ہمارے نوجوانوں کو بگاڑ رہی ہیں، ہمارے سماج کو تباہ کر رہی ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ الزام کسی حد تک غلط بھی نہیں لگتا۔ آج ہمارا ملک فلم سازی کی دوڑ میں ہالی ووڈ سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ ہر سال لگ بھگ ۱۲ سے زیادہ سالوں میں ہمارے یہاں تقریباً ایک ہزار فلمیں بنتی ہیں۔ ان ایک ہزار فلموں میں علاقائی زبانوں میں فلموں کو چھوڑ کر ہندی فلموں میں کافی تعداد ایسی ہے جو اپنی افادیت کھو چکی ہیں۔ نیکی اور بدی، محبت اور نفرت کی جنگ پر مبنی اس طرح کی خراب فلمیں تفریح کے نام پر ایک ایسا زہر فراہم کر رہی ہیں جس نے ہماری اعلیٰ قدروں اور اعلیٰ تہذیب کی جڑیں گلانا شروع کردی ہیں۔ ہمارا سماج سجنے سنورنے اور نکھرنے کے بجائے گل سڑ رہا ہے۔ ہماری نئی نسل ہمارے مستقبل کے معمار غلط راستوں پر جا رہے ہیں۔ آج فلموں نے ہیرو اور ولن کا امتیاز ختم کرکے رکھ دیا ہے۔ نیکی اور بدی کے بیچ کا فرق برائے نام رہ گیا ہے۔ ایک اسمگلر کو شاہانہ زندگی گزارتے دیکھ کر عام آدمی محنت مزدوری کے بجائے دوسرے ناجائز اور غیر قانونی دھندوں کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ راتوں رات لکھ پتی، کروڑ پتی بننے کے سپنے دیکھنے لگا ہے۔ سپنوں کے سوداگر معصوم جذبات سے کھیل رہے ہیں اور اپنی جیبیں بھر رہے ہیں۔ تفریح کی آڑ میں قانون، پولس اور سیاست کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں۔ آج بننے والی تقریباً ہر فلم میں قانون دانوں، سیاست دانوں اور پولس والوں کی مٹی پلید کی جاتی ہے۔ ان ممتاز لوگوں کو بے ایمان، بے درد، ظالم، ناانصاف اور رشوت خور دکھایا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جرائم بڑھ رہے ہیں۔ قانون اپنے ہاتھ میں لینے کے رجحان کو تقویت مل رہی ہے۔

دراصل دیکھا جائے تو یہ بگاڑ ایک دم نہیں آگیا دھیرے دھیرے آیا ہے اور اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ہم جس طرح کی فلم پسند کرتے ہیں وہ ہٹ ہوتی ہے اور جب ایک فلم ہٹ ہوجاتی ہے تو اس طرح کی درجنوں فلمیں مارکٹ میں آجاتی ہیں۔ ابتداء میں صاف ستھری اور رومانی فلمیں بنتی تھیں اور ان کی بنیاد کسی اہم موضوع پر رکھی جاتی تھی۔ اس زمانے میں فلم کا ہیرو دلیر مگر امن پسند ہوتا تھا۔ فلم دھیمی رفتار سے دل میں اترتی تھی جیسے جیسے زمانے نے رفتار پکڑی فلم کی رفتار بھی تیز ہوگئی اور فلم کی رفتار بڑھانے کے لئے ایکشن کا فارمولا کارگر ثابت ہوا۔ قدریں بدلیں، عریانیت اور تشدد کا بول بالا ہوگیا۔ دھیرے دھیرے بولنے والا ہیرو چیخنے دھاڑنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں پھول کے بجائے بندوق آگئی۔ ہیروئن خوشبو کے بجائے رنگ کے طور پر استعمال ہونے لگی آہستہ آہستہ سپر اسٹار کی جگہ میگا اسٹار اور سپر اسٹار کی جگہ ہی مین اور اینگری ینگ مین نے لے لی اور اب اینٹی ہیرو کا دور ہے۔ ہیرو سے زیادہ ولن کی قیمت ہے۔ پچھلی دو فلموں بازی گر اور ڈر کے ہٹ ہوتے ہی شاہ رخ خان اینٹی ہیرو کے طور پر مقبول و محبوب ہیں۔ وہ اینٹی ہیرو ہونے ہوتے بھی

عوام کا دل جیت لے گئے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایسی فلمیں نہیں بنیں گی تو کب بنیں گی۔ وہ زمانے خواب ہوئے جب محبوب خان، بمل رائے، راج کپور اور کے آصف جیسے ہدایت کار فن کے پجاری اور اپنے کام کے تئیں سخت بااصول اور ایماندار ہوا کرتے تھے جن کی نظر میں ان سنت کی اہمیت اور عوام سے لے کر رہنا تک کی قدر و منزلت تھی جن کو تفریح کے ساتھ ساتھ مقصدیت عزیز تھی اور جن کے ذہن تخریبی نہیں تعمیری تھے۔

محبوب خان نے جب اپنا بینر بنایا تو اس کا نشان "ہتھوڑا اور ہنسیا" رکھا جو نہ صرف جفاکشوں کی پہچان بلکہ جفاکشوں کی محبت کا اعلان ہے یہ وہی محبوب خان تھے جنہوں نے ہندستان کی پہلی رنگین فلم "آن" بنائی تھی اور "مدر انڈیا" جیسی عظیم ترین فلم بنانے کے بعد "سن آف انڈیا" بھی بنا گئے لیکن انہیں یہ کہاں معلوم تھا کہ "سن آف انڈیا" آگے چل کر کیا سے کیا ہو جائے گا۔ وطن اور دلی کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو سے محبوب خان کو انتہائی محبت تھی، چنانچہ جب انہوں نے فلموں میں اپنے ۲۵ سال پورے ہونے کی خوشی میں زبردست جشن منایا تو اس میں جواہر لال نہرو مہمان خصوصی تھے۔ اس موقع پر محبوب خان نے نہرو جی سے کہا تھا۔ "تم میرے محبوب ہو۔ تم نہیں تو میں نہیں"۔ اب یہ حیرت انگیز اتفاق ہے کہ ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو جواہر لال نہرو کا انتقال ہوا اور اس غم ناک خبر کو سنتے ہی خان دوسرے ہی دن یعنی ۲۸ مئی ۱۹۶۴ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

یہ واقعہ بتانے کا میرا مقصد یہ ہے کہ ہمارے درمیان ایسی عظیم ہستیاں بھی تھیں جو انقلاب برپا کر گئیں۔ وقت کے دھارے کو موڑ گئیں مگر خود نہیں مڑیں۔ ایسا نہیں کہ اب ہم میں کوئی محبوب خان، راجکپور نہیں یا ان کے بعد فلم سازی کا مقصد ہی ختم ہو گیا۔ ہمارے یہاں آج بھی بڑے بڑے باصلاحیت فلم ساز موجود ہیں۔ بات صرف ہمت اور حوصلے کی ہے اور یہ حوصلہ تب ہی پیدا ہوگا جب ہم اپنی پسند بدلیں گے۔ جب تک ہم بے مقصد فلمیں پسند کرتے رہیں گے بامقصد فلمیں نہیں بنیں گی۔ ہمیں اگر اچھی فلمیں بنانا ہیں، سماج پر ان کے اچھے اثرات مرتب کرنا ہیں تو گھٹیا، گندی اور مخرب اخلاق فلمیں دیکھنا بند کرنی ہوں گی۔ اس کے ساتھ سرکار کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی فلموں کی نمائش کی اجازت ہرگز نہ دے جو عوام کے ذہن پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ خاص طور سے سنسر بورڈ کو اس معاملے میں مزید سختی سے کام لینا ہوگا۔ اسی کے ساتھ حکومت کو چاہئے کہ فلم سازی کو باقاعدہ ایک صنعت تسلیم کر کے ایسے قاعدے وضع کرے جن سے مسائل دور ہوں۔ اسے فروغ ملے۔ حکومت کو بذاتِ خود ایسے فلمی ادارے قائم کرنا چاہئے جہاں دلکش، بھکتی، بھائی چارہ اور امن و اتحاد کو فروغ دینے والی بامقصد اور دلچسپ فلمیں بنائی جا سکیں۔ کیوں کہ فلم آج کی اہم ضرورت ہے اور سماج پر اس کے بھرپور اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آخر میں یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ فلموں نے اپنی خامیوں کے باوجود کروڑوں انسانوں کو روزگار مہیا کیا ہے اور اپنی زبان اور موسیقی کے ذریعہ پورے ملک کی تہذیب کو ایک لڑی میں پرونے کی خدمات بھی انجام دیں۔ مختلف زبانیں بولنے والے اور سمجھنے والے اس ملک میں اگر کوئی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی ہے تو وہ فلموں کی زبان ہے جسے ہم اردو ہندی کا مرکب ہندستانی زبان کہہ سکتے ہیں۔ یہی وہ زبان ہے جو دلوں کو جوڑنے کا موثر ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے اور بہتر کام لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کیا جائے ٭٭

(بشکریہ پی آئی بی)

فلم [illegible] کا ایک منظر

ہندستانی فلموں میں گیت

اختر جاوید

یہ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ آج فلمی صنعت نے سو سال پورے کر لئے۔ ایک سو سال کا عرصہ انسانی تہذیب کی تاریخ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں ہندستانی فلمی صنعت نے بڑی ترقی کی ہے۔ پہلے خاموش فلمیں بنتی تھیں۔ اب بولنے والی فلم بننے لگی۔ سب سے پہلے ۱۹۳۱ء میں پہلی بولنے والی فلم "عالم آرا" بنی۔ تہذیب پستی سے نکل کر بلندی کی طرف جا رہی ہے۔ فلمیں ہماری تہذیب کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اب ہم انہیں اپنی زندگی سے الگ کر کے سوچ بھی نہیں سکتے کیونکہ اب جو فلمیں بن رہی ہیں وہ محض تفریح کی خاطر ہی نہیں بن رہی ہیں بلکہ ان سے ہمارے سماجی پہلو جڑے ہوتے ہیں۔

فلم سے پہلے جب سائنس اور تکنیک نے حیرت انگیز طور پر ترقی حاصل نہیں کی تھی ہماری تفریحات میں رقص، ناٹک، جاترا اور تھیٹر شامل تھے، پھر اردو میں ڈرامے کی شروعات ہوئی۔ امانت نے "اندر سبھا" لکھا۔ جب آغا حشر کاشمیری نے اس میدان میں قدم رکھا تو کئی خوبصورت ڈرامے لکھے جو اسٹیج کئے گئے۔ موقع اور محل کے لحاظ سے ان ڈراموں میں گیت ــــ یعنی نظم، غزل، مجرے وغیرہ بھی شامل کئے گئے۔ آغا حشر نے اپنے ڈراموں کے لئے خود کئی اچھے گیت لکھے۔ ہماری فلمیں دراصل تھیٹر کی توسیع ہیں اور تھیٹر کے بہت سے لوازمات من و عن فلموں میں شامل ہوئے اور یہاں تک کہ گیت کی روایت بھی۔ یعنی فلموں میں جو گیت کا رواج ہے اس کی جڑ بھی تھیٹر ہی میں پیوست ہے۔ کلکتے میں کئی فلمیں بنیں۔ لیکن جغرافیائی لحاظ سے بمبئی اس کے لئے مفید ثابت ہوا اور وہاں فلمی مراکز قائم کئے گئے۔ بڑے بڑے شعراء اور ادباء تلاشِ معاش میں بمبئی پہنچے۔ جوش، بہزاد لکھنوی، آرزو لکھنوی، مجاز لکھنوی اور کئی دوسرے مگر انہیں یہاں کی فضا راس نہ آئی اور لوٹ گئے۔ لیکن جاں نثار اختر، شکیل بدایونی، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی، راجہ مہدی علی خاں، مجروح سلطان پوری جیسے شعراء نہایت غیر مناسب اور ناساعد حالات میں لکھتے رہے اور پھر رفتہ رفتہ ان حضرات نے وہاں کی فضا اپنے لئے سازگار بنالی۔

پھر ہندی شعراء آئے جن میں نیرج، شیلندر، راجندر کرشن، بھرت ویاس، آنند بخشی اور کئی دوسرے شامل ہیں۔ انہوں نے بھی فلمی صنعت کو اپنا خونِ جگر دیا۔ ان حضرات نے عین اردو شاعری کے مزاج کے مطابق گیت لکھے اور یہ گیت عوام نے پسند کئے۔

مشہور فلم "مدھومتی" کے لئے شیلندر کے اس گیت میں آج بھی وہی چاشنی موجود ہے جو اس وقت اس میں تھی :

سہانا سفر اور یہ موسم حسیں ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․

سو سال کے درمیان اردو / ہندی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہندستانی زبان میں نہایت اچھی اچھی فلمیں بنائی گئیں۔ ان فلموں کو انعامات سے بھی نوازا گیا۔ ہندستان کے باہر بھی کئی ملکوں میں ان کی پذیرائی ہوئی۔

بہرصورت ہمارے شعراء نہایت ناساعد حالات میں فلموں کے لئے گیت لکھتے رہے مگر ان میں سے کسی نے بھی مالی منفعت کی خاطر فلم سازوں کے ساتھ مصالحت نہ کی اور اپنے اپنے اسلوب میں لکھتے رہے۔ آنے والی کئی نسلیں ان کے اشعار کی خوشبو سے مہکتی رہیں گی۔ ان کے اشعار ہماری زندگی سے بہت قریب ہیں اور ہماری زندگی کے مسائل کا ذکر ان کے گیتوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ عشق و محبت کے تناظر میں جو گیت ملتے ہیں ان کی اپنی ایک الگ شان اور لہجہ ہے۔

ساحر کی یہ نظم :

رنگ اور نور کی بارات کسے پیش کروں یہ مرادوں کی حسیں رات کسے پیش کروں

یا

یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارا یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لیکر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق — "تاج محل"

یہ جلتے ہوئے گھر کس کے ہیں، یہ کٹتے ہوئے تن کس کے ہیں
تقسیم کے اندھے طوفاں میں لٹتے ہوئے گلشن کس کے ہیں

فلم: 'دھرم پتر'

آپ نے دیکھا کہ شاعر نے کسی حال میں بھی حالات سے مصالحت نہیں کی۔ فلمی صنعت کے لئے یہ بات باعثِ صد افتخار ہے کہ اسے ساحر کی طرح بیدار ذہن اور بیدار مغز شاعر ملا۔

'محبت سے زندگی عبارت ہے۔ خلوص اور محبت کی چاشنی کے کیا ذائقے ساحر کی اس نظم میں جو انہوں نے فلم 'بازی' کے لئے لکھی ملتے ہیں۔ اس نظم میں یونانی صنمیات کی پرستش کا اظہار بطرزِ احسن کیا گیا ہے۔

تم ایک بار محبت کا امتحان تو لو
مرے جنوں مری وحشت کا امتحان تو لو

سلامِ شوق پہ رنجش بھرا پیام نہ دو
مرے خلوص کو حرص و ہوس کا نام نہ دو
مری وفا کی حقیقت کا امتحان تو لو!

یا

اب ان رنگین رخساروں میں تھوڑی زردیاں بھر دے
حجاب آلود نظروں میں ذرا بے باکیاں بھر دے
لبوں کی بھیگی بھیگی سلوٹوں کو مضمحل کر دے
نمایاں رنگِ پیشانی پہ عکسِ سوزِ دل کر دے

ساحر کو الفاظ کے وسیلے سے ہمارے دلوں کے اندر تک اترنے کا ہنر معلوم ہے۔ فلم 'واسنا' کی نظم کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ شاعر کس قدر تیزی سے ہمارے دلوں کے نہاں خانوں میں اترتا جا رہا ہے۔

عشق بے چین خیالوں کے سوا کچھ بھی نہیں
حسن بے روح اجالوں کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی چند سوالوں کے سوا کچھ بھی نہیں
ہر سوال ایسے مٹا دو کہ نہ کچھ یاد رہے

یہ نظم تجربات کی شاعری کی ایک اچھی مثال ہے۔ زندگی میں صرف سوال ہی سوال ہیں اور جواب کچھ نہیں، اگر کہیں سے کوئی جواب ملا بھی تو غلط۔ ارسطو نے ایک بار کہا تھا کسی سے کوئی سوال مت کرو اس لئے کہ کسی بھی سوال کا صحیح جواب کسی دور میں نہیں ملا۔

بہر صورت ساحر کی خوبصورت نظمیں، غزلیں اور گیت اردو ادب کے لئے قیمتی اثاثہ ہیں۔ عام طور سے ادب کے کچھ قاری ہمیشہ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ فلموں کے لئے لکھے جانے والے گانے بہت ہی عمومی اور معمولی ہوتے ہیں۔ انہیں اردو ادب کا سرمایہ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ساحر، شکیل، مجروح، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر اور دیگر شعراء کے کلام اس خیال کی نفی کرتے ہیں۔ ان شاعروں کے اشعار جن کا تعلق فلموں سے ہے واقعی نہایت قابلِ قدر ہیں۔ نہایت رواروی میں ان پر عامیانہ پن کا الزام لگا کر رد نہیں کیا جا سکتا۔

مجروح کو لیجئے۔ وہ پہلے بھی لکھتے تھے، آج بھی لکھ رہے ہیں، بے شک انہوں نے فلمی تقاضوں اور ہندوستانی عوامی مزاج کے لئے کچھ ایسے اشعار بھی لکھے ہیں جن کی توقع کم از کم ان سے نہ تھی۔ ہو سکتا ہے اس میں مصلحت کوشی ہو۔

زلف کے پھندے پھنس گئی جان
مر گیا میں تو اُو مری ماں

٭٭

لٹ کہیں جائے، گھونگھٹ کہیں جائے
ارے اب جھمکا ٹوٹے کہ میری بندیا ٹوٹے

لیکن یہ اور اس قسم کے دوسرے اشعار جو مجروح نے لکھے وہ عین فلمی تقاضوں کے مطابق لکھے گئے ورنہ ان کے اشعار بھی ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی، شکیل بدایونی اور جاں نثار اختر کے متوازی اور ہم پلہ ہیں۔

مجروح لکھ رہے ہیں وہ اہلِ وفا کا نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہ گار کی طرح

٭٭

شبِ انتظار آخر / کبھی ہو گی مختصر بھی
یہ چراغ بجھ رہے ہیں / مرے ساتھ جلتے جلتے / "پاکیزہ"

٭٭

مرا تو جو بھی قدم ہے وہ تیری راہ میں ہے
کہ تو جہاں بھی رہے گی مری نگاہ میں ہے

یا

ہوئی شام ان کا خیال آ گیا ٭ وہی زندگی کا سوال آ گیا

میں کھو گیا ہوں یہیں کہیں
جواں ہے رُت سماں حسیں

یہ تمام اشعار جو یہاں کوٹ کیے گئے خالص شاعری اور خالص اردو غزل کی مثالیں ہیں۔ مجروح نے فلموں کے لئے جو اشعار لکھے ان اشعار کا ایک بہت بڑا حصہ خالص ادبی شان بھی رکھتا ہے جنہیں نہایت سلیقے سے سجانے کی ضرورت ہے۔ مجروح کا آہنگ ترقی پسندانہ ہوتے ہوئے بھی کلاسیکی ہے اور انہوں نے فلموں کے لئے لکھی جانے والی غزلوں، گیتوں اور نظموں میں اس سلیقہ کو ہمیشہ برتا ہے۔

کیفی اعظمی کے اشعار جو انہوں نے فلموں کے لئے لکھے نہایت باوقار بامعنی اور پُرشکوہ ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ میں کیفی کے فلمی اشعار اگر کوٹ کیے گئے تو پھر ایک نئے مزاج اپنی جہت، نئے سلوک شعری کی بات بھی ہو گی جو یقیناً بہت بڑی بات ہو گی: میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے تمام اشعار ہی ایسے ہیں مگر جو ہیں ان کی پذیرائی اور ستائش یقیناً ہونی چاہیئے:

ملے نہ پھول تو کانٹوں سے دوستی کر لی
کسی طرح سے بسر ہم نے زندگی کر لی
اب آگے جو بھی ہوا انجام دیکھا جائے گا
خدا تراش لئے اور بندگی کر لی ! "انوکھی رات"

یا فلم شعلہ و شبنم کا یہ گیت: یا

جانے کیا ڈھونڈتی رہتی ہیں یہ آنکھیں مجھ میں
راکھ کے ڈھیر میں شعلہ ہے نہ چنگاری ہے

ظاہر ہے کہ یہ اشعار عوامی مزاج، بالخصوص ہندستانی عامیانہ فلمیں دیکھنے والوں کے مزاج اور سمجھ سے کافی دور ہیں، لیکن فلم "انوکھی رات" کے لئے لکھی جانے والی مذکورہ غزل واقعی نہایت اہتمام و انصرام سے تخلیق ہوتی ہے۔ ایسے اور بھی اشعار ہماری فلموں میں ملتے ہیں جو دوسرے شعراء نے فلموں کے لئے لکھے ہیں۔

مشہور و معقول فلم "مغل اعظم" کے گیت کار شکیل بدایونی کی خدمت کو کون نظر انداز کر سکتا ہے۔ انہوں نے ہندستانی فلمی صنعت کو نہایت اچھی اچھی غزلیں دی ہیں۔ ان کی غزلوں میں غزل کی پوری روایت ملتی ہے اور کہیں بھی کسی قسم کا جھول نظر نہیں آتا۔ یہ ساری غزلیں اردو ادب کی تاریخ غزل نویسی میں ایک شاندار باب کا اضافہ ہیں۔

یہ ہوا یہ رات یہ چاندنی تری اک ادا پہ نثار ہے
مجھے کیوں نہ ہو تری آرزو تری جستجو میں بہار ہے

٭٭

اپنی ہستی کا بھی انسان کو عرفاں نہ ہوا
خاک پھر خاک تھی اوقات سے آگے نہ بڑھی

٭٭

جو خوشی سے چوٹ کھائے وہ جگر کہاں سے لاؤں
کسی اور کو جو دیکھے وہ نظر کہاں سے لاؤں
تری بے رُخی کے صدقے تری ہر ادا پہ قرباں
کرے اور کو جو سجدے میں وہ سر کہاں سے لاؤں

ان کے علاوہ معروف فلم "مغل اعظم" شکیل بدایونی نے کئی ایک اور بھی نظمیں اور غزلیں لکھی ہیں جو آفاقی ہیں:

محبت کی جھوٹی کہانی پہ روئے ۔ . . . . . .
یہ دل کی لگی کم کیا ہو گی یہ عشق بھلا کم کیا ہو گا.. ...
جب رات ہے ایسی متوالی پھر صبح کا عالم کیا ہو گا

غرض انہوں نے ہندستانی فلمی صنعت کے لئے جہاں جو کچھ بھی لکھا ان کی نگارشات سے یہ صنعت دن بدن ترقی کرتی گئی لیکن مالی منفعت سے الگ ہٹ کر اگر سوچا اور سمجھا جائے تو ان کی تخلیقات کے اکثر و بیشتر اشعار اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں:

جس طرح ساحر، شکیل، کیفی اور مجروح نے فلمی صنعت کو ایک طویل عرصہ تک اپنے قلم کے حلقۂ اثر میں رکھا اور آج بھی آخر الذکر دو تو رکھے ہی ہوئے ہیں ویسے ہی مشہور ترقی پسند شاعر جاں نثار اختر جن کا لب و لہجہ ہمیشہ وہی رہا جو ترقی پسندوں کا تھا مگر جب وہ فلمی صنعت سے وابستہ ہوئے تو لہجے کی کاٹ اتنی زبردست ثابت ہوئی کہ جو لکھا وہ دل پر ثبت ہو گیا۔ یہ ان کے فن کا کمال ہے۔ میں نے پہلے بھی لکھا کہ اس صنعت میں صنف ادب کی تخصیص ذرا مشکل سے ہی ہوتی ہے۔ ہر گانا غزل بھی ہے، نظم بھی ہے اور گیت بھی۔ یہاں گیت سے مراد غزل، نظم اور گیت سب ہیں۔

جاں نثار اختر نے فلمی صنعت کو اس طرح کے کتنا اچھے گیت دئے ہیں۔ ان کی تخلیقات جو فلم سے متعلق ہیں دراصل وہ بھی ادب پارے ہیں جو ان کے اپنے دلکش اسلوبِ فکر کا نتیجہ ہیں۔

فلم شنکر حسین کے لئے جاں نثار اختر کا یہ گیت:

آپ یوں فاصلوں سے گزرتے رہے
دل سے قدموں کی آواز آتی رہی
آہٹوں کے اندھیرے چمکتے رہے
رات آتی رہی، رات جاتی رہی
. . آپ یوں فاصلوں سے
قطرہ قطرہ پگھلتا رہا آسماں
روح کی وادیوں میں نہ جانے کہاں
اک ندی دل ربا گیت گاتی رہی
. . . آپ یوں فاصلوں سے

ہر چند کہ صنفی اعتبار سے یہ نظم ہے لیکن فلمی تناظر میں یہ نظم بھی گیت ہی سمجھی جاتی ہے۔

بہرصورت جاں نثار اختر نے ادبی طور پر فلمی صنعت کی جو خدمت کی ہے وہ اپنی جگہ مسلّم اور معتبر ہے۔ انہوں نے فلموں کے لئے کئی خوب صورت غزلیں بھی لکھی ہیں۔

بے کسی حد سے جب گزر جائے / کوئی زندہ رہے یا مر جائے

فلم ناگن کے لئے لکھا جانے والا یہ گیت جسے راجندر کرشن نے نہایت اہتمام سے لکھا:

مرا دل یہ پکارے آجا
مرے غم کے سہارے آجا
بھیگا بھیگا ہے سماں
ایسے میں ہے تو کہاں
مرا دل . ...

ایک دوسری فلم کا یہ گیت:

میں اپنے آپ سے گھبرا گیا ہوں / مجھے اے زندگی دیوانہ کر دے

یا فلم "چوری چوری" کے لئے شیلندر کا لکھا ہوا یہ گیت جس میں موسیقیت رواں دواں ہے:

پنچھی بنوں اڑتی پھروں مست گگن میں
آج میں آزاد ہوں دنیا کے چمن میں
میرے جیون میں چمکا سویرا
اور مٹا دل سے غم کا اندھیرا
ہرے کھیتوں میں گائے کوئی لہرا
رہا دل پر کسی کا نہ پہرا
رنگ بہاروں نے بھرا میرے جیون میں

پھر راجندر کرشن نے فلم ناگن کے لئے یہ خوبصورت گیت لکھا جس کی موسیقیت آج بھی وہی ہے جو پہلے تھی:

من ڈولے، مرا تن ڈولے
مرے دل کا گیا قرار
یہ کون بجائے بانسریا
مدھر مدھر سپنوں میں دیکھی میں نے راہ نویلی
توڑ چلی میں لاج کا پہرا جانے کہاں اکیلی
رس گھولے دھن یوں بولے
جیسے ٹھنڈی پڑے پھوار ـــــ یہ کون بجائے ... ...

ایسے اور بھی بے شمار گیت لکھے گئے جو آج بھی فضاؤں میں رس گھول رہے ہیں۔

نیرج کا یہ مشہور گیت: "کارواں گزر گیا غبار دیکھتے رہے" نہ صرف اپنے زمانے میں مشہور ہوا بلکہ آج بھی اپنی آفاقی خصوصیات کی بنا پر ہمارے ماحول کا ایک حصہ ہے۔

راجہ مہدی علی خاں اردو کے ایک معتبر شاعر تھے۔ وہ جب فلم میں آئے تو فلموں کے لئے جو بھی گانے لکھے ان میں اپنا شعری مزاج ہمیشہ قائم رکھا اور اپنے مسلکِ شعری سے ذرا بھی نہ ہٹے:

فلم "آپ کی پرچھائیاں":

اگر مجھ سے محبت ہے مجھے سب اپنے غم دے دو
ان آنکھوں کا ہر اک آنسو مجھے میری قسم دے دو
تمہارے غم کو اپنا غم بنا لوں تو قرار آئے
وہ ہر شئے جو تمہیں دکھ دے مجھے میرے صنم دیدو
اگر مجھ سے محبت ہے ....

فلم "ان پڑھ"۔

آپ کی نظروں نے سمجھا پیار کے قابل مجھے
دل کی اے دھڑکن ٹھہر جا مل گئی منزل مجھے

وغیرہ وغیرہ

فلموں کے لئے لکھنے والے شعراء میں جوش، ساحر، شکیل، کیفی، جاں نثار اختر، شیلندر، راجا مہدی علی خاں، مجروح، راجندر کرشن کے علاوہ مخدوم محی الدین، آرزو لکھنوی، قمر جلال آبادی، ورما ملک، پریم دھون، بھرت ویاس، اندیور، اسد بھوپالی، گلزار، نقش لائل پوری، تنویر نقوی، کیف عرفانی، اختر رومانی، ایس ایچ بہاری، سرور، ڈی این مدھوک، میراں جی، حسرت جے پوری، کیدار شرما، آنند بخشی، انجان، ماما گوونڈا، شہریار، انجم پیلی بھیتی اور ندا فاضلی ہیں۔ اور بھی کئی نام ہیں کہاں تک یاد رکھا جائے۔ (ناموں کی ترتیب میں وقت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے کہ کون ان ناموں میں آگے آئے اور کون پیچھے)۔ فی الحال طوالت کے خوف سے موقع نہیں ہے کہ ان کا تفصیلی ذکر کیا جائے۔

بہرصورت ان تمام شعراء حضرات نے اپنی نگارشاتِ شعری کے وسیلے سے فلمی صنعت کو نہ صرف مالا مال کیا ہے بلکہ دل کش گیتوں کا ایک بیش بہا خزانہ بھی فراہم کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ جب اردو ادب کی نئی تاریخ مدون ہوگی اس میں ان تمام حضرات کے کارناموں کا اچھا خاصا جائزہ یقیناً پیش کیا جائیگا۔

فلموں کے لئے جو گیت لکھے گئے ہیں ان میں ایسی قدریں شامل ہیں جو ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ جس طرح غزل سے ہمارا ایک تہذیبی رشتہ ہے ویسے ہی گیت سے بھی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ گیت سے ہمارا رشتہ بہت پرانا ہے۔ گیتوں میں کسی بہتے ہوئے دریا کی روانی ہے۔ جیسے دریا بہتا رہتا ہے، ویسے گیت بہتے رہتے ہیں۔ گیت ایک ایسا سچ ہے جس پر جھوٹ کا غلاف چڑھ ہی نہیں سکتا۔

ہمارے گیتوں میں ہماری مٹی کی سوندھی بو رچی بسی ہے، دریاؤں اور سمندروں کی ہلچل اور نرم روی بھی ؟ جب یہ کہا گیا ہے اشعار کا مطالعہ ہمیں شریف النفس بناتا ہے اور ہم میں دلبرانہ خوبیاں پیدا کرتا ہے تو اس وقت بھی گیت بھی پس منظر میں تھا۔

ایک بات جو نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ گیت کسی قسم کی جغرافیائی حد بندیاں قبول نہیں کرتے۔ ایک خطے سے دوسرے خطے تک گیت کی رسائی ہے، ہاں مگر زبان میں تبدیلیاں ضرور ملتی ہیں، لیکن احساس اور فکر کی رَو وہی ہوتی ہے۔

شاعر گیتوں کا خالق ضرور ہوتا ہے لیکن ان گیتوں کو لباس عطا کرنے والا سنگیت کار ہی ہوتا ہے۔ موسیقاروں میں نوشاد، لکشمی کانت پیارے لال، مدن موہن، رام، ناشاد، راجیش روشن، اوشا کھنہ، چترگپت، شنکر جے کشن، کلیان جی آنند جی، این دت، او پی نیر، روی، حسن لال، بھگت رام، ایس مہندر، سردل کوارٹرہ، خیام، ہنس راج بہل، سی رام چندر، روشن، ادی نارائن، اقبال قریشی، دت رام، جی ایس کوہلی، وسنت ڈیسائی، جے دیو، رابندر جین، سلیل چودھری، اے آر قریشی، اوشا کھنہ، شیام سندر، ایس ڈی برمن اور آر ڈی برمن کے علاوہ بھی ممتاز موسیقار ہیں جن کے منفرد دھن اور موسیقی نے گیتوں میں جان ڈال دی ہے۔

بغیر ساز اور آواز کے کوئی بھی تخلیق اچھی نہیں لگتی۔ آواز اور ساز ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ مشہور گانے والوں میں محمد رفیع، طلعت محمود، منا ڈے، ہیمنت کمار، مہندر کپور، مکیش، کشور کمار، لتا منگیشکر، آشا بھونسلے، کویتا کرشن مورتی، انورادھا پوڈوال، الکا یاگنک، بہت پہلے اوما دیوی، نورجہاں، جی ایم درانی، ثریا، شمشاد بیگم اور کئی دوسروں نے ہندستانی فلموں میں اپنی آواز کے سحر سے ایک طلسمی فضا قائم کر دیا تھا، افسوس ہے کہ ان میں بہت سے لوگ اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔

محمد رفیع مرحوم کا نام نامی مشہور اور باوقار مغنی کی حیثیت سے ہمیشہ مثلِ آفتاب چمکتا رہے گا۔ ان کی موت سے بہت بڑا قومی نقصان ہوا ہے۔ جو لوگ باحیات ہیں ان کی خدمات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

فلمی صنعت کے لئے جو گیت لکھے گئے وہ دراصل اس صنفِ سخن سے بالکل مختلف ہیں جو ہندی کی میراث ہے۔ یہاں گیت سے مراد ہندی/اردو کی تمام اصنافِ سخن ہو سکتی ہیں۔ اردو کی غزل، نظم، نعت، منقبت، مسدس، مثنوی، مثلث، مخمس، دوہے، قطعہ وغیرہ کی پوری شکلیں گیت کے روپ میں موجود ہیں۔ اسی طرح ہندی کی بھی کچھ اصناف آئی ہیں۔ یہاں گیت سے مراد خالص گیت ہرگز نہیں ہے۔

بقول قیصر حباب "اردو میں گیت نام کی کوئی علاحدہ صنف نہیں ہے۔ گیت خالص ہندی کی صنف ہے۔ اردو میں گیت کا آغاز

خسرو کے زمانے سے ہوتا ہے۔ صوفیوں کے اقوال، مرثیے، چکی نامے، ہنڈولے اور لوک گیت کے بول ایک جاندار اور مستحکم روایت کی نشاندہی کرتے ہیں۔
سعدی کا کہنا ہے کہ در ریختہ در ریختہ، پر شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے خود سے جو غزل سرائی جاتی ہے وہ گیت کہی جا سکتی ہے۔ گیت کا اصل موضوع حسن و محبت اور اس سے منسلکہ روایتیں گیت قدیم ہیں اور سب ہندی میں حسن سے بھی پہلے گیت کی شروعات کی تھی۔

لتا / روشن

پردیسی بالم دیں اکیلی گھر آ دینا
رہا کا دکھ ہو گیا بہت، پریتم اب آ جا دینا

دیکھنے نام دی ہیں جو خسرو سے سیکڑوں سال پہلے بھی گائیں گئیں سب گیت ہیں۔ نام دیو میں بس دو ہی کثرت ہیں۔
بہادر شاہ ظفر اور واجد علی شاہ نے بھی گیت لکھے۔ ان گیتوں کو عوام کی پسندیدگی بھی حاصل ہوئی کیونکہ گیت کی زبان عام فہم، آسان اور عوامی بول چال سے قریب تر ہوتی ہے۔
مغل اعظم کا یہ گیت آج بھی زبان زد ہے۔ اس کا لہجہ اس کی دھا بھی بہت دلکش ہے کہ دل بس اپنے شہرِ عشق کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے جہاں بس عشق و محبت کی حکمرانی ہے:

موہے پنگھٹ پہ نند لال چھیڑ گیو رے
موری نازک کلائی مروڑ گیو رے

معلوم یہ ہوا کہ گیت کا چلن بہت پرانا ہے۔ چترال کی وادیوں میں بھی ایسے گیت ملتے ہیں۔ یہ سرحدی کوہستانی علاقہ آج بھی اپنے گیتوں کے لئے اور عشق و محبت کی داستانوں کے تعلق سے بہت مشہور رہا ہے۔ گیتوں کی یہ تمام روایتیں فلمی گیتوں میں اسی سج دھج کے ساتھ آئیں۔ گیت کا لکھنا چونکہ پہلے معیوب سمجھا جاتا تھا اس لئے بہت ہی کم لوگوں نے گیت لکھے مگر اب عرصہ سے اردو اور ہندی کی آمیزش سے گیت لکھے جا رہے

ہیں، پہلے بھی لکھے گئے۔ آغا حشر نے بھی اپنے ڈراموں کے لئے گیت لکھے۔ فی الحال یہاں ان گیت نگاروں یا ان کی تخلیق سے بحث نہیں ہے جنہوں نے غیر فلمی گیت لکھے بلکہ فلموں میں پچاس ساٹھ سال کے دوران جو گیت لکھے گئے ہیں ان سے بحث ہے کہ ان گیتوں کے ذریعہ اردو زبان و ادب بالخصوص شعری ادب کی کس قدر خدمت ہوتی ہے۔
'شعری ادب' کا دامن وسیع ہے۔ اس میں غزل، نظم، رباعی، نظمِ معریٰ، آزاد نظمیں، گیت سبھی شامل ہیں۔ تقریباً نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے فلموں کے لئے شعری ادب لکھا جا رہا ہے۔ ان میں بعض گیت زبان زدِ عام و خاص بھی ہیں۔ یہ فلمی گیت جنہیں ایک حلقے نے قابلِ اعتبار سمجھا واقعی آفاقی گیت ہیں اور اردو کے شعری ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں۔ گیت کا میدان غزل کی طرح بہت وسیع ہے۔ گیت کے وسیلے سے مختلف النوع نظریات حیات کے اظہار کی گنجائش ہے۔
ادھر پچاس ساٹھ سالوں کے دوران ہندوستانی فلموں میں جو گیت لکھے گئے ہیں ان کی سج دھج لَے اور فکر نہایت خوش گوار اور خوش آئند ہیں مگر جب سے فلموں میں تشدد (VIOLENCE) شروع کیا گیا اس وقت سے میں نے محسوس کیا کہ گیت تو درکنار غزل کشی کا بھی سلسلہ جاری ہے۔ اخلاقی پستی کے اس دور میں وہ فلمیں جن میں VIOLENCE کے مناظر دکھلائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اسی تناظر میں CRUDE SONG بھی

دیپ درمیں / آشا بھوسلے اور آر ڈی برمن

لکھے جا رہے ہیں۔ مغربی موسیقی کی گھن گرج میں ڈھل کر وہ اس قدر کرخت ہیں جسے ہماری سماعت برداشت نہیں کر پاتی اور موجودہ دور میں بچوں کا ذہن جو بہت ہی خام ہوتا ہے تشدد کی لائن اختیار کر رہا ہے اور رفتہ رفتہ جرم (CRIME) میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جیل ریکارڈ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ فلموں میں شدت پسندی اور اخلاقی پستی کا فی الفور خاتمہ ہونا چاہئے۔ یہ مزاج جو آہستہ آہستہ بنتا جا رہا ہے پوری قوم کیلئے خطرناک ہے ••

بنگال میں ہندی سنیما : ابتدا اور ترقی

ڈاکٹر خالدہ حسینی

پرانے زمانے میں خاموش فلمیں دکھائی جاتی تھیں اور پردے پر تصویر دکھلانے کے ساتھ ساتھ پس پردہ بولنے کا رواج تھا۔ عوام کی تفریح اسی طرح ہو جاتی تھی۔

کلکتہ میں پہلے پہل فلمی صنعت کی طرف توجہ دینے والوں میں جے ایف میڈن، پی این گنگولی اور بی این سرکار تھے

۱۹۲۳ء میں میڈن صاحب نے ٹالی گنج میں ایک فلم اسٹوڈیو قائم کیا جس کا نام "میڈن اسٹوڈیو" رکھا۔ یہیں سے پورے بنگال اور ملک میں فلم کی اشاعت کے لئے ایک نئی تحریک کی ابتدا ہوئی۔ اس تحریک کو آگے بڑھانے میں "اندرا پوری اسٹوڈیو" کا نام سر فہرست تھا۔ ویسے جے ایف میڈن ہی کو جدید فلم کا جنم داتا کہا جاتا ہے۔

میڈن تھیٹر بننے کے بعد پی این گنگولی نے بارانگر میں ایک اور اسٹوڈیو بنایا۔ اس کا نام "ایم پی اسٹوڈیو" رکھا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں بی این سرکار نے "نیو تھیٹرز" نامی ایک تیسرا اسٹوڈیو ٹالی گنج کے چنڈی تلہ میں کھول دیا۔ اس کے بعد انور شاہ روڈ پر "کالی فلم اسٹوڈیو" قائم کیا گیا، جو اب حکومت بنگال کے زیر سرپرستی ہے۔ اس کا تبدیل شدہ نام ٹیکنیشین ۲ ہے۔ اس میں کام کرنے کے لئے ۲ فلور متعین کر دئے گئے ہیں اور اسی میں کچھ گنجائش نکال کر حکومتِ مغربی بنگال نے سنگیت اکیڈمی قائم کر دی ہے۔

کالی فلم اسٹوڈیو بننے کے بعد ہی "کالکا فلمز" نام سے ایک اور اسٹوڈیو قائم ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں "ٹیکنیشین اسٹوڈیو پرائیوٹ لمیٹڈ" کے نام سے اس کا تعارف ہوا۔ اسی اسٹوڈیو میں ستیہ جیت رائے نے اپنی پہلی فلم "پتھیر پانچالی" بنائی تھی۔ اس میں شوٹنگ کے لئے تین فلور ہیں۔

اس کے بعد کچھ نئے اسٹوڈیو بھی قائم ہوئے۔ بابو لال چوکھریا نے "امینا تھیٹر" کے پاس پرنس انور شاہ روڈ پر "بھارت لکشمی اسٹوڈیو" کے نام سے ایک اسٹوڈیو بنوایا۔ اس کے بعد ایم پی اسٹوڈیو کی دوسری طرف "نیشنل اسٹوڈیو" قائم ہوا۔ اسی وقت ٹلیگنج میں "ایورگرین اسٹوڈیو" پھر ۱۹۶۸ء میں کے سی ملر اور پرنس انور شاہ روڈ پر بابو لال چوکھریا کا "بھارت لکشمی اسٹوڈیو" بنا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے اسٹوڈیو بنے اور بند ہو گئے۔ لیکن فی الحال جو موجود ہیں ان میں "رادھا فلم اسٹوڈیو" کا نام بہت اہم اور یادگار ہے، کیونکہ وہیں سے کلکتہ دوردرشن نے ۱۹۷۵ء میں اپنا کام شروع کیا تھا۔

اسٹوڈیو کے علاوہ اس دور میں جو اہم فلم لیبوریٹریاں ہیں ان میں "اروڑا اسٹوڈیو لیبوریٹری (جو آج ۱۔۲۱ بی بلرام گھوش روڈ پر ہے)" "فلم سروس" اور چنڈی گھوش روڈ پر "انڈین فلم لیبوریٹری پرائیوٹ لمیٹڈ" ہے۔ اس میں کچھ تو آج بند پڑی ہیں۔ اس کے علاوہ حکومتِ مغربی بنگال نے "روپاین" نام سے ایک لیبوریٹری ٹیکنیشین ۱ کے اندر بنوائی ہے۔

کلکتے میں پہلی ہندی فلم "چک بک والی" ۱۹۳۱۔۳۲ء میں بھارت لکشمی پروڈکشن کے تحت میڈن تھیٹر میں بنی۔ یہ فلم بنیادی طور سے گیتوں پر مبنی تھی۔ اس کے علاوہ ۱۹۳۳ء میں نیو تھیٹرز اسٹوڈیو کے بینر تلے ایک فلم "پران بھکت" تیار ہوئی۔ اس فلم کے پروڈیوسر دیوکی بوس تھے اور خاص اداکار پہاڑی سانیال، اوما ششی اور کے سی دے تھے۔
اس کے بعد پروڈیوسر نیتن بوس نے "چنڈی داس" نام کی ایک فلم بنائی۔ نثارا اور مختار بیگم نے اس میں اصل کردار نبھایا تھا۔ اس کے علاوہ کندن لال سہگل اور اوما ششی بھی اس میں تھیں۔

تیسری دہائی میں جو مشہور فلمیں ہیں ان میں پرتھیس بروا کی ہدایت کاری میں بنی فلم "دیوداس" تھی۔ یہ فلم نیو تھیٹرز میں بنی تھی۔ کندن لال سہگل اور جمنا اس کے خاص اداکار تھے۔ پروڈیوسر نیتن بوس نے نیو تھیٹرز کے بینر تلے پہاڑی سانیال، اوما ششی اور کے سی دے جیسے فن کاروں کو لے کر "دھوپ چھاؤں" جیسی فلم بنائی
پرفلا گھوش کی ہدایت اور رادھا رمن بھٹاچاریہ کے سنگیت کے ساتھ ساگر کمپنی کی سرپرستی میں "ابوالحسن" فلم بنی۔ ہادی، بیبو، اور

شہزادی اس میں خاص اداکار تھے۔ انہی کی ہدایت اور اس کمپنی کی سرپرستی میں 'ویرا ابھیمنیو' فلم بنی تھی۔

۱۹۴۱ء میں فنی مجمدار کی ہدایت اور نیو تھیٹرز کی سرپرستی میں 'ڈاکٹر' نام کی ایک فلم بنی۔ اس فلم کو اچھی خاصی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ اس میں پنکج ملک، پنا اور اہندر چودھری خاص اداکار تھے۔ اس بینر تلے بمل رائے کی ہدایت میں ۱۹۴۴ء میں 'ہمراہی' بنی جس میں خاص اداکار رادھا رمن بھٹاچاریہ اور بنیتا بوس وغیرہ تھے۔ یہ فلم بھی اس زمانے میں خوب مشہور ہوئی تھی۔

کی ہدایت میں "انصاف کی توپ"، "تقدیر کی توپ"، "سیوک" اور "پرتی پوجا" نام کی فلمیں بنی تھیں جن میں انہوں نے خود اداکاری بھی کی تھی۔

پھر ۱۹۵۱ء میں پروڈیوسر کارتک چٹرجی نے وسنت چودھری اور ارندھتی دیوی کو لے کر "پاتھک" نام سے ایک فلم بنائی اور دیوکی بوس نے ابھی بھٹاچاریہ اور انو بھاگیت کو لے کر فلم "رتن دیپ" پروڈیوس کی۔

چھٹی دہائی میں کلکتہ اسٹوڈیو کو فلم سازی میں ایک بڑا دھچکا لگا لیکن ساتویں دہائی میں کچھ اچھی فلمیں بنیں۔ ان میں اسیت سین کی ہدایت میں بنی فلم "ممتا" بھی تھی۔ اس میں دھرمیندر اور سچترا سین نے کام کیا تھا۔ اسی

مغربی بنگال فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹڈ کی عمارت

اس کے بعد فلم ساز کارتک چٹرجی نے ملینا دیوی اور شنکر کو لے کر 'چھوٹا بھائی' نام کی ایک فلم بنائی۔ ۱۹۴۶ء۔ ۱۹۴۷ء کے دوران پروڈیوسر ششیل مجمدار نے کانن دیوی اور جوہر گنگولی کو لے کر 'ہاسپٹل' نام سے ایک فلم کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد پرمتھیس بروا نے اپنی ہدایت میں فلم 'جواب' بنائی۔ پرمتھیس بروا، کانن دیوی اور جمنا وغیرہ اس فلم کے خاص اداکار تھے۔ اس دوران اسیت برن اور بھارتی دیوی کو لے کر فلم 'واپس' بنائی گئی۔ اس وقت اور بھی فلمیں بنیں جو مشہور بھی ہوئی تھیں ان میں ایک فلم 'غریب کی توپ' تھی۔ اس کے ڈائرکٹر اور ہیرو سیول داس بیچولی تھے اور رام پیاری ہیروئن تھیں۔ اس کے علاوہ بیچولی ہی

دہائی کے آخر میں مرنال سین نے اپنی ہدایت میں "بھون شوم" بنانا شروع کی۔ اتپل دت اور سہاسنی مولے اس کے خاص اداکار تھے۔ اس کے بعد تپن سنہا نے اپنی مشہور فلم "سفید ہاتھی" بنائی۔

آٹھویں دہائی میں کچھ اور آرٹ فلمیں بھی بنیں جیسے "شطرنج کے کھلاڑی" کو ستیہ جیت رائے نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ یہ فلم ۱۹۷۱ء میں بنی تھی۔ "شطرنج کے کھلاڑی" ایک لحاظ سے انوکھی اور رائے کی واحد ہندی فلم ہونے کی وجہ سے خاصی مقبول ہوئی۔ تپن سنہا کی ہدایت اور راقم کار شرمیلا ٹیگور اور اتپل دت کی اداکاری سے مشہور فلم 'آمانش' بنی۔ یہ سچ ہے کہ اس دور میں جو فلمیں بنیں وہ اپنی پُرزور کہانی اور خوبصورت اداکا

سے خاصی مشہور ہوئیں۔ ان کے علاوہ بھی اس وقت کافی فلمیں بننی شروع ہوئی تھیں، لیکن وہ مکمل نہ ہو سکیں۔ ہدایت کار مرنال سین کی "کھنڈر"، جینیسس، ایک ادھوری کہانی، ایک دن اچانک اور مرگیہ جیسی فلمیں بہت مشہور ہوئیں۔

ان سب کے علاوہ اور بھی کافی پرانی فلمیں ہیں جیسے پریورتن، اس کے ڈائرکٹر ڈی ایس سلطانیہ تھے۔ "گرہ لکشمی" (ہدایت کار سیوک اور اداکار اجیت کمار اور کوشیلا وغیرہ)۔ پتی بھکتی، کماری اور رودھوا، دل جانی، مستانہ، گردھر گوپال کی برا، تقدیر کی توپ، ڈاکو خسال اسکا، وغیرہ اسی دور کی تھیں۔ تپن سنہا کی فلم "ایک ڈاکٹر کی موت" بھی بنی تھی جس کے خاص اداکار شبانہ اعظمی اور پنکج کپور تھے۔ اس کے بعد کلکتہ میں ہندی فلموں کا پروڈکشن تقریباً بند ہو گیا۔ پانچویں دہائی کو کلکتہ سینما کا زریں دور کہا جاتا ہے۔ اس دوران کلکتہ میں کافی فلمیں بنیں اور وہ بکس آفس پر ہٹ بھی ہوئیں۔ لیکن اسی دہائی کے آخر اور چھٹی دہائی کے شروع میں کچھ فلمیں فلاپ بھی ہوئیں۔ اس سے کلکتہ فلم انڈسٹری کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ حالانکہ اسی دوران سینما کی دنیا میں پہلی بار پست درجے کی کہانیوں کو داخل ہونے کا موقع ملا۔

۱۹۴۸ء میں بمل رائے نے ایک اچھی فلم "پہلا آدمی" بنانی شروع کی لیکن اس فلم کو فلاپ کرنے کے لئے اسی زمانے میں اسی کہانی کی بنیاد پر ایک فلم "سمادھی" بنائی گئی۔ ۱۹۴۹ء میں یہ فلم ریلیز ہوئی۔ ناظرین نے اسے بہت پسند کیا اور نتیجے میں بمل رائے کی فلم "پہلا آدمی" پٹ گئی۔

۱۹۸۱ء سے فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن (این ایف ڈی سی) اور دوردرشن کی وجہ سے فلمی دنیا کی ترقی کے دروازے کھلے اسی دوران کچھ ٹیلی فلمیں اور ٹی وی سیریل بننے شروع ہوئے۔

ستیہ جیت رائے نے دوردرشن کے لئے ہندستان میں پہلی ٹیلی فلم "سدگتی" بنائی۔ اوم پوری، شبانہ اعظمی، موہن اگاشے وغیرہ اس کے خاص اداکار تھے۔ مرنال سین نے ایک ٹیلی فلم "تصویر اپنی اپنی" بنائی۔ ایک دوردرشن سیریل بھی انہوں نے بنایا جس کا نام "کبھی دور کبھی پاس" تھا۔ کلپنا لاجمی نے ۱۹۸۸ء میں "لوہت کنارے" نام کا ایک سیریل تیار کیا۔ ستیہ جیت رائے کی "سدگتی" کو دلی دوردرشن نے ۲۵ اپریل ۱۹۸۲ء کو ٹیلی کاسٹ کیا تھا۔

پھر ستیہ جیت رائے کے بیٹے سندیپ رائے نے ۸۵-۱۹۸۴ء میں "ستیہ جیت رائے پریزنٹس" نام سے ایک سیریل دوردرشن کیلئے بنایا۔ ششی کپور، اوم پوری، موہن اگاشے، سادھو مہر، نینا گپتا، پنکج کپور، سپریا پاٹھک اور تنوجا وغیرہ اس سیریل کے خاص اداکار تھے۔ اس کی کہانی اسکرپٹ اور سنگیت خود ستیہ جیت رائے کا تھا۔ سندیپ رائے نے بعد میں "تارگیٹ" نام سے ایک فلم بنائی۔ اس کے خاص اداکار اوم پوری، موہن اگاشے، انجن شری واستو اور گنیش مکھرجی تھے۔

فلم ڈائرکٹر گوتم چودھری نے نصیر الدین شاہ اور شبانہ اعظمی کو لے کر فلم "پار" بنائی۔ بدھادیب داس گپتا نے انو کپور اور راجیشوری

فلم: پار
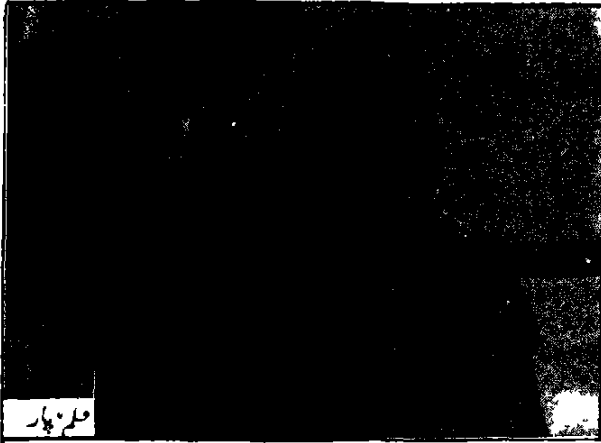
رائے چودھری کی اداکاری والی فلم "باغ بہادر" بنائی۔ اتپلیندو چکرورتی نے ستا پاٹل اور اوم پوری کو لے کر "دیوشیشو" بنائی اور گوتم چودھری نے "مینو کا سپنا" نام کا ایک ٹی وی سیریل تیار کیا۔

بنگال کے مشہور ناول نگار بھبوتی بھوشن کی ایک کہانی کی بنیاد پر بدھادیب داس گپتا نے "ارنیک" نام سے ایک سیریل بنایا۔ ہدایت کار شنکر بھٹاچاریہ نے "سارے جہاں سے اچھا" راجا داس گپتا نے "جنگل کی گہرائی" اور گوتم بنرجی نے "داغ" بنائی۔ داغ میں نورن شیپل، وینا اور کشوری نے خاص اداکاری کی ہے۔ راجا داس گپتا نے ٹیلی فلم "انتم راتری کا کاریہ" اسی دوران بنایا تھا۔ وسنتے چٹرجی نے رابندرا ناتھ ٹیگور کی کہانی کی بنیاد پر ایک سیریل "درپ ہرن" کی ابتدا ۱۹۸۱ء میں کی تھی۔ ۱۹۹۲ء میں گوتم بوس نے "بنجارا" اور ۱۹۹۳ء میں سدیپ چکرورتی نے "نام گم جائے گا" نام سے ایک سیریل کا کام شروع کیا تھا۔ اس میں ہیما مالنی اور تپلیشور پرساد بطور اداکار تھے۔ اسی دوران پنکی چودھری نے "آرگشتی" نام کا سیریل بنایا اور "بلیدان" نام کی ایک فلم بھی بنائی۔

اسی سال زی۔ ٹی وی کی درخواست پر کلکتہ میں پہلا ہندی ٹی۔ وی سیریل بنانے کی ذمہ داری ڈائرکٹر اندرنیل بنرجی کو سونپی گئی ہے۔۔

سنیما کے ۱۰۰ سال

سلیل چودھری - ایک عہد ساز شخصیت

گزشتہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء کی منحوس رات کی مہیب سیاہی میں نغمہ و موسیقی کا وہ درخشندہ ستارہ ڈوب گیا جس کی نورافشانی سے نہ جانے کتنے دکھی دلوں کے تیرہ بخت گوشے منور ہوئے۔ عام لوگوں کے رِستے زخموں پر مدھر گیت اور سنگیت کا پھایا رکھنے والے سلیل چودھری مختلف رنگوں میں ڈوبے الزار کا وہ مینارۂ عظیم تھا جس کا ہر رنگ اپنے روپ میں اس کی انفرادیت کا اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شاعر، گیت کار، افسانہ نگار، موسیقی کار، ہدایت کار، منظر نامہ نگار، مصنف ـــــ ایک شخص کے اتنے سارے پہلوؤں سے بھلا کوئی مرعوب ہوئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔ رومان پرست، انقلاب پسند، وسیع المزاج فنکار سلیل چودھری دراصل بنگال کی "بعد از رابندریاتی ثقافت" کی روشن علامت تھے۔ دوسرے ہم عصروں کی طرح ان کو اس بات پر قطعی یقین نہیں تھا کہ ہندستان کے باقی ماندہ عوام زراعت کے سوا کسی ثقافت کی پرورش نہیں کر سکتے۔

مارکسزم کے مثبت اثرات اور کمیونزم سے براہِ راست تعلق نے ان کی اس بصیرت کو اور بھی جِلا بخشی۔ گن ناٹیہ یعنی اپٹا (IPTA) سے ان کا گہرا لگاؤ اور اس تحریک میں ان کی سرگرم شمولیت نے عوام سے ان کو بہت زیادہ قریب کر دیا تھا۔ اب ان کی ہر تخلیق (پیش کش) ثقافت برائے زندگی کی علمبردار بن گئی تھی۔ انہوں نے اپنی اس روش کو زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ یوم رشید علی کا جلوس ہو یا پھر کاکدیپ۔ ڈونگا جوڑا کی تحریک سب میں ان کے دوش بدوش شرکت انکی عوام دوستی کا بین ثبوت پیش کرتی ہے۔ انہیں بنگال میں کمیونسٹ پارٹی کے زیرِ قیادت تیبھاگا تحریک میں سرگرم شرکت کے دوران کئی برسوں تک روپوش ہونا پڑا تھا۔ ایسے عالم میں بھی تخلیقی عمل کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ وہ گیت لکھتے رہے اور اپنی سحر انگیز موسیقی کے سُر تال میں ڈھالتے رہے۔ یہ عوامی تحریکوں سے گہری وابستگی کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے اس دوران بنگلہ کے انقلابی شاعر سوکانت بھٹاچاریہ کے گیتوں/نظموں کو اپنی موسیقی کی جھنکار سے مزین کیا۔ ان کی اپنی دھن اور موسیقی میں ڈھلے یہ گیت ہندستان بھر میں جمہوریت پسند عوام کے لئے رجز بن گئے۔ ایسے گیتوں کی تخلیق یقیناً روح کی پنہائیوں میں مستغرق ہو کر ہوئی ہوگی، جبھی تو گیتوں کے ہر بول، ہر تال میں زندگی رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

سلیل چودھری نے مشرقی ہندستان بالخصوص بنگال کے لوک گیت اور ربندر سنگیت پر مبنی بہت سے گیتوں کو ریکارڈ کیا ہے جن میں بہت سے گیت آج بھی زبان زدِ عام ہیں جیسے "سات بھائی چمپا جاگو رے جاگو" یا "دھتیا تک دھتیا تک بولے" یا "یہ دیش تمر آمر" یا "آئی رے آئی لگن بوئے جائے"۔

سلیل چودھری کی عوامی مقبولیت کو فلم صنعت بھلا کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ کتنی فرمائشیں سلیل چودھری کی دہلیز پر کھڑی ان کی ایک ہاں کا انتظار کر رہی تھیں۔ سب سے پہلے انہوں نے منورنجن بھٹاچاریہ کی بنگلہ فلم "پریورتن" کے لئے سنگیت دینے کی فرمائش کو منظور کیا۔ اس کے بعد فلموں کی قطاریں لگ گئیں۔ پاسر بارٹی، ایک دن راتیرے، کویتا، مرجینا عبداللہ، پارٹی، باڑی تھیکے پالیئے، لال پاتھر، گنگا، دیلوکا، اسپر اور ایسی کتنی فلموں کو انہوں نے اپنی کامیاب موسیقی سے مزین کیا۔ انہوں نے ۵۰ویں دہائی میں بمبئی کا رخ کیا۔ انہیں بمبئی کی تجارتی فلموں میں بھی بھرپور کامیابی ملی لیکن یہاں بھی تخلیق کار کی حیثیت سے ان کی پہچان برحال رہی شاید اس لئے انہوں نے کبھی بھی زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنے کی تمنا نہیں کی تھی ورنہ آج ان کی بھی بمبئی اور کلکتہ میں فلک بوس عمارتیں ہوتیں۔

کلاسیک و لوک سنگیت کے ساتھ جدید موسیقی کے امتزاج سے انہوں نے ایک الگ تھلگ اور منفرد سنگیت کے سُر تال سے فلمی صنعت کو

سلیل چودھری
۱۹ر نومبر ۱۹۲۵ء تا ۵ر ستمبر ۱۹۹۵ء

مالا مال کیا۔

ہندی میں "دو بیگھہ زمین" اور "مدھومتی" سلیل چودھری کی وہ ابتدائی ناقابلِ فراموش فلمیں ہیں جن کے گیت یعنی ــــ دل نے جسے چاہا تھا آنکھوں نے گنوایا ہے' سہانا سفر اور یہ موسم حسین، گھڑی گھڑی میرا دل دھڑکے' (مدھومتی) اور دھرتی کہے پکار کے (دو بیگھہ زمین) وغیرہ آج بھی ہمیں مسرور کئے بغیر نہیں رہتے۔ ان فلموں کے گیتوں کی مقبولیت نے ان کو بے شمار ہندی۔ اردو فلموں میں متعدد مقبول گیتوں کی لافانی دھن اور موسیقی کا مجدد بنا دیا۔

زندگی خواب ہے (جاگتے رہو)' اتنا نہ مجھسے تو پیار بڑھا' یا آنسو سمجھ کر کیوں مجھے (چھایا)' رات نے کیا کیا خواب دکھائے (ایک گاؤں کی کہانی) آہا رم جھم کے یہ پیارے پیارے گیت لئے (اس نے کہا تھا)' چھوٹا سا گھر ہوگا (نوکری)' اے دل کہاں تیری منزل (مایا)' اے میرے پیارے وطن (کابلی والا)' جا تجھ سے نہیں بولوں گی میں کنہیا' (پریوار)، ٹوٹے ہوئے خوابوں نے ..... (مدھومتی)، میں رنگیلا پیار کا راہی (بڑی بہن)' گزر جائے دن یا چھپا دتی تو آجا (ان داتا)' کئی بار انہیں دیکھا ہے (رجنی گندھا)' کہیں دور جب دن ڈھل جائے' یا زندگی کیسی یہ پہیلی ہے (آنند) اور بھی ایسے کتنے لافانی گیت آج بھی ہمارے کانوں میں اسی طرح رس گھول رہے ہیں۔

سلیل چودھری کی موت سے ہمارے ہندستانی ثقافت و ادب کا ایک دور ختم ہوگیا۔ ایسی اساطیری شخصیت ہر دور کو کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اقبال نے صحیح فرمایا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری کو روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سلیل چودھری کی موت سے پورے ہندستان بالخصوص بنگال کے عوام کو گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ ان کی موت پر اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا ہے کہ، "بنگلہ اور ہندستانی موسیقی کے میدان میں انہوں نے ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دئے ہیں۔ عوامی سنگیت اور جدید سنگیت کے امتزاج سے انہوں نے ایک جہت عطا کی ہے۔ ان کی تخلیقات عام لوگوں کو تحرک کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں۔ مستقبل میں بھی وہ یاد رکھے جائیں گے۔" •• (مصطفےٰ اکبر)

ہندستانی سینما کے چند عظیم ہدایت کار

——— پریم پال اشک

حصّہ اوّل

سینما اس صدی کا بہترین اور مقبول ترین ذریعۂ اظہار ہے۔ اس کے ذریعہ پوری دنیا ایک کنبے کی شکل میں سمٹ گئی ہے۔ عوام ایکدوسرے سے سکھ دکھ، غم اور مسرت اسی کے ذریعہ بانٹ سکتے ہیں اور سینما کے ذریعہ ہم دنیا بھر کے عوام کے سماجی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کو دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں اور ثقافتی رشتے استوار کرنے والا بہترین ذریعہ سینما ہی تصور کیا جاتا ہے۔ پردۂ سیمیں پر انہیں مختلف تکنیکی انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ کہیں سیدھی سادی اور سپاٹ کہانی کا انداز اپنایا جاتا ہے تو کہیں "فلیش بیک" کا سہارا لیا جاتا ہے تو کبھی زیادہ سے زیادہ کلوز اپ دے کر کرداروں کے چہروں کے تاثرات ابھارے جاتے ہیں تو کہیں کردار خود زندگی کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہندستانی ہدایت کاروں نے بھی دنیا کے اس مقبول ترین ذریعۂ اظہار کو سینے سے لگا کر دنیا کے مختلف ممالک کے سینما کے ساتھ آنکھیں چار کرنے کا سلیقہ سکھایا اسے کسی بھی طور پر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

آئیے، ہندستانی سینما کے چند ہدایت کاروں کی خدمات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کریں اور دیکھیں کہ انہوں نے ہندستانی سینما کی ترقی اور فروغ میں کتنا اہم کردار ادا کیا۔

اس سلسلے میں دادا صاحب پھالکے، آردیشر ایرانی، وی شانتا رام، سہراب مودی، دیوکی بوس، محبوب خان، نتن بوس، سہراب مودی، بمل رائے، ایس ایس واسن، راج کپور، گرودت، بھال جی پینڈھارکر اور ستیہ جیت رے کی خدمات روزِ ازل تک زندہ و پائندہ رہیں گی۔

دادا صاحب پھالکے: ہندستانی سینما کے خالق دادا صاحب پھالکے کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ ان کی خدمات ہندستانی سینما کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔ ہندستان میں پہلی فیچر فلم "راجہ ہریش چندر" کے خالق دادا صاحب پھالکے ہی تھے۔ یہ فلم ۱۹۱۳ء میں ریلیز ہوئی تھی۔ ان کی اس فلم نے ہی ہندستانی سینما میں فیچر فلموں کی ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ انہوں نے فلم سازی کو ایک عبادت تصور کرتے ہوئے انتھک محنت اور لگن کے بل بوتے پر فلم سازی کی تربیت "اے۔ بی۔ سی آف سینماٹوگرافی" نامی ایک انگریزی کتاب کے مطالعے سے حاصل کی جرمنی جا کر مصوری، فوٹوگرافی اور بلاک سازی کی مہارت حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی فلم سازی کے تجربات شروع کر دئے۔ ۱۵۰۰ روپے کا بیمہ کرایا اور لندن سے فلم سازی کا ضروری سامان خرید لائے۔ ان کی لگن اور جستجو کا یہ عالم تھا کہ فلم سازی کی دھن میں اپنی بیوی کے زیورات تک فروخت کر دئے۔ راجہ ہریش چندر سے پہلے انہوں نے ۵۰۰ فٹ لمبی ایک لمبی فلم "دی گروتھ آف اے پلانٹ" تیار کی۔ اس میں کامیاب بھی رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق فلم راجہ ہریش چندر پیش کی۔ اس کی تیاری میں انہیں کتنی ذہنی، جسمانی اور معاشی پریشانی سے دوچار ہونا پڑا اس کا احساس اس امر سے ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اس فلم کے فلم ساز، ہدایت کار، کیمرہ مین، سیٹ ڈیزائنر، پروسیسر، ایڈیٹر، ڈسٹری بیوٹر اور پبلسٹی منیجر خود ہی تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بذاتِ خود ایک چلتا پھرتا ادارہ تھے۔ ہندستانی سینما کو پہلا اداکار جی ڈی تانبے، پہلا بچہ اداکار بھال جی پھالکے اور اداکاراؤں درگاہ بائی اور کملا بائی کو پردۂ سیمیں پر پیش کرنے کا فخر انہیں ہی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ہندستان کی پہلی باکس آفس فلم لنکا دہن دادا صاحب پھالکے ہی نے پیش کی تھی۔ یہ فلم ۱۹۱۹ء میں آئی تھی۔ اس فلم کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ مدراس میں اس کی یومیہ گراس آمدنی بوریوں میں بھر کر بیل گاڑیوں پر لاد کر پولس کے پہرے میں لائی جاتی تھی۔ اس فلم نے دس روز میں ۳۰ ہزار روپئے کمائے تھے۔ اس کے علاوہ پونے میں تماشائیوں نے یہ فلم دیکھنے کے لئے سینما گھر کے دروازے توڑ دئے تھے لو۔ دادا صاحب پھالکے کو راجہ ہریش چندر کے علاوہ کرشن، لنکا دہن، بھسما سر موہنی، ساوتری کالیا مردن، اہلیا ادھار اور ادشاہرن کے لئے ہمیشہ یاد

رکھاجائے گا۔

آردیشر ایرانی : ہندستانی سنیما میں خاموش فلموں کو زبان عطا کرنے والے ایک عظیم ہدایت کار آردیشر ایرانی کو بھی دادا صاحب پھالکے کی طرح ایک عہد آفریں شخصیت کہلائے جانے کا شرف حاصل ہوا۔ ہندستانی سنیما کی ترقی اور فروغ میں آردیشر ایرانی کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اندازہ لگائیے کہ اگر کسی گونگے کو قوتِ گویائی حاصل ہو جائے تو اس کی مسرت کا کیا ٹھکانہ ہوگا اور پھر سنیما یعنی "سہاگ"۔ ذرا اس فضا اور کیفیت کا اندازہ لگائیے کہ جب ۱۹۳۱ء میں ہندستان کی پہلی بولتی فلم "عالم آرا" پردۂ سیمیں کی زینت بنی ہوگی تو عوام میں کتنا جوش ہوگا۔ اس فلم کے خالق آردیشر ایرانی ہی تھے۔ عالم آرا ہماری پہلی متکلم فلم ہی نہیں بلکہ پہلی متکلم باکس ہٹ فلم ثابت ہوئی۔ اس فلم کے متعلق مشہور ہے کہ اس کا چار آنے کا ٹکٹ چار پانچ روپے میں فروخت ہوا تھا۔ آردیشر ایرانی نے اس فلم سے تین لاکھ روپئے کمائے تھے۔ آردیشر ایرانی نے اس فلم کے ذریعہ پہلا متکلم ہیرو ماسٹر وٹھل پہلی متکلم ہیروئن زبیدہ، پہلا کلر کارڈ بلیو لے خان، پہلا مکالمہ نگار جوزف ڈیوڈ اور پہلا موسیقار ظہیر علی ہندستانی سنیما کو عطا کیا۔ اس کے علاوہ آردیشر ایرانی نے ۱۹۳۷ء میں پہلی رنگین فلم کسان کنیا بھی بنائی۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، تامل، تیلگو، گجراتی، مراٹھی، پشتو اور فارسی زبانوں میں بھی فلمیں بنائیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ۱۵۸ فلمیں بنائیں ان میں ۱۳۰ خاموش، باقی متکلم فلمیں تھیں۔ ان کی اہم فلموں میں نورجہاں (انگریزی و فارسی)، ویرابھمینو (خاموش)، مادھوری، کسان کنیا فلموں کے نام فخر سے لئے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آردیشر ایرانی نے کئی حوصلہ مند اقدامات بھی کئے۔ ان دنوں اکثر ریفلیکٹر کے بغیر سورج کی روشنی میں شوٹنگ کی جاتی تھی۔ اس طرح بیرونی فضا کے شور سے آردیشر ایرانی بھی پریشان تھے۔ لہٰذا انہوں نے اسٹوڈیو میں مصنوعی روشنی میں سیٹ لگا کر ان ڈور شوٹنگ کا سلسلہ شروع کیا۔

وی شانتارام : ہندستانی سنیما وی شانتارام سے پہلے تھیٹر کا مرہونِ منت تھا۔ وی شانتارام کو ہندستانی سنیما میں کم و بیش دادا صاحب پھالکے اور آردیشر ایرانی جیسا مقام حاصل ہے۔ انہوں نے سنیما اور تھیٹر میں امتیاز پیدا کرنے کا شعور پیدا کیا اور سنیما کو تھیٹر سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ ہندستانی سنیما میں علامتی انداز پیش کرنے کا شرف شانتارام کو ہی حاصل تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی فلم "دنیا نہ مانے" میں پہلی بار فلم میں بیک گراؤنڈ موسیقی کے

بجائے صوتی اثرات استعمال کئے۔ یہی نہیں بلکہ فلم امرت منتھن میں انہوں نے چندر موہن کے کلوز اپ پہلی بار لئے۔ اس کے علاوہ شانتارام نے اپنی فلم آدمی میں موزوں ترین مواقع کے مطابق پہلی مرتبہ فریز شاٹ کی تکنیک بھی استعمال کی۔ شانتارام نے اپنی فلم آدمی میں پہلی مرتبہ تماشائیوں میں قومی یک جہتی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے ملک کے مختلف علاقوں کی کچھ زبانوں میں ایک گیت پیش کیا۔ یہی نہیں بلکہ شانتارام نے فلم کی شوٹنگ میں کرین اور ٹرالی کے استعمال کا سسٹم بھی شروع کیا۔ شانتارام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا سماجی شعور ہمیشہ بیدار رہا تھا۔ انہوں نے انگریزوں کے عہد میں سینسر کی آنکھ بچا کر مہاتما درجیسی عمدہ فلم بنائی اور گاندھی جی کے پیغام کو عملی جامہ پہنانے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انہوں نے اپنی فلم رانی صاحبہ میں ایک چھ سال کی بچی کو ہیروئن کی شکل میں پہلی بار پیش کیا۔ انہوں نے ہر سماجی مسئلہ کو اپنی فلم کا موضوع بنایا۔ ان کی یادگار فلموں میں ایودھیا کا راجہ، آدمی، پڑوسی، دنیا نہ مانے، امر جیوتی، امرت منتھن، جہیز، ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی، دو آنکھیں بارہ ہاتھ، تین بتی چار راستہ، پنجرہ وغیرہ بہت اہم تھیں۔ شانتارام ایک فرد ہی نہیں بلکہ انجمن تھے اور ساتھ ہی ایک مدرسہ فکر بھی۔ وہ بذاتِ خود سنیما کے طالب علم بھی تھے اور استاد بھی۔

پی۔سی۔ بروا : ہندستانی سنیما کی تاریخ میں جادو اگر سر چڑھ کر بولتا ہے تو اس میں سرزمین بنگال کی سوندھی مٹی کی خوشبو کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے سنیما کی پوری تاریخ میں مہاراشٹر اور بنگال کی سرسبز و شاداب دھرتی نے فنی عظمت کے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ اول الذکر چاروں عظیم شخصیتوں کے بعد فنی عظمت اور اعلیٰ مرتبت کا سہرا صحیح معنوں میں پرتھمیش چندر بروا عرف پی سی بروا کے سر بندھتا ہے۔ انہوں نے ہندستانی سنیما کو ایک انقلاب آفریں راہ پر گامزن کیا۔ انہوں نے تھیٹر اور سنیما کے فرق کو صحیح معنوں میں سمجھا اور اس میں امتیاز پیدا کیا۔ تھیٹر کے انداز سے مکالمے تحریر کرنے اور ان کی ادائیگی کرنے کے بجائے انہیں سیدھے سادے انداز میں تحریر کرنے اور ادا کرنے کے انداز کو اپنا کر ہندستانی سنیما کو سنیما کی ڈگر دکھائی۔ جادوگر جہاں کار تھا وہاں اس نے اپنی ذہانت اور دانشوری کا سکہ بھی مضبوطی سے جمایا۔ پی سی بروا نے ایک طرف تو دیسی ساز و سامان کے ساتھ کلکتہ میں پہلا اسٹوڈیو قائم کیا تو دوسری طرف انہوں نے فلم سازی کی تاریخ میں ایک نیا باب کھولا۔ انہوں نے اسٹوڈیو میں آرک لیمپ کا چلن شروع کیا۔ اس سے پہلے تو سورج کی

روشنی میں ہی شوٹنگ ہوا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ بروا نے سینما کو ایک علیحدہ تکنیک بھی عطا کی۔ یوں تو شانتا رام نے اپنی فلم امرت منتھن سے سینما میں کلوزاپ دینے کا چلن شروع کر دیا تھا اور اس سے پہلے پوری فلم مڈشاٹ اور لانگ شاٹ کے سہارے چلا کرتی تھی۔ بروا نے اس تکنیک کا استعمال بھی کیا لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے فلیش بیک تکنیک کو بھی اپنایا۔ چونکہ تھیٹر میں فلیش بیک نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور اس میں خود کلامی کا سہارا لیا جاتا ہے اور تھیٹر میں اس کو اہمیت حاصل ہوتی ہے لیکن پی سی بروا نے ۱۹۳۴ء میں اپنی فلم روپ لیکھا میں پہلی بار فلیش بیک استعمال کر کے سینما اور تھیٹر کے فرق کو اجاگر کیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے ۱۹۳۵ء میں کیدار شرما سے اپنی فلم دیوداس کے لئے خاص سینما کے انداز میں سیدھے سادے اور عام فہم مکالمے لکھوائے۔ پارسی تھیٹر کے مقفیٰ اور مسجع انداز کو خیرباد کہہ دیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی فلم کے اداکاروں کو سینما کی تکنیک کے کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ پی سی بروا کو روپ لیکھا اور دیوداس کے علاوہ مایا، مکتی، ادھیکار، جواب جیسی لاجواب فلموں کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

دیوکی بوس: پی سی بروا کے بعد ہندستانی سینما کی ایک ممتاز شخصیت دیوکی بوس کا تذکرہ بھی یہاں ضروری ہے۔ انہوں نے ہندستانی سینما کو صوتی اثرات، پلے بیک موسیقی کے رموز سے آشنا کرایا۔ انہوں نے ۱۹۳۴ء میں اپنی فلم پورن بھگت میں موسیقار آرسی بورا کے ذریعہ صوتی اثرات کا نہایت خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ دیوکی بوس نے اپنی اسی فلم کے ذریعہ نغموں کو کہانی کا ایک جزو لاینفک تصور کیا اور اس کا احساس بھی کرایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسی فلم کے ذریعہ ایک بھی مکالمہ ادا کئے بغیر صرف پلے بیک موسیقی کے ذریعہ خاموش کرداروں کے ذریعہ دلی کیفیات اسی فلم پورن بھگت میں پیش کیں۔ دیوکی بوس کی فلم سیتا، وہ پہلی ہندستانی فلم تھی جو وینس کی سیماٹوگراف نمائش میں دکھائی گئی۔ سلولائیڈ پر شاعری کرنے کا سلیقہ دیوکی بوس نے پہلی بار اپنی فلم ودیاپتی کے ذریعہ سکھایا۔ یہ فلم ایک ہی سینما ہال میں ۶۳ ہفتوں تک چلی تھی جو کہ ایک ریکارڈ تھا۔ دیوکی بوس کی اہم فلموں میں سیتا، ودیاپتی اور پورن بھگت کے علاوہ راج رانی میرا، چنڈی داس (بنگالی)، انقلاب، جیوتی اور ناٹک شامل ہیں۔

نتن بوس: دیوکی بوس کے بعد نتن بوس کا ذکر بھی ہندستانی سینما کی تاریخ میں زریں حروف میں کیا جائے گا۔ انہوں نے ہندستانی سینما کو ایک نیا احساس دلایا اور تکنیکی طور پر سینما کے فروغ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ نتن بوس ہندستانی سینما کے اولین ہدایت کار تھے جنہوں نے ۱۹۳۶ء میں فلم دھوپ چھاؤں سے پلے بیک گلوکاری کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے موسیقار آر سی بورال تھے اور پلے بیک گلوکار کے سی ڈے تھے اور نغمہ تھا "بابا من کی آنکھیں کھول"۔ اس کے علاوہ انہوں نے ۱۹۳۹ء میں فلم کاشی ناتھ میں گیتوں کے مناظر کے دوران کیمرے کے بندھے ٹکے شاٹ لینے کے چلن کو خیرباد کہہ دیا اور اس فلم میں فلیش بیک تکنیک کے بجائے ایک نئی تکنیک استعمال کی۔ انہیں چنڈی داس، پریسیڈنٹ، دھرتی ماتا، دشمن، پرایا دھن، مجرم، مزدور، ملن، مشعل، دیدار، دردِ دل، وارث، کٹھ پتلی اور گنگا جمنا (ہندی)، دو یار، جوگا جوگ (بنگلہ) جیسی عمدہ اور معیاری فلموں کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا

حصہ دوم

سہراب مودی: ہندستانی سینما کی ایک اور اعلیٰ ہستی فلم ساز، ہدایت کار اور اداکار سہراب مودی کے تذکرے کے بغیر یہ جائزہ ادھورا رہے گا۔ سہراب مودی کے برٹش دورِ حکومت میں 'پکار'، 'سکندر' اور 'پرتھوی ولبھ' جیسی تاریخی فلمیں بنا کر ہندستانی عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔ یہی ان کی زندگی کا شعار تھا۔ یوں تو ہمارے بہت سے فلم سازوں اور ہدایت کاروں نے لاتعداد تاریخی فلمیں بنائیں لیکن جو تاریخی شعور اور مادرِ وطن سے بے پناہ محبت کا جذبہ سہراب مودی کے یہاں نظر آتا ہے، وہ کسی میں موجود نہیں۔ ان کی فلم پکار ہندستانی سینما کی پہلی تاریخی فلم تھی جس میں شاہانِ مغلیہ کو برقرار رکھا گیا تھا۔ کمال امروہی سے انہوں نے ایسے عمدہ، برجستہ، برمحل اور پھڑکتے ہوئے مکالمے لکھوائے اور چندر موہن سے جہانگیر کا ایسا کردار ادا کرایا کہ عوام مکالمے سننے اور چندر موہن کی اداکاری کے لئے بار بار اس فلم کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ اس وقت کمال امروہی کی عمر صرف ۱۹ سال تھی۔ ہندستانی فلموں میں نقیب کا غائبانہ کردار اپنی پوری آن بان کے ساتھ پہلی بار فلم پکار میں پیش کیا گیا تھا۔ پکار اور سکندر سے ہمارے سینما میں تاریخی فلموں کی تحریک شروع ہوئی۔ تاریخی مواد یکجا کرنے اور اس دور کی مخصوص فضا کو دوبارہ پردۂ سیمیں پر پیش کرنے میں سہراب مودی کو ملکہ

حاصل تھا اور اس کے لئے وہ جان توڑ محنت کرتے تھے۔ وہ جہاں ایک فلم ساز اور ہدایت کار تھے وہاں ایک لاجواب اداکار بھی تھے۔ اردو زبان سے انہیں بے حد لگاؤ تھا اور خالص پارسی تھیٹر انداز سے مکالمے ادا کرنے کا سلیقہ انہیں خوب آتا تھا اس لئے انہیں مسٹر وا کا شیر کہا جاتا تھا۔ ان کی مکالموں کی ادائیگی کا پرشکوہ انداز ہمیں پکار، سکندر، پرتھوی ولبھ، شیش محل اور جھانسی کی رانی میں خاص طور پر دیکھنے کو ملا۔ سہراب مودی کو پہلی کلر بائی ٹیکنی کلر فلم بنانے کا شرف بھی حاصل ہے۔ یہ فلم تھی جھانسی کی رانی۔ اس فلم کی تحقیقی عرق ریزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اس فلم کی رسم افتتاح کے لئے جھانسی کی رانی لکشمی بائی کے پوتے کو اسٹیج پر لے کر آئے تھے۔ انہیں ان کی ایک اور فلم مرزا غالب پر صدر جمہوریہ کا طلائی تمغہ عطا کیا گیا تھا۔ یہ پہلی اردو فلم تھی جسے قومی اعزاز سے سرفراز کیا گیا تھا۔ فلم مرزا غالب کی سب سے نمایاں خوبی یہ تھی کہ اس میں غالب کے عہد کے ساتھ ان کے اس دور کی سماجی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کی گئی تھی۔ سہراب مودی بذات خود ایک عہد تھے۔ انہیں خون کا خون، سکندر، پرکھ، بھروسہ، جیلر، پرتھوی ولبھ، کندن، شیش محل، مرزا غالب اور جھانسی کی رانی جیسی عمدہ، معیاری اور صاف ستھری فلموں کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

محبوب خاں : ہندستان کی فلموں میں اشتراکی تحریک کو پیش کرنے کے سلسلے میں محبوب خاں کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بالکل ان پڑھ اور انگوٹھا ٹیک ہونے کے باوجود سینما کے تمام رموز ان کی انگلیوں پر تھے اور اس کے ساتھ سینما کی گرامر انہیں ازبر تھی۔ وی شانتارام کی طرح اپنی لگن اور محنت سے انہوں نے یہ ثابت کردیا کہ محض کتابیں پڑھنے یا ڈگریاں حاصل کر لینے سے ہی انسان دانش ور نہیں بن سکتا بلکہ علم اور عمل سے بھی انسان اپنے مستقبل کو کافی حد تک سنوار سکتا ہے۔ ان کی فلم عورت اور ان فلم کے ری میک مدر انڈیا میں ہندستان کے دیہی باشندوں کی زندگی کی بھرپور اور حقیقی عکاسی پیش کی گئی تھی۔ مدر انڈیا بھی بعد میں کئی فلم سازوں اور ہدایت کاروں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ ہندستان کی پہلی رنگین فلم شائع کرنے کا سہرا محبوب ہی کے سر بندھتا ہے۔ اس کے بعد سفید اور سیاہ فلمیں قوس و قزح کے حسین اور دلفریب رنگوں میں نہلا دی گئیں اور رنگین فلموں کی ایک تحریک شروع ہوگئی۔ فلم روٹی میں برٹش سامراج کی عیاری ایک منفرد کردار کی تمثیل کی شکل میں ابھرتی

ہے اور دولت کی ہوس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اس کا احساس فلم دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس فلم پر برٹش سرکار نے پابندی لگادی تھی۔ اس کے علاوہ آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد ہونے والی فلم مدر انڈیا ہندستان کی پہلی فلم تھی۔ محبوب خاں کی لاجواب فلموں میں وطن، بہن، روٹی، تقدیر، ہمایوں، انمول گھڑی، انداز امر اور مدر انڈیا کا ذکر فخر سے کیا جاسکتا ہے۔ سن آف انڈیا ان کی آخری فلم تھی۔

بھال جی پنڈھارکر : ہندستانی سینما کی ایک اور عظیم المرتبت شخصیت بھال جی پنڈھارکر کا ذکر اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی بہت ضروری ہے۔ انہوں نے پوری زندگی اسی صحرا نوردی میں صرف کردی۔ سینما ہال کی گیٹ کیپری سے لے کر اداکاری تک اور مکالمہ نویسی اور منظر نامے سے لے کر فلم سازی اور ہدایت کاری تک تمام فنون میں یکساں دسترس رکھنے والے یہ عظیم ہدایت کار سب سے پہلے سہراب مودی کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ انہوں نے ان کے تھیٹروں کی گیٹ کیپری بھی کی اور ڈرامے بھی لکھے۔ اس کے بعد بابو راؤ پینٹر انہیں اپنی مہاراشٹر فلم کمپنی میں لے آئے اور بھال جی پنڈھارکر انہیں سے فلم سازی کے رموز سیکھے۔ چھ دہوں تک سرگرم فلمی خدمات انجام دینے والی اس فلمی شخصیت نے گیارہ خاموش، تین ہندی اور چالیس مراٹھی فلمیں پیش کیں۔ اس کے علاوہ ہندستان میں پہلی کارٹون فلم تیار کرنے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہوا۔ یہ فلم ۱۹۳۴ء میں آئی۔ نام تھا باکھیم بھاٹ۔ اسے ان کی ایک اور فلم اکاش وانی (مراٹھی) کے ساتھ دکھایا گیا۔ بھال جی پنڈھارکر کی اہم فلموں میں باجی راؤ مستانی، روپ متی، پرتھوی ولبھ (خاموش)، شیام سندر، اکاش وانی، بیرجی نایک (مراٹھی)، بھارتی کرن، والمیکی، سورن، بھوجی (ہندی) قابل ذکر ہیں۔

ایس ایس واسن : ایس ایس واسن کا ذکر آتے ہی ہماری نگاہیں جنوبی ہند کی جانب دوڑ جاتی ہیں۔ وہ ہندستانی سینما کے اولین فلم ساز ہدایت کار تھے، جنہوں نے جنوبی بھارت کا باقی ہندستان سے اٹوٹ فلمی رشتہ قائم کیا۔ جنوبی بھارت میں ہندی سینما کو فروغ دینے اور یہاں تیار ہونے والی ہندی فلموں کو پورے ملک میں پیش کئے جانے کا شرف ایس ایس واسن کو ہی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے دور کے ممتاز اداکاروں، اداکاراؤں، نغمہ نگاروں، موسیقاروں، مکالمہ نگاروں کو جنوبی ہند سے متعارف کرایا اور ان سے ضابطے اور ڈسپلن کے مطابق کام لینے کا چلن شروع کیا۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے چندرلیکھا جیسی عمدہ اور آنکھوں کو چکاچوند کر دینے والی

فلم پیش کی۔ یہ اپنے دور کی سب سے مہنگی فلم تھی۔ اس فلم کے پیسے سے اس زمانے میں تین فلمیں بنائی جاسکتی تھیں۔ اس کے آنکھوں کو چندھیانے والے سیٹ اور ملبوسات اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے دلیپ کمار، دیو آنند، راج کپور، راج کمار، موتی لال، کنہیا لال، راجیندر کمار، آغا، بینا رائے، مدھو بالا جیسے اداکار اور پردیپ، راجیندر کرشن، حسرت جے پوری، پنڈت سدرشن، رامانند ساگر جیسے نغمہ نگار اور مکالمہ نویس اور سی رام چندر، چتر گپت، شنکر جے کشن جیسے موسیقار اور لتا منگیشکر اور محمد رفیع جیسے گلوکاروں سے روشناس کرایا۔ ان کی اہم فلموں میں چندر لیکھا، منگلا، نشان، بہت دن ہوئے، گھرانہ، عورت، پیغام، تین بہورانیاں قابلِ ذکر ہیں۔

بمل رائے: آزادی کے بعد ہندستان کے حقیقت پسند سینما کو بین الاقوامی سینما سے روشناس کرانے کا سہرا صحیح معنوں میں بمل رائے کے سر بندھتا ہے۔ بمل رائے نے اپنی فلم دو بیگھہ زمین میں اپنا ناتہ صحیح معنی میں وطن کی مٹی سے جوڑا اور ہر قدم پر عوام کے ساتھ اپنے تعلق اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ اس فلم کو وینس کے فلمی میلے میں اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ اس فلم میں ایک غریب کسان کی بے بسی، بے کسی اور بے چارگی کے ساتھ زمیں دار کے مظالم، ساہوکار کے استحصال کے باعث کسانوں کی شہر کی جانب ہجرت کی جھلک نہایت دردناک انداز میں پیش کی گئی ہے۔ فلم نوکری میں ہمارے سماج میں تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بیکاری کی لعنت، فلم سجاتا میں پسماندہ اور پچھڑے ہوئے طبقے کے مستقبل کو سنوارنے کے اقدام اور بندنی میں ایک انقلابی اور عمر قید کی سزا بھگتنے والی قیدی عورت کے کردار اور نفسیات کا موازنہ نہایت عمدہ انداز سے کیا گیا تھا۔ حقیقت پسند سینما کی ترقی اور فروغ میں بمل رائے کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں دو بیگھہ زمین، کابلی والا، ہمراہی، سجاتا، پرکھ اور جنون جیسی لاجواب فلموں کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

راج کپور: یہ ممکن نہیں کہ بمل رائے کے ساتھ ہندستان کے عظیم شومین راج کپور کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ انہوں نے آگ سے لے کر رام تیری گنگا میلی تک باکس آفس پر پوری طرح کامیاب، اچھی اور حقیقت پسندی پر مبنی فلمیں بنائیں جن کو ناظرین نے دل سے پسند کیا اور وہ اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ کب راج کپور کی فلم آئے گی۔ راج کپور کی ایک سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک کامیاب فلم ساز اور ہدایت کار تو تھے ہی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ایک بلند پایہ اداکار بھی تھے۔ انہوں نے چارلی چیپلن کے انداز کو اپنی زندگی کا حاصل بنایا۔ فلمی دنیا میں اداکاری کے اعتبار سے دیو آنند، دلیپ کمار اور راج کپور کی مثلث مشہور تھی۔ راج کپور نے اپنی فلموں میں

جہاں حسن کی ادائیں اور ناز و نخرے پیش کئے وہاں عشق کے اعلیٰ اور ارفع رموز بھی دکھلائے۔ اور ساتھ ہی فلم اور سماج کے ازلی اور ابدی رشتے کو سمجھنے کے لئے راج کپور کی فلموں میں آگ، برسات، آوارہ، جاگتے رہو، شری چار سو بیس، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، میرا نام جوکر، بابی، پریم روگ اور رام تیری گنگا میلی جیسی عمدہ فلموں کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ایک طرف انہوں نے فلم اور سماج کے مابین رشتے استوار کئے تو دوسری طرف بابی میں نو عمر لڑکیوں اور لڑکوں کے نوخیز عشق کی داستان کو اس انداز سے پیش کیا کہ تماشبین پھڑک اٹھے۔

گورودت: کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی لمبی نہیں بلکہ بھرپور اور کامیاب ہونی چاہئے۔ یہ قول ہندستان کے ممتاز فلم ساز، ہدایت کار اور اداکار گرودت پر صادق آتا ہے۔ انہوں نے واقعی ایک کامیاب اور بھرپور زندگی جی۔ ہندستانی سینما کی تاریخ میں ان کا ذکر ہمیشہ زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ بازی، جال، مسٹر اینڈ مسز ۵۵، آر پار، پیاسا اور کاغذ کے پھول کے خالق اور چودھویں کے چاند اور صاحب بی بی اور غلام کے فلم ساز گرودت اپنی زندگی کی صرف ۳۹ بہاریں دیکھ سکے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی فنی دسترس اور سوجھ بوجھ کے لافانی نقوش چھوڑے۔ ان میں پربھات فلم کمپنی اور نیو تھیٹرس کے انداز کی بجو بی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ جیسے لوگ ایک شعر، ایک کہانی یا ایک ناول کے ذریعے

اتنی شہرت حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح گرودت اپنی فلم پیاسا اور کاغذ کے
پھول جیسی لافانی تخلیقات کے لئے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ انہوں نے
ہی ان دونوں فلموں میں ہندستانی سینما کے فن کاروں کی زبوں حالی اور سماج

گرودت کاسم پیاسا
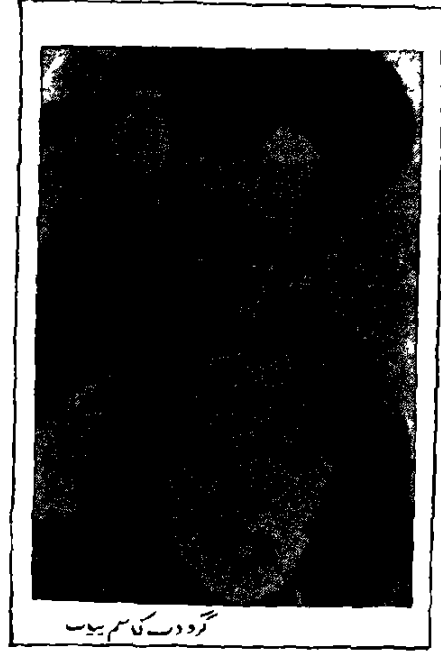
ہیں ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں سے روشناس کرایا۔ پیاسا جہاں
ایک شاعر کا المیہ تھا وہاں کاغذ کے پھول ایک ہدایت کار کی جدوجہد
در کشمکش کی کہانی تھی۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح واضح
ہے کہ گرودت کی فلم کاغذ کے پھول ہندستانی سینما کی پہلی سینما اسکوپ فلم
تھی۔ اس کے علاوہ فلم پیاسا میں ساحر لدھیانوی نے اپنے دلفریب نغموں کے ذریعہ
فلم کی کامیابی کے لئے ایک شاعر کی اہمیت، افادیت اور افضلیت کا احساس دلایا۔

ستیہ جیت رے : ستیہ جیت رے جیسی عہد آفریں شخصیت
کو ہندستانی سینما کی آبرو کہا جا سکتا ہے۔ وہ ہندستانی سینما کا ایک جیتا جاگتا
عہد تھے اور وہ اپنی زندگی میں ہی داستان بن گئے۔ انہوں نے اپنی فلموں کے
ذریعہ ہمارے سماج کی ہوبہو تصویر پیش کی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی
کہ انہوں نے باکس آفس کے فارمولے سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ فلم سوسائٹی
تحریک کے خالق بھی ستیہ جیت رے ہی تھے۔ انہوں نے زندگی کی اعلیٰ
وارفع، نیک اور فعال اقدار کو اپنی زندگی کا شعار بنایا اور اس پر آخر تک
ثابت قدم رہے۔ اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی کسی طور فراموش نہیں
کیا جا سکتا کہ انہوں نے عالمی سینما کے افق پر ہندستانی سینما کے ستارے کو
تابناک ہی نہیں بلکہ قطبی تارا بنا دیا۔ وہ اپنی ہر فلم کے ایک ایک فریم میں زندگی
کی ایک ایسی دھن ترتیب دیتے تھے کہ جسے سن کر لوگ عش عش کر اٹھتے تھے۔

ستیہ جیت رے نے اپنی ۴۰ سالہ فلمی زندگی میں کل ۳۶ فلمیں
بنائیں۔ ان میں سے پانچ دستاویزی اور ۳۱ فیچر فلمیں ہیں۔ ان کی دو درجن
سے زائد فلموں کو ان گنت قومی اور بین الاقوامی اعزازات عطا کئے جا
چکے ہیں اور سینما کی ترقی و فروغ کے سلسلے میں انہیں شخصی طور پر بھارت
رتن کے علاوہ فلمی دنیا کا سب سے بڑا فلمی اعزاز آسکر ایوارڈ بھی عطا کیا
گیا۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کا کوئی ایسا ترقی یافتہ ملک نہیں جس نے ستیہ
جیت رے کی خدمات کا اعتراف نہ کیا ہو۔ انہیں دلی یونیورسٹی اور کلکتہ
یونیورسٹی، آکسفورڈ یونیورسٹی اور رائل کالج آف آرٹس کی طرف سے
ڈی لٹ کی ڈگریاں بھی عطا کی گئی ہیں بلکہ انہیں لاتعداد شخصی اعزازات
بھی عطا کئے گئے۔ ستیہ جیت رے کو 'پوتھیر پانچالی' 'اپراجیتو' 'اپور
سنسار' 'جلسہ گھر' 'دیوی' 'کنچن جنگا' 'نائیک' 'چڑیا خانہ' 'گوپی گائین باگھا
بائین' 'اسانی سنکیت' 'سدگتی' 'اگانتک' (بنگلہ) اور 'شطرنج کے کھلاڑی'
(ہندی) جیسی عمدہ، معیاری اور اعلیٰ فلموں کے لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

فلمی خدمات کے علاوہ ستیہ جیت رے کی ادبی خدمات بھی کچھ کم اہم
نہیں ہیں۔ انہوں نے کئی ناول بھی تحریر کئے تھے جن میں بچوں کے ناول خاص
طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ستیہ جیت
رے کی شخصیت فلم سازی کی دنیا میں ایک طرحدار شخصیت کی حیثیت
رکھتی ہے۔ وہ مصوّری کے فن میں بھی طاق تھے اور اپنی فلموں کے سین
فلمانے سے پہلے ان کی تصاویر کے خاکے خود اپنے قلم سے تیار کرتے
تھے۔ فلم سازی کے فن سے انہوں نے عالمی سطح پر نہ صرف یہ کہ اپنی
ذاتی شہرت میں اضافہ کیا بلکہ ملک کی عزت و اعتبار کو بھی چار چاند لگا دئے۔

سنیما کے ۱۰۰ سال

فلمی صنعت کی ترقی میں ریاستی حکومت کا کردار

ایچ۔ متا

ہندستان میں کسی بھی ریاستی حکومت کی اس قدر فلمی صنعتی امور میں بالخصوص فلم سازی، تقسیم کاری یا نمائش کے معاملہ میں شمولیت نہیں رہی ہے جتنا کہ حکومتِ مغربی بنگال کی ہے۔ در حقیقت ریاستی حکومت کا دائرۂ اقدامات انتہائی وسیع ہے۔ یہ فلمی تکنیک کاروں اور ورکروں کی بہبود کے لئے ہمیشہ فکرمند رہی ہے۔ یہاں فلمی صنعت کو چلانے اور اس کی مدد کرنے کے لئے ترقی پسند اور اصلاحی قوانین رہے ہیں جن کے تحت شعبۂ محنت کی ثالثی مداخلت سے سہ فریقی میٹنگوں کے ذریعہ مالکوں اور سینما ورکروں کے درمیان ہونے والے تنازعات کا تصفیہ کیا گیا۔ ریاستی حکومت نے فلمی صنعت کی امداد میں مختلف بنیادی سہولتیں بھی پیدا کی ہیں اور کئی فلمی ادارے بھی قائم کئے ہیں جن میں مغربی بنگال فلم سنٹر، ریڈیو ساؤنڈ ریکارڈنگ کے ساتھ لیبارٹری روپائن اور دیگر کئی اسکیموں کے ذریعہ فلم کی تیاری اور اس کی نمائش کے لئے خدمات انجام دئے جا رہے ہیں

روپائن میں ایک ڈاکٹر کی موت سمیت کئی بنگلہ و انگریزی دستاویزی و فیچر فلمیں تیار کی گئیں جن میں بہت سی فلموں کو قومی اور بین الاقوامی انعامات ملے

ریاستی حکومت نے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے ذریعہ سے کئی سنجیدہ فلمیں ــ دستاویزی فلمیں، فیچر فلمیں، غیر فیچر فلمیں پروڈیوس کی ہیں۔ اس سلسلے میں اسے بنگال کے مایۂ ناز ہدایت کاروں جیسے ستیہ جیت رے، مرنال سین وغیرہ کا تعاون حاصل رہا ہے۔

نندن میں ہر سال فلمی میلہ کے علاوہ غیر تجارتی فلموں کی نمائشوں کا بطور خاص انتظام کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں چھوٹے ہدایت کاروں / فلم سازوں کی حوصلہ افزائی کیلئے بہت سی دستاویزی و سنجیدہ فلموں کو مالی تعاون بھی دیا گیا ہے۔ حکومتِ مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے ۲۸ سے زیادہ دستاویزی اور ۲۵ سے زائد فیچر فلمیں مستند ہدایتکاروں کی ہدایت کاری میں تیار کر چکی ہے

ذیل میں حکومتِ مغربی بنگال کی پروڈکشن میں بننے والی فیچر فلموں اور دستاویزی فلموں کی فہرست قارئین کی دلچسپی مطالعہ کے لئے پیش ہے :

مغربی بنگال فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی رنگین فلم لیبارٹری روپائن

روپائن لیبارٹری میں تیار ہونے والی پینورما فلموں اور انعام یافتہ فلموں کی فہرست

فلموں کے نام	ڈائرکٹر	سال
۱۔ پرتھم راگنی (فیچر فلم، آسامی)	دھیرو بھایہ	۱۹۸۷
۲۔ فارسٹ آف دی سی (انگریزی دستاویزی فلم)	پردیپ دتہ	۱۹۸۸
۳۔ داداو (انگریزی دستاویزی فلم)	سنت کمار داس گپتا	۱۹۸۸
۴۔ سکال اھیراتی (بنگلہ فیچر فلم)	ابنا جکرورتی	۱۹۸۹
۵۔ اسکرول پینٹرس آف بیر بھوم انگریزی دستاویزی فلم)	راجا مترا	۱۹۸۹
۶۔ بھوکا (سنبھل پوری فیچر فلم)	سی باپاترا	۱۹۸۹
۷۔ ساکھا پراساکھا (بنگلہ فیچر فلم)	ستیہ جیت رے	۱۹۹۰

۱۸ ایشانز (منی پوری فیچر فلم) اریبم سام شرما ۱۹۹۰
۱۹ ایک ڈاکٹر کی موت (ہندی فیچر فلم) تپن سنہا ۱۹۹۱
۱۰ انساجا نوسیندو چٹرجی ۱۹۹۱
۱۱ کرسٹا آنتو پاترا پر یچے ت ستا کار داس گپتا ۱۹۹۱
۱۲ (بنگلہ دستاویزی فلم)
۱۲ گردین ایمیج (انگریزی دستاویزی فلم) ابھیجیت چٹرجی ۱۹۹۱
۱۳ گوپی گائن بھیرے ایلو سندیپ رائے ۱۹۹۱
(بنگلہ فیچر فلم)
۱۴ اگنتگ (بنگلہ فیچر فلم) ستیہ جیت رے ۱۹۹۱
۱۵ انتردھن (بنگلہ فیچر فلم) تپن سنہا ۱۹۹۲
۱۶ مودیالی ابکٹی بیکلپو بنتھا سمیرن دتہ ۱۹۹۲
(انگریزی۔بنگلہ دستاویزی فلم)
۱۷ پدماندیر ماجھی گرتم گھوش ۱۹۹۳
۱۸ کھرستھنگ ارکین اسکیم ۱۹۹۳
(منی پوری فیچر فلم)
۱۹ شلپی (بنگلہ فیچر فلم) نوسیندو چٹرجی ۱۹۹۳

نوٹ: اس کے بعد کی فہرست حاصل نہیں ہوتی۔

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے تحت بننے والی دستاویزی فلموں اور فیچر فلموں کی فہرست

دستاویزی

فلموں کے نام	ڈائرکٹر	سال
۱ گلمپس آف ویسٹ بنگال	گرانک ڈڈ کومنڈی	۱۹۶۶
۲ پرولیار جہاد	ریتک گھٹک	۱۹۶۹
۳ ٹھولیرا جا (کھیر دوتا)	اجیت منڈل/بدولیو داس گپتا	۱۹۷۲
۴ ودیا ساگر	سیناور اتھ	۱۹۷۲
۵ پوراکرتی سنرکشن	ہری سدن داس گپتا	۱۹۷۶
۶ قلی سے مزدور	جیوترموئے رائے	۱۹۷۸
۷ چلیر چو کھے نٹ بال	سروپ دتہ	۱۹۷۸
۸ دی برلوڈز ناٹ ڈائی (فلڈ)	ہری سدن داس گپتا	۱۹۷۹

۹ زکھشر اترامی تاپ ساتن سنٹرل ۱۹۷۹
۱۰ پاکا سنغیلر کارجا مرنال گپت ۱۹۸۰
انعام/اعزاز: بین الاقوامی اور یوگوسلاویہ فلم فیسٹول
۱۱ بچون و تار آرٹ کار بدھادیو داس گپتا ۱۹۸۰
۱۲ سیوتھو مین عین رشید خاں ۱۹۸۱
۱۳ اباسندرا ناتھ پرنندو پتری ۱۹۸۱
۱۴ پسچم بنگیر بنیہ پرانی جہندرا کمار ۱۹۸۱
۱۵ اچاریہ نندلال ہری سدن داس گپتا ۱۹۸۲
۱۶ دیبا برانا بسراس انیلیندو چکرورتی ۱۹۸۳
۱۷ گن نانترک اندولنیر ناری گوبردھن ادھیکاری ۱۹۸۳
۱۸ فلاورنگ آف دی سرکل مرنال گپت ۱۹۸۵
انعام/اعزاز: ماسکو۔انڈیا فلم فیسٹول
۱۹ بنگلہ سیمار جولوچتر مری گنکا شیکھر رائے ۱۹۸۵
۲۰ لوک کوی ببارن پنڈت ستابدی چترن ۱۹۸۶
۲۱ پسچم بونگیر پراکرتی راجہ داس گپت ۱۹۸۷
۲۲ سوکمار رائے ستیہ جیت رائے ۱۹۸۸
انعام/اعزاز: پنوراما سلیکشن
۲۳ اچاریہ پرفلا چندرا شتابدی چاکی ۱۹۸۹
۲۴ آرکو تو دن (مرد در کچھ پر) ششی آنند ۱۹۸۹
انعام/اعزاز: صدر کا ایوارڈ
۲۵ آردھیک آکاش (صدر کا ایوارڈ) ۱۹۹۰
۲۶ کرسٹارا ناتا پاترا پر یچے سنت داس گپت ۱۹۹۱
(جیوانانندا) صدر کا ایوارڈ
۲۷ چھاپاخانار بنگلہ حرف (خرید اگیا) ابھیجیت چٹرجی ۱۹۹۱
انعام/اعزاز (صدر کا ایوارڈ)
۲۸ اسکول پینٹرز آف بیر بھوم (خرید اگیا) راجا مترا ۱۹۹۱
انعام/اعزاز: صدر کا ایوارڈ

ویڈیو

۱: آئی ایم ایف لون ان انڈیا ششی کمار ۱۹۹۲
۲: ماٹی سورو سارنگی ۱۹۹۲

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۴۲ ★ ۱۵ نومبر ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۲۱

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ: دس روپئے ★ نصف سالانہ: پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت: ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ:

بزنس منیجر!

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،

کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

چوتھی منزل، بلاک ۱

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

فون: 25-5601/3371 Ext: 710

کلکتہ کے پہلے فلم فیسٹیول کا افتتاح

مشہور فلم ساز شری مرنال سین نے گزشتہ ۹ رنومبر کی شام کو نندن میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور بدھا دیب بھٹاچاریہ متعدد ممتاز شخصیتوں کی موجودگی میں حکومتِ مغربی بنگال کے زیر اہتمام دس روزہ کلکتہ فلم فیسٹیول کا افتتاح کیا۔ شری مرنال سین نے اپنی افتتاحی تقریر میں اپنے تئیں بین الاقوامی فلم فیسٹیول کے اہتمام کی ذمہ داری لینے کے لئے حکومتِ مغربی بنگال کو مبارکباد پیش کی۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اپنی تقریر میں ایسے فلم فیسٹیول کی انعقاد کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ ہندستان اور بیرون ملک دونوں کے عوام کے مختلف طبقوں کے درمیان خیالات اور باہمی سمجھ کا تبادلہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ کے سبب ذرائع ابلاغ کی سہولیات کی ترقی کی وجہ سے دنیا ان دنوں انتہائی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ کلکتہ میں ہونے والے اس طرح کے بین الاقوامی فلمی تہواروں سے بلاشبہ فیسٹیول میں ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے لوگوں کے درمیان دوستانہ تعلقات مضبوط ہوں گے۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے مزید کہا کہ قومی، نسلی اور لسانی خلیج پر پل کے کام انجام دینے کے سلسلے میں سینما اور ثقافت کے کردار کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے نندن اور روپائن جیسی بنیادی وادارہ جاتی سہولتوں کی توسیع کے ذریعہ ثقافتی سرگرمیوں اور بہتر سینما کے فروغ کے لئے خوشگوار فضا تیار کرنے کی غرض سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ حکومتِ مغربی بنگال نے خیالات کے تبادلہ کی غرض سے راستہ ہموار کرنے کے لئے ہر سال بین الاقوامی فلم فیسٹیول منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

شری باسو نے مزید بتایا کہ فلم فیسٹیول دنیا کے مختلف حصوں میں بننے والی متعدد اچھی فلموں کو دیکھنے کا فلمی اشتیاق پیدا کرے گا۔

وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ کلکتہ فلم فیسٹیول اس وقت منعقد ہو رہا ہے

جب پوری دنیا میں سینما کی صد سالگرہ منائی جارہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ اطمینان بخش امر ہے کہ ہر سال کم از کم ایک بین الاقوامی فلم فیسٹیول کے انعقاد کرنے کا حکومت کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکا ہے۔ ستیہ جیت رائے اور رتیک گھٹک کے شہر میں اس طرح کے عظیم پروگرام منعقد کرنا ممکن ہوا ہے۔

وزیر موصوف نے حکومتِ ہند کے متعلقہ شعبوں بالخصوص پونا کے آرکائیو آف انڈیا، حکومتِ کرالا، بیرونی سفارت خانوں، قونصلوں کا اس فیسٹیول کو کامیاب بنانے کے لئے ان کے پرخلوص تعاون کے لئے تہہِ دل سے شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے آئندہ برسوں میں بھی ان کے ایسے تعاون کی توقع ظاہر کی۔

حکومتِ ہند کے شعبۂ اطلاعات و نشریات کے سکریٹری شری بھاسکر گھوش نے ذاتی طور پر بین الاقوامی فلم فیسٹیول کے انعقاد کے لئے حکومتِ مغربی بنگال کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ جب کبھی بھی ایسے فیسٹیول کا انعقاد کیا جائے گا ان کا شعبہ تمام ممکنہ امداد فراہم کرے گا۔

ریاستی شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے پرنسپل سکریٹری شری سجیت سرکار چٹوپادھیہ نے اس تقریب میں استقبالیہ تقریر کی جبکہ فلم کے ڈائرکٹر شری سبرالو مکھرجی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

افتتاحی تقریب کے بعد اپامنیو چٹرجی کے ناول پر مبنی دیب بنیگل کی پہلی فلم "انگلش اگسٹ" کی نمائش کی گئی۔ اس فلم میں مرکزی رول شری راہول بوس نے ادا کیا ہے۔

دوسرے دن یعنی ۱۱ر اکتوبر کی سہ پہر کو چپلن تھیٹر میں بچوں کی فلموں کا افتتاح ہوا۔ اس سیکشن کا رسمی افتتاح حکومتِ ہند کے فلم فیسٹیول کے ڈائرکٹر شریمتی ملتی سلہیتہ نے کی۔ انہوں نے اپنی اس امید کا اظہار کیا کہ بچوں کی فلموں کا گچھا انہیں لطف اندوز کرے گا۔ اس موقع پر انہوں نے مغربی بنگال فلم ترقیاتی کارپوریشن کی بنی، "گرنگا بابا بھیرے ایلو" کے ویڈیو کیسٹ کا اجرا بھی کیا۔

اسی دن فلم جگت کی دو ممتاز شخصیتوں — شری انیل چٹرجی اور شری لبنتو چودھری نے اہیندرا اور مدھوسدن منچ میں بالترتیب فلمی نمائشوں کا افتتاح کیا۔ افتتاحی تقریب میں شری انیل چٹرجی نے آنجہانی اتم کمار کو اور شری لبنتو چودھری نے سلیل چودھری کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

۹ تا ۱۸ر نومبر تک چلنے والے کلکتہ فلم فیسٹیول کے دوران تقریباً ہر روز نندن کے قریب واقع بنگلہ اکاڈمی کے آڈیٹوریم میں کھلے اجلاس کے طور پر فیڈریشن آف فلم سوسائٹیز آف انڈیا (F.F.S I) کے زیرِ اہتمام "اوپن فورم" کے عنوان سے سیمینار/کنونشن کا انعقاد کیا جا رہا ہے جن میں فلم سے متعلق مختلف موضوعات زیرِ بحث آ رہے ہیں۔ اب تک کے سیمیناروں میں فلم سے منسلک ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔ سیمینار کا یہ سلسلہ ۱۷ر تاریخ تک جاری رہے گا۔

ریاستی وزیرِ اطلاعات کے ہاتھوں مدھوسدن منچ کا رسمی افتتاح

وزیرِ اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے گزشتہ ۲۱ر اکتوبر کو کلکتہ میں مدھوسدن منچ کا رسمی طور پر افتتاح کیا۔ اس موقع پر منعقد ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے معاندانہ عالمی ثقافت کے نام پر دیسی ثقافت کا باضابطہ فروغ کے رجحان پر تشویش ظاہر کی اور بتایا کہ پورے سماج کو آج متعدد ثقافتی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انہوں نے اس شدید بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے صحت مند ثقافتی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے اور بنی نوعِ انسان کے وقار کے تحفظ اور اس کے فروغ پر زور دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے ترقیات کی رفتار میں تیزی لائی ہے نیز عام لوگوں کے شعور کے فروغ کے لئے ثقافتی پالیسی مرتب کی ہے۔

وزیرِ اطلاعات نے بہت سے تھیٹر گروپوں کی کوششوں کو سراہتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ ریاستی حکومت اپنے نجی تھیٹر ہالوں کو انہیں کم کرایہ پر فراہم کرے گی۔ وزیرِ موصوف نے اپنی تقریر میں ریاست کے مختلف حصوں میں ربندر بھون قائم کرنے کے ریاستی اقدامات کا بھی ذکر کیا۔

ہم مغربی بنگال کے عوام کیلئے جدوجہد کررہے ہیں : وزیراعلیٰ

۱۷ر جولائی ۱۹۹۵ کو آئی این این نے وزیراعلیٰ شری جیوتی سے ان کے سفر بیرون سے واپسی کے بعد ایک انٹرویو لیا تھا جس کا اردو متن قارئین کی دلچسپی مطالعہ کے لئے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

س : ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دورے کے پیچھے آپ کا کیا مقصد تھا؟

ج : ریاست ہائے متحدہ کے سفیر اور ریاست ہائے متحدہ میں مقیم ہمارے سفیر نے مجھ سے کہا کہ صنعت و تجارت اور باہمی رابطہ کے لئے یہ وقت ریاست ہائے متحدہ کے دورے کے سلسلے میں نہایت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ ان لوگوں نے مزید فرمایا کہ ریاست ہائے متحدہ کے سرمایہ کار۔ یعنی امریکی اور غیر آبائی ہندستانی دونوں ہی سرمایہ کار حضرات مغربی بنگال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ میں نے کہا کہ میرا وہاں تنہا جانا سودمند نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ چونکہ میں ۱۸ سال سے وزیراعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوں اس لئے میں فطری طور پر اس ریاست میں سرمایہ کاری کے فوائد پر بولوں گا۔ ہم نے کہا کہ میں کامرس اور انڈسٹری کے چیمبرس کے اراکین سے گفتگو کروں گا۔ ان میں سے ۱۹ جانے پر رضامند ہو گئے۔ اس سفر کا مقصد موجودہ مغربی بنگال کو صحیح تناظر میں پیش کرنا تھا۔ ہم لوگوں کی شبیہہ نہایت ہی دھندلی اور خراب طور پر پیش کی گئی تھی۔ یہ بتایا گیا تھا کہ یہاں بجلی کی صورت حال نہایت خراب ہے۔ یہاں موجود یونین بڑی بے چینی اور انتشار پائے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مقصد انہیں یہ بتلانا تھا کہ نئی صنعتیں قائم کرنے کی توقعات یہاں روز بہ روز روشن تر ہو رہی ہیں۔ میں نے سوچا کہ میرا وہاں جانا اور مغربی بنگال کی موجودہ صورت حال کو پیش کرنا بہتر ہوگا۔ اس سے قبل بھی میں ریاستی اسمبلی میں صنعتی پالیسی پیش کر چکا ہوں اور اپنے نظریہ کو منوانے کے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ مرکزی کمیٹی نے بھی صنعتی پالیسی پر مبنی ایک دستاویز قبول کی ہے۔

س : آپ کا مذکورہ سفر کس حد تک کامیاب رہا؟

ج : اس سفر کے دوران چونکہ بہت سارے صنعت کار بھی وہاں گئے تھے اور ان کے وہاں بہت سارے تعلقات بھی تھے۔ اس لئے میرے روبرو چند سمجھوتہ نامے پر دستخط ہوئے۔ سومناتھ چٹرجی، چیئرمین مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (ڈبلیو بی آئی ڈی سی) بھی اس موقع پر وہاں موجود تھے۔ تقریباً ۳۰۰۰ کروڑ روپے اور تقریباً ایک بلین ڈالر کی مالیت والے چند سمجھوتہ نامے پر دستخط ہوئے۔ یہ وہ سمجھوتے ہیں جن پر عمل درآمد کا ہونا نہایت ہی لازمی ہے۔ لہٰذا ہم لوگ ان سمجھوتہ نامے کو روبہ عمل لانے کے لئے ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے تحت ایک سیل کی تشکیل کر رہے ہیں جن پر دستخط ہو چکے ہیں۔

س : اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق آپ نے کہا ہے کہ اگر مرکز میں کوئی نئی حکومت اقتدار میں آتی ہے تب بھی معاشی اصلاحات یا پالیسیوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ چند اخبارات نے آپ کے بیان کو پیش کرتے ہوئے یوں کہا ہے کہ پالیسیوں کے بنیادی ڈھانچے برقرار رہیں گے۔

ج : مذکورہ خبریں کلی طور پر گمراہ کن ہیں۔ ہم نے یہ کہا تھا کہ پارلیمانی جمہوریت میں حکومتیں بدلتی ہیں اور مرکز میں بھی حکومت کے بدلنے کا امکان رہتا ہے لیکن فوری طور پر بنیادی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ اس کے بعد جو باتیں میں نے کہی تھیں انہیں حذف کر دیا گیا۔ ہم نے یہ کہا تھا کہ ہم لوگ ایک حکومت کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ہم لوگ اس حکومت کی حمایت کریں گے جو پالیسی میں چند اہم تبدیلیاں لائے گی اور ہمارا خیال ہے کہ وہ فلاح و بہبود کے لئے ہوں گی۔ مثال کے طور پر اصلاحات آراضی، پنچایتوں کے ذریعہ دیہاتوں میں جمہوریت کی ہم لوگ وکالت کرتے ہیں۔ ہم لوگ مرکزی حکومت کے زیر نگرانی پبلک سیکٹر کو بند کرنے کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ ہم لوگ

اور بیرونی کمپنیوں کے لئے زیادہ مفید ہے لیکن پھر بھی ہم لوگوں کو مرکزی حکومت کی پالیسیوں کی حدود میں رہتے ہوئے کام کرنا ہے۔ جہاں تک ہمارے عوام اور ریاست کا تعلق ہے ہم لوگ اس پالیسی کے منفی اثرات کو ہر ممکن طور پر ان سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

س: بجلی/ توانائی سیکٹر میں بیرونی کمپنیوں کے ساتھ اشتراک پر آپ کا کیا نقطہ نظر ہے؟

ج: ہم لوگوں نے مغربی بنگال میں ریاستی الیکٹریسٹی بورڈ یا نجی سیکٹر دونوں ہندوستانی اور بیرونی اور مشترکہ سیکٹر کے ذریعہ کل ۱۶۰۰۰ کروڑ روپے والے توانائی پروجیکٹوں کو قبل ہی باندھ رکھا ہے لیکن شروع ہی سے ہم نے انرون طرز کے سمجھوتے کی مخالفت کی ہے۔ ہم لوگوں نے بکریشور تھرمل پاور پروجیکٹ کی تین اکائیوں کے سلسلے میں او ای سی ایف، جاپان کے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا ہے۔ دو دیگر اکائیوں کے سلسلے میں ہم لوگ ایک تیسری پارٹی کے پیش رفت کے خواہاں ہیں لیکن اب تک کسی بیرونی کمپنی کے ساتھ کسی بھی سمجھوتے پر نہیں پہنچے ہیں ــــ علاوہ ازیں انرون طرز کے کسی سمجھوتہ کے ہم لوگ خواہاں نہیں ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ پاور کمپنی۔ سی ایم ایس ہمارے ساتھ گفت و شنید کر رہا تھا۔ ان کے دو افسران ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مجھ سے ملے اور انرون کو پیش آنے والے مسئلے کا تذکرہ کیا۔ میں نے کہا کہ ہمارے سمجھوتہ کے شرائط جنہیں ایک ہندوستانی کمپنی کی جانب سے آپ کو پیش کیا گیا ہے، مختلف ہیں۔ مذکورہ کمپنی نے سی ایم ایس کے نمائندوں سے کہا کہ وہ اس بات کی وضاحت کریں کہ کیا انہیں مذکورہ شرائط قبول ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس سلسلے میں دوسروں سے رجوع کیا جائے گا۔ ان لوگوں نے اس سلسلے میں اپنا فیصلہ سنانے کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی ہے۔ بہرحال ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم لوگ انرون طرز کا سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے وزیر برائے توانائی نے وزرائے توانائی کی کانفرنس میں کہا ہے کہ بی ایچ ای ایل توانائی آلات کے سیکٹر میں سب سے عمدہ ہے اور سرکاری پالیسیاں اسے تباہ کر رہی ہیں۔ ان کے نظریہ کو جزوی طور پر تسلیم کیا گیا کہ بی ایچ ای ایل کو جہاں ٹنڈرس جاری کئے جاتے ہیں وہاں شرکت کرنے کی اجازت مل جائے

آر اینڈ ڈی کے ملکی ترقی سے متعلق خود اعتمادی کے لئے ڈٹے کھڑے ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی معیشت میں ۱۰ تا ۱۵ فیصد لوگ بلندی پر ہیں اور ان کے لئے ایک بازار بھی تشکیل دیا جا رہا ہے لیکن ہمارے ملک میں ۹۰۰ ملین لوگ آباد ہیں۔ آج امیر اور غریب کے درمیان فرق بڑھتا جا رہا ہے لہٰذا ہم لوگ ایک ایسی حکومت کے خواہش مند ہیں جو ہمارے ملک کے اندر بازار تشکیل دے اور وہ ایک ایسا بازار ہو جو ۹۰۰ ملین لوگوں کی حاجتوں کی تکمیل کا باعث بنے اور یہ صنعتوں کے کاز کو بھی بڑھاوا دے۔

س: مرکز کی صنعتی پالیسی سے آپ کی حکومت کی صنعتی پالیسی کس حد تک مختلف ہے؟

ج: جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگ مغربی بنگال کی کثیر آبادی کے لئے کام کر رہے ہیں نہ کہ چند مخصوص بلندی پر رہنے والے افراد کے لئے۔ ہم لوگ صنعتوں کی بندی نجی کاری اور مرکزی پبلک انڈرٹیکنگوں کو کمزور بنانے کے خلاف ہیں۔ یعنی ہم لوگ حکومت ہند کی جانب سے مذکورہ بالا طرز کے کاموں کے کئے جانے کے خلاف ہیں۔ ہم لوگ اصلاحات آراضی اور عام انسانوں کی بڑھتی ہوئی قوت خرید کے حامی ہیں۔ ہم لوگ مغربی بنگال ریاستی سیکٹر انڈرٹیکنگوں کو بند نہیں کر رہے ہیں۔ گرچہ یہ بڑے بڑے مرکزی پبلک سیکٹر انڈرٹیکنگوں کے مقابلے میں بہت چھوٹے ہیں بلکہ ہم لوگ ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی کوششوں میں لگے ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں نے ریاستی سیکٹر اور مرکزی پبلک سیکٹر اکائیوں کے درمیان ایک خط امتیازی کھینچ ڈالی ہے۔ اگرچہ ریاستی اکائیاں چھوٹی اور (خطرہ سے دو چار کاموں کی بہ نسبت) کم اہمیت کی حامل ہیں تاہم ہم لوگ انہیں بند کر ڈالنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ مرکزی پبلک سیکٹر اکائیوں کے سلسلے میں ہم لوگوں کے پاس جا رہے ہیں، انہیں منظم کر رہے ہیں۔ ان کے تحفظ کے لئے تحریکیں چلا رہے ہیں اور ان کی بندی یا نجی کاری کیخلاف لڑ رہے ہیں۔

ہمارے نظریہ کی وضاحت صنعتی پالیسی میں کی جا چکی ہے۔ ہم لوگ باہمی مفاد کی بنیاد پر بیرونی ٹکنالوجی و سرمایہ کاری کے خواہاں ہیں لیکن جہاں تک حکومت ہند کے نظریے کا تعلق ہے وہ یکطرفہ

کیوں کہ فی میگاواٹ نرخ میں کمی آئے گی۔ مغربی بنگال سے ہم لوگوں نے نجی سیکٹر اور اپنی جانب سے انہیں آرڈرس فراہم کرکے بی ایچ ای ایل کو مدد پہنچانے کی پہلے ہی کوشش کی ہے۔

س : پبلک سیکٹر کے دفاع میں حکومت مغربی بنگال کا کیا کردار رہا ہے؟

ج : جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ریاست میں قائم ہونے والی نئی صنعتوں کا ہم لوگ خیر مقدم کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مرکزی، پبلک سیکٹر کی اکائیوں کو کمزور بنانے اور انہیں بند کرنے کے خلاف تحریک چلانے پر آمادہ کرنے کے لئے ہم لوگ عوام کے پاس جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں، میں وزیراعظم، وزیر برائے مالیات اور دیگر وزراء سے مل چکا ہوں تاکہ وہ اپنی پالیسیوں میں تبدیلی لائیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر نجی سیکٹر میں صنعتیں قائم ہوتی ہیں تب بھی مرکزی پبلک سیکٹر اکائیوں کی بندی سے ہونے والے خسارے کی تلافی وہ نہیں کر پائیں گے۔ مرکزی ٹریڈ یونینیں اور مغربی بنگال کی یونینیں مل کر ہماری اس پالیسی کی حمایت میں میرے پاس آئیں اور انہوں نے پبلک سیکٹر کو کمزور بنانے کے خلاف ایک رائے ہو کر ایک قرارداد پاس کی۔ مثال کے طور پر بی آئی ایف آر کی پیش کردہ ایک رپورٹ کے تحت آئی آئی ایس سی او کے مجوزہ نجی کرن کے خلاف ایک زبردست تحریک چلائی گئی تھی اور نجی کاری کے خلاف صنعت پر اثر کی سزا کو ایک رائے رپورٹ بھی آئی تھی۔ اس موقع پر بی آئی ایف آر نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ کیا آئی آئی ایس سی او کو از سر نو زندگی بخشنے والے منصوبہ میں ریاستی حکومت شریک ہوگی اور میں نے اثبات میں جواب دیا تھا کہ اگر ایس اے آئی ایل اسے چلاتی ہے تو ہم لوگ شرکت کریں گے۔ اس طرح ہم لوگ ریاستی سیکٹر انفرا اسٹرکچرل سیکٹر — ریلویز، ٹیلی کمیونیکیشن، بینکنگ، انشورنس، کھاد کے کارخانے، ویگن کے کارخانے کی نجی کاری اور ان کو کمزور بنانے کی مرکزی حکومت کی پالیسی کے خلاف شدت اور جوش کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ مغربی بنگال میں مرکزی حکومت کے ۸ تا ۹ کارخانوں میں ۴۱۰۰۰ مزدور کام کرتے ہیں جنہیں بند کرنے کا نوٹس دیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کے ویگن کارخانوں اور جیسپ کو لوکو موٹیوس ورکس کو کسی قسم کا کوئی آرڈر نہیں پیش کیا گیا ہے۔

ہیں اس کے خلاف احتجاج کر چکا ہوں۔ اگر مرکزی ویگن کارخانے بند ہو جاتے ہیں تو دو لاکھ سے زائد مزدور بے روزگار ہو جائیں گے۔

س : اس پروپیگنڈہ کی روشنی میں مغربی بنگال کی فضا مزدوروں میں انتشار کی وجہ سے منافع بخش نہیں ہے، مزدور کے سوال پر آپ کا کیا رویہ/ اپروچ ہے؟

ج : متعدد بار میں یہ کہہ چکا ہوں کہ ہماری پارلیمانی جمہوریت میں مزدور طبقہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود کو ٹریڈ یونینوں کی شکل میں منظم کریں تاکہ وہ یہ دیکھ پائیں کہ ان کے ساتھ انصاف ہوا ہے یا نہیں یا ان کے حقوق کو تحفظ بخشا گیا ہے یا نہیں۔ انہیں ہڑتال کرنے کا حق حاصل ہے لیکن ہم لوگ مزدور طبقہ سے کہتے ہیں کہ ضرورت کے پیش نظر یہ لوگ بلاشبہ اپنے آخری ہتھیار کا استعمال کر سکتے ہیں مگر اس صنعت کے بارے میں جہاں یہ لوگ کام کرتے ہیں، اچھی خاصی معلومات رکھنی چاہئے اور اپنی مانگوں کے سلسلے میں پیش رفت کے دوران انہیں اس صنعت کی صحت کا بھی خیال رکھنا چاہئے لہٰذا انہیں اس کی پیداوار اور ترقی میں بھی دلچسپی لینی چاہئے اور میں ملازمین اور انتظامیہ دونوں ہی سے کہتا ہوں کہ ان کے آپسی تعلقات ایک دوسرے کے لئے بالکل کھلی کتاب کی طرح عیاں اور واضح ہوں اور انتظامیہ صنعت کی بہتر اور مؤثر کارکردگی کے لئے مزدوروں کو اپنے اعتماد میں لیں۔ مغربی بنگال میں اپنے تجربہ سے مزدور اس نقطۂ نظر کو خصوصاً قبول کر رہے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بایاں محاذ حکومت ان کی اپنی حکومت ہے اور یہ حکومت ان کے مفاد کی دیکھ ریکھ کرے گی۔

س : اخبارات نے پارٹی پر تنقید کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کس طرح مارکس کے اصولوں پر کاربند پارٹی مغربی بنگال میں ایسی پالیسیاں اپنا سکتی ہے؟

ج : میں نے بار بار یہ کہا ہے کہ ہم لوگ مغربی بنگال کی ری پبلک پر حکمرانی نہیں کر رہے ہیں۔ ہم ہندستان کا حصہ ہیں۔ ہم لوگوں کو بہت ساری بندشوں، دباؤ اور تناؤ کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ بندشیں، یہ تناؤ دستور میں واقع ہیں۔ یہ تناؤ ایک سرمایہ دارانہ آمیز جاگیردارانہ ڈھانچے میں بھی موجود ہے اور ہم لوگ اس کی ہی مخالفت

کرتے ہیں۔ میں مارکس کے اصولوں کا ایک پیروکار ہوں لیکن مارکسزم ایک ایسا علم ہے جو آپ کو ٹھوس صورت حال کے مطالعہ پر غور کرتا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے صورت حال کا بغور مطالعہ کیا اور یہ جانا کہ موجودہ صورت حال کے تحت ہم لوگ کسی اشتراکی پروگرام یا کسی اشتراکیت پسند جمہوری پروگرام کو روبہ عمل نہیں لا سکتے ہیں لیکن ہم لوگوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک کم از کم مشترک پروگرام مرتب کیا ہے اور انہیں ہم لوگ گزشتہ ۱۰ برسوں سے روبہ عمل لانے کی کوشش کرتے آرہے ہیں۔ اور مغربی بنگال کے عوام یہ جانتے ہیں کہ ہماری حکومت اور مذکورہ کم از کم پروگرام دونوں ہی کانگریس کے ۲۸ سالہ اقتدار (بایاں محاذ کے اقتدار میں آنے سے قبل) کے دوران روبہ عمل لائے جانے والے پروگراموں سے حد درجہ بہتر ہیں۔ ہمارے یہاں ریاستی سیکٹر، نجی سیکٹر اور مشترکہ سیکٹر موجود ہیں اور ہمیں ان تمام سیکٹروں کے مفاد کی دیکھ ریکھ کرنی پڑتی ہے۔

س: مغربی بنگال کے حالیہ میونسپل کارپوریشن انتخابات کے نتائج پر آپ کیسی نظر ڈالتے ہیں؟

ج: میونسپل انتخابات اور کلکتہ میونسپل کارپوریشن انتخابات میں پسپائی ہوئی تاہم ہم لوگوں نے بورڈ کی تشکیل کی ہے اور میئر کا مقابلہ بھی جیتا ہے۔ آخر الذکر کا سبب زیر نظر ثانی ہے۔ جیسے ہی جائزہ / نظر ثانی تکمیل کو پہنچتا ہے ہم لوگ ویسے ہی اسے عوام کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر ہم لوگ مذکورہ بالا نتائج کو بحیثیت پسپائی تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسی دوران یہاں تین ضمنی انتخابات وقوع پذیر ہوئے تھے اور ہم لوگوں کو ان میں صرف کامیابی ہی نہیں ملی تھی بلکہ ان تین نشستوں میں ہمارے لوگ بڑی کثیر اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوئے تھے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم لوگ شہروں میں کچھ زیادہ کارہائے نمایاں دکھا نہیں پائے۔ اس کے پس پشت ناوجن کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں اور حکومت ہند کی امتیازی پالیسیاں جیسے اسباب کارفرما رہے ہیں۔ یہاں وہ دیگر اسباب بھی دخیل تھے جو فی الحال زیر بحث ہیں۔ یہاں بورژوا پریس نے بھی ایک زبردست کردار نبھایا ہے اور ۱۸ برسوں

تک ہم لوگوں کے خلاف جھوٹ اور دروغ گوئی کی ایک زبردست مہم چلاتا رہا ہے۔ اس نے بھی عوام کے ذہن و دماغ پر اپنا ایک تاثر چھوڑا ہے۔ یہاں منفی ووٹنگ بھی ہوتی ہے۔ گرچہ کانگریس نے اپنے ووٹ میں اچھا خاصا اضافہ کیا ہے تاہم ان لوگوں نے کوئی متبادل پروگرام اور پالیسی اب تک پیش نہیں کی ہے۔ اسی وجہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ بہت جلد عوام کو اپنی اس غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ لیکن یہ ہماری کمزوری ہے اور ہمارے لئے اپنی خوبی و خامی کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری ہے۔

س: آئندہ انتخابات کے دوران کانگریس اور بی جے پی کو شکست دینے کے لئے سی پی آئی ایم کی حکمت عملی کیا ہوگی؟

ج: فی الحال ہمارے درمیان مذکورہ تفاصیل زیر بحث ہیں لیکن خندہ پیشانی کے ساتھ ہمارا یہ کہنا ہے کہ کوئی بھی منفرد جماعت اس کانگریس کی جانشین نہیں بن سکتی ہے جس کے ہارنے میں کہیں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم لوگ کانگریس (آئی) اور بی جے پی دونوں کی ہی مخالفت کرتے ہیں اور اسی لئے ہم لوگ تمام سیکولر اور جمہوری قوتوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تاکہ ایک مؤثر انتخابی متبادل عوام کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ ہم لوگ بایاں اتحاد کو مضبوط بنانے اور موجودہ حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں کے خلاف جدوجہد کے آغاز کے لئے بھی کوشاں ہیں۔ ہم لوگ سیکولر اور جمہوری طاقتوں کے اتحاد میں اپنا بھرپور تعاون پیش کریں گے۔ ہم لوگ متعدد اشخاص اور جماعتوں کے ساتھ یہ تبادلۂ خیال کر رہے ہیں کہ کانگریس اور بی جے پی دونوں کو عوام کس طرح شکست سے دوچار کر سکتے ہیں ٭٭

ریاستی وزیر شری شانتی گھٹک کا مکتوب مرکزی وزیر شری جی وینکٹ سوامی کے نام

ریاستی وزیر محنت شری شانتی گھٹک نے گزشتہ ۲۰ر اکتوبر کو اپنے ایک ارسال کردہ خط میں مرکزی وزیر برائے محنت شری جی وینکٹ سوامی سے درخواست کی ہے کہ وہ مناسب طور پر مفصل بات چیت سے قبل پراویڈنٹ فنڈ سبسکرائبرس کیلئے لازمی پنشن اسکیم چالو نہ کریں۔ ان کے خط کا اردو متن درج ذیل ہے : ——————

شانتی گھٹک
وزیر انچارج
شعبۂ محنت
حکومت مغربی بنگال
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۱

ڈی او نمبر ۲۱۵۵ ایل ایم
مورخہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

ڈیر شری وینکٹ سوامی !

مجھے اخباری رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ ایک آرڈی ننس کے نفاذ کے ذریعہ ایمپلائز پراویڈنٹ فنڈ سبسکرائبرس (Employees Provident Fund Subscribers) کیلئے ۱۶ر نومبر ۱۹۹۵ء سے لازمی پنشن اسکیم چالو کر دیا جائے گا۔ اس پنشن اسکیم کی تفاصیل سے ہم قطعی واقف نہیں ہیں۔ میں نے دہلی میں ۷ – ۸ ر جولائی ۱۹۹۳ء کو منعقدہ وزارت محنت کی کانفرنس کے ۴۳ ویں سیشن میں حکومت ہند سے درخواست کی تھی کہ وہ ریاستی حکومتوں، ٹریڈ یونینوں اور ملازمین کے نمائندوں کے ساتھ مذاکرہ کئے بغیر پنشن اسکیم جاری کرنے کی جلد بازی نہ کرے۔ میرے علم میں ایسا کوئی مذاکرہ نہیں ہوا ہے۔ پنشن اسکیم کی دفعات کے تعلق سے مختلف حلقے مشکوک ہیں۔ ان میں سے کچھ دفعات ملک کے محنت کش افراد کے مفادات کے لئے مضر ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ موزوں جلسہ میں مفصل بات چیت سے قبل آرڈی ننس کو لاگو نہ کریں جیسا کہ اخبار میں رپورٹ آئی ہے۔ آپ اس معاملہ کو آئندہ ماہ دہلی میں ہونے والی آئندہ انڈین لیبر کانفرنس میں زیر بحث لائیں تو مہربانی ہوگی۔

آپ کے فوری جواب کیلئے میں ممنون رہوں گا۔

بخدمت :
شری جی وینکٹ سوامی
وزیر برائے محنت، حکومت ہند
شرم شکتی بھون، نئی دہلی

بصد خلوص
آپ کا مخلص
دستخط : شانتی گھٹک

ریاست میں مکمل سورج گرہن دیکھا گیا

امسال ۲۴ نومبر اہلِ زمین کے لئے واقعی ایک اہم دن تھا۔ اس دن دنیا کے مختلف حصوں کے ساتھ مغربی بنگال سمیت ہندستان میں بھی آسمانی کرشمے دیکھے گئے۔ اس سے قبل مکمل سورج گرہن ۴۲۰ سال قبل ۱۰ رمئی ۱۵۷۵ء میں دیکھا گیا تھا۔ دوسری بار یہ ریاست میں ۳۹۹ سال بعد دیکھا جائے گا۔ یہ یقیناً زندگی میں ایک بار رونما ہونے والا اہم واقعہ تھا۔ ایک چیز جو عجیب وغریب دیکھی گئی وہ یہ کہ لوگوں میں مکمل سورج گرہن کے مناظر دیکھنے کے لئے کافی جوش وخروش پایا گیا۔ لوگوں نے اب توہم پرستی کے بجائے اس واقعے کو ایک تہوار کے طور پر منانا زیادہ پسند کیا۔ اس کے مناظر دیکھنے کے لئے مختلف اداروں کی جانب سے معمولی قیمت پر خصوصی چشمے تقسیم کئے گئے۔ ریاست کے ڈائمنڈ ہاربر پرولیا کے اجودھیا ہل اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں لوگوں کا جم غفیر رات ہی سے جمع ہو گیا تھا۔ کھلے میدانوں میں طنابیں لگائی گئیں۔ سرکاری وغیر سرکاری اداروں کی جانب سے لوگوں کو لازمی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے گئے۔ ملک وبیرون ملک سے سیاحوں کی ریل پیل میں اضافہ ہو گیا۔ ملکی وبیرونی سائنس والوں، پروفیسروں، طلبا، صحافی اور فوٹو گرافر مکمل سورج گرہن کے چشم دید مشاہدے کیلئے جمع ہو گئے اور ٹیلی ویژن وریڈیو سے اس دن کے پورے واقعات نشر کئے گئے۔ سورج کی نت نئی بدلتی شکلوں کی تصویر کشی کی گئی۔ ہزاروں صحافیوں

نے اسے اپنے رسائل کی زینت بنایا۔ آسمان سے متعدد تجرباتی نفاصیل حاصل کرنے کے لئے مِگ فائٹر ایئر کرافٹ متعین کئے گئے اور یہ دن اہلِ زمین کے لئے ایک یادگار دن بن گیا۔

مکمل سورج گرہن، چاند اور زمین کے ایک خطِ مستقیم میں آجانے کی وجہ سے رونما ہوتا ہے جب میں چاند زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے اور چاند سے سورج کا پورا حصہ ڈھک جاتا ہے۔ اس خطہ کے لوگ جہاں چاند کا عکس پڑتا ہے سورج گرہن دیکھ سکتے ہیں۔

تقریباً ۷ بجکر ۲۲ منٹ پر چاند سورج کے اوپری حصہ کو ڈھکنا شروع کر دیا۔ کالے سائے نے ایران کے جنوبی تہران سے اپنے سفر کا سلسلہ جاری کر دیا۔ یہ افغانستان، پاکستان اور ہندستان سے تیزی کیساتھ گزرتے ہوئے بحرالکاہل تک پھیل گیا۔ کالے سائے کا سیاہ تر زون جسے امبرل زون (Umbral Zone) بھی کہتے ہیں کی وسعت تقریباً ۴۰ کلومیٹر تھی۔ یہ سلسلہ ۴۰ سکنڈ سے ڈیڑھ منٹ تک رہا۔ ہندستان کی جن ریاستوں میں مکمل سورج گرہن دیکھا گیا ان میں راجستھان، اترپردیش، بہار اور مغربی بنگال کے نام شامل ہیں۔ مغربی بنگال کے مختلف مقامات جہاں سورج کو چاند نے مکمل طور پر ڈھک لیا تھا، ان کے نام ہیں ڈائمنڈ ہاربر، پرولیا، چندراکونا، مدناپور، گھاٹال، بالی چوک، پنکورہ، الوبیڑیا، تملوک، خالت، بج بج، کولپی، ہلدیہ، بردی پور، بسنتی وغیرہ۔ مکمل سورج گرہن کے دیدار کے لئے خاص مقام تھے ۲۴ پرگنہ کے ڈائمنڈ ہاربر اور پرولیا کے اجودھیا کا پہاڑی علاقہ۔ ڈائمنڈ ہاربر میں یہ حیرت خیزیاں ۷۷ سکنڈ تک جاری رہیں۔

سورج گرہن کے دوران شام کا سا منظر دیکھا گیا، دن کی روشنی مدھم ہو گئی۔ سورج کی کرنیں مختلف شکلوں میں نمودار ہونے لگیں، درجہ حرارت کم ہونے لگی اور پھر چاند نے سورج کو مکمل طور پر ڈھک لیا۔ دور دور تک نیم تیرگی کے سائے پھیل گئے۔ نیلے آسمان کے پس پشت تاریک حصوں میں ستاروں کے دھندلے چہرے نمودار ہو گئے۔ دھیرے دھیرے سورج کے اوپری حصے سے چاند کا سایہ ڈھلنے لگا اور سورج آہستہ آہستہ اپنی پوری تمازت کے ساتھ حسب معمول نمودار ہونے لگا ••

غزلیں

خالد عبادی، پٹنہ

اب خدا ہے نہ ناخدا میرا
خود پہ موقوف فیصلہ میرا

بات نکلی تو میں نے بھی سوچا
ہونے والا ہے تذکرہ میرا

تو مجھے غیر ہی سمجھ لیکن
تیرا رستہ ہے راستا میرا

کچھ تو محسوس کر رہے ہونگے
کتنا مشکل ہے سامنا میرا

جانے کیا کیا مرے سخن میں تھا
کوئی سمجھا نہ مدعا میرا

مجھ کو جو زندگی کی دعا دے گیا کوئی
محسوس یوں ہوا کہ سزا دے گیا کوئی

اب کیا کہوں کہ راہِ محبت میں کسطرح
مجھ کو مری وفا کا صلہ دے گیا کوئی

جاگی نہیں میں نیند سے اتنی تھی بے خبر
چوکھٹ پہ میری آکے صدا دے گیا کوئی

ڈرنے لگی ہوں مہر و خلوص و وفا سے میں
جب سے مجھے فریبِ وفا دے گیا کوئی

مدت سے ڈھونڈتی رہی جس شئے کو میں سحرؔ
اک پل میں مجھ کو اس کا پتہ دے گیا کوئی

فاطمی داؤد سحرؔ، کلکتہ

ساحر لدھیانوی

محنت کش عوام کا شاعر

سری رام عرش

ساحر لدھیانوی ترقی پسند تحریک کا وہ عظیم ترین نگینہ ہے جسے ان کی اپنی زندگی میں ہی بین الاقوامی شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ عبدالحئی کا جنم لدھیانہ کے ایک جاگیردار گھرانے میں ہوا تھا۔ شاعری کی چیٹک اسے اسکول کے زمانے سے ہی لگ گئی تھی۔ پہلی نظم اس نے گرو گوبند جی کی عظیم روحانی شخصیت پر لکھی تھی اور اسکول کے جلسے میں سنائی تھی۔ اس نظم کو اساتذہ اور طلباء نے بہت پسند کیا اور خوب دل کھول کر تعریف کی جس نے عبدالحئی کو مزید نظمیں لکھنے کی طرف راغب کیا۔ گورنمنٹ کالج لدھیانہ کی معطر فضا تک پہنچتے پہنچتے عبدالحئی ساحر تخلص رکھ چکا تھا اور احباب کے دائرہ میں مقبول تھا۔ ان دنوں تحریک آزادی خوب زوروں پر تھی اور پڑھے لکھے نئی روشنی کے دلدادہ نوجوان اس تحریک میں حصہ ڈالنے کے لئے بہت بیتاب تھے۔ انگریز سمجھتے تھے کہ پستول یا بندوق سے چلائی گئی گولی کے بجائے قلم کی نوک سے لکھے الفاظ زیادہ سنگین ہو سکتے ہیں اس لئے وہ الفاظ کے جادوگروں کو اپنے تعلیمی اداروں میں رکھنے کے خلاف تھے۔

ساحر لدھیانوی کو لدھیانہ کے گورنمنٹ کالج سے نکال دیا گیا اور اس نے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور ان دنوں پنجاب کا دارالحکومت ہی نہیں تھا ایک تعلیمی اور ثقافتی مرکز بھی تھا۔ لاہور پہنچ کر ساحر کی ملاقات اس کے ہم خیال ادباء سے ہوئی۔ اسے دوستوں اور احباب کا ایک وسیع دائرہ نصیب ہوا۔ اس کے قلم پر دن بہ دن نکھار آتا گیا اور اس کے خیالات وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ جو کچھ بھی زمانے نے اسے دیا تھا اپنی شاعری کی وساطت سے اسے لوگوں کو لوٹاتا رہا۔

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

لاہور کی پر مسرت محفلوں میں بھی اسے اپنے آبائی شہر کے کالج میں گزرے دن یاد آتے رہے اور اس نے "نذر کالج" میں کہا کہ

لیکن ہم ان فضاؤں کے پالے ہوئے تو ہیں
گر یاں نہیں تو یاں سے نکالے ہوئے تو ہیں

ساحر پیار و محبت کا شاعر تو تھا ہی مگر وہ اناج پیدا کرنے والے کسانوں کو، صنعتی کارخانوں میں صنعتی مال کی پیداوار بڑھانے والے مزدوروں کو اور دیگر غریبی کی سطح سے نیچے جینے والے لاکھوں غریبوں کو دکھی دیکھ کر تلملا اٹھتا تھا:

لہلہاتے ہوئے کھیتوں پہ جوانی کا سماں
اور دہقان کے چھپر میں نہ بتی نہ دھواں
یہ فلک بوس ملیں، دلکش و سیمیں بازار
یہ غلاظت پہ جھپٹتے ہوئے بھوکے نادار

ساحر کے دل میں مفلسوں، ناداروں کے تئیں صرف ہمدردی ہی نہیں

تھی بلکہ وہ دل سے چاہتا تھا کہ دنیا سے یہ دولت کی دیوار نیست و نابود ہو جائے۔ زر کا گھناؤنا سایہ اور سیمی عکس صفحۂ ہستی سے غائب ہو جائے۔ اسے قدرت نے انسانیت کا درد بخشا ہوا تھا اسی لئے جب وہ بھوک کے مارے غریبوں، مفلسوں اور بے کسوں کو دیکھتا تھا تو اس کا وجود تڑپ اٹھتا تھا۔ جب کوئی صورت کہیں نظر آتی ان بے سہاروں کو سہارا دینے کی تو وہ پکار اٹھتا ہے ؎

یہ بھی کیوں ہے کیا ہے، مجھے کچھ سوچنے دے
کون انسان کا خدا ہے، مجھے کچھ سوچنے دے

اس خدائے برتر کی تلاش میں دربدر بھٹکتا ہوا، مذاہب کی پاک کتب کا بغور مطالعہ کرتا ہوا جہاں بھی گیا جابر کی ستائی ہوئی مخلوق سے دوچار ہوا:

یہ میلی ہوئی ادھ کھلی زرد کلیاں
یہ بکتی ہوئی کھوکھلی رنگ رلیاں
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں ؟

مگر ملک کے رہبر خاموشی سے یہ تماشا دیکھنے میں مشغول رہتے ہیں جب اس کا دل اور عوام ایسے حالات سے دوچار ہوں تو پھر دنیا کا بہترین عجوبہ بھی اسے متاثر نہ کر سکا وہ تاج محل کے متعلق کہتا ہے ؎

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

آخر کار اسے امید کی ایک شمع دکھائی دیتی ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اگر تمام مفلس و بیکس، نادار اور غریب کسان اکٹھے ہو جائیں اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے مل جل کر کوشش کریں تو یقیناً ملک میں انقلاب آ سکتا ہے۔

مسکرا اے زمینِ تیرہ و تار
سر اٹھا اے دبی ہوئی مخلوق

یہ گراں بار سرد زنجیریں
زنگ خوردہ ہیں، آہنی ہی سہی
آج موقع ہے ٹوٹ سکتی ہیں
فرصتِ یک نفس غنیمت جان

اور جب بھوک اور افلاس کے مارے ہوئے لوگ جاگ اٹھتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اپنی حالت بہتر بنانے کیلئے کوشاں ہوتے ہیں تو پھر بقول

غزل

ساحر

ہر قدم مرحلۂ دار و صلیب آج بھی ہے
جو کبھی تھا وہی انسان کا نصیب آج بھی ہے

جگمگاتے ہیں افق پار ستارے لیکن
راستہ منزلِ ہستی کا مہیب آج بھی ہے

سرِ مقتل جنہیں جانا تھا وہ جا بھی پہنچے
سرِ منبر کوئی محتاط خطیب آج بھی ہے

اہلِ دانش نے جسے امرِ مسلّم مانا !
اہلِ دل کے لئے وہ بات عجیب آج بھی ہے

یہ تری یاد ہے یا میری اذیت کوشی
ایک نشتر سا رگِ جاں کے قریب آج بھی ہے

کون جانے یہ ترا شاعرِ آشفتہ مزاج
کتنے مغرور خداؤں کا رقیب آج بھی ہے

شاعر نتیجہ یہ نکلتا ہے ؎

جاگ گئے ہیں افلاس کے مارے اٹھے ہیں بے بس دکھیارے
سینوں میں طوفاں کا تلاطم آنکھوں میں بجلی کے شرارے
جشن بپا ہے کٹیاؤں میں اونچے ایواں کانپ رہے ہیں
مزدوروں کے بگڑے تیور دیکھ کے سلطاں کانپ رہے ہیں

٭

ساحر ہمیشہ مزدوروں کیلئے گیت لکھتا رہا اور الفاظ کے پیراہن کے بہادرانہ خیالات و جذبات کو پہناتا رہا تاکہ کرہ ارض اور کل کائنات مساوات اور برابری کا سورج اپنی پوری تاب سے چمکے اور دنیا نابرابری کی کالی سیاہ رات کا خاتمہ کر دے ٭٭ (بشکریہ پاسبان جن...)

ہندستان میں ماحولیات وترقی کی صورت حال

ماحولیات کا تحفظ اور اس کے بارے میں تشویش عرصہ دراز سے ہندستانی فکر اور سماجی ترقی کا ایک لازمی جزو رہا ہے۔ ہندستان ایک وسیع وعریض ملک ہے اور اس میں ہر جگہ کی آب وہوا بھی الگ الگ ہے۔ ہندستان میں اس قدر گوناگونی اور تنوع ہے کہ یہاں دنیا میں پائی جانے والی ہر طرح کی طرزِ زندگی کی جھلک دیکھنے کو ملے گی۔ ہندستان میں مختلف طرح کے جنگلات ہیں، مختلف دریائی نظام ہیں، مختلف طرح کے پودے اور مختلف التوزع نباتات اور حیوانات ہیں۔ مختلف طرح کے معدنی وسائل اور آبی وسائل موجود ہیں۔

ہندستان میں جنگلاتی رقبہ خشکی کے کُل رقبے کا ۲۲ فیصد ہے یعنی تقریباً ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ ہیکٹر آراضی پر جنگلات ہیں۔ ہندستان میں مختلف قسم کے ۴۵ ہزار پودے ہیں جن میں سے ۵ ہزار پودے بہت نادر پودوں میں شامل ہیں۔ ہمارے جنگلات میں ۸۱ ہزار قسم کے جانور ہیں، ان میں سے ۱۲۲۸ پرندے ہیں اور ۵۰,۵۲۵ قسم کے کیڑے مکوڑے، جرثومے وغیرہ ہیں۔ اس کے باوجود ہندستان ان ملکوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا جن میں ماحولیات رو بہ زوال ہے۔

نباتات، حیوانات کو درپیش ان مختلف مسائل کے پیش نظر ان کے تحفظ کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے ہیں۔ اس وقت ہندستان میں ۷۵ قومی پارک ہیں، ۴۲۱ جنگلی جانوروں کی پناہ گاہیں ہیں، ۲۱ شیروں کی پرورش کے پروجیکٹ مختلف مقامات پر شروع کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ خصوصی پراجیکٹ بھی شروع کئے گئے ہیں۔ مثلاً ہاتھی، ہمالیائی مشک والے ہرن، منی پور کے بارہ سنگھے، مگرمچھوں کی پرورش وغیرہ کے پروجیکٹ چلائے گئے ہیں۔

حکمت عملی : ماحولیات کے تحفظ کے قومی پروگرام کے تحت قدرتی وسائل کو بار بار کارآمد بنانے کے لئے کوشش کی جارہی ہے اور بے کار پڑی اراضی کو قابلِ کاشت بنانے پر زور دیا جارہا ہے۔ جنگل بانی کے پروگرام شروع کئے گئے ہیں۔ صنعتی آلودگی پر قابو پانے اور اس کے نظم ونسق کو بہتر بنانے، شہری آلودگی کی روک تھام اور ان سے مسائل کو حل کرنے نیز توانائی کے متبادل وسائل تلاش کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔

ہریالی کے تحفظ کے لئے متعدد خصوصی پروگراموں پر عمل درآمد کرایا گیا ہے، مثلاً جنگلات لگانے کے مربوط پروگرام، معاشی ترقی کے پروجیکٹ سے متعلق اسکیم بہ لحاظ رقبہ ایندھن کی لکڑی اور چارہ اگانے کے پروجیکٹ اور جنگل بانی نیز معاشی ترقی کے لئے قومی بورڈ کی تشکیل۔

ماحول کے بارے میں عوامی شعور کو بیدار کرنا : سرکار کو ماحولیات کی صفائی کے سلسلے میں عوامی شعور کو بیدار کرنا ہے۔ اس سلسلے میں پریاورن واہنی نامی اسکیم شروع کی گئی ہے جس کے تحت نچلی سطح پر عوامی شعور بیدار کرنا ہے۔ اس کے تحت لوک تھیٹر اور نکڑ تھیٹر کی مدد سے عوام میں ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے طریقے بتلائے جاتے ہیں اور اس کام کی اہمیت ان پر واضح کی جاتی ہے۔ اس واہنی کے ارکان میں ایسی تمام غیر سرکاری تنظیمیں اور رضاکار افراد شامل ہیں جن کو اس کام سے دلچسپی ہے۔ اب تک ملک کے ۱۷۰ اضلاع میں اس طرح کی پریاورن واہنی بن چکی ہے اور ۸۰ اضلاع میں انہوں نے کام بھی شروع کر دیا ہے۔ ایکو کلب کے ذریعے سے ماحولیات کی تعلیم دی جاتی ہے اور عوام کو اپنے اپنے محلوں میں ماحولیات کے تحفظ کے کاموں میں حصہ لینے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت ملک کے مختلف حصوں میں ۱۵۰۰ ایکو کلب کام کر رہے ہیں۔

عالمی کوششیں : ہندستان نے ماحول کو صاف ستھرا بنانے کی عالمی بحث میں عملاً حصہ لیا ہے۔ حیاتیاتی تنوع کی دستاویز پر بھی اس نے دستخط کئے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں آب وہوا کی تبدیلی سے متعلق اقوام متحدہ کے کنونشن پر بھی دستخط ثبت کئے ہیں۔ اس نے ایجنڈا ۲۱ کی حمایت کی ہے جس کی رو سے وسائل کی تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس طرح شمالی ملکوں سے تکنیکی اور مالی وسائل کو جنوبی ملکوں کی طرف منتقل کئے جانے کی حمایت کی ہے۔

اوزون پرت کے تحفظ کے سلسلے کی عالمی کوششوں میں بھارت نے مانٹریل معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ اس میں ترقی پذیر ملکوں کی ان دشواریوں کا تذکرہ ہے جن کی وجہ سے ان ملکوں سے وہ مادے خالی ہوتے

جا رہے ہیں جن سے اس پرت کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے ایسا کثیر المقاصد فنڈ قائم کیا گیا ہے جس کی مدد سے ترقی پذیر ملکوں کو ایسی تکنیکی امداد مل سکے جو اوزون پرت کے تحفظ میں معاون ہوگی۔ یہ امداد ایسے کھیلوں کے لئے ہوگی جہاں اوزون پرت کو خالی کرنے والے مادوں کی کھپت صفر اعشاریہ تین کلوگرام فی شخص ہوگی۔

۱۹۷۲ء میں انسانی ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں اسٹاک ہام میں کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے ہندستان نے ماحولیات کے تحفظ پر بہت زور دیا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں ریو ڈی جنیرو میں ماحولیات کی حفاظت کے لئے چوتھی کانفرنس ہوئی، چنانچہ ان درمیانی بیس برسوں میں ہندستان میں ماحول کے تحفظ کے لئے بہت سے قانون بنائے گئے ہیں اور بہت سے پروگرام شروع کیئے گئے۔ ۱۹۷۲ء میں جنگلی جانوروں کے تحفظ کا قانون، ۱۹۸۰ء میں جنگلات کے تحفظ کا قانون اور ۱۹۸۶ء میں ماحولیات کے تحفظ کا قانون اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ ان قوانین میں ایسی ضروری تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں جن سے یہ موجودہ تقاضوں کو پورا کر سکیں۔

ماحولیات کا تحفظ محض سرکار کی ہی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ہر ہندستانی شہری کا بنیادی فرض بھی ہے ⁂ (شکریہ۔ پی آئی بی)

شمالی بنگال میں سیلاب کی تباہ کاریاں

شمالی اور جنوبی دیناج پور اور مالدہ کے اضلاع میں مسلسل طوفانی بارش کی وجہ سے ایک لاکھ سے بھی زائد کچے مکانات میں سے سماں مکانات بہہ گئے ہیں اور بہت سے تباہ ہو گئے ہیں۔ ۳ لاکھ ۸۲ ہزار ایکڑ قطعات آراضی میں کھڑی ۳۴۴ کروڑ روپئے کی فصل برباد ہو گئی ہے۔ شعبۂ آبی تفتیش و ترقیات کے تحت ۱۰۵۰ آبپاشی پروجیکٹس جن میں ۳۹۵ گہرے ٹیوب ویل، ۱۱۸ کم گہرے ٹیوب ویل اور ۵۳۷ دریا کش آبپاشی شامل ہیں بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔

وزیر شعبۂ آبی تفتیش و ترقیات سری عمر علی نے بتایا کہ ان تین اضلاع کے معائنہ کے بعد شعبۂ آبی تفتیش و ترقیات شعبۂ زراعت اور شعبۂ توانائی کے افسروں، ضلع سبھادھی پتیوں اور ضلع مجسٹریٹوں کے صلاح و مشورہ سے جنگی پیمانے پر متاثرہ پروجیکٹوں کی مرمت کے لئے ہدایت دی گئی ہے — یہ فیصلہ ہوا ہے کہ مرمت کا کام آئندہ دسمبر تک مکمل ہو جانا چاہئے۔

علاوہ ازیں اس کام کے لئے متعلقہ شعبوں کے درمیان تال میل قائم رکھنے کے لئے ایک ٹاسک فورس کی تشکیل بھی ہوئی ہے۔ دیگر متاثرہ اضلاع کے لئے بھی اسی طرح کے اقدامات کیئے جائیں گے۔ مذکورہ تینوں اضلاع خشک سالی کے بعد سیلاب سے متاثر ہوئے بالخصوص سیلاب کی وجہ سے انہیں کافی نقصان ہوا ہے۔ اس لئے سیلاب کے کنٹرول کے لئے دائمی اقدامات لینے کے طور پر ان اضلاع کو مرکزی فلڈ کنٹرول کمیشن کے تحت لانا ہوگا۔ مرکز کی امداد کے بغیر ریاستی حکومت ایسے بڑے کام کو لینے کے قابل نہیں ہے۔ ایک تجویز آئی ہے کہ پورے اور جزوی طور سے سیلاب سے متاثر ہونے والے افراد کو معاوضہ کے طور پر ۱۰۰۰ اور ۵۰۰ روپیہ دینے کے بجائے بڑھا کر ۵۰۰۰ اور ۲۰۰۰ بالترتیب کر دیا جائے۔ یہ دعویٰ حق بجانب ہے مگر اس معاملہ کو بھی مرکز کے زیر غور آنا چاہئے اس کے علاوہ کم شرح سود پر آسان شرائط پر تعمیر مکانات کے قرض بھی زیادہ بڑے پیمانے پر منظور کیا جا سکتا ہے۔

جنوبی دیناج پور کا ضلع باقی ماندہ علاقوں سے کٹ کر رہ جاتا ہے جب کبھی بھی سیلاب کی آمد ہوتی ہے۔ موجودہ صورت حال نے حالات کو مزید خراب کر دیا ہے حتی کہ ضلع کے ریلوے لائن کو الگ کر دیا ہے۔ اس وقت مالدہ سے بالور گھاٹ ہوتے ہوئے ہیلی تک ایک متبادل سڑک کی فوری ضرورت ہے ⁂

جنگلی جانوروں کا تحفّظ

بھارت میں زندگی کی مختلف شکلوں کی قابلِ قدر گوناگونی ایک قدرتی ورثہ ہے۔ ہم اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ اس کرّہ ارض پر پودوں اور جانوروں کی جتنی بھی اقسام کے بارے میں معلومات ہیں، ان میں سے تقریباً چار سے پانچ فیصد اقسام ہندستان میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں پھول والے پودوں کی تقریباً ۱۳ ہزار اقسام، کیڑے مکوڑوں کی ۵۰ ہزار اقسام، گھونگھوں کی ۴ ہزار اقسام، بغیر ریڑھ کی ہڈی والے دیگر جانوروں کی ۶۵۰۰ اقسام، مچھلیوں کی ۲ ہزار اقسام، خشکی اور تری دونوں میں رہنے والے جانوروں کی ۱۴۰ اقسام، رینگنے والے جانوروں کی ۴۲۰ اقسام، پرندوں کی ۱۲۰۰۔ اقسام اور دودھ پلانے والے جانوروں کی ۳۴۰۔ اقسام شامل ہیں۔

بھارت میں پہاڑی سبزہ زاروں اور معتدل جنگلات سے لیکر گرم علاقوں کے بارانی جنگلات تک، سرد ریگستانوں سے لے کر گرم ریگستانوں تک، نم اور خشک عارضی جنگلات سے لے کر دلدلوں، نم زمینوں، منقطّہ مارہ، سمندر کے ماحولیاتی نظاموں تک تقریباً ہر قسم کی جگہ پائی جاتی ہے۔ جنگلی جانوروں اور ماحولیات کا تحفظ ہماری اقدار کا ایک حصہ رہا ہے اور اس کا اظہار مذہبی کتابوں اور قدیم روایات میں بخوبی کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ کرنا بھارت کا فخریہ حق ہے کہ خاص طور سے جنگلی جانوروں کے تحفظ کے سلسلے میں دنیا کے سب سے پہلے ریکارڈ شدہ اقدامات بادشاہ اشوک کے زمانے میں تیسری صدی قبل مسیح میں بھارت میں کئے گئے تھے۔

جنگلی جانوروں کے متعلق قومی منصوبۂ عمل :

ہماری عظیم روایات کے باوجود ہمارے حیاتیاتی ورثے میں کافی کمی دیکھنے میں آتی ہے جو ملک میں انسانوں اور جانوروں کی آبادی میں زبردست اضافے کی وجہ سے پیدا ہونے والے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۹۸۲ء میں جنگلی جانوروں کے متعلق ملکی بورڈ نے جنگلی جانوروں کے سلسلے میں جو قومی منصوبۂ عمل اختیار کیا تھا، اس میں نباتات اور حیوانات کے تحفظ کے لئے ملک کے تمام علاقوں پر مشتمل جنگلی جانوروں کے رہنے کے محفوظ مقامات کے ایک نظام تیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ جنگلی جانوروں کے سلسلے میں قومی منصوبہ پر عمل درآمد کے ایک اقدام کے طور پر دہرہ دون میں واقع وائلڈ لائف انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا نے ملک میں جنگلاتی علاقوں کا ایک سروے کیا ہے اور "بھارت میں جنگلی جانوروں کے رہنے کے محفوظ علاقوں کے ایک نظام کی منصوبہ بندی" کے عنوان سے رپورٹ شائع کی ہے جس میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ ملک کا کُل جغرافیائی علاقہ قومی پارکوں اور سینکچوریوں کے تحت لایا جانا چاہئے۔ آج ملک میں ۴۲۸ سینکچوریاں اور ۷۵ قومی پارک ہیں جو ۱۴۳ لاکھ مربع کیلومیٹر سے زیادہ رقبے پر مشتمل ہیں۔ یہ رقبہ کُل جغرافیائی علاقے کا تقریباً ۴ر۲۷ فیصد حصہ ہے۔ جنگلات سے متعلق قومی پالیسی، ۱۹۸۸ء میں ماحولیاتی نظام کے تحفّظ کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔

جنگلی جانوروں کے تحفّظ سے متعلق قانون :

جنگلی جانوروں کے تحفظ سے متعلق جامع قانون ۱۹۷۲ء میں وضع کیا گیا تھا۔ اس قانون کے تحت بھارت میں جنگلی جانوروں کے تحفظ کے سلسلے میں اہم قانونی ڈھانچہ فراہم کیا گیا ہے۔ اس قانون کے دو اہم مقاصد میں مذکورہ قانون کی فہرست میں شامل جنگلی جانوروں کی ان اقسام کو تحفظ فراہم کرنا جن کے ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہے، نیز قومی پارکوں، سینکچوریوں اور ممنوعہ علاقہ کے طور پر زمرہ بندی کئے گئے ملک کے محفوظ علاقوں کے لئے قانونی امداد فراہم کرنا شامل ہیں۔

۱۹۹۱ء میں اس قانون میں جامع ترمیم کی گئی ہے تاکہ سزاؤں کو اور زیادہ سخت بنایا جاسکے نیز جنگلی جانوروں اور پودوں کی مخصوص اقسام کا تحفظ کیا جاسکے۔

تحفّظ سے متعلق امور :

گزشتہ برسوں میں یہ محسوس کیا گیا تھا کہ چوری سے شکار کرنے والے لوگوں، غیر قانونی طور سے تجارت کرنے والے لوگوں اور دیگر مفاد پرستوں کی طرف سے درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس قانون

کی دفعات غیر مؤثر ہیں۔ بے ایمان تاجر دیہی علاقوں میں غربت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں نیز جنگلی جانوروں، عمارتی لکڑی اور دیگر جنگلاتی فائدے حاصل کرنے کیلئے قبائلیوں اور دیگر غریب لوگوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے کہ محض قانونی تدابیر کرکے مسائل حل نہیں کئے جا سکتے ہیں بلکہ بامقصد انداز میں مقامی لوگوں کو روزگار فراہم کرکے اور جنگلی مفادات کیلئے متبادل فراہم کرکے بھی ان مسائل کو حل کرنا ہوگا تاکہ جنگلات پر ان کے انحصار میں کمی آئے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے "محفوظ علاقوں میں اور ان کے اطراف ماحولیاتی بہتری" اور "جنگلات کی بحالی کے کام میں قبائلیوں کی شمولیت" جیسی اسکیمیں شروع کی گئی ہیں

پودوں کی ان اقسام سے، جو نادر ہیں اور جن کے ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہے تجارتی پیمانے پر فائدہ اٹھائے جانے کے معاملے کو بھی جنگلی جانوروں کے تحفظ سے متعلق قانون کے تحت لایا گیا ہے نیز تمام جنگلی جانوروں اور ان سے تیار کردہ تمام اشیاء کی برآمدات کو ملک کی برآمداتی ودرآمداتی پالیسی کے تحت ممنوعہ قرار دیا گیا ہے۔ پودوں کی ان متعدد اقسام کی برآمدات پر بھی مذکورہ پالیسی کے تحت پابندی عائد کی گئی ہے، جن کے ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہے۔ دیگر جنگلاتی پودوں، انکی مصنوعات اور عرق کے سلسلے میں متعلقہ جنگلاتی افسر سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ہوگا تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ جنگلی پودوں کی اقسام سے ضرورت سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔

حالیہ اقدامات:

حیاتیاتی گوناگونی کے بارے میں قرارداد کو مدنظر رکھتے ہوئے، جس پر ۱۹۹۲ء میں ریو میں دستخط کئے گئے ہیں۔ سرکار نے مناسب قانون وضع کرنے اور برآمدات پر کنٹرول سے متعلق احکامات کے سلسلے میں مسودہ تیار کرنے کے لئے کارروائی شروع کی ہے تاکہ ملک سے حیاتیاتی اشیاء کی منتقلی اور اس کے پائیدار استعمال کو باضابطہ بنایا جا سکے۔ اس سے ملک کے طویل مدتی مفاد کا تحفظ ہوگا اور مستقبل میں ہماری حیاتیاتی اشیاء کے ممکنہ استعمال سے مناسب آمدنی یقینی ہوگی۔ حیاتیاتی گوناگونی کے تحفظ کے لئے قومی منصوبہ عمل تیار کرنے کے سلسلے میں بھی کارروائی شروع کی گئی ہے، جسے دیگر وزارتوں، سائنسی اداروں اور غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ وسیع صلاح ومشورہ کرکے قطعی شکل دی جائے گی۔

پائیدار طریقے سے جنگلی جانوروں کی اقسام اور ان کے مسکنوں کیلئے تحفظ کے لئے "پروجیکٹ ٹائیگر" اور "پروجیکٹ ایلیفینٹ" جیسی خصوصی اسکیمیں شروع کی گئی ہیں۔ مسکنوں کی بحالی، محفوظ علاقوں کیلئے انتظامی منصوبے تیار کرنے، ہاتھیوں جیسے جانوروں کے راستوں کے تحفظ اور بحالی کے لئے بنیادی ڈھانچے کی امداد، تعلیم اور بیداری کے پروگراموں وغیرہ جیسی سرگرمیوں کے لئے ان اسکیموں کے تحت امداد دی جاتی ہے۔

جنگلی جانوروں کے انتظام کے بارے میں تحقیق:

جنگلی جانوروں کے تحفظ اور انتظام کے جدید طریقوں میں جنگلی جانوروں کے منتظمین کو تربیت دینے سے متعلق مختلف حیاتیاتی اور انتظامی مسائل کے بارے میں تحقیق کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا وائلڈ لائف انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا تربیت اور تحقیق کے اس دوہرے مقصد کو بخوبی حاصل کر رہا ہے۔ حکومت بھی غیر سرکاری تنظیموں، یونیورسٹیوں اور افراد کے ذریعہ جنگلی جانوروں کے بارے میں تحقیق اور مطالعاتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرتی ہے۔

جنگلی جانوروں کا تحفظ بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے بھی کافی افادیت کا حامل ہے لیکن یہ فائدہ اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب ہر ایک فرد اس کی اہمیت کو سمجھے اور اس سلسلے میں کوششیں کرے۔ حکومت کی یہ کوشش ہے کہ اس کام کو ایک عوامی تحریک کی شکل میں فروغ دیا جائے جس کے ذریعہ لوگ خود سے اس عظیم قدرتی ورثے کے تحفظ کے لئے حکمت عملیاں تیار کریں گے" (شکریہ پی آئی بی)

وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ کے لئے عطیات

موجودہ سیلاب سے متاثر افراد کی امداد کے لئے مختلف اداروں اور تنظیموں نے وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ کے لئے شری جیوتی باسو کی خدمت میں عطیے کے طور پر چیک پیش کئے ہیں۔ کچھ اہم تنظیموں کی طرف سے دئے گئے عطیات کی تفاصیل یوں ہے: کلکتہ کارپوریشن ۳ لاکھ روپئے، بی آئی ایف آئی۔ دو لاکھ روپئے، بی سی سی آئی۔ ایک لاکھ روپئے، نن گزیٹیڈ پولس ایسوسی ایشن۔ ایک لاکھ روپئے اور ریاستی سرکاری ملازمین کو آرڈی نیشن کمیٹی ایک لاکھ روپئے

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

کلکتہ

مغربی بنگال

جلد نمبر ۴۲ ★ یکم و ۱۵ دسمبر ۱۹۹۵ء ★ شمارہ نمبر ۲۲ اور ۲۳

مدیر اعلیٰ : ترون بھٹاچاریہ

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : دس روپئے ★ نصف سالانہ : پانچ روپئے

فی شمارہ کی قیمت : ۵۰ پیسے

ترسیلِ زر (بذریعہ منی آرڈر) کا پتہ :

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۶ کاؤنسل ہاؤس اسٹریٹ،
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

★ پرچہ کی خریداری کیلئے پیشگی رقم منی آرڈر کے ذریعہ بھیجیں۔

دفترِ ادارت

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومتِ مغربی بنگال
چوتھی منزل، بلاک ۱
رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

فون : 25-5601/3371 Ext. 710

وزیر اعلیٰ نے سنکھیا سے پاک پانی کی سپلائی کے ایک پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد رکھا

وزیر اعلیٰ سنکھیا سے پاک پانی کی سپلائی کے پروجیکٹ کے ماڈل کا معائنہ کرتے ہوئے۔

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۹ نومبر کو مالدہ کے کالیاچک میں سنکھیا سے پاک پینے کے پانی کی سپلائی کے ایک پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ مرکزی حکومت کو اس طرح کے پروجیکٹوں کے لئے مالی امداد دینی چاہئے۔ دوسری ریاستوں کو بھی اس طرح کے پروجیکٹوں کی ضرورت ہے انہیں بھی ایسے پروجیکٹوں کے لئے مرکزی حکومت کی طرف سے امداد ملنی چاہئے۔ مغربی بنگال کے چھ اضلاع میں زہریلے زمینی پانی کا پتہ لگایا گیا ہے اور صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے فوری اقدامات کئے گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ پروجیکٹ ایکشن پلان کے پہلے مرحلہ کے جزو کے طور پر چالو کیا گیا ہے اور اپنے مقررہ وقت کے اندر یہ مکمل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اس موقع پر وزیر عوامی صحت انجنیئرنگ شری گوتم دیب، وزیر ریاست برائے عوامی صحت انجنیئرنگ شری کھگیندرا ناتھ سنہا اور مالدہ کے ضلع سبھا دھی پتی شری سومن پانڈے نے بھی اظہارِ خیال کیا ———— مالدہ میں ۱۳،۶۴۵ مربع کلو میٹر پر محیط کالیاچک میں جہاں تقریباً ۶،۱۲۶،۴۴ افراد آباد ہیں زمینی پانی میں سنکھیا پایا گیا ہے اس لئے ریاستی محکمہ عوامی صحت انجنیئرنگ کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کالیاچک کے دستوب نگر میں سنکھیا سے پاک پینے کے پانی کی سپلائی کا ایک پروجیکٹ قائم کیا جائے گا۔ جو پانی دریائے گنگا اور دریائے پھولہر سے کھینچ کر اوپر آبی ریزر وائر میں لایا جائے گا اسے سنکھیا سے پاک کر کے بالترتیب جنوبی مالدہ کے ۱۴ علاقوں میں اور شمالی مالدہ کے دس علاقوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس پروجیکٹ سے فی الحال ۶،۱۲،۱۴۴ افراد اور ۲۰۲۱ء تک ۱۱،۱۵،۰۰ افراد مستفیض ہوں گے۔ پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے متعلقہ علاقوں میں زمین دوز تالابیں اور بلند مقام آبی تحفظ گاہیں تعمیر کی جائیں گی۔ ہر روز شمالی مالدہ اور جنوبی مالدہ کے ۲۳۵ گاؤں کیلئے بالترتیب ۳۰ گیلن اور ۵۰ گیلن پانی سپلائی کی جائے گی۔ اس پروجیکٹ کی تعمیر میں ۸۸،۴۸ کروڑ روپئے کی لاگت کا تخمینہ کیا گیا ہے جس کی ۷۵ فیصد رقم مرکز فراہم کرے گا اور باقی ریاست برداشت کرے گی۔

وزیر اعلیٰ موصوف نے بتایا کہ اس پروجیکٹ کی تعمیر کے لئے عام لوگوں نے اپنا دستِ تعاون بڑھایا ہے۔ کسانوں نے اپنی زمینیں دے کر سرکار کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ ریاستی حکومت غریب اور محنت کش عوام کے مفادات میں کام کر رہی ہے مقامی ایم ایل اے کو یقین دہانی کرائی کہ وہ زمین کے بدلے میں معاوضہ پانے والے لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھیں اور ان کی گزر بسر کیلئے متبادل انتظام کے ساتھ جلد از جلد مناسب بحالی کا بندوبست کریں۔

سنگِ بنیاد کے موقع پر منعقدہ پوری تقریب کو شعبۂ عوامی صحت انجنیئرنگ کے وزیر شری گوتم دیب نے چلایا۔ مذکورہ شعبہ کے سکریٹری شری پرساد رائے استقبالیہ تقریر کی جبکہ نگراں انجنیئر شری پردیپ کمار رائے نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا ❖❖

ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال کی شرکت

ریاستی وزیر صنعت و تجارت شری بدیوت گانگولی توانائی کے اسٹال کا معائنہ کرتے ہوئے۔

نئی دہلی کے پراگتی میدان میں انڈین ٹریڈ پروموشن آرگنائزیشن کے زیر اہتمام ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ کا انعقاد کیا گیا۔ یہ میلہ ۱۴ / سے ۲۷ / نومبر ۱۹۹۵ء تک جاری رہا — معاشی آزادی اور پابندیوں کی دوری — سے موجودہ بیرونی ٹکنالوجی اور سرمایہ کاری کے لئے بہت سی صنعتوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے — ایشیا میں اس عظیم تجارتی میلہ یعنی ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ کا افتتاح گزشتہ ۱۴ / نومبر کو صدر جمہوریہ شنکر دیال شرما نے کیا۔ ہر سال کی طرح امسال بھی حکومت مغربی بنگال نے اپنے مستقل پویلین کے ساتھ شایانِ شان طریقہ سے اس تجارتی میلہ میں شرکت کی۔ پراگتی میدان میں ۲۲۶۰ مربع میٹر علاقے پر محیط مغربی بنگال کا پویلین اپنی نوعیت میں فنِ تعمیر کے مختلف نمونوں کے ساتھ صنعتی میدان میں ترقی و فروغ کے لئے ریاستی تحقیق کی نشاندہی کر رہا تھا۔

مغربی بنگال پویلین میں کل ۳۵ بڑی صنعتی اور تجارتی تنظیموں نے ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ ۹۵ء کے اصل موضوع مصارفین کے لئے کوالیٹی کے خاص حوالہ سے حصہ لیا۔ مغربی بنگال پویلین کے ذریعہ اس تجارتی میلہ میں اسی طرح کی تعداد میں چھوٹے پیمانے کے اداروں نے بھی شرکت کی۔

ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلہ میں مغربی بنگال پویلین کا افتتاح ریاستی وزیر صنعت و تجارت شری بدیوت گانگولی نے ۱۴ / نومبر کو کیا اور اس کے بعد پراگتی میدان میں پریس کانفرنس کو خطاب کیا۔ اس موقع پر گھریلو اور چھوٹی صنعت کے ریاستی وزیر شری پراویر سین گپتا بھی موجود تھے۔

اس تجارتی میلہ کے دوران مختلف دنوں میں ریاستی وزیر صنعتی احیائے نو شری پتت پاون پاٹھک، وزیر رفاہ برائے شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب شری دینیش ڈاکوا، وزیر خدمات نوجوان و سیاحت شری سبھاش چکرورتی، کھادی اور دیہی صنعت بورڈ کے چیئرمین شری شیو داس بھٹاچاریہ، ایم پی رشیم بالا،

(باقی صلا پر)

مرکزی معاشی پالیسی نے عام لوگوں کے مفادات کو نظر انداز کر دیا ہے

— شری باسو

گزشتہ ۲۱ ستمبر کو کلکتہ میں بنگال چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی ایک ۱۴۱ ویں سالانہ عام نشست کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر مقررین میں شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال، بدیوت گانگولی، ریاستی وزیر برائے کامرس اور انڈسٹری سومناتھ چٹرجی، ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے چیئرمین اور دیگر حضرات شامل تھے۔ مغربی بنگال میں موجود صنعتی امکانات کے مختلف پہلوؤں اور ان مختلف سرگرمیوں پر جن کے ذریعے صنعتی نشو ونما کی رفتار کو تیز تر کرنے کے سلسلے میں مختلف سطحوں پر کوششیں کی جارہی ہیں، تبادلۂ خیالات ہوئے۔

شری جیوتی باسو نے سبھوں سے استدعا کی کہ وہ سب کے سب اپنی استعداد کے مطابق ریاست کی تعمیر نو و فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ وزیر اعلیٰ موصوف نے اس موقع پر صنعت کو جلا بخشنے کے سلسلے میں بی سی آئی کی پُر معنی خدمات کی سراہنا کی۔ ذیل میں وزیر اعلیٰ کی تقریر کا متن پیش کیا جارہا ہے:

جناب صدر، خواتین اور حضرات!

آج آپ لوگوں کے مایہ ناز چیمبر کی ۱۴۱ ویں سالانہ عام نشست میں حاضر ہو کر مجھے بڑا فخر محسوس ہو رہا ہے اور اس موقع پر اس تقریب میں مجھے مدعو کرنے پر میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہماری حکومت کامرس اور انڈسٹری کے مختلف چیمبروں کے ساتھ قریبی تفاعل کو بھی اہمیت دیتی رہی ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ صنعتی سیکٹر میں تیز رفتار ترقی سے متعلق گفت وشنید کی سماتا کو ترقی دی جاسکے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس سلسلے میں ہمارا تجربہ مثبت رہا ہے۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ مستقبل میں بھی اس طرح کی ساجھے داری پھلے پھولے گی۔

صنعتی سرگرمیوں کی رفتار کو بڑھانے کے سلسلے میں ریاست کی کاوشوں کو دیہی ترقی، زرعی ماہی پروری، چھوٹے پیمانے کی صنعتیں وغیرہ وغیرہ کے میدانوں میں حالیہ برسوں کے دوران مغربی بنگال کی حاصل کردہ نمایاں کامرانیوں کے سیاق وسباق میں زیر مطالعہ لانا پڑے گا۔ ۱۹۹۱ء کے دوران حکومت ہند نے اقدامات کا ایک طویل سلسلہ بعنوان "نئی معاشی پالیسی" پیش کیا۔ مذکورہ پالیسیوں کے چند بنیادی پہلوؤں کے ساتھ اپنے اختلافات درج کرانے کے دوران ہم لوگوں نے ان تبدیلیوں کا خیر مقدم کیا جن کی وکالت ہم لوگ کافی عرصہ سے یعنی ۱۹۷۷ء میں اقتدار میں آنے کے بعد سے کرتے آرہے ہیں۔ اصلاحات کے پیکیج پر ہمارے نظریوں کو عالمی معیشت سے ہندستان کو علیحدہ کئے بغیر خود کفالت پر مبنی کئی متبادل تجاویز میں شامل کیا گیا اور اس کی صدا متعدد فورموں میں گونجی ہے۔ ہم لوگوں نے ملکی تحقیق کو توسیع دینے اور ترقی دینے کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے تاکہ ہم لوگ عالمی معیشت میں جدید رجحانات کے ساتھ تیز رفتاری سے آگے بڑھ پائیں۔

میں اس امر پر زور ڈالنا چاہوں گا کہ نئی معاشی پالیسی جسے مرکزی حکومت نے پیش کیا ہے، نے خود کو آبادی کے غریب مفلس طبقوں کی حالت سدھارنے کے ابتدائی کام کو روبہ عمل لانے کی حیثیت سے نہیں پیش کیا ہے۔ حکومت ہند کی بیشتر پالیسیوں سے مستفیض ہونے والی ۱۰ تا ۱۵ فیصد آبادی ہے اور ان میں سے بیشتر کی آبادی پہلے سے ہی خوشحال رہی ہے۔ اس خامی کو دور کرنے کے تحت معاشی پالیسیوں کو کچھ اس طرح ترتیب دینا چاہئے کہ عام لوگ بھی اس سے مستفیض ہوں کیونکہ اس کی کوئی بھی پالیسی جاری نہیں رہنے پاتی۔ یہ بڑی تشویش کی بات ہے کہ بے روزگاری بڑھ رہی ہے، بیمار صنعتوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، لازمی اشیاء کے دام بھی بڑھ رہے ہیں، غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرنے والی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اور غریبی دور کرنے والے پروگرام صحیح معنوں میں غریب طبقوں کی حالت سدھارنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔

نئی پالیسی غالباً درآمدات کو فروغ دے رہی ہے جبکہ جو بھی ہمارے ملک میں ہے اسے برآمد کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ۱۹۹۱ء کے بعد سے بینک

کسٹم ڈیوٹی میں اچانک اور زبردست تخفیف نے گھریلو بازیابی کیلئے کسی طرح کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھ چھوڑی ہے۔ لہٰذا گھریلو صنعتوں کو اچانک غیر ملکی مینوفیکچروں کے ساتھ غیر مساوی مقابلہ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس طرح کے رجحانات نے گھریلو صنعتوں کی پیداوار کو زبردست طور پر متاثر کیا ہے۔ ہم لوگ مقابلہ آرائی کے خلاف نہیں ہیں جو پائیدار یافتہ معیشت کے حامی ہیں لیکن مقابلہ آرائی برابر والوں کے درمیان ہونا چاہئے کسی بھی حالت میں ہندوستانی صنعتوں کو کمزور نہیں کیا جانا چاہئے خواہ وہ ریاستی ہوں یا نجی سیکٹر میں۔ ملک کی معیشت بحیثیت کل کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ۸۸-۱۹۸۷ تا ۹۱-۱۹۹۰ کے دوران نشوونما کی جی ڈی پی شرح اوسط سالانہ ۶ء۷ فیصد سے زیادہ تھی جبکہ نئی معاشی پالیسی کے آغاز کے وقت سے ۱۹۹۱ء کے بعد چار برسوں کے دوران مذکورہ شرح گر کے ۳ء۲ فیصد آ گئی ہے۔

مرکزی حکومت کی حالیہ پالیسیوں کی ایک خصوصیت جو ہمارے لئے مسلسل پریشانی کا باعث بنا رہا ہے مرکزی پبلک انڈرٹیکنگس میں سرمایہ کاری کی تقریباً ارادتاً تخفیف رہی ہے اگرچہ مذکورہ انڈرٹیکنگس کے ریکارڈ اچھے رہے ہیں۔ کسی بھی ملک میں جہاں پبلک سیکٹر نے خصوصاً کور سیکٹر میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے اس طرح کی شدید رکاوٹیں نہ صرف وسیع پیمانے پر پریشانی اور روزگاروں کے تلف ہونے کے واقعات رونما ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔ مغربی بنگال میں اس طرز عمل کی وجہ سے پبلک سیکٹر کی ریلوے انڈسٹری کی تین اکائیوں اور این ٹی سی ملوں کے ساتھ پرائیوٹ سیکٹر کی ایک اکائی میں ہزاروں مزدور نہایت ہی بری طرح سے متاثر ہو رہے ہیں۔ بیمار صنعت کے مسئلہ کو سلجھانے کے سلسلے میں اب تک کوئی خاطر خواہ قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ ایم اے ایم سی جیسی اہم اکائیوں کو کسی طرح کا کوئی سہارا نہیں دیا جا رہا ہے گرچہ انکے اندر جلا بخشی کی ضرورت سے زیادہ امکانات موجود ہیں۔ ہم لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ صنعتی خستہ حالی کے مسئلہ کو سلجھانے کے لئے نہایت ہی سنجیدہ طور پر کوشش کرنا لازمی ہو گیا ہے۔ ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ "سماجی تحفظ التفات" جو ترقی پذیر ملک کے لئے لازمی ہیں کو ضرورت سے کم حد بہ عمل لایا گیا ہے۔ ۹۶-۱۹۹۵ء کے مرکزی بجٹ میں دیہی ترقی سے منسوب اسکیموں پر ہونے والے اخراجات میں صحیح معنوں میں کمی آئی ہے۔

حقیقی شرح افراط زر تقریباً ۱۱ فیصد ہے اور دیہی ترقی کے اخراجات میں گزشتہ سال کے دوران کے اعداد و شمار کے مقابلہ میں ۹ء۸ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ مفہوم عام میں سماجی سیکٹروں کے اخراجات میں ۲ء۱۱ فیصد کا اضافہ ہوا ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس اضافہ کو شرح افراط زر کے ذریعہ حاشیائی بنا دیا جائے گا۔

ہم لوگوں نے ہمیشہ بارہا یہ کہا ہے کہ اس بڑھتے ہوئے مقابلہ جاتی عالمی منظر نامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بیرونی ممالک سے اندیشہ ناک سیکٹروں میں ٹکنالوجی اور سرمایہ کاری کی فراہمی کرنا لازمی بن گیا ہے۔ اپنے اپنے ملک کے لئے خود اعتمادی کے مقصد کے حوالے سے نئی پالیسی کے پہلوؤں کے چند اثرات کو جانچنے اور آنکنے کی ضرورت درپیش ہے۔ ہمارے لئے جو بات اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اپروچ کو چوکس بنانا ہوگا اور ہمیں اصلاحات و معاشی ترقی کے سلسلے میں دیگر ممالک کے تجربوں سے بہت کچھ سیکھنا ہوگا۔ گھریلو صنعت کے سیاق و سباق میں چھوٹے پیمانے کی انٹرپرائزز جس میں صنعتی مزدوروں کی ایک کثیر تعداد برسر روزگار ہے، کے فروغ کی کوشش پالیسی کو کمزور بنا دیا گیا ہے۔ حکومت ہند نے چھوٹے پیمانے کے سکٹر کے لئے محفوظ آئٹموں کی تعداد میں تخفیف کی ہے۔ مزید برآں چھوٹے پیمانے کے سکٹر کے جبلی فائدے کو ان کی تیار کردہ اشیاء پر حال میں اکسائز ڈیوٹی لاگو کرکے کم کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ پچھلے ڈرمبٹ میں اسے چھوٹے پیمانے کی اکائیوں پر لاگو نہیں کیا گیا ہے۔ چھوٹے پیمانے کی اکائیوں پر اس کے برے اثرات اس سکٹر میں روزگار کے مواقع میں ہونے والی تخفیف کی شکل میں نمودار ہوں گے۔

صنعتی سکٹر میں سرگرمی کی رفتار بڑھانے کے لئے ریاستی حکومت کے عزم کے سیاق و سباق میں ہم لوگوں نے دعوے کئے ہیں کہ صنعتی لائسنس عطا کرنے سے متعلق ضوابط و قواعد کی برطرفی نے ہمیں سنگین حصوں میں صنعتوں کے فروغ کے لئے منصوبہ بنانے کے قابل بنایا ہے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے ہم لوگوں نے ستمبر ۱۹۹۴ء کے دوران صنعتی ترقی پر ایک پالیسی بیان جاری کیا ہے اور اس نے صنعتی ترقی کے سلسلے میں ہمارے اسٹانڈ کو واضح کیا ہے۔ صنعتوں کی ترقی کے وسیع کینوس میں ہم لوگ یہ یقین کرتے ہیں کہ پبلک سکٹر، جوائنٹ سکٹر اور پرائیوٹ سکٹر یعنی سارے کے سارے سکٹروں نے ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔

مغربی بنگال جس کی آبادی تقریباً ۷۰ ملین ہے، کے پاس صنعت کے لئے بہت سارے اقدامات اور منطقی مواقع ہیں۔ اس ریاست کے پاس صنعتی سرگرمی کی طویل روایت رہی ہے اور یہ آج بھی ملک کے مشرقی علاقہ کی معیشت کا ایک نقطۂ ماسکہ بنا ہوا ہے۔ دیہی اور زرعی سکٹر میں نمایاں ترقی نے گھریلو بازار کی جسامت میں اضافہ کیا ہے۔ مزید برآں مغربی بنگال میں تیار کی جانے والی مصنوعات کے بازار میں انبساط بہت بڑا ہے۔ یہ ملک کے مشرقی و شمال مشرقی کے سارے علاقے اور جنوبی مشرقی ایشیائی اور ایشیا پیسیفک علاقوں کے توسیع پانے والے بازاروں پر مشتمل ہے۔

دیہی اور زرعی سکٹر اس ریاست کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ تمام تر معاشی ترقی کے لئے لائحہ عمل پنچایت راج نظام کی منتخب مقامی حکومتوں کے ذریعہ جمہوری لامرکزیت، اصلاحات آراضی، تیز رفتار زرعی ترقی، اسکولوں میں مفت تعلیم، عوامی خواندگی مہم، حفظانِ صحت، اسوال صحت، پینے کے پانی کی فراہمی اور سماجی شجرکاری وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ اتفاقاً ملک کے ان تمام مذکورہ بالا میدانوں میں ریاست کی کارکردگی نہایت ہی عمدہ رہی ہے۔ حالیہ برسوں کے دوران ریاست کی معاشی کارکردگی ریاستی گھریلو مصنوعات (ایس ڈی پی) کے محاسبہ کے مطابق متواتر رو بہ ترقی ہے۔ ہندستان کی تمام دیگر ریاستوں کے درمیان مغربی بنگال نے ۱۹۸۵-۹۰ء کے دوران ۳۴ فیصد نشوونمائی شرح کے ساتھ خوراکی اجناس کی پیداوار میں سب سے زیادہ نشوونما دکھائی ہے۔ ۱۹۸۲-۸۳ء تا ۱۹۹۲-۹۳ء کے دوران فی ہیکٹائر پیداوار نے غذائی اجناس کے میدان میں ہندستان بھر میں نشوونما کی بلند ترین شرح حاصل کی ہے۔

دیہی سکٹر میں ان کامرانیوں کی حصولی میں اصلاحاتِ آراضی، فنڈس کی لامرکزیت، نچلی سطح پر منتخب اداروں کے حکام اور بے شمار دیہی ترقی کے پروگراموں پر عمل درآمد کے سلسلے میں ہماری مسلسل اور مصمم کوششوں نے کام کیا ہے۔ میری توجہ وزیر اعظم کے ایک حالیہ بیان کی جانب مبذول کرائی گئی ہے کہ حکومتِ ہند ساری دیہی ترقیاتی اسکیموں کو فنڈ فراہم کرتی آرہی ہے۔ جے آر وائی اور ای اے ایس کے معاملوں میں ریاستی حکومت اخراجات کے ۲۰ فیصد کا بار اٹھا رہی ہے۔ آئی آر ڈی پی کے سلسلے میں ہم لوگ کل خرچ کا ۵۰ فیصد کا ساجھیداری اٹھا رہے ہیں۔ ہماری منصوبہ بندی کے مراحل میں بھی ہماری بجٹ کی مالیات کا دو تہائی ریاستی حکومت اٹھاتی ہے اور ایک تہائی حکومتِ ہند دیتی ہے اور اس میں ۷۰ فیصد بطور قرض آتا ہے۔ موجودہ مرکز۔ ریاست مالی تعلقات اور مرکز کی جانب سے ریاستوں کو وسائل کی ناکافی منتقلی کے دوران حکومت کو چاہئے ہی نہیں بلکہ اس پر یہ لازم بنتا ہے کہ وہ متعدد اسکیموں پر عمل درآمد کے لئے مطلوبہ تعاون فراہم کرے جو امر یہاں برمحل اور اہم ہے وہ کامرانی ہے جو ریاستی حکومت کی جانب سے اٹھائے گئے کنسرٹیڈ پالیسی تمہیدوں کے ایک لائحہ عمل کے ذریعہ دیہی سکٹر میں ملی ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں نے اکثر کہا ہے کہ اس نے ایک لازمی بنیاد فراہم کی ہے اور دیہی لوگوں کو قوتِ خرید عطا کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ریاست میں ایکسلریٹیڈ صنعتی ترقی کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کیا ہے۔

ریاستی حکومت نے چائے، کپڑے، انجینئرنگ، کوئلہ، پٹرولیم، لوہا اور اسپات، کیمیکلس اور ادویہ جیسی روایتی صنعتوں کی حالت سدھارنے کی کوشش کی ہے۔ چھوٹے پیمانے کی مینوفیکچرنگ اکائیاں اور انٹرپرائزیز نہایت ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں کیوں کہ مذکورہ اکائیاں کثیر تعداد میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے امکانات اپنے اندر رکھتی ہیں۔ درمیانی اور بڑے پیمانے کی صنعتوں کے میدان میں ہم لوگ جدید اور بین الاقوامی مقابلہ کی صنعتوں کو فروغ دینے کے خواہاں ہیں۔ وہ علاقے جن پر حکومت کی طرف سے زیادہ توجہ دی جائے گی وہ پٹرو کیمیکلس، الیکٹرونکس، اطلاعاتی ٹکنالوجی، میٹالرجیکل اور انجینئرنگ، ٹیکسٹائیل، چمڑا، فوڈ پروسیسنگ، کیمیکلس اور پیٹرو کیمیکلس، معدن پر مبنی اکائیاں، ہیرے و جواہرات، آبی جانوروں کی پرورش و پرداخت اور سیاحی سے وابستہ سرگرمیاں ہیں۔

حال ہی میں ہم لوگوں نے ادارہ جاتی ڈھانچہ از سرِ نو تعمیر کرنے اور مستحکم بنانے کے سلسلے میں اہم اقدامات کیے ہیں تاکہ صنعت سے منسلک تمام امور پر فوری توجہ دی جائے۔ فروغی اور امدادی ایجنسیوں کو مزید تیز رفتاری بخشی جا رہی ہے تاکہ وہ مقررہ وقت کے اندر ہی تمام بقایا کاموں کو تکمیل تک پہنچا پائیں۔ نئی سرمایہ کاریوں کے سلسلے میں ایک پرکشش ہمت افزا اسکیم کو رو بہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ہماری توانائی کی صورتِ حال تشفی بخش ہے اور مزید اکائیوں کی تنصیب کے سلسلے میں منصوبے زیر

یہ مزید آراضی کی حصول کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تاکہ نئی صنعتوں کے لئے درخواستوں کی کثیر تعداد کو نبٹا پائیں۔ تیز رفتار نشو و نما کے امکانات کے حامل درگاپور۔ آسنسول علاقہ میں نئی اکائیوں کی ایک کثیر تعداد زیر تعمیر ہے۔ نئی صنعتی سرمایہ کاریوں کی اصطلاح میں الوبیڑیا اور کلیانی علاقہ میں بھی قابل ذکر بہتری اور نشو و نما زیر نظر آتے ہیں۔ شمالی بنگال اور اس ریاست کے جنوبی علاقہ کے نسبتاً پچھڑے اضلاع میں صنعتی نشو و نما کے فروغ دینے کے لیے ہم لوگ زوردار کارروائی کر رہے ہیں۔

مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ ایچ پی ایل نے آئی ڈی بی آئی کے ساتھ قرض معاہدہ کو رو بہ عمل لایا ہے اور نیفتا کریکر پلانٹ کے معاہدوں کو اختتام پر پہنچایا ہے۔ چند دنوں قبل ہلدیہ میں نیفتا کریکر پلانٹ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے مجھے بڑی خوشی ہوتی۔ ۵۰۰۰ کروڑ سے زائد کی سرمایہ کاری کرنے والے اس پروجیکٹ کے نتیجہ میں بلاشبہ ریاست اور مشرقی علاقہ کی ذیلی صنعتوں میں بڑے پیمانے پر روزگار کے مواقع کھلیں گے۔

اہم پروجیکٹس جو عمل درآمد کے مراحل سے گزر رہے ہیں، نیو ٹاؤن شپس، ہاؤسنگ پروجیکٹس برائے غیر مقیم ہندوستانیوں اور غیر ملکیوں، نئے اسکولس اور ہسپتالس پر مشتمل ہیں۔ ایک نئے مستقل نمائشی میدان کے لئے ایک جگہ کی نشاندہی کی جاچکی ہے اور ہم لوگ اس امر کے سلسلے میں بہت ہی جلد چیمبرس، وزارت تجارت اور آئی ٹی پی او سے رجوع کریں گے۔ عالمی تجارت مرکز کے کام کو بھی ہاتھ میں لیا جاچکا ہے۔ یہ مانگ کی جارہی ہے کہ سیاحت کو ایک صنعت قرار دیا جائے۔ ریاستی حکومت اس مانگ پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ بہت ہی جلد ہم لوگ اس موضوع پر کوئی فیصلہ سنائیں گے۔ دستکاری کاری پروجیکٹ کے سلسلہ میں جی سی سی آئی جو اس پروجیکٹ کو اسپانسر کررہی ہے، کو اراضی حوالہ کرنے سے متعلق مسائل کا حل تلاش کیا جاچکا ہے۔ اسی ماہ سے آراضی پر قبضہ دلانے کا کام شروع ہو جائے گا اور نومبر میں پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ ہم لوگوں کو بڑی خوشی ہے کہ بہت ساری مضبوط اور تعداد میں ملکی اور غیر ملکی کمپنیاں اس ریاست کی صنعتی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے لئے آگے آئی ہیں۔ غیر مقیم ہندوستانیوں نے اپنے خاص ایروچ کا اظہار کیا ہے اور ہم لوگ اپنی معیشت میں ان کے روز افزوں شرکت کے خواہاں ہیں۔ مغربی بنگال معمر اور بڑی غیر ملکی کارپوریٹ گروپ کا محور بنا ہے۔ مزید براں

ترتیب دے رہے ہیں۔ نئی اکائیوں کی ہمت افزائی کے لیے ریاستی توانائی ایجنسیوں نے ایک ترغیبی اسکیم رائج کی ہے جس کے تحت تجارتی اسکیم کے پہلے تین برسوں کے دوران ٹیرف پر ۲۰ فیصد تک رعایت دی گئی۔ ہم لوگ توانائی تقسیم نظام کی دقتوں سے واقف ہیں اور ہم لوگوں نے مذکورہ تقسیمی نیٹ ورک کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات بھی کئے ہیں۔ طبعی اور سماجی انفرااسٹرکچر کی سہولیات کو کارگر اور بہتر بنانے کے کام پر خاطر خواہ زور ڈالا گیا ہے۔ موجودہ سڑکوں کی مرمت، نئی موٹر ایکسپریس شاہراہوں کی تعمیر، نئے شہروں اور قصبوں کی تعمیر وغیرہ کی شروعات ہو چکی ہے۔ پہلے سے ہی ساز گار صنعتی تعلقات کے منظر نامہ کو مضبوط بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ہم لوگوں نے اس امر پر زور ڈالا ہے کہ سب لوگ مل کر زیادہ پیداوار کی معیاد کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ متعلقہ صنعتی اکائیوں کو چلانے کے سلسلے میں سمجھ بوجھ کی فضا قائم کرنے کے لیے ہم لوگوں نے مزدوروں کو متاثر کیا ہے تاکہ وہ لوگ انتظامیہ کے ساتھ مل کر بڑھتے ہوئے مقابلہ جاتی ماحول میں صنعت کی نشو و نما میں بڑھ چڑھ کر اپنا رول ادا کریں۔

ہماری پالیسی کے آغاز کے طور پر تیز رفتار صنعت کاری کے لیے صنعتی سرمایہ کاریوں میں اہم اور مثبت صنعتی تبدیلیاں بہت پہلے سے وقوع پذیر ہو چکی ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے بعد کے مرحلہ کے دوران ریاست کے لیے صنعتی منظوریوں کی کل تعداد ۹۵۷ رہی ہے اور بطور سرمایہ کاری ان کی مد میں ۲۱۸۵۴ کروڑ روپے صرف ہوں گے۔ جنوری سے اگست ۱۹۹۵ء تک ۲۰۰ منظوریاں موصول ہوئی ہیں اور ان کے مد میں بطور سرمایہ کاری ۲۲۸۳ کروڑ روپے صرف ہوں گے۔ سال ۱۹۹۴ء کے دوران کل اعداد و شمار میں تقریباً ۳۸۰ فیصد کی سرمایہ کاری کا اضافہ مذکورہ بالا رقم سے منظر ہے۔ حکومت ہند کی جانب سے کلیئر کردہ تمام سیکٹروں میں بیرونی براہ راست سرمایہ کاریوں کی اصطلاح میں مغربی بنگال کا حصہ تقریباً ۱۱ فیصد ہوتا ہے اور یہ اس ریاست کو ملک کی تمام ریاستوں کے درمیان دوم مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ صنعتی بحالی کی روشن علامتیں حالیہ مہینوں کے دوران دکھائی دی ہیں۔ غالباً میں صنعتی نشو و نما کرنے بہت ساری صنعتوں کے چالو ہونے کے ساتھ بڑی تیزی سے ترقی کی ہے۔ فی الحال ہم لوگ نالا

ہندستانی کارپوریٹ ہاؤسز کی ایک کثیر تعداد پہلے ہی سے ریاست میں قابل ذکر طور پر موجود رہا ہے۔ حالیہ مہینوں کے دوران غیر ممالک سے مندوبین کی ایک بڑی تعداد نے ہمارے ملک کا دورہ کیا ہے اور سرمایہ کاری کے دستیاب مواقع میں گہری دلچسپی دکھائی ہے۔ صنعت کے سرکاری عہدہ داروں اور نمائندوں پر مشتمل ہماری ریاست کے مندوبین نے کئی غیر ممالک کا دورہ کیا اور اس دوران صنعتی سرمایہ کاری کی تجاویز کی ایک کثیر تعداد کو زیر گرفت لیا۔

اختتام پر میں ان چند نکات کا ذکر کرنا چاہوں گا جس کا تذکرہ صدر کی تقریر میں ہوا ہے۔ انفرااسٹرکچر کی ترقی کے میدان میں ہم لوگ ان ماہر ایجنسیوں کی مدد لینے کے شدت سے خواہاں ہیں جو موجودہ سہولتوں میں اضافہ کر پائیں۔ اس سلسلے میں آئی سی آئی سی آئی کے ساتھ ساجھے داری میں نئی کمپنی کی تشکیل کرنا ایک قدم آگے بڑھنا ہے۔ شہری اور سماجی انفرااسٹرکچر اسکیموں کو خاطر خواہ ترجیح دی گئی ہے۔ ہم لوگ عالمی بنک سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور دیگر بین الاقوامی ایجنسیوں سے بھی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں تاکہ انفرااسٹرکچر اسکیموں کو فنڈ فراہم کرنے والے مسائل میں اضافہ کر پائیں۔ حکومت تکنیکی تعلیم اور تربیت دینے والی نئی انجمنوں اور انتظامیہ کے نئے اداروں کے قیام کو بڑی اہمیت دیتی رہی ہے۔ کلیانی میں حال ہی میں ایک نیا انجینئرنگ کالج قائم کیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت کا متعلقہ شعبہ تکنیکی تعلیم دینے والے اداروں کی سطح کو بلند کرنے کے لئے ایک کارگر منصوبہ کی تشکیل و ترتیب کے کام میں مشغول ہے اور مخصوص موضوعات میں مزید نصابوں کی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے تاکہ بدلے ہوئے سیاق و سباق میں صنعت کی بڑھتی ہوئی ضروریات کی تکمیل ہو پائے۔ اس طرزِ عمل کے دوران ہم لوگ امید کرتے ہیں کہ تجارت و صنعت کے چیمبرس میدانوں کی نشاندہی میں سرکاری ایجنسیوں کی مدد کریں گے کہ کس پر ہم لوگوں کو زیادہ توجہ دینی چاہئے اور کس پر کم۔ ہماری ریاست میں الیکٹرونکس اور سافٹ ویئر کی صنعتوں پر صدر نے درست طور پر زیادہ توجہ دینے پر زور ڈالا ہے۔ ہم لوگ اس حصہ کو ترجیح دیتے چلے آرہے ہیں اور ہم لوگوں کو پورا یقین ہے کہ مستقبل قریب میں اس حصہ میں تیز تر نشوونما عمل میں آئے گی۔ صدر نے ٹیکس نظام کے سلسلے میں چند سجھاؤ پیش کیا ہے اور مناسب طور پر اس کا محاسبہ بھی کیا جائے گا۔ بہرکیف میں اس بات کو ایک بار اور دہراؤں گا کہ ریاستی حکومت کے ریونیو بیس میں سمجھوتہ کئے بغیر تجارت و صنعتی سرگرمی کی نشوونما کو ہم لوگ ترجیح دیتے آرہے ہیں۔

میں تجارت و صنعت کے بنگال چیمبر کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے یہاں آنے اور اس ریاست کی صنعتی تجدید پر گفتگو کرنے کا موقع دیا۔ مجھے اس بات کی قوی امید ہے کہ صنعت کا اپروچ عام معاشی ترقی کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں زیادہ تعمیری ہوگا۔ میں چیمبر کے تابناک مستقبل کے لئے دعاگو ہوں تاکہ یہ لوگ صنعتی بحالی میں اپنا بھرپور اور پُرمعنی تعاون دے پائیں۔ میں آج کی نشست میں شریک ہونے والے تمام افراد کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

تجارت اور صنعت کے وزیر شری بدیوت گانگولی نے کہا کہ مغربی بنگال کے صنعتی انفرااسٹرکچر کو استحکام بخشنے کے لئے کلکتہ کے گرد و نواح میں ہی نہیں بلکہ دور دراز اضلاع میں بھی ایک خصوصی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ مذکورہ کمیٹی ریاستی حکومت کے شعبۂ تجارت و صنعت کے زیر نگرانی کام کرے گی۔ یہ سرمایہ کاروں کے مختلف مسائل کی دیکھ ریکھ کرے گی اور وسائل کو پورے طور پر کام میں لانے کے امر کو پُریقین بنائے گی۔ انہوں نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا کہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور جدید ترین ٹکنالوجی رائج کرنے کے سلسلے میں خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ انہوں نے بی سی سی آئی اور دیگر تجارت کے چیمبروں سے گزارش کی کہ وہ اس ریاست میں جاری، دساری صنعتی ری جنریشن کی ہم آہنگ صورت حال کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

ڈبلیو بی آئی ڈی سی کے چیرمین سومناتھ چٹرجی نے کہا کہ ریاست میں تیز رو صنعت کاری کے لئے ریاستی حکومت کی تشکیل کردہ پالیسی کے نتیجہ میں بیرونی سرمایہ کاری کے لئے ریاستی حکومت کی تشکیل کردہ پالیسی کے نتیجے میں بیرونی سرمایہ کار مذکورہ صورت حال میں بڑی دلچسپی دکھا رہے ہیں۔ جاپان اور جرمنی جو فی الحال دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں شمار کئے جاتے ہیں، مغربی بنگال میں سرمایہ لگانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی سرمایہ کاری کے معاشی منظر نامہ سے متعلق پوچھ تاچھ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں جاپان میں ایک نشست میں شرکت کرنے کے لئے مدعو کیا گیا ہے اور تجارتی نمائندوں کی ایک جماعت بہت جلد ہی اس ریاست میں

(باقی ص ۱۵ پر)

ریاستی حکومت نے انسانی حقوق کے تحفظ کا عہد کیا ہے : وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

حکومت مغربی بنگال کے لئے انسانی حقوق کو تحفظ بخشنا ایک کمٹمنٹ ہے۔ گزشتہ ۱۷ نومبر کو سیر منچ میں "جمہوریت میں انسانی حقوق کے کردار" پر منعقدہ ایک سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو نے فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں انسانی حقوق کمیشنوں کی سفارشات پر ریاستی حکومت زیادہ سے زیادہ توجہ دے رہی ہے۔ وزیر اعلیٰ موصوف کی تقریر کا اردو متن قارئین کی دلچسپی مطالعہ کے لئے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے :

"جمہوریت میں انسانی حقوق کے کردار" پر منعقدہ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے یہاں آپ لوگوں کے ساتھ ہونے پر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ آج یہ موضوع ہمارے جمہوری نظام میں بڑھتی ہوئی بیداری اور شہری و سیاسی حقوق اور سماجی و معاشی حقوق پر زور ڈالنے کے ساتھ ساتھ بڑی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ ماحولیاتی تحفظ اور فروغ، سماجی تحفظ پروگراموں، خواتین اور بچوں کے حقوق کے دعوے، روزگار کی گنجائش میں بہتری لانے، کمزور طبقوں، محتاجوں اور معذوروں کو تحفظ بخشنے اور عوام دوست پولس اور انتظامیہ کی تشکیل سے وابستہ گوناگوں پہلو ہی وہ چند اہم علاقے ہیں جو حکومتوں، عوامی اداروں اور عدلیہ کے زیر بحث رہے ہیں

کلی طور پر انسانی حقوق ایک مہذب سماج کی ارتقا کے لئے لازمی ہے اور ایسے جمہوری ڈھانچے میں جہاں شہری، سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق ایک جمہوری سماج کی صحت مندانہ فروغ کے لئے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ حقوق تانے بانے کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہی نہیں ہیں بلکہ یہ ایک دوسرے پر انحصار بھی کرتے ہیں اور یہ انسانی حقوق کے لئے وسیع ترین ممکنہ بنیاد کو یقینی بھی بناتے ہیں۔ اس موضوع کو ایک ہولسٹک اپروچ کے تناظر میں رکھ کر قبول کرنا لازمی ہے۔ معاشی حقوق کے بغیر سیاسی حقوق کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔ سماجی عدم مساوات کی موجودگی میں شہری حقوق بے معنی بن جاتے ہیں۔ اس سیاق و سباق میں حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ روزگار، تعلیم، مفت طبی امداد، زچگی تعطیل، ضعیفی پنشن، بچوں کے تحفظ وغیرہ کے حقوق کی حمایت و وکالت کرتے رہتے ہیں۔ ان حقوق کو اقوام متحدہ کی بے شمار قرارداد و اعلانات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ سماجی عدم مساوات، معاشی نابرابری اور مذہب کے سلسلے میں بنیاد پرست اپروچ انسانی حقوق کے فروغ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔

ہندستان میں ہم لوگوں نے سیکولرزم کے بلند و بالا آئیڈیل کو اپنایا ہے اور ہر ایک شہری کی آزادی، زندگی اور جائیداد کے تحفظ کے لئے دستور میں خاطر خواہ گنجائش رکھی ہے۔ شہری و سیاسی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے ہمارا دستور حکومت پر سماجی و معاشی حقوق کو فروغ بخشنے اور یقینی بنانے کے لئے ذمہ داری ڈالتا ہے۔ اس طرح حقوق کا بل کو ہمارے دستور میں شرف قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے دستور میں داخل بنیادی حقوق کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت ہی منظم عدالتی طریقہ کار موجود ہیں۔ یہ لازمی ہے کہ ان معاملات میں دستور کی سالمیت کو یقینی بنانے کے سلسلے میں مذکورہ طریق کار کو مزید مستحکم کرنا ہے۔ سپریم کورٹ کی رائے کے مطابق دستور کے بنیادی ڈھانچہ کو بدلا یا برباد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ماضی میں ایمرجنسی کے نفاذ کے دوران انسانی حقوق بشمول جینے کے حق کے ملیا میٹ و نابودی کا تجربہ ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے دستور میں مذکورہ گنجائش بھی رکھی گئی ہے جس کے تحت مذکورہ بالا عوامل رو بہ عمل آئے۔

ہم لوگوں نے دوامی قید اور اس طرح کے ان دیگر قوانین کے استعمال کی مخالفت کی ہے جو استعمال میں آتے ہیں اور ان کو خصوصی قوانین کے ذریعہ دستور کے تحت منظوری مل جاتی ہے۔ ٹاڈا قانون کو ختم کرنے کی ضرورت پر سبھی ایک رائے ہوتے تھے لیکن بدقسمتی سے مئی ۱۹۹۵ء میں منعقدہ وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس کے دوران مباحثوں کے ساتھ اس میدان میں ہونے والے ناپاک جرائم سے نپٹنے کے لئے ایک متبادل قانون لانے کی تحریک کو پارلیمنٹ میں منہ کی کھانی پڑی اور اس کا سامنا کرنا پڑا۔

ہم لوگ مانتے ہیں کہ انسانی حقوق مسائل سے خطاب کرنے کی ہماری

کوششوں کے رخ کو خارجی ایجنسیوں کی تشفّی کے لئے کامور کر دیا جاتا رہا ہے۔ ترقی یافتہ دنیا میں بھی ان کے شہریوں کے سلسلے میں انسانی واقعات کی خلاف ورزیوں کے واقعات ظہور میں آئے ہیں اور ان میں سے چند دیگر ممالک میں مردوں، عورتوں اور بچوں کے جنگ کے عوامل کے ذریعہ ایسی خلاف ورزیوں کے قصوروار ہیں۔ بہرکیف ہمیں اپنے ملک میں انسانی حقوق کو تحفظ بخشنے اور معاشی و سماجی حقوق کو محفوظ رکھنے کے لئے اس کی اساس کو توسیع دینے کے سلسلے میں اپنائے گئے اقدامات سے خود کو مطمئن کرنا ہے۔

جمہوری تحریکیں سیاسی جمہوریت کی ایک لازمی جزو ہیں لیکن یہاں یہ بات لازم ہوتی ہے کہ مذکورہ تحریکوں کے دوران تشدد سے پرہیز کرنا چاہیئے اور پولس کو بھی ایسی تحریکوں سے نپٹنے کے دوران تشدد کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ تشدد کا استعمال اسی وقت کرنا چاہیئے جب سارے دیگر ذرائع ناکام ہو جائیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک کو انتہا پسندوں کی پھیلائی ہوئی دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گمراہ اور بھٹکے ہوئے نوجوان اشخاص انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، بے مقصد و بے مطلب قتل و غارت گری کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور معصوم لوگوں کا اغوا کر رہے ہیں اور ان پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔ ۴ ستمبر ۱۹۹۲ کو انسانی حقوق پر منعقد ہونے والی وزراء اعلیٰ کی ایک کانفرنس نے ملک کے چند حصوں میں اور ہمارے ملک میں عدم استحکام پھیلانے کے لئے باہر سے ملنے والی سرگرم حمایت کے ساتھ چند علاقوں میں جاری بغاوت و سرکشی پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ پولس اور حفاظتی دستے کے افراد کو بار بار استعمال انگیزیوں کے پیش نظر نہایت ہی مشکل و خطرناک حالات میں کام کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسی صورت حال میں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ کانفرنس میں اس امر پر خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ انسانی حقوق کی صورت حال پر تبصرہ کے دوران مذکورہ بالا حالتوں کو مدنظر رکھنا نہایت ہی لازمی ہے۔ بہرکیف حملہ زیادتیوں کو سختی سے نپٹنا چاہیئے۔ اس کانفرنس کے بعد انسانی حقوق ایکٹ برائے ۱۹۹۳ کے تحفظ کو پارلیمنٹ نے نافذ کیا اور قومی انسانی حقوق کمیشن وجود میں آیا۔ اس کے فوراً بعد ہی اس ایکٹ کی گنجائشوں کی شرائط کے تحت ہم لوگوں نے مغربی بنگال میں ریاستی انسانی حقوق کمیشن قائم کیا۔ ان کمیشنوں کا کام انسانی حقوق کی خلاف ورزی یا ان کی تخفیف

یا سرکاری ملازموں کی جانب سے مذکورہ بالا طرز کی خلاف ورزی کے انسداد میں غفلت برتنے بشمول دہشت گردی کے ان سرگرمیوں کے جو انسانی حقوق کے استفادہ کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ کی شکایتوں کی تفتیش کرنا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کمیشن اور ادارے بھی شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کمیشن، خواتین کا کمیشن، اقلیتی کمیشن وغیرہ جیسے گوناگوں اسٹاٹیوٹس کے تحت کام انجام دے رہے ہیں اور یہاں اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا لازمی ہے کہ ان مختلف کمیشنوں کے درمیان کوئی تصادم نہ پیدا ہو۔ جمہوریت کی جڑیں خود عوام کے اندر موجود ہیں اور ریاست ان سے ہی اختیارات حاصل کرتی ہے۔ ہمارا دستور ایک خودمختار عوامی جمہوریہ پیش کرتا ہے، شہریوں کو انصاف، آزادی، مساوات کے حقوق عطا کرتا ہے اور آپس میں بھائی چارگی کو فروغ دیتا ہے۔ دستور نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اختیارات کا سرچشمہ ہندستان کے عوام ہیں اور فرد کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے دستور نے فرقہ کے مستقل مفاد کے ساتھ انفرادی معاملوں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح دستور جلد - III کے تحت بنیادی حقوق کی پیش کش کرتا ہے اور یہ فرد کو تحفظ بخشتا ہے لیکن ریاستی / پالیسی پر مبنی بندش عائد کی گئی ہیں اور جلد IV A ہندستان کے ہر شہری کے بنیادی فرائض کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ اس طرح انسانی حقوق کے تصور کو فرقہ بحیثیت کل کے معاملوں کی حصولی کے دوران انفرادی حقوق و آزادی کے تحفظ کی جانب رواں جملہ اپروچ کے ذریعہ زیر غور لانا ہے۔ انسانی حقوق کی صحیح تصویر غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے عوام کے سامنے پیش کرنا ہوگی۔ مثال کے طور پر افراد و جماعتوں پر پولس کا جابرانہ سلوک، فرقہ وارانہ دنگوں میں جانب داری برتنا، جمہوری تحریکوں کو کچل دینا وغیرہ وہ واقعات ہیں جو ملک کے کچھ حصوں میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ ایسے واقعات کے ساتھ نہایت ہی سختی سے نپٹنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ذات پات کی کونسلوں، مذہبی جماعتوں اور وسٹیڈ مفادوں کے ذریعہ اور پولس کی سہولت سے اس طرح کی بہتیری مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ان سب سے بھی سختی کے ساتھ نپٹنے کی ضرورت ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا ایک اہم علاقہ تخریبی جرائم کی بابت بتانا ہے۔ اکثر و بیشتر اس سلسلے میں فتنہ انگیز اور موٹیویٹیڈ پروپیگنڈہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے خود کو انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے وقف کر دیا ہے اور ہم لوگ پولس اور عوام کے درمیان مناسب

اور صحت مند تعلقات استوار بنانے کی ضمانت دیتے ہیں۔ الزام لگائے
گئے تحویلی جرم کے ہر معاملے میں جلد از جلد مختلف سطحوں پر تفتیش اور
اور جہاں مناسب ہو وہاں متعلقہ حکام کے خلاف کارروائی کرنے کی ضرورت
ہے۔ تحویل اور عدالتوں میں زیر حراست اشخاص کی پیشی سے متعلق امور کے
سلسلے میں تفصیلی رہنما اصول جاری کئے گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے موٹیویشن اور
تربیت کے پروگراموں کے ذریعہ پولیس کے افراد کو مزید متحرک اور زود اثر
بنانے پر زور ڈالا ہے۔ لئے گئے اقدامات میں تحویل، تبدیلیوں کی طبی جانچ
اور مذکورہ جانچ مناسب ریکارڈس دیکھ ریکھ کے مقامات، حراست اور
حراست کے مقام سے متعلق قریبی رشتہ داروں کو مطلع کرنا وغیرہ کے معائنہ
شامل ہیں۔ پولیس ضابطے بھی اس سلسلے میں گوناگوں دیگر اقدامات فراہم
کرتے ہیں۔ قومی کمیشن نے جملہ حکام کو یہ ہدایت جاری کی ہے کہ ان کے یہاں
ہونے والی تحویلی اموات کی اطلاع جلد از جلد انہیں راہ راست طور پر
دینی ہوگی۔ پولیس اور عدالتی تحویل میں ہونے والی اموات کے سلسلے میں
پوسٹ مارٹم جانچ کی ویڈیو فلم بنانے کے لئے ہدایات جاری کی گئی ہیں۔ یہ سچ
ہے کہ صرف ہدایات ہی کافی نہیں ہیں اور اس صورت حال میں وقتاً فوقتاً
جائزے کی ضرورت درپیش ہے تاکہ یہ جانا جاسکے کہ صحیح معنوں میں مذکورہ
ہدایات پر عمل درآمد ہو رہا ہے یا نہیں۔

تحویلی اموات کے معاملوں کی جانچ پڑتال کرنے کے دوران ہم لوگوں
کو یہ پتہ چلا ہے کہ بے شمار معاملوں میں ان اموات کے اسباب خودکشی،
عوامی حملہ وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ کچھ کا تعلق نشہ آور ادویہ سے وابستہ
مسائل اور فطری بیماریوں سے ہے۔ علاوہ ازیں کچھ میں متعلقہ پولیس حکام
ان پر ظلم و تشدد کرنے کے لئے جس کے خلاف کارروائی کی جاچکی ہے بنیادی
طور پر ذمہ دار پائے گئے ہیں۔

دفعہ ۱۷۶ آئی پی ایس سے رہنمائے اصول مرتب کیا ہے۔ جب کبھی
پولیس تحویل میں کسی شخص کی موت ہو جاتی ہے تو مذکورہ بالا اصول کے تحت
کارروائی کی جاتی ہے۔ جب تک یہ کارروائیاں چلتی رہتی ہیں اسی دوران
انتظامی تفتیش لازی پوسٹ مارٹم جانچ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ چند معاملوں
میں جہاں حکومت پر یہ رائے غالب آتی ہے کہ دیگر کارروائیوں کے علاوہ
عدالتی تفتیش لازمی ہے وہاں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں ہونے
کلکتہ پولیس کے ہیڈ کوارٹرس کے اندر پولیس تحویل میں واقع ہونے والی ایک
موت کے معاملے میں عدالتی تفتیش کا حکم نامہ جاری کیا تھا کیوں کہ مجھے اس
واقعہ پر پولیس کی رپورٹ پر گہرا شبہ تھا۔ بجٹ سیشن کے دوران ۴ ماہ قبل
مغربی بنگال اسمبلی میں تحویلی موت کے موضوع پر طویل بحث چلی تھی۔ ۱۹۷۷ء
تک پیش کردہ کل معاملوں سے متعلق جملہ متعلقہ تفاصیل اور ان پر کی گئی
کارروائیوں پر تفصیلی طور پر بحث و مباحثے ہوئے اور یہ نتیجہ نکلا کہ اب
کوئی نئی کارروائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رپورٹ کردہ معاملوں کی مجموعی
تعداد میں سے ۱۰ معاملوں میں پولیس کی جانب سے اذیت دینے کے لئے پولیس کے
۲۳ عملوں کی شہادت ملی ہے اور ان میں سے پولیس کے ۸ عملوں کو عدالت نے
رہائی دی ہے۔ پولیس کے تین عملوں کو مجرم قرار دیا گیا ہے اور ایک معاملہ میں
پانچ سال کے لئے قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔ پولیس کے ۹ عملوں کے
خلاف تین مجرمانہ مقدمے زیر سماعت ہیں۔ ایک مقدمہ کا خاتمہ ایف آئی آر
میں ہوا ہے اور ۲ مقدمے جن میں پولیس کے ۳ عملے ملوث ہیں زیر تفتیش ہیں۔
فرض میں غفلت برتنے کے معاملوں میں جن کے نتیجے میں تحویلی اموات واقع ہوئی
ہیں، پولیس کے عملوں کے خلاف شعبہ جاتی طور پر کارروائی کی گئی ہے۔

مجموعی طور پر پولیس فورس امن و امان بحال رکھنے اور جرم کا پتہ چلانے
میں کامیاب رہی ہے۔ فرقہ وارانہ دنگوں کو روکنے اور اندرا گاندھی کے قتل کے
بعد جب دہلی میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا گرودواروں
اور سکھوں کو تحفظ دینے جیسی پیدا شدہ چند صورت حال سے سختی اور
مؤثر طور پر نپٹنے میں پولیس نے قابل ستائش ریکارڈ بنایا ہے۔ یہ لوگ
شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے تحفظ میں لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں اور
مذہبی تہواروں اور کھیل کود کے مواقع کے دوران لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کی نگرانی
کرتے ہیں۔ سراغ رساں ایجنسیوں کو مزید کارگر بنانے کی ضرورت ہے
تاکہ وہ انسدادی اقدامات اٹھانے اور حالات کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں
بھی پولیس کو اپنا بھرپور تعاون دینے کے اہل بن پائیں۔ مذکورہ بالا کمی کے باعث
عوام میں بے چینی اور جھنجھلاہٹ کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔

انسانی حقوق کمیشن کو انسانی حقوق کو وسیع تناظر میں لینے کی ذمہ دار ہونا
چاہئے تاکہ لوگوں کے اندر ایک بیداری پیدا ہو اور کارروائیاں جہاں کہ لازمی
ہیں متعلقہ حکام کر پائیں۔

اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے دوران انسانی حقوق کمیشن کی جانب
سے ہمیں فراہم کی گئی صلاح پر حکومت کو خاطر خواہ توجہ دینی ہوگی۔ بڑھتی ہوئی

آبادی، سماجی و معاشی مسائل میں اضافے، معاشی نابرابریوں، ذات پات اور مذہب کی بنیادوں پر پیدا ہونے والے سماجی دباؤ اور پھوٹ ڈالنے والی اور دہشت گرد طاقتوں کی سرگرمیوں اور پروپیگنڈے جو آگ میں تیل چھڑکنے کا کام کرتے ہیں کے ساتھ ساتھ جو کام ہمیں انجام دینا ہے وہ بلاشبہ بڑا ہی مشکل اور چیلنج بھرا ہے۔ حقوقِ انسانی کو بلند اور برقرار رکھنے کا کام ایک مسلسل جاری رہنے والا کام ہے۔ دائمی خبرداری جمہوریت کی قیمت ہے اور خبرداری اور حمایتی کارروائی ہم پر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ ہم لوگ بنیادی انسانی آزادی کو بلند و بالا رکھیں۔

انسانی حقوق کمیشنوں کے چیئرمین رنگناتھ مشرا فرماتے ہیں کہ مغربی بنگال میں پولس تحویل میں ہونے والی موت کی مثالیں ملتی ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے ایسے واقعات کی بلاشبہ مذمت کی ہے۔ پولس کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا ہوگا اور اسے زیادہ حساس بنانا ہوگا۔

چیئرمین کے اظہارِ خیال کے مطابق انسانی حقوق کا پودا ہمارے ملک میں فی الحال نہایت نازک اور نحیف ہے۔ اسے تناور بنانے اور پھلنے پھولنے کے لئے پانی اور غذا بہم پہنچانے کی ضرورت ہے اور یہ ذمہ داری وسیع طور پر عوام اور پریس پر عائد ہوتی ہے۔ چیئرمین موصوف نے مزید فرمایا کہ جمہوریت اور انسانی حقوق کا رشتہ چولی دامن کا سا ہے۔ ایک کے بغیر دوسرے کی موجودگی ناممکن ہے۔

مرکزی وزیر قانون شری ایچ کے بھاردواج نے فرمایا کہ بہت ساری بندشوں کے باوجود انسانی حقوق کے تحفظ سے وابستہ ہمارے ریکارڈس بہتیرے ترقی یافتہ ممالک سے بہت بہتر رہے ہیں۔ مسٹر جسٹس مکل گوپال مکھرجی اور مسٹر جسٹس چنا توش مکھرجی نے بھی اس موقع پر اظہارِ خیال کیا ..

گنا آرکسٹرا کے زیرِ اہتمام ثقافتی مسابقت

گزشتہ کئی برسوں کی طرح امسال بھی گنا آرکسٹرا کے زیرِ اہتمام گزشتہ ۲۶ نومبر کو بالی ہائر سکنڈری اسکول میں (لڑکیوں کیلئے) ایک ثقافتی مسابقت کا اہتمام کیا گیا جس میں ۱۵۰ طالبات نے حصہ لیا۔ اس کا افتتاح ریاستی وزیر برائے صنعتی احیائے نوستری پتت پاون پاٹھک نے کیا۔ وزیر موصوف نے اپنی تقریر میں مقامی نوجوان افراد کو مسلسل کوششوں کے ذریعہ عام بیداری لاکر منشیات کے خلاف موثر تحریک کا اہتمام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے بتایا کہ مثبت اقدام کے ذریعہ ہی منشیات کے خلاف ضمانت دی جا سکتی ہے۔

ان کے علاوہ اس موقع پر شعبۂ تعلیم (ایچ ایس) کے ڈپٹی سکریٹری شری کھگیندرا ناتھ ٹوڈو، بالی میونسپلٹی کے کاؤنسلر گنگا چرن مکھرجی، ایسٹرن ریلوے پسنجر ایسوسی ایشن فیڈریشن (ہوڑہ ڈویژن) کے سکریٹری شری سوہن بندھو، ڈی یودی سلے کے سماجی ورکر مسٹر ایس اے رؤف، اسکول ہذا کی انتظامیہ کمیٹی کے سکریٹری شری کرشنا کمار گانگولی نے بھی منشیات کے خلاف اظہارِ خیال کیا۔ شری پولاش مجمدار نے استقبالیہ تقریر کی۔

اس موقع پر گزشتہ مسابقت میں بنائے گئے پوسٹروں کی ایک دل کش نمائش کا اہتمام کیا گیا جس کے دیکھنے والوں میں ایم ایل اے پدما نیدھی دھر، کاؤنسلر شریمتی آدا باگچی، اسکول ٹیچر منو چکرورتی اور نسکر چکرورتی کا بطورِ خاص ذکر کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں گن آرکسٹرا کا ایک منشیات مخالف ڈرامہ "الوک بریتے" (روشنی کے دائرے) پیش کیا گیا جسے ناظرین نے بہت پسند کیا ••

بقیہ : ہندستانی بین الاقوامی تجارتی میلے میں مغربی بنگال کی شرکت

ایم پی نرمل چٹرجی، ایم پی ستیہ گوپال مشرا، ایم پی مالنی بھٹاچاریہ، ایم پی محمد سلیم وغیرہ نے مغربی بنگال پویلین کا معائنہ کیا۔

مغربی بنگال پویلین کی طرف متوجہ کرنے والی خصوصیات میں ایک خصوصیت مرشد آباد و پرولیا کے لوک گیت اور سنگیت بھی تھی۔

اسی دوران ۲۶ نومبر کو لال چوک تھیٹر میں یوم مغربی بنگال منایا گیا۔ ایم پی شری سومناتھ چٹرجی نے اس موقع پر مہمانِ اعلیٰ کی حیثیت سے شرکت کی۔ شری سوبیر سین اور شریمتی نرملا مشرا کی جانب سے جدید بنگلہ گیت پیش کئے گئے۔

پالیسی سازوں، مشاورتی لیڈروں اور صنعتی متعلقین نیز بین الاقوامی تجارتی وفود نے اور عام لوگوں نے بڑی تعداد میں اس پویلین کا معائنہ کیا اور اس کے مختلف اسٹالوں میں گئے ••

مغربی بنگال میں زراعتی ترقی —— ایک جائزہ

نرمل کمار ساہا

مغربی بنگال جس کا جغرافیائی علاقہ ۸۸۷۵۲ مربع کلومیٹر ہے جو قومی جغرافیائی علاقہ کا ۳ فیصد ہے اور آبادی (۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق) ۶۷٫۹۵ ملین ہے جو ملک کی آبادی کا تقریباً ۸ فیصد ہے اور ملک کے غذائی اجناس کی کل پیداوار کا ۸ فیصد پیدا کرتا ہے۔ ریاست کے زرعی سکٹر کی خصوصیت یہ ہے کہ ۰٫۹۰ ہیکٹا ئر ناسب سائز کی ٹکڑے ٹکڑے علیحدہ جوتوں (زمیوں) پر چھوٹے حاشیائی کسانوں کا تسلط ہے جو ریاست کے کل زرعی علاقوں کے ۶۶ فیصد سے بھی زائد علاقوں سے جوتداری کرتے ہیں۔

یہاں بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے غذائی اجناس اور صنعت کے لئے تجارتی کاشت کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کچھ قلیل مدتی اور دراز مدتی اقدامات اپنائے گئے ہیں۔ چونکہ زیادہ سے زیادہ علاقہ کو زیر کاشت لانے کی گنجائش ریاست میں محدود ہے اس لئے معیاری بیجوں، کھادوں، پودوں کے حفاظتی اقدامات، آبپاشی کی سہولتوں کی فراہمی اور دیگر ترقی یافتہ طریقۂ کار جو مختلف زرعی ماحولیاتی حالات کے لئے موزوں ہیں کے ذریعہ مختلف فصلوں کی پیداواریت میں اضافہ کرنے پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ مذکورہ طریقۂ کار میں بالخصوص کمزور وسائل والے کسانوں کے لئے قرض کی حمایت، نیز اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات کے ذریعہ فاضل اور مستقل قطعاتِ آراضی کی تقسیم شامل ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں میں فصل کاری کی شرح رفتار ۱۳۱ فیصد سے بڑھ کر ۱۶۲ فیصد ہو گئی ہے

مغربی بنگال نے ۱۹۹۳-۹۴ء میں ۱۳٫۰۱ ملین ٹن کی ریکارڈ پیداوار کے ساتھ گزشتہ ایک دہائی کے دوران غذائی اجناس کی پیداوار میں قابلِ قدر ترقی کی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مغربی بنگال ۸۰-۸۳ء اور ۸۹-۹۲ء (ہر تین سال میں ختم ہوا) کے دوران دیگر ریاستوں کے درمیان غذائی اجناس کی پیداوار کی سالانہ شرحِ افزائش کے معاملے میں سب سے اوپر رہا ہے۔

کچھ ریاستوں کی پوزیشن ذیل میں پیش کی گئی ہے:

ریاستوں کے نام	سالانہ مرکب شرح افزائش ۸۳-۸۰ اور ۹۲-۸۹ء کے درمیان (فیصد میں)
۱: بہار	۳٫۳۸
۲: اڑیسہ	۴٫۳۲
۳: پنجاب	۴٫۳۷
۴: تامل ناڈو	۲٫۹۹
۵: کرناٹک	۱٫۲۲
۶: یوپی	۳٫۶۹
۷: ہریانہ	۲٫۲۸
۸: مغربی بنگال	۶٫۲۸
ہندستان	۳٫۰۶

وسیلہ: مبادی اعداد وشمار انڈین اکونومی، سی ایم آئی ای، بمبئی، ۱۹۹۳ء

ریاست میں غذائی اجناس کی پیداوار میں یہ کامیابی حالیہ برسوں میں جدید ٹکنالوجی کے استعمال کے ذریعہ پیداواریت میں اضافہ کے ساتھ چاول کی پیداوار بالخصوص جاڑے کے (امن) چاول میں نمایاں کارکردگی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ریاست میں آبپاشی کی زرخیزی کی توسیع کیساتھ گرمی کے لورو چاول میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے مغربی بنگال ۱۹۹۰-۹۱ء سے ہندستان میں چاول کی پیداوار کے معاملہ میں سب سے آگے ہے اور اس کی پیداوار و پیداواریت کی مرکب افزائش کی شرح ۱۹۹۲-۹۳ء تا ۱۹۹۱-۱۹۹۲ء ہندستان کی دیگر ترقی پذیر ریاستوں میں سب سے زیادہ تھی۔

ریاستوں کے نام	پیداوار کی شرح افزائش (فیصد میں)	پیداواریت کی شرح افزائش (فیصد میں)
۱: اڑیسہ	۵٫۶۲	۴٫۹۶
۲: یوپی	۵٫۴۰	۵٫۳۴
۳: پنجاب	۴٫۸۸	۰٫۵۴

۴: تامل ناڈو	۴ر۵۶	۵ر۴۶
۵: بہار	۳ر۶۶	۲ر۸۴
۶: ہریانہ	۳ر۵۶	۰ر۹۴
۷. مغربی بنگال	۷ر۵۸	۵ر۸۶
ہندستان	۴ر۲۴	۳ر۴۶

ریاست میں تیل کے بیجوں اور آموں کی پیداوار میں نمایاں کامیابی حاصل کی گئی ہے۔ تیل کے بیجوں کی پیداوار ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۷ر۰ لاکھ ٹن سے بڑھکر ۹۴-۱۹۹۳ء میں ۱۵ر۴ لاکھ ٹن ہوگئی ہے۔ اسی دوران پیداواریت میں بھی ۴۷۳ کلوگرام ہیکٹر سے ۷۶۱ کلوگرام ہیکٹر تک اضافہ ہوا ہے اور اس نے ملک میں پیداواریت کے میداں میں ۷ویں مقام حاصل کیا ہے۔ مغربی بنگال ملک میں تنہا آلو کی کل پیداوار کا ۳۰ فیصد سے بھی زیادہ آلو پیدا کرتا ہے اور پیداوار و پیداواریت دونوں معاملوں میں دوسرا مقام رکھتا ہے۔ ریاست میں ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران آلو کی کل پیداوار ۷۰ر۵۱ لاکھ ٹن ہوئی اور یہ صرف خودکفیل ہی نہیں بلکہ بازار کی مانگ سے بھی فاضل ہے۔ یہ ریاست ملک میں ۶۰ فیصد سے زائد جوٹ کے ریشے پیدا کرتی ہے۔ ریاست میں سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار میں ایک خاموش انقلاب آرہا ہے۔ ہماری کل پیداوار بالترتیب ۳۹۶۴۶۱۷ اور ۱۰۶۸۰۰۰ ٹن ہے۔ ہمارے پھلوں پھولوں اور بوٹیوں اور سبزیوں کو پٹنہ دہلی ممبئی یز لورپ کے بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

ریاست میں زرعی محاذ میں نمایاں تبدیلی کے لئے قیادت کرنے والی سب سے بڑی معاون حقیقت ہے ٹکنالوجی کی کامیابی جو اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات کے ذریعہ حقیقی کسانوں میں فاضل اور مستقل قطعاتِ آراضی کی تقسیم کے وسیلہ سے ادارہ جاتی تبدیلیوں سے جڑی ہوئی ہے اور جسے نچلی سطح پر پنچایتوں کی سرگرم شمولیت اور حمایت سے روبہ عمل لایا جاتا ہے۔ مغربی بنگال میں ۹۴-۱۹۹۳ء کے دوران بڑی فصلوں کا رقبہ، پیداواریت اور پیداوار کی تفصیل :

نمبر فصلیں	رقبہ (۰۰۰ر ہیکٹر)	پیداواریت (کلوگرام/ہیکٹر)	پیداوار ۰۰۰ر ٹن
۱ چاول	۵۸۷۵ر۵۲۶	۲۰۶۱	۱۲۱۱۰ر۹۱۰
۲- گیہوں	۳۰۶ر۹۰۳	۲۰۶۱	۶۳۲ر۰۸۰
۳- دیگراناج (مکئی وغیرہ)	۸۰ر۰۲۴	۲۳۳۶	۱۸۶ر۹۸۳
۴- کُل اناج	۶۲۶۲ر۴۵۳	۲۰۶۵	۱۲۹۲۹ر۹۷۳
۵- دال	۲۶۸ر۹۹۳	۶۳۵	۱۷۰ر۸۵۶
۶- غذائی اجناس	۶۵۳۱ر۴۴۶	۲۰۰۶	۱۳۱ر۸۲۹
۷- تیل کے بیج	۵۳۲ر۳۵۰	۷۸۱	۴۱۵ر۸۴۲
۸- جوٹ اور مصنوعات*	۴۷۲ر۷۳۹	۱۱ر۶۸	۵۶۳۹ر۲۱۰
۹- آلو	۲۳ر۹۱۹	۲۲۳۹۶	۵۱۷۱ر۵۹۴
۱۰- گنّ	۱۰ر۲۸۴	۵۲۷۳۸	۵۴۲ر۳۶۰
۱۱- ناریل**	۲۱ر۱۳۲	۱۴۶۸۶	۳۱۰۳ر۴۲۲
۱۲- سپاری	۶ر۷۳۱	۱۴۱۹	۹ر۵۴۸
۱۳- ہلدی	۱۱ر۱۹۵	۱۹۵۴	۲۰ر۶۵۶
۱۴- لال مرچ	۵۳ر۷۹۲	۷۸۵	۴۲ر۲۳۱
۱۵- تمباکو	۱۲ر۰۰۰	۷۹۰	۹ر۴۷۶

* پیداواریت فی ہیکٹر گانٹھوں میں اور پیداوار ۰۰۰ گانٹھوں میں۔
ایک گانٹھ = ۱۸۰ کیلوگرام

** پیداواریت فی ہیکٹر سپاریوں میں اور پیداوار لاکھ سپاریوں میں۔

عوامی تعطیلات برائے سنہ ۱۹۹۶

گورنر کے حکم کے مطابق حکومتِ مغربی بنگال نے ۱۹۹۶ء کے مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کا دن قرار دیا ہے :

این آئی ایکٹ کے تحت تعطیلات

نیتا جی کا یوم پیدائش	۲۳ر جنوری، منگل
سری پنچمی	۲۵ر جنوری، جمعرات
یوم جمہوریہ	۲۶ر جنوری، جمعہ
عید الفطر	۲۱ر فروری، بدھ
دول جاترا	۵ر مارچ، منگل
★ بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی	یکم اپریل، سوموار
گڈ فرائیڈے	۵ر اپریل، جمعہ
عید الاضحیٰ	۲۹ر اپریل، سوموار
یوم مئی	یکم مئی، بدھ
محرم	۲۸ر مئی، منگل
میلاد النبی (فاتحہ دوازدہم)	۲۹ر جولائی، سوموار
یوم آزادی	۱۵ر اگست، جمعرات
جنم اشٹمی	۴ر ستمبر، بدھ
★ بینک اکاؤنٹس کی نصف سالانہ بندی	۳۰ر ستمبر، سوموار
گاندھی جی کا یوم پیدائش	۲ر اکتوبر، بدھ
★★ مہالایا	۱۲ر اکتوبر، سنیچر
★★ درگا پوجا (سپتمی)	۱۹ر اکتوبر، سنیچر
" " دشمی	۲۱ر اکتوبر، سوموار
★★ لکشمی پوجا	۲۶ر اکتوبر، سنیچر
پرشوناتھ کا رتھ جاترا اور	۲۵ر نومبر، سوموار
گرونانک کا یوم پیدائش	" " " "
کرسمس ڈے	۲۵ر دسمبر، بدھ

نوٹ : (۱) این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ چونکہ ۱۹۹۶ء کے مندرجہ ذیل تہوار اتوار کے دن پڑے ہیں اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

بنگلہ نئے سال کا پہلا دن	۱۴ر اپریل
درگا پوجا (اشٹمی اور نومی)	۲۰ر اکتوبر
کالی پوجا	۱۰ر نومبر

(۲): اگر مسلمانوں کا تہوار اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر اس فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلم ملازمین کو اعلان کردہ تعطیل کے دن کے ساتھ ساتھ اُس دن بھی سیکشنل چھٹی دی جائیگی جس دن وہ تہوار منایا جائے گا۔

(۳): سرکاری دفاتر یکم اپریل اور ۳۰ر ستمبر کو کھلے رہیں گے جنہیں ★ نشان کے ساتھ اس اعلانیہ کے تحت عوامی تعطیلات قرار دیا گیا ہے

(۴): ★★ نشان کے ساتھ اعلانیہ تعطیلات کا اعلان انہیں سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

۱۹۹۶ء کے مندرجہ ذیل دن جو عوامی تعطیلات کے دن قرار نہیں دیے گئے ہیں کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنسز اور کلکٹریٹ آف اسٹامپ ریونیو کو چھوڑ کر حکومتِ مغربی بنگال کے تحت دفاتر بند رہیں گے۔

رابندرناتھ کا یوم پیدائش		۸ر مئی،
★ شاعر بھانو بھکت کا یوم پیدائش (صرف ضلع دارجلنگ کے لئے)		۱۳ر جولائی، س
درگا پوجا :	ایکادشی	۲۲ر اکتوبر، م
	دوادشی	۲۳ر اکتوبر،
	ترایودشی	۲۴ر اکتوبر، ج
	چتردشی	۲۵ر اکتوبر، جم

★★ اس کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا، جہاں سنیچر پوری تعط کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

۱۹۹۶ء میں مندرجہ ذیل دن مذکورہ ذیل کے مطابق مختلف فرقو سیکشنل تعطیلات کے دن ہوں گے :

مہابیر جینتی (صرف جین مت والوں کے لئے)	یکم اپریل، سو
★★ ایسٹر سٹرڈے (صرف عیسائیوں کے لئے)	۶ر اپریل، س
★★ بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے)	۱۳ر اپریل، س

بودھ پرنیما (بدھ مت والوں کے لئے) ۳ رمئی، جمعہ

نوٹ: ۱۹۹۶ء میں شب برأت کا تہوار (صرف مسلمانوں کے لئے) ۷ رجنوری اتوار کے دن پڑا ہے جو کہ این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیل کا دن ہے اسی لئے اس تہوار کو مذکورہ فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

★★ اس کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر کے دن پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے۔

ایک سرکاری ملازم ۱۹۹۶ء میں مندرجہ ذیل "محدود تعطیلات" کی فہرست سے کسی بھی دو دن کی تعطیل سے مستفید ہو سکتا ہے۔

۱: نئے سال کا پہلا دن — یکم جنوری، سوموار
۲: پوس سنکرانتی — ۱۵ رجنوری، سوموار
۳: سکرات — ۱۶ رجنوری، منگل
۴: جمعتہ الوداع — ۱۶ رفروری، جمعہ
★★۵: شیوراتری — ۱۷ رفروری، سنیچر
★★۶: شب قدر — ۱۷ رفروری، سنیچر
۷: ہولی/باہا — ۶ رمارچ، بدھ
۸: رام نومی — ۲۸ رمارچ، جمعرات
۹: رتھ جاترا — ۱۷ رجولائی، بدھ
۱۰: فاتحہ یازدہم — ۲۶ راگست، سوموار
۱۱: رکشا بندھن — ۲۸ راگست، بدھ
۱۲: دیوالی — ۱۱ رنومبر، سوموار
۱۳: بھاترید دتیہ — ۱۲ رنومبر، منگل
۱۴: مٹیا فیسٹول (صرف ضلع مرشد آباد کیلئے) — ۶ رمارچ، بدھ
★★۱۵: بارو دول (صرف ضلع ندیا کے لئے) — ۳۰ رمارچ، سنیچر
★★۱۶: رام کیلی میلہ (صرف ضلع مالدہ کے لئے) — ۱۵ رجون، سنیچر
★★۱۷: شاعر بھالو بھکت کا یوم پیدائش (صرف ضلع جلپائی گوڑی کے لئے) — ۱۳ رجولائی، سنیچر
۱۸: پونر جاترا (صرف ضلع ہگلی کے لئے) — ۲۵ رجولائی، جمعرات
۱۹: پانڈوا میلہ (صرف ضلع مالدہ کے لئے) — بعد میں اعلان کیا جائیگا

نوٹ: (۱) ۱۹۹۶ء میں مندرجہ ذیل تہوار اتوار کو پڑے ہیں جو کہ این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن ہیں اور اسی لئے انہیں "محدود تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے

(الف): گرو روی داس کا یوم پیدائش — ۴ رفروری
(ب): بکریشور میلہ (صرف ضلع بیر بھوم کے لئے) — ۱۸ رفروری
(ج): مناسا پوجا میلہ (صرف ضلع جلپائی گوڑی کے لئے) — ۱۸ راگست
(د): راش جاترا — ۲۴ رنومبر

۲: ۱۹۹۶ء میں بسنت پنچمی تہوار (صرف ضلع پرولیا کے لئے) ۲۶ رجنوری، یوم جمہوریہ کے دن پڑا ہے جو کہ این آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیل کا دن ہے اس لئے اسے فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

۳: ★★ نشان کے ساتھ تہواروں کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

بقیہ: مرکزی معاشی پالیسی نے عام لوگوں کو نظر انداز کیا ▲

صنعتوں کے قیام سے متعلق بات چیت کرنے کیلئے وہاں جانے والی ہے۔

بی سی سی آئی کے سابق صدر پی بی گھوش نے ریاست میں صنعت کاری کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کیا اور مختلف فلاحی سرگرمیوں میں بی سی سی آئی کے کردار کی وضاحت کی۔

پی کے دت، ڈائرکٹر، کلیرین ایڈورٹائزنگ سروسز پرائیوٹ لمیٹڈ اور ایچ بی بروا، لیے اور بی پلانٹیشن اور سانڈ سٹریز کے ایم ڈی ۹۶-۱۹۹۵ء کے دوران بی سی سی آئی کے صدر اور نائب صدر بالترتیب منتخب ہوئے۔

عازمینِ حج برائے سنہ ۱۹۹۶ء کے لئے ایک اعلان

مرکزی حج کمیٹی بمبئی نے بقیہ زرِمبادلہ کی رقم کی ادائیگی کے لئے درج ذیل اعلان جاری کیا ہے۔

الف : ایسے عازمین جنہوں نے =/۵,۵۰۰ سعودی ریال کی زرمبادلہ کی رقم لینے کی خواہش ظاہر کی ہے اور جو مکہ و مدینہ میں حج کمیٹی کی طرف سے مہیا رہائشی انتظامات کا استفادہ کر رہے ہیں ان کے لئے واجب الادا رقم ہے =/۴۹,۳۴۰ روپئے فی کس۔

170695
(16.10.97)

ب : ایسے عازمین جنہوں نے =/۴,۶۰۰ سعودی ریال کی زرمبادلہ کی رقم لینے کی خواہش ظاہر کی ہے اور جو مکہ و مدینہ میں حج کمیٹی کی طرف سے مہیا رہائشی انتظامات سے استفادہ کر رہے ہیں انکے لئے واجب الادا رقم ہے =/۴۴,۸۰۴ روپئے فی کس

ج : ایسے عازمین جن کے لئے مکہ اور مدینہ میں رہائش کا انتظام سعودی عرب میں مقیم ان کے پہلے درجے کے رشتہ داروں نے کیا ہو یا ایام حج کے دوران رہائش کا انتظام دو متبرک شہروں میں واقع ہندستانی رباط میں کیا ہو ایسے عازمینِ حج =/۴,۷۵۰ سعودی ریال کے حقدار ہوں گے جس کی مساوی رقم =/۴۱,۹۳۰ روپیہ فی کس ہوتی ہے۔

حج سنہ ۱۴۱۶ھ مطابق سنہ ۱۹۹۶ء کے عازمین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے رہائشی انتظامات کے درجے کی مناسبت سے متذکرہ بالا رقم کا ڈرافٹ یکم فروری سنہ ۱۹۹۶ء تک ریاستی حج کمیٹی مغربی بنگال کے دفتر واقع رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۱ میں جمع کرائیں یا بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک روانہ کریں۔ اس رقم کا ڈرافٹ "ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال" کے نام بنانا مطلوب ہے۔ یہ ڈرافٹ اسٹیٹ بینک آف انڈیا، بین رائج میں قابلِ ادائیگی ہونا ضروری ہے۔ عازمینِ حج سے گزارش ہے کہ وہ ڈرافٹ کے ساتھ منسلک خط میں اپنا مکمل نام، پتہ اور حوالہ نمبر لکھنا نہ بھولیں۔ بینک ڈرافٹ کی پشت پر اپنا حوالہ نمبر (cover no) ضرور لکھیں تاکہ آپ کی ڈرافٹ کی رقم آپ کے اکاؤنٹ میں فی الفور جمع ہو۔

عازمینِ حج تفصیلی معلومات کے لئے رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں واقع ریاستی حج کمیٹی کے دفتر نیز ضلع پریشد کے دفتر اور ضلع کے متعلقہ دفتر سے رجوع کر سکتے ہیں :

MAGHREBI BANGAL
An Urdu Fortnightly
December 15, 1995

REGD. No. WB/CC-390
Vol. No. 42 Issue No. 22 & 23
Price 50 Paise

اوپر: وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گزشتہ ۲۷ نومبر کو محکمہ اطلاعات و ثقافتی امور کے زیر اہتمام بنگیہ ناٹیہ بھون کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں

نیچے: وزیر اعلیٰ موصوف گزشتہ ۱ دسمبر کو شمالی ۲۴ پرگنہ کے سنگرام پور اسپورٹس میں ایک [illegible] کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں (تصاویر: مدھوسدن)

Chief Editor Ananda Ghosh Hazra, Asst Editor Md Mustafa, Published by the Information & Cultural Dept of Government of West Bengal and Printed by Basumati Corporation Ltd 166, Bipin Behari Ganguly , Calcutta-700 012